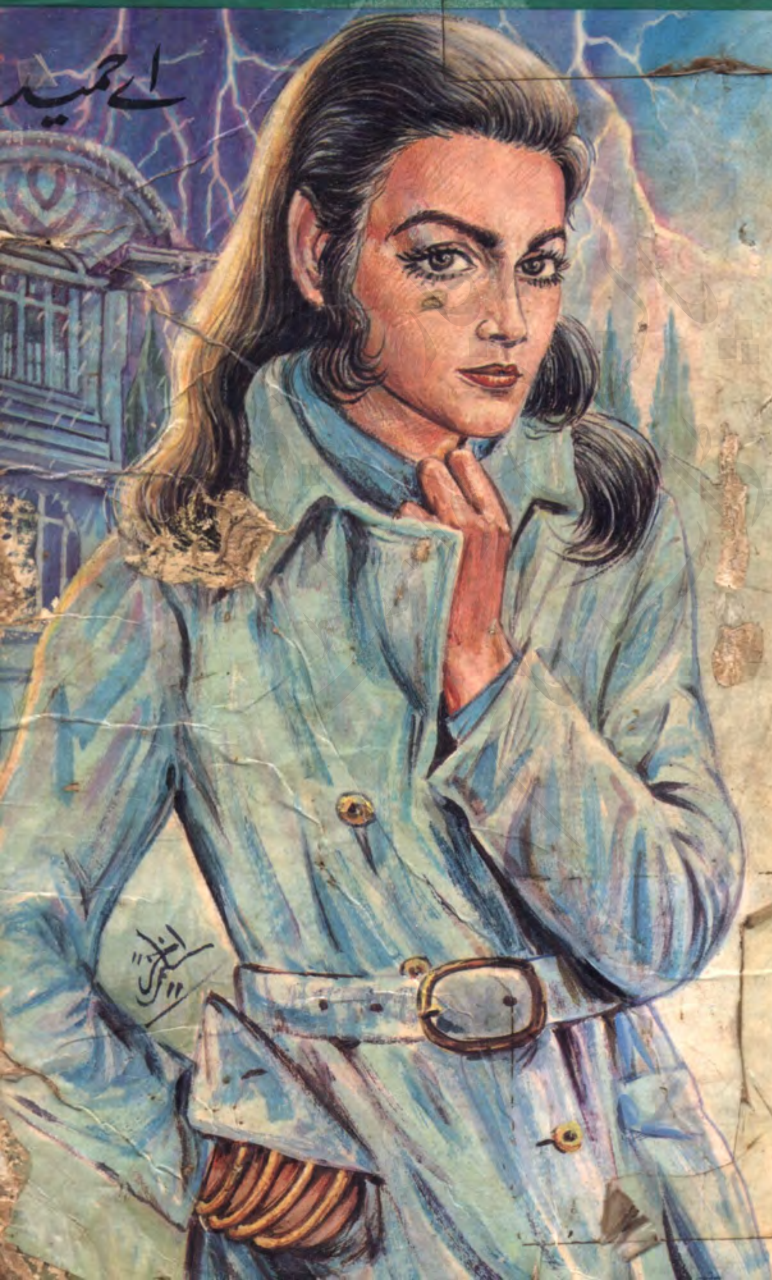
پہلی محبت کے آنسو



سورج غروب ہو چکا تھا۔

آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں کی گرج چمک بتا رہی تھی کہ بارش ہونے والی ہے۔ سمیرا اپنی چھوٹی گاڑی ڈرائیو کرتی۔ اس نیم پہاڑی علاقے کی اونچی نیچی سڑک پر سے گزر رہی تھی۔ ان کا خاندانی ملازم سلیمان جس کو سمیرا سلیمان چچا کہہ کر بلاتی تھی، پچھلی سیٹ پر اپنی لائسنس والی بندوق گود میں لئے بیٹھا تھا۔ اس کی عمر پچاس کے قریب ہو گی۔ جسم بڑا مضبوط اور سینہ چوڑا تھا۔ سلیمان کی اکلوتی بیٹی نوری، جس کو سمیرا نوری کہا کرتی تھی، آگے سمیرا کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ نوری کی چمک اور آنکھوں میں حیا اور پاس ادب کی متانت تھی۔ سمیرا بھی پڑھی لکھی جوان اور خوش شکل لڑکی تھی جو اپنی عمر کے پچیسویں سال میں قدم رکھ چکی تھی۔ بادلوں میں بجلی چمکی۔ پھر زور دار گرج سنائی دی اور گاڑی کے شیشے پر بارش کی بوندیں گرنا شروع ہو گئیں۔ سمیرا نے وائپرز چلا دیئے۔ نوری نے اپنی گرم چادر کو جسم کے گرد مزید لپیٹتے ہوئے کہا۔

"بارش آگئی ہے باجی!"

اگرچہ سمیرا مالکن تھی مگر اس نے نوری کو ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ اسے ہمیشہ باجی کہا کرے۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا خاندانی ملازم اور نوری کا باپ سلیمان شیشے میں سے اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"سمیرا بیٹی! میرا خیال ہے ہم پیپل والے پرانے کنویں سے گزر آئے ہیں"۔

سمیرا نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ کھڑکی کے بند شیشے پر ڈالی۔ عین اس لمحے بجلی چمکی، جس نے سارے نیم پہاڑی علاقے کو پل بھر کے لیے روشن کر دیا۔ سمیرا کو تھوڑا آگے چھوٹی سڑک بائیں جانب گھومتی نظر آ گئی تھی۔ اس نے کہا۔

"ہم ٹھیک جا رہے ہیں سلیمان چچا!"

سلیمان چچا نے کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی سڑک کے ساتھ ہی بائیں جانب گھوم گئی۔ یہ نیم پہاڑی علاقہ تھا۔ یہاں سے آگے جا کر ایک بہت خوبصورت وادی آئی تھی اور پھر اونچے اونچے پہاڑوں کی چڑھائی شروع ہو جاتی تھی۔ جس علاقے میں محبت کی اس لازوال داستان کا آغاز ہو رہا ہے وہ میدانی بھی تھا اور پہاڑی بھی۔ پہاڑی ان معنی میں کہ یہاں کہیں کہیں اونچے نیچے ٹیلے' کھڈے' پہاڑی نالے اور کھپریل کی ڈھلانی چھتوں والے مکان تھے اور میدانی ان معنوں میں کہ یہاں کشادہ کھیت تھے جن میں گندم' باجرا' سرسوں اور مکئی کی کاشت ہوتی تھی اور لوکاٹ امرود اور آم کے باغ بھی تھے۔ ایک ندی بھی تھی جو پھلدار باغوں کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی۔ یہاں میدانی علاقوں کی طرح سردیوں میں سردی پڑتی اور گرمیوں میں لو بھی چلتی تھی۔ اتنا ضرور ہے کہ پہاڑوں کے دامن میں ہونے کی وجہ سے یہاں راتیں ٹھنڈی رہتی تھیں اور کبھی کبھی سردیوں میں ہلکی ہلکی برفباری بھی ہو جاتی تھی۔

سلیمان چچا کا خیال تھا کہ ہمیں دوپہر کی بجائے رات کے وقت سفر شروع کرنا چاہیے تھا تاکہ شام ہونے سے پہلے اپنی منزل پر پہنچ جاتے سمیرا نے س کا جواب یہ دیا کہ یہ علاقہ ہمارے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے۔ دادا ابو کے زمانے کے ان کے پھل دار باغ اور اراضی اسی علاقے میں تھی۔ وہ بچپن میں بھی یہاں آیا کرتی تھی۔ اب وہ پھل دار باغ اور زمینیں ان کے پاس نہیں رہیں تو کیا ہوا۔ علاقہ تو سارا جانا پہچانا ہے۔

بادلوں میں بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ بارش ابھی تک اکا دکا بوندوں کی شکل میں ہی ہو رہی تھی۔ بادلوں میں جتنی گرج چمک تھی اس کے مطابق بارش نہیں ہوئی تھی۔ گاڑی ایک چھوٹے نالے کا پل پار کرنے کے بعد کشادہ جگہ پر آئی تو بجلی چمکی اور اس چمک میں سمیرا کو احاطے کے اندر اس دو منزلہ

ندیم مکان کا خاکہ نظر آیا جو اس نے ایک ماہ پہلے اس لیے خریدا تھا کہ ایک تو یہ بڑی پر فضا جگہ پر تھا دوسرے اس کے پیچھے ایک چھوٹی سی ندی گزرتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ وجہ بھی تھی کہ سمیرا کو نیم پہاڑی علاقے میں واقع اسی قسم کے پر سکون قدیم طرز تعمیر والے مکان کی ضرورت تھی جہاں رہ کر وہ اپنی زندگی کی بہترین تصویریں پینٹ کر سکے۔ سمیرا نے ایک مقامی آرٹس کالج سے فائن آرٹس میں ایم اے کیا ہوا تھا۔ پینٹنگ سے اسے بچپن ہی سے بڑی دلچسپی تھی۔ ابھی وہ جوان تھی۔ ساری زندگی اس کے سامنے پڑی تھی۔ مگر ساری زندگی اس نے اکیلی رہ کر گزار دینے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس الگ تھلگ پرانے مضافاتی مکان میں رہ کر زندگی کے آخری دور تک تصویریں بنائے۔ ایسی تصویریں جن میں اس کی روح کا کرب اور جذبات کا اضطراب جھلک رہا ہو۔ سمیرا کی نہ ماں تھی نہ باپ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ باپ نے اس کی والدہ سے محبت کی شادی کی تھی۔ مگر بہت جلد ان کی آپس میں تلخ کلامیاں اور لڑائیاں شروع ہو گئیں تو اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی اور گھر چھوڑ دیا۔ اس کے باپ کی کافی جائیداد تھی۔ زمین' مکان' بنک بیلنس۔ سب کچھ تھا مگر باپ نے سب کچھ دوسری جوان مگر ہرجائی قسم کی بیوی پر لٹا دیا۔ سمیرا کی والدہ کچھ عرصے بیمار رہ کر اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ دوسری بیوی نے سب کچھ اپنے نام لکھوا لیا۔ باپ کو اب اپنی پہلی بیوی کی وفاشعاریوں اور بے لوث خدمت گزاریوں کا احساس ہوا۔ مگر اب پچھتانے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تھوڑی سی جائیداد دو چار مکانوں کی شکل میں اس نے بچا کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس نے سمیرا کے نام کر دی اور اپنی پہلی بیوی کی جدائی میں راتوں کو جاگ کر رویا کرتا۔ پھر ایک روز سمیرا اپنے باپ کے لیے صبح کی چائے لے کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ پلنگ پر مردہ پڑا تھا اور سمیرا کی والدہ کی تصویر اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے قالین پر گری ہوئی تھی۔ اس عالی شان بنگلے کے آدھے حصے پر بھی اس کی سوتیلی ماں نے قبضہ جما رکھا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد سوتیلی ماں نے سمیرا کا جینا حرام کر دیا۔

سمیرا پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ زندگی اور زندگی کے جذبات کی قدر و منزلت پہچانتی تھی۔ وہ اپنی خدمت گزار ماں کی طرح محبت میں سسک سسک کر نہیں مرنا چاہتی

تھی پہلا فیصلہ تو اس نے یہ کیا کہ وہ زندگی بھر شادی نہیں کرے گی۔ دوسرا فیصلہ اس نے یہ کیا کہ وہ یہاں نہیں رہے گی جہاں ہر قدم پر اس کی پیاری امی کی یادیں اسے اپنی طرف بلاتی ہیں اور جہاں اب اس کی سوتیلی ماں اور اس کے بدتمیز رشتے دار دندناتے پھرتے ہیں۔ سمیرا کے پاس باپ کی دی ہوئی اتنی جائیداد ضرور تھی کہ جس کو فروخت کر کے وہ کوئی خاموش دنیا سے الگ تھلگ جگہ پر واقع مکان خرید کر باقی زندگی آرام و سکون سے بسر کر سکتی تھی۔ اس نے ایسے مکان کی تلاش شروع کر دی۔ بہت جلد اسے اپنی پسند کا مکان مل گیا۔ یہ وہی مکان تھا جس کے احاطے میں اب اس کی گاڑی داخل ہو چکی تھی یہ مکان اس نے خرید لیا۔ اپنے خاندانی ملازم سلیمان چچا کی مدد سے مکان کی تھوڑی بہت مرمت کروائی۔ رنگ روغن کروایا۔ وہاں اپنا کچھ ضروری سامان پہنچوایا اور پھر ایک روز شام کے وقت سلیمان چچا اور اس کی اکلوتی بیٹی نوری کو ساتھ لیا۔ اور نئے مکان کی طرف روانہ ہو گئی۔ سمیرا کے باپ نے سلیمان چچا کو گھر کی حفاظت کے لیے بندوق کا لائسنس بنوا کر دے رکھا تھا یہ بندوق ہر وقت سلیمان چچا کے پاس رہتی تھی۔ اس وقت بھی سلیمان چچا نے بندوق اپنے گھٹنوں پر رکھی ہوئی تھی۔ سلیمان اور نوری کو سمیرا نے اس لیے ساتھ لے لیا تھا کہ وہ آبادی سے دور اس مکان میں اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔ سلیمان چچا بھی سمیرا سے اپنی بیٹی نوری کی طرح پیار کرتا تھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا کہ بیوی اسے نوری کی شکل میں ایک بچی دے کر اللہ کو پیاری ہوئی تو سلیمان نے اپنی زندگی بچی کی پرورش کے واسطے وقف کر دی اور پھر شادی ہی نہ کی۔

مکان کی بیرونی دیوار پر محرابی دروازے کے اوپر کھڑکی تک بادلوں میں بجلی ایک بار پھر چمکی۔

جو عشق پیچاں کی بیل چڑھی ہوئی تھی اس کے پھول آسمانی بجلی کی چمک میں نیلے دھبوں کی مانند ایک پل کو نظر آ کر غائب ہو گئے۔ سمیرا نے احاطے کے اندر مکان کے گیراج میں جس کا کوئی دروازہ کھڑکی نہیں تھی اور احاطے میں ایک طرف چھت ڈال کر بنا گیا تھا' اپنی کار کھڑی کر دی۔ سلیمان چچا سب سے پہلے بندوق سنبھالتا ہوا گاڑی سے نکلا اور گاڑی کی ڈگی کھول کر بولا۔

"بیٹی تم اندر جاؤ میں تمہارا سامان لے کر آتا ہوں"۔ اری نوری! اندر بڑے کمرے میں جا کر آگ جلا دے۔ لکڑیاں صبح میں لگا گیا تھا"۔

سمیرا بھی گاڑی سے باہر آ گئی۔ بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر پڑیں تو اس کے بدن میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے اپنی گرم جیکٹ کے کالر اوپر اٹھا لئے اور تیز تیز قدموں سے مکان کے آگے کو نکلے ہوئے چھجے کی طرف بڑھی جس پر انگور کی بیل ایکطرف سے نیچے کو جھک آئی تھی۔ تین چار دنوں تک سمیرا اس مکان کی چھوٹی موٹی آرائش اور چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق رکھوانے میں مصروف رہی تھی۔ اس پرانے مکان کی ایک یہ خوبی بھی سمیرا کو پسند آئی تھی کہ اس کا طرز تعمیر پرانا تھا۔ ہر کمرے میں ایک آتش دان تھا۔ آس پاس کافی فاصلے تک کوئی مکان نہیں تھا۔ احاطے کی پتھر کی دیوار پر جنگلی گلاب کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور پیچھے کچھ پھل دار پرانے درخت بھی تھے جن میں سیب اور دیسی ناشپاتی کے درخت تو بڑے گنجان ہو گئے تھے۔ دوسری منزل پر ایک اونچی چھت والا لمبا کمرہ تھا جسے صاف کروا کر سمیرا نے اپنے اسٹوڈیو میں تبدیل کر لیا تھا اور اپنی بنائی ہوئی آئل کلر تصویروں کے کینوس دیوار کے ساتھ لگوا دیئے تھے۔ ایک دیوان بھی وہاں ڈلوا لیا تھا۔ ایزل اور رنگوں کی ٹیوبیں' برش وغیرہ بھی ایک بڑی میز پر جمع کر دیئے تھے' اور اونچی محرابی کھڑکیوں پر سفید پردے لگوا لئے تھے تاکہ کھڑکیوں پر پردہ گرنے کے بعد بھی دن کی روشنی اسٹوڈیو میں آتی رہے۔

اپنی رہائش کے لیے اس نے سامنے کی طرف کونے والا کمرہ منتخب کیا تھا جو دوسرے کمروں کی نسبت چھوٹا تھا اور اس کی چھت بھی اونچی نہیں تھی باتھ روم اس کے ساتھ ہی تھا اور تینوں کھڑکیاں سامنے کے باغیچے کی طرف کھلتی تھیں۔ سمیرا نے اس کمرے کے فرش پر اپنے پرانے بنگلے سے منگوا کر قالین بچھوایا۔ کھڑکی کے ساتھ ایک طرف مسہری رکھوا دی۔ آتش دان اور اس کی چمنی کو بھی صاف کروایا۔ ایک طرف اپنی کتابوں کی الماری لگا دی۔ کارنر پر الارم والا ٹائم پیس' ریڈیو اور اپنی والدہ کی چاندی کے فریم اور اسٹینڈ والی تصویر سجا دی۔ ٹی وی سیٹ مسہری کے بالکل سامنے دیوار کے ساتھ رکھوا دیا۔ دیوار پر پال گوگین کی صرف ایک تصویر لگوائی جس میں

تہیتی جزیرے کی لڑکیاں درختوں سے پھل توڑتی دکھائی گئی تھیں۔ پال لوبین نے بے ساختہ کلر سمیرا کے دل کو محبت کی دل بستگی اور لازوال مسرتوں سے لبریز کر دیتے تھے۔ اس محبت کے سمیرا نے خواب ہی دیکھے تھے۔ جب ان خوابوں کو پورا کرنے کا وقت آیا تو اس کا باپ اس کی والدہ کو چھوڑ کر دوسری عورت کے پاس جا چکا تھا۔ محبت کے اس عبرتناک اور حسرت انگیز انجام نے سمیرا کے سارے وجود' اس کی ساری نفسیات کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ محبت سے نفرت کرنے لگی اور اس نے اپنے سارے خواب خود اپنے ہاتھوں چکنا چور کر دیئے اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ کبھی محبت کے ہیبت ناک فریب میں نہیں آئے گی۔ اس نے اپنی ماں کو اس بظاہر بڑی دل فریب محبت کے جال میں پھنس کر سسک سسک کر دم توڑتے دیکھا تھا۔ ٹھیک ہے اس کا دولت مند باپ اس کی ماں کے عبرتناک انجام پر بعد میں راتوں کو روتا رہا۔ مگر پھر اس کا کیا فائدہ؟ محبوب کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا کر رونے اور اس کی قبر پر پچھتاوے کے آنسو بہانے میں بڑا فرق ہوتا ہے زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

سمیرا نے کونے والے اپنے کمرے میں آتے ہی اندر کی بتی جلا دی۔ باہر کی دونوں بتیاں وہ ڈیوڑھی سے گزرتے ہوئے جلاتی آئی تھی۔ کمرے کی فضا میں گرماہٹ تھی۔ سمیرا نے جیکٹ اتار دی اور بیگ پلنگ پر رکھتے ہوئے اس میں گرم شال نکال کر شانوں پر اوڑھ لی۔ نوری کو بڑے کمرے میں آگ جلوانے کے لیے بھجوانے کے بعد سلیمان چچا گاڑی میں سے سامان نکال رہا تھا بوندا باندی اسی طرح ہو رہی تھی۔ باہر کی 'دونوں بتیاں جلنے کی وجہ سے اب گاڑی احاطے کی دیوار اور باغیچے کے درخت اندھیرے میں نظر آنے لگے تھے۔ بڑے کمرے میں صرف ایک صوفہ سیٹ کھانے کی میز اور چینی کے برتنوں والی الماری ہی رکھ دی گئی تھی۔ فرش بادامی رنگ کے قالین میں چھپا ہوا تھا۔ نوری نے آتشدان میں آگ روشن کر دی تھی۔ پھر وہ بڑا ٹفن کیریئر لے کر کچن کی طرف چلی گئی تاکہ کھانا وغیرہ گرم کرے جو یہ لوگ اپنے پرانے بنگلے سے چلتے وقت ساتھ لیتے آئے تھے۔ نئے مکان میں کل سے کھانا پکانا شروع ہونا تھا۔ سمیرا نے رات کا کھانا بڑے کمرے کی میز پر بیٹھ کر ہی کھایا۔ کافی اس نے اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر پی۔

آغوش میں یہ گدے دار صوفہ آرام کرسی کی طرح کا تھا اور اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا۔ یہاں بیٹھے ہوئے آدمی کو اگر کھڑکی کھلی ہو تو باہر باغ کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا سمیرا نے اسے اپنی مرضی کے مطابق یہاں رکھوایا تھا۔ تاکہ یہاں سے وہ باہر باغ کا نظارہ کر سکے۔ اس رات سمیرا نے نوری کو اپنے کمرے میں قالین پر سلایا۔ اس کا باپ سلیمان چچا نوکروں کی کوٹھری میں سویا جہاں اس نے اپنا سامان دو روز پہلے ہی لگا دیا تھا۔ رات کے بارہ ایک بجے تک وہ بندوق کاندھے پر لٹکائے چل پھر کر مکان کی چوکیداری کرتا رہا۔ بارش میں کمبل سر پر ڈال کر وہ دوبار مکان کی پچھلی دیوار کا چکر لگا آیا۔ مکان کے پیچھے جہاں لیموں کی باڑھ ختم ہوتی تھی ایک چھوٹا سا کاٹیج تھا جو نہ جانے کب سے خالی پڑا تھا۔ اس پر تالا نہیں پڑا تھا۔ سلیمان چچا پہلے بھی اس چھوٹے سے کاٹیج نما کمرے کا جائزہ لے چکا تھا اس کمرے میں کچھ پرانا ٹوٹا پھوٹا فرنیچر بھرا پڑا تھا۔ سلیمان نے دروازہ کھول کر اندر جھانک کر دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔ بارش میں تیز تیز قدموں سے باغیچے سے گزرتا اپنی بڑے گیٹ اور کچن کے ساتھ والی ملازموں کی کوٹھری میں آ کر لیٹ گیا۔

نئی جگہ ہونے کی وجہ سے سمیرا کی صبح جلدی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں کھڑکی پر گرے ہوئے پردوں کے پیچھے سے دن کی بڑی ہلکی ہلکی سی روشنی اندر آ رہی تھی۔ نوری قالین پر کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی۔ آتشدان کی آگ بجھ چکی تھی۔ سمیرا پلنگ چھوڑ کر کھڑکی کے پاس گئی۔ پردہ ہٹا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھولا تو چیڑ اور مرطوب جنگلی گھاس کی خوشبو سے لدی ہوئی ٹھنڈی ہوا نے اس کے ماتھے کو چھوا۔ بارش رک گئی تھی۔ بادلوں میں سے طلوع صبح کی روشنی جھانک رہی تھی۔ سمیرا نے کھڑکی بند کر دی اور نوری کو جگا کر پانی گرم کرنے کو کہا۔ کچن کی طرف سے برتنوں کے رکھنے اٹھانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ سلیمان چچا چائے دم کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ گرم پانی سے وضو کر کے سمیرا نے اپنے کمرے میں ہی صبح کی نماز پڑھی۔ نوری اس لیے چائے لے کر آ گئی۔ چائے کیتلی میں دم کی ہوئی تھی جو سواتی ٹی کوزی سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سمیرا نے نوری سے پوچھا کہ اسے کمبل میں رات کو ٹھنڈ تو نہیں لگی۔ نوری نے چائے کی ٹرے پلنگ کے پاس تپائی پر رکھتے ہوئے کہا

"نہیں باجی! میں تو بہت آرام سے سوئی ہوں"۔ پھر وہ کچن کی طرف چلی گئی جہاں اسے اپنے باپ سلیمان کے ساتھ مل کر ناشتے کی تیاری کرنی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد سمیرا مکان کے اوپر والی منزل میں آئی۔ یہاں اس کی مکمل اور غیر مکمل تصویروں کے کینوس دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں ٹھنڈ سی تھی۔ ایزل پر لگی ہوئی زیر تکمیل تصویر کو وہ ایک منٹ تک غور سے دیکھتی رہی۔ باہر دن کی روشنی خوب سفید ہو گئی تھی جو کھڑکیوں پر گرے سفید پردوں میں سے چھن چھن کر کمرے میں آ رہی تھی۔ وہ بڑی خوش تھی کہ یہاں تنہائی اور آزادی کے ماحول میں رہ کر وہ پوری توجہ سے تصویریں بنا سکے گی۔ تصویریں بنانا اور اس فن میں کوئی بڑا مقام حاصل کرنا سمیرا کی زندگی کا مقصد نہیں تھا۔ یہ اس کا شوق تھا جو اس کے ذہن کی نشوونما بھی کرتا تھا اور اس کے اعصاب کو سکون بھی عطا کرتا تھا۔ اس نے اپنی تصویروں کی کبھی نمائش بھی نہیں کی تھی۔ بس ایک شوق تھا اگرچہ سمیرا نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی تھی جہاں دولت کی ریل پیل تھی مگر اسے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا پیار نہ مل سکا تھا۔ کوئی بہن بھائی تھا ہی نہیں۔ ہوش سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے ماں باپ کو لڑتے جھگڑتے ہی دیکھا۔ پھر سوتیلی ماں نے گھر پر قبضہ کر لیا۔ اصلی ماں کو طرح طرح کی بیماریوں نے آن گھیرا۔ وہ بستر پر ایسی پڑی کہ پھر نہ اٹھ سکی اس کی موت کے بعد سوتیلی ماں اس پر طرح طرح کے ظلم توڑنے لگی۔ اب باپ کو پچھتاوا ہوا مگر وقت گزر چکا تھا۔ اس کے ضمیر کو پہلی بیوی پر کیے ہوئے ظلم و ستم بری طرح نوچنے لگے۔ وہ اپنے گناہوں کی آگ میں جلنے لگا اور پھر ایک دن اسی آگ میں جلتا' بیوی کو یاد کر کے آنسو بہاتا' اس کی روح سے وہ معافیاں مانگتا' دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ان حالات کی وجہ سے سمیرا تنہائی پسند ہو گئی اور اپنے کالج کے زمانے کی سہیلیوں سے بھی زیادہ دوستی نہ بنا سکی۔ باپ مرنے سے پہلے ایک اچھا کام کر گیا تھا۔ کہ اس نے چھوٹی سی شہر والی جائیداد سمیرا کے نام لکھ دی تھی جس کی آمدنی سے سمیرا اس مکان میں گزارا چلا سکتی تھی۔ شہر والے بنگلے میں وہ اکیلی نہیں رہ سکتی تھی لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے۔ چنانچہ اس نے شہر سے دور اس نیم پہاڑی علاقے میں یہ افسانوی طرز کا پر سکون قدیم مکان خرید لیا کہ جتنی زندگی باقی رہ گئی ہے وہ فطرت کی آغوش میں بسر کی جائے۔ شادی نہ کرنے کا اس نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ کالج کے زمانے کی اس کی صرف ایک ہی سہیلی نتاشا تھی جس کے ساتھ وہ کبھی کبھی دکھ سکھ کا اظہار کر لیا کرتی تھی۔ نتاشا ہی اس کی ایک راز دار سہیلی تھی۔ وہ شہر میں اپنے ماں باپ کے پاس رہتی تھی۔ اکنامکس میں ایم اے کرنے کے بعد اس نے کمپیوٹر پروگرامنگ کورس کیا تھا اور اب شہر کے ایک مشہور بنک میں بطور کمپیوٹر پروگرامر کے نوکری کر رہی تھی۔ نتاشا کو سمیرا کے تمام حالات کا علم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ شہر چھوڑ کر یہاں سے دور ایک مکان خرید کر رہنے لگی ہے۔ سمیرا نے اسے مکان کا پورا پتہ بتا دیا تھا۔ مگر ابھی نتاشا سمیرا سے ملنے نہیں آئی تھی۔ سمیرا نے اسے کہا تھا کہ جب میں مکان کو اپنی مرضی کے مطابق آراستہ کر لوں تب تمہیں خط لکھ بھیجوں گی کہ ایک دو دن کی چھٹیاں گزارنے میرے پاس آ جاؤ۔ سمیرا کی آنکھوں کے سامنے کالج کے دنوں کے سنہرے منظر آ گئے جب وہ اور نتاشا کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں۔ نتاشا سے باتیں کرنے سے سمیرا کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔

سمیرا اپنے نچلی منزل والے کمرے میں آ گئی۔ میز کی دراز میں سے رائٹنگ پیڈ اور قلم نکال کر اسی وقت نتاشا کو خط لکھنا شروع کر دیا۔ خط میں یہی لکھا کہ میں نئے مکان میں آ گئی ہوں۔ جیسا میں چاہتی تھی یہاں کا ماحول بالکل ویسا ہی ہے۔ تم ایک دو روز کے واسطے میرے پاس آ جاؤ۔ تمہیں یہ مکان اور اس کا ماحول بڑا پسند آئے گا۔ ٹکٹ لگا کر اس نے لفافہ سلیمان چچا کو دیا کہ قریبی قصبے میں جا کر اسے ڈاک میں ڈال آئے یہ قصبہ اس مکان سے کوئی میل ڈیڑھ میل پیچھے میدانی شہر کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ یہاں دو بڑے بازار تھے جہاں زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی تقریباً" ہر شے مل جاتی تھی۔ ایک پوسٹ آفس بھی تھا ایک بس کا اڈہ بھی تھا جہاں لاریاں تھوڑی دیر رک کر اوپر پہاڑی پر صحت افزا مقامات کی طرف جاتی تھیں۔ اس کے بعد سمیرا نے نوری کو ساتھ لیا اور ڈیوڑھی کے چھجے پر جھکی ہوئی انگور کی خشک بیل کی باہر کو نکلی ہوئی شاخیں کاٹنے لگی۔ موسم اسی طرح ابر آلود تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ رات کی بارش کی وجہ سے گھاس اور درختوں جھاڑیوں کی شاخیں پتے گیلے ہو رہے ۔ سمیرا نے ڈیوڑھی کے ستونوں کو دیکھتے ہوئے نوری سے کہا۔

"نہیں باجی! میں تو بہت آرام سے سوئی ہوں"۔ پھر وہ کچن کی طرف چلی گئی جہاں اسے اپنے باپ سلیمان کے ساتھ مل کر ناشتے کی تیاری کرنی تھی۔

ناشتہ کرنے کے بعد سمیرا مکان کے اوپر والی منزل میں آئی۔ یہاں اس کی مکمل اور غیر مکمل تصویروں کے کینوس دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں ٹھنڈ سی تھی۔ ایزل پر لگی ہوئی زیر تکمیل تصویر کو وہ ایک منٹ تک غور سے دیکھتی رہی۔ باہر دن کی روشنی خوب سفید ہو گئی تھی جو کھڑکیوں پر گرے سفید پردوں میں سے چھن چھن کر کمرے میں آ رہی تھی۔ وہ بڑی خوش تھی کہ یہاں تنہائی اور آزادی کے ماحول میں رہ کر وہ پوری توجہ سے تصویریں بنا سکے گی۔ تصویریں بنانا اور اس فن میں کوئی بڑا مقام حاصل کرنا سمیرا کی زندگی کا مقصد نہیں تھا۔ یہ اس کا شوق تھا جو اس کے ذہن کی نشوونما بھی کرتا تھا اور اس کے اعصاب کو سکون بھی عطا کرتا تھا۔ اس نے اپنی تصویروں کی کبھی نمائش بھی نہیں کی تھی۔ بس ایک شوق تھا اگرچہ سمیرا نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی تھی جہاں دولت کی ریل پیل تھی مگر اسے ماں باپ اور بہن بھائیوں کا پیار نہ مل سکا تھا۔ کوئی بہن بھائی تھا ہی نہیں۔ ہوش سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے ماں باپ کو لڑتے جھگڑتے ہی دیکھا۔ پھر سوتیلی ماں نے گھر پر قبضہ کر لیا۔ اصلی ماں کو طرح طرح کی بیماریوں نے آن گھیرا۔ وہ بستر پر ایسی پڑی کہ پھر نہ اٹھ سکی اس کی موت کے بعد سوتیلی ماں اس پر طرح طرح کے ظلم توڑنے لگی۔ اب باپ کو پچھتاوا ہوا مگر وقت گزر چکا تھا۔ اس کے ضمیر کو پہلی بیوی پر کئے ہوئے ظلم و ستم بری طرح نوچنے لگے۔ وہ اپنے گناہوں کی آگ میں جلنے لگا اور پھر ایک دن اسی آگ میں جلتا' بیوی کو یاد کر کے آنسو بہاتا' اس کی روح سے وہ معافیاں مانگتا' دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ان حالات کی وجہ سے سمیرا تنہائی پسند ہو گئی اور اپنے کالج کے زمانے کی سہیلیوں سے بھی زیادہ دوستی نہ بنا سکی۔ باپ مرنے سے پہلے ایک اچھا کام کر گیا تھا۔ کہ اس نے چھوٹی سی شہر والی جائیداد سمیرا کے نام لکھ دی تھی جس کی آمدنی سے سمیرا اس مکان میں گزارا چلا سکتی تھی۔ شہر والے بنگلے میں وہ اکیلی نہیں رہ سکتی تھی لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے۔ چنانچہ اس نے شہر سے دور اس نیم پہاڑی علاقے میں یہ افسانوی طرز کا پر سکون قدیم مکان خرید لیا کہ جتنی زندگی باقی رہ گئی ہے وہ فطرت کی

آغوش میں بسر کی جائے۔ شادی نہ کرنے کا اس نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ کالج کے زمانے کی اس کی صرف ایک ہی سہیلی نتاشا تھی جس کے ساتھ وہ کبھی کبھی دکھ سکھ کا اظہار کر لیا کرتی تھی۔ نتاشا ہی اس کی ایک راز دار سہیلی تھی۔ وہ شہر میں اپنے ماں باپ کے پاس رہتی تھی۔ اکنامکس میں ایم اے کرنے کے بعد اس نے کمپیوٹر پروگرامنگ کورس کیا تھا اور اب شہر کے ایک مشہور بنک میں بطور کمپیوٹر پروگرامر کے نوکری کر رہی تھی۔ نتاشا کو سمیرا کے تمام حالات کا علم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ شہر چھوڑ کر یہاں سے دور ایک مکان خرید کر رہنے لگی ہے۔ سمیرا نے اسے مکان کا پورا پتہ بتا دیا تھا۔ مگر ابھی نتاشا سمیرا سے ملنے نہیں آئی تھی۔ سمیرا نے اسے کہا تھا کہ جب میں مکان کو اپنی مرضی کے مطابق آراستہ کر لوں تب تمہیں خط لکھ بھیجوں گی کہ ایک دو دن کی چھٹیاں گزارنے میرے پاس آ جاؤ۔ سمیرا کی آنکھوں کے سامنے کالج کے دنوں کے سنہرے منظر آ گئے جب وہ اور نتاشا کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں۔ نتاشا سے باتیں کرنے سے سمیرا کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔

سمیرا اپنے نچلی منزل والے کمرے میں آ گئی۔ میز کی دراز میں سے رائٹنگ پیڈ اور قلم نکال کر اسی وقت نتاشا کو خط لکھنا شروع کر دیا۔ خط میں یہی لکھا کہ میں نئے مکان میں آ گئی ہوں۔ جیسا میں چاہتی تھی یہاں کا ماحول بالکل ویسا ہی ہے۔ تم ایک دو روز کے واسطے میرے پاس آ جاؤ۔ تمہیں یہ مکان اور اس کا ماحول بڑا پسند آئے گا۔

ٹکٹ لگا کر اس نے لفافہ سلیمان چچا کو دیا کہ قریبی قصبے میں جا کر اسے ڈاک میں ڈال آئے یہ قصبہ اس مکان سے کوئی میل ڈیڑھ میل پیچھے میدانی شہر کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ یہاں دو بڑے بازار تھے جہاں زندگی کی بنیادی ضرورتوں کی تقریباً" ہر شے مل جاتی تھی۔ ایک پوسٹ آفس بھی تھا ایک بس کا اڈہ بھی تھا جہاں لاریاں تھوڑی دیر رک کر اوپر پہاڑی پر صحت افزا مقامات کی طرف جاتی تھیں۔ اس کے بعد سمیرا نے نوری کو ساتھ لیا اور ڈیوڑھی کے چھجے پر جھکی ہوئی انگور کی خشک بیل کی باہر کو نکلی ہوئی شاخیں کاٹنے لگی۔ موسم اسی طرح ابر آلود تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ رات کی بارش کی وجہ سے گھاس اور درختوں جھاڑیوں کی شاخیں پتے گیلے ہو رہے۔ سمیرا نے ڈیوڑھی کے ستونوں کو دیکھتے ہوئے نوری سے کہا۔

"نوری یہاں دو پھولوں والے گملے ہونے چاہئیں۔ کچن کے پیچھے جو گملے پڑے ہیں وہ اٹھا لاؤ"۔

نوری بولی۔ "باجی! وہ گملے تو چھوٹے ہیں۔ یہاں بڑے گملے رکھنے چاہئیں"۔

"وہ تو پھر شہر سے منگوانے پڑیں گے"۔ سمیرا نے انگور کی کٹی ہوئی شاخوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔

نوری بولی۔ "یاد آیا۔ باجی ۔ پچھلی طرف باغیچے کے کونے میں جو بند کوٹھری ہے نا وہاں میں نے بڑے گملے دیکھے تھے۔ بالکل خالی تھے۔ وہ یہاں ٹھیک رہیں گے۔ ہم ان میں گلاب کی قلمیں منگوا کر لگا لیں گے"۔

سمیرا نے کہا۔ "تو جاؤ وہاں جا کر دو گملے اٹھا لاؤ"۔

نوری نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "باجی مجھے اکیلی جاتے ڈر لگتا ہے"۔

"وہ کیوں بھلا"۔ سمیرا نے نوری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ نوری بولی۔ "باجی! وہ کوٹھری خالی پڑی ہے نا۔ بس اس لیے مجھے ڈر لگتا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں"۔

سمیرا مسکرا دی۔ "چلو آؤ میرے ساتھ"۔

یہ کاٹیج ڈھلانی چھت والی کوٹھری' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' اس پرانے مکان کے عقبی باغیچے کے کونے میں تھی اور اس میں ٹوٹی ہوئی بیکار قسم کی چیزیں پڑی تھیں۔ جب پہلے روز سمیرا یہ مکان دیکھنے اپنے پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ وہاں آئی تھی تو اس نے اس کوٹھری کا بھی سرسری نظر سے جائزہ لیا تھا۔ اس قسم کی کاٹھ کباڑ والی پرانی کوٹھڑیاں بڑے مکانوں کے باغیچوں میں ہوا ہی کرتی ہیں جہاں گھر کی بیکار چیزیں لا کر ڈال دی جاتی ہیں۔ سمیرا آگے آگے تھی۔ نوری اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ پتھر کی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد سمیرا نے کوٹھری کا دروازہ اپنی طرف کھینچا۔ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ دروازے کے پاس ہی دیوار کے ساتھ چار چھ مٹی کے خالی بڑے گملے پڑے تھے۔

"ان میں سے ابھی دو گملے لے آؤ"۔

نوری کو یونہی اس خالی ویران کوٹھری سے خوف سے محسوس ہونے لگا تھا۔ اندر جانے کی بجائے دروازے میں کھڑے کھڑے آگے جھک کر اس نے دو گملے اپنی طرف گھسیٹ لئے۔ سمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا "تم بہت ڈرپوک ہو۔ اندر تمہیں کوئی پکڑ لے گا"۔

نوری نے جلدی سے ایک گملے کے اندر دوسرا گملا رکھ کر دونوں کو اٹھایا اور جلدی سے پتھر کی سیڑھیاں اتر گئی۔ سمیرا نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دل میں سوچنے لگی کہ اگر نوری پڑھی لکھی لڑکی ہوتی تو کبھی خالی کوٹھری میں جانے سے نہ گھبراتی۔ بے علمی آدمی کو توہم پرست بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آدمی جنگلوں میں رہتا تھا تو بے حد توہم پرست ہوا کرتا تھا۔ سمیرا اسی قسم کی باتیں سوچ رہی تھی نوری گملے اٹھائے اب اس کے آگے آگے چل رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

"باجی! ہمارے بڑے میاں جی کہا کرتے تھے کہ جو کوٹھری ایک مہینے تک خالی پڑی رہی اس میں جن بھوت آ جاتے ہیں"۔

سمیرا نے ہنستے ہنستے ہوئے سر ہلا دیا۔ "نوری! انسان سے بڑھ کر کوئی جن بھوت نہیں ہے۔ اس کو دیکھ کر سارے بھوت بھاگ جاتے ہیں"۔

نوری بولی۔ "نہ باجی یہ نہ کہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک سائیں جی رہا کرتے تھے۔ ان پر جن آتا تھا۔ جب جن آتا تو ان کی آنکھیں لال انگارہ بن جاتیں۔ آواز بدل جاتی اور وہ لوگوں کے دیکھتے دیکھتے ہوا میں اڑنے لگتے تھے"۔

سمیرا نے نوری کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا جس کو وہ جاہلانہ اور من گھڑت قصہ سمجھ رہی تھی۔ آدمی پڑھا لکھا نہ ہو۔ جاہلانہ ماحول میں پرورش پائے تو اس قسم کی توہم پرستی اس کے اعتقاد کا حصہ بن جاتی ہے۔ سمیرا نے کبھی ان باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔ ایسی باتوں کو وہ ایمان کی کمزوری سمجھتی تھی۔ اسے کبھی مدتوں سے خالی پڑے مکانوں اور ایسی کوٹھریوں سے ڈر نہیں لگا جن کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا ہو کہ وہاں جن بھوت چڑیلیں رہتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوری کی باتوں پر ہنستی رہی۔

دو دن بعد سمیرا کی پیاری سہیلی نتاشا آ گئی۔ اس کے کالے بال نئے فیشن کے مطابق گردن سے تھوڑا اوپر تک کٹے ہوئے تھے۔ جسم دبلا تھا۔ چہرے پر بڑی دلکشی

اور بشاشت تھی۔ وہ اپنی گاڑی میں اکیلی آئی تھی۔ آتے ہی سمیرا سے گلے لگ کر ملی اور بولی۔

"فکر نہ کرو۔ ایک ہفتہ تمہارے پاس رہوں گی"۔

پھر مکان کی نصف دیواروں تک چڑھی ہوئی بیل اور انگور کی خشک شاخوں سے ایک طرف کو جھکے ہوئے ڈیوڑھی کے چھجے کو دیکھ کر بولی "مائی گڈنس۔ سمیرا یہ تو مجھے کسی پرانے یونانی شاعر کا مکان لگتا ہے"۔

سمیرا مسکرا دی تھی۔ "اسی لئے تو میں نے اسے خریدا ہے"۔ نتاشا کے آ جانے سے سمیرا بڑی خوش ہوئی تھی۔ دونوں سہیلیاں دن کے وقت خوب سیریں کرتیں۔ ندی کے ساتھ ساتھ وہ آم کے جھنڈوں تک جاتیں۔ سیب کے گھنے باغوں میں جہاں ایک قدرتی چشمہ بہتا تھا وہاں بیٹھ کر دونوں سہیلیاں کالج کے زمانے کی باتیں یاد کر کے خوب ہنستیں۔ آسمان بھی بادلوں سے صاف ہو گیا تھا اور دن کے وقت دھوپ خوب چمکتی تھی۔ ٹھنڈ' اب رات کو یا درختوں کی چھاؤں میں لگتی تھی۔ مکان کے پیچھے باغیچے کے کونے میں جو کیبن نما کوٹھری تھی اسے نتاشا نے بھی دیکھا اور سمیرا سے پوچھا کہ یہاں اسٹور ہے یا نوکر رہتا ہے؟

سمیرا نے کہا "اسٹور ہے۔ کاٹھ کباڑ پڑا ہے۔ آؤ لوکاٹ کے درختوں کے پاس چلتے ہیں"۔

باغ کے پچھواڑے سے جو روش کچن کی طرف مڑتی تھی وہاں لوکاٹ کے ساتھ ساتھ اگے ہوئے تین چار درخت تھے۔ ان میں لگی ہوئی لوکاٹیں ابھی کچی تھیں۔ انہیں اگلے مہینے یہاں کے آغاز میں پکنا تھا۔ نتاشا نے ایک کچی سبز لوکاٹ توڑ کر منہ میں ڈالی۔ سمیرا نے کہا۔ "ابھی کھٹی ہیں"۔

نتاشا مزے سے کھاتے ہوئے بولی۔ "اسی لیے تو کھا رہی ہوں"۔

شام کی چائے دونوں سہیلیوں نے لوکاٹ کے درختوں کے پاس ہی بیٹھ کر پی۔ شبنم گرنے لگی تھی۔ فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ نتاشا بڑے شوخ انداز میں کالج کے زمانے کی لڑکیوں کی باتیں سنا رہی تھی جسے سمیرا ہلکے سے تبسم کے ساتھ بڑے شوق سے سن رہی تھی۔ سمیرا نے کچھ عجیب نامانوس سی خوشبو محسوس کی۔ اس نے سوچا کہ یہ خوشبو نتاشا نے لگائی ہو گی۔ لیکن نتاشا تو دو روز سے اس کے ساتھ تھی۔ اس کے لباس سے پہلے ایسی خوشبو نہیں آئی تھی۔ شاید یہ ندی کنارے اگے کسی جنگلی پھول کی خوشبو ہے جسے ہوا اپنے ساتھ لے آئی ہے۔ سمیرا اپنی سہیلی نتاشا کی باتیں بھی سن رہی تھی اور اور خوشبو کے بارے میں سوچ بھی رہی تھی جو اسے مسلسل محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے نتاشا کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں خوشبو آ رہی ہے؟"

"کس کی خوشبو؟" نتاشا نے سانس ذرا سا اوپر چڑھاتے ہوئے سوال کیا۔ سمیرا نے کہا۔ "میرا خیال ہے کسی پھول کی خوشبو ہے۔ بڑی عجیب سی خوشبو ہے"۔ نتاشا لمبے لمبے سانس کھینچنے لگی۔ پھر نفی میں سر ہلایا اور بولی۔

"مجھے تو صرف کچی لوکاٹوں اور گھاس کی خوشبو ہی آ رہی ہے۔ تم کس خوشبو کی بات کرتی ہو!"

عین اسی لمحے یہ پر اسرار سی نامانوس سی خوشبو آنا بند ہو گئی۔ سمیرا پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ "اب نہیں آرہی۔ اس نیم پہاڑی علاقے میں بڑی نایاب قسم کی جڑی بوٹیاں اگتی ہیں۔ میرا خیال ہے یہ کسی ایسی ہی بوٹی کی خوشبو تھی۔ ہاں۔ تم فرزانہ کی بات کر رہی تھیں"۔ اور نتاشا فرزانہ کی نقل اتارنے لگی۔ "وہ بات کرتے ہوئے تھوڑا سا ناک سکیڑ لیا کرتی تھی۔ گلہری کی طرح"۔

اور پھر دونوں سہیلیاں قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔ کچن کی طرف سے نوری ہاتھ میں خالی ٹرے لے آئی۔

"باجی سردی ہو گئی ہے۔ اندر کمرے میں آ جائیں یہاں ٹھنڈ لگ جائے گی"۔

"چلو سمیرا اندر چل کر بیٹھتی ہیں"۔

نتاشا نے سمیرا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال دیا۔ دونوں سہیلیاں مکان کے پچھلے دروازے کی طرف چل دیں۔ کچن میں سلیمان چاچا نے آواز دی۔ "سمیرا بیٹی! آج دونوں مرغیاں میں خود پکا رہا ہوں"۔

سمیرا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ٹھیک ہے چاچا"۔ نتاشا کہنے لگی۔ "تمہیں گیٹ پر کوئی چوکیدار بھی رکھ لینا چاہیے۔ سمیرا یہاں تم بالکل اکیلی رہ رہی ہو"۔

سمیرا نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "خدا میرے ساتھ ہے وہی میری حفاظت کرتا ہے۔ اور پھر سلیمان چچا سارا دن یہیں ہوتا ہے اس کے پاس بندوق بھی ہے"۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سمیرا کو پھر وہی خاص قسم کی خوشبو محسوس ہوئی۔ تھوڑی دیر کے لیے خوشبو کی ایک لہر جیسے اس کے قریب سے ہو کر گزر گئی ہو۔ سمیرا نے کوئی خیال نہ کیا اور نتاشا کے ساتھ خوش دلی سے باتیں کرتی، ہنستی مسکراتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ جو اس کا اسٹڈی روم بھی تھا اور بیڈ روم بھی تھا۔ کمرے کی فضا باہر کی نسبت پر سکون اور نیم گرم تھی رات کا کھانا انہوں نے اسی کمرے میں قالین پر جازم بچھا کر کھایا۔ پھر دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ کوئی گیارہ بجے رات نتاشا اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی۔ جب سے نتاشا آئی تھی نوری بڑے کمرے یعنی نشست گاہ میں قالین پر سوتی تھی۔ کیونکہ نتاشا اور سمیرا کا کوئی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ دونوں سہیلیاں رات کب تک گپ شپ لگاتی رہیں۔ نتاشا کے جانے کے بعد سمیرا نے کپڑے بدلے اور پلنگ پر لیٹ گئی۔ جوڑ کر لگائے ہوئے دونوں ریشمی کمبل اوپر کر لئے نرم تکیہ پیچھے لگا کر پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا لی اور ٹیبل لیمپ کی روشنی میں انگریزی ناول پڑھنے لگی۔

دروازہ بند کر کے اس نے اندر سے چٹخنی لگا دی تھی۔ دونوں کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ پردے کھینچے ہوئے تھے۔ آتشدان میں آگ جلانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اب اتنی ٹھنڈ نہیں پڑتی تھی۔ کمرے کی فضا ایسی ہو جاتی تھی کہ سمیرا دو کمبل جوڑ کر آرام سے گہری نیند سوتی۔ اس وقت بھی وہ پلنگ پر نیم دراز بڑے سکون سے کتاب پڑھ رہی تھی کہ اسے پہلے بادل کی دھیمی سی گرج سنائی دی اور پھر ایسی آواز آنے لگی جیسے باہر درختوں کے پتوں پر بارش کی بوندیں گر رہی ہوں۔ سمیرا نے ایک جھرجھری سی لی اور کمبل کو ذرا اوپر کھینچ لیا۔ بادل سر شام ہی آسمان پر جمع ہونے لگے تھے اور سمیرا کو یقین تھا کہ رات کو بارش ہو گی۔ مگر یہ کوئی موسلا دھار بارش نہیں تھی۔ ہوا کا شور بھی سنائی نہیں دیتا تھا۔ ہلکی بارش تھی اور اس کی آواز بھی اس وجہ سے اندر کمرے میں آ رہی تھی کہ اس کی بوندیں درختوں کے سوکھے پتوں پر گرتیں تو آواز پیدا ہوتی تھی۔ سمیرا کو یہ آواز بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ وہ ناول پڑھنے میں مگن تھی۔ اچانک اسے وہی خوشبو پھر محسوس ہوئی جو شام کے قت نتاشا کے ساتھ باغ میں چائے پیتے ہوئے اس نے محسوس کی تھی۔ کتاب سے نظریں ہٹا کر اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ ایک لمبا سانس لیا۔ کمرے میں وہی گہری گہری عجب پر اسرار سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اسی جڑی بوٹی کی خوشبو ہے جو نہر کی طرف سے کمرے میں آ گئی ہے۔ اس نے سوچا وہ دوبارہ کتاب پڑھنے لگی۔ خوشبو گہری ہو جاتی اور پھر ہلکی ہو جاتی۔ جیسے خوشبو کی لہر اس کے چہرے کے قریب آ کر پل بھر کے لیے رک جاتی ہو اور پھر آگے گزر جاتی ہو۔ سمیرا نے اس طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ باغ کی طرف سے آنے والی کسی پھول یا جڑی بوٹی کی خوشبو پر سے زیادہ توجہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ انگریزی کا یہ کوئی رومانٹک ناول تھا اور پلاٹ بڑے دلچسپ مرحلے میں پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ویسے بھی سمیرا پر گہرا انہماک طاری تھا۔ غیر شعوری طور پر اسے وہ خوشبو ابھی تک اپنے قریب محسوس ہو رہی تھی۔ پھر یہ خوشبو آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگی مگر کمرے میں موجود تھی۔ سمیرا نے ایک دم چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی تھی۔ سمیرا کو سخت غصہ آ گیا کم بخت نوری کو رات کو اس وقت آنے کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے؟ وہ کتاب چھوڑ کر گرم کمبل سے باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی۔ اس نے پلنگ پر سے ہی آواز دی۔ "کیا بات ہے نوری؟" نوری نے کوئی جواب نہ دیا۔ دروازے پر ایک بار دستک ہوئی۔ اب تو سمیرا کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔ "تم بولتی کیوں نہیں نوری؟" تب باہر سے نتاشا کی آواز آئی۔ "میں ہوں سمیرا۔ دروازہ کھولو"۔ سمیرا جلدی سے کمبل ہٹا کر اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ خدا خیر کرے۔ نتاشا اس وقت کیوں آئی ہے؟ یہی سوچتے ہوئے اس نے چٹخنی اتار کر دروازہ کھول دیا۔

"خیر تو ہے نتاشا" مگر باہر کوئی نہیں تھا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھی کہ نتاشا اسے ڈرانے کے لیے کہیں چھپ گئی ہے۔ وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے نتاشا کو دو تین بار آہستہ سے آواز بھی دی۔ ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ بادلوں بھری رات تاریک تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ سمیرا کے بدن میں خوف کی ایک

لہر سی دوڑ گئی۔ کمرے میں آ کر اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ چٹخنی لگا دی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی صرف اس کے پلنگ کے آس پاس ہی پڑ رہی تھی۔ سمیرا نے کمرے کی بتی جلا دی۔ کمرے میں روشنی ہوئی تو اس کی نظر فرش پر بچھے بادامی رنگ کے قالین پر پڑی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ دہشت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے دیکھا کہ قالین پر کسی انسان کے بارش میں بھیگے ہوئے گیلے قدموں کے نشان دروازے سے پلنگ تک اور پلنگ سے واپس دروازے تک چلے گئے تھے۔ باہر سے کوئی بارش میں چلتا اندر آیا تھا اور پھر واپس چلا گیا تھا۔ مگر دروازہ تو بند تھا اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ پھر کوئی کیسے اندر آ گیا؟

اس بارش والی تاریک رات میں سمیرا نے جب نتاشا کی آواز پر دروازہ کھولا تھا تو باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی بھی شخص اس کے قریب سے ہو کر کمرے میں نہیں گیا تھا تو پھر قالین پر گیلے انسانی قدموں کے نشان کہاں سے آ گئے؟ دروازے پر دستک کس نے دی تھی؟ نتاشا کی آواز کہاں سے آئی تھی؟ سمیرا کی آنکھیں بادامی قالین پر بنے ہوئے گیلے قدموں کے نشانوں پر لگی تھی اور اس کا بدن خوف کے مارے برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ وہ بے اختیار دروازہ کھول کر نتاشا کے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔ نتاشا گہری نیند سو رہی تھی۔ دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی تو وہ بھی گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور ڈری سی آواز میں بولی۔ "کون ہے؟" سمیرا کی آواز سن کر نتاشا جلدی سے پلنگ سے اٹھی اور دروازہ کھول دیا۔ سمیرا نے اندر آتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ "کیا ہوا سمیرا؟ خیریت تو ہے؟" نتاشا نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ سمیرا اپنے سینے پر ہاتھ رکھے سانس درست کرنے کی کوشش کرتی پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے ساری بات نتاشا کو بیان کر دی۔ پہلے تو نتاشا کو بھی کچھ خوف محسوس ہونے لگا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سوچا کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ سمیرا کا حوصلہ بڑھانے لگی۔

"یہ تمہارا وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ وہم ہے اور نظر کا دھوکا ہے۔ یہ کمپیوٹر اور خلائی شٹل کا دور ہے سمیرا۔ اور تم پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ کوئی شخص گیلے پاؤں لے کر بند دروازے میں سے اندر آ

جائے"۔

سمیرا نے کہا۔ "مگر میں نے اپنی آنکھوں سے قالین پر گیلے انسانی قدموں کے نشان دیکھے ہیں' چلو میرے ساتھ چلو میں تمہیں دکھاتی ہوں"۔

اوپر سے تو نتاشا کمپیوٹر اور خلائی شٹل کی باتیں کر رہی تھی۔ مگر جب سمیرا نے اسے اپنے کمرے میں چلنے کو کہا تو ایک بار تو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بھی سرد لہر سی دوڑ گئی۔ مگر دوسرے لمحے اس نے فضول توہمات کو دل سے نکال باہر کیا اور سمیرا کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سمیرا کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور ٹیبل لیمپ کے علاوہ دیوار کی لائٹ بھی جل رہی تھی جس کی وجہ سے کمرے میں کافی روشنی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی سمیرا نے بادامی قالین کی طرف اشارہ کیا۔ مگر قالین پر انسانی قدموں کے گیلے نشان کہیں بھی نہیں تھے۔ سمیرا کے ہونٹ حیرت سے کھل گئے۔ "میں ابھی ان نشانوں کو قالین پر چھوڑ کر گئی ہوں میں سچ کہتی ہوں"۔ قالین پر باقاعدہ انسانی قدموں کے گیلے نشان تھے"۔ نتاشا کے اندر کا خوف بھی اب دور ہو گیا تھا۔ وہ ہنسنے لگی۔

"اری میری پیاری! میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ راتوں کو دیر تک انگریزی ناول مت پڑھا کرو۔ یہ سب ان پر اسرار ناولوں کا کرشمہ ہے"۔

نتاشا پلنگ پر سمیرا کے پاس بیٹھ گئی۔ سمیرا جیسے اپنے آپ سے ہم کلام تھی۔

"وہ جوتوں کے نشان تھے۔ بڑے گیلے تھے۔ قالین پر نسواری دھبوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ یہ نشان اتنی جلدی نہیں سوکھ سکتے"۔

نتاشا نے فوراً کہا۔ "جب ہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ نشان تھے ہی نہیں ورنہ اتنی جلدی کیسے سوکھ جاتے؟ یہ سب تمہارے ان آسیبی ناولوں کی کارستانی ہے"۔

سمیرا نے نتاشا کی طرف دیکھا۔ کہنے لگی۔ "مگر نتاشا پھر---- پھر دروازے پر دستک کس نے دی تھی؟ تمہاری آواز کہاں سے آگئی تھی؟ تم نے دوبار کہا تھا سمیرا دروازہ کھولو۔ سمیرا دروازہ کھولو۔ میں ہوں نتاشا"۔

نتاشا نے ایک جھرجھری سی لی اور سمیرا کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "خدا کے لیے اب مجھے تو چڑیل نہ بناؤ۔ اپنے ناولوں کا فرضی آسیب اپنے تک ہی رکھو"۔ پھر

اس نے ایک جمائی لی اور بولی۔ "بھئی مجھے تو نیند آ رہی ہے مین جا رہی ہوں سونے۔ ابھی تو آدھی رات بھی نہیں گزری"۔

"مگر وہ---- وہ خوشبو کیسی تھی؟" سمیرا نے رک رک کر کہا۔

نتاشا نے اسے ہلکی سی ڈانٹ کے ساتھ کہا۔ "اب سو جاؤ۔ میری نیند حرام نہ کرو۔ وہ خوشبو پیرس کے باغوں سے آتی ہو گی تم انیسویں صدی کے فرانس کے باغوں میں رہتی ہو۔ خیالوں ہی خیالوں میں---- اب سو جاؤ۔ اور خبردار جو مجھے آکر جگایا۔ اگر اصلی چڑیل بھی آگئی تو خود ہی بھگتنا' میرے پاس مت آنا"۔

نتاشا کے جانے کے بعد سمیرا نے دروازہ بند کیا۔ کمرے کی لائٹ بجھانے سے پہلے ایک بار پھر قالین کو دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ تو کیا یہ میرے دماغ کی شرارت تھی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ میں جو دہشت ناک اور آسیبی ناول پڑھتی ہوں ان کے کردار اور واقعات میرے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں اب موقع پا کر باہر نکل آئے ہیں؟ سے کچھ کچھ یقین ہونے لگا کہ یہ سب کچھ اس کے توہمات کی کرشمہ سازی تھی اس نے بتی بجھا دی اور پلنگ پر آکر لیٹ گئی۔ باہر بارش نہیں ہو رہی تھی اس رات بھی وہ انگریزی کا ایک ہیبت طاری کر دینے والا پر اسرار ناول ہی پڑھ رہی تھی۔ اس نے ناول ایک طرف تپائی پر رکھ دیا اور دل میں فیصلہ کیا کہ اب وہ دہشت ناک ناولوں کی بجائے ہلکے پھلکے رومانٹک انگلش ناول پڑھا کرے گی جو اعصاب پر بڑا خوشگوار اثر ڈالتے ہیں۔ ٹیبل لیمپ کا بٹن دبانے سے پہلے غیر ارادی طور پر اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ پھر وہ اپنے آپ میں مسکرا دی اور ٹیبل لیمپ بجھا کر کمبل اوپر کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

دن کی روشنی میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ سب جن بھوتوں کو بھگا دیتی ہے۔ سمیرا صبح اٹھی تو بڑی تازہ دم تھی۔ رات کے واقعہ کا خیال کر کے اسے یوں لگا جیسے اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو۔ سورج کی روشنی میں رات کے دیکھے ہوئے ڈراؤنے خواب بھی بے اثر ہو جاتے ہیں۔ نوری صبح کی چائے لے کر آگئی تھی اور دروازے کو کھٹکھٹا رہی تھی۔ سمیرا' نوری کی دستک کو پہچانتی تھی اس نے پلنگ پر بیٹھے ہوئے کہا۔ "آتی ہوں بھئی"۔ اور اپنے پھولے ہوئے بالوں کو چہرے پر سے پیچھے ہٹاتی

اٹھی اور دروازہ کھول دیا نوری نے سلام کیا اور معمول کے مطابق نپے تلے قدم اٹھاتی میز کے پاس گئی۔ چائے کا طشت اس پر رکھا اور سمیرا باجی کے لیے بیڈ ٹی بنانے لگی۔ سمیرا نے پوچھا۔ "نتاشا سو رہی ہے کیا؟" نوری پیالی میں چمچ کو بڑی آہستگی سے ہلاتے ہوئے بولی۔ "باجی! وہ تو کب کی اٹھی ہوئی ہیں۔ وہ باغ میں سیر کر رہی ہیں"۔ سمیرا کا کمرہ کونے پر واقع تھا اور اسکی دوسری کھڑکی پچھلے باغیچے کی طرف کھلتی تھیں۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف ہٹا کر دیکھا۔ نتاشا لوکاٹ کے درختوں کے پاس کھڑی ایکسر سائز کر رہی تھی اس نے سر پر اونی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ صبح کی فضا میں بڑی تازگی اور روشنی تھی۔ سمیرا مسکرا دی' اسے نتاشا کے وہاں آنے کی واقعی بڑی خوشی ہوئی تھی۔ نتاشا اس کی اکلوتی سہیلی تھی اور وہ اس سے بڑا پیار کرتی تھی۔ ریڈیو پر صبح کے بلیٹن کی خبریں سنتے ہوئے سمیرا چائے پینے لگی۔ اس نے ایک بار پھر قالین کو دیکھا اور دل میں ہنس دی صبح کی روشن و شاداب فضا نے اسے طاقتور بنا دیا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ رات جو کچھ بھی ہوا وہ سب اس کے لاشعور میں چھپے ہوئے خوفناک ناولوں کے واقعات کا اثر تھا۔

ناشتہ دونوں سہیلیوں نے ہال کمرے کی محرابی کھڑکی کے ساتھ لگی ڈائننگ ٹیبل پر کیا۔ نتاشا رات والے واقعہ کا ذکر کر کے سمیرا کو چھیڑنے لگی کہ اس کے لاشعور میں بھوت اور چڑیلوں نے بسیرا کر لیا ہے۔ اب وہ خود بھی کسی روز چڑیل بن جائے گی۔ سمیرا چھری سے سلائس کاٹتے ہوئے بولی۔ "میں تو خیر چڑیل نہیں بنوں گی مگر اب میں نے دہشت ناک ناول نہ پڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ واقعی نتاشا! یہ ہارر فکشن تو بڑا خطرناک ہوتا ہے"۔

"تو اب کیا پڑھو گی؟ جاسوسی ناول؟" نتاشا نے چائے کی پیالی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ سمیرا بولی۔

"اب تو میں صرف رومانٹک ناول ہی پڑھا کروں گی"۔ نتاشا نے جھٹ کہا۔

"اس سے تو بہتر ہے کہ تم خود کوئی رومان شروع کر دو"۔

نتاشا کو آخر وہ بات کہنے کا موقع مل گیا تھا جسے کہنے کے واسطے وہ کچھ دنوں سے بے چین ہو رہی تھی کیونکہ وہ سمیرا کی سچی دوست تھی اور دل سے محسوس کرتی تھی

کہ سمیرا ویران تنہائیوں کا شکار ہے اور اسے ایک ایسے ہمدرد کی ضرورت ہے جو اس کی زندگی میں داخل ہو کر اس کی وحشت خیز ویرانیوں کو ختم کر سکے۔ سمیرا نے آنکھوں کے آگے آئے ہوئے بالوں کی ایک لٹ آہستہ سے پیچھے جھٹک کر کہا۔

"رومان شروع کرنے سے رومانی ناول پڑھنا زیادہ محفوظ ہوتا ہے"۔

نتاشا نے سمیرا کا گلابی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا۔

"سمیرا یہ محض کتابی باتیں ہیں اس فریب سے باہر نکل آؤ۔ تمہیں ایک جیون ساتھی کی ضرورت ہے۔ اتنا لمبا سفر تم اکیلے نہ کاٹ سکو گی"۔

سمیرا نے اپنا ہاتھ آہستہ سے کھینچ لیا اور گہرا سانس لے کر بولی۔

"تم میری وہ سہیلی ہو جو میرے حالات کی تباہیوں کی گواہ رہی ہو۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر رکھا ہے اور اپنے اس فیصلے سے کبھی پیچھے نہ ہٹوں گی"۔

نتاشا' سمیرا کی خالی پیالی میں دوسری بار چائے کا قہوہ ڈالنے لگی۔ "مگر ان تمام حالات میں تم مجھے سب سے زیادہ بے گناہ اور معصوم نظر آتی ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تم دوسروں کی سزا بھگتو؟ تم اپنی جوانی کو کس لیے زندہ درگور کر رہی ہو؟ تمہیں پورا پورا حق حاصل ہے کہ تم بھی کسی سے محبت کرو۔ کسی کی محبت کا جواب محبت سے دے سکو۔ خاص طور پر جب کہ تمہیں اس کی ضرورت بھی ہے؟

سمیرا نے ہلکی سی آہ بھر کر اپنا سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم بھی آئندہ مجھ سے اس موضوع پر کبھی بات نہ کرو"۔

نتاشا بھی غصے میں آ گئی۔

"کروں گی۔ ضرور کروں گی' میں تمہاری دوست ہوں۔ دشمن نہیں ہوں"۔

اس کی اونچی آواز سن کر ملازم سلیمان چچا نے کچن کی کھڑکی میں سے دیکھا اور نوری کچن کے دروازے میں آ گئی۔ سمیرا نے مسکراتے ہوئے نوری سے کہا۔

"نوری! کوئی بات نہیں ہے۔ میرے لیے کافی کی ایک پیالی بنا کر لے آؤ"۔

نوری ہنس کر کچن میں چلی گئی۔ اس کا باپ سلیمان چچا بھی کھڑکی سے ہٹ گیا۔ نتاشا نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری سمیرا مگر میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ تم کب تک اس جنگل میں اکیلی پڑی رہو گی؟ ہمارے کالج کے زمانے کی جتنی سہیلیاں تھیں سب کی شادیاں ہو گئی ہیں۔ اگلے سال میری بھی شادی ہو جائے گی پھر میں کہاں ہر ہفتے تمہیں ملنے یہاں آیا کروں گی؟"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں ہال کمرے کی دیوار پر لگی گوگین کی تصویر پر جمی تھیں جس میں لڑکیاں درختوں کے پھل توڑ رہی تھیں۔ محرابی کھڑکی کا صرف ایک پٹ کھلا تھا۔ جس میں سے آتی ہوا میں سفید پردے کا ایک حصہ آہستہ آہستہ آگے پیچھے ہو رہا تھا۔ دن کی روشنی سفید ریشمی پردوں میں سے نور کا سیلاب بن کر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اچانک سمیرا نے وہی پر اسرار عجیب سی خوشبو محسوس کی۔ وہ اپنے خیالوں سے چونک سی گئی اور پلکیں جھپکا کر ناک کو ذرا سا سکیڑ کر اس خوشبو کو فضا میں دو تین بار سونگھا۔

"کیا کہیں کوئی چیز جل رہی ہے"۔

نتاشا نے سمیرا کو ناک سکیڑ سکیڑ کر کچھ سونگھنے کی کوشش کرتے دیکھ کر پوچھا۔ سمیرا نے کہا۔ "تمہیں وہ خوشبو محسوس نہیں ہو رہی جو اس روز ہمیں آئی تھی جب ہم لوکاٹ کے درختوں کے پاس بیٹھی چائے پی رہی تھی؟"

نتاشا نے دو تین بار اوپر کو سانس لیا اور بولی۔

"ہاں سمیرا مجھے بھی اس روز والی خوشبو آ رہی ہے مگر اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کسی جنگلی پھول یا کسی جڑی بوٹی کی خوشبو ہے۔ چلو درختوں میں چل کر اسے تلاش کرتے ہیں؟"

سمیرا نے کاہلی سے کہا۔

"ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ اس کے ساتھ ہی پر اسرار خوشبو آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور پھر ختم ہو گئی۔ نتاشا نے ٹشو پیپر سے ہونٹوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آج ہمیں شاپنگ کے لیے شہر جانا ہے۔ بھول تو نہیں گئیں؟"

سمیرا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تو نو بھی نہیں بجے۔ گیارہ بجے چلیں گی۔ مجھے آئل کلر کی کچھ ٹیوبیں بھی لینی ہیں"۔

نتاشا کہنے لگی۔

"کیا فائدہ رنگ خریدنے کا۔ ایک سال سے تم ایک ہی تصویر بنا رہی ہو۔ بلکہ ایک ساتھ دو تصویریں بنا رہی ہو اور ابھی تک ان میں سے ایک بھی مکمل نہیں ہوئی"۔

"سمیرا کرسی پیچھے کرتی ہوئی اٹھنے لگی تو نوری کافی بنا کر لے آئی۔

"اتنی دیر لگا دی تم نے نوری؟" سمیرا نے ناراضگی سے کہا۔ نوری نے معذرت کی۔

"باجی! جس کپ میں آپ کافی پیتی ہیں نا' وہ نہیں مل رہا تھا۔ ابا نے دھو کر اوپر الماری میں رکھ دیا تھا"۔

سمیرا کافی کا کپ لے کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ باہر دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ رات بھر کی ہلکی بارش نے فضا کو نکھار دیا تھا۔ دھوپ میں پیڑ پودے چمک رہے تھے۔ یہاں سے سمیرا کو باغ کے کونے میں بنا ہوا کیبن نظر آ رہا تھا جس کا دروازہ بند تھا اور چھجے پر بیل چڑھی ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔

"اب تصویریں بنانے میں بھی دل نہیں لگتا' نتاشا! تم خود ہی دیکھ لو۔ ایک سال سے کوئی تصویر مکمل نہیں کر سکی۔ بس یہی جی چاہتا ہے کہ بارش ہوتی رہے اور میں کمبل اوپر کئے پلنگ پر لیٹی ناول پڑھتی رہوں"۔

نتاشا نے قریب آ کر پوچھا۔ "ہارر ناول کیا؟"

سمیرا نے مسکراتے ہوئے نتاشا کی طرف دیکھا۔

"بالکل نہیں اب تو مجھے ہیبت ناک ناولوں سے ڈر لگنے لگا ہے۔ ارے ہاں یاد آیا ہے۔ مجھے شہر کی بک شاپ سے کچھ ناول بھی خریدنے ہیں"۔

"تو پھر تیاری شروع کر دیتے ہیں"۔

نتاشا نے اپنی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ سمیرا بولی۔

"ابھی تو دو گھنٹے پڑے ہیں"۔

"شہر بھی تو یہاں سے بیس میل دور ہے میں تو تیار ہونے چلی"۔ یہ کہہ کر نتاشا ہال کمرے سے باہر نکل گئی۔

کوئی ایک گھنٹے بعد دونوں سیلیاں گاڑی میں بیٹھی شہر کی طرف رواں تھیں۔ گاڑی نتاشا ڈرائیو کر رہی تھی اور یہ اسی کی گاڑی تھی۔ دونوں نے موسم کے لحاظ سے بہترین لباس پہن رکھا تھا۔ سردی کا زور ٹوٹ چکا تھا پھر بھی ہوا میں ابھی خنکی تھی جس کو مدنظر رکھتے ہوئے سمیرا نے اپنے ریشمی سوٹ کے ساتھ میچ کرتا عنابی رنگ کا سامنے سے کھلا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ نتاشا نے بھی بڑے شوخ رنگ کے قیمتی کپڑے پہن رکھے تھے پرفیوم بھی خوب لگائی ہوئی تھی۔ گاڑی قصبے کی سڑک سے نکل کر شہر کو جاتی ہائی وے پر آئی تو نتاشا نے گاڑی کی اسپیڈ تھوڑی بڑھا دی۔ پاس بیٹھی ہوئی سمیرا نے کہا۔

"آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ گاڑی تیز مت چلاؤ"۔

نتاشا نے ایک لوڈر کو اوور ٹیک کرتے ہوئے کہا۔

"ہائی وے پر گاڑی تیز چلانے میں مزہ آتا ہے"۔

سڑک کی دونوں جانب اونچے اونچے درخت تھے۔ ان کے درمیان سے دور دور تک پھیلے ہوئے کھیت نظر آرہے تھے۔ ایک دو گاؤں تیزی سے گزر گئے۔ پھر شہر کے مضافات شروع ہو گئے۔ ہم اس شہر کا نام نہیں لکھیں گے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے اگر آپ اپنے طور پر سمجھ جائیں تو ٹھیک ہے۔ بہرحال یہ شہر بہت بڑا اور ماڈرن شہر تھا جہاں کئی شاپنگ سینٹر اور شاپنگ پلازہ تھے۔ ملٹی اسٹوری عمارتیں تھیں، نئی کالونیوں کی کوٹھیاں اور جدید رہائشی بنگلے شہر سے باہر دور دور تک چلے گئے تھے۔ سڑکوں پر سارا دن ٹریفک کا رش رہتا تھا۔ نتاشا اور سمیرا اسی شہر میں پیدا ہوئی تھیں اور اسی شہر کے کالج میں اکٹھی پڑھی تھیں۔ سمیرا تو اپنے حالات کے باعث شہر چھوڑ کر اوپر پہاڑوں کے دامن میں چلی آئی تھی جبکہ نتاشا اپنے والدین کے ساتھ اسی شہر میں رہتی تھی اور ایک بنک میں ملازم تھی جہاں سے وہ ہفتے دس دن کی رخصت لے کر سمیرا کے پاس گئی ہوئی تھی۔ جب گاڑی شہر میں داخل ہوئی تو نتاشا نے کہا۔

"میرے ساتھ کچھ دیر کے لیے گھر چلنا، ابو امی تم سے مل کر بڑے خوش ہوں گے"۔

سمیرا سڑک کے کنارے کھڑی عمارتوں کو دیکھ رہی تھی کہنے لگی۔ "ضرور چلیں گے"۔

نتاشا نے گاڑی ایک کشادہ اور مصروف سڑک کی طرف موڑ دی۔

"میرا خیال ہے بلیو اسٹار شاپنگ پلازہ چلتے ہیں چائنا سلک مجھے وہیں ملے گا اور تم اپنے آئل کلر بھی خرید لینا اور کتابیں بھی"۔

"ٹھیک ہے"۔ سمیرا نے آہستہ سے کہا۔

بلیو اسٹار شاپنگ پلازہ کا شمار شہر کے سب سے جدید اور بڑے شاپنگ سینٹروں میں ہوتا تھا۔ یہ چار منزلہ عمارت تھی جہاں ضروریات زندگی کا ہر قسم کا سامان مل جاتا تھا۔ دن کے وقت بھی اس شاپنگ پلازہ کی دکانیں بجلی کے قمقموں سے جگمگا رہی ہوتی تھیں۔ گاڑی پارکنگ لاٹ میں کھڑی کر کے دونوں سیلیاں شاپنگ پلازہ کی پہلی منزل میں آ گئیں۔ ایک دکان سے نتاشا کو اپنی پسند کا کپڑا مل گیا۔ سمیرا نے اس منزل کی ایک دکان سے آئل کلر کی دو چار ٹیوبیں خریدیں پھر وہ کتابوں کی دکان میں آ کر کتابیں دیکھنے لگیں۔ سمیرا نے "رین ان پیرس" اور "وسپنگ وڈز" دو ناول خرید لئے۔ ان کے مصنفوں سے وہ واقف نہیں تھی مگر کتابوں کے نام اسے بڑے رومانٹک لگے تھے اور اب وہ رومانٹک ناول ہی پڑھنا چاہتی تھی۔ نتاشا کو یہ نام اچھے لگے تھے وہ مختلف دکانوں پر پھرتی رہیں۔ نتاشا نے کہیں سے پرفیوم کی شیشی اور کہیں سے نیل پالش خریدی، سمیرا نے ایک ڈی لکس قسم کی ڈائری اور کالا بال پوائنٹ خریدا دونوں سیلیاں اپنے اپنے پرس کندھوں پر لٹکائے شاپنگ پلازہ کی عمارت سے نکل کر سامنے پارکنگ پلیس کی طرف بڑھیں۔ اچانک سمیرا کو پھر وہی پر اسرار خوشبو محسوس ہوئی۔ یہ خوشبو اس نے شاپنگ سینٹر کے اندر کتابوں کی دکان میں بھی تھوڑی دیر کے لیے محسوس کی تھی مگر اس نے نتاشا سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ کہیں وہ اس کا مذاق نہ اڑانا شروع کر دے کہ تمہیں تو اس خوشبو کا بھی وہم ہو گیا ہے۔ کتابوں کی دکان میں یہ خوشبو ذرا ہلکی تھی مگر اب وہ گہری تھی۔ لگتا تھا کہ خوشبو کی لہر اس کے چہرے کے بالکل قریب سے ہو کر گزر رہی ہے۔ اسے حیرانی ضرور ہوئی کہ شہر کے شاپنگ سینٹر کے باہر سڑک پر یہ خوشبو کہاں سے آ گئی۔ پھر اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ کسی پرفیوم کی

خوشبو ہو جس کی لہر کسی دکان کے اندر سے نکل کر اس کے قریب سے گزر رہی ہو۔ وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچیں تو خوشبو کی یہ لہر آہستہ آہستہ دور ہوتے ہوتے ختم گئی۔

یہاں لوگوں کی کافی آمد و رفت تھی۔ گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ سمیرا کا پرس ا کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے وہ لفافہ اٹھا رکھا تھا جس خریدی ہوئی کتابیں تھیں۔ نتاشا گاڑی کے پیچھے سے ہو کر ڈرائیونگ سیٹ وا دروازے کی طرف بڑھی۔ سمیرا گاڑی کے اس طرف کھڑی تھی کہ اچانک پیچھے ایک اسکوٹر آیا جس پر دو نوجوان سوار تھے۔ سمیرا کے قریب آ کر ایک نوجوان سمیرا کے پرس کو پکڑ کر جھٹکے سے کھینچا اور اسکوٹر تیزی سے آگے نکل گیا۔ یہ سب ایک دو سیکنڈ کے اندر اندر ہو گیا تھا سمیرا کو اس وقت ہوش آیا جب اسکوٹر سوار کا پرس چھین کر ٹریفک کی بھیڑ میں غائب ہو چکے تھے۔ نتاشا اس وقت گاڑی میں دا ہو چکی تھی اس نے صرف اتنا ہی دیکھا تھا کہ ایک اسکوٹر سمیرا کے بالکل قریب ہو کر نکل گیا تھا۔ سمیرا نے بالکل شور نہیں مچایا تھا۔ نتاشا نے اندر سے سر نیچ کے پوچھا۔

"کیا ہوا سمیرا؟ کون تھے؟"

"وہ میرا پرس چھین کر لے گئے ہیں"۔

نتاشا جلدی سے گاڑی سے باہر آ گئی۔ دو چار آدمی بھی وہاں جمع ہو گئے میں سے ایک نے بدمعاشوں کو سمیرا کا پرس چھین کر فرار ہوتے اپنی آنکھوں سے تھا اس نے سمیرا سے کہا۔

"بہن جی! تھانے چل کر رپورٹ کریں۔ میں گواہی دوں گا"۔ نتاشا نے تھانے چلنے پر اسرار کیا مگر سمیرا یہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"میں تھانے نہیں جاؤں گی چلو واپس گھر چلو"۔ کچھ اور لوگ بھی تماشا د کے لیے جمع ہو گئے۔ نتاشا جلدی سے گاڑی نکال کر لے گئی۔

"تم کیسی لڑکی ہو۔ غنڈے تمہارا پرس چھین کر لے گئے ہیں اور تم پولیس رپورٹ بھی نہیں کرنا چاہتیں"۔

سمیرا بولی۔ "چھوڑو نتاشا! جو ہونا تھا ہو گیا۔ پرس میں سوائے کچھ روپوں کے اور کچھ نہیں تھا اگر ہوتا بھی تو میں کبھی تھانے نہ جاتی۔ اب واپس گھر چلو"۔

نتاشا نے کہا---

"میں ابو سے جا کر کہتی ہوں۔ وہ خود تھانے میں رپورٹ درج کرا دیں گے"۔

سمیرا نے سختی سے نتاشا کو منع کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے اپنے ابو سے اس بارے میں کوئی بات کی تو میں ساری زندگی تم سے کلام نہیں کروں گی"۔

نتاشا اپنی سہیلی سمیرا کے مزاج کو جانتی تھی یہ کہ لڑکی دوسری مٹی کی بنی ہوئی ہے جس بات پر ایک بار اڑ جائے پھر چاہے کچھ ہو جائے پیچھے نہیں ہٹتی اسے بڑا غصہ آ رہا تھا کہ غنڈے اس کا پرس چھین کر بھاگ گئے ہیں مگر وہ زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنے گھر بھی گئی۔ امی ابو اور بہن بھائیوں سے ملی۔ سمیرا بھی ان سے ملی مگر پرس والے واقعہ کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ کوئی آدھا گھنٹہ گھر میں رہنے کے بعد دونوں سہیلیاں واپس روانہ ہو گئیں۔

یہاں سے ہم تھوڑی دیر کے لیے ان دو غنڈوں کی طرف چلتے ہیں جو سمیرا کا پرس چھین کر بھاگے تھے وہ دونوں جرائم پیشہ تھے اور ان کا کام ہی راہ چلتی خواتین کے پرس چھین کر لے جانا اور ضرورت پڑنے پر پستول دکھا کر زیورات وغیرہ اتروا لینا تھا۔ سمیرا کا پرس چھین کر وہ اسکوٹر کو تیزی سے نکال کر لے گئے تھے۔ چوک سے وہ بائیں طرف کو مڑ گئے وہاں سے ایک اور سڑک پر سے ہوتے ہوئے ایک کچے ویران سے راستے پر آ گئے جس کی ایک طرف نالہ بہہ رہا تھا یہاں ایک طرف رک کر وہ پرس کھول کر دیکھنا چاہتے تھے کہ کتنا مال ہاتھ لگا ہے۔ انہوں نے یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ان کے پیچھے کوئی نہیں آ رہا۔ پیچھے بیٹھے ہوئے غنڈے نے اپنے ساتھی سے جو اسکوٹر چلا رہا تھا کہا۔ "بس ایک طرف کر کے اسے روکو یار۔ دیکھیں تو پرس میں کیا کچھ ہے"۔

عین اسی وقت اسکوٹر کو آگے سے بڑے زور کا دھچکا لگا۔ بالکل ایسے جیسے ان کے آگے اچانک کوئی دیوار آ گئی ہو۔ اسکوٹر ایک دم سے فضا میں پندرہ بیس فٹ اوپر

کو اچھلا اور قلا بازیاں کھاتا ہوا سڑک کی ڈھلان میں بہتے گندے نالے میں جاگرا۔ دونوں غنڈے الٹ کر پیچھے کو گر پڑے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو ہے۔ وہ سڑک پر اس طرح پڑے تھے کہ ایک کا سر پھٹ گیا تھا اور دوسرے کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ "تم نے بریک لگا دی تھی؟ کیا ہوا تھا؟"

دوسرا غنڈہ سر پر ہاتھ رکھے بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بولا---- "میں نے بریک کہاں لگائی تھی۔ کسی نے آگے سے دھکا دیا ہے"۔ پہلے غنڈے نے سڑک پر سے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔ "پرس کہاں چلا گیا؟"

"تم نے ہی تو اپنے پاس رکھا ہوا تھا"۔ دوسرے غنڈے نے جواب دیا۔ و سڑک پر پرس تلاش کرنے لگے مگر پرس کہیں نہیں تھا۔

"ارے اسکوٹر تو نکالو نالے میں سے بیڑا غرق کر دیا تم نے۔ تمہارا پاؤں ضرو بریک پر پڑ گیا ہو گا"۔

یہ اس غنڈے نے کہا جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا جس کے دو اگلے دانت ٹوٹ گئے تھ اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ یہی وہ غنڈہ تھا جس نے سمیرا کا پرس چھینا تھا۔ جونہی و سڑک کی ڈھلان پر آیا اسے ایسی آواز آئی۔ ایسا شور سنائی دیا جیسے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کوئی ریل گاڑی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی ہو۔ وہ گھبرا کر وہیں بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی پیچھے سے بڑے زور کا دھکا لگا اور پھر کسی نے اسے اٹھا کر بیس فٹ او ہوا میں اچھال دیا۔ وہ کندھے کے بل نیچے گندے نالے میں گرا اور بے ہوش ہو گ اس کا وہ ہاتھ کلائی کے اوپر سے ٹوٹ چکا تھا جس ہاتھ سے اس نے سمیرا کا پرس چھ تھا۔ دوسرا غنڈا اپنے سر سے بہتے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ سب کچھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جب اس نے اپنے ساتھی کو بیس فٹ اوپر ہو میں قلا بازیاں کھا کر نیچے نالے میں گرتے دیکھا تو دہشت کے مارے وہاں سے ایسا بھا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

(۱)

پہاڑ کی ترائی والے پرانے مکان میں پہنچنے کے بعد دونوں سہیلیاں نتاشا او سمیرا ان چیزوں کو سنبھالنے میں لگ گئیں جن کی انہوں نے شہر میں خریداری کی تھیں۔ سمیرا نے کتابیں کمرے کے چھوٹے سے اخروٹ کی لکڑی کے بنے ہوئے شیلف میں لگا دیں۔ نتاشا نے سلک کے ٹکڑے کو الماری میں سے اپنی قمیض نکال کر اس سے ملایا اور نیل پالش اور ناخنوں کے پرانے رنگ کو اڑانے والی شیشی اور روئی لے کر باہر باغ میں آ گئی۔ دھوپ خوب نکلی ہوئی تھی۔ کچن میں سے کھانا پکنے کی خوشبو آ رہی تھی۔ نوری اور سلیمان چچا کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ سمیرا بھی اپنے بالوں میں برش پھیرتی باہر باغ میں آ کر نتاشا کے پاس بیٹھ گئی۔ نتاشا ناخنوں کی پرانی پالش روئی سے رگڑ رگڑ کر اتار رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ ہمیں پولیس میں رپورٹ درج کرا دینی چاہیے تھی اس طرح کے رویے سے تو مجرموں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے"۔

سمیرا برش پھیرنے کے بعد بالوں کو سفید ربن سے باندھ رہی تھی۔

"بس ٹھیک ہے جو ہونا تھا ہو گیا۔ میں پولیس اسٹیشن سے دور ہی رہنا چاہتی ہوں"۔

"کتنے پیسے تھے پرس میں؟ اور کیا کیا تھا؟" نتاشا نے پوچھا۔ سمیرا نے اپنا سر بانس کی آرام کرسی کے پیچھے لگا لیا۔

چھ سو کے قریب روپے ہوں گے۔ میری ایک چھوٹی سی نوٹ بک بھی تھی جس میں یادداشت کے واسطے بعض چیزیں لکھی ہوئی تھیں"۔

"تمہارا ایڈریس بھی ہو گا اس میں"۔

نتاشا کی اس بات پر سمیرا نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں اور کہا۔

"ہاں ایڈریس اور نام بھی لکھا ہوا تھا"۔

نتاشا اسے چھیڑنے لگی۔

"بس پھر سمجھ لو کہ وہ غنڈہ تمہارے پاس پہنچا کہ پہنچا"۔

"کیا مطلب؟" سمیرا نے آنکھیں کھول دیں۔

نتاشا نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ ہو سکتا ہے تمہارا پرس واپس کرنے آ جائے"۔

ٹھیک اس وقت باہر درختوں سے گھری ہوئی سڑک پر کسی موٹر کار کے آنے اور

پھر رکنے کی آواز سنائی دی۔ سمیرا نے بند گیٹ کی طرف دیکھا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" نتاشا بولی۔

"وہی غنڈہ ہو گا۔ تمہارا پرس واپس کرنے آیا ہو گا"۔

سڑک پر سے کسی نے دو تین بار کار کا ہارن بجایا۔ سمیرا نے سلیمان کو آواز دے کر کہا۔

"چچا؟ دیکھو تو باہر کون آیا ہے"۔ سلیمان چچا اچھا بیٹی کہتا کچن سے نکلا اور صافی سے ہاتھ صاف کرتا احاطے کی گیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ گیٹ کا پٹ ذرا سا کھول کر باہر چلا گیا۔ سمیرا اور نتاشا کی نظریں گیٹ پر لگی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد سلیمان چچا اکیلا چلتا سمیرا کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"بیٹی! شہر میں تمہاری کوئی چیز گم ہو گئی تھی؟"

سمیرا چونک سی پڑی۔ "کیوں؟ کون ہے باہر؟"

سلیمان چچا کہنے لگا۔ "بیٹی ایک شریف سا نوجوان گاڑی میں آیا ہے۔ کہتا ہے شہر میں بیگم صاحبہ کی جو چیز گم ہو گئی تھی میں انہیں واپس دینے آیا ہوں"۔

نتاشا نے شوخی سے کہا۔ "لو وہ آگیا ہے"۔

سمیرا نے نتاشا سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ"۔

انہوں نے سلیمان چچا کو ساتھ لیا اور گیٹ پر آ گئیں۔ باہر ایک خوبصورت خوش لباس نوجوان اپنی سرخ رنگ کی کنورٹیبل اسپورٹس کار کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے فان کلر کا سمر سوٹ پہن رکھا تھا بادامی رنگ کی ٹائی لگائی ہوئی تھی۔ سیاہ چمکیلے بالوں کی مانگ درمیان میں سے نکلی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی تھی جس کا سرخ عقیق چمک دے رہا تھا وہ دراز قد چوڑے شانوں والا سرخ و سپید نوجوان تھا سمیرا اور نتاشا کو دیکھتے ہی وہ "تعظیماً" تھوڑا سا جھکا اس نے ایک ہاتھ میں سمیرا کا پرس تھام رکھا تھا یہ وہی پرس تھا جسے غنڈے چھین کرلے گئے تھے سامنے سے ہوا کا ہلکا سا جھونکا آیا اور سمیرا کو وہی پر اسرار عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی۔ نوجوان نے نہایت شائستہ انداز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو زحمت دی۔ میرا نام یاقوت ہے آپ میں

سے سمیرا صاحبہ کس کا نام ہے۔ میں انہیں یہ پرس واپس کرنے آیا ہوں"۔

نتاشا نے پوچھا۔ "آپ کو یہ پرس کہاں سے ملا؟"

خوبصورت اجنبی نوجوان یاقوت کا چہرہ ابھی تک سمیرا کی طرف تھا۔ نتاشا نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ سے ایک سوال پوچھا ہے"۔

خوش پوش خوش وضع نوجوان یاقوت نے بڑی آہستگی سے اپنا چمکتی ہوئی پیشانی والا چہرہ نتاشا کیطرف موڑ دیا اور کہا۔

"جی محترمہ---- یہ پرس مجھے شہر کے بلیو اسٹار شاپنگ سینٹر سے کچھ دور ایک سڑک کے کنارے پڑا ملا۔ اس میں ایک نوٹ بک ہے جس میں سمیرا صاحبہ کا نام اور ان کا ایڈریس لکھا تھا۔ اگر آپ کا نام سمیرا ہے تو یہ پرس وصول کر لیجئے اور مجھے اجازت دیجئے"۔

وہ پر اسرار عجیب خوشبو سمیرا کو برابر آ رہی تھی۔ نوجوان یاقوت کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی جیسے وہ جانتا ہو کہ سمیرا نام کی لڑکی کون ہے۔ تب سمیرا نے کہا۔

"میرا نام سمیرا ہے۔ آپ کا شکریہ۔ دراصل میرا پرس گاڑی میں سے گر گیا تھا۔ یہاں آکر علم ہوا۔ آپ نے بڑی زحمت کی"۔

خوبصورت نوجوان یاقوت کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ تھی جسے ہم پورے طور پر مسکراہٹ نہیں کہہ سکتے۔ یہ مسکراہٹ سے پہلے اور مسکراہٹ کے فوری بعد کی کیفیت تھی۔ اس کی خوبصورت ستواں ناک، چوڑی پیشانی اور ادھ کھلے ہونٹوں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ یا تو مسکراہٹ یہاں سے ابھی ابھی گزری ہے اور یا پھر مسکراہٹ بس آ ہی رہی ہے۔ اس قسم کی ملکوتی مسکراہٹوں والے چہرے سمیرا نے کبھی خوابوں میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ نوجوان یاقوت نے بڑے ادب سے سر کو ذرا سا جھکا کر کہا۔

"محترمہ! یہ میرا فرض تھا کہ آپ کی امانت آپ تک پہنچاؤں اپنی چیزیں چیک کر لیجئے۔ اس میں کچھ رقم بھی ہے"۔

نتاشا بھی اس نوجوان کی خوش اطواری اور شائستہ انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہ

رہ سکی۔ یاقوت الوداعی تعظیم کے بعد گاڑی میں بیٹھنے لگا تو سمیرا کے منہ سے بے اپنے آپ نکل گیا۔

"چائے نہیں پئیں گے؟"

نوجوان یاقوت نے اپنی کلائی پر بندھی سنہری زنجیر والی گھڑی پر نظر ڈالی۔ سمیرا کی طرف دیکھا اور کہا۔

"معافی چاہوں گا اس وقت مجھے ایک جگہ ضروری جانا ہے میری چائے آپ پر ادھار رہی"۔

وہ اپنی سرخ اسپورٹس کار میں بیٹھا اور ہاتھ ہلاتا آگے نکل گیا اس کے چلے جانے پر وہ پر اسرار خوشبو بھی غائب ہو گئی جو اس نوجوان کے ساتھ سمیرا نے محسوس کی تھی اور جسے وہ پہلے بھی اپنے پرانے مکان کے باغ میں اور شہر کے شاپنگ سینٹر میں محسوس کر چکی تھی اس بار بھی سمیرا نے نتاشا کے ساتھ اس پر اسرار خوشبو کا ذکر کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ خوشبو محسوس نہ کی ہو۔ سمیرا نے یہی سمجھا کہ اس اجنبی خوبصورت نوجوان نے اس خوشبو کی پرفیوم لگا رکھی تھی اور یہ خوشبو کسی ایسے پھول سے تیار کی جاتی ہے جو اس کے باغ میں بھی کہیں اگی ہوئی ہے۔

"اپنا پرس تو چیک کرو۔ ادھر کیا دیکھ رہی ہو۔ تمہارے خوابوں کا شہزادہ تو جا چکا ہے"۔

نتاشا کے اس جملے پر سمیرا اپنے خیالوں سے چونکی۔

"میرا کہاں۔۔۔۔ ہو گا تمہارے خوابوں کا شہزادہ"۔

یہ کہہ کر سمیرا نے پرس کھول کر دیکھا اس میں اس کی نوٹ بک نقدی، تین چار تہہ کئے ہوئے ٹشو پیپر اور بالوں کے پیچھے لگانے والا ہیئر پن۔ سب کچھ ویسے کا ویسا تھا۔ وہ گیٹ سے ہٹ کر واپس کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئیں۔ نتاشا کہنے لگی۔

"میں نے سوچا تھا کہ وہی غنڈہ ہو گا مگر یہ تو بڑا مہذب قسم کا نوجوان نکلا۔ چلو تمہارا پرس تو تمہیں مل گیا۔ اب اسے سنبھال کر رکھنا اور ہاں وہ تمہاری چائے پینے ضرور آئے گا۔ میں تو پرسوں واپس شہر چلی جاؤں گی۔ میرے پیچھے اسے اچھی طرح

سے چائے پلانا"۔

نتاشا ہنسنے لگی۔ سمیرا نے نتاشا کی ان شوخ باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پرس تھام کر اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

"اسے الماری میں رکھ کر آتی ہوں"۔

نتاشا ایک دن اور سمیرا کے پاس رہ کر واپس شہر چلی گئی۔ اس کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ نتاشا کے چلے جانے پر سمیرا کچھ اداس ضرور ہوئی۔ نتاشا کے ساتھ اس اکیلے قدیم مکان میں چار دن بڑی رونق رہی تھی۔ انہوں نے مل کر خوب سیریں کی تھیں۔ مزے مزے کے پکوان کھائے تھے لیکن سمیرا چونکہ فطرتاً تنہائی پسند لڑکی تھی اس لیے وہ بہت جلد واپس اپنے معمول پر آ گئی اب پھر وہ صبح صبح اٹھ کر باغ میں تھوڑی سیر کرتی وضو کر کے نماز پڑھتی۔ ناشتہ اپنے کمرے میں ہی کرتی۔ اس کے بعد اوپر والی منزل میں جو اس کا اسٹوڈیو تھا وہاں جا کر غیر مکمل تصویر کو مکمل کرنے میں لگ جاتی دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرتی پھر رومانوی ناول لے کر لوکاٹ کے درختوں کے نیچے آرام کرسی پر بیٹھ کر مطالعے میں محو ہو جاتی۔ اس دوران کئی بار ایسا ہوتا کہ آنکھوں کے سامنے اس خوبصورت باوقار نوجوان کا چہرہ آ جاتا جو اپنی سرخ رنگ کی اسپورٹس کار میں اسے پرس واپس دینے آیا تھا۔ اس سے پہلے سمیرا نے اپنے دل میں کبھی ایسی گرمی اور گداز محسوس نہیں کیا تھا جو اب وہ محسوس کرنے لگی تھی وہ یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ اسے یاقوت نام کے اس نوجوان سے محبت ہو گئی ہے مگر وہ یہ ضرور چاہتی تھی کہ وہ ایک بار اس کے ہاں چائے پینے ضرور آئے تاکہ وہ اسے ایک بار پھر دیکھ سکے۔ عجیب اتفاق تھا کہ اس خوش وضع خوش لباس دراز قد نوجوان یاقوت نے پرفیوم بھی وہی لگا رکھا تھا جس کی پر اسرار خوشبو کئی روز سے سمیرا وقفے وقفے کے بعد محسوس کر رہی تھی نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر سمیرا کو اٹھارویں صدی کے یورپ کی عشقیہ داستانیں یاد آ گئی تھیں جب شہسوار عاشق سرپٹ گھوڑا دوڑاتے قلعے کے پتھریلے راستوں سے گزرتے تھے اور معصوم دل محبوبائیں اونچی گوتھک کھڑکیوں سے ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتی تھیں۔ یہ محبت کا بڑا پاکیزہ اور دلیرانہ تصور تھا۔ سمیرا کو یہ تصور بڑا اچھا لگنے لگا تھا۔ کسی وقت وہ ہاتھ کی انگلیوں کو بار بار

انگوٹھے کے ساتھ لگا کر گنتی کرنے لگتی کہ یاقوت کے آنے پر وہ یہ یہ چیزیں چائے کے ساتھ رکھے گی اس نے شہر سے کچھ نمکین بسکٹ' باداموں والی برفی اور زعفرانی کیک منگوا کر رکھ بھی لیا تھا ایسا بھی ہوتا کہ سمیرا اس نوجوان کے خیال کو اپنے دماغ سے یہ کر کر جھٹک دیتی کہ مجھے کیا پڑی ہے کہ ایک اجنبی کے بارے میں سوچتی ہی چلی جاؤں۔ ٹھیک ہے اس نے میرا پرس لا کر دے دیا ہے۔ اس کا شکریہ بھی ادا کر دیا ہے۔ چائے کا بھی پوچھ لیا تھا۔ باقی کیا رہ گیا ہے مگر دوسرے لمحے خوبصورت چمکیلی پیشانی اور مضبوط اونچی رومن ناک والے نوجوان کا نیم وا مسکراہٹ والا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا۔ اسے ایک ایک کر کے سارے واقعات یاد آنے لگتے۔ کس طرح اس نے پرس اس کی طرف بڑھایا تھا۔ کس طرح اس نے چائے کی دعوت کا سن کر اپنی سنہری زنجیر والی کلائی کی گھڑی کو دیکھا تھا پھر کس انداز سے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور ہاتھ ہلاتا ہوا نیم پہاڑی سڑک کے درختوں میں آگے نکل گیا تھا۔

اس بات کو تین دن گزر گئے تھے وہ نوجوان نہیں آیا تھا۔ سمیرا بھی آہستہ آہستہ اس کے خیال کو بھولتی جا رہی تھی۔ چوتھے روز ایسا ہوا کہ اسے ایک بار پھر وہی پر اسرار خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ اپنے دوسری منزل والے اسٹوڈیو میں بیٹھی تصویر میں رنگ بھر رہی تھی۔ خوشبو نیچے باغ میں سے آ رہی تھی۔ سمیرا نے سوچا کہ آج یہ معلوم کر ہی لینا چاہیے کہ اگر یہ خوشبو کسی جڑی بوٹی کی ہے تو وہ کونسی جڑی بوٹی ہے اور اگر کسی پھول کی خوشبو ہے تو وہ اس کے باغ میں کہاں کھلا ہوا ہے سمیرا نیچے باغ میں آ کر ادھر ادھر درختوں کے نیچے اور دیوار کے ساتھ اگی ہوئی بیل میں مطلوبہ پھول یا جڑی بوٹی کو تلاش کرنے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ پر اسرار خوشبو باغ کے کونے میں جو کوٹھری نما ویران کیبن ہے اور جس میں کاٹھ کباڑ بھرا ہے ادھر سے آ رہی ہے وہ وہاں آ گئی کیبن کا دروازہ بند تھا تالا وہاں کبھی کسی نے نہیں لگایا تھا۔ تالا لگانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ اندر سے نیم گرم ہوا کا ایک جھونکا سا نکل کر اس کے قریب سے ہو کر گزر گیا۔ اس میں وہی پر اسرار خوشبو تھی اور بڑی گہری تھی۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ کوٹھری یا کیبن کے اندر یہ خوشبو کہاں سے آ گئی؟ دوسرے لمحے خوشبو غائب ہو گئی۔ سمیرا نے کیبن کا دروازہ بند کر دیا اور

اس کے پیچھے دیوار کے ساتھ اگی ہوئی جھاڑیوں میں پر اسرار خوشبو والا پھول تلاش کرنے لگی مگر وہ پھول اسے کہیں نہ ملا۔ اب جبکہ وہ خوشبو بھی غائب ہو چکی تھی سمیرا اس کی تلاش کو ترک کر کے اوپر والی منزل میں آ کر تصویر بنانے میں محو ہو گئی۔

رات کا کھانا اس نے اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ اس کے بعد کافی پی اور بستر پر نیم دراز ہو کر رومانوی انگریزی ناول پڑھنے لگی۔ نوری اور اس کا والد سلیمان چچا کچن میں چیزیں سنبھالنے کے بعد آرام کرنے چلے گئے تھے۔ نوری ڈرائنگ روم میں جا کر سو گئی تھی۔ سلیمان چچا نے بندوق لے کر احاطے کی دیوار کے دو چار چکر لگائے۔ ہر طرف سے اطمینان کر لینے کے بعد وہ بھی اپنی کوٹھری میں جا کر سو گیا۔ پڑھتے پڑھتے سمیرا کے ہاتھوں سے ناول چھوٹ کر اس کے سینے پر گر پڑا۔ اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ رات کے سوا بارہ بج چکے تھے۔ باہر رات خاموش تھی کہیں مشرق میں درختوں کے پیچھے چاند نکلا ہوا تھا جس کی روشنی فضا میں ہلکی دھند کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ سمیرا نے کتاب ایک طرف رکھ کر ٹیبل لیمپ بجھایا اور کمبل اوپر کر کے آنکھیں بند کر لیں۔ پہلے ہی اس پر غنودگی طاری تھی۔ بتی بجھا کر آنکھیں بند کیں تو فوراً" نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

اچانک ایک کھٹکا سا ہوا مگر سمیرا گہری نیند سو رہی تھی اس کے ساتھ ہی دو انسانی سائے کمرے کا دروازہ کھول کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اس کے پلنگ کی طرف بڑھے۔

آدھی رات کے وقت جو دو انسانی سائے سمیرا کے کمرے میں داخل ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام جانی اور دوسرے کا نام ساجو تھا۔ یہ دونوں جرائم پیشہ تھے۔ ان کا کام شریف امیرزادیوں کو اغواء کر کے ان کی قابل اعتراض حالت میں تصویریں بنانا اور پھر بعد میں انہیں بلیک میل کرنا تھا۔ اس مزموم کام میں ان کا ایک استاد بھی شریک تھا جس کا نام کالو تھا اور جو تصویریں اتارنے کے فن میں ماہر تھا۔ اس وقت کالو قریبی قصبے سے کچھ فاصلے پر ایک ویران جگہ پر بنائے گئے گیراج کے نیچے تہہ خانے میں موجود تھا اور دیوار کے ساتھ بچھے ہوئے پلنگ کے سامنے اسٹینڈ پر کیمرہ لگائے فلڈلائیٹ کے سفید شیڈ کو صاف کر رہا تھا جس میں پانچ سو واٹ کا بلب لگا تھا اور ابھی بجھا ہوا تھا۔

دونوں انسانی سائے یعنی ساجو اور جانی قالین پر دبے پاؤں چلتے سمیرا کے سرہانے آکر کھڑے ہو گئے۔ کھڑکی پر گہرے سفید ریشمی پردے میں سے چاندنی اندر آرہی تھی۔ ان بدکردار جرائم پیشہ آدمیوں کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ سمیرا کے ہونٹ ذرا سے کھلے تھے اور وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ جانی کے ہاتھ کی مٹھی میں کلوروفارم والا رومال تھا۔ ان کیلئے کسی عورت کو بے ہوش کر کے اٹھا لے جانا کوئی نیا تجربہ نہیں تھا۔ جانی سمیرا پر جھکا۔ دوسرے لمحے اس نے کلوروفارم والا رومال سمیرا کی ناک پر رکھ کر دبایا۔ ساجو نے سمیرا کے بازوؤں اور ٹانگوں کو جکڑ لیا۔ سمیرا نے گھبراہٹ میں آنکھیں کھول کر دھندلی روشنی میں ان دونوں بدمعاشوں کو دیکھا۔ اس نے چیخنا چاہا مگر کلوروفارم کی گیس اس کے خون میں شامل ہو چکی تھی۔ اس نے دو تین سانس لئے اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ جانی ایک کپڑا سمیرا کے منہ پر کس کر باندھ دیا۔ پھر اسے اٹھایا اور کھڑکی میں سے اتر کر قدیم مکان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ ہوتے گیٹ میں سے باہر نکل گئے۔ سڑک پر چند قدموں کے فاصلے پر ان کی بند ویگن کھڑی تھی۔ بے ہوش سمیرا کو اس کے اندر ڈالا ویگن کے دروازے کو لاک کیا اور جتنی تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل سکتے تھے نکل گئے۔

سمیرا کے مکان سے پہلے دو تین میل کے فاصلے پر قصبہ آتا تھا ان بدمعاشوں کی ویگن رات کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے قصبے کے سنسان بازاروں سے گزرتی برساتی نالے کے پہلو سے نکل کر اپنے اڈے کی طرف روانہ ہو گئی۔ استاد کالو گیراج کے باہر اندھیرے میں سگریٹ سلگائے بیٹھا اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ جانی اور ساجو نے ویگن کی ہیڈ لائٹس بند کر رکھی تھیں۔ کالو نے گاڑی کی آواز سنتے ہی سگریٹ پاؤں تلے مسل ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ چاندنی میں اسے ویگن اپنی طرف آتی نظر آئی۔ گیراج کا بوسیدہ دروازہ پہلے سے کھلا تھا ویگن تیزی سے گیراج میں داخل ہو گئی۔ جانی انجن بند کر کے گاڑی سے باہر نکلا استاد کالو نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟" "سب ٹھیک ہے۔" جانی نے کہا۔ ساجو بھی گاڑی سے باہر آگیا۔ انہوں نے ویگن کا عقبی دروازہ کھول کر بے ہوش سمیرا کو نکالا۔ گیراج کے اندر سے پتھر کی سیڑھیاں نیچے تہہ خانے میں جاتی تھیں۔ وہ سمیرا کو نیچے لے آئے اور اسے پلنگ پر لٹا دیا۔ تہہ خانے میں ایک بلب روشن تھا۔ استاد کالو کیمرے کو سیٹ کرنے لگا۔ اس نے پانچ سو واٹ کا بلب روشن کر دیا۔ تہہ خانہ جگ مگ کرنے لگا اس کی روشنی میں بے ہوش سمیرا کو دیکھ کر ساجو نے کہا۔

"یہ تو بڑی جوان اور خوبصورت ہے۔ اس کی فلم بنا کر ہم بڑی دولت کما سکتے ہیں۔"

کالو کیمرے کے لینز کو فوکس میں کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "جب اس کی ضرورت پڑے گی تب یہ بھی کر لیں گے ابھی تو اس کی تصویریں ہی ہمیں بہت کچھ دے سکتی ہیں۔ پہاڑی بنگلے میں اکیلی رہتی ہے پیچھے بڑا مالدار خاندان ہے اور شریف لوگ

ہیں۔"

جانی بدمعاش سگریٹ سلگا رہا تھا۔ ہنس کر بولا۔ "ہمیں شریف لوگ ہی چاہئیں۔ یہ اپنی عزت کے ڈر سے کبھی پولیس کے پاس نہیں جاتے۔"

استاد کالو نے کیمرہ سیٹ کرلیا تھا۔ کہنے لگا "چلو بھئی کیمرہ تیار ہے۔"

ساجو پلنگ پر جہاں سمیرا بے ہوش تھی اس کے بالکل قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ بولا۔ "نوجوان لڑکی ہے اس کی ساری فلمیں بنائیں گے۔"

جانی بھی سمیرا کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ کالو نے اپنی آنکھ کیمرے کے ساتھ لگا دی اور جھنجھلا کر کہا۔ "اس کا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ کام شروع کرو پانچ سو واٹ کا بلب جل رہا ہے۔"

جانی اور ساجو بدمعاش نے ایک ساتھ سمیرا کے لباس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ابھی ان کے ہاتھ سمیرا کے جسم سے چھوئے نہیں تھے کہ ان کی آنکھوں میں ایک بجلی کوند گئی۔ انہیں ایسا طوفانی شور سنائی دیا جیسے ان کے سروں کے اوپر سے کوئی ریل گاڑی پوری رفتار سے شور مچاتی گزر گئی ہو۔ دونوں کو ایک ہی وقت میں زبردست جھٹکا لگا جیسے انہوں نے ایک ایسے تار پر ہاتھ رکھ دیا ہو جس میں طاقتور برقی رو گزر رہی ہو۔ وہ پلنگ پر سے نیچے گر گئے۔ فوٹوگرافر استاد کالو کیمرے کی آنکھ سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے آنکھ کیمرے سے ہٹائی اور گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا ہوگیا اوئے' نیچے کیوں گر پڑے ہو؟"

دونوں انسانیت دشمن بدمعاشوں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے اور دہشت سے ہونٹ خشک ہو کر سفید ہوگئے تھے۔ وہ فرش پر پڑے تھے اور ان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کالو نے پانچ سو واٹ کا بلب بجھا دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا۔ وہ انہیں فرش پر سے اٹھانے کیلئے جھکا ہی تھا کہ اس کے منہ سے "ہائے" کی آواز نکلی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ تہہ خانے میں اس وقت صرف ایک بلب جل رہا تھا۔ کالو کا بدن سن ہوتا جارہا تھا اسے اپنی کمر پر ریڑھ کی ہڈی کے ایسے جھٹکے سے لگتے محسوس ہو رہے تھے جیسے وہاں کوئی خنجر کے مسلسل وار کر رہا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ اس کے ------- ساتھی جانی

ساجو ابھی تک اسی حالت میں پلنگ کے پاس فرش پر پڑے تھے۔ ان کی آنکھیں خوف سے پوری کھلی تھیں انہوں نے بلب کی روشنی میں کالو فوٹوگرافر کی پیٹھ پر سے خون بہتے دیکھا۔ خون فرش پر بہہ رہا تھا۔ جم رہا تھا۔ انہوں نے اٹھ کر وہاں سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بھاگنے کی کوشش کی مگر وہ فرش پر سے نہ اٹھ سکے۔ جانی نے لڑکھڑاتی زبان میں ساجو بدمعاش سے کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اس کے منہ سے نہ نکل سکے۔ عین اسی لمحے ساجو نے ہلکی سی چیخ مار کر اپنے پیٹ کو پکڑ لیا۔

جانی نے دہشت زدہ آنکھوں سے دیکھا کہ ساجو کے پیٹ میں سے خون ابل ابل کر باہر نکل رہا تھا اور اس کا ایک طرف کو مڑا ہو جسم یوں بل کھا رہا تھا جیسے کوئی بار بار اس کے پیٹ میں کسی شے کا وار کر رہا ہو۔ وہاں ان کے سوا کوئی نہیں تھا مگر لگتا تھا کہ وہاں ان کے علاوہ کوئی ایسی طاقتور شے ہے جو بڑے ٹھنڈے دل سے ان تینوں کا کام تمام کر رہی ہے۔ جانی نے ایک بار پھر اپنے جسم میں بجلی کا جھٹکا لگتا محسوس کیا۔ اس کے حلق سے ایک لمبی المناک' عبرت انگیز کراہ نکل گئی اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب سمیرا کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک بند بند سے چھوٹے کمرے میں پایا جس کی چھت کے ساتھ بلب جل رہا تھا۔ کسی غیر مرئی طاقت کے اثر سے اس کے دماغ سے کلوروفارم کے بعد کے اثرات بالکل غائب تھے۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ وہ اپنے پلنگ پر سو رہی تھی کہ کسی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے کپڑوں کا جائزہ لیا اور جلدی سے پلنگ پر سے اتر آئی۔ فرش پر وہ بجلی کی روشنی میں تین آدمیوں کی خون آلود لاشیں پڑی دیکھ رہی تھی۔ پاس ہی اسٹینڈ پر تصویریں اتارنے والا کیمرہ لگا تھا۔ سمیرا کالج کی پڑھی اور شہر کی رہنے والی عورت تھی۔ وہ سب کچھ سمجھ گئی کہ اسے کیوں اور کس لئے اغواء کیا گیا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے کیمرے کو کھول کر فلم نکال کر مٹھی میں پکڑی اور سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان تین آدمیوں کا خون کس نے کیا ہے۔ مگر اس وقت وہ اپنی عزت آبرو بچانا چاہتی تھی۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کس نے اسے دیکھ لیا تو اس پر تین آدمیوں کے قتل کا الزام لگ جائے گا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیراج میں آگئی یہ سب کچھ آدھے گھنٹے کے اندر اندر ہوگیا تھا

اور ابھی رات ویسے ہی تاریک اور سنسان تھی۔

گیراج میں ان بدمعاشوں کی ویگن کھڑی تھی پہلے سمیرا نے سوچا کہ وہ ویگن لیکر وہاں سے جتنی جلدی ہو سکے بھاگ جائے مگر پھر یہ سوچ کر ویگن کو ہاتھ بھی نہ لگایا کہ وہ اسی ویگن کی وجہ سے کہیں تیرے قتل کے کیس مین نہ پھنس جائے۔ وہ گیراج کے باہر آکر اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھ کر اندازہ لگانے لگی کہ وہ کہاں ہے اور یہ جگہ کون سی ہے؟ عین اسی وقت نیچے تہہ خانے کی ایک الماری میں وہ ساری تصویریں اور ان تصویروں کے نیگٹوز تھے جن کے ذریعے یہ تینوں بدمعاش شہر کی کئی دولت مند اور بے بس خواتین کو بلیک میل کر رہے تھے۔ سمیرا سیڑھیاں چڑھ کر گیراج سے باہر ہی گئی ہو گی کہ دیوار پر لگے بجلی کے سوئچ بورڈ میں سے تھوڑی سی آگ نکلی۔ پھر پٹاخے کی آواز کے ساتھ ایک نیلا شعلہ چھت کی طرف لپکا۔ دیکھتے دیکھتے آگ نے سارے تہہ خانے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تینوں ننگ انسانیت جرائیم پیشہ بدمعاشوں کی لاشوں کے ساتھ وہ الماری بھی دھڑا دھڑ آگ میں جلنے لگی جس میں شہر کی کئی شریف خواتین کی مجبوری کی حالت میں اتاری گئی تصویروں اور ان تصویروں کے نیگٹو تھے۔

سمیرا نے گیراج کی سیڑھیوں والے دروازے سے آگ کے شعلے نکل کر ویگن کی طرف بڑھتے دیکھے تو وہاں سے گھبرا کر دوڑ پڑی۔ اسے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے اور یہ علاقہ کونسا ہے۔ رات کی تاریکی میں اسے دور قصبے کی کچھ بتیاں ضرور نظر آرہی تھیں۔ اس قسم کا واقعہ اس کے ساتھ زندگی میں کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ اسی لئے وہ سخت خوف زدہ تھی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر بھی پریشان ہو رہی تھی کہ اپنے مکان پر کیسے پہنچے گی۔ تین غنڈوں کے قتل کا معمہ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ آپس میں کسی بات پر الجھ پڑے ہوں اور ایک دوسرے پر چاقو خنجروں سے حملہ کر دیا ہو۔ وہ قصبے کی روشنیوں کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ اس کا سانس پھول گیا۔ ایک جگہ کھیت کے کنارے وہ رک گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا گیراج میں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ یا اللہ یہ سب کیا ہے؟ میں کہاں ہوں؟ یہ لوگ کون تھے؟ وہ انہی خیالات میں الجھی کھیت کی مینڈھ پر کھڑی درست کر رہی تھی کہ اسے رکشے کی آواز آئی۔ یہ رکشا کچے راستے پر بائیں جانب سے آرہا تھا۔ اس کی ہیڈ لائیٹ روشن تھی۔ خدا جانے یہ رکشا کہاں سے آگیا تھا۔ سمیرا اتنی دہشت زدہ تھی کہ آگے بڑھ کر رکشے کو ہاتھ بھی نہ دے سکی۔ مگر رکشا اپنے آپ اس کے قریب آکر رک گیا۔ ڈرائیور کی گھنی داڑھی تھی اور اس نے سر پر گلوبند لپیٹ رکھا تھا اس نے گردن رکشے سے باہر نکال کر کہا۔ "تمہیں جہاں جانا ہے میں تمہیں وہاں چھوڑ آتا ہوں، بیٹی!"

رکشا ڈرائیور کے اس جملے میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ سمیرا نے اسے اپنے مکان کا پتہ بتایا اور کہا۔ "کیا تم میرے گھر پہنچا دو گے بابا؟"

رکشا ڈرائیور بولا۔ "یہ جگہ یہاں سے زیادہ دور نہیں بیٹی بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔"

سمیرا رکشے میں بیٹھ گئی۔ کچھ فاصلے پر گیراج جل رہا تھا۔ آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے مگر رکشا ڈرائیور نے سمیرا سے اس آگ کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا اور رکشے کو قصبے کی سڑک پر ڈال دیا۔ راستے میں بھی رکشا ڈرائیور نے سمیرا سے بالکل نہ پوچھا کہ وہ آدھی رات کو یہاں کیا کرنے آئی تھی۔ خاموش اور پراسرار رکشے والا سمیرا کو اس کے پہاڑی مکان کے گیٹ سے ذرا پیچھے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ سمیرا نے اسے اندر سے کرایہ بھجوانے کو کہا تو وہ بولا "کوئی باپ اپنی بیٹی سے کرایہ نہیں لیتا"۔

مکان کا گیٹ تھوڑا سا کھلا تھا۔ سلیمان چچا کے کوارٹر میں اندھیرا تھا۔ جس ہال کمرے میں نوری سو رہی تھی وہاں بھی اندھیرا تھا۔ صرف کچن اور کھلے گیراج کے باہر ایک ایک بلب جل رہا تھا سمیرا اپنے آپ کو سمیٹتی سنبھالتی اپنے کمرے کی طرف آئی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ غنڈے اسے کھڑکی میں سے نکال کر لے گئے ہوں گے۔ وہ کھڑکی کے پاس آئی تو ہلکی غروب ہوتی چاندنی میں اس نے دیکھا کہ کھڑکی کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا تھا۔ وہ کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو گئی۔ کھڑکی کو بند کر کے کنڈی لگائی اور بے دم سی ہو کر اپنے پلنگ پر گر پڑی۔ اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ڈراؤنے خواب کی بھیانک دنیا سے نکل کر آئی ہے۔ پھر وہ سجدے میں گر گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگی

کہ اس نے مصیبت میں اس کی مدد کی اور اس کی عزت اور جان کی حفاظت کی۔ سمیرا نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ سلیمان چچا سے کہہ کر شہر سے کوئی قابل اعتماد چوکیدار منگوائے گی جو ساری رات گیٹ پر پہرہ دیا کرے۔ سمیرا اس مکان کو چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ یہ مکان اس کا آئیڈیل اور اس کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ اس کے ساتھ جو بھیانک حادثہ گزر گیا تھا وہ ابھی تک اس کے شدید جذباتی اثر میں تھی۔ پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ فریج سے پانی نکال کر پیا۔ اس نے ٹیبل لیمپ نہیں جلایا تھا صرف غسل خانے کی بتی جلتی چھوڑ دی تھی وہ پلنگ پر خاموشی سے لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ ایسا اس کے ساتھ کیوں ہوا؟ یہ غنڈے کہاں سے آگئے تھے؟ وہ اسے کس طرح بے ہوش کر کے لے گئے کہ گھر میں کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ اسے اپنے سر میں کسی چوٹ کی درد بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی سانس میں کلوروفارم کی بو بھی نہیں تھی۔ اخباروں میں وہ اس قسم کی خبریں پڑھا کرتی تھی کہ غنڈے کسی عورت یا مرد کو اغواء کر کے لے گئے پر اس کے لواحقین سے اس کے عوض تاوان طلب کیا۔ ہو سکتا ہے یہ غنڈے بھی اسے اسی نیت سے اغواء کر کے لے گئے ہوں آخر وہ اتنے بڑے مکان میں اکیلی رہتی ہے یہاں اس قسم کے حالات اسے پیش آسکتے ہیں سمیرا سوچنے لگی۔ یہی کچھ سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ سو گئی۔

صبح اٹھتے ہی سمیرا نے پہلے کام یہ کیا کہ قصبے میں جا کر نتاشا کو ٹیلی گرام دیا کہ ایک دن کے لئے اس کے پاس آجائے ضروری بات کرنی ہے۔ رات والے واقعے کی اس نے پولیس میں بھی رپورٹ درج نہ کرائی اور سلیمان چچا اور نوری کو بھی اس بارے میں کچھ نہ بتایا۔ دوپہر کو سلیمان چچا قصبے میں سبزی وغیرہ لینے چلا گیا واپسی اس نے سمیرا کو بتایا کہ رات قصبے کے پاس گیراج میں آگ لگ گئی تھی۔ سمیرا نے مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے پوچھا۔ "کیا وہاں کوئی آدمی بھی جل مرے ہیں؟"

سلیمان چچا بولا۔ "نہیں بیٹی۔ خدا کا شکر ہے کہ گیراج ایک عرصے سے خالی تھا۔ وہاں کوئی نہیں رہتا تھا"۔

سمیرا سمجھ گئی کہ غنڈوں کی لاشیں تہہ خانے میں جل کر راکھ ہو گئی ہوں گی۔ اوپر سے چھت اور فرش کا ملبہ گرا ہو گا۔ ان کی ہڈیاں اب کہاں ملیں گی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ رات جو کچھ ہوا ہے اس کی کوئی نشانی بھی باقی نہ رہے۔ کیونکہ لاشوں کی ہڈیاں ملنے سے پولیس تفتیش شروع کر سکتی تھی اور ہو سکتا تھا کہ وہ رکشا ڈرائیور بھی گواہی دینے آجائے جس نے سمیرا کو اسی رات گیراج کے قریب سے گھر پہنچایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب سلیمان چچا نے بتایا کہ گیراج خالی تھا اور وہاں آگ میں کسی انسان کے جلنے کی خبر نہیں ہے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

سمیرا نے نتاشا کو ارجنٹ ٹیلی گرام دیا تھا نتاشا ابھی اپنے آفس میں ہی تھی کہ اسے تار مل گیا آفس میں کام ختم کرنے کے بعد وہ گھر گئی ڈیڈی سے کہا کہ سمیرا کا تار آیا ہے اسے کوئی ضروری کام ہے اس لئے میں اس کے پاس جا رہی ہوں۔ اپنی گاڑی میں ہی بیٹھ کر وہ سمیرا کی طرف چل پڑی اور سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اس کے پاس پہنچ گئی۔ سمیرا اس وقت اپنے کمرے میں کھڑکی کے پاس بیٹھی اپنی قمیض اور جمپر وغیرہ استری کر رہی تھی نتاشا کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوتے دیکھی تو جلدی سے استری کا سوئچ آف کیا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ نتاشا نے سمیرا کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے اس ڈان وان سے تمہارا رومان شروع ہو گیا ہے۔ کیوں۔ میں نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے نا؟"

نتاشا سمیرا سے بغل گیر ہونے کے بعد اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں جس ڈان کا ذکر تم کر رہی ہو وہ اس روز کے بعد نہیں آیا۔" نتاشا نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"امید کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئے گا"۔

اور پھر ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ کمرے میں آکر وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ سمیرا نے نوری کو آواز دیکر چائے لانے کے لئے کہا۔ سمیرا سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ نتاشا اپنی سہیلی کے چہرے کو شرارت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی کہنے لگی۔ "پھر ٹیلی گرام دیکر کس لئے بلایا ہے مجھے۔ میں تو یہ سمجھ کر خوش ہو رہی تھی کہ تم نے شادی وادی کا کوئی پروگرام بنالیا ہے"۔

سمیرا نے کہا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بھئی"۔

"تو پھر کیا بات ہے؟" نتاشا نے سمیرا کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔ سمیرا نے وہ سارا واقعہ اسے سنا دیا جو کل رات اس کے ساتھ پیش آیا تھا۔ نتاشا تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔ وہ سمیرا کا منہ تکنے لگی۔ "کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟" اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ کل رات یہ سب کچھ سمیرا کے ساتھ گزر چکا ہے سمیرا نے کہا۔ "یہ سب کچھ سچ ہے نتاشا۔ ایسا ہوا ہے۔ اگر تم کہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ چل کر وہ گیراج کا ملبہ دکھائے دیتی ہوں جس کے شعلے میں نے کل رات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اور جس کے تہہ خانے میں تینوں غنڈوں کی لاشیں پڑی تھیں"۔

نتاشا نے بے اختیار ہو کر سمیرا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

"میرے خدایا! تو نے میری پیاری سہیلی کو بچا لیا"۔

سمیرا کی آنکھوں میں آنسو جھلک اٹھے۔ نتاشا نے اسے اپنے گلے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گی۔ تمہیں ابھی اسی وقت میرے ساتھ شہر چلنا ہو گا جب تک تمہارے لئے شہر میں کسی بنگلے کا انتظام نہیں ہو تم ہمارے گھر رہو گی"۔

سمیرا نے گہرا سانس لے کر بائیں جانب کے اونچے اونچے درختوں اور ان کے پس منظر میں آسمان پر غروب آفتاب کی پھیلتی سنہری روشنی کو دیکھا اور کہا۔ "نہیں نتاشا! میں اس مکان کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے یہاں کی پر سکون خاموشیوں، آلوچے، لوکاٹ کے درختوں اور دور نظر آتے پہاڑوں، ندی نالوں اور یہاں کے سارے قدرتی ماحول سے بڑی محبت ہے میں ان سے الگ ہو کر شہر کے مصنوعی ماحول میں زندگی بسر نہیں کر سکتی"۔

اس نے نتاشا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا اور ذرا سا مسکرا کر بولی۔ "میری فکر نہ کرو۔ تمہیں یہ سب کچھ بتا کر میرا جی ہلکا ہو گیا ہے۔ میں نے سلیمان سے کہہ کر ایک چوکیدار کا انتظام کر لیا ہے۔ وہ کل سے یہاں آکر رات کو پہرہ دیا کرے گا۔ اور پھر کچھ میری بھی تو غلطی تھی۔ اس رات میں کھڑکی کو چٹخنی لگانا گئی تھی"

نوری چائے کے سامان سے لدا ہوا ٹرے لے کر آئی۔ اندر آتے ہی بولی۔ "نتاشا باجی کے واسطے میں خاص طور پر فرنچ ٹوسٹ بنا کر لائی ہوں۔ باجی آپ کو پسند ہیں نا۔"

"ہاں ہاں نوری کیوں نہیں۔ تمہارا شکریہ"

نتاشا نے نوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ نوری نے زیرے والے بسکٹوں کا شیشے کا چوکور ڈبہ سمیرا کے آگے رکھ دیا اور ٹرے میں سے چائے کا سامان نکال کر لگانے لگی۔

"تم رکھ دو نوری۔ میں خوود بنا لوں گی۔"

نوری نے ٹرے وہیں میز پر رکھ دیا اور مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔ نتاشا پیالیاں لگاتے ہوئے بولی۔ "پھر بھی سمیرا۔ شہر میں مجھے تمہاری فکر لگی رہے گی۔"

سمیرا نے کہا۔ "فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ جن غنڈوں سے خطرہ تھا وہ جل کر راکھ ہو گئے۔ انہیں اپنے گناہوں کی سزا مل گئی۔ اب میں خود یہاں اپنا خیال رکھوں گی۔" نتاشا چائے ڈالتی ہوئی کہنے لگی۔

"ویسے سمیرا ہمارے ہوں کوئی عورت اکیلی رہنا چاہے تو بالکل نہیں رہ سکتی۔"

سمیرا نے جواب میں کہا "اور یورپ امریکہ میں کہاں اکیلی رہ سکتی ہے۔ بوڑھی ہو کر رہ لے تو رہ لے۔ جوانی میں تو اسے ہر وقت خطرہ ہی لگا رہتا ہے۔"

نتاشا کہنے لگی۔ "شہر کے اپارٹمنٹوں میں تو عورت پھر بھی رہ لیتی ہے مگر تمہاری طرح اس بالکل الگ تھلگ علاقے میں رہنا واقعی وہاں بھی خطرناک ہوتا ہے۔"

"اللہ حفاظت کرنے والا ہے۔" سمیرا نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔ "اب دیکھ لو۔ میرے وہاں سے بچ نکلنے کی کوئی صورت تھی؟ بالکل نہیں لیکن خدا نے مجھے وہاں سے نکال لیا اور سنسان رات میں ایک نیک دل رکشے والا بھی بھجوا دیا جو مجھے اپنی بیٹی بنا کر سیدھا میرے گھر کے دروازے پر چھوڑ گیا۔"

نتاشا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے فکر انگیز انداز میں اپنی پیالی میں چمچ ہلا رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی میں تمہیں یہی کہوں گی کہ یہ ویرانہ چھوڑ کر شہر آ جاؤ۔ غنڈوں نے تمہارا گھر دیکھ لیا ہے۔ ہو سکتا ہے ان

لوگوں کے پیچھے کچھ ساتھی بھی ہوں اور وہ تم سے بدلہ لینے کی کوشش کریں۔"

سمیرا یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ "خدا میرے ساتھ ہے۔"

دونوں سہیلیاں کافی رات گئے تک جاگتی رہیں' باتیں کرتی رہیں۔ صبح دس بجے ان کی آنکھ کھلی۔ ناشتہ کرنے کے بعد نتاشا واپس شہر چلی گئی۔ دو بجے سمیرا نے کھانا کھایا اس روز موسم ابر آلود تھا۔ فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ لگتا تھا رات کو بارش ہو گی۔ سمیرا نے لیموں کے پیڑوں کے پاس چائے کی میز رکھوادی۔ وہ آج وہیں بیٹھ کر شام کی چائے پینا چاہتی تھی۔ بہار کے موسم کی ابتدا ہو چکی تھی ویسے بھی چونکہ یہ پہاڑ کی تلیہٹی کا علاقہ تھا اس لئے یہاں پہاڑوں کی نسبت بہار کا موسم پہلے آجاتا تھا۔ دوپہر کو ذرا دھوپ نکلتی تو آم کے درختوں کی طرف سے نیم گرم ہوا کے جھونکے آتے جن میں کچے آموں کی ہلکی ہلکی مہک ہوتی۔ لیموں کی شاخوں میں بھی سبزی مائل سفید سفید کلیاں کھلنے لگی تھیں۔ ان کی خوشبو بھی آس پاس پھیلی رہتی تھی۔ سمیرا چاہتی تھی کہ قدرت کی ان خوشبوؤں میں بیٹھ کر چائے پیئے۔ ابھی نوری کچن میں چائے د کر رہی تھی کہ سمیرا کو گیٹ کے آگے موٹر کھڑی ہونے کی آواز سنائی دی۔ اپنے آپ اس کا دل زور سے دھڑکا سمیرا نے گھر میں کوئی گھنٹی وغیرہ نہیں لگوائی تھی۔ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ سمیرا کے دل نے بتا دیا تھا کہ کون آیا ہے۔ پھر بھی اس نے نوری کو آواز دے کر کہا۔ "نوری! دیکھو باہر کون آیا ہے؟" کچن کے پیچھے سے سلیمان چچا کی آواز آئی۔

"میں دیکھتا ہوں۔"

سمیرا جہاں بیٹھی تھی وہاں سے اسے احاطے کی پتھریلی دیوار کے درمیان بنا ہوا دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔ سلیمان چچا خالی ہاتھ نہیں گیا تھا۔ بندوق اس کے ہاتھ میں تھی۔ سمیرا دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ نظریں گیٹ پر جمائے ہوئے تھی۔ لکڑی کا گیٹ بس اتنا ہی چوڑا تھا کہ اس میں سے ایک گاڑی گزر سکتی تھی۔ سلیمان چچا نے گیٹ کھول دیا۔ سمیرا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ باہر سرخ رنگ کی اسپورٹس کار کے پاس وہی خوبصورت خوش پوش' خوش وضع نوجوان یاقوت کھڑا سلیمان چچا سے کچھ کہہ رہا تھا۔ سمیرا کرسی چھوڑ کر اٹھی اور گیٹ کی طرف بڑھی۔ اسے دہ

پراسرار خوشبو محسوس ہوئی۔ یاقوت آج پھر وہی پرفیوم لگا کر آیا تھا۔ وہ اتنے دن کیوں نہیں آیا؟ کیا اسے ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ سمیرا اس کی راہ دیکھ رہی ہو گی؟ جنت سے نکلنے کے بعد مرد آج تک عورت کے جزبات نہیں سمجھ سکا۔ یہی کچھ سوچتی سمیرا گیٹ پر پہنچ گئی۔ اس کے سامنے خوبصورت یاقوت کھڑا تھا۔ اس نے اپنے مخصوص شائستہ انداز میں تھوڑا سا جھک کر سمیرا کو آداب کہا اور بولا۔

"میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا ورنہ آپ کے ساتھ چائے پینے کی خوش نصیبی حاصل کرنے کے واسطے دوسرے ہی روز حاضر ہو جاتا۔"

سمیرا اس خوبصورت یونانی دیوتاؤں ایسے نوجوان کی چمکتی پیشانی کو تک رہی تھی۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ میں تو اسی روز سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ یاقوت نے فوراً" جواب میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔"

سمیرا ایک دم چونک پڑی۔ یاقوت نے اس کے دل میں پیدا ہونے والے خیال کو کیسے پڑھ لیا؟ نہیں نہیں! یہ اس کا وہم ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی دوسرے کے دل میں پیدا ہونے والے خیال کو ہو بہو پڑھ لے؟ یہ محض اتفاق ہے۔ سمیرا نے سوچا۔ یاقوت نے فوراً" کہا۔ "جی ہاں! یہ محض اتفاق ہی تھا کہ میں .... میرا مطلب ہے کہ مجھے شہر سے باہر جانا پڑ گیا۔"

سمیرا اسے دیکھتی رہ گئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی کسی کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔ نوجوان یاقوت نے گاڑی کے اندر ہاتھ ڈال کر کیک کا بڑا پیکٹ اور گلاب کے تازہ پھولوں کا بڑا گلدستہ نکال کر سمیرا کو پیش کیا۔ "یہ میں آپ کے لئے لایا ہوں۔"

سمیرا نے مسکراتے ہوئے گلدستہ اور کیک کا پیکٹ یاقوت سے لے لیا۔ "آپ نے یہ تکلف کیوں کیا؟"

"خود غرضی کی معافی چاہوں گا۔" " دراصل یہ میں نے اپنی خوشی کی خاطر کیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں یعنی سمیرا اور وہ خوبصورت نوجوان یاقوت لیموں کی

جھاڑیوں کے پاس بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ سمیرا کو وہی پراسرار عجیب سی خوشبو اپنے بالکل قریب ہی محسوس ہور رہی تھی۔

"آپ نے وہی پرفیوم لگایا ہوا ہے۔" سمیرا نے چائے کا کپ اپنے ہونٹوں کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

یاقوت اپنی مقناطیسی کشش والی خواب آلود آنکھوں سے سمیرا کو دیکھتا چائے پی رہا تھا مسکراتے ہوئے بولا۔ "اگر آپ کو یہ خوشبو پسند ہے تو میں اگلی بار آپ کے لئے لیتا آؤں گا۔ ویسے میں قاہرہ سے آپ کے لئے ایک خاص پرفیوم منگوا رہا ہوں۔ وہ آپ کو بہت پسند آئیگی۔"

"اس میں کوئی خاص بات ہے کیا؟"

سمیرا نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔ یاقوت نے پیالی میز پر رکھی تو اس کی انگلی میں جو سونے کی انگوٹھی تھی اس کا سرخ عقیق ایک بار چمک اٹھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"کہتے ہیں یہ وہی پرفیوم ہے جو قدیم مصر کی ملکائیں خاص خاص موقعوں پر لگایا کرتی تھیں۔ قاہرہ میں ایک پرانا عطر ساز خاندان ہے جس کے پاس اس پرفیوم کا قدیمی نسخہ موجود ہے صرف وہی خاندان یہ خاص پرفیوم تیار کرتا ہے۔"

یاقوت کی اس بات نے سمیرا پر جادو کا سا اثر کیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ فرعونوں کے زمانے کے قدیم مصر میں پہنچ گئی ہے اس نے نیم روشن شاہی خواب گاہ میں سیاہ چشم ملکہ مصر کو اطلس و کم خواب کے بستر پر نیم دراز' کنول کے پھولوں کے گجرے بالوں میں سجاتے دیکھا۔ خواب گاہ کی فضا ایک عجیب طلسمی خوشبو سے مہک رہی تھی۔

"کیا آپ مجھے اپنی تصویریں نہیں دکھائیں گی۔"

سمیرا یاقوت کی اس فرمائش پر چونک پڑی۔ "میرا خیال ہے اس روز آپ نے اپنی تصویروں کا ذکر کیا تھا۔"

سمیرا نے سوچا ہو سکتا ہے اس نے ذکر کیا ہو۔ وہ یاقوت کو اپنے ساتھ دوسری منزل میں لے آئی جو سمیرا کا اسٹوڈیو تھا اور جہاں اس کی بنائی ہوئی آئل کلر تصویروں کے کئی کینوس دیواروں کے ساتھ لگے تھے۔ خوبصورت یاقوت ان تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ ان تصویروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ ا

تصویروں کی تعریف بھی کرتا جاتا تھا۔ ایزل پر ایک نامکمل تصویر کا کینوس لگا تھا جس پر ایک جنگل دکھایا گیا تھا۔ نارنجی رنگ کا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ درختوں کے درمیان ایک دریا بہہ رہا تھا۔ دریا میں ایک تابوت لہروں کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ ساری کی ساری فضا بڑی اداس اور ماتمی تھی۔ سمیرا نے کہا۔ "ابھی اس تصوری کی بیک گراؤنڈ میں کچھ رنگ مکس کرنے باقی ہیں۔"

یاقوت اس کے بالکل قریب کھڑا اپنی نظریں تصویر پر جمائے ہوئے تھا۔ سمیرا کو وہ پراسرار خوشبو اپنے ہونٹوں کے قریب سے گزرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سمیرا نے یاقوت کے کان پر نگاہ ڈالی۔ اس کے کان کی لو سرخ تھی اور اس کے نیچے گردن کی ایک چھوٹی سی رگ دھڑک رہی تھی۔ یاقوت نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں دریا میں جو تابوت بہہ رہا ہے اسے کھلا ہونا چاہئے تاکہ اس میں لیٹی ہوئی لاش دکھائی دیتی۔"

سمیرا نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔ "اس طرح بات بالکل کھل جاتی۔ میں نے تابوت کو فنا کی علامت کے طور دکھایا ہے۔"

یاقوت نے اپنے ہونٹوں کو ذرا سا پکڑا اور کہا۔ "پھر تو بالکل ٹھیک ہے" اس نے پلٹ کر سمیرا کو دیکھا اور بولا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کے ساتھ چائے کی ایک اور پیالی پینا چاہتا ہوں۔"

سمیرا کچھ شرما سی گئی۔ "کیوں نہیں .... کیوں نہیں' پلیز آئیے۔" سمیرا یاقوت کو اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور باغ کے درختوں میں شام کا پہلا اندھیرا اترنا شروع ہو گیا تھا۔ یاقوت کمرے میں آکر شیلف کے پاس کھڑے ہو کر اس کی کتابیں دیکھنے لگا۔ نوری چائے کا ٹرے رکھ کر خموشی سے واپس چلی گئی۔ سمیرا چائے بنانے لگی۔ یاقوت انگریزی کی ایک کتاب کے ورق الٹتا اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ سمیرا نے پیالی میں گولڈن رنگ کی چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"شیلے کی نظموں کا یہ ڈی لکس ایڈیشن لندن سے میری ایک سہیلی نے مجھے بھیجا تھا۔"

یاقوت کے یونانی دیوتاؤں ایسے وجیہہ چہرے پر ذہانت کی ایک روشنی سی اُمڈ آئی تھی۔ وہ کتاب کے صفحے پر نظریں جمائے شیلے کی ایک نظم پڑھ رہا تھا۔ اس کے لب

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کھلے؟ اس نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ سمیرا نے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔ یاقوت نے پیالی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس کی سرخ عقیق والی سونے کی انگوٹھی انگلی سے پھسل کر قالین پر گر پڑی۔ "پتہ نہیں کیا بات ہے کبھی کبھی یہ اپنے آپ انگلی سے پھسل جاتی ہے۔"

سمیرا نے قالین پر سے انگوٹھی اٹھا کر یاقوت کو دی تو اس کے ہاتھ یاقوت کے ہاتھ سے چھو گیا۔ سمیرا کو ہلکی سے ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ یاقوت کے ہاتھ ٹھنڈے تھے۔ اسے یاد آگیا۔ ایک کتاب میں اس نے پڑھا تھا کہ شدت سے محبت کرنے والے بڑے شرمیلے قسم کے مرد ہوتے ہیں اور جب وہ پہلی بار اپنی محبوبہ سے ملتے ہیں تو ان کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ یعنی وہ نروس ہوتے ہیں۔ سمیرا کے جذبہ خود پسندی کو بڑی تسکین ملی کہ یاقوت اس کی موجودگی میں خود کو نروس محسوس کر رہا تھا۔ اس نے انگوٹھی دوبارہ اپنی انگلی میں پہن لی تھی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان سے چائے پی رہا تھا۔ یاقوت سرخ گلابوں کا جو گلدستہ سمیرا کے واسطے لایا تھا وہ سرخ ربن میں بندھا اسی طرح لکھنے کی میز پر پڑا تھا۔ سمیرا نے دیکھ لیا کہ یاقوت کی نظریں گلدستے کو دیکھ رہی ہیں۔ کہنے لگی۔ "میں اسے اوپر اپنے اسٹوڈیو کے گلدان میں لگاؤں گی' بڑے خوبصورت گلاب ہیں صبح تک کھل جائیں گے۔"

"ہاں.........." یاقوت نے جیسے اپنی کسی گہری سوچ سے بیدار ہوتے ہوئے کہا۔ پھر وہ پیالی رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب میں اجازت چاہوں گا۔ آپ کی مہمان نوازی کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

سمیرا نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔"

یاقوت مسکرائے ہوئے سمیرا کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ باغ میں ابر آلود رات کا خنک اندھیرا پھیل چکا تھا۔ گیٹ کے پاس آکر یاقوت یوں اچانک رک گیا جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ پلٹ کر سمیرا کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کراچی میں قدیم مصری نوادرات کی ایک نمائش لگی ہوئی ہے اگر آپ پسند کریں تو آپ کی وجہ سے میں بھی یہ نمائش دیکھ لوں گا۔" سمیرا ابھی یاقوت کی اس پیش کش پر غور کر ہی رہی تھی کہ وہ بولا "صبح ساڑھے س بجے ایک فلائٹ جاتی ہے۔ نمائش دیکھ کر ہم چار والی ولائٹ سے واپس آ جائیں گے کیا خیال ہے؟"

سمیرا خود بھی چاہتی تھی کہ تھوڑی سے ہوا بدلی ہو اور یاقوت کے ساتھ سفر کرنا تو اسے بہت ہی پسند تھا۔ پھر پانچ چھ گھنٹوں کی تو بات ہے۔ دن ہی دن میں وہ کراچی سے واپس آجائے گی۔ اس نے مسکرا کر ہامی بھرلی۔ یاقوت نے خوش ہو کر تعظیماً ذرا سا سر جھکایا اور بولا۔ "میں کل سوا آٹھ بجے صبح آجاؤں گا۔ آپ تیار رہئے گا۔"

سمیرا کا خیال تھا کہ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے یاقوت اس کے ساتھ ہاتھ ضرور ملائے گا مگر اس نے ایسا نہ کیا اور ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہتا ہوا گاڑی مین بیٹھ کر چلا گیا۔ سمیرا کو یاقوت کے ہاتھ کی ٹھنڈک کا خیال آگیا۔ وہ مسکرا دی اس کے سامنے آکر یاقوت نروس ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں تبھی تو اس نے ہاتھ نہیں ملایا۔ اگلے روز یاقوت کے ساتھ ہوائی جہاز میں سفر کرنے اور کراچی کی سیرو سیاحت کے خیال سے خوش خوش سمیرا اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے الماری کھولی اور ابھی سے کل پہن کر جانے والے کپڑے پسند کرنے لگی۔ اس نے ایک بڑا قیمتی ریشمی سوٹ پسند کر کے الگ رکھ لیا۔ اس کی نظر میز پر پڑے گلدستے پر پڑی جو یاقوت اس کے لئے لایا تھا۔ سمیرا اس گلدستے کو دوسری منزل والے اپنے اسٹوڈیو کے گلدان میں سجانا چاہتی تھی۔ اس وقت اس نے گلدستہ اٹھایا اور اس کے ادھ کھلے شگوفوں کو ہونٹوں کے پاس لا کر سونگھتی ہوئی دوسری منزل میں آگئی۔ بتی جلائی اور بڑی میز کی طرف بڑھی جس پر رنگوں کی ٹیوبیں' برش وغیرہ اور نیلا گلدان پڑا تھا۔ ایزل کے قریب گزرتے ہوئے اس کی نگاہ غیر مکمل تصویر کے کینوس پر پڑ گئی۔ وہ سوچنے لگی یاقوت نے کیوں کہا تھا کہ دریا میں بہتا جو تابوت دکھایا گیا ہے اسے کھلا ہو ہونا چاہئے تھا کہ اس کے اندر رکھی لاش نظر آسکے۔

سمیرا تصویر کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ حیرت زدگی کی حالت میں بت بنی کھڑی تھی۔ تصویر میں جس تابوت کو اس نے بند دکھایا ہوا تھا اس کا ڈھکنا کھلا تھا اور اندر لیٹی لاش بالکل صاف نظر آرہی تھی۔ اس نے تابوت کو بند دکھایا پھر یہ کیسے کھل گیا؟ یہ لاش کہاں سے آگئی؟ سمیرا کا حلق خشک ہونے لگا۔ لاش کسی مرد کی تھی اور اس کا نیلا چہرہ سمیرا کو بالکل واضح دکھائی دے رہا تھا۔ یہ کس نے بنا دیا؟ اس کی نظریں تصویر

کے کینوس پر لگی تھیں اور ایک ہاتھ سے وہ اپنے پیچھے میز پر گلدستہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر میز ذرا پیچھے تھی۔ سمیرا نے تصویر پر سے نظریں ہٹائیں اور آدھا قدم پیچھے جا کر میز پر گلدستہ رکھ دیا۔ وہ دوبارہ تصویر کے سامنے آ گئی۔ اب اس پر پہلے سے زیادہ حیرت زدگی طاری ہو گئی۔ کیونکہ تصویر کا تابوت ویسے ہی بند تھا جیسا اس نے بنایا تھا اور کوئی لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ سمیرا نے چہرہ قریب لا کر بڑے غور سے تصویر کو دیکھا۔ دریا میں بہتا ہوا تابوت بالکل بند تھا پہلے کی طرح' وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ نہیں نہیں۔ یہ اس کا وہم تھا۔ اس کے اپنے دماغ کی کارستانی تھی۔ وہ سوچنے لگی۔ دراصل یاقوت کی اسی خواہش نے کہ تابوت کھلا ہونا چاہئے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور پھر اسی خواہش کے زیر اثر اسے ایک پل کے لئے یوں لگا جیسے تابوت کھل گیا ہو اور اس میں رکھی لاش دکھائی دے رہی ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تصویر ر بند تابوت بنائے اور کچھ دیر بعد اپنے آپ کھل جائے؟ سمیرا کو خیال آیا کہیں اسے یاقوت سے محبت تو نہیں ہو گئی؟ وہ گلدان میں پھول رکھتے ہوئے اپنے آپ سے شرما سی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ یاقوت کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی تھی۔

رات کو شوربے کے ساتھ اس نے تھوڑے سے چاول کھائے اور مکان کے پچھواڑے باغ میں ٹہلنے لگی۔ آسمان پر صبح ہی سے بادل چھائے ہوئے تھے مگر عجیب بات تھی کہ ابھی تک بارش نہیں ہوئی تھی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ درختوں کے اندھیروں کی جانب لیموں اور لوکاٹ کی خوشبوؤں والی ہوا آ رہی تھی سمیرا جب ٹہلتے ٹہلتے پچھواڑے کے خالی کیبن کے پاس آئی تو اسے وہی پر اسرار خوشبو محسوس ہوئی جو یاقوت بھی لگایا کرتا تھا چونکہ سمیرا کو یقین تھا کہ یہ خوشبو اصل میں وہیں آس پاس جھاڑ جھنکار میں اگے ہوئے پھول سے آ رہی ہے۔ اس لئے اسے کوئی تعجب نہ ہوا۔ بلکہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کراچی سے واپس آئے گی تو اس پر اسرار خوشبو والے پھول یا جڑی بوٹی کو تلاش کر کے ہی چھوڑے گی۔ اچانک اس کی نظر ویران کیبن یا کوٹھری پر پڑ گئی۔ اس کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ حالانکہ یہ دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا۔ وہ دروزاہ بند کرنے کے واسطے پتھر کی سیڑھیاں چڑھ کر ویران کیبن کے باہر آئی تو اسے اندر کھٹکا محسوس ہوا۔ سمیرا وہیں رک گئی۔ اس خیال سے کہ اندر کوئی جنگلی بلی وغیرہ نہ گھس گئی ہو۔ سمیرا نے دروازہ کھلوا کر اس ویران کوٹھری یا کیبن میں بتی جلا دی۔ اندر دیواروں کے ساتھ وہی لکڑی کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا چھت پر جالے لٹک رہے تھے۔ اندر کوئی بلی وغیرہ نہیں تھی سمیرا بتی گل کرنے لگی تو اسے گرد آلود فرش پر کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے جھک کر دیکھا وہ یاقوت کی طلائی انگوٹھی تھی جس کا سرخ عقیق چمک رہا تھا وہ بڑی حیران ہوئی کہ یاقوت کی انگوٹھی یہاں کیسے آ گئی۔ وہ تو اس کی انگلی میں تھی اور یاقوت کبھی اس ویران کیبن میں آیا بھی نہیں۔ سمیرا نے انگوٹھی اٹھا لی وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔ انگوٹھی یاقوت ہی کی تھی وہ اچھی طرح پہچانتی تھی اس نے کئی بار اسے یاقوت کی انگلی میں دیکھا تھا بلکہ آج ہی جب وہ اس کی انگلی سے کھسک کر قالین پر گر پڑی تھی تو اس نے ہی اٹھا کر اسے یاقوت کو واپس دی تھی۔ مگر یہ انگوٹھی اس جگہ کیسے آ گئی؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے کچھ عجیب الٹ پلٹ قسم کے واقعات پیش آ رہے تھا جو سمیرا کی سمجھ سے باہر تھے۔ اس نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ جب وہ ایک بار اٹھ کر کچن میں گئی تو ہو سکتا ہے یاقوت اس دوران ٹہلتے ٹہلتے یونہی اس کیبن میں آ گیا ہو اور یہاں انگوٹھی اس کے ہاتھ سے گر گئی ہو۔ ویران کیبن کا دروازہ بند کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے سونے کی انگوٹھی اپنی الماری کے اندر کا ایک خفیہ خانہ بنا ہوا تھا اس میں رکھ دی۔

اگلے روز ٹھیک سوا آٹھ بجے یاقوت آ گیا۔

سلیمان چچا نے اس کے لئے گیٹ کھولا۔ وہ گاڑی اندر نہ لایا۔ کیونکہ اسے سمیرا کو لے کر شہر ایئر پورٹ جانا تھا۔ سمیرا نے کمرے سے نکل کر اس کا خیر مقدم کیا۔ یاقوت نے سرمئی سوٹ پہن رکھا تھا جس میں سے اسی پر اسرار پرفیوم کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ سمیرا کے لئے سفید گلابوں کا گلدستہ لایا تھا۔ اس نے گلدستہ سمیرا کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ میں آپ کے لئے لایا ہوں۔"

سمیرا نے شکریہ ادا کرتے ہوئے گلدستہ لے لیا۔ وہ انگوٹھی کے بارے میں کہنے والی تھی اچانک اس کی نظر یاقوت کے ہاتھ پر پڑ گئی۔ سرخ عقیق والی سونے کی انگوٹھی

یاقوت کی انگلی میں موجود تھی۔ سمیرا ایک لمحے کے لئے چکرا سی گئی۔ پھر یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف مڑی کہ میں پھول گلدان میں رکھ کر آتی ہوں۔ کمرے میں آتے ہی اس نے گلدستہ پلنگ پر پھینکا۔ الماری کھولی۔ خفیہ خانے کو باہر کھینچا۔ وہ یہ دیکھ کر سکتے میں آ گئی کہ وہاں انگوٹھی نہیں تھی۔

سونے کی انگوٹھی الماری کے خفیہ خانے سے غائب ہو کر یاقوت کی انگلی میں کیسے پہنچ گئی؟ اس سوال کا جواب سمیرا کے پاس نہیں تھا۔ وہ ایک ناقابل فہم الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ عجیب عجیب قسم کے واقعات رونما ہو رہے تھے پھر سمیرا کو وہم ہونے لگتا کہ حالات بالکل معمول کے مطابق ہیں۔ یہ سب کچھ اس کی نظر کا دھوکا ہے۔ وہ نظر کے فریب میں مبتلا ہو گئی ہے مگر رات کو انگوٹھی تو اس نے خود الماری کے خانے میں رکھی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ بھی اس کا وہم ہی ہو ورنہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز اپنے آپ الماری میں سے غائب ہو جائے۔ یہ جدید سائنس کا زمانہ ہے۔ ایسا تو الف لیلیٰ کی کہانیوں میں ہوتا تھا۔ سمیرا انہی خیالوں میں الجھی کمرے سے باہر آ گئی۔ یاقوت اپنی سرخ اسپورٹس کار کے پاس کھڑا اس کے انتظار میں تھا۔ کار میں بیٹھتے وقت سمیرا نے نظریں چرا کر ایک بار پھر یاقوت کی انگلی میں پڑی انگوٹھی کو دیکھا۔ بالکل وہی انگوٹھی تھی۔ سمیرا نے ماتھے پر آئی ہوئی بالوں کی ایک لٹ کو پیچھے جھٹکتے ہوئے آپس میں الجھے ہوئے خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ اپنی پسندیدہ شخصیت کے ساتھ کراچی سیر و تفریح کو جا رہی تھی۔ اس خوبصورت موقع کے ایک ایک لمحے سے وہ پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

یاقوت نے کار کی چھت چڑھا دی تھی۔ گاڑی خالی خالی نیم پہاڑی سڑک پر سفر کرتی ہوئی قصبے سے آگے نکل چکی تھی۔ اب وہ شہر کے ہائی وے پر تھی جہاں دوسری چھوٹی بڑی گاڑیاں بھی شہر کی طرف رواں تھیں۔ کبھی کبھی یاقوت کوئی بات کر لیتا تھا۔

اس نے سمیرا کو بتایا کہ جہاز کی سیٹیں چانس پر تھیں لیکن میں نے انہیں کنفرم کروا لیا ہے۔ سمیرا کہنے لگی۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہمیں اگلی فلائٹ کا انتظار کرنا پڑے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں واپس آتے آتے رات ہو جائے گی۔"

یاقوت نے مسکرا کر کہا۔ "ایسا نہیں ہو گا۔"

وہ جہاز کی روانگی سے پون گھنٹہ پہلے ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔ یہ انٹرنیشنل ایئرپورٹ تھا۔ بڑی چہل پہل تھی۔ وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ یاقوت نے چائے منگوا لی۔ چائے پیتے ہوئے اس نے سمیرا کے خوبصورت لباس کی تعریف کی تو سمیرا کو بڑی خوشی ہوئی۔ یہ لباس اس نے خاص طور پر آج ہی کے دن کے لئے پسند کیا تھا۔ باتیں کرتے' چائے پیتے ہوئے سمیرا نے محسوس کیا کہ ایک آدمی جو بائیں جانب والی قطار کے اگلے صوفے پر بیٹھا تھا اسے کسی کسی وقت گھور کر دیکھتا ہے اس آدمی کا قد کاٹھ مضبوط تھا۔ رنگ سانولا اور سیاہ بال گھنگھریالے تھے جن میں لگا ہوا تیل چمک رہا تھا۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا اور سگریٹ پی رہا تھا۔ اس آدمی کو سمیرا نے لاؤنج میں داخل ہوتے وقت بھی اپنی طرف گھورتے دیکھا تھا۔ سمیرا نے کوئی خیال نہ کیا کیونکہ ہماری سوسائٹی میں مرد عورتوں کو گھورا ہی کرتے ہیں۔ وہ یاقوت سے باتیں کرنے میں محو رہی۔

جہاز ٹھیک وقت پر ٹیک آف کر گیا۔ یہ تقریباً" ایک گھنٹے کی فلائٹ تھی۔ گھنگھریالے بالوں والا مشتبہ آدمی سمیرا کی سیٹ سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھا تھا اور کبھی کبھی پیچھے دیکھنے کے بہانے سمیرا کو گھور کر دیکھ لیتا تھا۔ اب سمیرا بے چینی سی محسوس کرنے لگی کہ آخر یہ آدمی اسے بار بار کیوں گھورتا ہے؟ پہلے اس نے سوچا کہ یاقوت سے اس بارے میں بات کرے مگر یاقوت کو بڑے انہماک سے اخبار پڑھتے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ ویسے بھی یاقوت سے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ کیا سمجھے گا کہ یہ کس قسم کی لڑکی ہے کہ لوگ اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ اس نے اس خیال کو دل سے نکال دیا۔ جہاز کراچی لینڈ کر گیا۔ ایئرپورٹ سے نکل کر ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے بھی سمیرا نے اسی آدمی کو راہداری میں ستون کے پاس کھڑے اپنی طرف

گھورتے دیکھا۔ ٹیکسی کراچی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھ کر انہوں نے چائے پی اور باتیں کرتے رہے۔ سمیرا نے لاؤنج کا جائزہ لیا۔ اسے وہ مشتبہ آدمی کہیں دکھائی نہ دیا۔ یاقوت کہہ رہا تھا۔

"ہماری واپسی ساڑھے چار بجے سہ پہر کی فلائٹ سے ہو گی۔ تب تک ہم مصری نوادرات بھی دیکھ لیں گے اور ساحل سمندر کی سیر بھی ہو جائے گی۔"

سمیرا کو قدرے اطمینان ہوا تھا کہ وہ خطرناک آدمی اب اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد دونوں اس ہال کی طرف روانہ ہو گئے جہاں قدیم مصری نوادرات کی نمائش لگی ہوئی تھی۔ نوادرات کی دو پرائیویٹ کمپنیوں نے یہ نمائش لگائی تھی اور شہر کے لوگوں نے اس میں کوئی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بہت کم لوگ ہال میں موجود تھے۔ نوادرات میں بھی کوئی ممی نہیں رکھی گئی تھی۔ کچھ مٹی کے پیالے' دیگر برتن' سرکنڈوں سے بنائی گئی ایک چھوٹی سی کشتی' رنگ برنگی منکوں کی مالائیں' تانبے کے نقشین تھال' کالی بلی کا ایک مجسمہ اور کچھ چوکور نیلی ٹائلیں تھیں جن پر کتھئی اور کالے رنگ کی لکیروں سے تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یاقوت کے ساتھ سمیرا ان چیزوں کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے یاقوت سے پوچھا۔

"کیا یہ ساری چیزیں اصلی ہیں؟ میرا مطلب ہے کیا ان کا تعلق ہزاروں سال پہلے کے فرعونوں سے ہے؟"

یاقوت مسکرایا۔ اس نے کہا۔ "یہ سب نقلی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کا تعلق تین ہزار سال پہلے کے فرعونوں کے مصر سے ہو ان یہ اصلی چیزوں کی ہو بہو نقل ہیں۔ اس وجہ سے میں انہیں دیکھنے آ گیا ہوں۔"

یاقوت نے شیشے کے باکس میں پڑے کالے موتیوں کے ایک ہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اسی قسم کا ایک سچے موتیوں کا ہار ہوتا تھا جو اخناتون فرعون کی بیوی نفرتی پہنا کرتی تھی۔"

"یہاں تو کہیں یہ بات درج نہیں ہے۔" سمیرا نے کہا۔

یاقوت نے بلا تامل کہا۔ "میں نے خود یہ ہار ملکہ نفرتی کے گلے میں دیکھا

ہے۔"

سیمرا چونک کر یاقوت کی طرف تکنے لگی۔ "کیا مطلب؟"

تب یاقوت کو علم ہوا کہ وہ کیا احمقانہ بات کہہ گیا ہے۔ فوراً ہنس کر بولا۔ "میں نے قاہرہ موزیم میں نفریتی کا ایک مجسمہ دیکھا تھا جس میں ایسا ہی ایک ہار اس کے گلے میں تھا۔"

سیمرا ہنس پڑی۔ "میں تو یہ سمجھتی تھی کہ شاید آپ تین ہزار سال پہلے ملکہ نفریتی کے شاہی محل میں موجود تھے۔"

اس پر یاقوت نے زیر لب کچھ کہا جسے سیمرا نہ سن سکی۔ نہ سمجھ سکی۔ یاقوت نوادرات کے دوسرے شوکیس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ کوئی آدھ گھنٹہ ہال میں رہے۔ اس کے بعد ساحل سمندر کی طرف چل پڑے۔ دن کا وقت تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ ساحل سمندر پر وہ چہل پہل اور رونق ہیں تھی جو شام کے وقت دیکھنے میں آتی ہے۔ سیمرا ایک جیپ کے بارے میں کچھ پریشان تھی جو اس کے خیال میں ہال میر سے نکلنے کے ساتھ ہی ان کی ٹیکسی کے پیچھے لگ گئی تھی جو ساحل تک ان کا پیچھ کرتی آئی تھی مگر یہاں آ کر کسی سمت کو غائب ہو گئی تھی۔ سیمرا کے دل کو ایک فکر سی لگ گئی تھی۔ ان کا برابر پیچھا کیا جا رہا ہے۔ لاہور سے چلتے وقت تو ایک آدمی پیچھے لگا ہوا تھا۔ کراچی آ کر اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ مل گئے تھے۔ سیمرا کے خیال کے مطابق یہ ان ہی لوگوں کی جیپ تھی جو ساحل تک ان کی ٹیکسی کا تعاقب کرتی آئی تھی پھر اس نے سوچا ہو سکتا ہے' یہ کوئی اور لوگ ہوں۔ مجھے تو خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔

وہ سمندر کے ساتھ ساتھ ریت پر چل رہے تھے۔ سمندر پر سکون تھا۔ اس کی لہریں دور دور سے ایک خاص رفتار کے ساتھ آ کر ساحل کی ریت کو چومتی ہوئی واپس چلی جاتی تھیں۔ ساحل سمندر کے پاس انہوں نے ایک ریستوران میں بیٹھ کر ہلکا پھلکا کھانا کھایا' چائے پی اور سمندر کی سیر کرتے کرتے کافی آگے نکل گئے جہاں چھوٹی بڑی بھوری چٹانوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں ریت پر رنگ برنگی سیپیاں اور گھونگھے بکھرے پڑے تھے۔ سیمرا بڑے شوق سے انہیں چننے لگی۔ یاقوت ایک طرف کھڑے

سیمرا کو سیپیاں چنتے دیکھنے لگا۔ سیمرا اس سے دس پندرہ قدم دور ہو گئی تھی پھر ایسا ہوا کہ اچانک چٹانوں کے پیچھے سے ایک جیپ نکل کر سامنے آ گئی۔ جیپ ایک دھچکے سے رکی۔ اس میں سے ایک آدمی چھلانگ لگا کر سیمرا کے پاس آیا اور اسے دبوچ کر پستول اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ باقی دو آدمیوں کے ہاتھوں میں شاٹ گنیں تھیں جو انہوں نے یاقوت کی طرف تان دیں۔ جس آدمی نے سیمرا کو دبوچ رکھا تھا یہ وہی آدمی تھا جس کو سیمرا نے اپنا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔ اس نے یاقوت سے مخاطب ہو کر غنڈوں کے مخصوص لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت کی تو میرے آدمی نہ صرف تمہیں بھون کے رکھ دیں گے بلکہ اس عورت کی لاش بھی یہاں تڑپتی نظر آئے گی۔"

سیمرا کا رنگ مارے خوف کے زرد ہو گیا تھا۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ آخر وہی ہوا تھا جس کا اسے دھڑکا لگا تھا۔ یاقوت نے پوچھا۔ "تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

وہ آدمی دانت پیس کر بولا۔ "اس آدمی نے ہمارے تین آدمی مروا دیئے ہیں۔ ہم اس سے پورا پورا بدلہ لیں گے۔ اب یہاں سے واپس چل پڑو اور پیچھے مڑ کر مت دیکھنا۔۔۔۔۔ چلو۔"

گھنگھریالے بالوں والا غنڈہ چیخ کر بولا۔ سیمرا نیم غشی کی حالت میں غنڈے کی بانہوں میں جھکتی چلی جا رہی تھی۔ یاقوت خاموشی سے واپس چل پڑا۔ یہ دیکھ کر سیمرا سکتے میں آ گئی۔ اسے یاقوت سے اس قسم کے بزدلانہ رویئے کی ہرگز امید نہیں تھی۔ وہ مرد تھا اور مرد تو ایسے موقعوں پر جان کی بازی لگا دیا کرتے ہیں۔ وہ بے اختیار ہو کر چلائی۔ "یاقوت! مجھے ان ظالموں کے پاس نہ چھوڑو۔"

مگر یاقوت نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح واپس چلتا چلا گیا اور آخر یک چٹان کے پیچھے جا کر سیمرا کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ غنڈوں نے تڑپتی تھا۔
بے بس و مجبور سیمرا کو گھسیٹتے ہوئے جیپ میں ڈالا اور جیپ کو اسٹارٹ سکتے ہیں۔
سے آگے بڑھے۔ گھنگھریالے کالے بالوں والا غنڈہ اسٹیئرنگ پر یہاں سے چلے جانا
آدمیوں نے پچھلی سیٹ پر دبوچ رکھا تھا۔ جیپ چٹانو

راستے پر آئی اچانک سامنے یاقوت آ گیا۔ گھنگھریالے بالوں والے نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "شوٹ کر دو اسے۔"

سمیرا نے بھی یاقوت کو دیکھ لیا تھا۔ وہ یاقوت کے اچانک واپس آ جانے پر خوش بھی ہوئی تھی اور خوفزدہ بھی ہو رہی تھی کیونکہ وہ نہتا تھا اور غنڈوں کے پاس اسلحہ تھا مگر یہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی کہ یاقوت بڑے سکون کے ساتھ کھڑا تھا۔ جیپ میں سے اوپر تلے چار فائر ہوئے۔ سمیرا کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ڈرائیور غنڈے نے جب دیکھا کہ یاقوت کو کوئی بھی گولی نہیں لگی تو اس نے جیپ کو یاقوت کے اوپر چڑھانے کے لئے ایکسیلیٹر دبا دیا۔ اسے یوں لگا جیسے بجلی کی طرح یاقوت ایک طرف ہٹ گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی جیپ کو ایک دھچکا لگا اور پچھلی سیٹ پر سمیرا کو دبوچ کر بیٹھے ہوئے دونوں غنڈے اچھل کر جیپ سے باہر گر پڑے ان کی شاٹ گنیں بھی دور جا پڑیں۔ جیپ رک گئی تھی۔ گھنگھریالے بالوں والے غنڈوں نے تڑپ کر پیچھے دیکھا۔ سمیرا نے جیپ سے چھلانگ لگا دی تھی۔ یاقوت نے بڑے آرام سے ایک شاٹ گن ریت پر سے اٹھائی۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھے غنڈے کی طرف نالی کا رخ کر دیا اور پھر اوپر تلے دو دھماکے ہوئے اور غنڈہ خون میں لت پت سیٹ پر ہی ڈھیر ہو گیا۔ سمیرا دہشت کے مارے یاقوت سے چمٹ گئی۔ باقی دونوں غنڈے ریت پر اس حالت میں پڑے تھے کہ دونوں کے پاؤں کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔

یاقوت شاٹ گن لئے ان کے قریب آ گیا۔ سمیرا کچھ بولنے لگی تھی کہ یاقوت نے اپنا ٹھنڈا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا اور بڑی پر سکون آواز میں بولا۔ "اگر ہم نے انہیں پولیس کے حوالے کیا تو بہت ممکن ہے کہ یہ دوسری شریف خواتین کو اغواء کرنے کے لئے زندہ بچ جائیں۔"

عین اس وقت باری باری دو دھماکے ہوئے اور دونوں جرائم پیشہ سماج دشمن غنڈوں کی لاشیں ریت پر تڑپ رہی تھیں۔ سمیرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ یاقوت اس قدر بزدلی دکھا کر اتنی بہادری دکھائے گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تین غنڈوں کو موت کی نیند سلا دے گا۔ اس خیال سے سمیرا نے اپنے دل میں بڑا فخر محسوس کیا کہ وہ ایک ایسے بہادر نوجوان سے محبت کرتی ہے جو اس کی عزت بچانے کے واسطے جرائم پیشہ غنڈوں کو ہلاک بھی کر سکتا تھا مگر تین لاشیں دیکھ کر وہ گھبرا بھی گئی تھی۔ اس نے یاقوت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب کیا ہو گا؟"

یاقوت نے اسی دوران دونوں غنڈوں کی لاشوں کو اٹھا کر جیپ میں ڈال دیا تھا جہاں پہلے سے اگلی سیٹ پر ایک غنڈے کی لاش پڑی تھی۔ اس کے بعد یاقوت نے جیپ کو آگ لگا دی تھی اور سمیرا کو وہاں سے لے کر ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آگ پیٹرول کی ٹنکی تک جا پہنچی اور جیپ میں ایک بڑا دھماکہ ہوا اور وہ بلند سے بلند تر شعلوں میں بدل گئی۔ "اب کسی اچھے سے ریستوران چل کر چائے پیتے ہیں۔"

سمیرا سخت پریشان تھی۔ اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پولیس جو جیپ میں جلی ہوئی لاشیں مل جائیں گی۔ کہیں ہم گرفتار تو نہیں کر لئے جائیں گے۔"

یاقوت کے خوبصورت چہرے پر وہی پہلے دن والا اطمینان اور سکون تھا۔ اس نے سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سمیرا کو ایک بار پھر یاقوت کے ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ "پولیس کو یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ آؤ۔ اب چلتے ہیں۔"

سمیرا کیسے یقین کر لیتی کہ پولیس کو وہاں جلی ہوئی جیپ اور تین انسانی لاشوں کے ڈھانچے نہیں ملیں گے مگر وہ یاقوت کو کچھ نہ کہہ سکی اور سخت الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ وہاں سے چل پڑی۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتی تھی مگر یاقوت وہیں ساحل سمندر کے کسی ریستوران میں چائے پینے پر مصر تھا۔ وہ یوں بے فکر ہو کر چل رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ سمیرا کو یہ بھی ڈر تھا کہ وہاں لوگوں شاٹ گن کی فائرنگ کی آوازیں ضرور سنی ہوں گی۔ یہ آوازیں ساحلی چٹانوں کی طرف سے آئی تھیں اور دونوں ان ہی چٹانوں کی طرف سے نکل کر چلے آ رہا تھا۔ کسی نے انہیں دیکھ لیا تو ان پر ضرور شک ہو سکتا ہے۔ لوگ ادھر آ بھی سکتے ہیں۔ اس نے یاقوت سے اس خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ ہم ایئرپورٹ پر چل کر چائے پی لیں گے۔"

یاقوت نے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے اور کسی پرانے ارسٹوکریٹ انگریز کی طرح ذرا آگے کو جھک کر بڑی خوش فکری کے ساتھ چل رہا تھا۔ سیمرا کی طرف دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ "یہ قاتلوں سے بھی بدتر لوگ تھے مائی ڈیئر۔ یہ شریف خواتین کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ اب وہاں کچھ باقی نہیں ہے۔ فکر نہ کرو۔ ہم پر کوئی کس بات کا شک کرے گا؟ وہاں تو کسی کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔"

سیمرا یاقوت کا منہ تکنے لگی۔ اس کی چوڑی پیشانی زیادہ چمکنے لگی تھی۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوبصورت اور پراسرار ہو گیا تھا۔ اس کے لہجے میں بھرپور اعتماد تھا۔ وہ سمندر کے کنارے ایک ریستوران میں آکر بیٹھ گئے مگر سیمرا کا خیال جیپ اور اس کی لاشوں کی طرف لگا تھا۔ اس کی ہر حرکت سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ یاقوت نے گردن ایک طرف ذرا سی جھکا کر سیمرا کو دیکھا پھر اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ سیمرا پریشانی کے عالم میں بار بار ریستوران کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یاقوت باتھ روم سے نکل کر سیدھا سیمرا کے پاس آیا اور بولا۔ ""میں تمھاری پریشانی دور کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ سیمرا کو لے کر ریستوران سے نکلا اور ان بھوری چٹانوں کی سمت چل پڑا جہاں تھوڑی دیر پہلے اس نے تین جرائم پیشہ غنڈوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ سیمرا کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یاقوت اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے اسے جائے واردات پر کس لئے لے جا رہا ہے؟ اس نے اس بارے میں سوال بھی کیا مگر یاقوت نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ چٹانوں کے درمیان اس مقام پر پہنچی جہاں سیمرا پر اچانک حملہ ہوا تھا تو یہ دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا کہ وہاں نہ کوئی لاش تھی اور نہ کسی جلی ہوئی جیپ کا ڈھانچہ ہی تھا۔ یہاں تک کہ جس جگہ جیپ کو آگ لگائی گئی تھی وہاں ریت پر جلنے تک کا نشان نہ تھا۔ یاقوت بولا۔ "اب تمہیں یقین ہو جانا چاہئے کہ پولیس ہمیں گرفتار نہیں کرے گی کیونکہ یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے اور پولیس کوئی پاگل نہیں کہ یوں ہی لوگوں کو گرفتار کرتی پھرے۔"

"مگر ----" سیمرا نے حیرت زدگی کے عالم میں کہا۔ "مگر یہاں تو ----" مطلب

مطلب ہے وہ جیپ کہاں چلی گئی؟"

یاقوت نے مسکراتے ہوئے اپنا ٹھنڈا ہاتھ سیمرا کے کاندھے پر رکھا اور کہا۔ "یہ مت پوچھو ---- بس جس چیز کو جہاں جانا تھا وہ وہاں چلی گئی ہے۔ اس کا نام و نشان ہی غائب ہو گیا ہے۔ اب یہ فکر ذہن سے نکال دو۔ چلو چائے ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

اس بھیانک واقعے نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے بے تکلف کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک ایک دوسرے کو آپ کہہ کر پکارتے تھے مگر اب تم کہہ کر پکارنے لگے تھے۔ سیمرا کو یہ تبدیلی بے حد اچھی لگی تھی۔ اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ یاقوت کے اور قریب آ گئی ہے مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یاقوت ابھی تک اس کی موجودگی میں نروس کیوں رہتا ہے۔ اس کے ہاتھ ابھی تک ٹھنڈے کیوں پڑ جاتے تھے۔ وہ ریستوران میں آکر بیٹھ گئے۔ سیمرا نے یاقوت کے لئے چائے بنائی اور بولی۔ "جب تم ایک دم چٹانوں سے نکل کر جیپ کے سامنے آ گئے تھے تو ایک غنڈے نے تم پر بالکل سامنے سے فائر کیا تھا۔"

"سامنے سے فائر کیا ہوتا تو میں زندہ کیسے بچتا؟" یاقوت نے جواب دیا۔ سیمرا خاموش رہی لیکن اس کا ذہن الجھ گیا تھا۔ جہاں تک اسے یاد تھا یاقوت پر غنڈے نے بالکل سامنے سے چند گز کے فاصلے سے فائر کیا تھا۔ ایک نہیں دو تین گولیاں فائر کی تھیں۔ کبھی وہ سوچتی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک زندہ انسان پر سامنے سے گولی چلائی جائے اور وہ نہ صرف زندہ بچ رہے بلکہ معمولی سا زخمی بھی نہ ہو پھر اسے غنڈوں کی جیپ کا خیال آ جاتا۔ تین لاشوں کے ساتھ جلنے کے بعد جیپ کہاں غائب ہو گئی تھی؟ کم از کم اس کا جلا ہوا ڈھانچہ تو باقی رہنا چاہئے تھا مگر وہاں تو ریت پر جلنے کا نشان تک نہیں تھا۔ یہ ایک ایسا معمہ تھا جس کو سیمرا جتنا حل کرنے کی کوشش کرتی معمہ مزید ناقابل حل نظر آنے لگتا تھا۔ "وہ دیکھو سیمرا۔ سمندر کی ہوا میں لہراتے ناریل کے درخت کتنے خوبصورت لگتے ہیں۔"

یاقوت نے سیمرا کی توجہ ساحل کے ساتھ ساتھ اگے ہوئے ناریل کے کچھ درختوں کی طرف دلائی۔ سیمرا درختوں کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ

کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی؟ ہوا کا کوئی جھونکا یاقوت کی طرف سے آتا تو اس ب
وہی پراسرار خوشبو ہوتی جسے سمیرا نے پہلی بار اپنے مکان کے باغیچے میں پرانے ویر
کیبن کے پاس لوکاٹ کے درختوں کے نیچے سے محسوس کی تھی اور پھر وہ خوشبو یاقو
کے لباس سے آئی تھی۔ سمیرا نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں ایئرپور
پہنچنا چاہیئے۔ فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔''

یاقوت نے بے نیازی سے کہا۔ ''نو پرابلم مائی ڈیئر۔''

اور وہ سمیرا کے واسطے چائے کی دوسری پیالی بنانے لگا۔ سمیرا نے ایک بار کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ اسے الجھن سی ہونے لگی۔ وہ شام ہونے سے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اگر یہ فلائٹ مس ہو گئی تو پھر گھر پہنچتے رات ہو جائے گی۔ سلیمان چچا پریشان ہوں گے۔''

یاقوت نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''فکر نہ کرو۔ جب تک ہم نہیں پہ
گے جہاز ٹیک آف نہیں کرے گا۔''

''ہم کوئی وی آئی پی تو نہیں ہیں۔'' سمیرا نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہ
کہا۔ یاقوت نے اپنا ہاتھ سمیرا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ''ہم بہت زیادہ وی آئی پی
ڈیئر!''

یاقوت نے سمیرا کے ہاتھ کو ذرا سا دبایا۔ اس کا ہاتھ بدستور ٹھنڈا تھا۔۔
کے جسم میں ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔ اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لی
ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔ یاقوت نے ویٹر کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''دو کافی
آؤ۔''

سمیرا سٹپٹا کر رہ گئی۔ ''پلیز! اب کافی نہ منگاؤ۔ فلائٹ میں صرف پون گھن
گیا ہے اور ابھی ہمیں ٹیکسی پکڑ کر ایئرپورٹ بھی پہنچنا ہے۔'' یاقوت کے چہر
ایک پراسرار قسم کا تبسم نمودار ہوا۔ اس نے پہلے سے زیادہ اعتماد بھرے لہج
کہا۔ ''میں نے تمہیں کہا نا کہ جب تک ہم نہیں پہنچیں گے جہاز ٹیک آف
کرے گا۔ پلیز سمیرا! میرا کافی پینے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔''

کافی آتے' کافی پیتے مزید آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ اب سمیرا مایوس ہو چکی

اقوت سے کچھ کہنا بے کار تھا۔ وہ یوں اطمینان سے کافی پی رہا تھا جیسے اس نے طیارہ
پارٹرڈ کرا رکھا ہو۔ اب ساڑھے چار بجے والی فلائٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
اڑھے چار بجنے میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے اور ایئرپورٹ وہاں سے بہت دور تھا۔
میرا زہر کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ وہ ہر حالت میں شام کا اندھیرا ہونے سے پہلے اپنے
کان پر پہنچ جانا چاہتی تھی مگر اب اسے یقیناً'' رات ہو جائے گی۔ دوسری فلائٹ کے
رے میں کوئی یقین نہیں تھا کہ انہیں کوئی سیٹ مل سکے گی یا نہیں۔ یاقوت نے خالی
یالی میز پر رکھ دی اور ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔ سمیرا نے طنزاً'' کہا۔ ''اتنی جلدی
ی کیا ہے۔ ساڑھے چار بجے والی فلائٹ تو گئی اور کافی منگوا لیتے ہیں۔''

یاقوت مسکرا دیا۔ بڑی گہری دلبستگی کی نظر سے سمیرا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔
ساڑھے چار بجے والی فلائٹ سے ہی جائیں گے ڈیئر۔''

یاقوت کی یہ منطق سمیرا کی سمجھ سے باہر تھی کیونکہ چونکہ اب معاملہ سات
بجے والی فلائٹ پر جا پڑا تھا اس لئے وہ خاموش رہی۔ جب وہ ساحل سمندر سے ٹیکسی
لے کر ایئرپورٹ کی طرف چلے تو پانچ بج رہے تھے۔ سمیرا کہنے لگی۔ ''بہتر ہے کہ ہم
یئرپورٹ جانے کی بجائے پی آئی اے کے آفس جا کر اگلی فلائٹ میں سیٹیں کنفرم
کرانے کی کوشش کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں بھی جگہ نہ بچے۔''

یاقوت ٹیکسی کی کھڑکی میں سے آسمان پر نظر آنے والے بادلوں کے چھوٹے
ھوٹے ٹکڑوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہم
ی جہاز میں چلیں گے جس میں ہماری سیٹیں کنفرم ہو چکی ہیں۔''

سمیرا نے یاقوت کی اس بے معنی بات پر سر کو ہلکے سے جھٹکا اور دوسری کھڑکی
سے باہر دیکھنے لگی۔ ٹیکسی ایئرپورٹ کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ سمیرا کو غصہ آنے
ا۔ اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ''اتنی تیز چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ یاقوت بدستور آسمان پر تیرتے بادلوں
کے ٹکڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایئرپورٹ کی لابی میں آتے ہی سمیرا نے یاقوت سے کہا کہ
یز یہاں سے اگلی فلائٹ کے لئے سیٹیں کنفرم کرانے کی کوشش کرو۔ یاقوت نے
وار پر لگی ارائیول ڈیپارچر کی اسکرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہماری

ساڑھے چار بجے والی فلائٹ میں تو ابھی مزید آدھ گھنٹے کی تاخیر ہے۔"

سمیرا نے چونک کر اسکرین پر نظر ڈالی۔ واقعی وہاں ان کی فلائٹ نمبر کے آ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر لکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسپیکر پر ایک نسوانی آواز بلند ہوئی۔ خواتین و حضرات! کراچی سے ——— جانے والی فلائٹ نمبر ——— میں ٹیکنیکل خ کی وجہ سے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔ اس کے لئے ہم آپ سے معذ خواہ ہیں۔ اب یہ فلائٹ پرواز کے لئے تیار ہے۔ ہم مسافروں سے درخواست ک ہیں کہ وہ لاؤنج میں تشریف لے چلیں ——— شکریہ"

یاقوت مسکرا رہا تھا۔ "میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ ہم اسی فلائٹ پر جائیں گے اب تمہیں ضرور یقین آگیا ہوگا۔"

سمیرا کو کئی باتوں کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان میں ایک یہ فلائٹ والا معاملہ تھا۔ یاقوت کو کیسے یقین تھا کہ جہاز میں ٹیکنیکل خرابی پیدا ہو جائے گی؟ بہرحال وہ خوش تھی کہ اب رات کا اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے وہ سلیمان چچا اور نوری کے پ پہنچ جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ یاقوت اسے مکان کے گیٹ پر الوداع کہہ کر اور اس شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔ نوری اور سلیمان بڑی بے چینی سے سمیرا کا انتظار کر ر تھے۔ سلیمان چچا نے تو دبی زبان میں سمیرا سے کہہ بھی دیا کہ اسے زیادہ دیر گھر باہر نہیں رہنا چاہئے۔ سمیرا نے سلیمان چچا کی اس مشفقانہ سرزنش کا برا نہ مانا۔ انہیں اپنے باپ کی جگہ سمجھتی تھی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے م کر پلنگ پر لیٹ گئی اور گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگی۔ حالات اور واقعا ناقابل فہم شکل اختیار کرتے چلے جا رہے تھے۔ تین غنڈوں کا یاقوت کے ہاتھوں اور پھر ان کی لاشوں سمیت جلی ہوئی جیپ کا غائب ہو جانا اس کی سمجھ میں نہیں تھا۔ اس نے میز کی دراز میں سے کاغذ قلم نکالا اور اسی وقت اپنی پیاری سہیلی نتاش خط لکھنے لگی۔ کراچی کی دلچسپ سیر اور کا سارا حال لکھا مگر غنڈوں کے حملے اور یا کے ہاتھوں ان کے عبرت ناک انجام وغیرہ کی بابت کچھ نہ لکھا۔ وہ اس واقعے کو پر بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آخر میں سمیرا نے نتاشا کو تاکید کی کہ وہ اس و اینڈ پر اس کے پاس ضرور آئے۔ خط لفافے میں ڈال کر باہر نتاشا کا ایڈریس لکھا

میز پر بند کر کے رکھ دیا کہ صبح اٹھ کر اسے ڈاک میں ڈال دے گی۔ روشنی بجھا کر اس نے آنکھیں بند کرلیں اور کراچی میں پیش آنے والے واقعات اور یاقوت کی پراسرار شخصیت پر سوچتے سوچتے اسے نیند آگئی۔ وہ بڑی گہری نیند سو رہی تھی کہ سوتے میں پہلو بدلتے ہوئے اس کا ہاتھ تپائی پر رکھے کپ پر پڑا جو پلیٹ سے ٹکراتا ہوا نیچے قالین پر گر پڑا۔ سمیرا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کمبل اوپر کر لیا اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کمرے میں وہی پراسرار خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ اس نے آنکھیں کھول کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی بند تھی۔ آگے سفید ریشمی پردہ گرا ہوا تھا۔ پردے میں سے باہر آسمان پر چمکتے چاند کی خواب ایسی دھندلی سفید روشنی کمرے میں آ رہی تھی۔ پہلے تو اسے خیال ہوا کہ یہ اس کا وہم ہے مگر جب دو چار مرتبہ سانس کھینچا تو اس کا سارا جسم پراسرار خوشبو سے بھر گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ خوشبو باہر جھاڑیوں میں کھلے اسی پھول یا جڑی بوٹی سے آ رہی ہے جسے وہ ابھی تک تلاش نہیں کر سکی تھی۔ اچانک اسے کھٹکا سا محسوس ہوا۔ اس نے ٹیبل لیمپ جلا دیا۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ اس کی نظر ٹائم پیس پر گئی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اس نے بھرپور نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا۔ پھر یہ کھٹکا کس چیز کا تھا؟ ایک کھڑکی کا پردہ یوں لہرایا جیسے باہر سے ہوا کا جھونکا آگیا ہو۔ سمیرا کو خیال آیا کہ کہیں کھڑکی تو کھلی نہیں رہ گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی۔ پردہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا تھا۔ اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ کھڑکی بند تھی اور دونوں چٹخنیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ واپس پلنگ پر آگئی۔ وہ پراسرار خوشبو کم ہوتے ہوتے کمرے سے ختم ہو گئی تھی۔ سمیرا نے اپنا سر پلنگ کی پشت سے لگا دیا اور ایک ہاتھ سے اسے آہستہ آہستہ دبانے لگی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ وہ فریب نظر کا شکار ہے۔ اس کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی تھی۔ اس کی نگاہ اس کے طرح طرح کے خیالات کو شکلوں کے روپ میں سامنے لا رہی تھی۔ اس نے اس بارے میں مزید غور و فکر کرنا بند کر دیا۔ ٹیبل لیمپ بجھایا اور سونے کی کوشش شروع کر دی۔

صبح وہ دیر سے اٹھی۔ اس کا سر بوجھل تھا۔ نوری دوسری بار چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی۔

"باجی! میں دوسری بار تازہ چائے بنا کر لائی ہوں۔ ایسا لگتا ہے رات آپ دیر تک کتاب پڑھتی رہی ہیں۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا اور میز پر سے نتاشا کے نام لکھا ہوا خط اٹھا کر نوری کی طرف بڑھایا۔ "اسے ڈاک میں ڈال آؤ۔ میں خود بنا لوں گی۔"

نوری بند لفافہ لئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ سمیرا نے بہت سے لفافے ٹکٹ لگا کر پہلے سے چھوڑ رکھے تھے تاکہ بعد میں ٹکٹ لگانے کا تردد نہ کرنا پڑے۔ وہ صرف نتاشا کو ہی کبھی کبھی خط لکھتی تھی اور لکھنے کے بعد چاہتی تھی کہ خط جلدی سے جلدی اس کے پاس پہنچ جائے۔ ٹیلیفون اس نے جان بوجھ کر نہیں لگوایا تھا۔ اسے فون کی بار بار بج اٹھنے والی آواز ناپسند تھی۔ وہ شہر کے شور و ہنگامے سے دور یہاں نیچر کی آغوش میں پر سکون زندگی پسند کرنا چاہتی تھی۔ نوری کے جانے کے بعد سمیرا نے کمرے کی چیزوں کو درست کیا پھر مکان کے باغیچے میں آ کر ٹہلتے ٹہلتے لیموں کے پودوں کے پاس گئی جن پر پھول آئے ہوئے تھے۔ اس نے کچھ پھول کھلی ہوئی کلیاں توڑیں اور انہیں اپنے کمرے میں رکھنے کے لئے چل دی۔ نوری نے اسے بتایا تھا کہ سلیمان چچا سبزی وغیرہ خریدنے سائیکل پر قصبے کی طرف گیا ہوا ہے۔ سمیرا نے گیٹ طرف دیکھا۔ گیٹ بند تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور لیموں کی سفید سفید کلیوں چینی کے چھوٹے گلدان میں لگانے گی۔ اس کے بعد وہ منہ ہاتھ دھونے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر غسل خانے سے نکلی تو نوری گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ "باجی؟ باہر گیٹ پر ایک بوڑھی عورت پڑی ہے۔ بالکل مرنے ہے۔ میں نے اسے پانی پلایا ہے۔ کہہ رہی ہے خدا کے واسطے مجھے میرے بیٹے پاس پہنچا دو۔"

سمیرا بالوں میں برش کر رہی تھی۔ اس نے برش وہیں سنگھار میز پر رکھا نوری کے ساتھ تیز تیز قدموں سے چلتی گیٹ پر آ گئی۔ گیٹ کے بالکل سامنے زمین ایک ادھیڑ عمر کی عورت اس حالت میں پڑی تھی کہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی گلے سے عجیب عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ سمیرا نے جلدی سے عورت سر اپنے بازو پر رکھا اور کہا ---- "فکر نہ کرو ماں جی میں تمہیں ابھی اسپتال

چلتی ہوں۔"

عورت نے منہ کھول کر دو چار مرتبہ لمبے لمبے سانس لئے اور بولی۔ "بیٹی! اسپتال نہیں۔ میں مر رہی ہوں۔ مجھے خدا کے واسطے ---- خدا کے واسطے ---- میرے بیٹے کے پاس پہنچا دو۔"

"کہاں ہے تمہارے بیٹے کا گھر ماں جی؟" سمیرا کے پوچھنے پر ادھیڑ عمر اور بظاہر قریب المرگ عورت نے نحیف آواز میں کہا۔ "قریب ہے ---- قصبے میں ---- یا اللہ میرے گناہ معاف ---- میرے گناہ معاف ---- میرے پترا ---- میرے پترا ---- تیری ماں مر رہی ہے۔"

سمیرا نے جذبات میں آ کر نوری سے کہا۔ "نوری تم یہاں ماں جی کو سنبھالو۔ میں گاڑی نکال کر لاتی ہوں۔ عورت کا بچنا مشکل لگتا ہے۔ میں اسے اس کے بیٹے کے گھر پہنچا کر ابھی واپس آتی ہوں۔"

"ابو جان ابھی واپس آ جاتے ہیں۔ وہ اسے لے جائیں گے۔" نوری نے کہا۔

"نہیں نوری ---- اس بے چاری کے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ یہ سامنے ہی تو قصبہ ہے۔ اسے سنبھالو۔"

اس دوران عورت کے گلے میں گھنگرو بجنے لگا تھا۔ نوری نے عورت کا سر اپنے بازو پر رکھ لیا۔ سمیرا لپک کر گیراج میں گئی اور گاڑی نکال کر لے آئی۔ انہوں نے مل کر قریب المرگ عورت کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور گاڑی کا رخ نیچے قصبے کی طرف کر دیا۔ قصبہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ سڑک صبح کے وقت خالی پڑی تھی۔ سمیرا تیزی سے گاڑی قصبے کی طرف لئے جا رہی تھی۔ اس دوران اس نے گردن گھما کر پچھلی سیٹ پر عورت کو دیکھا۔ وہ دائیں بائیں اپنا سر مار رہی تھی اور بار بار کلمہ شریف پڑھ رہی تھی۔ سمیرا دل میں خدا سے دعا مانگنے لگی کہ یا خدا اس بوڑھی عورت کو اپنے بیٹے کے پاس پہنچا دینا۔

ابھی قصبہ کوئی ڈیڑھ فرلانگ دور ہو گا کہ اچانک دائیں جانب کے درختوں سے ایک بند ویگن تیزی سے نکل کر سڑک کے بیچ میں آ گئی۔ سمیرا نے گھبرا کر بریک لگایا تو اس کی گاڑی کے پہیے چیخ اٹھے اور وہ بائیں جانب گھوم کر کھڑی ہو گئی۔ ابھی وہ کچھ

سوچ بھی نہ سکی تھی کہ یہ ویگن کدھر سے آ گئی ہے کہ ویگن میں سے دو
چھلانگ لگا کر نکلے اور دوڑ کر سمیرا کی گاڑی کے پاس آ گئے۔ ان کے ہاتھوں
ریوالور تھے۔ آتے ہی انہوں نے سمیرا کو دبوچ لیا۔ ایک نے اس پر ریوالور تان
دوسرے نے اسے گاڑی سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور اسی طرح گھسیٹتا ہوا ویگ
طرف دوڑا۔ دوسرے نے وہیں سے بوڑھی عورت کو آواز دی۔ "ماسی! اب تو
گاؤں چلی جا۔۔۔ اب ہم جانیں ہمارا کام۔۔۔"

وہ عورت جو تھوڑی دیر پہلے قریب المرگ تھی گاڑی سے نکلی اور جتنا تیز
سکتی تھی چل کر درختوں میں غائب ہو گئی۔ سمیرا نے چیخ ماری۔ اس کے سر پر ر
کے دستے کی ضرب لگی اور پھر اسے کوئی ہوش نہ رہا۔

سمیرا گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بے ہوش پڑی تھی۔ ایک غنڈہ کالو اس کے پاس
تھا۔ اس کا ساتھی غنڈہ جاجی گاڑی چلا رہا تھا۔ یہ دونوں اس جرائم پیشہ گروہ کے
ں دو غنڈے باقی رہ گئے تھے جن کا پیشہ یہی تھا کہ اونچے گھرانوں کی شریف
ں کو اغوا کر کے ان کی تصویریں اتاری جائیں اور پھر انہیں بلیک میل کیا جائے۔
گھناؤنے گروہ کے باقی سارے غنڈوں کو یاقوت نے ختم کر دیا تھا۔ صرف یہی دو
رہ گئے تھے جو سمیرا کو اپنے ساتھیوں کی ہلاکت کا باعث سمجھتے تھے اور اس سے
ساتھیوں کے قتل کا بھیانک انتقام لینا چاہتے تھے۔ اسی مذموم مقصد کے لئے
ں نے سمیرا کو اغوا کیا تھا اور اب اسے اپنے خفیہ ٹھکانے پر لئے جا رہے تھے۔
سیٹ پر سے کالو نے اپنے ساتھی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "جاجی! اڈے پر لے
ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ ہم اسے قتل کر کے یہیں پھینک جاتے
"

جاجی نے اسٹیئرنگ کو ایک طرف ذرا سا گھماتے ہوئے ڈانٹ کر کہا۔ "بکواس
کالو۔ اس عورت کی وجہ سے میرے سارے دوست مارے گئے۔ میں اس سے وہ
لوں گا کہ اس کی روح بھی یاد کر کے کانپ جایا کرے گی۔"

جاجی نے گاڑی کو نہر کی ویران پٹڑی پر ڈال دیا۔ یہاں سے دوسرے پل کے پار
ں نے ایک تکیئے کے پیچھے اپنے مذموم کاروبار کے لئے ایک کچی کوٹھری ڈال
تھی۔ دن کا وقت تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ نہر کی پٹڑی دور تک خالی تھی۔

گاڑی نہر کے پہلے پل کے قریب سے گزر گئی۔ انہیں دوسرا پل پار کر کے تکیئے طرف جانا تھا۔ گاڑی تھوڑی دور گئی تھی کہ انہیں کچھ فاصلے پر ایک آدمی دکھائی دیا ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ گاڑی قریب آئی تو انہوں نے دیکھا کہ یہ ایک خوبصورت نوجوان ہے جس نے فاختائی کلر کا انگریزی سوٹ پہن رکھا ہے اور ہاتھ کے اشارے سے لفٹ مانگ رہا ہے۔ کالو نے گالی دے کر کہا۔ "گاڑی نہ روکنا' جاجی!"

کالو بولا۔ "میں پاگل ہوں کیا؟ مگر یہ سوٹ بوٹ والا نوجوان یہاں کہاں سے گیا؟"

گاڑی تیزی سے گرد اڑاتی یاقوت کے قریب سے گزر گئی۔ ہاں۔۔۔۔۔ سمیرا کا دوست اور اس سے بے پناہ محبت کرنے والا نوجوان یاقوت تھا۔ دونوں غنڈے اس سنسان علاقے میں ایک سوٹ بوٹ والے نوجوان کو دیکھ کر کچھ پریشان ضرور گئے تھے۔ مگر کالو نے بے ہوش سمیرا کے اوپر کپڑا ڈال رکھا تھا۔ اس نے جاجی سے کہا۔ "فکر کیوں کرتے ہو یار۔ میں نے عورت پر چادر ڈالی ہوئی ہے۔ اس کا باپ نہیں دیکھ سکتا تھا اسے۔" نہر کا دوسرا پل آ گیا۔ یہاں سے انہیں گاڑی پل پر ڈالنی تھی۔ جاجی نے جوں ہی گاڑی کو پل کی طرف ٹرن کیا وہی سوٹ بوٹ والا نوجوان دوبارہ سامنے کھڑا ہاتھ کے اشارے سے لفٹ مانگ رہا تھا۔ جاجی کے منہ سے گالی نکل گئی۔ "اوئے یہ پھر کہاں سے آ گیا؟" کالو نے قمیض کے اندر سے ریوالور نکال لیا۔

"اس کو تو میں یہیں ختم کرتا ہوں۔ یہ تو عینی گواہ بن رہا ہے۔"

جاجی نے زور سے بریک لگایا۔ گاڑی ایک دھچکے سے نہر کے پل پر چڑھتے رک گئی۔ اس دھچکے سے سمیرا کو ہوش آ گیا۔ کالو کو معلوم نہ ہو سکا کہ سمیرا ہوش آ چکی ہے۔ وہ ریوالور ہاتھ میں لئے گاڑی سے باہر نکل آیا۔ جاجی ابھی تک اگلی سیٹ پر ہی بیٹھا تھا۔ اس نے وہیں سے چلا کر کہا۔ "کالو! وقت برباد نہ کر۔ اسے ختم کر دے۔"

اس دوران یاقوت نہر کے پل کی منڈیر کے پاس کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سمیرا نے بھی گردن اوپر اٹھا کر یاقوت کو دیکھ لیا۔ وہ چلا کر اسے آواز دینے ہی والی تھی کہ دیکھتے دیکھتے کالو نے اوپر تلے چار گولیاں فائر کر دیں۔ یاقوت اس سے بمشکل پندرہ فٹ کے فاصلے پر بالکل سامنے کھڑا تھا۔ چاروں گولیاں جاجی' کالو اور سمیرا کی آنکھوں کے سامنے یاقوت کے سینے پر لگیں۔ مگر یاقوت ایسے کھڑا مسکراتا رہا جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ جیسے گولیاں اس کے سر کے اوپر سے ہو کر نکل گئی ہوں۔ جبکہ ایسی بات نہیں تھی۔ دونوں غنڈوں اور سمیرا نے بھی دن کی روشنی میں دیکھا تھا کہ جب گولیاں یاقوت کے سینے پر لگی تھیں تو اس کی قمیض اور کوٹ کے کالر پر یکے بعد دیگرے چار سیاہ دھبے ایک سیکنڈ کے وقفے میں غائب ہو گئے تھے۔ کالو سمجھا کہ شاید اس کا نشانہ خطا ہو گیا ہے۔ اس نے دوسری بار فائر کیا۔ اس دوران جاجی بھی پستول نکال کر گاڑی سے باہر آ گیا تھا۔ اس نے بھی یاقوت پر اوپر تلے تین چار فائر کر دیئے۔ یاقوت اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ سمیرا دہشت زدہ آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل میں یاقوت کے بارے میں جو شبہات کبھی کبھی پیدا ہوتے تھے وہ درست ثابت ہو رہے تھے۔

جاجی نے پیچھے ہٹتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "کالو! اس کے سر پر فائر کر چھاتی پر تو اس نے توا باندھ رکھا ہو گا۔"

کالو اور جاجی نے بیک وقت یاقوت کے سر کا نشانہ لے کر ایک ایک فائر کر دیا۔ یاقوت اب پل کی منڈیر سے الگ ہو کر ان کی طرف بڑھا۔ "تم لوگوں نے خواہ مخواہ گولیاں ضائع کر دیں۔"

سمیرا یاقوت پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ ہوش میں آچکی ہے اور اس نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ جوں ہی یاقوت پل کی منڈیر چھوڑ کر گاڑی کی طرف آیا سمیرا نے اپنا سر سیٹ کی پشت سے لگا کر گردن یوں ایک طرف ڈھلکا دی جیسے وہ ہوش میں نہیں ہے۔ یاقوت چار پانچ قدم چل کر دونوں غنڈوں کے قریب آ گیا۔ دونوں غنڈوں پر ایک دہشت طاری تھی۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے مگر ان کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ رکھے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہل سکتے تھے۔ یاقوت نے کوٹ کی جیب میں سے اپنی پستول نکالی جو سیاہ رنگ کی چھوٹی سی پستول تھی۔ اس نے کہا۔ "اس کو ٹرائی کر کے دیکھتے ہیں۔"

یاقوت نے جاجی غنڈے کے پیٹ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔ کوئی دھماکہ نہ

ہوا۔ پستول کی نالی میں سے ایک روشنی سی نکلی جو سیدھی غنڈے کے پیٹ میں جا کر لگی اور وہ وہیں لڑنے کھڑے سوکھے درخت کی طرح جلنے لگا۔ اس کی آواز تک نہ نکلی۔ وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکا۔ کالو نے یہ بھیانک منظر دیکھا تو اپنے جسم کی ساری طاقت' سارا زور لگا کر وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہل سکا۔ اس دوران یاقوت نے دوسرا فائر کالو پر کر دیا۔ روشنی کا ننھا سا انگارہ پستول میں سے نکل کر کالو کے پیٹ پر لگا اور وہ بھی شعلوں میں بدل گیا۔

سمیرا پچھلی سیٹ پر بظاہر بے ہوش تھی مگر وہ تھوڑی تھوڑی آنکھیں کھولے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ دونوں غنڈے جل رہے تھے۔ شعلے ان کے ناپاک جسموں کو نگل رہے تھے۔ پھر وہ کٹے ہوئے درختوں کی طرح زمین پر گر پڑے اور ان کے سیاہ مسخ شدہ جسموں میں سے دھواں اٹھنے لگا اور ایسی آواز آنے لگی جیسے کسی نے اچانک بھڑکتے شعلوں پر پانی کی بالٹی ڈال دی ہو یاقوت نے گاڑی کی پچھلی سیٹ والا دروازہ کھولا۔ اس نے جھک کر بے ہوش سمیرا کو دیکھا۔ سمیرا کو وہی پراسرار گہری خوشبو محسوس ہوئی جو اسے اپنے مکان کے باغیچے میں یاقوت کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے آیا کرتی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بے ہوش پڑی ہے۔ یاقوت نے سمیرا کے چمکیلے ریشمی بالوں پر آہستہ سے' بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا۔ سمیرا کے بدن میں ایک کپکپی سی دوڑ گئی اور اس کے ساتھ ہی اسے کوئی ہوش نہ رہا۔ وہ سچ مچ بے ہوش ہو گئی تھی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے پہاڑی بنگلے اور قصبے کے درمیان سڑک سے ذرا ہٹ کر اپنی گاڑی میں اس طرح بیٹھی ہے کہ اس کے دونوں بازو اسٹیئرنگ پر ہیں۔ سمیرا کے سر کا وہ حصہ ابھی تک درد کر رہا تھا جہاں ایک غنڈے نے پستول کا دستہ مارا تھا۔ اتنے میں قصبے کی جانب سے سلیمان چچا سائیکل پر سبزی لے کر آ گیا۔ گاڑی دیکھ کر وہ سائیکل سے اتر پڑا اور قریب آ کر کہنے لگا۔ "بیٹی کیا شہر جا رہی تھیں؟ یہاں گاڑی کیوں کھڑی کی ہے؟"

سمیرا نے ایک گہرا سانس بھرا اور سلیمان چچا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نہیں چچا میں نے ارادہ بدل لیا ہے۔ اب شہر نہیں' گھر جاؤں گی۔"

اور سمیرا نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی اپنے بنگلے کی طرف بڑھا دی۔ سلیمان بھی سائیکل پر سوار ہوا اور بنگلے کی طرف چل پڑا۔ نوری کچن میں کام کر رہی تھی۔ روں کی جھاڑ پونچھ وہ کر چکی تھی۔ سمیرا کے کمرے میں لیموں کی کلیاں گلدان میں ی طرح سجی ہوئی تھیں۔ نوری نے سمیرا کو آتے دیکھا تو دوڑ کر پاس آئی۔ "بیگم اس عورت کو اسپتال پہنچا دیا ناں۔ اب اس کا کیا حال تھا؟"

سمیرا نے صرف اتنا کہا۔ "ٹھیک ہے وہ۔"

اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں آتے ہی سمیرا کو گلدان میں سجی ہوئی وں کی کلیوں کی خوشبو آئی۔ یہ کلیاں اس نے خود سجائی تھیں۔ وہ آئینے کے سامنے ڑے ہو کر بالوں کو برش کرنے لگی۔ وہ اسی آئینے کے سامنے تھوڑی دیر پہلے بالوں ں برش کر رہی تھی کہ نوری نے آ کر بتایا تھا کہ ایک عورت کوٹھی کے گیٹ پر دم ڑ رہی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ اور سمیرا اس پر ترس کھا کر ے اس کے گھر لے جا رہی تھی کہ وہ حادثہ پیش آ گیا جس نے یاقوت کا وہ روپ ں کے سامنے بالکل واضح کر دیا جو ابھی تک شکوک و شبہات کے پردوں میں چھپا ہوا ا۔ سمیرا نے برش سنگھار میز پر رکھ دیا اور کھڑکی میں کھڑی ہو کر عقبی باغیچے کے دنے والا ویران کاٹیج نما کمرہ دیکھنے لگی جس پر گہری خاموشی اور ویرانی چھائی ہوئی ی۔ اسے یاد آ گیا جب ایک دن وہ کسی پراسرار کیفیت کے زیر اثر اس کاٹیج میں چلی ئی تھی تو اس نے گرد آلود فرش پر سونے کی وہ انگوٹھی پڑی ہوئی دیکھی تھی جس میں رخ عقیق جڑا ہوا تھا اور جو یاقوت پہنا کرتا تھا۔ یہ سمجھ کر اس نے انگوٹھی اٹھا لی کہ قوت کہیں اس ویران خالی کاٹیج میں آ گیا ہو گا اور اس کی انگوٹھی یہاں گر گئی ہو ی۔ وہ انگوٹھی واپس کرنا چاہتی تھی۔ اگلے روز جب یاقوت آیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہ گئی تھی کہ یاقوت نے وہی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔ س نے اپنا پرس دیکھا تو پرس ں انگوٹھی نہیں تھی۔ یہ پہلا دن تھا جب سمیرا کو شک ہوا کہ یاقوت کا تعلق کسی اور خلوق سے ہے۔ اس کے بعد کراچی کے ساحل سمندر پر جیپ کا جلنا اور غنڈوں کا ں آگ میں جل کر راکھ ہو جانا اور اس کی آنکھوں کے سامنے یاقوت کا فائرنگ کی د میں آنا مگر کسی ایک بھی گولی کا اس پر اثر نہ ہونا اور آج تو اس نے بڑے قریب

ے یہ منظر دیکھا تھا کہ یاقوت پر دونوں غنڈوں نے پے در پے گولیاں چلائیں۔ ـلیوں نے یاقوت کی قمیص اور کوٹ پر سوراخ کے نشان بھی ڈالے۔ سفید دھوپ وشنی میں سمیرا نے یہ منظر کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر وہ نشان دوسرے لمحے غا گئے تھے۔ پھر یاقوت کے سیاہ پستول میں سے ننھے سے انگارے ایسی روشنی کا ر باری باری دونوں غنڈوں کو شعلوں میں تبدیل کر دیتا۔ یاقوت کے مافوق الف ونے کا ایک ایسا زندہ ثبوت تھا جس کی کوئی بھی تردید نہیں کر سکتا تھا۔ سمیرا آنکھیں بند کر کے اپنا سر کھڑکی کے پردے پر لگا دیا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا ہ ہوا کے ایک جھونکے سے محبت کر رہی ہے۔ سب سے بڑی اذیت ناک حقیق تھی کہ سمیرا یاقوت سے محبت کر نہیں رہی تھی اسے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ کا یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں کوئی بھی چیز آدمی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ ز سے آدمی کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور محبت کے سیلاب کی طوفانی موجیں اسے طرف چاہیں بہائے لے جاتی ہیں۔

سمیرا کو یقین تھا کہ یاقوت دوسرے دن ضرور آئے گا درپردہ اس کی معلوم کرنے۔ پہلے بھی ایسا ہوا تھا کیونکہ سمیرا کو اس لذت انگیز حقیقت کا بھی کہ یاقوت بھی اس کو بے پناہ چاہتا ہے۔ وہ رات سمیرا نے ایک عجیب کیفی سوچتے جاگتے گزاری اسے یقین تھا کہ یاقوت اگلے دن ضرور آئے گا اور ایسا ہ دوسرے روز صبح ناشتہ کرنے کے بعد سمیرا اپنے دوسری منزل والے اسٹوڈیو میر کچھ دیر وہ اپنی ادھوری پینٹنگ کو دیکھتی رہی جو ایزل پر لگی ہوئی تھی۔ گلدان ہوئے گلاب کے پھول مرجھا رہے تھے۔ یہ پھول کچھ روز پہلے یاقوت نے د اور سمیرا کو اتنے عزیز تھے کہ اس نے انہیں مرجھا جانے کے بعد بھی گلدان لگے رہنے دیا تھا۔ باہر گاڑی کے مخصوص ہارن کی آواز آئی۔ سمیرا کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے اسٹوڈیو کی کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر دیکھا۔ یاقوت اسپورٹس کار کوٹھی کے گیٹ کے باہر کھڑی تھی اور نوری گیٹ کھولنے رہی تھی۔ سمیرا نے پردہ چھوڑ دیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ سیڑھیاں اتر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کائنات کے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ۔

رہی ہے۔ جب وہ برآمدے میں آئی تو یاقوت گاڑی اندر لا کر ایک طرف کھڑی کر رہا ـا۔ گاڑی کھڑی کرنے کے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا۔ وہ ہلکے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا اور میرون کلر کی ٹائی لگائے وئے تھا۔ اس کے سنہری بال دن کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ وہ مسکراتا ہوا سمیرا ی طرف بڑھا۔ سمیرا بھی برآمدے سے اتر آئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ اقوت سے ہاتھ ملائے گی تو بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ کل جب کار میں یاقوت نے س کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا تو وہ پوری طرح ہوش میں ہونے کے باوجود ایک دم بے ہوش ہو گئی تھی۔

"یہ پھول تمہیں پسند ہیں نا؟" یاقوت نے گلدستہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہی پراسرار خوشبو فضا میں پھیل چکی تھی۔ گلدستہ لیتے ہوئے سمیرا کی ایک انگلی یاقوت کی یک انگلی سے چھو گئی۔ اس کے بدن میں ایک سنسنی دوڑ گئی۔ سمیرا نے ناشتے کا پوچھا یاقوت نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا مسکراتے ہوئے کہا۔ "تھینک یو! میں صرف کافی وں گا۔"

سمیرا اسے اپنے کمرے میں لے آئی جس کی کونے والی کھڑکی میں سے عقبی کاٹیج کا ویران برآمدہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی پتھر کی پہلی دو سیڑھیاں گھاس میں چھپی وئی تھیں۔ سمیرا نے گلابوں کا گلدستہ اپنی میز پر رکھتے ہوئے چینی کے گلدان میں سجا یا تھا۔ یاقوت صوفے پر اس زاویے سے بیٹھا تھا کہ اسے عقبی باغیچے والا ویران کاٹیج ھڑکی میں سے صاف نظر آ رہا تھا۔ نوری کافی کا ٹرے رکھ کر چلی گئی۔ سمیرا کافی بنانے لی تو یاقوت صوفے پر ذرا آگے جھک کر بولا۔ "کافی آج میں بناؤں گا۔"

سمیرا خاموشی سے اسے کافی بناتے دیکھتی رہی۔ یاقوت نے سمیرا کی غیر معمولی موشی کو محسوس کر لیا تھا۔ کہنے لگا۔ "کیا بات ہے سمیرا۔ تم کچھ چپ چپ ہو۔" اس ے کافی کی پیالی سمیرا کی طرف بڑھا دی۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آج کچھ موسم ہی ایسا ہے۔"

یاقوت چپ رہا۔ دونوں خاموشی سے کافی پینے لگے۔ کمرے میں ایک پراسرار سی خاموشی چھا گئی۔ یاقوت کی نظریں کھڑکی میں اسے گزر کر ویران کاٹیج پر جمی

ہوئی تھیں۔ سیمرا نے ایک نگاہ یاقوت کے سرمئی سوٹ پر ڈالی اور کہا۔ "تمہارا سوٹ بڑا خوبصورت ہے۔"

یاقوت کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے پیالی میز پر ر ہوئے کہا۔ "ہاں! یہ مجھے بھی پسند ہے۔"

"تمہارا فاختائی کلر والا سوٹ بھی بڑا خوبصورت ہے۔" سیمرا کے چہرے پر خیز تبسم کے ساتھ سنجیدگی بھی تھی۔

یاقوت نے جیب سے چمڑے کا کیس نکال کر سگار سلگایا اور ہلکا سا د اڑاتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ اس کا کلر بھی مجھے اچھا لگتا ہے۔"

سیمرا نے کافی کا ہلکا سا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "کل تم نے وہی سوٹ پہ تھا۔ مجھے بھی اچھا لگا تھا وہ سوٹ۔"

یاقوت نے ذرا سا چونک کر سیمرا کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ "مگر کل مجھے نہیں ملیں۔"

سیمرا بولی۔ "میں نہیں ملی تھی۔ لیکن تم تو مجھے ملے تھے۔ میں نے تمہیں تھا۔ جب تم یہاں سے دور پرانی نہر والے پل پر کھڑے تھے۔"

یاقوت ٹکٹکی باندھے سیمرا کے چہرے کو تکنے لگا۔ سیمرا آہستہ آہستہ کہے ج تھی۔ "اور تم نے غنڈوں سے میری جان بچائی تھی اور پھر تمہارے سیاہ رنگ پستول سے ننھا سا شعلہ نکلا تھا جس نے دونوں غنڈوں کو جلا کر بھسم کر دیا تھا۔"

یاقوت نے سیمرا کے چہرے پر سے نظریں ہٹا لیں اور کھڑکی سے نظر والے ویران کاٹیج کی طرف دیکھتے ہوئے انگلیوں میں سگار کو آہستہ آہستہ گھما۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سیمرا اس وقت ہوش میں تھی اور وہ سارا منظر اپنی آنکھوں س چکی ہے۔ سیمرا کہہ رہی تھی۔ "اور تم پر دونوں غنڈوں نے بار بار فائر کیا۔ تمہارے سینے پر لگی تھیں مگر تم پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔"

یاقوت نے سگار آتشدان میں زور سے مسل کر بجھا دیا اور سیمرا کی طر پراسرار ساکت آنکھیں اٹھا کر کہا۔ "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں یہاں نہ آؤں؟"

"بالکل نہیں۔" سیمرا نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ وہ دیکھ رہی یاقوت کے چہرے پر ایک پراسرار سی چمک نمودار ہو رہی ہے۔ یاقوت گلدان میں لگے گلاب کے پھولوں کو تک رہا تھا۔ اس نے گہری آواز میں پوچھا۔ "تو پھر تم مجھ سے ایسے سوال کیوں کر رہی ہو جو مجھے تم سے اور تمہیں مجھ سے اتنی دور لے جا سکتے ہیں کہ شاید اس زندگی میں ہم پھر کبھی نہ مل سکیں۔"

سیمرا نے جیسے کچھ نہیں سنا تھا۔ وہ جذبات کے ہیجان میں بولے جا رہی تھی۔ "مگر میرے اندر سوالات کا ایک سیلاب امڈ رہا ہے میں تم سے اپنے ہر سانس کے ساتھ ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجھے بتاؤ۔ تم پر گولیوں کا اثر کیوں نہیں ہوا۔ ساحل سمندر پر غنڈوں کی جیپ میں آگ کیسے لگی؟ میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ انگوٹھی جو تم باغیچے کے ویران کاٹیج میں بھول آئے تھے اور جسے اٹھا کر میں نے اپنے پرس میں رکھ لیا تھا وہ اپنے آپ تمہاری انگلی میں کیسے آ گئی' مجھے بتاؤ تمہارے آنے سے پہلی جو پراسرار خوشبو آتی ہے وہ کیا ہے؟"

یاقوت چمڑے کے کیس میں سے نیا سگار نکالنے لگا تو سیمرا نے انتہائی جرات سے کام لیتے ہوئے یاقوت کی کلائی پکڑ لی اور محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم اصل میں کون ہو؟ میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ کل جب تم غنڈوں سے مقابلہ کر رہے تھے تو میں ہوش میں آ چکی تھی اور میں وہ سارا پراسرار کھیل اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم کس دنیا کے رہنے والے ہو اور یہ جو محبت تمہیں مجھ سے ہو گئی ہے اور مجھے تم سے ہے میں اسے کیا نام دوں؟ اور اس کا انجام کیا ہو گا؟"

یاقوت نے سیمرا کا ہاتھ اپنی کلائی سے ہٹا دیا۔ اسے اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ سیمرا کا بدن ایک عجیب کیفیت میں لرز سا گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ یاقوت کی نگاہیں سیمرا کے خوبصورت چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اسے مسلسل تک رہا تھا۔ سیمرا کو یاقوت کی نظریں اپنے جسم کے آر پار ہوتے محسوس ہو رہی تھیں۔ ان میں ایک زبردست مقناطیسی کشش آ گئی تھی۔ یاقوت نے اپنی نظریں سیمرا کے چہرے سے ہٹا لیں۔ نیا سگار نکال کر سلگایا اور بڑی محبت بھری آواز میں سیمرا سے کافی کی دوسری پیالی بنانے کے لئے کہا۔ سیمرا کافی بنانے لگی۔ یاقوت نے سگار کا ہلکا سا کش پاس والی

میں سگار' گلاب اور یاقوت کی پراسرار خوشبوئیں آپس میں گھل مل رہی تھیں۔ با
آسمان پر بادل چھانے لگے تھے اور کھڑکی کے پردے پر دن کی روشنی مدھم ہو گئی تھ
اس خاموشی میں یاقوت کی سنجیدہ گہری اور دھیمی آواز سنائی دی۔ وہ صوفے کی پش
سے ٹیک لگائے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر مجھ پر پستول کی گولی کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر میری گمشدہ انگوٹھی تمہار
پرس سے نکل کر اپنے آپ میری انگلی میں آ جاتی ہے تو تم اسے مافوق الفطرت بات
کہتی ہو۔ یعنی وہ باتیں جو تمہارے نزدیک قدرت کے قانون کے باہر کی باتیں ہیں
جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتیں بھی قدرت کے ایک قانون کے تحت ہو رہی ہو
ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تم اس قانون کو سمجھتی نہیں ہو۔ تمہارے پاس وہ ذرا
نہیں ہے جس کی مدد سے تم قدرت کے اس قانون کو سمجھ سکو۔ تمہارے نزدیک
قدرت یا نیچر اتنی ہی ہے۔ جتنی تم اسے سمجھتی ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قدر
کی عجیب و غریب دنیا وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں تم اسے اپنی طرف سے ختم
کے بیٹھ جاتی ہو۔"

سیمرا بے چینی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس پر یاقوت کی ان فلسفیا
باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ یاقوت کے صوفے کے سامنے آ کر رک گئی اور فیصا
کن انداز میں بولی۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے تم صرف اتنا بتا دو کہ تم کون ہو ا
کس دنیا سے آئے ہو؟ اتنا مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہارا اس زمین سے اس ہماری د
سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

یاقوت ایک لمحے کے لئے جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے فیصا
کن انداز میں سگار ایش ٹرے میں مسلا اور صوفے سے اٹھ کر سیمرا کے پاس آ
اس کی آنکھوں میں محبت کی ایک پراسرار چمک آ گئی۔ اس نے سیمرا کا ہاتھ اپنے ہا
میں لیا اور پوچھا۔ "کیا واقعی تم اپنے سوال کا جواب چاہتی ہو؟"

"ہاں۔" سیمرا نے پر عزم لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر میرے ساتھ آؤ۔" اتنا کہہ کر یاقوت نے سیمرا کا ہاتھ چھوڑ دیا ا
کمرے کے دوسرے دروازے سے نکل کر عقبی باغیچے کے برآمدے میں آ گیا۔ سیم

اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ آسمان بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی' باغیچے میں سے گزرتے ہوئے سیمرا نے اپنے چہرے پر بارش کی ایک دو بوندیں گرتی ہوئی محسوس کیں۔ یاقوت اسے ویران آسیبی کاٹیج کی طرف لے جا رہا تھا۔ بادلوں میں ہلکی ہلکی گرج سنائی دی۔ سیمرا کے دل کی دھڑکن تھوڑی سی تیز ہو گئی۔ اسے انگریزی زبان میں پڑھی ہوئی وہ کہانیاں یاد آنے لگیں جن میں اٹھارویں صدی کے فرانس اور انگلستان کے قدیم قلعوں میں غائب ہو جانے والے شہزادے ویران پڑی شہ نشینوں میں شہزادیوں سے ملنے آیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اسے ایک پراسرار ایڈونچر لگ رہا تھا اگرچہ دل میں ایک ہلکا سا خوف بھی تھا مگر دل و جان سے کی جانے والی محبت کی وارفتہ لہراسے یاقوت کے شانہ بشانہ لئے جا رہی تھی۔ اتنا اسے یقین تھا کہ سچی اور پاکیزہ محبت کرنے والے انسان کو دنیا کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود اضطراری کیفیت کے سیمرا کی اس تماشائی جیسی حالت ہو رہی تھی جو کسی سنسنی خیز کھیل کے پردہ اٹھنے کا انتظار کر رہا ہو اور پردہ اٹھنے ہی والا تھا۔

ویران پڑے آسیبی کاٹیج کے زینے کے پاس پہنچ کر یاقوت نے سیمرا کا ہاتھ ایک بار پھر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کا ہاتھ بدستور ٹھنڈا تھا۔ اس نے ایک ایسی آواز میں جو سرگوشی سے ملتی جلتی تھی کہا۔ "ڈرنا نہیں۔ اپنے دل کو مضبوط رکھنا۔ تم ایک عجیب و غریب تجربے میں سے گزرنے والی ہو۔"

سیمرا کو اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے زبان سے جواب دینے کی بجائے ایسے سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو میں جانتی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میرا دل بڑا مضبوط ہے۔ وہ اندر سے کچھ گھبرائی ہوئی بھی تھی مگر اس عجیب و غریب تجربے سے گزرنا بھی چاہتی تھی۔ وہ یہ معلوم کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی کہ جس درخت کی شاخ پر اس نے اپنی پہلی اور شاید آخری محبت کا آشیانہ بنایا ہے اس کی جڑیں زمین کے اندر ہیں یا یہ درخت محض ہوا میں کھڑا ہے۔ ویران کاٹیج کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ شاید ہوا کی وجہ سے کھل گیا تھا۔ اس پر کبھی کسی نے تالا نہیں لگایا تھا۔ کیونکہ اس کے اندر سوائے پرانے کاٹھ کباڑ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ کاٹیج کی پہلی ،، سا باس والی

گھاس سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یاقوت آگے ہو گیا تھا۔ سمیرا اس کے پیچھے تھی وہ پتھر کی سیڑھیاں چڑھ کر برآمدے میں آ گئے۔ یاقوت نے آہستہ سے دروازے کا ایک پٹ کھول دیا۔ سمیرا کو یوں لگا جیسے ایک سایہ جلدی سے دروازے سے پیچھے ہٹ گیا ہو۔ وہ یاقوت کے اور قریب ہو گئی۔

کاٹیج کے اس بے آباد اسٹور نما کمرے میں وہ پہلے بھی دو چار مرتبہ آ جا چکی تھی۔ یہاں ادھر ادھر پڑے بیکار سامان کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ یاقوت نے بتی نہیں جلائی تھی مگر فضا میں دھندلی سی روشنی پھیل رہی تھی۔ سمیرا نے دیکھا کہ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی دھیمی دھیمی روشنی کا ایک دائرہ سا یاقوت کے آگے آگے چلنے لگا تھا۔ یہ دائرہ سامنے والی دیوار پر جا کر ساکت ہو گیا۔ سمیرا نے دیکھا کہ یہ دھندلی روشنی کا دائرہ دیوار پر جس جگہ ٹھہر گیا تھا وہاں قدیم گوتھک طرز کا ایک محرابی دروازہ ہے جس کی محراب پر کوئی بیل چڑھی ہوئی جس کے پتے زرد ہو کر سوکھ چکے ہیں۔ اس سے پہلے سمیرا نے یہاں کبھی کوئی دروازہ نہیں دیکھا تھا۔ یہ دیوار بالکل خالی ہوتی تھی۔ وہ سانس روکے یاقوت کے پہلو میں خاموش کھڑی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے عجیب و غریب واقعات سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ ایسے عجیب و غریب واقعات جنہیں بقول یاقوت وہ بالکل نہیں سمجھ سکتی تھی۔ یاقوت ٹکٹکی باندھے دیوار پر نمودار ہونے والے گوتھک طرز کے خشک بیل والے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ سمیرا نے اس قسم کے گوتھک دروازے قدیم اطالوی مصوروں کی بنائی ہوئی مذہبی تصویروں میں دیکھے تھے۔ یاقوت نے سمیرا کی طرف دیکھا۔

”میرے ساتھ آؤ۔ گھبرانا بالکل نہیں“ اور وہ سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ بھاری دروازہ بند ہی رہا' کھلا نہیں۔ لیکن یاقوت اور سمیرا ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اس میں سے گزر گئے۔ سمیرا کے لئے یہ پہلا تجربہ تھا جس کا اس کی عقل اور منطق کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ بند دروازے میں سے گذرتے وقت سمیرا نے قدرتی طور پر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ دروازے سے ٹکرا نہ جائے مگر ایسا نہیں ہوا تھا جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اونچی چھت

والے لمبے ہال کمرے میں پایا جس کی اونچی اونچی کھڑکیوں پر مخمل و کمخواب کے چنٹ والے پردے گرے ہوئے تھے۔ درمیان میں لمبی بیضوی میز بچھی تھی۔ جس کے درمیان میں سنگ سبز کے ایک بہت بڑے گلدان میں سے گلاب کی بے شمار ٹہنیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ ان پر لگے گلاب کے پھول جو کبھی تر و تازہ ہوں گے مگر اب سوکھ کر سر جھکائے لٹک رہے تھے۔ میز کی سطح پر جیسے صدیوں کی گرد جمی تھی۔ کشادہ آتشدان میں لکڑی کے جلے ہوئے کندے وہیں پڑے پڑے راکھ اور مٹی میں تبدیل ہو چکے تھے۔ چھت پر شوخ رنگوں والی انسانی تصویریں بنی تھیں جن کے ساتھ کہیں کہیں جالے لٹک رہے تھے۔ چھت کے ساتھ جڑے ہوئے محرابی روشندانوں میں سے غروب آفتاب کی افسردہ سی روشنی اس صدیوں پرانے کمرے کی عبرتناک تاریکی کو اجالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ سمیرا کو ایک سرد بے جان ٹھنڈک کا احساس ہوا اسے کپکپی سی آ گئی۔ وہ یاقوت کے قریب ہوتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ”یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟“

یاقوت نے سرگوشی ایسی آواز میں کہا۔ ”تمہارے سوال کا جواب دینے کی مجھے اجازت نہیں ہے بہتر یہی ہے کہ تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ جتنا میرے اختیار میں ہے اتنا میں تمہیں بتاتا جاؤں گا اور تم خاموشی سے سنتی جانا۔ تمہارے دل میں بہت سے سوال پیدا ہوں گے مگر وہ اپنے دل کے اندر ہی رکھنا میں تمہیں صرف اتنا بتاؤں گا کہ یہاں کبھی صدیوں پہلے ان لوگوں کے قہقہے گونجا کرتے تھے جنہوں نے موت کے خیال کو لے و نغمہ اور رقص و سرور کی جھنکاروں میں بھلا دینے کی کوشش کی تھی۔ میرے ساتھ آؤ۔“

یاقوت سمیرا کو اپنے ساتھ لئے ایک نکیلی محراب والے دروازے سے نکل کر سنسان شہ نشین میں آ گیا۔ شہ نشین کی مرمریں جالیوں میں سے غروب آفتاب کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ یاقوت پراسرار آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”یہاں میں نے اپنی پہلی محبت کو پہلی بار دیکھا تھا اس کے شاہی لباس میں سے سائرینکا اور خرطوم کے سیاہ گلابوں کی خوشبو آ رہی تھی۔“

سمیرا کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ یاقوت سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ شاہی لباس والی

شہزادی کون تھی اور کیا وہ بھی اس سے محبت کرتی تھی؟ پھر اس کا انجام کیا ہوا؟ مگر یاقوت نے اسے سوال پوچھنے سے منع کر رکھا تھا۔ وہ دل میں اٹھنے والے سوالوں کو دل ہی میں دبائے خاموش رہی۔ یاقوت اس کا ہاتھ پکڑے شہ نشین سے ہوتا ہوا ویران محل کی راہ داری میں آ گیا۔ یہاں ایک بے جان قسم کی سرد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کا فرش کئی جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ گہری اداس تاریکی بارش کی پھوار کی طرح گرتی محسوس ہو رہی تھی۔ صرف وہی دھندلی روشنی تھی جو یاقوت کے آگے چل رہی تھی۔ یاقوت کہہ رہا تھا۔ "وہ شہزادی چاندنی راتوں کو مجھ سے ملنے اسی راہ داری سے ہو کر آیا کرتی تھی۔ اب میں تمہیں وہ جگہ دکھاتا ہوں جہاں میں اس کے پاس بیٹھ کر محبت کی جھوٹی قسمیں کھایا کرتا تھا کیونکہ مجھے اس سے محبت نہیں تھی۔ یہ میری پہلی محبت تھی اور اس کی ابتداء جھوٹ سے ہوئی۔"

سیما کو اپنے دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ کیا اس کے ساتھ بھی یاقوت کی محبت جھوٹی ہے؟ یاقوت نے گویا سیما کے دل کو پڑھ لیا تھا۔ وہ نیم تاریک راہ داری میں اس کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "تم اسے اپنے اوپر قیاس نہ کرنا۔ تمہیں آگے چل کر علم ہو جائے گا کہ تم سے سچی محبت کرنے تک مجھے کیسے کیسے عذابوں کی صدیوں سے گزرنا پڑا۔"

سیما کا ذہن' اس کے جذبات الجھ گئے۔ اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ و یاقوت اور اس کی محبت کے بارے میں کیا فیصلہ کرے اور جھوٹ کیا ہے اور سچ ک ہے۔

جہاں راہ داری ختم ہوئی وہاں پتھر کی تین چار سیڑھیاں نیچے ایک چھوٹے قدیم طرز کے باغیچے میں اترتی تھیں جب وہ یاقوت کے ساتھ اپنے بنگلے ویران کا میں داخل ہوئی تھی تو اس وقت دن کے نو دس بجے کا وقت ہو گا۔ لیکن یہاں سور غروب ہو گیا تھا یہ ویسا ہی پرانا باغیچہ تھا جیسا سولہویں صدی کے اطالوی کاؤنٹوں محلات میں ہوا کرتے تھے مگر یہ باغیچہ اجڑے ہوئے چمن کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ سے پھولے ہوئے اور اوپر سے مخروطی سائپرس کے درخت شام کے اولین اندھیر میں دیوزادوں کی طرح چپ چپ کھڑے تھے۔ باغ میں بچھے ہوئے سنگ مرمر کے کا

آدھے آدھے لمبی گھاس میں چھپ گئے تھے۔ ستونوں پر چڑھی ہوئی بیلیں اتنی گنجان ہو گئی تھیں کہ ستونوں کے اوپر کے حصے دکھائی نہ دیتے تھے۔ باغ کے پیچھے انگور کی بیلوں میں گھرا ہوا ایک چھوٹا سا کنج تھا جس کے پہلو میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ چشمے کے کنارے کنارے گلاب کی جھاڑیاں تھیں یاقوت کی آواز سنائی دی۔ "ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ اسی جگہ پہلی بار اس نے مجھے بتایا کہ اس کا باپ اس کی شادی ایک کاؤنٹ سے کر رہا ہے۔ وہ یہ طے کر کے آئی تھی کہ میرے ساتھ ملک اسپین کی طرف بھاگ جائے گی جو اس کے باپ کی عمل داری میں نہیں تھا اور اسی جگہ میں نے پہلی بار اس کے سامنے یہ اعتراف کیا تھا کہ میں اس سے ایسی محبت نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ اپنا شاہی محل اور اعلیٰ رتبہ چھوڑ کر بھاگ چلوں اسے یقیناً صدمہ پہنچا ہو گا۔ وہ بہت روئی بھی ہو گی مجھے اس کا علم نہیں کیونکہ میں اس اعتراف کے بعد وہاں سے اٹھ آیا تھا۔"

سائپرس درختوں کے پھیلے ہوئے سائے رات کے اندھیرے میں ڈھل رہے تھے۔ سیما کو آسمان پر ابھی تک کوئی ستارہ نظر نہیں آیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے کسی نے اسے جادو کی چھڑی سے پتھر بنا دیا ہے اور وہ مجبور ہو گئی ہے کہ نہ دیکھنے والی چیزیں دیکھے اور نہ سننے والی باتیں سنتی چلی جائے۔ یاقوت نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے یاقوت کے ہاتھ میں ٹھنڈک کی بجائے ایک پر سکون سی گرماہٹ محسوس ہوئی۔ وہ اسے لے کر باغ کے مشرق دروازے کی طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"ان درختوں نے آج سے صدیوں پہلے مجھے کئی بار شاہی محلات کی معصوم دل دوشیزاؤں کے ساتھ جھوٹی محبتوں کا کھیل رچاتے دیکھا ہے مگر اس میں میرا اپنا قصور نہیں تھا۔ میری پرورش ہی ایسی ماحول میں ہوئی تھی جہاں محبت یا محلاتی سازشوں اور شاہی ریشہ دوانیوں کی بھینٹ چڑھا دی جاتی تھی اور یا نیم روشن شہ نشینوں سے اتر کر تاریک راہ داریوں میں دم توڑ دیتی ہے۔ لیکن مجھ سے یہ گناہ ضرور سرزد ہوا کہ میں نے مخمل و کمخواب کے زر تار شاہی لباس کے پیچھے نازک سینوں کے اندر دھڑکتے ہوئے معصوم دلوں کی پاکیزہ محبتوں کو محسوس نہ کیا۔ مجھے ایسا ضرور کرنا چاہئے تھا مگر

میں ایسا نہ کر سکا۔ میری آنکھوں پر وقتی عشرت انگیزیوں کی پٹی بندھی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ میں دیکھ رہا ہوں اور جس راستے پر چل رہا ہوں وہی صحیح راستہ ہے لیکن جب میری آنکھوں پر سے پٹی کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں ایک ایسی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں جہاں سے جتنا باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں اتنا ہی اندر دھنستا چلا جا رہا ہوں۔ میں نے اپنی نجات کے لئے بڑی آہ و فریاد کی مگر وقت گزر چکا تھا۔ توبہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ میری خود غرضیوں اور باقی عشرت انگیزیوں کے بھاری پتھر میرے دونوں پاؤں کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے اور مجھے اونچی نیچی راہوں پر صدیوں کا سفر طے کرنا تھا۔"

باغیچے سے نکلنے کے بعد وہ ایک ایسی تنگ روش پر آ گئے جس کی دونوں جانب اونچے اونچے سرو کے درخت کھڑے تھے اور ان کے اوپر پہلی بار سمیرا کو آسمان پر دھندلے دھندلے سے تارے دکھائی دیئے۔ جیسے وہ خواب میں نظر آنے والے ستارے ہوں۔ یہاں مہندی کی جھاڑیوں کی بڑی تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ فضا ایسی تھی کہ جو کبھی دھیمی دھیمی گرم ہو جاتی اور کبھی ہوا کے کسی جھونکے کے ساتھ سرد ہو جاتی۔ یاقوت ایک فوارے کے پاس جا کر رک گیا۔ یہ فوارہ نہ جانے کب سے بند پڑا تھا۔ اس کے چھوٹے سے گول تالاب میں جھاڑ جھنکار اگ آیا تھا۔ سنگ مرمر کی سلیں کئی جگہوں سے غائب تھیں۔ یاقوت کا لہجہ اداس تھا۔ اس نے کہا۔ "ازابیلا سلامینی نے اسی جگہ زہر پی کر خودکشی کی تھی۔ مرنے کے لئے یہ جگہ اس نے اس لئے پسند کی تھی کیونکہ ہم چاندنی راتوں میں اسی فوارے کے پاس بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ ازابیلا سلامینی ایک ہسپانوی قرطاجنہ کے ایک غلام کی بیٹی اور اس قلعے اور شاہی محل کے کاؤنٹ کی چہیتی کنیز تھی مگر وہ مجھے چاہتی تھی۔ کاؤنٹ کو اس کا علم ہو گیا وہ میرے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتا تھا۔ سلامینی کو قتل کروانے میں بھی اس کی سبکی کا پہلو نکلتا تھا۔ سلامیتی کو ایک خاص عورت کے ہاتھ زہر کی شیشی بھجوائی اور یہ پیغام پہنچایا کہ اس کے سامنے اب ایک ہی راستہ ہے کہ وہ یہ زہر پی کر خودکشی کر لے۔ سلامینی نے اپنے لئے اس سزا کو ہنس کر قبول کر لیا۔ اس نے زہر لانے والی خاتون سے کہا کہ صبح میری لاش پائیں باغ کے آخری فوارے پر پڑی تمہیں مل جائے گی۔ اس رات سلامینی نے اسی فوارے پر مجھ سے آخری ملاقات کی۔ اس رات سلامینی کے چہرے پر ایک عجیب روشنی تھی۔ اس سے پہلے وہ کئی بار مجھ سے وہاں سے فرار ہو کر کسی دوسرے ملک میں جا کر شادی کر لینے کا کہہ چکی تھی لیکن میں نے ہر بار اسے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ میں اس کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ وہ میرے ساتھ کتنی مخلص تھی اور میری محبت میں وہ کس قدر بلند مقام پر پہنچ چکی تھی اس کا اندازہ مجھے اس کی خودکشی کے بعد ہوا۔ اس رات میں بڑی جلدی سلامینی سے جدا ہو گیا کیونکہ مجھے نیند آ رہی تھی۔ سلامینی زیادہ سے زیادہ وقت میرے پاس گزارنا چاہتی تھی۔ اس کی زندگی کے صرف چند گھنٹے ہی باقی رہ گئے تھے مگر میں نے خودغرضی سے کام لیا اور جلدی اٹھ کر چلا گیا۔ مجھے اس معصوم دل پاکباز قرطاجنی لڑکی کا آخری بار دیکھا ہوا چہرہ نہیں بھولتا۔ ایسا نور میں نے کبھی کسی لڑکی کے چہرے پر جھلکتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ میرے جانے کے بعد اسی فوارے کی منڈیر پر اس نے زہر پی کر خودکشی کر لی۔ دوسرے دن اس کی لاش اسی جگہ ملی۔ وہ آدھی فوارے کے تالاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔۔۔۔۔" یاقوت ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "اس لڑکی کی موت نے میری زندگی کا رخ پلٹ کر رکھ دیا۔ اس کی موت نے مجھے میرے گناہوں' میری خود غرضیوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ میں نے دیکھا کہ میں گناہوں کی دلدل میں مزید نیچے اتر گیا ہوں۔ میری زندگی میں پہلی بار ایک زبردست انقلاب رونما ہوا اور میں نے غیرفانی معصوم محبت کے نور کو کائنات کی وسعتوں میں پھیلا دیکھا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ محبت میں میری زندگی کا پہلا گداز' پہلی رقت تھی جو مجھ پر طاری ہوئی۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں سلامینی کی قبر پر لئے چلتا ہوں۔"

معصوم قرطاجنی کنیز کی قبر انتہائی شکستہ حالت میں باغ کے پیچھے شاہی قبرستان کے ایک کونے میں موجود تھی۔ اس کا سنگین چبوترہ ایک طرف کو جھک کر آدھا زمین کے اندر دھنس چکا تھا۔ قبر کے اوپر زیتون کی جھاڑیوں نے سایہ کر رکھا تھا۔ سمیرا کے دل پر سلامینی کے جذبہ محبت کا گہرا اثر ہوا تھا وہ یاقوت کو اس کی موت کا ذمہ دار سمجھتی تھی مگر وہ خود بھی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی کیونکہ وہ خود بھی یاقوت سے ایسا بے غرض اور معصوم پیار کرنے لگی تھی سلامینی کی قبر کو دیکھ کر سمیرا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یاقوت کہہ رہا تھا۔

"سلامینی کی موت کے بعد ایک عجیب انقلاب یہ بھی آیا کہ شاہی محل کی خواتین نے مجھے اپنی مجلس میں بلانا ترک کر دیا حالانکہ میں خوبصورت تھا اور میرا تعلق شاہی خاندان سے تھا مگر کوئی عورت مجھے منہ نہ لگاتی محل کے اندر یا محل کے باغات میں جہاں چار لڑکیاں باتیں کر رہی ہوتیں اور میں ان کے قریب جاتا تو وہ تیزی سے ادھر ادھر ہو جاتیں میری زندگی بدل گئی تھی' خیالات بدل گئے تھے' میں سچی محبت کی تلاش میں تھا اور اب مجھے کہیں سے جھوٹی محبت کی بھیک بھی نہیں مل رہی تھی۔ میرے ایسے مطلبی اور خود غرض انسان کا یہی انجام ہونا چاہئے تھا میں نے اپنے ایک ایک گناہ کا اقرار کر لیا اور سچی محبت کی تلاش میں اس محل سے نکل کھڑا ہوا۔ جانے کن کن ملکوں کی خاک چھانتا پھرا مگر جس شے کی مجھے تلاش تھی' جس شے کی تلاش میں میں سرگرداں تھا وہ مجھے کہیں نہ ملی پھر میرے ساتھ وہ واقعہ پیش آگیا جو اس دنیا

میں پیدا ہونے والے ہر انسان کو پیش آتا ہے۔ یعنی میری موت واقع ہو گئی میں ملک روم سے ملک چین کی جانب ایک بادبانی جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ سمندر میں خوفناک طوفان آگیا۔ پہاڑ جیسی موجیں جہاز کو کھلونے کی طرح اچھالنے لگیں' مسافروں میں افراتفری مچ گئی دیکھتے دیکھتے جہاز کو بھیانک موجوں نے نگل لیا۔ سارے کے سارے مسافر ڈوب کر مر گئے میں بھی مر گیا پھر اچانک ایسا ہوا کہ میں اپنی لاش کے جسم میں سے باہر نکل آیا دو مضبوط ہاتھوں نے میرے بازوؤں کو جکڑ رکھا تھا وہ مجھے سمندر کی تہہ میں سے نکال کر اوپر لے آئے میں جیسے ہوا میں اڑا چلا جا رہا تھا۔

ہوا اتنی تیز تھی کہ میری آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں پھر ان مضبوط ہاتھوں نے مجھے ایک جگہ پھینک دیا' میں کتنی دیر تک نیم گرم ریت پر پڑا رہا جب ذرا ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے سیدھے ہاتھ کی جانب اونچے ٹیلے پر سرسبز شاداب درخت' ہوا میں جھوم رہے تھے اور ان کی طرف سے کسی وقت ٹھنڈی ہوا کا خوشبودار جھونکا میرے جسم کو چھو کر گزر جاتا ہے میری بائیں جانب بھی ریت کے ٹیلے ہیں جن پر سوکھے ہوئے درخت کھڑے ہیں اور اسی طرف سے کسی وقت گرم ہوا کا جھونکا آکر میرے جسم کو جھلسا دیتا ہے گویا میں جنت اور دوزخ کے درمیان میں پڑا تھا میں نے سرسبز درختوں والے ٹیلے پر چڑھنے کی بہت کوشش کی مگر ہر بار پھسل کر نیچے گر پڑتا اس وقت میرے کانوں میں ایک آواز آئی جس نے کہا جب تک تم اپنے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کر لیتے تم ان سرسبز درختوں کے پاس نہیں جا سکو گے تمہارے گناہوں کا بوجھ تمہیں ہر بار نیچے گرا دے گا تم نے معصوم محبتوں کو زخم لگائے ہیں جاؤ ـــــ اس معصوم محبت کو تلاش کرو جس کے پاکیزہ دامن کی معطر ہوا تمہارے گناہوں کے نشان مٹا سکے جس کے نورانی چشمے میں اتر کر تم اپنے گناہوں کے داغ دھو سکو اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہ رہا اور میں جیسے بے ہوش ہو گیا جب مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں ایک قافلے میں شامل ہوں اور یہ قافلہ ویران صحرائی ٹیلوں میں سفر کر رہا ہے یوں میرا بھی وہ مسلسل اور انتھک سفر شروع ہو گیا جس کی مسافتیں صدیوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

میں دیکھنے میں عام انسانوں کی مانند تھا مگر عام انسان میں اور مجھ میں زمین

اسمان کا فرق بھی تھا عام انسانوں پر وقت اور موسموں کا اثر ہوتا تھا' وہ بیمار ہوتے تھے' بوڑھے ہوتے تھے اور ایک دن مرجاتے تھے مگر مجھ پر نہ وقت کا کوئی اثر تھا اور نہ عمر کا کوئی اثر ہوتا تھا' نہ موسموں کی شدت مجھے پریشان کرتی تھی' مجھ پر بیماری کا ملہ بھی نہیں ہوتا تھا' مجھے بھوک پیاس بھی نہیں لگتی تھی لیکن میں عام انسانوں کی طرح کھانا کھا پی بھی لیتا تھا میں جوانی کی عمر میں مرا تھا اور اسی طرح جوان کا جوان تھا اس وجہ سے مجھے یہ پریشانی ضرور لاحق تھی کہ مجھے ہر دس پندرہ سال کے بعد ملک یا شہر بدلنا پڑتا تھا کیونکہ میرے ساتھی اس دوران بوڑھے ہونے لگتے تھے جبکہ مجھ میں ذرا بھی فرق نہیں پڑتا تھا اپنے ہمیشہ جوان رہنے کے راز کو راز رکھنے کی خاطر مجھے وہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جانا پڑتا تھا یہ زندگی میرے لئے ایک بوجھ بھی بن گئی تھی مجھے لگتا کہ میں انسان نہیں ہوں لکڑی کا ایک شہتیر ہوں جو بے حس و حرکت پڑا ہے اور سمندر کی لہریں اسے ایک ملک کے ساحل سے دوسرے ملک کے ساحل کی طرف بہائے لئے پھرتی ہیں مگر یہ ایک طرح سے مجھے میرے گناہوں کی سزا ملی تھی قدرت مجھے یہ بتانا چاہتی تھی کہ دنیا میں سچی اور بے غرض' پاکیزہ محبت ہی وہ جذبہ ہے جس سے اس کائنات کی تعمیر کا عمل جاری و ساری ہے۔

کبھی کبھی میں خدا کا شکر بھی ادا کرتا تھا کہ مجھ سے سوائے اس کے کہ میں محبت کے معصوم اور پاک جذبے کی قدر نہیں کی' اور کوئی گناہ سرد نہیں ہوا تھا اور جانے مجھے اس کی پاداش میں کتنی اذیت ناک سزا بھگتنی پڑتی کیونکہ عارضی طور پر سہی مگر مرنے کے بعد مجھ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی تھی کہ یہ دنیا مکافات عمل جہان ہے یہاں ہم جو بھی عمل کرتے ہیں آگے چل کر اور کبھی کبھی اس دنیا میں ہمیں اس کی جزا و سزا ضرور مل کر رہتی ہے اچھے نیک عمل کی جزا کا حق بھی ضرور ملتا ہے اور برے عمل کی سزا سے بھی ہم نہیں بچ سکتے۔ میرا سفر اتنی طو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے کہ میں تمہیں اگر اس کی پوری تفصیل سنانے بیٹھوں تو میں بھی کئی صدیاں لگ جائیں میں نے ایک ایک ملک میں کئی کئی بادشاہوں کے حکومت دیکھے' ہزاروں انقلابات دیکھے' سینکڑوں حملہ آوروں کو شہروں میں لوگوں کا عام کرتے اور آبادیوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بناتے دیکھا' میں کہیں کسی بادشاہ کا

س بنا' کہیں کسی جنگجو سردار کا دست راست بن کر رہا' کسی بادشاہ کے عہد حکومت تجارت کا پیشہ بھی اختیار کرنا پڑا اور کبھی ازمنہ وسطیٰ کے یورپ کے کسی کاؤنٹ محل میں بطور خادم خاص کے طور پر بھی کچھ وقت گزارنا پڑا۔

اسی دورن میں نے اپنی نجات کے واسطے اپنی سچی اور بے غرض محبت کی تلاش جاری رکھی حالانکہ سچی محبتوں سے انسانی تاریخ کا کوئی دور بھی خالی نہیں رہا مگر ید قدرت کو میرا طویل امتحان درکار تھا کیونکہ میرے مردانہ حسن و جمال کے باوجود ئی بھی مجھے اتنی اہمیت نہیں دیتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگے یہ بات میرے ے کسی اذیت اور عذاب سے کم نہیں تھی میں دلیر تھا' خوبصورت تھا' جوان تھا اور حب حیثیت بھی ہوتا تھا مگر کسی عورت نے کبھی مجھے اس سے زیادہ اہمیت نہیں دی کہ تھوڑی سی رسمی بات چیت کی اور پھر کسی دوسرے نوجوان یا اپنے کسی رشتہ ر کی طرف متوجہ ہو گئی کبھی کبھی جذبات میں آ کر میرا بے اختیار دل چاہنے لگتا کہ نیک دل خواتین سے چیخ چیخ کر کہوں کہ مجھ سے محبت کرو----- خدا کے لئے مجھ سے محبت کرو----- سچی اور پاکیزہ محبت کرو----- میں تمہاری بے غرض مخلص ت کی راہ میں اپنی جان بھی قربان کر سکتا ہوں مگر میں ایسا بھی نہیں کر سکتا تھا لوگ ے پاگل سمجھ کر مجھ سے دور بھاگ جاتے' عورتیں تو پھر مجھے اپنے قریب بھی نہیں لنے دیتیں میرا وفا شعار پاکباز لافانی محبت کی تلاش کا سفر جاری رہا میں نے پھولوں لے شہر فلارنس کی ایک گلی میں عظیم شاعر دانتے کو اپنے مکان سے نکل کر اپنی حانی محبوبہ بیاترچے کے مکان کی طرف جاتے دیکھا اور میں نے بیاترچے کو دیکھا کہ ں کا دلکش نورانی حسن دانتے کے واسطے اعلیٰ ترین روحانی جمال کی علامت بن گیا تھا آسمان سے انوار محبت برساتا ہے میں نے اسے سہیلیوں کے ساتھ سفید کپڑوں میں س باغ میں سے نکلتے دیکھا نور کی روشنی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی مجھے اسی ر کی جستجو تھی مگر بیاترچے نوعمری میں ہی مر گئی پھر میں نے دانتے کو جلا وطنی میں عظیم کتاب ڈیوائن کامیڈی لکھتے ہوئے بھی دیکھا اور میرا سفر جاری رہا میں نے ت کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے والوں کے مقبروں پر ہزاروں راتیں گزاریں۔

جس وادی پرخار میں سے بھی کسی سچی محبت کرنے والے کا کبھی گزر ہوا تھا میں

نے اس وادی کو اپنا مسکن بنا لیا اس خیال سے اس امید پر کہ شاید اس محبت کر
والی روح کا دوبارہ بھی کبھی ادھر سے گزر ہو میں نے ان گنت خطرناک جنگلوں میں
کیا، کئی ملکوں کے شہروں میں قیام کیا، سمرقند و بخارا کے پراسرار چائے خانوں میں
دل بوڑھے داستان گوؤں کے پاس بیٹھ کر دارا و سکندر کی داستانیں سنیں، مشہ
خراسان کے محرابی دروازوں والے گلی کوچوں کی سیاحت کی مگر جس گوہر تابدار کی
تلاش تھی، وہ مجھے کہیں نہ ملا کسی کی صورت میں قرطاجنہ کی سلامی کی صورت نظ
آئی اگر مجھے نیند نہیں آ جاتی تو شاید خواب میں ہی اس کی شکل دیکھنی نصیب ہو،
مگر نیند بھی میری قسمت میں نہیں تھی، میرے اختیار میں نہیں تھی۔"

یاقوت جیسے خواب کی حالت میں اپنی آپ بیتی بیان کر رہا تھا سمیرا کو بھی
اس کی پراسرار داستانوں کے طلسم نے اپنے حصار میں لے لیا تھا وقت گویا ایک
تھم گیا تھا سمیرا کو تھکن کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا یاقوت اس کے پہلو
سنگ مرمر کی سل پر بیٹھا تھا مگر اس کی آواز سمیرا کو کسی دوسری دنیا سے آتی
محسوس ہو رہی تھی یاقوت کہہ رہا تھا۔ "صدیوں کے اس سفر میں میرا دوسری
اٹھارویں صدی کے وینس شہر سے گزر ہوا تو میں ایک سوداگر کے روپ میں تھا۔
اس شہر کی گلیوں میں نہروں کی شکل میں بہتا تھا لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر گھروں
نکلتے یہاں ایک عرصے کے بعد میں نے نور کی ایک کرن کو دیکھا یہ کرن ایک سیاہ
خاتون کی شکل میں تھی جو شروع رات کی دھندلی روشنیوں میں اپنی خادمہ کے
کلیسا کی طرف جا رہی تھی انگور کی بیلوں والی نیم روشن گلی میں سے گزرتے ہوئے
نے اسے دیکھا اور وہیں ٹھٹھک کر رک گیا اس خاتون کا سفید چہرہ سیاہ چادر میں
کی طرح لگ رہا تھا اس نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور خادمہ کے ساتھ آگے نکل
مجھے محسوس ہوا کہ جس گوہر نایاب کی مجھے تلاش تھی، وہ مجھے مل گیا جب تک وہ
کے اندر ہی میں باہر انجیر کی جھاڑیوں کے پاس اس کا انتظار کرتا رہا جب وہ کلیسا
نکلنے کے بعد خادمہ کے ساتھ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو اس نے ایک با
گردن موڑ کر میری جانب دیکھا مجھے ایسے لگا جیسے وہ ذرا سا مسکرائی ہو وہ شہر کے
امیر تاجر کی اکلوتی بیٹی تھی۔ میرے پاس دولت کا کوئی شمار ہی نہیں تھا میں زم

میں مدفون خزانے بھی نکال کر اسے دے سکتا تھا صدیوں بعد بلکہ سلامی کے بعد
خاتون تھی جس نے میری طرف الفت کے ساتھ مسکرا کر دیکھا تھا میں نے اس
زموں میں لعل و جواہر کے ڈھیر لگا دیئے میں اس سے صرف حقیقی، بے غرض اور
ث محبت کا طالب تھا مگر وہ میری دولت پر فدا ہو گئی تھی یہاں بھی میں محبت کی
ہار گیا تھا۔

وہ مجھ سے شادی کر کے ہمیشہ کے واسطے میری ساری دولت کو سمیٹ لینا چاہتی
و حقیقت میں میری نہیں تھی بلکہ میں اسے بادشاہوں اور مرچکے بحری قذاقوں
فن شدہ خزانوں میں سے نکال نکال کر اسے دے رہا تھا اس کے باپ نے اپنی
ے میری شادی کی تاریخ مقرر کر دی روشنی کی یہ کرن بھی اندھیروں میں ڈوب گئی
نجات کا یہ دروازہ بھی بند ہو گیا اس خاتون کا طرز عمل دنیاوی ضابطوں کے عین
ن تھا لیکن میں اس دنیا کا آدمی نہیں رہا تھا میرے عارضی طور پر حاصل کئے گئے
ر روح کی تمام تر لطافتیں غالب تھیں۔

میں جس دنیا کا مسافر تھا اس دنیا میں جسم کا گزر نہیں تھا۔ وہ اتنی لطیف دنیا
لہ تمہاری دنیا کے پھولوں کی خوشبوئیں بھی وہاں داخل نہیں ہو سکتیں وہاں صرف
غرض سچی محبت کا نور ہی ہمیں اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ میں نے آخری بار
خاتون کے دل میں محبت کے حقیقی نور کو بیدار کرنے کی کوشش کی مگر سونے اور
رات کی چمک نے آسمانی بجلی بن کر اس کے دل کے نور کو زائل کر دیا تھا۔ میں
اپنی ساری دولت اس خاتون کی حویلی میں چھوڑی اور ایک بار پھر اپنے کبھی نہ ختم
نے والے سفر پر نکل پڑا جو مجھے اب بے مقصد نظر آنے لگا تھا۔

میں اٹھارویں صدی سے نکل کر انیسویں اور پھر بیسویں صدی میں داخل ہو
گا تمہیں شاید یہ سن کر حیرانی ہو کہ اب میں اس طویل ترین خانہ بدوشی سے تنگ
تھا اور دل میں ایک ہی خواہش باقی رہ گئی تھی کہ کسی پر فضا مقام پر کچھ عرصے
ثی اور سکون کے ساتھ گزار دوں میں اس وادی میں سے گزر رہا تھا کہ مجھے
ا یہ پہاڑی مکان بڑا اچھا اور پرسکون لگا اس وقت یہ مکان خالی پڑا تھا میں نے
کے عقبی باغیچے میں واقع خالی اور ویران کاٹیج میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا اس دوران کئی

لوگ اس مکان کو خریدنے اور اس میں رہائش اختیار کرنے کا ارادہ لے کر آ
میں نے انہیں بھگا دیا لوگوں نے مشہور کر دیا کہ اس مکان میں آسیب رہتا
ایک روز میں نے تمہیں دیکھا تم اپنی ملازمہ نوری اور نوکر سلیمان کے ساتھ یہ
دیکھنے آئی تھیں اب میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جو میں نے آج تک تمہیں نہیں
تھی جس وقت تم اس خالی پہاڑی بنگلے میں داخل ہوئی تھیں تو میں لیموں کے د
کے پاس کھڑا تھا تم مجھے نہیں دیکھ سکتی تھیں کیونکہ میں تمہیں نظر نہیں آ سکا
میں نے تمہیں دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا مجھے ایسے لگا جیسے قرطاجنہ کی وہ نیک دل
لڑکی جس نے اپنی جان دے کر مجھے محبت کے روحانی مقامات سے آشنا کر دیا تھا
بار پھر زندہ ہو کر میرے سامنے آ گئی ہے ہاں سمیرا ـــــ تمہاری شکل میں
سے بڑی ملتی ہے میں سمجھ گیا کہ قدرت نے میری نجات کا ذریعہ میرے پاس
ہے اس نے میرے گناہوں کے کفارے کے واسطے صدیوں کے طویل اور صبر آز
کے بعد مجھے محبت کے گوہر نایاب سے ملا دیا ہے مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں
کہ میں تم سے بے پناہ محبت کرنے لگا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ محبت ہی میری
کا ذریعہ تھی اور ہے میں تو صدیوں سے تمہیں چاہتا آیا تھا۔"

یاقوت ایک پل کے لئے خاموش ہو گیا۔ سمیرا کے دل و دماغ پر ایک
انگیز روحانی کیفیت طاری تھی یاقوت نے کہا۔ "میں نے آہستہ آہستہ کئی جانور
تمہارے قریب آنے' تمہارے ساتھ ربط بڑھانے کی کوششیں شروع کر دیں او
ایک روز اپنی اصلی شکل و صورت میں اپنے اس انسانی جسم کے ساتھ تمہارے
آ گیا اس کے بعد جو کچھ بھی اب تک ہوا' اس سے تم پوری طرح باخبر ہو۔"

یاقوت خاموش ہو گیا۔ سمیرا کو محسوس ہوا جیسے اس خواب آلود ویران محل
باغ کی ہر شے اس سے باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئی تھی۔ یاقوت
مرمر کے چبوترے پر سے سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اٹھا اور بولا۔ "
بارے میں مجھے قدرت کی طرف سے جس قدر بتانے کی اجازت تھی' میں نے تمہ
دیا ہے میرے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے تم جو چاہو فیص
سکتی ہو لیکن ایک بات کبھی فراموش نہ کرنا وہ یہ کہ تمہاری شکل میں مجھے اپنی

ئی گم شدہ محبت واپس مل گئی ہے ــــ آؤ اب تمہاری دنیا میں واپس چلتے ہیں۔"

وہ جن راستوں سے خوابوں کے اس ویران محل کے باغوں اور راہ داریوں اور
نشینوں میں آئے تھے' ان ہی راستوں سے گزرتے ہوئے واپس روانہ ہوئے سمیرا
ے نیند کے عالم میں چل رہی تھی ویران محل کے گرد آلود تاریک ہال کمرے سے
تے ہی سامنے وہی محرابی دروازہ آ گیا جس میں سے گزر کر وہ اس عجیب و غریب دنیا
ں داخل ہوئے تھے دروازہ اسی طرح بند تھا سمیرا قدرتی طور پر رک گئی یاقوت نے
ں کا ہاتھ تھام لیا۔ "ہم بند دروازے میں سے گزر جائیں گے۔" اور وہ بند
روازے میں سے گزر گئے۔ جب سمیرا ویران کاٹیج سے باہر حقیقت کی روشن روشن
یا میں واپس آئی تو دھوپ نکلی ہوئی تھی جبکہ کاٹیج کے اندر رات تھی اور آسمان پر
رے نکلے ہوئے تھے سمیرا نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا اس پر دن کے پونے دس
رہے تھے۔ یہ وہ ٹائم تھا جب وہ یاقوت کے ساتھ کاٹیج میں داخل ہوئی تھی گویا ایک
یکنڈ سے بھی کم مدت میں اس نے کاٹیج کے خواب انگیز قلعے میں پوری ایک شام اور
دھی سے زیادہ رات گزار دی تھی۔

ویران کاٹیج سے نکل آنے کے بعد سمیرا اپنے دل میں یوں محسوس کر رہی تھی
ے اسے نئی زندگی مل گئی ہو جیسے کسی نے اسے تابوت سے باہر نکال دیا ہو۔ باغ
ں ان کی خوبصورت زندگی کی حرارت سے بھرپور روشنی پھیلی ہوئی تھی کھلی روشن فضا
ں لیموں کے پتوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی سمیرا کو اس بات کا شدت سے احساس ہوا
کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں جو زندگی عطا کی ہے وہ بے حد قیمتی اور انمول ہے
ور انسان پر لازم ہے کہ وہ درست سوچ' انسانی ہمدردیوں اور نیک اعمال سے اسے
یادہ سے زیادہ خوبصورت بنائے۔ یاقوت نے باہر نکلتے ہی سگار سلگا لیا تھا وہ ایک ہاتھ
لون کی جیب میں ڈالے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا سمیرا کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا کچن
ں سے نوری باہر آئی اور اس نے آواز دی۔ "بیگم جی! کافی بنا لاؤں؟" اس سے پہلے
کہ سمیرا کوئی جواب دیتی یاقوت نے ہاتھ کے اشارے سے نوری کو کافی بنانے سے منع
یا وہ بنگلے کے مین گیٹ کے پاس آ کر رک گئی۔ سمیرا نے اپنا چہرہ اٹھا کر اس کی طرف
یکھا وہ اسے کسی پر اسرار سیارے کی مخلوق لگا جو اپنے سیارے سے جلا وطن ہو کر

اس دنیا میں آگیا ہو۔ سمیرا نے ایک نظر اپنے دل کی گہرائیوں میں جھانک
وہاں یاقوت کی محبت میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تھی یاقوت نے اپنی اسپورٹس
دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میری زندگی کے سب سے
راز کو صرف اپنے تک ہی رکھو گی میں پھر آؤں گا۔"

یاقوت اسپورٹس کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔

سمیرا نے گیٹ بند کیا اور ست قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف
برآمدے میں بید کی میز کرسی لگی تھی نوری کچن سے نکل کر اس کے پاس آگئی
خوش نظر آرہی تھی کہنے لگی۔

"بیگم جی! میں دوپہر کے واسطے زردہ بھی بنا رہی ہوں۔ آپ نے کہا
نتاشا باجی بھی آرہی ہیں۔"

سمیرا نوری کو دیکھ رہی تھی مگر اپنے خیالوں میں گم تھی۔ پھر کچھ چونک
"کیا کہا تم نے؟" نوری نے ہنستے ہوئے اپنی بات دہرا دی۔ سمیرا نے ذرا سا
کہا۔

"ہاں نتاشا شاید شام کو آئے وہ ہفتہ اتوار کی رات میرے پاس ہی
رات کو کچھ اور بھی بنا لینا۔"

"اباجی سے میں نے کہہ دیا ہے وہ کوفتوں کے لئے ابھی سے قیمہ تیار
ہیں۔" نوری نے کہا۔ سمیرا مسکرا دی۔ وہ پھر بولی۔ "کافی لاؤں بی بی جی؟"

سمیرا نے اثبات میں سرہلایا تو نوری بڑی خوش خوش کچن کی طرف چلی
ایک عجیب و غریب ذہنی اور جسمانی تجربے سے گزر رہی تھی وہ اپنے آپ کو
کی کوشش کر رہی تھی۔ یاقوت نے بھی اسی واسطے سمیرا کو تنہا چھوڑ دیا تھا
موقع اور وقت دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے جس حیرت انگیز تجربے سے
ہے اسے ہضم کر سکے۔ تیسرے پہر تک سمیرا پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری
بار اس کی نظر بنگلے کے عقبی ویران کاٹیج کی طرف اٹھ گئی اس کے جسم
سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ کاٹیج کے قریب جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔

شام کو نتاشا آگئی دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے مل کر بہت

و تو یوں لگا جیسے اس کے دل پر سے کوئی بوجھ ہٹ گیا ہو۔ نتاشا نے آتے ہی
رت کے انداز میں پوچھا۔ "تمہارے شہزادے کا کیا حال ہے۔۔۔۔؟"

سمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔۔۔۔ یاقوت صبح آیا تھا پھولوں کا گلدستہ
لایا تھا۔"

نتاشا نے شوخی سے کہا۔ "وہ تو تم پر مرمٹا ہے۔ سمیرا یہ بتاؤ تمہارا کیا حال
؟" اور وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ سمیرا بھی ہنس دی۔ وہ چائے بناتے ہوئے
شا کی والدہ کی خیریت وغیرہ پوچھنے لگی سمیرا کا دل بے اختیار چاہ رہا تھا کہ وہ یاقوت
بارے میں اور صبح وہ جس پراسرار حالت سے گزری تھی اس کے بارے میں نتاشا
سب کچھ بتا دے۔ وہ اسے بتا دے کہ یاقوت عام انسانوں سے مختلف ہے وہ اس
ا کا نہیں ہے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ یاقوت نے اسے یہ راز کسی کو بتانے سے
ع کیا ہوا تھا اور وہ یاقوت کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔
رحال نتاشا کے آجانے سے سمیرا کا جی بہل گیا تھا رات کا کھانا کھانے کے بعد دونوں
یلیاں دیر تک وی سی آر پر فلمیں دیکھتی رہیں دوسرے دن وہ دیر تک سوتی
ہیں۔ اتوار کا دن بھی ہنسی خوشی سیر و تفریح میں گزر گیا۔

سمیرا کے دل میں یہ خیال برابر آتا رہا کہ شاید یاقوت اس سے ملنے آجائے مگر
ہ نہ آیا۔ نتاشا نے سمیرا سے کہا۔ "ڈیڈی اور بھیا کراچی گئے ہوئے ہیں میں اور امی
ھر میں اکیلی ہوتی ہوں تم دو ایک دن کے لئے میرے پاس شہر آجاؤ بڑا مزا رہے گا۔
ہیں آفس سے چھٹی لے لوں گی۔" سمیرا کا بھی جی چاہتا تھا کہ کچھ وقت کے لئے شہر جا
کر سیر و تفریح کرے پھر اسے یاقوت کا خیال آگیا پہلے وہ آگیا تو۔۔۔۔ نتاشا نے
جیسے سمیرا کے دل کی بات پالی تھی ہنس کر کہنے لگی۔ "تم چاہو تو یاقوت کو بھی اپنے
ساتھ لے آنا میں امی سے کہہ دوں گی کہ تم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہو اور
بہت جلد شادی کرنے والے ہو۔"

سمیرا کچھ کہنے والی تھی کہ نتاشا نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔ "بس اب میں
آگے کچھ نہیں سنوں گی تمہیں کل کا دن دے رہی ہوں پرسوں تم یاقوت کے ساتھ
ہمارے پاس آجانا اگر اس دوران وہ تمہیں نہ ملا تو تم سلیمان چچا کے ساتھ آجانا۔

میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

سمیرا کو بھی یہ پروگرام پسند آیا تھا اس نے ہامی بھرلی۔

شام ہونے سے پہلے پہلے نتاشا واپس شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اسے پیر دن اپنے بینک میں ڈیوٹی پر حاضر ہونا تھا۔ اب سمیرا کو یاقوت کا انتظار شروع ہو گیا دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ یاقوت آ جائے وہ اس کے ساتھ شہر جانا چاہتی تھی یاقوت کو جیسے اس کے دل کا حالات اپنے آپ معلوم ہو گیا تھا پیر کی سہ پہر کو وہ اسپورٹس کار میں سمیرا کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ سمیرا بہت خوش ہوئی یاقوت کو اب سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں رہی تھی اس نے سمیرا کو بتایا کہ اسے پتہ گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ نتاشا کے ہاں جانا چاہتی ہے۔ سمیرا کے چہرے پر جا سرخی دوڑ گئی اس کا مطلب تھا کہ یاقوت تو اس کے دل کی ساری باتیں جان لیتا جب اس نے اندیشے کا اظہار کیا تو یاقوت بولا۔ "میں تمہارے دل کا حال نہیں بیا سکتا صرف جب تم مجھے یاد کرتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔"

سمیرا نے اطمینان کا سانس لیا پھر جب وہ یاقوت کو بتانے لگی کہ نتاشا نے دونوں کو آج شام کھانے پر بلایا ہے اور انہیں شہر جانا ہے تو یاقوت نے اس کی با کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے یاد کرنے سے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا اگر تم چاہتی ہو تو یہ م لئے خوشی کی بات ہے کہو کس وقت شہر چلنا ہے؟"

سمیرا نے کہا۔ "شام ہونے والی ہے ابھی مجھے تیار بھی ہونا ہے ابھی نکل ہیں تم میرے کمرے میں بیٹھو میں بڑی جلدی تیار ہو جاؤں گی۔"

یاقوت بولا۔ "میں باغ میں بیٹھتا ہوں تم تیار ہو جاؤ۔" یاقوت باغیچے میں کرسی پر بیٹھ گیا موسم سرما کی آمد تھی شام کو فضا میں خنکی بڑھ جاتی تھی اور را اچھی خاصی ٹھنڈ ہونے لگی تھی۔ شہر میں موسم ابھی خوشگوار تھا اسی لئے سمیرا نے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ صرف راستے میں سردی سے بچنے کے لئے اس نے اونی پہن لی تھی اس کا ارادہ نتاشا کے ہاں دو تین روز رہنے کا تھا چنانچہ اس نے اپ کپڑے اور ضروری چیزیں بیگ میں رکھ لی تھیں یاقوت پنک کلر کا سر سوٹ

وئے تھا اسے نہ تو سردی لگتی تھی نہ گرمی۔ مگر دنیا والوں کی خاطر وہ سردیوں میں گرم سوٹ پہن لیا کرتا۔ سمیرا نے چچا سلیمان اور نوری کو ضروری ہدایات دیں اور یاقوت کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ یاقوت خود کار ڈرائیو کر رہا تھا سمیرا اس کے پہلو میں بیٹھی تھی یاقوت کے لباس میں سے اسے وہی پراسرار خوشبو آ رہی تھی جو پہلی بار اس نے لیموں کی جھاڑیوں کے پاس چائے بناتے ہوئے محسوس کی تھی وہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی پہلے اسے شک تھا مگر اب یقین ہو چکا تھا کہ یاقوت ایک ہوائی مخلوق ہے وہ اس دنیا کا آدمی نہیں ہے لیکن ہو بہو اسی دنیا کے آدمیوں جیسا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے محبت کا احساس سب سے ارفع اور اعلیٰ احساس تھا۔ سمیرا کو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہئے تھا یاقوت واقعی کسی شہزادے کی طرح خوبصورت اور بہادر تھا لیکن اس محبت کا انجام کیا ہو گا؟ یاقوت تو ہمیشہ اسی طرح خوبصورت اور نوجوان رہے گا مگر وہ وقت کے ساتھ ساتھ بوڑھی ہوتی چلی جائے گی۔ کیا یاقوت پھر بھی اس سے اسی طرح پیار کرے گا؟ کیا وہ بڑھاپے میں اپنی نوجوان بت سے آنکھیں چار کر سکے گی؟ سمیرا پریشان ہو گئی اس نے ان خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگی۔ گاڑی قصبے سے گزر جانے کے بعد شہر کو جاتی ہائی وے پر چڑھ گئی تھی۔

جب وہ شہر میں پہنچے تو رات ہو گئی تھی اور شہر بجلی کی روشنیوں میں جگمگا رہا تھا۔ نتاشا اور اس کی والدہ نے ان دونوں کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ نتاشا کی امی یاقوت کی شخصیت سے بڑی متاثر ہوئی اور اسے خوشی ہوئی کہ سمیرا نے اپنے لئے ایک خوبصورت جیون ساتھی منتخب کیا ہے کھانا ان سب نے ایک ہی ٹیبل پر بیٹھ کر کھایا بعد میں یہ سب ٹی وی لاؤنج میں آ گئے اور کافی کا دور چلا۔ نتاشا اور سمیرا آپس میں باتیں کرنے لگیں اور نتاشا کی والدہ کے استفسار پر یاقوت اپنے کاروبار کے بارے میں وہی کچھ بتانے لگا جو سمیرا نے راستے میں اسے سمجھا دیا تھا۔ ٹی وی پر کوئی انگریزی فلم دکھائی جا رہی تھی جیسا کہ نتاشا نے سمیرا کو بتایا تھا نتاشا کے ڈیڈی اور بھائی کسی کام کے سلسلے میں دوسرے شہر گئے ہوئے تھے میں اس وقت نوکرانی سمیت وہی چار خواتین اور ایک مرد یاقوت ہی تھا یہ مکان ایسا تھا کہ باہر چھوٹا سا باغیچہ تھا گیٹ کے اندر پانچ

سیڑھیوں پر مکان کا دروازہ آ جاتا تھا کوئی برآمدہ وغیرہ نہیں تھا مکان کے پیچھے بھی ہو سا صحن تھا۔

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی نتاشا نے خوش ہو کر کہا۔ "شاید ڈیڈی اور بھا گئے ہیں۔"

اس کی والدہ بولیں۔ "جلدی سے جا کر دروازہ کھولو۔"

یاقوت اور سمیرا صوفوں پر آمنے سامنے بیٹھے کافی پی رہے تھے اور کبھی ایک دوسرے کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیتے تھے کتنی انمول ہیں یہ محبت بھری مسکراہٹیں۔ اس وقت انسان کو ان کی قیمت کا احساس نہیں لیکن جب وقت گزر جاتا ہے تو پھر یہ ہاتھ نہیں آتیں۔ آدمی اپنی باقی کی ساری دے کر بھی ان کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا۔

نتاشا اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑی۔ اس دوران گھنٹی ایک بار پھر بجی نے بلند آواز میں کہا۔ "آ رہی ہوں۔"

مکان کا دروازہ ٹی وی لاؤنج سے باہر تھا اور درمیان میں کچن کو جا کوریڈور تھا۔ سمیرا کے دروازہ کھولنے کی آواز آئی اس کے بعد گہری خاموشی اس کی امی نے آواز دے کر کہا۔ "بیٹی کون آیا ہے؟"

یاقوت اور سمیرا بھی ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ لئے دروازے کی جان رہے تھے انہیں بھی یقین تھا کہ نتاشا کے ڈیڈی اور بھائی آ گئے ہیں جب نتا کوئی جواب نہیں دیا تو اس کی امی صوفے سے اٹھی کہ خود جا کر معلوم کرے آیا ہے اتنے میں ٹی وی لاؤنج کا پردہ تیزی سے ہٹا اور نتاشا اس حالت میں اند ہوئی کہ تین ڈاکو اس کے ساتھ تھے ایک نے پستول کی نالی نتاشا کی گردن پر ر تھی باقی دونوں کے ہاتھوں میں شاٹ گنیں تھیں۔ نتاشا کا رنگ زرد تھا ایک نتاشا کی والدہ کو دھکا دے کر صوفے پر گرا دیا اور دوسرے نے اپنی شاٹ گن یاقوت کے سر کے ساتھ لگا دی اور کہا۔ "خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔"

پہلے والے ڈاکو نے نتاشا کو بھی صوفے پر بٹھا دیا اور بولا۔ "ہم صرف اور نقدی لینے آئے ہیں کسی کو قتل کرنے نہیں آئے چپ چاپ ہمیں

زیورات اور نقدی کس جگہ پر رکھی ہوئی ہے ہم وہ لے کر خاموشی سے چلے جائیں گے اگر یہ چیزیں ہمارے حوالے نہ کی گئیں تو پھر تم سب کی لاشیں اس کمرے میں خون میں لت پت تڑپ رہی ہوں گی۔" نتاشا کی والدہ کا تو دہشت اور خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی اس نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے کونے والی الماری کی طرف اشارہ کیا۔ ایک ڈاکو تیز تیز قدموں سے الماری کی طرف گیا۔ الماری کھلی تھی اس نے ساری چیزیں باہر نکال کر پھینک دیں پھر ایک ڈبے کو کھولا اس میں سونے کے کچھ زیورات تھے اور ڈیڑھ دو ہزار روپے کے کرنسی نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ ڈاکو نے غصے میں کہا۔ "تم امیر لوگ ہو۔ تمہارے پاس اس سے زیادہ رقم ہو گی۔ جلدی بتاؤ وہ رقم کہاں رکھی ہے نہیں تو میں ایک کو شوٹ کر دوں گا۔"

نتاشا کی امی نے کانپتی لرزتی آواز میں کہا۔ "ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے باقی جو تھوڑی رقم ہے وہ بینک میں پڑی ہے۔"

جس ڈاکو نے نتاشا کو دبوچ رکھا تھا اس نے نتاشا کی گردن پر گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ "تو بول' کہاں ہے باقی رقم؟"

نتاشا کی چیخ نکل گئی نتاشا کی امی نے منت کرتے ہوئے کہا۔ "اللہ کے لئے میری بچی کو کچھ نہ کہو۔"

جس ڈاکو نے زیورات نکالے تھے اس نے نتاشا کی ماں کو بالوں سے پکڑ کر صوفے کے نیچے گرا دیا اور گالی دے کر بولا۔ "جھوٹ بول رہی ہو۔ بڑھیا! تجھے ابھی شوٹ کرتا ہوں۔"

تیسرے ڈاکو نے سمیرا کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم بولو گھر کی نقدی کہاں رکھی ہوئی ہے۔"

سمیرا نے یاقوت کی طرف دیکھا یاقوت کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے وہ خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا ڈاکو نے پستول کا رخ سمیرا کی طرف کر دیا۔ سمیرا نے کہا۔ "ہم تو یہاں مہمان آئے ہوئے ہیں۔" تیسرے ڈاکو نے زیورات تو اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈال لئے کرنسی نوٹ دوسری میں ٹھونسے اور اپنے ایک ساتھی سے

کہا "گھر کے دوسرے کمروں کی تلاشی لو۔"

جو ڈاکو یاقوت کے سر پر شاٹ گن لئے کھڑا تھا اس نے گن کی نالی یاقوت کی گردن میں دباتے ہوئے پوچھا۔ "اوئے تم بڑے خاموش بیٹھے ہو بتاؤ باقی کا مال کہاں رکھا ہے؟"

سمیرا نے گھبرا کر یاقوت کو دیکھا وہ جانتی تھی کہ ڈاکو کو کچھ معلوم نہیں کہ اس نے کس شخص کو چیلنج کیا ہے مگر یاقوت نے سمیرا کی توقع کے خلاف بڑی سنجیدہ آواز میں نرمی کے ساتھ کہا۔ "بھائی صاحب میں تو خود مہمان ہوں مجھے کیا پتہ یہاں کون سی چیز کہاں پڑی ہے۔"

اتنے میں جو ڈاکو دوسرے کمروں کی تلاشی لینے گیا تھا واپس آگیا اور بولا۔ "کچھ نہیں ملا بس یہی بہت ہے یہاں سے نکل چلو۔"

تینوں ڈاکو اسلحہ تانے قدم قدم پیچھے ہٹنے لگے ان لوگوں نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی چہرے بھی نہیں چھپائے تھے ویسے تینوں ہٹے کٹے تھے۔اور شکلوں سے ہی جرائم پیشہ لگ رہے تھے جس ڈاکو کی جیب میں زیورات اور نقدی تھی اس نے خبردار کرتے ہوئے کہا۔ "جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے ٹیلی ویژن دیکھتے رہو کسی نے ذرا بھی آواز نکالی تو ہمارے لئے تم لوگوں کا خون کرنا کوئی نئی بات نہیں ہو گی۔" ایک ڈاکو کی نظر تپائی پر رکھے ٹیلی فون پر پڑی اس نے اس کی تار زور سے کھینچ کر توڑ ڈالی پھر تیزی سے کچن کے کاریڈور میں سے چلے آئے دروازہ کھولا تینوں باہر نکلے باہر۔ دروازے کی چٹخنی چڑھائی اور ایک طرف اندھیرے میں کھڑی کار میں بیٹھ کر فرار ہو گئے۔

نتاشا کی امی کا برا حال تھا نتاشا اور سمیرا اس کے ہاتھ پاؤں کی مالش کر رہی تھیں یاقوت اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا نتاشا کی امی روتے ہوئے رہی تھیں۔ "بیٹی کی شادی کے لئے زیور بنوایا تھا ہم تو لٹ گئے بیٹے۔ ہائے ہائے۔"

یاقوت نے آگے بڑھ کر نتاشا کی والدہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ "امی جان آپ گھبرائیں نہیں میں ابھی پولیس کو جا کر اطلاع کرتا ہوں ڈاکو زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ پولیس انہیں پکڑ کر زیورات برآمد کر لے گی۔" اور یاقوت دروازے

طرف بڑھا سمیرا نے اسے جاتے دیکھا وہ سمجھ گئی تھی کہ یاقوت کس پولیس کو خبر دینے جا رہا ہے چونکہ اسے یقین تھا کہ یاقوت ڈاکوؤں سے زیور اور نقدی وغیرہ واپس لے آئے گا اس لئے اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ نتاشا کی امی سے کہا۔ "امی جان! حوصلہ کریں یاقوت پولیس کی مدد سے ساری چیزیں ڈاکوؤں سے برآمد کروا کر لے آئے گا۔"

نتاشا کی والدہ بے چاری تو آہیں بھرتی رہی نتاشا نے سمیرا سے اتنا ضرور کہا کہ اب تو یہ چیزیں قسمت سے ہی ملیں گی۔

بے چاری نوکرانی دروازے میں حیران و پریشان بیٹھی تھی وہ اس وقت کچن میں چھپی رہی تھی نتاشا نے اسے کہا۔ "جلدی سے تھوڑا دودھ گرم کر کے لے آؤ۔"

"اچھا بی بی جی۔"

سمیرا نے ٹیلی ویژن بند کر دیا تھا اور نتاشا کی والدہ کا سر دباتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یاقوت کو جہاں پہنچنا ہے وہ وہاں پہنچ گیا ہو گا۔ یاقوت جس وقت ٹی وی لاؤنج میں سے نکل کر نتاشا کے مکان کے دروازے پر آیا تھا تو دروازہ ڈاکو باہر سے بند کر گئے تھے مگر یاقوت کو دروازہ کھلوانے کے لئے کسی کو بلوانے یا اسے توڑنے کی ضرورت نہیں تھی وہ بڑی آسانی کے ساتھ بند دروازے میں سے نکل گیا اس وقت رات کے دس بجے کا عمل تھا شہر کے بازاروں کی رونق ماند نہیں پڑی تھی سڑکوں پر گاڑیاں آ جا رہی تھیں بلند عمارتوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں یاقوت کو یہ فکر نہیں تھی کہ ڈاکو کدھر کھو گئے ہیں۔ اس نے ایک سیکنڈ کے لئے آنکھیں بند کر کے دیکھ لیا کہ تینوں ڈاکو اپنی بند گاڑی میں بیٹھے شہر سے نکل کر اس بڑی سڑک پر گئے ہیں جو دوسرے شہر کو جاتی ہے۔

ایک ڈاکو اسٹیئرنگ پر بیٹھا تھا دوسرا اس کی ساتھ والی سیٹ پر تھا اور تیسرا جس کی جیکٹ میں زیورات اور چند ہزار روپوں کی لوٹی ہوئی کرنسی تھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بڑے آرام سے سر پیچھے لگائے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا' اس نے اونچی آواز میں کہا۔ "...سویں میل پر نہر کے پل کے ساتھ قصبے کی جو پہلی کوٹھی ہے وہاں واردات ڈالنی ہے شالو۔"

شالو ڈاکو گاڑی چلا رہا تھا وہیں سے بلند آواز میں بولا۔ "وہ جو دبئی والی بیوہ ہے۔"

"ہاں ہاں یار وہی ہے۔" ساتھ کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈاکو نے سگریٹ کھڑکی سے باہر اچھالتے ہوئے کہا۔

گاڑی ہائی وے پر اچھی خاصی رفتار کے ساتھ جا رہی تھی' یہ تینوں جرائم پیشہ لوگ تھے اور وارداتوں کے دوران چھ سات آدمیوں کو قتل بھی کر چکے تھے' پولیس بڑی سرگرمی سے ان کی تلاش میں لگی ہوئی تھی مگر یہ ہربار قانون کی نظروں سے چھپ کر نکل جاتے تھے' ابھی دبئی والی بیوہ کی کوٹھی تین چار میل دور ہو گی کہ شالو ڈاکو نے اپنی گردن پر کسی کا ٹھنڈا ٹھنڈا ہاتھ محسوس کیا اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ کو تھامے ہوئے تھے اور نظریں رات کے اندھیرے میں سڑک پر جمی ہوئی تھیں جہاں گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی آگے آگے جا رہی تھی وہ یہ سمجھا کہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس کے کسی ساتھی نے یہ ہاتھ رکھا ہے۔ "بولا کیا بات ہے قادرے تمہارا ہاتھ ٹھنڈا کیوں ہے؟"

پچھلی سیٹ پر نیم دراز قادرے نے جھڑک کر کہا۔ "کیا بک بک کر رہے ہو تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میرا ہاتھ ٹھنڈا ہے؟"

شالو نے کہا۔ "میری گردن پر جو رکھا ہوا ہے تم نے۔"

قادرے غصے میں آگیا۔ "میرا دماغ خراب ہے جو میں اپنا ہاتھ تمہاری گردن رکھوں؟ میں نے تمہارا گلا دبانا ہے کیا؟"

ٹھنڈا ہاتھ شالو کی گردن پر سے ایک دم اٹھ گیا' شالو ہنس کر بولا۔ "اچھا کیا نے ہاتھ اٹھا لیا مجھے تو سردی لگنے لگی تھی تمہارے ٹھنڈے ہاتھ کی وجہ سے۔"

جو ڈاکو شالو کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا وہ اس کی طرف گردن گھما کر بولا اوئے تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟ قادر تو سیٹ پر لیٹا ہوا ہے وہ تمہاری گردن کو پکڑ مجھے اس کا ہاتھ نظر نہ آتا۔"

شالو ڈاکو یہ سمجھا کہ یہ دونوں مل کر اس کے ساتھ شرارت کر رہے ہیں ہنس کر کہنے لگا۔ "چلو یار مٹی پاؤ' مجھے مغالطہ ہو گیا ہو گا' مگر خدا کے واسطے جب

ڈرائیو کر رہا ہوتا ہوں تو اس قسم کا مذاق مت کیا کرو۔"

اس نے ابھی یہ بات پوری کی ہی تھی کہ اچانک گاڑی کی رفتار اپنے آپ تیز ہو گئی۔ قادرے نے پچھلی سیٹ پر سے آواز دی۔ "اسپیڈ تیز نہ کرو سامنے ٹریفک آ رہی ہے۔"

وہ بولا۔ "میں نے کہاں تیز کی ہے؟"

اس کے ساتھ ہی گاڑی کی رفتار میں مزید اضافہ ہو گیا۔ قادرے نے پیچھے سے اس کی گردن پکڑ لی۔ "یہ کیا کر رہے ہو الو دے پتر۔"

شالو گھبرایا ہوا تھا وہ بار بار بریک پر پاؤں مار رہا تھا مگر بریک نہیں لگ رہی تھی' جب اس نے بتایا کہ میں نے اسپیڈ تیز نہیں کی گاڑی کی اسپیڈ اپنے آپ تیز ہو گئی ہے اور اب بریک بھی نہیں لگ رہی تو وہ سب پریشان ہو گئے۔ گاڑی تیز رفتاری کی وجہ سے اچھلنے لگی تھی۔ قادرے نے چلا کر کہا "باہر چھلانگیں لگا دو۔" تینوں نے دروازے کھولنے کی کوشش کی مگر گاڑی کے دروازے بھی نہیں کھل رہے تھے' اب گاڑی ایک دم بائیں جانب ایک کچی سڑک پر گھوم گئی گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں تینوں قاتل ڈاکو گاڑی کے اندر پھنس گئے تھے وہ گاڑی کے شیشوں پر پستول اور رائفل گن کے بٹ مار رہے تھے۔ مگر شیشے بھی نہیں ٹوٹ رہے تھے' گاڑی کی رفتار اسی طرح تیز تھی' کالو نے دیکھا کہ اسٹیئرنگ بھی اپنے آپ دائیں بائیں ہل رہا تھا جیسے کوئی غیبی طاقت اسے کنٹرول کر رہی ہو' شالو گھبرائی ہوئی آواز میں چلایا۔ "کوئی جن گاڑی میں آگیا ہے۔"

کچی سڑک پر کچھ دور تک چلنے کے بعد گاڑی ایک دھچکے سے اپنے آپ رک گئی' ڈاکوؤں کے سر گھوم رہے تھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند شیشوں میں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ گاڑی کی بتیاں روشن تھیں اچانک انہیں اس روشنی میں ایک سوٹ بوٹ والا نوجوان گاڑی کی طرف آتا نظر آیا' شالو اور اس کے ساتھیوں نے اسے پہچان لیا۔ قادرے نے کہا۔ "یہ تو وہی آدمی ہے جو اس گھر میں صوفے پر چپ چاپ بیٹھا تھا۔"

یاقوت نے قریب آکر گاڑی کا پچھلی سیٹ والا دروازہ کھول دیا اور قادرے ڈاکو

سے کہا۔ "جو زیورات اور نقدی تم نے ابھی ابھی لوٹی ہے وہ مجھے دے دو۔"

قادرا سخت گھبرایا ہوا تھا۔ پھر بھی وہ قاتل تھا ڈاکو تھا کئی بے گناہ لوگوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر کے لوٹ چکا تھا اس نے شاٹ گن اٹھا کر یاقوت پر اوپر تلے دو کارتوس فائر کر دیئے' دونوں کارتوس سب کی آنکھوں کے سامنے یاقوت کے پیٹ پر لگے مگر وہ اپنی جگہ کھڑا رہا اس نے ہاتھ اندر ڈال کر قادرے کو گھسیٹ کر باہر نکالا اسے زمین سے دس پندرہ فٹ اوپر اچھال کر نیچے پھینکا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ شاہ اور اُس کا ساتھی ڈاکو بھاگنے لگے یاقوت نے انہیں بھی گاڑی میں سے باہر کھینچ لیا پھر انہیں بھی ہوا میں اچھال کر زمین پر اتنی زور سے پٹخا کہ وہ بھی بے ہوش ہو گئے ریلوے لائن وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر تھی' یاقوت ان قاتل ڈاکوؤں کی گاڑی کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ریلوے لائن تک لایا تھا اور ان تینوں بے ہوش مفرور قاتل ڈاکوؤں کو گھسیٹ کے ریلوے لائن پر لے گیا۔

ریل کی پٹڑی رات کے اندھیرے میں سنسان پڑی تھی یاقوت نے پندرہ پندرہ فٹ کے فاصلے پر تینوں قاتلوں کو ریل کی پٹڑی کے ساتھ اس طرح باندھ دیا کہ ان کے سر ریل کی ایک پٹڑی پر تھے اور ٹانگیں دوسری پٹڑی کے ساتھ بندھی ہوئی تھیں یاقوت کو معلوم تھا کہ یہ انسانیت کے وہ دشمن ہیں جو محض روپے کی خاطر بے گناہ انسانوں کی خون پسینے کی کمائی لوٹتے ہیں۔ انہیں بے دردی سے ہلاک کرتے ہیں شریف گھریلو خواتین کو بے عزت کرتے ہیں وہ ان تینوں کو پولیس کے حوالے بھی کر سکتا تھا لیکن اسے خطرہ تھا کہ رشوت دے کر چھوٹ جائیں گے۔

یاقوت ریلوے لائن سے نیچے اتر کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اس نے قادرے ڈاکو کی جیب سے نتاشا کی والدہ کے زیور اور ڈھائی تین لاکھ روپے کے کرنسی نوٹ نکال کر اپنے پاس رکھ لئے تھے اب وہ کسی بھی طرف سے گاڑی کے آنے کا انتظار کر رہا تھا' وہ بے گناہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے بیدرد قاتلوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا پھر شہر کی جانب سے اسے گاڑی کی روشنی دکھائی دی۔ ٹرین آ رہی تھی تینوں بے ہوش قاتلوں کو یاقوت نے ریلوے لائن پر اس طرح باندھا تھا کہ انجن کی روشنی میں ڈرائیور کو بہت قریب

وہ نظر آ سکتے تھے۔ ریل کے انجن کی آواز قریب آ رہی تھی انجن کی روشنی پھیلتی رہی تھی ٹرین شہر کے اسٹیشن سے دور ہو جانے کے بعد اسپیڈ پکڑ چکی تھی انجن کی روشنی میں ریلوے ٹریک پر یاقوت کو قاتلوں کے سر دھبوں کی طرح نظر آنے لگے پھر ٹرین کو ایک دم بریک لگی پہیئے چیخ اٹھے اور چنگاریاں اڑنے لگیں۔ ڈرائیور نے ریلوے لائن پر لیٹے ہوئے آدمیوں کو دیکھ لیا تھا مگر اس نے دیکھنے میں دیر کر دی ٹرین رکتے رکتے تینوں قاتلوں کے اوپر سے آدھی گزر گئی تھی اور ان کے جسموں کے پرخچے اڑ گئے۔ یاقوت نے لگتا ہوا سگار زمین پر پھینک کر اسے پاؤں سے مسلا اور شہر کی طرف چلا گیا۔ جب وہ ڈاکوؤں کی گاڑی کے قریب سے گزرا تو اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی گاڑی کی سیٹ پھاڑ رہا ہو وہ رک گیا اس نے گاڑی کی طرف دیکھا دو چمکیلی آنکھیں گاڑی کی کھڑکی میں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

یاقوت گاڑی کی طرف بڑھا۔

چمکیلی آنکھیں غائب ہو گئیں۔ اس نے دروازہ کھول دیا ایک بلی چیخ ما
ڑی سے نکلی اور جھاڑیوں کے اندر غائب ہو گئی۔ یاقوت نے ریلوے لائن کی
گاہ ڈالی۔ ٹرین رکی ہوئی تھی ڈبوں میں روشنی ہو رہی تھی مسافروں کی آوازیں
تھیں جو ایک جگہ کھڑے قاتلوں کی لاشوں کے ٹکڑے دیکھ رہے تھے۔ یاقوت
پتلوں کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور نتاشا کے مکان کی طرف چل پڑا۔

نتاشا کے گھر پہنچ کر جب اس نے لوٹی ہوئی ساری رقم اور زیورات ا
والدہ کے حوالے کئے تو وہ لوگ حیران رہ گئے ہاں اگر کسی کو حیرانی نہیں ہوئی تھ
صرف سمیرا تھی۔ نتاشا نے کہا۔ "بھائی جان آپ نے تو کمال کر دکھایا۔"

یاقوت مسکرا کر بولا۔ "یہ کمال تو پولیس کا ہے جس نے ڈاکوؤں کو گرفتار
لیا ہے اور ان سے مال بھی برآمد کروا لیا۔"

نتاشا کی والدہ تو یاقوت کو دعائیں دیتی نہ تھکتی تھیں سمیرا کو تو وہیں را
تھا۔ یاقوت اجازت لے کر چلنے لگا تو سمیرا اسے چھوڑنے گھر کے دروازے تک
اس نے یاقوت سے بالکل نہ پوچھا کہ ڈاکوؤں سے مال کہاں اور کیسے برآمد کیا
کہ تینوں ڈاکوؤں کا کیا انجام ہوا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یاقوت نے ان کے
سلوک کیا ہو گا یاقوت نے اس سے پوچھا۔ "اپنے مکان پر چلنے کا کب ارادہ
سمیرا نے گردن گھما کر ایک نظر ٹی وی لاؤنج میں ڈالی جہاں نتاشا اپنی

لئے چائے بنا رہی تھی پھر یاقوت کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ابھی دو ایک روز ٹھہرنے کا
وگرام ہے اگر تم چاہتے ہو تو میں کل ہی آ جاؤں گی۔"

وہ مسکرا رہی تھی اس کی مسکراہٹ میں نوخیز کلیوں ایسی دلکشی اور معصومیت
ی اسی معصومیت کی تلاش میں یاقوت صدیوں کے تھکا دینے والے مسافر کی ٹھوکریں
ھاتا سمیرا تک پہنچا تھا اور اب وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ معصوم محبت بھی اس سے جدا
ہو جائے اس سے چھین نہ لی جائے اس نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ تم ابھی
یرے ساتھ چلو۔"

سمیرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ٹی وی لاؤنج میں سے نتاشا نے سمیرا کی طرف
یکھا اور مسکرا دی وہ سمیرا کی بڑی مخلص اور ایثار کرنے والی سہیلی تھی وہ سمیرا کو ہمیشہ
خوش دیکھنا چاہتی تھی اور اسے ہنستے مسکراتے دیکھ کر وہ خوش ہوتی تھی سمیرا دروازے
کے ادھ کھلے دروازے کی اوٹ میں تھی۔ یاقوت نے اس کا نرم و نازک گلابی ہاتھ
اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سمیرا کو یاقوت کے ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ اسے یاد آ
گیا کہ یاقوت کا تعلق اس مادی دنیا سے نہیں ہے۔ اسے یہ خیال بھی آ گیا کہ وقت
کے ساتھ ساتھ وہ بوڑھی ہوتی جائے گی مگر یاقوت پر عمر کا کوئی اثر نہیں ہو گا وہ اسی
طرح خوبصورت اور جوان رہے گا اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں کل شام کو آ جاؤں گی۔" یاقوت نے مسکراتے ہوئے سمیرا کا ہاتھ چھوڑ
دیا۔ وہ چلا گیا سمیرا کچھ دیر اسے دروازے سے نکل کر باہر جاتے دیکھتی رہی۔ اسے
یاقوت کے ہاتھ کی خنکی ابھی تک اپنے ہاتھ پر محسوس ہو رہی تھی۔ یہ خنکی اب اسے
بڑی اچھی لگتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ موت کی خنکی ہے اور یہی ایک چیز اس کے اور
یاقوت کے درمیان حائل ہے لیکن وہ ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی وہ زندہ رہ کر زندگی کی
مسرتوں سے ہمکنار ہونا چاہتی تھی۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے وہ اس
نعمت کی قدر و قیمت سے واقف ہو چکی تھی۔ یاقوت کے حسرت ناک ماضی اور اس
کے ساتھ کی گئی ویران محلات کی سیر اور قبرستان کی مرگ آلود خاموشی میں سلاطین کی
قبر کو دیکھنے کے بعد سمیرا میں زندگی سے بھرپور محبت کا احساس بیدار ہو گیا تھا اس
محبت میں یاقوت سے محبت بھی شامل تھی لیکن یاقوت کی محبت اسے ایک مقام پر پہنچ

کر اپنے سے جدا ہوتی نظر آتی تھی۔

نتاشا کی آواز پر سمیرا اپنے خیالات سے چونک پڑی وہ جلدی سے ٹی وی لاؤنج میں آگئی اور اس کا حال پوچھنے لگی۔

دوسرے دن نتاشا اور سمیرا کا پکنک منانے کا پروگرام تھا مگر وہ گھر پر ہی رہیں کیونکہ نتاشا کی امی پر ابھی رات والے ڈاکے کے واقعے کا اثر تھا اور وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے گھر پر اپنی پسند کے پھیکے پھیکے چینی کھانے پکائے انگریزی رسالوں میں سے اپنی پسند کی تصویریں کاٹ کر البم میں لگائیں۔ انگریزی گانوں کی ویڈیو ٹیپ منگوا کر وی سی آر پر دیکھیں اس طرح ان کا سارا دن دلچسپ مصروفیات میں گزر گیا۔ شام ہونے سے پہلے سمیرا رخصت ہونے لگی تو نتاشا کی امی نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ "نتاشا کے ڈیڈی اور بھائی کل آ رہے ہیں تم ایک دو روز ٹھہر جاتیں بیٹی اکیلے میں مجھے ڈر لگے گا۔"

نتاشا نے ہنس کر کہا۔ "امی میں جو ہوں یہاں۔"

سمیرا کہنے لگی۔ "آنٹی آپ فکر نہ کریں وہ ڈاکو اب کبھی نہیں آئیں گے۔"

"تمہیں کیسے پتہ ہے۔" نتاشا کی امی نے پوچھا۔

سمیرا بولی۔ "اس لئے کہ وہ حوالات میں بند ہیں وہ حوالات توڑ کر تو یہاں نہیں آ سکتے نا!"

"اچھا بیٹی! خدا تمہاری حفاظت کرے دھیان سے جانا تم بھی۔"

نتاشا اپنی سہیلی کو چھوڑنے مکان کے دروازے تک آئی وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوئی کہ باہر یاقوت اپنی اسپورٹس کار لئے کھڑا تھا اس نے گاڑی کی کھڑکی سے ہاتھ ہلا کر نتاشا کو سلام کیا۔ نتاشا نے سمیرا کی طرف دیکھا۔ "تم نے مجھے کیوں نہیں کہ یاقوت تمہیں لینے آئے گا؟"

سمیرا نے کہا۔ "مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ آ جائے گا۔"

نتاشا نے تعجب سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

سمیرا ہنسنے لگی اس نے نتاشا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔ "کئی با ایسی ہو رہی ہیں جن کا مجھے بھی علم نہیں ہے۔"

نتاشا کو عجیب قسم کے تذبذب کے عالم میں چھوڑ کر سمیرا مکان کی چھوٹی سی راہداری سے نکل کر یاقوت کے پاس گاڑی میں جا بیٹھی اور گاڑی آگے چل دی۔

"میں جانتی تھی تم ضرور آؤ گے۔" سمیرا نے یاقوت کے لئے نیلے رنگ کے نئے تھری پیس سوٹ میں سے آنے والی پراسرار خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ یاقوت خاموش رہا گاڑی شہر کی ٹریفک بھری سڑکوں سے نکل کر بڑی سڑک پر آگئی سمیرا نے یاقوت کی طرف گردن گھما کر دیکھا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟"

یاقوت گاڑی چلاتے ہوئے سامنے دیکھ رہا تھا جہاں غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی میں سڑک سنہری ہو رہی تھی اس نے بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔ "میں نے سیر و سیاحت کا ایک پروگرام بنایا ہے۔"

"کیا مطلب؟" سمیرا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

یاقوت نے پیچھے سے آنے والی تیز رفتار گاڑی کو راستہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہم پہلے مصر جائیں گے وہاں سے لندن اور پھر واشنگٹن کی سیر کریں گے کیا خیال ہے؟"

سمیرا کو یہ خیال بڑا اچھا لگا وہ خود چاہتی تھی کہ ان ملکوں کی سیاحت کرے جن کے بارے میں اس نے کتابوں میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا اسے کسی سے اجازت لینے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ اتنی جلدی راضی نہیں ہونا چاہتی تھی، کہنے لگی۔ "بہت مشکل ہے میں تمہارے ساتھ نہ جا سکوں گی۔"

"کیوں بھلا؟ تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ ہے؟"

سمیرا نے دل میں سوچا کاش مجھے تم سے کوئی خطرہ ہوتا یہی تو مشکل آن پڑی ہے کہ مجھے تم سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہ سانس بھر کر بولی۔ "خطرے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"پھر تمہیں کیا اعتراض ہے؟" یاقوت نے پوچھا۔

"میں نوری اور سلیمان چچا پر گھر چھوڑ کر کیسے چلی جاؤں؟"

یاقوت ہنس پڑا۔ "کیا انہیں ڈاکو اغوا کر کے لے جائیں گے؟"

سمیرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

یاقوت مسکرایا۔ "تم جانتی ہو بلکہ تم سے زیادہ کوئی بھی نہیں جانتا کہ کم از کم

تمہارے گھر میں کوئی ڈاکو داخل نہیں ہو سکتا۔"

"مگر تم جو وہاں نہیں ہو گے۔" سمیرا نے آہستہ سے کہا۔

"میں بھی وہاں ہوں گا تم ان کی فکر نہ کرو۔" یاقوت بولا۔ "تم گھر کو جیسے چھو کر جاؤ گی تمہاری واپسی پر وہ ویسا ہی ہو گا۔ بے فکر رہو۔"

سمیرا کا دل بہت چاہ رہا تھا مگر وہ اتنی جلدی اقرار نہیں کرنا چاہتی تھی کہ لگی۔ "کل سوچ کر بتاؤں گی۔"

یاقوت نے اسٹیئرنگ پر آہستہ سے ہاتھ مار کر کہا۔ "ایک تو تم دنیا میں رہ والے لوگ سوچتے بہت ہو۔"

سمیرا خاموش رہی وہ ایسا کوئی موضوع نہیں چھیڑنا چاہتی تھی جو اسے یہ یا دلائے کہ یاقوت کا تعلق اس کی اپنی دنیا سے نہیں ہے یعنی یہ کہ وہ کسی دوسری دنیا مخلوق ہے اسے یاد آگیا کہ یاقوت کے پاس تو پاسپورٹ نہیں ہے اور ملک سے با جانے کے واسطے نہ صرف پاسپورٹ بلکہ ویزے کی بھی ضرورت پڑے گی جب اس یاقوت کی توجہ اس طرف دلائی تو وہ ذرا سا ہنس کر بولا۔ "میں اس ملک کا رہنے و ہوں میری وفاداریاں اس ملک کے ساتھ وابستہ ہیں پاسپورٹ میرا حق ہے میں بنوا لو گا۔ تمہارا پاسپورٹ بنا ہوا ہے کیا؟"

"ہاں پچھلے سال نتاشا نے بنوا دیا تھا۔"

"یہ اچھی بات ہے اگر تم نے سیر و سیاحت کا فیصلہ کر لیا تو مجھے پاسپورٹ د دینا میں خود ہی جہاں جہاں جانا ہے ان ملکوں کے ویزے لگوا لوں گا۔"

سمیرا جانتی تھی کہ وہ بڑی آسانی سے ایسا کر سکتا ہے یاقوت نے سمیرا کو ا کے پہاڑی بنگلے کے گیٹ پر چھوڑا اور دوسرے روز آنے کا کہہ کر چلا گیا اسی رات سمیرا نے نتاشا سے فون پر اس کے بارے میں بات کی تو اس نے بڑی گرمجوشی کہا۔ "تمہیں یورپ امریکہ کی ضرور سیر کرنی چاہئے اس طرح تمہیں یاقوت کو قر سے دیکھنے کا موقع بھی ملے گا اور سیر بھی ہو جائے گی۔ آخر تمہیں بہت جلد اسے جیون ساتھ بھی تو بنانا ہے۔"

نتاشا کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ سمیرا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "بس ا

پ رہو۔ تم بہت باتیں کرنے لگی ہو۔" مگر دل میں سوچا کہ کیا وہ ایسا کر سکے گی؟ کیا ت اس کا جیون ساتھی بن سکے گا؟ کیا وہ اس سے شادی کر لے گا؟

سمیرا نے سیر و سیاحت پر نکلنے کا پروگرام بنا لیا۔ اگلے روز یاقوت کو اس نے نے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ بڑا خوش ہوا کہنے لگا۔ "ہم سب سے پہلے مصر جائیں گے ں نے ایک بار تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں وہ پرفیوم لا کر دوں گا جو قدیم مصر کی ائیں اور شہزادیاں لگایا کرتی تھیں اب میں یہ پرفیوم تمہیں مصر میں پہنچ کر پیش کروں ا تم مجھے اپنا پاسپورٹ دے دو میں آج ہی شہر جا کر ویزے لگوانا چاہتا ہوں۔"

سمیرا نے پوچھا۔ "مگر تمہارا پاسپورٹ تو ابھی بنے گا۔" یاقوت نے جیب سے یک لفافہ نکالا اسے کھولا اور اپنا پاسپورٹ اس کے سامنے رکھ دیا سمیرا نے پاسپورٹ و اچھی طرح سے الٹ پلٹ کر دیکھا وہ بالکل صحیح پاسپورٹ تھا یاقوت بولا۔ "بالکل صلی ہے بھلا مجھے جعلی پاسپورٹ بنوانے کی کیا ضرورت تھی کیا میں اس ملک کا شہری نہیں ہوں۔"

سمیرا الماری میں سے اپنا پاسپورٹ نکال کر لے آئی۔ یہ پاسپورٹ اس نے یاقوت کے حوالے کر دیا اور کہا۔ "مگر یاقوت اتنے ملکوں کی سیر کرنی ہے ہمیں تو کافی پیسوں کی ضرورت پڑے گی اور پھر ان ملکوں کی اتنی کرنسی کہاں سے آئے گی؟"

سمیرا نے یہ غیر شعوری طور پر کہہ دیا تھا فوراً ہی اسے خیال آیا کہ یاقوت کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو ہم یہاں سے اپنے پیسوں کے ٹکٹ خریدیں گے۔ آگے بندوبست ہو جائے گا۔ اب میں چلتا ہوں مجھے آج ہی مصر، برطانیہ اور امریکہ کے ویزے لگوانے ہیں۔"

وہ جانے کے لئے اٹھا پھر رک کر اس نے سمیرا کی طرف دیکھا اور بولا۔ "مجھے ان ساری چیزوں کی اس لئے ضرورت پڑ رہی ہے کہ تم میرے ساتھ ہو ورنہ تم جانتی ہو کہ میں ان تکلفات سے بے نیاز ہوں اور جس وقت جہاں چاہے جا سکتا ہوں۔"

سمیرا نے مٹھی میں دبایا ہوا ٹشو پیپر چائے کی ٹرے میں پھینکتے ہوئے کہا۔ "یہ تو میں خوب جانتی ہوں۔"

"میں شام کو ویزا لگوا کر لے آؤں گا۔" یہ کہہ کر یاقوت اپنی گاڑی میں بیٹھ کر

شہر کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ان ممالک کے ہائی کمشنروں کے دفاتر تھے۔ اسی
یاقوت دونوں پاسپورٹوں پر مطلوبہ ممالک کے ویزے لگوا کر لے آیا۔ اس
پاسپورٹ کھول کر ویزوں کی مہریں سمیرا کو دکھائیں اور کہا۔ "ویزے جعلی نہیں
بالکل اصلی ہیں اور متعلقہ ویزا افسروں نے لگائے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں یہ اصلی ہیں۔" سمیرا نے آہستہ سے کہا ویزے واقعی اصلی
سمیرا کو معلوم تھا کہ یاقوت نے ضابطے کی حدود میں رہتے ہوئے اپنی کون سی کرا
سے کام لیا ہو گا یہ ہمیں بھی معلوم ہے مگر ہم آپ کو بعض وجوہات کی بنا پر اس
تفصیل نہیں بتا سکتے۔ بہرحال سفر کے تمام کاغذی لوازمات مکمل ہو گئے تھے۔ یاقو
اپنے شہر سے قاہرہ تک کے دو ہوائی ٹکٹ بھی خرید لایا تھا۔ یہ ایک غیر ملکی فضا
کمپنی کے ٹکٹ تھے جہاز میں ان دونوں میں سے ایک کی سیٹ تو اسی وقت کنفرم
گئی۔ ایک سیٹ کو چانس پر رکھ لیا گیا۔ ایئر ٹریول کمپنی کے ایجنٹ نے یاقوت کو
یقین دلایا کہ دوسری سیٹ بھی ڈیپارچر سے پہلے کنفرم ہو جائے گی۔ پھر ایک
یاقوت اور سمیرا مڈل ایسٹ یورپ اور امریکہ کے دورے پر نکل کھڑے ہوئے۔ ان
فلائٹ کا وقت شام کے ساڑھے سات بجے تھا وہ ایک گھنٹہ پہلے ایئرپورٹ پر
گئے۔ یاقوت نے ایئرپورٹ پر ٹریول ایجنسی کے ایجنٹ سے رابطہ قائم کیا تو معلوم
کہ ایک سیٹ ابھی تک کنفرم نہیں ہو سکی سمیرا نے کہا۔ "میرا خیال ہے واپس
چلتے ہیں ایک دو دن بعد جب دونوں سیٹیں ایک ساتھ ملیں گی تب چلے جائیں گے
مگر یاقوت نہ مانا کہنے لگا۔ "میں سفر ملتوی نہیں کرنا چاہتا اگر میری سیٹ نہ بھی کن
ہوئی تو بھی میں تمہارے ساتھ ہی سفر کروں گا۔"

سمیرا نے تھوڑا سا چونک کر یاقوت کی طرف دیکھا یاقوت نے اثبات میں
ہلایا۔ وہ جانتی تھی کہ یاقوت ایسا کر سکتا ہے۔ فلائٹ کا وقت قریب آ رہا تھا یاق
نے ٹریول ایجنٹ سے رجوع کیا اس نے افسوس کے ساتھ کہا کہ آپ کی دوسری
کنفرم نہیں ہو سکی۔ یاقوت نے بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کوئی
نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ سمیرا کی طرف چل پڑا وہ اسی فلائٹ میں جانا چاہتا تھا مگر
ٹکٹ بھی واپس نہیں کرنا چاہتا تھا اسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ وہ جہاز میں بلا

سفر کے اسپیکر پر اعلان ہوا کہ فلائٹ نمبر ــــ کے مسافروں سے گزارش ہے کہ
وہ ٹرانزٹ لاؤنج پہنچ جائیں ــــ یاقوت نے سمیرا کے کان کے پاس گردن جھکا کر
کہا۔ "اب میں تمہارے ساتھ ہی ہوں گا مگر تم مجھے دیکھ نہیں سکو گی تم لاؤنج میں چلو
میں ابھی آتا ہوں۔"

سمیرا دل میں کچھ پریشان بھی تھی کہ راستے میں کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ پیش آ
جائے۔ وہ یاقوت کے ساتھ نارمل طریقے سے سفر کرنا چاہتی تھی مگر ایسا نہ ہو سکا تھا۔
بہرحال وہ اپنا بیگ اٹھائے لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔ یاقوت باتھ روم کا دروازہ کھول کر
اندر داخل ہو گیا کوئی پانچ سیکنڈ بعد باتھ روم کا دروازہ دوبارہ کھلا۔ بظاہر کوئی آدمی اندر
سے باہر نکلتا نہ دکھائی دیا حقیقت میں یاقوت باہر نکل آیا تھا لیکن وہ کسی کو دکھائی نہ
ے رہا تھا وہ اپنے غیر مادی جسم میں تھا۔ سمیرا لاؤنج کے کونے والے صوفے پر بیٹھی
یک رسالہ دیکھ رہی تھی کہ اسے یاقوت کی پراسرار خوشبو محسوس ہوئی اس نے اپنے
ئیں بائیں دیکھا یاقوت وہاں نہیں تھا اتنے میں یاقوت کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ "
ں تمہارے پاس بیٹھا ہوں۔"

سمیرا دوبارہ رسالے کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "اگر
ی طرح سفر کرنا تھا تو پھر ٹکٹ خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟"

یاقوت نے کہا۔ "میں اپنی اس صلاحیت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا چونکہ
جہاز میں تمہارے ساتھ سفر کروں گا اس لئے ہوائی کمپنی کو اپنے سفر کا کرایہ ضرور
کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" سمیرا نے آہستہ آہستہ سر ہلاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد سمیرا بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ جہاز کی سیڑھیاں چڑھ
ی تھی اسے کچھ خبر نہ تھی کہ یاقوت کہاں ہے وہ لاؤنج ہی میں یہ کہہ کر الگ ہو گیا
جہاز میں ملوں گا یہ فلائٹ دبئی سے ہو کر جا رہی تھی جس کی وجہ سے جہاز کی
بھی سیٹ خالی نہیں تھی۔ سمیرا کی سیٹ کھڑکی کے ساتھ تھی۔ وہ اپنی سیٹ پر
ی تھی کہ اس کو اپنے کان کے قریب یاقوت کی سرگوشی سنائی دی۔ "میں جہاز
مہارے ساتھ ہی ہوں۔"

سمیرا کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "ٹھیک ہے۔" سمیرا کی ساتھ والی سیٹ
پر بیٹھے ادھیڑ عمر کے ایک شریف آدمی نے سمیرا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "مجھ سے
کہا بیٹی؟"

سمیرا فوراً" سنبھل گئی۔ "جی نہیں میں——"
سمیرا کوئی موزوں جواب نہ دے سکی اور گھبراہٹ میں رسالہ کھول کر پڑھنے
ٹھیک وقت پر جہاز ٹیک آف کر گیا ایک خاص بلندی پر پہنچ کر جہاز نے اپنا سفر ش
کر دیا پرواز بڑی نارمل تھی کچھ وقت گزر جانے پر جہاز بحیرہ عرب کے اوپر سے گز
تھا۔ مسافروں میں رات کا کھانا تقسیم کیا جانے لگا کھانا ختم ہوا تو دبئی قریب آ ر
جوں ہی جہاز میں اعلان ہوا کہ ہم تھوڑی دیر میں دبئی کے ایئرپورٹ پر اترنے
ہیں۔ جہاز کی فرسٹ کلاس کی جانب شور سا بلند ہوا اس کے ساتھ ہی ادھر
آدمی دوڑتے ہوئے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں شاٹ گنیں تھیں اور وہ چیخ چیخ
رہے تھے۔ "خبردار کوئی مسافر اپنی جگہ سے ہلا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔
نے گھبرا کر دیکھا فرسٹ کلاس کے پردے کے پاس ایک آدمی ہاتھوں میں کلا
لئے اس کا رخ مسافروں کی طرف کئے کھڑا تھا۔ دوسرا آدمی مسافروں کی گر
کے مارتے ہوئے انہیں سر نیچے کر لینے کا حکم دے رہا تھا۔ تیسرے آدمی
ہاتھ میں دستی بم اور دوسرے ہاتھ میں شاٹ گن تھی اور وہ سہمی ہوئی دو
ہوسٹسوں کو ٹھڈے مارتے ہوئے باتھ روم میں جانے کو کہہ رہا تھا۔ سمیرا
یہ ہائی جیکر ہیں اور انہوں نے طیارے کو اغوا کر لیا ہے ظاہر ہے ان کا
ساتھی کاک پٹ پر قبضہ کرنے کے بعد ہوا بازوں کو گن پوائنٹ پر حکم دے
گے کہ جہاز کا رخ ان کی مرضی کے ایئرپورٹ پر موڑ دیا جائے خدا جانے
میں کیا ہو رہا تھا۔ سمیرا تو صرف جہاز کے اندر کا حال دیکھ رہی تھی۔
رنگ اڑ گئے تھے مرد پریشانی کے عالم میں ہائی جیکروں کو اپنے اپنے پاسپور
کر دے رہے تھے۔ ہائی جیکر جنوب مشرقی ایشیا کے کسی ملک کے باشندے
کو معلوم نہیں تھا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں ان کا لیڈر کاک پٹ میں
مطلوبہ ملک کے ایئرپورٹ سے بات کر رہا ہو گا یا بات کرنے کی کوشش

رور ان کے کچھ مطالبات ہوں گے مگر جہاز کے مسافروں کے چہرے اترے ہوئے
، کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ ہائی جیکر اب انہیں کہاں کہاں لئے پھریں گے یہ بھی ہو
ا ہے کہ اپنی شرائط پوری نہ ہونے پر وہ جہاز کو بم سے اڑا دیں اور آگ کے
لوں میں لپٹا ہوا جہاز سمندر میں یا صحرا میں گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور
رے کے سارے مسافر ہلاک ہو جائیں۔ سمیرا کو بار بار یاقوت کا خیال آ رہا تھا۔ وہ
، صورتحال سے بے خبر نہیں ہو گا وہ ضرور جہاز کو اس تباہی سے بچانے کی کوشش
ے گا وہ اس پوزیشن میں ہے کہ ایسا کر سکتا ہے پھر سمیرا نے سوچا کہ ہو سکتا ہے
ت جہاز میں سوار نہ ہو اور پہلے ہی سے قاہرہ جا پہنچا ہو۔ وہ تو ایسی حالت میں تھا
جہاں چاہے جا سکتا تھا اسے یاقوت کی پراسرار خوشبو بھی آ رہی تھی۔ پاسپورٹ
ے کرنے والا ہائی جیکر ابھی سمیرا سے دور تھا شاٹ گن اور ہینڈ گرینڈ والا ہائی جیکر
ں کے درمیان والی جگہ پر تیز تیز قدم اٹھاتا کبھی ایک طرف جاتا تھا کبھی دوسری
ے جاتا تھا وہ تھوڑی تھوڑی دیر چیخ کر اعلان کرتا۔ "اسی طرح بیٹھے رہو اسی طرح
، رہو۔ کوئی اپنی جگہ سے اٹھا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔"
اچانک جہاز کو ایک جھٹکا لگا۔ عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ بچے رونے لگے
ہائی جیکر کے ہاتھ میں دستی بم تھا اس نے گن کا بٹ مار کر ایک مسافر کو لہو لہان
یا ساتھ ہی چلا کر کہا۔ "کسی نے کوئی حرکت کی تو ہم ایک ایک مسافر کو بھون کر
دیں گے۔"

جہاز کی پرواز پھر نارمل ہو گئی سمیرا کو یاقوت پر سخت غصہ آ رہا تھا کہ وہ خاموش
ائی کیوں بنا ہوا ہے جب وہ اس پوزیشن میں ہے کہ مسافروں کو اس آفت سے
، دلا سکے تو پھر ایسا کیوں نہیں کر رہا؟ اتنے میں وہ ہائی جیکر جو ایک ہاتھ میں لفافہ
ے مسافروں کے پاسپورٹ لے لے کر اس میں ڈالتا جا رہا تھا سمیرا والی سیٹ کے
آ گیا پستول اس کی پیٹی میں اس طرح لگا ہوا تھا کہ ایک سیکنڈ میں وہ اسے نکال کر
ر سکتا تھا۔ اس نے پہلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے مسافر سے پاسپورٹ طلب کیا۔ مسافر
چارہ پہلے سے تیار بیٹھا تھا اس نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر پاسپورٹ
ور ہائی جیکر کے حوالے کر دیا۔ ہائی جیکر نے سمیرا کی طرف متوجہ ہو کر کرخت

آواز میں پاسپورٹ حوالے کرنے کا حکم دیا سیمرا اس وقت چیخ کر یاقوت کو آ
چاہتی ہی تھی کہ اچانک ہائی جیکر کا جسم زور زور سے کانپنے لگا اس پر شدید لرزہ
ہو گیا اور وہ دیکھتے دیکھتے چکرا کر گر پڑا اور پھر نہ اٹھ سکا کچھ فاصلے پر کھڑے ا
ساتھی ہائی جیکر نے یہ معاملہ دیکھا تو دوڑ کر اس کے پاس آیا مگر ابھی دو تین ق
تھا کہ وہ بھی زور زور سے کانپنے لگا اور چکرا کر گر گیا مسافروں میں شور مچ
مسافروں نے کرسیوں سے اٹھ کر ان دونوں کو پکڑ لیا۔ اتنے میں فرسٹ کلاس
کھڑے ہائی جیکر نے گھبرا کر فائر کر دیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں دستی بم تھا جس
پر اس نے اپنا انگوٹھا رکھا ہوا تھا پن ابھی نکلا نہیں تھا وہ اپنے ساتھیوں کی مدد
تھا کہ کسی نے اس کے ہاتھ سے دستی بم چھین لیا اس نے فائر کرنے کے
گن اوپر اٹھائی تو اس پر بھی لرزہ طاری ہو گیا وہ بری طرح لرز رہا تھا جیسے
زور زور سے ہلا رہا ہو لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے۔
وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا اتنے میں جہاز کے عملے کا ایک رکن کاک پٹ
ہوا نکل آیا اور بولا۔ "ہم نے اندر والے ہائی جیکر کو قابو میں کر لیا ہے۔"

دستی بم کرسیوں کی قطار کے درمیان فرش پر پڑا تھا جہاز کے عملے
اپنے قبضے میں لے لیا ایئر ہوسٹسوں کو باتھ روم سے نکال لیا گیا جہاز کے
باہر آ کر مسافروں کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ دہشت گرد تھے جنہوں نے
کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام بنا دی گئی ہے آپ لوگ اطمینان سے اپ
پر تشریف رکھیں ہم دبئی ایئرپورٹ پر اتر رہے ہیں کسی مسافر کی سمجھ م
تھا کہ ہائی جیکروں پر لرزہ کیسے طاری ہو گیا تھا کوئی کہہ رہا تھا انہوں
رکھا تھا کوئی اسے خدائی قہر سے تعبیر کر رہا تھا ایک مسافر نے کہا۔ "ہ
ضرور کوئی اللہ کا برگزیدہ بندہ سفر کر رہا ہے۔ خدا نے اس کی دعا سن لی ا
کاروں پر اپنا عذاب نازل کیا ہے۔"

چاروں ہائی جیکروں کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے
تھے ان کے رنگ پیلے پڑ چکے تھے۔ ایئر ہوسٹسوں نے مسافروں میں اہ
تقسیم کر دیئے اور ایک بار پھر ان سے مسکرا مسکرا کر خندہ پیشانی سے

دی۔
سیمرا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ خطرناک کھیل اپنے کسی خونیں انجام تک
ے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ سیمرا کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا بزرگ مسافر بار بار ہاتھ
کر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا سیمرا کو کان میں یاقوت کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ "
انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔"
سیمرا نے غصے سے کہا۔ "انہیں مار ڈالتے یہ ظالم ہیں۔"
ساتھ والے مسافر نے پلٹ کر سیمرا کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی
بیٹی انہیں زندہ نہیں چھوڑنا چاہیئے یہ ہم سب کو ہلاک کرنے والے تھے۔"
ا نے آہستہ سے جی ہاں کہا اور کھڑکی کے شیشے سے نیچے دیکھنے لگی نیچے دبئی کا
پورٹ دکھائی دے رہا تھا۔ جوں ہی جہاز دبئی ایئرپورٹ ٹرمینل کے سامنے رکا اور
ی لگی دبئی پولیس کا ایک مسلح دستہ جہاز میں داخل ہو گیا اور بے ہوش ہائی جیکروں
ٹھا کر لے گیا سیمرا کو یاقوت کی پراسرار خوشبو بالکل اپنے قریب محسوس ہو رہی تھی
نے شیشے میں سے نیچے جھانکتے ہوئے یاقوت سے پوچھا۔ "انہیں ہوش میں نہیں
ہا ہے۔"
ساتھ والی سیٹ کے بزرگ نے سیمرا کی بات سن لی تھی وہ یہی سمجھا کہ لڑکی
ے مخاطب ہے انہوں نے فوراً جواب دیا۔ "بیٹی! دبئی کی پولیس انہیں ابھی
میں لے آئے گی۔"
یاقوت کی سرگوشی اسے کان میں سنائی دی۔ "کم از کم دو سال تک تو یہ ہوش
میں آئیں گے۔"
چند لمحوں کے بعد یاقوت کی سرگوشی پھر سنائی دی۔ "یہاں سے ٹیک آف کر
از قاہرہ ایئرپورٹ پر رکے گا ہمیں وہیں اترنا ہے میں تمہیں اب وہیں ملوں گا
جہاز کو پھر کسی دہشت گرد نے اغوا کرنے کی کوشش نہ کی۔"
اسے یاقوت کے ہلکے سے قہقہے کی آواز اور اس کی پراسرار خوشبو دور ہوئی
ہوئی کچھ دیر بعد جہاز دبئی سے ٹیک آف کر گیا۔
اگلی منزل قاہرہ تھی۔ جہاز قاہرہ کے عالی شان ایئرپورٹ پر اتر گیا سیمرا اپنا بیگ

کاندھے سے لٹکائے ٹرانزٹ لاؤنج سے باہر نکلی تو سامنے یاقوت موجود تھا وہ اپنی جر حالت میں تھا وہ سب کو نظر آ رہا تھا اس نے سمیرا کا بیگ لے کر ٹیکسی میں رکھا ٹیکسی قاہرہ کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی یاقوت نے یہاں دو کم پہلے سے بک کروا رکھے تھے اسے سمیرا کے ساتھ والا کمرہ خالی نہیں ملا تھا لیکن منزل میں اور اسی قطار میں چار کمرے چھوڑ کر ایک سنگل بیڈ والا کمرہ مل گیا تھا کا یہ پہلا ہوائی سفر تھا۔ وہ تھکی ہوئی تھی یاقوت نے اسے آرام کرنے کے لئے ک خود اپنے کمرے میں آکر کپڑے بدل کر بستر پر لیٹ گیا اس نے ٹیبل لیمپ بجھ تھا اسے کوئی تھکان نہیں تھی۔ نیند آ رہی تھی پھر بھی یاقوت کو باقی رات اسی میں گزارنی تھی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کائنات کے ذرے ذرے میں جا ساری غیر فانی محبت کی نورانی لہروں میں کھو گیا لیکن بہت جلد ہی ایک بے آواز نے اسے جگا دیا کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ یاقوت نے اٹھ کر کھولا تو بڑا حیران ہوا نیم روشن راہداری خالی پڑی تھی۔

آمنے سامنے کمروں والی تنگ راہداری کی چھت میں فاصلے فاصلے پر لگے بلب بڑی مدھم روشنی دے رہے تھے۔ یاقوت نے دیکھا کہ ہوٹل کی راہ دار تھی۔ اچانک اس کی نظر کوریڈور کے فرش پر پڑی۔ وہاں نیلے ربن میں بندھا پیکٹ پڑا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لے آیا۔ یہ قاہرہ کے ایک فائیو اسٹا کی دوسری منزل کا ایک کمرہ تھا جس کے آگے چار کمرے چھوڑ کر سمیرا کا قاہرہ کی خوشگوار رات کا یہ پچھلا پہر تھا۔ سمیرا اور یاقوت اپنے وطن پاکستان وسطیٰ اور یورپ کی سیاحت کو نکلے تھے اور قاہرہ کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل الگ کمروں میں مقیم تھے۔ یاقوت نے پاکستان میں سمیرا سے وعدہ کیا تھا کہ و اسے ایک پرفیوم پیش کرے گا جسے فرعونوں کے زمانے کی ملکائیں اور شہزا کرتی تھیں۔ یاقوت نے دروازہ بند کر دیا۔ پلنگ پر بیٹھ کر بلب کی روشنی میں غور سے دیکھا۔ اس پر کسی فرعون مصر کی مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ چھوٹا سا پیکٹ نے پیکٹ کھولا تو کمرے میں ایک خواب انگیز خوشبو پھیل گئی۔ پیکٹ میں کی چھوٹی سی نیلی شیشی پڑی تھی۔ یہ وہ خوشبو تھی جو فراعنہ مصر کے شاہی

ف ملکائیں اور شہزادیاں ہی لگایا کرتی تھیں۔ یاقوت کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ خوشبو اسے کس ملکہ مصر نے بھیجی ہے۔ خوشبو کا یہ تحفہ وہ را کو دینا چاہتا تھا۔ اسے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ یہ احساس صرف وت ہی کو ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جو شخص وہاں موجود تھا وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وت سمجھ گیا کہ یہ شخصیت کون ہے۔ پھر اسے قدیم ترین مصر کی اس ملکہ کی سحر گیز آواز سنائی دی جس نے اپنے خاوند کی راہنمائی میں بتوں کی پوجا سے انکار کرتے ئے خدائے واحد کی توحید کا اعلان کیا تھا۔ یہ ملکہ نفریتی تھی۔ یاقوت کو کمرے کی اکت فضا میں ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ جیسے ملکہ نفریتی چند قدم چل ر اس کے قریب آئی ہو۔ یاقوت خاموش تھا۔ اسے ملکہ مصر کا ہیولا سا نظر آیا۔ اس ی شکل واضح نہیں تھی۔ یہ ہیولا طلوع آفتاب کی سنہری روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ اسے ملکہ مصر کی آواز سنائی دی۔ "خوشبو کا یہ تحفہ میں خود تمہارے واسطے لے کر آئی وں۔ اس لئے کہ تم سچی محبت کی تلاش میں ہو۔ یہ خوشبو سچی محبت کی خوشبو ہے۔"

یاقوت نے ملکہ نفریتی کی تعظیم کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اور آپ کے توحید ست خاوند افناتون سے بڑھ کر مصر کی قدیم تاریخ کوئی محبت کرنے والے میاں بیوی یش نہیں کر سکے۔ آپ کی محبت سچی اور مثالی ہے۔ آپ کے خاوند کی صرف ایک ہی وی ایک ہی محبوبہ ایک ہی کنیز تھی اور وہ آپ تھیں۔ افناتون نے جب بت پرستی کے خلاف عملی قدم اٹھایا تو آپ اس کے ساتھ تھیں۔ میں بھی ایسی ہی مثالی اور سچی بت کی تلاش میں صدیوں کے سفر پر بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

ملکہ مصر نے جواب دیا۔ "تم اپنی تلاش میں کامیاب ہونے والے ہو۔ شاید یہ مدی تمہاری تلاش محبت کے سفر کی آخری صدی ہو گی۔"

یاقوت کے چہرے پر غیر مادی مسکراہٹ کا ارغوانی رنگ بکھر گیا۔ "ہماری دنیا لیں اس ملکوتی مسکراہٹ سے صرف خوش قسمت آشنا ہیں جو ہمہ وقت خدا کی یاد میں رہتے ہیں اور رزق حلال کھاتے ہیں اور صرف اتنا کھاتے ہیں کہ روح اور بدن کا رشتہ اس وقت تک برقرار رہے جب تک انہیں خدا کے حکم سے دنیا میں زندہ رہنا ہے۔" ملکہ کی آواز سنائی دی۔

"تمہیں وہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں ان لوگوں نے میرے جسم
شیشے کے بکس میں بند کر کے نمائش کے لئے رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس بکس میں مٹی
مٹی کے اور کچھ نہیں ہے۔ خدائے واحد تمہارا محافظ ہو۔"

اس کے ساتھ ہی ملکہ مصر——— قدیم مصر کی سب سے عظیم اور نیک
ملکہ نفرتی کا ہیولا یاقوت کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ کمرے میں پھیلی ہ
ارغوانی روشنی بھی غائب ہو گئی۔ صرف ملکہ مصر کی وی ہوئی پرفیوم کی مہک اسی ط
تھی۔ یاقوت نے نیلی شیشی کو الماری میں سنبھال کر رکھ دیا۔ باقی رات وہ ہوٹل
کمرے میں پلنگ پر نیم دراز سمیرا اور اس کے ساتھ اپنی غیر فانی سچی محبت کے جذ
و احساسات میں ڈوبا رہا۔ یہ ایک روحانی جذب و سرور کی کیفیت تھی جس سے یا
کی روح آشنا ضرور تھی مگر جو ایک لمحے کے لئے اس پر طاری ہو کر غائب ہو
تھی۔ اس پر یہ روحانی کیفیت طاری اس لئے ہوتی تھی کہ وہ سچائی کی تلاش می
اور غائب اس لئے ہو جاتی تھی کہ اپنی زندگی میں وہ کئی بار سچی محبت کا خون کر چکا
وہ خیر و شر، سکون و اضطراب کی حالت میں تھا۔ چونکہ اس کا دل گناہوں سے تو
چکا تھا اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی خاطر غیر فانی محبت کی تلاش میں
اس لئے احساسات کی باہمی کشمکش اسے اپنی آگ کے شعلوں میں جلا کر راکھ کر
کی بجائے کندن بنانے کے عمل سے گزر رہی تھی۔

ناشتے کی میز پر یاقوت نے ملکہ مصر کے پرفیوم کی شیشی سمیرا کو پیش کی
نے معنی خیز نگاہوں سے یاقوت کی طرف دیکھا اور مسکرا کر پوچھا کہ راتوں را
پرفیوم کی شیشی اس کے پاس کہاں سے آ گئی۔ یاقوت نے کوئی جواب نہ دیا او
لئے چائے بنانے لگا۔ سمیرا کو اب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ یاقو
اسرار و رموز سے واقف ہو چکی تھی۔ اب تو سمیرا کبھی کبھی یہ سوچ کر اداس
تھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے محبت کر رہی ہے جو کسی بھی لمحے اس کی زند
ہمیشہ کے لئے غائب ہو سکتا ہے۔ ناشتے کے بعد وہ دونوں قاہرہ کی سیر و سیاحت
دیئے یاقوت کا ارادہ قاہرہ کے عجائب گھر میں جانے کا نہیں تھا مگر سمیرا کے بے
اصرار پر وہ مجبور ہو گیا۔ قاہرہ کا میوزیم قدیم مصری تہذیب اور فراعنہ

ورات سے بھرا پڑا تھا۔ ایک کمرے میں شیشے کے صندوق میں ملکہ نفرتی کی حنوط
ہ لاش بھی پڑی تھی۔ یاقوت نے اس طرف جانے سے گریز کیا اور سمیرا کو دوسرے
ادرات دکھانے لگا رہا۔ وہاں دوسری طرف کئی حنوط شدہ لاشیں بھی تھیں۔ سمیرا
شدہ تہذیب کی ان مردہ نشانیوں سے بہت جلد بور ہو گئی۔ انہوں نے عجائب گھر کے
یک ریستوران ہی میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ سمیرا نے اہرام دیکھنے کی خواہش کا اظہار
یا۔ یاقوت نے کہا۔ "وہاں اب کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ تھا وہ دوسرے ممالک کے
وگ لے گئے۔ جو باقی بچا وہ قاہرہ کے عجائب گھر میں تم دیکھ چکی ہو۔"

لیکن سمیرا پر یاقوت کی اس دلیل کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ ٹیکسی کر کے اہرام کی
طرف چل پڑے۔ اہرام کو دیکھ کر سمیرا کو بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ پتھروں کے بلند ٹیلے تھے
جن پر ویرانی برس رہی تھی۔ کئی جگہوں سے پتھر اکھڑ چکے تھے۔ سخت گرمی تھی۔ ابو
لہول کے شکستہ مجسمے کے سائے میں ایک ایئر کنڈیشنڈ ریستوران میں بیٹھ کر سمیرا نے
ٹھنڈا مشروب پیا تو اس کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگی۔ "یہاں تو کچھ بھی نہیں
ہے۔"

یاقوت مسکرایا۔ "میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا۔ یہاں جو کچھ تھا وہ دوسرے
ملکوں کی حکومتیں نکال کر لے گئیں۔ باقی ماندہ چیزیں عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہیں۔"

سمیرا وہاں زیادہ دیر نہ رکی اور واپس اپنے ہوٹل میں آ گئی۔ وہ تین دن ہوٹل
میں ٹھہرے اور پھر یورپ کو روانہ ہو گئے۔ دو چار دن لندن میں گزارے۔ اس کے
بعد فرانس کی سیر کو چل دیئے۔ سمیرا کو فرانس کے مضافات اور پیرس کے میوزیم میں
رکھی ہوئی کلاسیکی تصاویر اور فٹ پاتھ کے کیفے بہت پسند آئے۔ یہاں بیٹھ کر اس نے
یاقوت کے ساتھ کافی پی۔ انیسویں صدی کے مصوروں اور شاعروں کی باتیں کیں۔
یاقوت نے کہا۔ "سمیرا! میں اٹلی جانا چاہتا ہوں۔ جہاں فلارنس شہر ہے۔ یہ وہ شہر ہے
جہاں دانتے پیدا ہوا۔ جس نے بیاترچے سے محبت کی اور اس محبت نے دانتے کو روح
کے بلند درجوں تک پہنچا دیا۔"

سمیرا بڑی دلچسپی سے یاقوت کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ پیرس کے ایک فٹ پاتھ
ریستوران میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ اس نے کالج کے زمانے میں دانتے کو پڑھا تھا۔
یاقوت کہہ رہا تھا۔ "دانتے کی عمر نو سال تھی جب وہ بیاترچے کے عشق میں گرفتار

ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ عشق، عشق حقیقی میں بدل گیا اور دانتے کے لئے لافانی محبت کے نور کے سانچے میں ڈھل گئی۔"

عشق حقیقی کی باتیں کرتے ہوئے یاقوت کے چہرے پر ایک عجیب سی چ تھی۔ اچانک اس نے سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سمیرا کو یاقوت کا محسوس ہوا جو ایک نئی بات تھی۔ یاقوت کہہ رہا تھا۔ "سمیرا! ایک محبت انسان کو خاک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔ ایک محبت اسے کائنات کے ب مقامات کی طرف لے جاتی ہے۔ جو انسان کی روح کا اصل ٹھکانہ ہے۔ تم ی کی ڈیوائن کامیڈی ضرور پڑھی ہو گی۔ اسے واپس گھر پہنچ کر ایک بار پ تمہارے عہد کے ایک شاعر اقبال اور دوسرے غالب نے روح کے ان بلند کو بے نقاب دیکھا ہے۔ ان کو بھی غور سے پڑھنا۔ ابھی میں تم سے صرف د اس کی پاکیزہ ترین محبت بیاترچے کا ذکر کر رہا ہوں۔ ہم دانتے کا پرانا مکا گے۔ ہم وہ گلی دیکھیں گے جہاں بیاترچے رہا کرتی تھی۔"

سمیرا پر یاقوت کی باتوں کا اب پہلے سے زیادہ اثر ہوا تھا۔ جب وہ کا بلند ترین مقامات کی باتیں کرتا تو سمیرا کو محسوس ہوتا کہ اس کی نظروں کے س مادے کے حجابات اٹھتے جا رہے ہیں اور وہ ہر چیز کو اس کے اصل روپ میں ہے۔ انہوں نے پیرس کے وے سائیڈ کیفے میں بیٹھے مزید کافی منگوائی اور باتیں کرتے رہے۔ پھر آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش شروع ہو گئ بارش---- سمیرا کو محسوس ہوا۔ جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ اٹھارویں پیرس کا پرسکون کلاسیکی رنگوں میں ڈوبا ہوا خواب۔

انہوں نے ایک ہفتہ پیرس میں قیام کیا۔ اس کے بعد وہ اٹلی روانہ ہ روم کے ایک ہوٹل میں اترے۔ دوسرے روز وہ فلارنس آ گئے۔ یہ دانتے اس شہر کی عمارتیں آج بھی قرون وسطیٰ کے عہد کی یاد دلاتی ہیں۔ سمیرا ا فلارنس شہر کے پتھریلے بازار سے نکل کر ایک گلی کے نکڑ پر آ کر رک گئے۔ نام ویادانتے تھا۔ اس گلی میں ایک مکان ہے۔ اس مکان کا نام سادانتے مکان میں آج سے تقریباً آٹھ سو برس پہلے دانتے پیدا ہوا تھا۔ اسی شہر ک میں دانتے نے پہلی بار بیاترچے کو دیکھا۔ جس کی محبت نے دانتے کے ذہن ک

ں۔ یاقوت کہہ رہا تھا۔ "اسی شہر کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے دانتے کو پہلی بار یہ یال آیا کہ ایک دن اس کی محبوبہ بیاترچے کو بھی مرجانا ہے۔ آخر وہ دن آ گیا۔ اترچے مر گئی۔ اس کی روح آسمانوں کی طرف چلی گئی۔ مگر دانتے کے دل میں اس کی بت کا نقش پہلے سے زیادہ روشن ہو گیا۔ دانتے اپنی کتاب "نئی زندگی" کے آخر میں لکھتا ہے کہ کاش خدائے تعالیٰ اپنی فضل و رحمت سے اسے اس کی توفیق دے کہ وہ یا سے پرواز کر کے فردوس میں اپنی غیر فانی محبت کا جلوہ دیکھے۔"

سمیرا پر عشق حقیقی کی ان پر اثر باتوں کا شدید اثر ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد لطیف اور ہلکا پھلکا اور مسرور محسوس کر رہی تھی۔ اس روز شام تک سمیرا اور قوت فلارنس شہر کی پرانی گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہے۔ انہوں نے رات کا ھانا بھی ایک پرانے ریستوران میں کھایا اور آخری فلائٹ میں روم اپنے ہوٹل میں پس آ گئے۔ یہاں سے دو روز بعد انہیں ایک امریکی ایئر لائنز کے جہاز میں بیٹھ کر ریکہ روانہ ہونا تھا۔ روم کے جس ہوٹل میں سمیرا اور یاقوت ٹھہرے ہوئے تھے وہ ی ایک تھری اسٹار ہوٹل تھا۔ انہوں نے دو الگ الگ سنگل بیڈ والے کمرے لے کھے تھے۔ سمیرا کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر یاقوت اپنے کمرے میں آ گیا۔ صبح ں بجے والی فلائٹ میں انہیں امریکہ روانہ ہونا تھا۔ یاقوت انہی کپڑوں میں پلنگ پر ب لگا کر لیٹ گیا۔ نیند کی اسے حاجت نہیں تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ت کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ یاقوت نے آنکھیں کھول کر قریب ہی پڑے یفون کی طرف دیکھا۔ شاید سمیرا نے فون کیا ہو گا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کیا تو سری طرف سے ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"قبرستان میں ملاقات ہو گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ٹیلیفون بند کر دیا گیا۔ ریسیور یاقوت کے کان سے لگا تھا کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کس کا فون تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اس نے آپریٹر کو ٹیلیفون کر کے پوچھا۔ "ابھی جو فون آیا تھا اس نے نمبر دیا تھا؟"

آپریٹر لڑکی نے جواب میں کہا۔ "جناب! میں شام سے یہاں موجود ہو کے کمرے میں' میں نے کوئی کال نہیں ملائی۔ اگر آپ کا کوئی فون آیا تو میں پوچھ لوں گی۔ کوئی اور خدمت سر؟" یاقوت نے فون بند کر دیا۔ یہ کون ہو وہ سوچنے لگا اس کی سوچ ایک عام نارمل اور مادی حدود میں قید انسان سے اور دور تک پہنچنے والی سوچ تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کون سی منفی طاقت ہے مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتر چکی ہے۔ یاقوت کو اس پر کوئی حیرت نہ اب اسے اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ یہ منفی قوت ابھی تک خاموش کیوں

اس کے بعد کوئی فون نہ آیا یہ معمہ ابھی تک یاقوت حل نہ کر سکا تھ شخص یا شخصیت یا غیبی منفی طاقت نے قبرستان میں ملاقات کے لئے کیوں کہا اس لئے کہ اس قسم کی منفی طاقتیں قبرستانوں اور ویران جگہوں میں ہی اپ بناتی ہیں یاقوت اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ذہنی اور روحانی طور پر پوری تیار تھا۔ اس بارے میں یاقوت نے سمیرا کو کچھ نہ بتایا۔ بتانے کی ضرورت تھی۔ اگلے روز وہ دس بجے کی فلائٹ سے نیویارک روانہ ہو گئے۔ سمیرا امریکہ جا رہی تھی۔ وہ بڑی خوش تھی یاقوت ابھی اگرچہ اپنے مادی جسم میر امریکہ جا رہا تھا مگر غیر مادی طور پر اس کے لئے امریکہ کا کوئی شہر' شہر کی کوئ

ٹی اسٹور وغیرہ اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اسے گمان ہوتا کہ وہ سب کچھ اپنی نکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے۔ فلائٹ بڑی خوشگوار رہی۔ اگرچہ سفر طویل تھا۔ سمیرا نے آدھا سفر اپنی سیٹ پر سو کر گزارا۔ یاقوت بھی ساتھ والی سیٹ پر کافی راستے نکھیں بند کر کے نیم دراز رہا لیکن وہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔

نیویارک میں کینیڈی ایئرپورٹ کے قریب ہی ایک ہوٹل میں دو کمرے لے لئے۔ اگرچہ یاقوت جس قدر چاہے ڈالر خرچ کر سکتا تھا۔ اس کے لئے اسے صرف یارک شہر کے کسی بھی بینک میں غائب حالت میں تھوڑی دیر کے واسطے جانے کی ضرورت تھی اور وہ جتنے چاہے ڈالر لا سکتا تھا لیکن یاقوت شر کی نہیں خیر کی قوتوں کا مائندہ تھا۔ وہ شر کی دلدل سے نکل کر خیر کی روشن منزلوں کی طرف جا رہا تھا تاکہ اس کی روح آسمانوں پر وہ مقام حاصل کر سکے جہاں رب جلیل کی رحمتوں کی ہر وقت رش ہوتی ہے۔ نیویارک میں یاقوت کے ساتھ سمیرا نے خوب سیر کی۔ وہ صبح کو نکل جاتے اور شام کو واپس ہوٹل میں آتے۔ کبھی کبھی رات کا کھانا کھا کر کبھی کوئی پکچر یکھنے چل دیتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ رات کا شو دیکھ کر واپس آئے تو ہلکی ہلکی ارش ہو رہی تھی۔ یاقوت نے کہا۔

"بہت خوبصورت رات ہے۔ اگلے چوک میں چل کر ٹیکسی لے لیں گے۔"

"ہاں۔" سمیرا خوش ہو کر بولی۔ "کچھ اور پیدل چلتے ہیں۔"

اتفاق سے وہ نیویارک کے اس بدنام علاقے سے گزر رہے تھے جہاں دن کے قت بھی راہ زنی کی اکا دکا وارداتیں ہو جاتی ہیں جوں ہی وہ اس جگہ پہنچے جہاں بلڈنگ ختم ہو جاتی تھی اور ایک چھوٹی سی گلی اندر کو چلی گئی تھی تو اچانک دو راہزن غنڈے نہیں دبوچ کر گلی میں لے گئے ایک نے سمیرا کو دبوچ لیا اور اس کی گردن پر پستول رکھ دی اور دوسرے نے یاقوت کے سینے پر پستول تان کر کہا۔ "اپنا بٹوہ ہمارے حوالے کر دو۔"

ان میں سے ایک نیگرو تھا اور دوسرا گورا تھا جس گورے غنڈے نے سمیرا کو دبوچ رکھا تھا اس نے سمیرا کا پرس پہلے ہی اپنے قبضے میں کر لیا تھا یاقوت کو ڈالر عزیز نہیں تھے' لیکن ایک تو اسے اس بات کا بڑا غصہ تھا کہ ایک نیگرو نے سمیرا کو پکڑ رکھا

ہے دوسرے وہ ان غنڈوں کو ایسا سبق سکھانا چاہتا تھا کہ وہ آئندہ کبھی کسی شری آدمی کے ساتھ ایسا سلوک نہ کر سکیں۔ اس نے غنڈے سے کہا۔ "میری دوست چھوڑ دو۔ میں تمہیں بٹوہ دیئے دیتا ہوں۔"

نیگرو نے یاقوت سمیرا دونوں کو ایک بڑی واہیات گالی دے دی۔ یہ گالیاں لوگوں کا روزمرہ کا معمول تھا مگر یاقوت اور سمیرا کے واسطے یہ مرنے کا مقام تھ یاقوت کو بہت کم غصہ آتا تھا مگر یہ گالی اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے غ غنڈے کے منہ پر اتنی زور سے الٹا ہاتھ مارا کہ نیگرو کے گال کی کھال اڑ گئی اور سے جبڑے کی ہڈی نظر آنے لگی۔ خون جاری ہو گیا پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ نیم روشن سڑک پر جا گرا اور وہ خود لڑکھڑا کر دیوار کے ساتھ ڈھیر ہو گیا اور سس بھر کر کراہنے لگا۔ سفید فام غنڈے نے یہ ماجرا دیکھا تو یاقوت پر اوپر تلے چار گو چلا دیں۔ چاروں کی چاروں گولیاں اس کی آنکھوں کے سامنے یاقوت کو لگیں مگر ا کوئی اثر نہ ہوا۔ غنڈے نے ڈر کر سمیرا کو چھوڑ دیا وہ گلی میں دوڑ پڑا وہ یاقوت ایک دم کافی دور ہو گیا تھا لیکن یاقوت نے جیسے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ بڑھا کر ا غنڈے کو گردن سے پکڑا اور کھینچ کر اپنے پاس لے آیا۔ اس دوران نیگرو ا ادھڑی ہوئی کھال والے گال کی ہڈی پر ہاتھ رکھے وہاں سے کراہتا ہوا جا چکا تھا۔

یاقوت نے سفید فام غنڈے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور انگریزی کہا۔ "میں نہیں چاہتا اب کوئی تیری غنڈہ گردی کا شکار بنے۔"

سمیرا دم بخود سی ہو کر یاقوت کو دیکھ رہی تھی۔ یاقوت نے دہشت زدہ غ کی گردن کو اپنے آہنی پنجے کی گرفت میں دبوچا اسے ایک دم زمین سے دو فٹ اٹھایا اور پھر اسے اس وقت چھوڑا جب غنڈے کا دم نکل چکا تھا اور گردن کی ہ جانے کتنی جگہوں سے ٹوٹ چکی تھی۔ یاقوت نے سمیرا کے بازو میں ہاتھ ڈالا او نیم روشن خونی گلی سے نکال کر لے گیا۔

مزید دو روز نیویارک کی سیرو سیاحت کرنے کے بعد سمیرا اور یاقوت واش گئے۔ یہاں ان کا ارادہ ایک ماہ ٹھہرنے کا تھا چنانچہ انہوں نے کسی ہوٹل میں کم کی بجائے آرلنگٹن کی ایک ہائی رائز بلڈنگ میں ڈبل بیڈ روم والا فلیٹ کرائے

۔ یہاں سمیرا بیڈ روم میں سوتی اور یاقوت ڈرائنگ روم میں رات کو۔۔۔۔۔ وفے پر لیٹ رہتا۔ سونا تو اسے ہوتا نہیں تھا کبھی جی خواب دیکھنے کو چاہتا تو وہ سو ی جاتا۔ یہاں خرچ زیادہ تھا۔ یاقوت کے پاس واپسی کا کرایہ بچا کر ڈالر کم پڑ گئے۔ ں نے سمیرا سے کہا۔ "میں اگر چاہوں تو کسی بینک یا اسٹور سے جتنے چاہوں ڈالر اڑا سکتا ہوں مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں کوئی جاب کر لیتا ہوں یہاں بڑے کام مل تے ہیں۔" سمیرا نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم اپنا ٹور ملتوی کر کے واپس چلے تے ہیں بہت سیر کر لی ہے۔ مگر یاقوت کو واشنگٹن بہت پسند آیا تھا وہ اس صاف ھرے شہر میں سمیرا کے ساتھ کچھ روز مزید سیرو سیاحت کرنا چاہتا تھا۔ سمیرا نے کہا۔ تو پھر میں بھی کوئی جاب کر لیتی ہوں میں یہاں اکیلی بیٹھ کر کیا کروں گی۔"

تھوڑی سی کوشش سے سمیرا کو قریبی فوڈ اسٹور میں اور یاقوت کو پاس ہی ایک بس اسٹیشن پر جاب مل گئی۔ وہ صرف چار چار گھنٹے کی ڈیوٹی کرتے اور روز کے روز ی مزدوری لے کر آ جاتے۔ ان ڈالروں سے ان کا روز کا خرچ بڑی آسانی نکل آتا ا۔ اپارٹمنٹ کا کرایہ انہوں نے ایک ماہ کا پیشگی دے رکھا تھا جس گیس اسٹیشن پر قوت کام کرتا تھا اس کے عقب میں پیپل کے درختوں میں گھری ہوئی ایک چھوٹی سی ڑک گزرتی تھی جو آگے آرلنگٹن کے ایک قدیمی قبرستان کے قریب سے ہو کر بالسٹن ب اسٹیشن والے چوک کی طرف نکل جاتی تھی۔ یاقوت کو کبھی اس طرف جانے کا فاق نہ ہوا تھا اور یخ بستہ ہوائیں سڑکوں پر گرے ہوئے سوکھے پتوں کو اڑائے ڑائے لئے پھرتی تھیں۔ یاقوت شیشے کے بند کیبن میں کیش بکس کے آگے بیٹھا ڑکوں پر اڑتے پتوں کو دیکھتا رہتا۔ کوئی گاڑی آتی تو باہر آ کر اس میں پیٹرول ڈال کر قم وصول کرتا اور واپس کیبن میں آ جاتا اسے سردی تو بالکل لگتی ہی نہیں تھی محض ی تفریح کی خاطر اسے شیشے کے کیبن میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا واشنگٹن کی سڑکیں پیدل لنے والوں سے ویسے بھی خالی رہتی ہیں اور سردیوں میں تو کبھی کبھار ہی فٹ پاتھ پر ے کوئی گزرتا ہے۔ ایک روز ایک لمبی نیلے رنگ کی سیڈان گاڑی گیس اسٹیشن پر آ ر رکی اس میں گولڈن بالوں والی خوبصورت نوجوان امریکی عورت بیٹھی تھی۔ اس نے اڑی کے بند شیشے میں سے یاقوت کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ مطلب

یہ تھا کہ مجھے پیٹرول چاہئے اور سرد یخ بستہ ہوا کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتی یا کے لئے یہ انوکھی بات نہیں تھی۔ اکثر لوگ گاڑی میں بیٹھے رہتے تھے اور وہ ٹنکی پیٹرول بھر دیا کرتا تھا۔ وہ کیبن سے مسکراتا ہوا باہر آیا اور خوبصورت امریکی عورت گاڑی میں پیٹرول ڈالنے لگا وہ پیٹرول ڈال کر فارغ ہوا تو عورت نے تھوڑا سا نیچے کر کے کچھ ڈالر دیئے۔ یاقوت نے انہیں گنا اور وہاں سے کیبن کی طرف چلنے ہی تھا کہ اچانک چار غنڈہ ٹائپ موٹر سائیکل سوار وہاں شور مچاتے آئے اور عورت گاڑی کے گرد چکر لگانے اور شور مچانے لگے۔ ایک نے تو اپنی موٹر سائیکل گاڑی ساتھ بھی مار دی۔ عورت بے چاری گھبرا گئی اس نے موٹر اسٹارٹ کر دی ان غنڈ میں سے ایک نے فائرنگ کر کے گاڑی کے ٹائر پنکچر کر دیئے دوسرے نے لوہے کا مار کر گاڑی کا شیشہ توڑ ڈالا عورت چیخ مار کر گاڑی سے نکل کر دوڑی۔ غنڈوں اسے موٹر سائیکلوں کے گھیرے میں لے لیا اور ہوائی فائر کرنے لگے جب ایک غنڈ نے عورت کو اٹھا کر موٹر سائیکل کے آگے ڈالنے کی کوشش کی تو یاقوت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

اس نے دوڑ کر غنڈے کو گردن سے پکڑا اور سڑک کی طرف اچھال دیا۔ وہا سب پر ایک سیکنڈ کے لئے جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔ کیونکہ غنڈہ سڑک سے بیس ف ہوا میں اچھل کر پچاس فٹ دور بڑی سڑک پر اتنی زور سے گرا کہ پھر نہ اٹھ غنڈوں نے یاقوت پر فائرنگ کر دی یاقوت نے لپک کر باقی تینوں غنڈوں کو بھی دبوچ اور باری باری زور سے ہوا میں اچھال کر سڑک کی دوسری طرف درختوں میں پھینک دیا۔ اب وہاں لوگ جمع ہو گئے تھے امریکی خاتون حیران تھی کہ اس دبلے پتلے خو شکل نوجوان میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی ہے۔ اتنے میں پولیس کی گشتی گاڑی آ گئی۔ پولیس نے چاروں غنڈوں کو حراست میں لے کر ایمبولینس کے لئے وائرلیس پیغام دے دیا کیونکہ چاروں غنڈے شدید زخمی حالت میں بے ہوش پڑے تھے۔ ا خاتون نے یاقوت کا شکریہ ادا کیا اور اپنی گاڑی وہیں چھوڑی ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی تھوڑی دیر میں ایمبولینس آ گئی۔ پولیس چاروں غنڈوں کو اس میں ڈال یاقوت کا قلمبند کرنے کے بعد چلی گئی۔ امریکی عورت کا حلفیہ بیان پہلے ہی قلمبند کر لیا گیا

شام کو یاقوت ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گیس اسٹیشن سے نکل رہا تھا کہ وہی امریکی عورت گاڑی لے کر آ گئی اس نے کار کا دروازہ کھولا اور یاقوت کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے موقع نہ دو گے کہ میں تمہیں تمہاری اپارٹمنٹ بلڈنگ تک تمہیں چھوڑ آؤں۔"

یاقوت نے کہا۔ "میری اپارٹمنٹ بلڈنگ دو بلاک چھوڑ کر ہی ہے شکریہ!" مگر امریکی عورت نے اصرار کر کے یاقوت کو اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا لیا۔ گاڑی آگے چل پڑی امریکی عورت نے کہا۔ "میرا نام ڈایان ہے۔" یاقوت نے اسے اپنا نام بتایا اور کہا کہ وہ پاکستان سے سیر و سیاحت کی غرض سے امریکہ ہی آیا ہوا ہے۔ ڈایان نے باتوں ہی باتوں میں یاقوت کے ساتھ اپنی ایک سہیلی کا ذکر کیا جو اس سے ملاقات کرنے کو بڑی بے تابی تھی۔ یاقوت نے کہا۔ "مگر میں تو اسے نہیں جانتا۔" ڈایان ہنس کر بولی۔

"ٹھیک ہے لیکن جب میں نے اس سے تمہاری زبردست طاقت کا ذکر کیا تو وہ تڑپ اٹھی اور کہا کہ اس عظیم سپرمین کو مجھ سے ضرور ملاؤ۔ وہ خود تمہارے پاس آتی مگر وہ معذور ہے کیا تم اس کی خواہش پوری نہ کرو گے؟"

یاقوت کے پاس کافی فارغ وقت تھا۔ سمیرا کو ڈیڑھ گھنٹے بعد اپارٹمنٹ پہنچنا تھا۔ ایک معذور عورت کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اس نے ہامی بھر لی مگر پوچھا۔ "میرے پاس تو کوئی ایسی طاقت نہیں ہے وہ تو میں نے غنڈوں کو ذرا زیادہ زور سے اچھال دیا تھا اور بس۔"

ڈایان بولی۔ "ہاں۔ میں نے اپنی سہیلی سے ایسے ہی بات کی تھی مگر وہ کہنے لگی کہ وہ بڑا عظیم نوجوان ہے۔ وہ سپرمین ہے مجھے اس سے ملاؤ۔ یہ جو میری سہیلی ہے یہ نگرو ہے اس کا نام ستھیا ہے۔ بیوہ ہے خاوند مر چکا ہے کوئی اولاد بھی نہیں۔۔۔۔"

یاقوت اس عورت کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اس نگرو عورت کے ہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے گا اور جلدی واپس اپنے اپارٹمنٹ آ جائے گا۔

گاڑی ڈومینن ہلز کے علاقے میں داخل ہو چکی تھی پھر وہ ایک چھوٹے سے خوش نما باغیچے والے کاٹیج کے پورچ میں داخل ہو کر رک گئی۔ نیگرو عورت ستھیا ایک وھیل چیئر پر بیٹھی تھی ڈایان نے یاقوت کا اس سے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "ستھیا! یہ ہے تمہارا سپرمین جس نے مجھے آج غنڈوں سے بچایا تھا۔" ستھیا یعنی نیگرو عورت نے یاقوت کو دیکھا تو اسے ایک جھٹکا سا لگا اور سارے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر کنٹرول حاصل کیا اور مسکراتے ہوئے یاقوت سے ہاتھ ملایا۔ "تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" نیگرو عورت کی آواز کی لرزش کو یاقوت نے بھی محسوس کیا۔ دراصل یاقوت بہت کم لوگوں پر اپنی توجہ مرکوز کرتا تھا اسے سوائے اپنی محبت یعنی سمیرا کے کسی دوسرے انسان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر وہ نیگرو عورت پر توجہ کرتا تو اسے ایک سیکنڈ میں معلوم ہو جاتا کہ وہ عورت روحوں کو بلانے والی پیشہ ور خاتون ہے اور اس کو یاقوت کے اندر آنے سے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ کوئی نیک روح اس کے گھر میں داخل ہو رہی ہے۔

یاقوت کو چھوٹے سے سجے سجائے کمرے میں بٹھا کر نیگرو عورت ڈایان کو دوسرے کمرے میں لے آئی اور دھیمی آواز میں بولی۔ "ڈایان! یہ شخص اس دنیا کی مخلوق نہیں ہے۔"

ڈایان بڑی گرمجوشی سے بولی۔ "میں نے کہا تھا نا کہ یہ سپرمین ہے۔ اتنی طاقت بھلا ایک عام آدمی کے پاس کہاں ہوتی ہے۔"

نیگرو عورت نے کہا۔ "اس شخص کی جس طاقت کا تم نے مشاہدہ کیا ہے وہ بھی نہیں تھی یہ دبلا پتلا نوجوان اگر چاہے تو اس مکان کو بنیادوں سے اکھاڑ کر سڑک پر پھینک سکتا ہے۔"

ڈایان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "تو کیا یہ مریخ کا رہنے والا ہے؟ دیکھا میں نے تمہیں کیسے آدمی سے ملایا؟" ڈایان بڑی جوش میں آ گئی تھی اور اپنے کارنامے پر خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی اس نے نیگرو خاتون سے کہا ہم اس کی مدد سے جس بینک سے جتنی چاہیں کرنسی نوٹ منگوا سکتی ہیں ہم ارب پتی بن ہیں اس پر نیگرو خاتون مسکرائی۔ "یہ برائی ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمیں

نیک روح سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ہمیں اس نوجوان کے دل میں جلنے والے عالم گیر لافانی محبت کے چراغ سے اپنے دلوں کو روشن کرنا چاہئے۔ آؤ وہ اکیلا کیا سوچے گا کہ ہم نے انہیں پوچھا تک نہیں۔"

ڈایان اور نیگرو خاتون نشست گاہ پر آئیں تو یاقوت صوفے پر بیٹھا ایک رسالہ پڑھ رہا تھا۔ نیگرو خاتون نے معذرت کے انداز میں کہا۔ "سوری مائی فرینڈ! تم کیا پینا پسند کرو گے۔"

یاقوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کافی ہو جائے تو اچھا ہے۔"

نیگرو نے ڈایان کو اشارہ کیا۔ وہ کافی بنانے کچن میں چلی گئی۔ یاقوت نے کارنس پر رکھے شیشے کے گلوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "میڈم! کیا تم روحوں کو بھی بلاتی ہو؟"

نیگرو خاتون نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاں مائی فرینڈ! میں لوگوں کی خواہش پر روحوں کو بلاتی ہوں مگر کبھی کبھی کوئی نیک روح اپنے آپ بھی میرے پاس آ جاتی ہے۔"

یاقوت نے اپنی نگاہیں نیگرو عورت کے چہرے پر مرکوز کر دیں وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "جیسے آج تم میرے پاس آ گئے ہو۔ یہ میری خوش قسمتی ہے۔ نیک روح کا مل جانا میرے حساب سے بڑی خیر و برکت کی بات ہوتی ہے۔"

اب یاقوت نے نیگرو خاتون پر توجہ دی تو اسے سب کچھ پتہ چل گیا کہ یہ ایک عامل عورت ہے مگر بڑی نیک دل ہے اور کسی روح سے اس نے کبھی کوئی جائز یا ناجائز کام نہیں لیا۔ یاقوت کہنے لگا۔ "میں تمہارا احترام کرتا ہوں۔"

نیگرو خاتون نے تھینک یو کہا اور ایک پل کے لئے آنکھیں بند کر دیں۔ پھر آنکھیں کھولیں۔ یاقوت کی طرف مہربان نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"میرے دوست! اپنے علم سے میں اتنا جان گئی ہوں کہ تم عالم جاودانی سے اس عالم فانی میں کوئی بڑا پاکیزہ اور نیک مشن لے کر آئے ہوئے ہو۔ ہو سکتا ہے تمہیں محبت کے توڑ کی تلاش ہو میں تمہیں صرف ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک شیطانی روح تمہیں نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ اس سے ہوشیار

رہتا۔"

یاقوت نے نیگرو عورت کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور اسے بالکل نہ بتایا شیطانی روح کی آواز وہ پہلے ہی سن چکا ہے اور محتاط ہو گیا ہے۔ ڈایان کافی کے ٹرے میں رکھے کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ محفل کافی دیر تک جاری رہی۔ یاقوت سمیرا کا خیال لگا ہوا تھا کہ وہ اسٹور میں اپنی ڈیوٹی ختم کر کے واپس آ چکی ہو گی نیگرو خاتون سے ہاتھ ملا کر ڈایان کے ساتھ باہر آ گیا۔ ڈایان سے اس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے باہر چھوڑا اگلے روز ملنے کا وعدہ لے کر چلی گئی۔ یاقوت شیشے کا دروازہ کھول کر لابی میں داخل ہو گیا جس کی فضا نیم گرم تھی اس نے لفٹ کا بٹن دبایا لفٹ کے نیچے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ آج دن میں دو تین بار یاقوت کے دل میں بار اس قسم کا خیال بلکہ خواہش سی پیدا ہوئی تھی کہ کاش وہ بھی دوسرے لوگوں طرح اسی دور' اسی صدی میں پیدا ہوا ہوتا۔ پھر وہ سمیرا سے شادی کر کے بڑی پر زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن وہ ہزار خواہش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مادی میں ضروری چل پھر رہا تھا لیکن حقیقت میں وہ ایک لطیف روح تھی اور مادی د اس کا کسی قسم کا جسمانی تعلق نہیں تھا۔ پھر یہ سوچ کر اسے شرمندگی کا احساس لگتا کہ وہ روح کے اعلیٰ ترین مقام سے نیچے اتر آیا ہے۔ وہ جلدی سے اپنے کا رخ اپنے مشن اور روح کی پاکیزگی کی طرف موڑ دیتا۔ ایسا یاقوت کے ساتھ کے روحانی سفر میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس قسم کی خواہش پہلے کبھی اس میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ایسی خواہشات ایک روح کو مادی اور آلائشوں میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔

لفٹ کا دروازہ کھل گیا چند سیکنڈ کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے آگے تھا۔ اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا اس کا خیال تھا کہ سمیرا اندر موجود ہو گی۔ تین بار گھنٹی بجانے پر دروازہ اندر سے کسی نے نہ کھولا تو یاقوت نے جیب - نکال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کی ہر شے الٹ پلٹ تھی۔ وہ تیزی سے بیڈ روم میں گیا کیا دیکھتا ہے کہ بستر پر سمیرا کی ٹوٹی ہوئی پڑی ہیں سامان بکھرا ہوا ہے ٹیبل لیمپ روشن ہے جس کے پاس تپائی پر کاغذ

جس پر لکھا ہے۔

"قبرستان میں ملاقات ہو گی۔"

"قبرستان میں ملاقات ہو گی۔"

کاغذ پر انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں یہی تحریر درج تھی۔ یاقوت کو پہلی بار غصہ آ گیا۔ اس لئے نہیں کہ اسے کسی غیر مرئی طاقت نے قبرستان میں ملاقات کے لئے بلایا تھا بلکہ ——— وہ جس لڑکی کو چاہتا تھا اور جو لڑکی پیار کی لافانی منزلوں کی طرف اس کی راہنمائی کر رہی تھی وہ اپارٹمنٹ میں نہیں تھی اور یقیناً" اس بدروح یا شرپسند روح نے ہی سمیرا کو اغواء کیا تھا۔ اس وقت رات کا پہلا پہر گزر رہا تھا۔ بستر پر پڑی ٹوٹی چوڑیوں سے ثابت ہوتا تھا کہ سمیرا کو زبردستی کسی طاقت نے اغواء کیا ہے اور سمیرا نے مزاحمت کی تھی۔

یاقوت کے چہرے پر ایک جلال کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے اپنی نگاہیں رقعے پر درج تحریر پر مرکوز کر دیں مگر عجیب بات تھی کہ اس کی نظریں تحریر کی دوسری جانب دیکھنے سے قاصر تھیں۔ نظریں تحریر سے ٹکرا کر واپس پلٹ آئی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سمیرا کہاں ہے مگر اس کی آنکھوں میں سوائے اندھیرے کے اور کچھ نہیں تھا۔ دھواں سا نظر آتا جو بادلوں کے مرغولوں کی طرح گھوم رہا تھا۔ یاقوت نے اپارٹمنٹ کی بتی جلتی رہنے دی۔ چیزوں کو درست کیا۔ بستر پر سے سمیرا کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں اٹھا کر کیبنٹ کے دراز میں رکھیں اور دروازے کو لاک کر کے لفٹ کی طرف بڑھا۔

وہ قبرستان میں اس بدروح سے ملاقات کرنے جا رہا تھا جس نے بظاہر سمیرا کو اغواء کر رکھا تھا۔ اس علاقے میں صرف ایک ہی قبرستان قریب تھا۔ یاقوت نے سوچا کہ وہیں چلنا چاہئے ممکن ہے شرپسند بدروح سے وہیں ملاقات ہو جائے۔ وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے والے فٹ پاتھ پر پیدل چلتا اپنے گیس اسٹیشن کے آگے سے گزر کر چھوٹی سڑک پار کر کے عقب میں آ گیا۔ یہاں درختوں کی گھری ہوئی پتلی سڑک قبرستان کو جاتی تھی۔ اس سڑک کی دونوں جانب بتیاں روشن تھیں۔ پیپل کے درختوں پر سے خزاں کی سرد ہواؤں کے جھونکے خشک پتے گرا رہے تھے۔ سڑک دور

تک خالی پڑی تھی۔ یاقوت نے گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ گلے میں مفلر پڑا تھا۔ ب
گرمی تو اسے لگتی نہیں تھی لیکن وہ اپنے آپ کو موسم کے اعتبار سے ملبوس رکھا
کرتا تھا۔ وہ قبرستان میں داخل ہو گیا یہ ایک بہت پرانا قبرستان تھا۔ اکثر قبروں
چبوترے نہیں تھے زمین کے برابر قبروں کے سرہانے کتبے لگے تھے کہیں کسی
فرشتے کا مجسمہ تھا۔ کہیں کسی راہب کا مجسمہ لگا ہوا تھا۔ اکثر قبروں پر پتھر کے گلدا
میں پھولوں کے گلدستے مرجھا رہے تھے جن قبروں کے چبوترے تھے ان پر در
کے سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے۔

سرد رات میں اوس گر رہی تھی۔ بائیں جانب قبروں کے اوپر کہرے کی ا
سی پھیلی ہوئی تھی۔ یاقوت ایک قبر کے پاس رک گیا اس نے اپنی توجہ سمیرا کے
اس کے چہرے کے تصور پر مرکوز کر دی۔ حیرانی کی بات تھی کہ سمیرا کی شکل ا
کے تصور میں آ رہی تھی مگر وہ کہاں تھی کہ اس کی تصویر نہیں ابھر رہی تھی۔
ایک قبر کے چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی پراسرار قوت
قبر کے اندر بلا رہی ہے۔ وہ چبوترے سے اٹھ کر ایک طرف ہو گیا اس نے
طرف دیکھا تو اسے ایک راستہ قبر کے اندر جاتا دکھائی دیا۔ وہ قبر کے اندر داخل
قبر کا بوسیدہ تابوت خالی تھا۔

تابوت کے سرہانے کی جانب ایک کشادہ محرابی کھڑکی کھلی پڑی تھی۔
کھڑکی میں سے گزر کر دوسری طرف آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک پر فضا
پایا جہاں چھوٹی چھوٹی سنگ مرمر کی روشنیوں کے درمیان فوارے چل رہے
پھولوں سے بھرے ہوئے درختوں کی ڈالیاں ان پر جھکی ہوئی تھیں۔ درختوں پر
میٹھی بولیاں بول رہے تھے۔ یاقوت کے قلب و نظر کا سارا حجاب ایک دم جیسے
اور ایک گہری خوشی کے احساس نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس۔
شخص کو دیکھا کہ درختوں کے نیچے' پھولوں بھرے مہکتے راستوں سے گزرتا
طرف چلا آتا ہے۔ یاقوت سے چند قدموں کے فاصلے پر آ کر وہ رک گیا زیا
کی وجہ سے اس شخص کے چہرے کے نقوش کرنوں میں ڈھل رہے تھے
یاقوت کو سلام کیا اور خیال روشنی اور نور کی زبان میں گویا ہوا۔ ''میں تمہارا

کا شکر گزار ہوں کہ تم دونوں کی وجہ سے مجھے میرے گناہوں کی اذیت سے نجات ملی
اور خدا نے مجھے معاف کر دیا چونکہ اب تمہارا حجاب دور ہو چکا ہے اس لئے تم سمجھ
گئے ہو گے کہ میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے اور سمیرا کا یہاں میری قبر پر ایک
لمحے کے واسطے آنا کس قدر ضروری تھا۔ خدا نے مجھے بخش دیا ہے۔ مجھے معاف کر دیا
ہے تم بھی مجھے معاف کر دینا میں نے تمہیں پریشان کیا لیکن تمہاری پریشانی کے بغیر
میری روح کی نجات شاید نہ ہوتی۔''

یاقوت کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اس نے ذہن کی اسکرین پر اس
شخص کی ساری زندگی کو فلم کی طرح ایک سیکنڈ میں شروع سے آخر تک دیکھ لیا تھا
یاقوت واپس جانے لگا تو وہ شخص بولا۔ ''محبت تو سبھی کرتے ہیں مگر محبت پر اپنے آپ
کو قربان کر دینا۔ یہ کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے اسے تم مجھ سے بہتر جانتے ہو کیونکہ تم
اس کیفیت سے گزر رہے ہو۔ میں تمہارے ایثار' قربانیوں کے الم اور سمیرا کی پاکیزہ
نفسی کا حاجت مند تھا میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھے معاف کر دینا۔''

یاقوت نے خیال کی زبان میں اسے ایک بات کہی جس پر وہ روشن چہرے والا
شخص بڑا خوش ہوا اور سفید پھولوں سے لدے ہوئے درختوں کی طرف چل دیا۔

یاقوت نے آنکھیں بند کر لیں جب آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے اپارٹمنٹ کے بند
دروازے کے سامنے کھڑا تھا اور کال بیل کا بٹن دبا چکا تھا۔ سمیرا نے دوسری جانب
دروازے کے سوراخ میں سے یاقوت کو دیکھا اور دروازہ کھول دیا۔ ''آج تم نے دیر کر
دی میرا خیال تھا تم مجھ سے پہلے یہاں آ گئے ہو گے۔''

یاقوت یہ کہتا ہوا کیبنٹ کی طرف بڑھا کہ تھوڑا سا اوور ٹائم لگانا پڑ گیا تھا اس
نے دروازہ کھول کر دیکھا سمیرا کی ٹوٹی ہوئی چوڑیاں وہاں پر نہیں تھیں اس کی نگاہیں
سمیرا کی کلائی کی جانب اٹھ گئیں دونوں کلائیوں میں چوڑیاں موجود تھیں۔ وہ مسکراتا
ہوا کرسی پر بیٹھ گیا سمیرا نے اسے بتایا کہ میں نے اتنی دیر میں مرغی روسٹ کر لی ہے۔
ساتھ چاول بھی پکا لئے ہیں پھر اچانک اسے خیال آ گیا کہ یاقوت تو ان چیزوں سے
بہت دور ہے وہ چپ سی ہو گئی یاقوت فوراً بولا۔ ''ایسی بات نہیں ہے سمیرا۔ جب
میں اپنے مادی جسم میں ہوتا ہوں تو دنیا کی ہر لذت کا لطف اٹھا سکتا ہوں مجھے تمہارے

ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بہت ہی پسند ہے۔"

سمیرا خوش ہو گئی یاقوت نے سمیرا کو ڈایان سے اپنی ملاقات قبرستان میں کے بارے میں۔۔۔۔ کچھ نہ بتایا۔ سمیرا کھانا کھانے بیٹھی تو بولی۔ "میرا خیال ہمیں اگلے ماہ یہاں سے واپس وطن چلے جانا چاہئے اپنا وطن بہت یاد آنے لگا ہے۔

یاقوت نے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہیں اپنا وطن اپنا وطن ہوتا ہے ہم ا واپس پاکستان چلے چلیں گے۔" لیکن یاقوت کی روح پر ہلکی سی اداسی چھا گئی تھی وہ جانتا تھا کہ اس کی محبت کی مسرتوں اور مسکراہٹوں کا دور ختم ہو رہا ہے اور جا پہلا باب شروع ہونے والا ہے وہ جدائی کی تحریر کو اپنی آنکھوں کے سامنے صاف پر پڑھ رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ شاید میرا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ مجھے آنے واقعات کا علم ہے میں جانتا ہوں میرے ساتھ کیا گزرنے والی ہے جبکہ اس ماد کے رہنے والے لوگ اس اعتبار سے خوش قسمت ہیں کہ انہیں اگر آ خوشیوں کا علم نہیں ہے تو آنے والے دکھوں سے بھی وہ بے خبر ہیں جدائی کا شروع ہونے والا تھا زندگی کے اسٹیج پر صرف پردہ اٹھنے کی دیر تھی۔ یاقوت طور پر اس ایکٹ کے خیر مقدم کے لئے خود کو تیار کرنا شروع کر دیا۔

اگلے روز گیس اسٹیشن پر وہ ڈیوٹی دے رہا تھا کہ ڈایان کا فون آ گیا کہ "ڈیوٹی سے فارغ ہو کر لانگ جان سلور ریستوران میں ملو تم سے ایک بڑا ضرو ہے۔ میں تمہارا بے چینی سے انتظار کروں گی۔" یاقوت نے معذرت کرنی چاہ نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ میں کچھ نہیں سننا چاہتی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر لانگ جان سلور ریستوران کی طرف پیدل ہی چل پڑا۔ یہ ریستوران وہاں سے ہی دور تھا۔ ڈایان پہلے ہی وہاں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اٹھ کر یاق ملی کافی کا آرڈر دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ یاقوت نے کہا۔ "تم کس لئے یہاں بلایا ہے ڈایان؟"

ڈایان نے پانی کے دو گھونٹ لئے۔ ٹشو پیپر سے سرخ ہونٹ صاف نگاہ دائیں بائیں ڈالی اور یاقوت کے قریب ہو کر بڑے رازدارانہ انداز میں بو تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم امریکہ کے ارب پتی بن سکتے ہیں۔" یاقوت نے

دیکھا تو ڈایان نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "ڈارلنگ! میں تمہاری فرینڈ کے بارے میں کبھی تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی۔ تم چاہئے جتنی گرل ڈ بنا لینا لیکن میں چاہتی ہوں کہ ہم دونوں کا نام امریکہ اور سارے یورپ میں نیا تی جوڑا بن کر ابھرے۔"

یاقوت مسکرایا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

کافی آ گئی۔ ڈایان کافی بنانے لگی اس کا ذہن بڑی تیزی سے بہت سی باتیں رہا تھا اس نے سگریٹ سلگا کر یاقوت کو دیا اور آہستہ سے بولی۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں میرے دوست! تمہارے پاس ایک ایسی طاقت ہے جو آج سائنسی دور میں کسی کے پاس بھی نہیں ہے امریکہ کے سرکاری بینکوں کے وں سے بھرے ہوئے صندوق تمہارے ایک اشارے کے منتظر ہیں ہم ایک منٹ اس ساری دولت کے مالک بن سکتے ہیں۔ تم اپنی گرل فرینڈ کو بھی ساتھ رکھنا۔ جانتی ہوں تم اس کے ساتھ رہ رہے ہو مجھے کبھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا تم بے اس کے ساتھ شادی بھی کر لینا۔" پھر بڑے دل شکستہ لہجے میں بولی۔ "تم نہیں نتے میں نے مفلسی کے ہاتھوں کتنے دکھ اٹھائے ہیں اس روز میں جس کار میں رے گیس اسٹیشن پر آئی تھی وہ میرے ایک دوست کی تھی۔ میں نے دولت کمانے لئے اپنی ہر شئے داؤ پر لگا دی مگر مجھے سوائے بے وفا دوستوں اور ہرجائی بدمعاشوں اور کچھ نہ مل سکا مگر قدرت مجھ پر مہربان تھی اس نے تمہیں مجھ سے ملا دیا۔ لنگ! یہ سب کچھ قدرت کے اشاروں پر ہوا ہے۔ ورنہ مجھ پر تمہاری پوشیدہ قوتوں کس طرح انکشاف ہوتا۔ میرے دوست! میرے ساتھ مل جاؤ ہم دنیا میں تہلکہ مچا دیں گے یورپ امریکہ کے ہر شہر میں ہماری بلڈنگیں ہوں گی۔ ہمارے اپنے بینک ں گے ہم۔۔۔۔"

یاقوت نے ڈایان کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

"آئی ایم سوری ڈایان! تم نے مجھے غلط سمجھا میں وہ آدمی نہیں ہوں جس کی یں تلاش یا ضرورت ہے۔ آئندہ تمہیں مجھ سے ملنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے ونکہ جو تم چاہتی ہو میں وہ نہیں کر سکتا۔"

یہ کہہ کر یاقوت نے بٹوے میں سے پانچ ڈالر کا نوٹ نکال کر میز پر ر ریستوران سے باہر نکل گیا ڈایان پہلے تو ہکا بکا سی ہو کر رہ گئی۔ پھر اس نے ش کے عالم میں سگریٹ ایش ٹرے میں دبایا اور ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کرتے ہو کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

ریستوران سے نکلتے ہی ڈایان سیدھی اپنے ایک ایسے دوست کے پاس جو بنیادی طور پر جرائم پیشہ تھا مگر مقامی اسپتال کو امریکہ کے مہلک ترین ساز سپلائی کرتا تھا۔ اس اسپتال میں ان کے زہر سے سانپوں کے کاٹے کے انجکش کئے جاتے تھے اس جرائم پیشہ نیگرو کا نام تو خدا جانے کیا تھا مگر وہ جیری کے نا مشہور تھا اور دو مرتبہ کا سزا یافتہ بھی تھا جس وقت ڈایان اس کے اپارٹمنٹ پر وہ دو عورتوں کے ساتھ مائیکل جیکسن کی ٹیپ لگائے پاگلوں کی طرح ڈانس کر ر ڈایان بھی اس رقص میں شامل ہو گئی۔ جب وہ تھک گئے تو ڈایان جیری کو ایک لے گئی اور دل کی بات اس کے آگے بیان کر دی۔ وہ ابھی اپنے حلق میں ز کرواہٹ محسوس کر رہی تھی جو یاقوت کے ہاتھوں اسے اٹھانی پڑی تھی۔ یاقو ڈایان کے وسیع تر منصوبے کو جس بے دردی سے ٹھکرایا تھا اس کو ڈایان نے ا عزتی سمجھا اور اب وہ اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ جیری اپ ٹیڑھے دانت نکال کر ہنس پڑا۔ "او کے او کے۔"

جیری نے ڈایان کو دوسرے دن دوپہر کے بعد آنے کو کہا وہ رات ڈایا بری طرح پیچ و تاب کھاتے بسر کی وہ بار بار اپنے آپ بول پڑتی۔ "تم نے ا کو سمجھ کیا رکھا ہے؟ میں تم سے ایسا بدلہ لوں گی کہ اپنی تمام روحانی قوتوں کے تم ساری زندگی ہاتھ ملتے رہو گے۔" کسی نہ کسی طرح اس نے رات گزاری دو تو وہ اپنے ایک سرمایہ دار دوست کے پاس آ گئی۔ وہاں اس نے دوپہر تک گزارا اس سے کچھ رقم بھی لی اور گاڑی میں بیٹھ کر جیری کے اپارٹمنٹ میں جیری اس کا انتظار کر رہا تھا اور ٹیلی وژن کے آگے بیٹھا تھا۔ دونوں پاؤں صو پھیلائے ہاٹ ڈاگ کھاتے اور بیئر چڑھاتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ڈایان کو وہ بری طرح نتھنے چوڑے کر کے دانت نکال کر ہنسا ڈایان صوفے پر بیٹھتے ہو۔

"تم نے میرا کام کر دیا جیری؟"

"کیوں نہیں مائی ڈیئر کیٹ!"

اور گردن کو سارس کی طرح آگے پیچھے ہلاتا دوسرے کمرے میں آ گیا جب واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں پلاسٹک کا چھوٹا سا ڈبہ تھا جس میں اوپر کی جانب چھوٹے چھوٹے چار سوراخ تھے۔ ڈایان نے اسے پکڑنے کے واسطے ہاتھ آگے بڑھایا تو جیری نے ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیا اور گدھے کی طرح حلق سے عجیب سی آواز نکال کر ڈایان کو آنکھوں سے اشارے کرنا لگا۔ ڈایان دل میں نیگرو جیری کو گالیاں دینے لگی۔ بہرحال پلاسٹک کا ڈبہ لفافے میں لپیٹ کر ڈایان نے اپنے بیگ میں رکھا اور اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اتنا اسے معلوم تھا کہ یاقوت کی "گرل فرینڈ" سمیرا ڈیوٹی ختم کر کے پہلے واپس آ جاتی ہے اسی حساب سے ڈایان نے کچھ وقت اپنے فلیٹ پر گزارا اور پھر سمیرا کے اپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔ سمیرا اور ڈایان دونوں میں سے کسی نے ایک دوسری کو ابھی تک نہیں دیکھا تھا لیکن ڈایان جانتی تھی کہ یاقوت کے فلیٹ میں اس کے ساتھ صرف سمیرا نام کی لڑکی ہی رہتی ہے۔

کوریڈور میں دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ڈایان بڑے سکون سے قدم اٹھاتی یاقوت کے فلیٹ کے دروازے پر آ کر رک گئی اس نے بیگ میں سے ڈبہ نکال کر دروازے کے سامنے فرش پر رکھا کال بیل کے بٹن دوبارہ دبایا اور تیز تیز قدموں سے کوریڈور سے نکل گئی اس وقت سمیرا کچن میں کھانا تیار کر رہی تھی۔ گھنٹی کی آواز پر سمیرا نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ یاقوت کے آنے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔ ہو سکتا ہے آج وہ جلدی چھٹی کر کے آ گیا ہو۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی اس نے دروازہ کھول دیا باہر کوئی نہیں تھا اس کی نگاہ فرش پر پڑی۔ وہاں سرخ فیتے سے بندھا ہوا ایک ڈبہ پڑا تھا۔ سمیرا نے وہ اٹھا لیا وہ یہی سمجھی کہ یہ پیکٹ یاقوت نے اسے کوئی سرپرائز دینے کے لئے بھجوایا ہو گا۔ دروازہ بند کر کے وہ کچن کی طرف چلتے ہوئے ڈبہ کھولتی گئی۔ جوں ہی اس نے ڈھکنا اوپر اٹھایا سانپ جو کتنی دیر سے اندر بند تھا غصے سے پھنکارتا ہوا اچھلا اور اسنے سمیرا کے ہاتھ پر ڈس لیا۔ سمیرا کے منہ سے خوف زدہ چیخ نکل گئی۔ پیکٹ اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ وہ ٹیلیفون کی طرف دوڑی مگر سانپ کا

زہر بڑی تیزی سے اثر دکھا رہا تھا۔ وہ ٹیلیفون والی تپائی کے پاس ہی قالین پر گر پڑی
اس نے مدد کے لئے چلانا چاہا مگر آواز جیسے اس کے حلق میں بند ہو کر رہ گئی۔ اس
غنودگی طاری ہونے لگی اور پھر وہ بے ہوش ہو گئی۔

دس پندرہ منٹ کے بعد یاقوت بھی ڈیوٹی ختم کر کے آ گیا۔ اس نے دروازے کی گھنٹی دو تین بار بجائی جب اندر سے سمیرا نے دروازہ نہ کھولا تو اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوریڈور خالی تھا۔ یاقوت بڑے آرام کے ساتھ بند دروازے میں سے گزر گیا۔

جوں ہی اس کی نظر قالین پر بے ہوش سمیرا پر پڑی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے اچانک یاقوت نے سمیرا کی کلائی پر دو نشان دیکھے جن کا رنگ جامنی تھا۔ یاقوت نے آنکھیں بند کر کے اپنی توجہ مرکوز کی تو اس نے ایک ڈبے میں سے سانپ کو نکل کر سمیرا کو ڈستے ہوئے دیکھا۔ کھلا ڈبہ صوفے کے بازو کے قریب ہی پڑا تھا۔ توجہ مرکوز کرنے سے یاقوت پر سارے واقعات عیاں ہو گئے۔ اس نے جیسے فلیش بیک میں ڈایان کو سانپ والا ڈبہ فلیٹ کے دروازے کے باہر رکھ کر تیز تیز قدموں سے واپس جاتے دیکھا۔ سمیرا کا رنگ نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ یاقوت اسے ہر حالت میں زندہ رکھنا چاہتا تھا اس نے مزید توجہ کی تو اسے ایک کتھئی رنگ کا سانپ بیڈ روم میں پلنگ کے نیچے نظر آ گیا۔ یاقوت کی توجہ کو سانپ نے بھی محسوس کر لیا تھا اس نے بے چینی سے اپنی دم کو بجایا۔ یاقوت نے سمیرا کو اٹھا کر صوفے پر لٹا دیا۔ اس نے سانپ کی آواز کو سن لیا تھا۔ آواز نہ بھی آتی تب بھی یاقوت کو علم ہو چکا تھا کہ سانپ بیڈ روم میں ہے۔ یاقوت کے اندر بہت سی خفیہ صلاحیتیں اور طاقتیں تھیں ان میں خیر کی طاقتیں بھی تھیں اور شر کی بھی تھیں مگر یاقوت اپنے پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہا تھا اور وہ نیکی اور محبت کے نور کی

تلاش میں تھا اس لئے اس نے اپنی صلاحیتوں اور خفیہ طاقت کو ہمیشہ خیر' نیکی ا انسانوں کی بھلائی کے لئے ہی استعمال کیا تھا۔ سانپ نے بھی ایک غیر مرئی طاقت اپنے بے حد قریب محسوس کر لیا تھا۔ اس طاقت نے سانپ کی خصلت کے شر کو دیا۔ وہ رینگتا ہوا پلنگ کے نیچے سے نکل کر یاقوت کے سامنے آ گیا۔ یاقوت نے ہوش سمیرا کو صوفے پر لٹا دیا تھا اور خود اس کے قریب کھڑا تھا۔ سانپ اس سامنے تھا۔ یاقوت نے سانپ کو کچھ نہ کہا۔ سانپ قالین پر رینگتا صوفے پر چڑھ گ پھر وہ بے ہوش سمیرا کی کلائی کے پاس آ کر رک گیا۔ سانپ نے ایک لمحے کے اپنا سر پیچھے ہٹایا۔ پھر اپنا منہ سمیرا کی کلائی پر اس جگہ رکھ دیا جہاں اس نے ڈسا یاقوت خاموش کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ ایک منٹ کے بعد سانپ نے اپنا منہ لیا۔ آہستہ سے صوفے پر سے اترا اور قالین پر رینگتا گیلری کی طرف بڑھا جس ریلنگ والی شیشے کی کھڑکی ایک طرف سے تھوڑی سی کھلی تھی سانپ اس میں سے نکل گیا۔

یاقوت نے سانپ کو جانے دیا وہ جھک کر سمیرا کو غور سے دیکھنے لگا۔ سمیرا چہرے پر زندگی کی رونق واپس آ رہی تھی۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں یاقوت دیکھا تو جلدی سے اٹھ بیٹھی وہ سخت خوفزدہ تھی اس نے اپنی کلائی کو دیکھا۔

"سانپ ـــــ یاقوت سانپ نے مجھے ڈسا تھا۔ وہ یہیں کہیں ہے۔"

جب اسے اپنی کلائی پر سانپ کے کاٹنے کا کوئی نشان نظر نہ آیا تو وہ اپنی دو کلائی دیکھنے لگی۔ یاقوت نے اس سے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ "وہ ربڑ کا سانپ تھ محض سانپ کے خوف سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

قالین پر پڑے ہوئے پلاسٹک کے ڈبے کو دیکھتے ہی یاقوت سہم گیا تھا کہ پیکٹ میں ڈایان نے سانپ بند کر کے بھیجا تھا وہ سمیرا کو ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ نے محسوس کیا وہ بالکل ٹھیک ہے اور جسم پر سانپ کے کاٹنے کا کوئی نشان بھی نہیں وہ بولی۔

"مگر سانپ نے ڈبے میں سے اچھل کر میری کلائی پر ڈسا تھا اس کے زہر مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ سانپ یہیں کہیں ہو گا۔ اگر وہ ربڑ کا تھا تو

ا اسے یہیں ہونا چاہئے۔"

یاقوت کے واسطے غیب سے کوئی چیز مہیا کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے راتے ہوئے اپنے جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے لمحے ربڑ کا ایک سانپ ل کے سمیرا کے آگے فرش پر رکھ دیا۔

"یہی تھا ربڑ کا سانپ۔ ہاں اس قسم کے ربڑ کے سانپوں سے لوگ ایک سرے کے ساتھ اکثر مذاق کرتے رہتے ہیں۔ چلو اب اس بات کو بھول جاؤ۔ یہ بتاؤ آج کھانا کیا پکا رہی تھیں؟"

سمیرا کو یقین تھا کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے جسے یاقوت ظاہر یں کرنا چاہتا کیونکہ اس نے سانپ کو اپنی آنکھوں سے ڈبے میں سے اچھل کر کلائی ڈستے دیکھا تھا۔ چونکہ وہ بالکل صحت مند تھی اور جسم میں زہر کا ذرا سا بھی اثر یں تھا اس لئے وہ خاموش ہو گئی۔

دوسری طرف رقابت کی آگ میں جلتی ڈایان بھی حالات کی پوری نگرانی کر ہی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ سانپ نے اپنا کام کر دیا ہو گا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد اس نے اپنے فلیٹ پر سے سمیرا کے اپارٹمنٹ میں ٹیلیفون کیا۔ فون یاقوت نے اٹھایا۔ قوت کی آواز سننے کے بعد ڈایان نے ریسیور رکھ دیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد اس نے دبارہ فون کیا اس بار بھی ریسیور یاقوت ہی نے اٹھایا۔ اس نے دو تین بار "ہیلو ہیلو" کہا۔ ڈایان نے فون بند کر دیا۔ یاقوت نے توجہ کی تو اسے ڈایان اپنے فلیٹ میں بے چینی سے ٹہلتی نظر آئی تو وہ مسکرا دیا وہ سمجھ گیا کہ ڈایان سمیرا کی موت کی خبر سننے کے لئے بے چین ہے۔

رات گزر گئی دن چڑھا دونوں اپنے اپنے کام پر چل دیئے۔ سمیرا بھی اپنے سٹور پر آ کر ڈیوٹی دینے لگی۔ جس وقت وہ اسٹور کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی کھڑی کر کے اسٹور کی طرف جا رہی تھی' اس وقت ڈایان اپنی گاڑی میں بیٹھی اسے انتہائی مایوسی اور غصے کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ اسے بے حد افسوس ہوا تھا کہ سانپ نے کس وجہ سے اسے کاٹا نہیں تھا اور وہ بچ گئی تھی۔ ڈایان فوراً نیگرو جیری کے پاس پہنچی۔ نیگرو نے سارا ماجرا سنا تو گردن کو منکاتے ہوئے بولا۔ "اتفاق محض اتفاق سانپ

بھی گیا اب میں کچھ کر نہیں سکتا۔ سوری بے بی۔"

ڈایان دانت پیس کر رہ گئی۔ سانپ والے واقعے میں ناکام رہنے کے بعد
کے اندر کی برائی پوری طرح سے ابھر کر سامنے آگئی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا
اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے آخری بھرپور حملہ کرے گی۔ ڈایان اس
عورت تھی کہ اس کے شہر کے جرائم پیشہ لوگوں سے گہرے روابط تھے۔ ان م
نام کا ایک نیگرو بھی تھا جو بڑا سفاک اور بے رحم تھا۔ وہ کئی بار جیل ہو آیا تھا
آدمیوں کو قتل بھی کر چکا تھا۔ ویسے تو وہ ٹرک چلاتا تھا لیکن اس کا اصل کا
کے وقت ڈاون ٹاؤن اور ڈی سی کے ویران اندھیرے میں علاقوں میں اکی
آدمیوں کو لوٹنا تھا۔ وہ ڈایان سے محبت کرتا تھا مگر ڈایان نے اسے کبھی منہ نہ ل
ڈایان کا خیال سیدھا راکی کی طرف گیا۔ یہ آدمی اس کے انتقام کی آگ کو
سکتا تھا۔ راکی کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنا ڈایان کے واسطے کو
کام نہیں تھا۔ اس نے راکی کی طرف جوں ہی نگاہ التفات کی وہ اس کے آ
پھرنے لگا۔ ڈایان فوراً" حرف مطلب زبان پر لے آئی اس نے راکی کو یا
بارے میں بتا دیا کہ اس نے میری عزت نفس کو سخت مجروح کیا ہے اور جب
اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ نہیں لے لیتی مجھے چین نہیں آئے گا۔ راکی
نتھنے بھڑکنے لگے۔ اپنی بیٹھی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے صرف اتنا بتا دو وہ
کرتی ہے باقی میں جانوں میرا کام۔" ڈایان نے اسے احتیاط برتنے کی ہدایت
نے دانت نکال کر کہا۔ "نو پرابلم۔"

اس سے اگلے روز جب سمیرا شام کے وقت اپنی ڈیوٹی ختم کر کے ا
نکلی تو راکی اپنا ٹرک سڑک کے کنارے کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ڈایان
پہلو میں کھڑی تھی۔ اس نے سمیرا کی طرف اشارہ کیا۔ راکی نے آہستہ
ڈایان اسی وقت ٹرک سے اتر کر وہاں سے چلی گئی۔ سمیرا نے پارکنگ لاٹ
اپنی پرانی گاڑی نکالی اور اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔ وہ معمول کے
خاص رفتار سے گاڑی چلاتی روز کے دیکھے بھالے راستوں پر چلی جا رہی
میں ایک مقام پر اسے واشنگٹن کے ایک ایسے علاقے سے گزرنا پڑتا تھا

کافی اونچی ہو جاتی تھی اور دوسری طرف گہری ڈھلان تھی جہاں نیچے ایک پہاڑی نالہ بہتا تھا۔ راکی نے سمیرا کا کام تمام کرنے کے لئے اسی مقام کا انتخاب کر رکھا تھا۔ اس کا ٹرک اتنا بڑا تھا کہ وہ سمیرا کی چھوٹی جاپانی گاڑی کو ذرا سی ٹکر مار کر سیکڑوں فٹ نیچے گہرائی میں گرا کر پاش پاش کر سکتا تھا۔ راکی نے اپنا ٹرک برابر سمیرا کی گاڑی کے پیچھے لگا رکھا تھا۔

ڈایان اپنے فلیٹ میں بیٹھی سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہی تھی۔ اسے بے چینی سے راکی کی ٹیلیفون کال کا انتظار تھا جب وہ اسے اپنی بیٹھی ہوئی آواز میں بڑی بے نیازی سے بتائے گا کہ کام ہو گیا ہے۔ ڈایان کو پکا یقین تھا کہ راکی سمیرا کو بڑی آسانی سے ٹھکانے لگا دے گا۔ اس کے لئے سمیرا کی گاڑی کو اپنے ٹرک کی ٹکر سے کھڈ میں گرا دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

سمیرا گاڑی میں بڑے اطمینان سے بیٹھی ایک خاص رفتار سے گاڑی کو سڑک پر لئے جا رہی تھی۔ بائیں جانب اسے اپنی ہائی رائز اپارٹمنٹ بلڈنگ کی جھلملاتی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ اب اسے صرف ڈومین ہلز کی پہاڑی کا چکر کاٹنا تھا اور پھر وہ گاڑی کو چھوٹی سڑک پر ڈالنے کے بعد اپنی ہائی رائز بلڈنگ کے پارک میں داخل ہو جائے گی۔ گاڑی کے شیشے میں سے اس نے ایک ٹرک کو ضرور دیکھا تھا جو شروع ہی سے اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا لیکن اسے اس پر کسی قسم کا ہرگز شک نہیں ہوا تھا کیونکہ اس قسم کے ٹرک جو عام طور پر سامان لانے لے جانے کے کام آتے ہیں شہر کی سڑکوں پر اکثر آتے جاتے رہتے تھے ویسا ہی یہ ایک ٹرک تھا جس کی پیشانی پر انگریزی الفاظ میں "موورز" لکھا ہوا تھا۔

سمیرا کی گاڑی اب ڈومین ہلز کی پہاڑی پر آ گئی تھی۔ یہاں کہیں بجلی کے کھمبوں کی روشنی بھی تھی اور کہیں ہلکا اندھیرا آ جاتا۔ ایک جانب ٹیلے کی دیوار تھی اور دوسری جانب گہری کھڈ۔ سڑک یہاں چھوٹی ہو جاتی تھی ویسے بھی یہ ایک ذیلی سڑک تھی۔ سمیرا نے گاڑی کی رفتار ہلکی کر دی تھی۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے جو ٹرک آ رہا تھا اس کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی کہ ٹرک ڈرائیور نے رفتار کیوں بڑھا دی ہے کیونکہ سڑک اتنی چھوٹی ہے کہ

وہاں سے کوئی گاڑی کسی اگلی گاڑی کو کراس نہیں کر سکتی تھی۔

سمیرا کی گاڑی پہاڑی سڑک کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں سے سڑک کی ڈھلان شروع ہوتی تھی۔ ٹرک کی رفتار کو تیز ہوتے دیکھ کر سمیرا نے بھی رفتار تھوڑی سی تیز کر دی۔ راکی اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا جوں ہی سمیرا کی گاڑی سڑک کی چڑھائی کے آخری موڑ پر پہنچی اس نے سمیرا کی گاڑی کو ٹکر مارنے کے لئے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ اچانک راکی کو محسوس ہوا کہ ٹرک کی رفتار تو حد سے بڑھ گئی ہے مگر اس کا ٹرک سیدھا سمیرا کی گاڑی کی طرف جانے کی بجائے دائیں جانب جدھر سیکڑوں فٹ گہری کھڈ ہے اس طرف مڑ گیا ہے۔ راکی نے گھبرا کر اسٹیئرنگ وہیل کو بائیں طرف گھمایا۔ خوف سے اس کا سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ اسٹیرنگ وہیل جام ہو گیا تھا۔ ٹرک دائیں جانب مڑ چکا تھا۔ زندگی اور موت کے درمیان چند سیکنڈ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

راکی نے گھبراہٹ میں ایک بار پھر بریک لگانے چاہے بریک نہ لگا۔ ٹرک کو جیسے کسی ماورائی طاقت نے گہرے کھڈ کی طرف گھما دیا تھا اور وہ ادھر ہی کو چلا جا ر تھا۔ اب اتنا وقت نہیں تھا کہ راکی ٹرک کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگا سکتا اب صرف ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کی بات تھی۔ ٹرک نے سڑک کی دائیں جانب ل ہوا جنگلا توڑا اور دوسری طرف ڈھلان میں قلا بازیاں کھاتا سیکڑوں فٹ نیچے گہر پہاڑی نالے میں ایک دھماکے سے ٹکرایا اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک اور دھما ہوا اور ٹرک کی بچی کھچی باڈی میں آگ بھڑک اٹھی۔

سمیرا نے ہائی رائز بلڈنگ والی ذیلی سڑک پر گاڑی کو گھماتے ہوئے ایک ثا کے لئے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اسے ٹرک نظر نہ آیا وہ یہی سمجھی کہ ٹرک دوسر سڑک پر مڑ گیا ہے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جو شخص اسے ہلاک کرنے کے آیا تھا اس کی لاش کے ٹکڑے نیچے گہرے کھڈ میں جلتے ہوئے ٹرک کے ٹکڑوں ساتھ بکھرے پڑے ہیں۔ ڈایان اپنے فلیٹ میں راکی کے فون کا بے تابی سے انتظار رہی تھی۔ جب وہ اپنے مخصوص قہقہے کے ساتھ یہ خوشخبری سنائے گا کہ اس نے مشن کامیابی سے پورا کر دیا ہے۔ اس نے ٹیلیوژن کھول رکھا تھا جہاں چینل بیر

قص و موسیقی کا پروگرام سالڈ گولڈ ہو رہا تھا۔ ڈایان نے کافی بنائی اور مگ لے کر ھ گئی۔ اس کی نظریں بار بار ٹیلیفون کی طرف اٹھ جاتیں جو خاموش تھا۔ وہ سگریٹ کر اٹھی اور کھڑکی کے شیشے کے پاس جا کھڑی ہو گئی۔ دور سڑک پر روشنی ہو رہی ی اور کاریں ایک دوسرے کے پیچھے خاموشی سے چلی جا رہی تھیں۔ وہ واپس صوفے آکر بیٹھ گئی۔ اب تو راکی کا فون آ جانا چاہئے تھا وہ سوچنے لگی۔ پھر اسے خیال آیا ہو سکتا ہے ایکسیڈنٹ کے بعد پولیس کا کوئی میٹرول کار ادھر آ گئی ہو اور اس نے راکی کو پوچھ گچھ کے لئے روک رکھا ہو۔ اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا ر جیری کو فون کرنے لگی کہ اس سے راکی کے بارے پوچھے کہیں وہ سمیرا کی کار کو ڈ میں گرانے کے بعد ادھر تو نہیں چلا گیا۔ اس نے ٹیلیفون کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ور سے گھنٹی بج اٹھی ڈایان کانپ اٹھی۔ اس نے جلدی ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ سری طرف سے نیگرو جیری کی آواز آئی۔ "بے بی ایک بری خبر ہے۔"

ڈایان نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا؟"

ڈایان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یہ کمینہ کون سی بری خبر سنانے لگا ہے۔ ی کہہ رہا تھا۔ "بے بی۔ راکی از ڈیڈ۔ اس کا ٹرک ڈومنین ہلز سے الٹ کر کھڈ میں گرا اور وہ مر گیا ہے۔ ویری سیڈ۔ او کے بے بی ڈارلنگ کل میرے ہاں ضرور ا۔"

جیری نے فون بند کر دیا۔ ریسیور ابھی تک ڈایان نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ ا پر جیسے سکتہ طاری تھا۔ راکی از ڈیڈ' راکی از ڈیڈ۔ جیری کا یہ جملہ بار بار اس کے نوں میں گونج رہا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا یہ کیسے ہو گیا؟ ڈایان نے ریسیور رکھ دیا ک گہرا سانس بھرا اور سر صوفے کی پشت سے لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

سمیرا اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچی تو یاقوت وہاں پہلے سے موجود تھا اس نے دروازہ ولا۔ سمیرا نے منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے بدلے اور کچن میں جا کر کھانا تیار کرنے لگی۔ ت نشست گاہ میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ٹی وی کے ڈی سی چینل پر لوکل نیوز ہو ی تھی۔ اناؤنسر نے ایک خبر میں بتایا کہ تھوڑی دیر ہوئی ڈومنین ہلز کی رات ایک بلندی سے گہرے کھڈ میں گر کر تباہ ہو گیا ڈرائیور زندہ نہ بچ سکا۔ یاقوت کے

ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ سمیرا کچن سے نکل کر سٹنگ روم میں آئی تو یاقو
نے اسے بھی یہ خبر سنائی وہ کچھ حیران سی ہو کر کہنے لگی۔ "یاقوت! یہ ضرور وہی ڈ
تھا۔"

یاقوت نے سمیرا کی طرف پرسکون نگاہوں سے دیکھا۔ سمیرا بولی۔ "آج ج
میں اسٹور سے واپس آ رہی تھی تو ڈومنین ہلز کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد
نے محسوس کیا کہ ایک بڑا ٹرک میرا پیچھا کر رہا ہے۔ پھر مجھے ایسے لگا جیسے ڈرا
میری گاڑی کو ٹکر مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خدا نے مجھے بچا لیا۔ موڑ گھوم کر
نے دیکھا تو وہ ٹرک مجھے نظر نہیں آیا تھا ضرور یہ وہی ٹرک تھا۔"

یاقوت نے آہستہ سے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہی ہو۔"

اب سمیرا چونکی۔ اس نے یاقوت کو گہری نظروں سے دیکھا اور بولی۔
کیا ـــــ کیا وہ ڈرائیور مجھے ہلاک کرنے آیا تھا؟ کیا تم نے ـــــ"

یاقوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمیرا نے بھی مزید کوئی بات نہ کی اور کچ
چلی گئی۔ کھانے کی میز پر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد سمیرا کہنے لگی۔ "ہمارے
ویزے کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟"

یاقوت نے کہا "پندرہ بیس روز باقی ہیں۔ میں اسے مزید تین ماہ کے
ایکسٹینڈ کروا لوں گا۔"

سمیرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں یاقوت! پاکستان بہت یاد آ
اپنا مکان اور نوری بھی یاد آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے اب ہمیں واپس
چاہئے۔"

یاقوت بڑے پراسرار انداز میں مسکرایا۔ "کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟"

سمیرا اپنے اندر کچھ بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اسے احساس ہو
کوئی گمنام دشمن اس کی جان لینے کی فکر میں ہے جس کے آگے یاقوت ڈھا
کھڑا ہے۔ سمیرا کو اپنی جان کی زیادہ فکر نہیں تھی وہ جانتی تھی کہ وہ جب ت
کے ساتھ ہے بالکل محفوظ ہے۔ مگر وہ اس قسم کے حالات میں زندہ رہ
نہیں تھی۔ سلاد کی پلیٹ یاقوت کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "نہیں کوئی

نہیں۔ اب اپنا وطن یاد آ رہا ہے۔"

یاقوت خوش ہو کر بولا۔ "وطن تو واقعی پردیس میں ضرور یاد آتا ہے۔ مگر میں
چاہتا تھا کہ ہم کچھ دن کے لئے کیلی فورنیا میں جا کر رہیں۔"

"نہیں نہیں۔" سمیرا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "اب اس کی ضرورت نہیں
ہے۔ جیسا واشنگٹن ویسا ہی کیلی فورنیا ہے۔ تم ٹریول ایجنسی والوں سے کہہ کر اسلام
آباد کے لئے سیٹیں بک کراؤ اتنا ہی بہت ہے۔"

"ٹھیک ہے سیٹیں بک ہو جائیں گی۔"

یاقوت کے اس جواب پر سمیرا مطمئن ہو گئی۔ اسے معلوم تھا کہ سیٹیں بک بھی
ہو جائیں گی اور کنفرم بھی ہو جائیں گی۔ کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر تک دونوں ٹی
وی پروگرام دیکھتے رہے۔ پھر سمیرا بیڈ روم میں چلی گئی اور یاقوت پائپ سلگا کر کھڑکی
کے شیشے کے پاس بیٹھ کر سڑک پر خاموشی سے گزرتی گاڑیوں کو دیکھنے لگا۔

سمیرا بستر پر لیٹی دیر تک جاگتی رہی۔ اس کے ساتھ کچھ ہو رہا تھا کیا ہو رہا تھا
اسے معلوم نہیں تھا۔ کوئی نامعلوم شخص اس کی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا
اور یاقوت اس کے راستے میں چٹان بن کر کھڑا تھا۔ یاقوت سے کچھ معلوم کرنا بیکار تھا
کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے کچھ نہیں بتائے گا۔ کافی دیر تک وہ انہی خیالات میں
کھوئی رہی۔ ایک بات کی اسے خوشی تھی کہ اس نے اپنی امریکی سیاحت کو ختم کر دیا
تھا۔ اسے کچھ دنوں سے اپنا مکان نوری اور چچا سلیمان بہت یاد آنے لگے تھے۔ اپنے
وطن کا گہرا شفاف نیلا آسمان، مئی جون کی گرم ہوائیں، برسات کی ٹھنڈی بارشیں اور
پہاڑوں پر دسمبر کی برف باری۔ یہ سب کچھ اسے بہت یاد آ رہا تھا۔ ساتھ والے
کمرے سے اسے یاقوت کی موجودگی کا بھرپور احساس ہو رہا تھا۔ یہ احساس اسے وہ
خوشبو دلا رہی تھی جو یاقوت کے ساتھ ساتھ سفر کرتی تھی۔ جو اس کی موجودگی کا نشان
اس کی شناخت تھی۔ یہ خوشبو اسے اپنے پہاڑی مکان کا وہ کنج بھی یاد دلا رہی تھی
لیموں کے پیڑ کے پاس ـــــ وہ اور نتاشا بیٹھ کر شام کی چائے پیتی تھیں۔ بہار
شام کو باغیچے میں لیموں کی ٹھنڈی خوشبو پھیلی ہوتی تھی۔ کچن میں سے نوری اور
چچا کی باتیں کرنے اور کسی وقت نوری کے ہلکے سے قہقہے کی آواز سنائی دے

جاتی تھی۔ سمیرا بستر چھوڑ کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ اس نے پردہ ہٹایا۔ شیشے میں دور سڑک کی روشنیاں شروع موسم سرما کی رات میں دھندلی دھندلی اور کمرے ٹھٹھرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے شیشے کو ہاتھ لگایا۔ وہ ٹھنڈا یخ تھا۔ اس جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ یہ ٹھنڈک اسے کسی بے جان جسم کی ٹھنڈک لگی۔ کھینچ کر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ کمرے میں ہلکی ہلکی گرماہٹ تھی۔ ہائی رائز بلڈنگ ہیٹڈ تھی۔ وہ چاہنے لگی کہ کھڑکی کھلی ہو۔ کھڑکی میں سے ٹھنڈی سرد ہوا آ رہی ہو وہ بستر پر لحاف میں دبکی بیٹھی ہو۔ مگر وہاں ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ سمیرا نے آنکھیں کر لیں۔

صبح سمیرا اٹھی تو وہ واپس پاکستان جانے کو بے چین تھی۔ اس نے یاقوت کہا کہ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے چلو اب مجھ سے یہاں نہیں رہا جاتا۔ یا سمیرا کی بات کو نہیں ٹال سکتا تھا پھر بھی جہاز میں اتنی جلدی سیٹ نہیں مل سکتی جب سمیرا نے بہت زیادہ اصرار کیا تو یاقوت نے کہا۔ "ایسی بات ہے تو ہم وا چھوڑ کر نیویارک چلے جاتے ہیں۔ دو تین دن وہاں رہ لیں گے اتنی دیر میں جہا سیٹیں بھی مل جائیں گی۔"

سمیرا نے کہا۔ "ٹھیک ہے ہم آج ہی نیویارک روانہ ہو جائیں گے۔"

"کیا جاب پر نہیں جاؤ گی؟" یاقوت نے پوچھا۔

"جہنم میں جائے یہاں کی جاب۔ میں واپس پاکستان جانا چاہتی ہوں۔"

یاقوت زیر لب مسکرا رہا تھا۔ سمیرا نے جھنجلا کر کہا۔ "تم بس مسکرا ہو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ ابھی کسی ایئر کمپنی کے جہاز میں نیویارک کی دو سیٹیں کراؤ بس۔ میں سامان باندھتی ہوں۔"

یاقوت مسکراتا ہوا اپارٹمنٹ سے نکل گیا۔

واشنگٹن میں کئی ٹریول ایجنسیاں تھیں اور اندرون ملک پرواز میں حاصل کرنا ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اسی شام کی فلائٹ میں ایک معروف کے جہاز میں یاقوت نے دو نشستیں ریزرو کروا لیں۔ ٹکٹ لے کر وہ سمیرا گیا جو اس روز واقعی جاب پر نہیں گئی تھی اور سامان وغیرہ باندھ رہی تھی۔ کر وہ بڑی خوش ہوئی۔ یاقوت کو بھی جاب پر جانے کی اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اپارٹمنٹ کا کرایہ وہ یکم کو ادا کر چکے تھے۔ بلکہ ابھی وہ دس روز مزید وہاں رہ سکتے تھے۔ فلائٹ کا وقت شام ساڑھے چار بجے کا تھا۔ سمیرا یاقوت کو لے کر تین بجے ہی ڈلیس ایئرپورٹ پر پہنچ گئی۔ بورڈنگ کارڈ انہوں نے بنوا لئے اور ایک چھوٹے سے کیفے میں بیٹھ کر کافی پینے اور باتیں کرنے لگے۔ یاقوت کے پائپ کا تمباکو ختم ہو رہا تھا وہ اٹھ کر ساتھ والے کاؤنٹر پر تمباکو لینے گیا تو سمیرا نے کافی کا بل ادا کیا اور باہر نکل کر سامنے گھومتے ہوئے کاؤنٹر پر آ گئی جہاں عورتوں کی آرائش کی چیزیں رکھی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ رہی تھی کہ ایک اونچی لمبی خوش شکل امریکی عورت اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ سمیرا نے کوئی خیال نہ کیا اور شو کیسوں میں لگی آرائشی چیزوں کو دیکھتی رہی۔ پھر اچانک وہ امریکی عورت سمیرا کو ہلکا سا دھکا دے کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی آگے نکل گئی۔ سمیرا کو سخت غصہ آیا ضرور کوئی پاگل عورت ہے۔ سمیرا کو اپنے بازو میں ہلکا ہلکا درد سا محسوس ہوا۔

یاقوت تمباکو کا نیا ڈبہ کھولتا ہوا اس کے قریب آیا تو سمیرا اپنے بازو کو دبا رہی تھی۔ "کیا ہوا؟" یاقوت نے پوچھا۔ "کچھ نہیں۔ درد سا ہو رہا ہے بازو میں۔"

یاقوت کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے سمیرا کے بازو پر سے قمیض اوپر اٹھائی تو کہنی کے اوپر جسم پر ایسا نشان تھا جیسے انجکشن لگایا گیا ہو۔ سمیرا نے کہا۔ "مجھے ایسا لگا تھا جیسے کسی نے سوئی چبھو دی ہو۔"

"کب ایسا لگا تھا؟" یاقوت نے پوچھا۔ تب سمیرا نے اسے ساری بات بتائی کہ کس طرح ایک اونچی لمبی امریکی عورت اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔ پھر ہلکے سے اسے دھکا دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی غائب ہو گئی۔ یاقوت نے توجہ کی تو اسے ڈایان ایئرپورٹ سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف تیز تیز قدموں سے جاتی نظر آئی۔ یہ ڈایان کا آخری حملہ تھا۔ یاقوت نے اپنے دل میں کہا اور سمیرا کو لے کر ساتھ والی کیمسٹ کی دکان پر آ گیا۔ سمیرا کے بازو کا نشان سرخ ہو کر پھیلنے لگا تھا۔ سمیرا پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ کیمسٹ نے سمیرا کی حالت دیکھ کر کہا کہ اسے فوراً اسپتال لے جاؤ۔ یاقوت نے کوئی جواب نہ دیا اور سمیرا کو سہارا دے کر دکان سے باہر لے آیا۔ سمیرا

اس کی گرفت سے نکلی جا رہی تھی۔ یاقوت کا خون گرم ہو کر تیزی سے گردش کرنے لگا اس کو ڈایان ایک چڑیل کے روپ میں نظر آنے لگی تھی اس نے سمیرا کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس ہاتھ کے لمس میں صدیوں کی گمشدہ محبتوں کے جذبے سرگرم تھے سمیرا اپنے ہوش میں آنے لگی۔

"اب کیسی ہو سمیرا؟"

سمیرا نے یاقوت کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ٹھیک ہوں اور وہ عورت——— وہ عورت کون تھی؟ اس نے یہ کیا کیا تھا؟" یاقوت نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بس کوئی تھی۔ اب وہ نہیں آئے گی۔"

فلائٹ کا ٹائم ہو رہا تھا وہ ایک گیٹ سے گزر کا لاؤنج میں آ گئے۔ یہاں سے نکلے تو ایئرپورٹ کی لمبی بس میں بیٹھ کر جہاز تک پہنچ گئے اس وقت آسمان پر سیاہ بادل جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جہاز نے ڈیلس ایئرپورٹ سے ٹیک آف کیا تو بوندا باندی شروع ہو گئی مگر جہاز بادلوں سے اوپر آ گیا تھا۔

جہاز ایک خاص رفتار سے نیویارک کی طرف محو پرواز تھا کہ یاقوت نے سمیرا سے کہا۔ "ابھی آیا" اور اٹھ کر سیٹوں کے درمیان سے گزرتا باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ ابھی مشکل سے ایک منٹ نہیں گزرا ہو گا کہ ایک موٹا امریکی اپنی سیٹ سے اٹھا باتھ روم کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ سمیرا ٹھٹھک کر رہ گئی۔ ظاہر ہے باتھ روم کے باہر وہ سبز روشنی نہیں جلی ہو گی جو اندر سے چٹخنی لگانے پر اپنے آپ روشن ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو گیا تھا کہ یاقوت باتھ روم سے غائب ہو گیا تھا۔



ڈیلس ایئرپورٹ واشنگٹن شہر سے پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے ڈایان گاڑی میں بیٹھی اس وقت ہلکی بارش میں دریائے پوٹامک کے ساتھ ساتھ شہر کی طرف جا رہی تھی۔ ونڈ اسکرین پر وائپرز دائیں بائیں چل رہے تھے شہر کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ جب وہ آرلنگٹن کے آزادی کے مانومنٹ کے قریب سے گزر رہی تھی تو اس گاڑی سے چار گاڑیاں آگے ایک گاڑی اچانک تیزی سے موڑ کاٹتے ہوئے الٹ گئی۔ اس کے پیچھے آنے والی گاڑی ایک دھماکے سے اس سے ٹکرائی اور انہیں آگ

لگ گئی۔ اس کے پیچھے جو گاڑی آ رہی تھی وہ بھی ٹکرا کر ایک طرف کو الٹ گئی۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ کے اند اندر ہوا اور ڈایان نے گھبرا کر بریک لگایا تو اس کا پاؤں بریک کی بجائے ایکسیلیٹر پر پڑ گیا گاڑی تیزی سے ایک دوسری سے ٹکرا کر شعلے بلند کرتی گاڑیوں کے ملبے کی طرف بڑھی ڈایان کی گاڑی اور آگ کے خوفناک شعلوں میں چند گز کا فاصلہ رہ گیا تھا ڈایان کے حلق سے چیخ نکل گئی اس نے اپنا سر نیچے کر لیا وہ ایک بھیانک دھماکے کے بعد اپنی موت کی منتظر تھی کہ اسی لمحے جیسے کسی ماورائی طاقت نے اس کی گاڑی کا رخ بائیں جانب کر دیا اور گاڑی درختوں کے نیچے دور جا کر رک گئی۔ ڈایان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کچھ کیا ہوا ہے وہ ابھی تک اپنا سر گھٹنوں میں دیئے ہوئے تھی اتنا اسے احساس تھا کہ بچ گئی ہے مگر یہ کیسے ممکن تھا اس نے سر اٹھا کر گاڑی میں سے باہر دیکھا اس کی گاڑی بالکل صحیح حالت میں درختوں کے نیچے کھڑی تھی اور کچھ فاصلے پر اکٹھی تین گاڑیوں اور ٹرک کا تیل آگ کے بلند شعلے اگل رہا تھا دور سے پولیس پٹرول کی گاڑیاں شور مچاتی آ رہی تھیں ڈایان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ بچ گئی ہے؟ آخر اس کی گاڑی اچانک بائیں جانب کیسے مڑ گئی۔

عین اسی وقت کسی نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور کہا۔ "میرا خیال ہے اب تمہیں سمجھ جانا چاہئے کہ تمہاری گاڑی کو بائیں جانب کس نے موڑا تھا۔"

ڈایان نے جھک کر دیکھا باہر یاقوت کھڑا تھا ڈایان گاڑی سے نکل آئی۔ وہ پریشان مند نظروں سے یاقوت کو دیکھ رہی تھی اس کے ہونٹ شدت احساس سے کپکپا رہے تھے یاقوت نے کہا۔

"میں اگر چاہتا تو تمہیں بڑی آسانی سے آگ کے شعلوں میں جانے دیتا۔ جبکہ تم تین بار سمیرا کو قتل کرنے کی کوشش کر چکی ہو اور ابھی ابھی اس کے بازو میں زہریلی سوئی چبھو کر آ رہی ہو۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ جانتی ہو کیوں؟ اس لئے کہ یہ سب کچھ تم نے رقابت کی آگ میں جل کر کیا اور رقابت محبت ہی کا ایک رخ ہے اگرچہ ہمارے لئے یہ ایک منفی جذبہ ہے تم اسے زمینی جذبہ کہہ سکتی ہو جب اس زمین سے اس مٹی سے تعلق ختم ہو جاتا ہے تو یہ سارے حجاب دور ہو جاتے ہیں سارے پردے اٹھ جاتے ہیں پھر اپنے محبوب سے محبت کرنے والے سے بھی محبت ہو

جاتی ہے لیکن تم مغرب کی رہنے والی ہو شاید ان باتوں کو نہ سمجھ سکو اب م
ہوں اس امید کے ساتھ کہ تم اپنے دل کے منفی جذبوں کو ختم کرنے کی کوشش
گی۔" ڈایان یاقوت کے ساتھ لگی ہوئی تھی اور بچوں کی طرح سسکیاں لے ر
رہی تھی۔



طیارہ نیویارک کی طرف محو پرواز تھا موسم صاف ہو گیا تھا اپنی سیٹ
سمیرا کی نظریں برابر جہاز کے باتھ روم کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ جہاں تھوڑی
یاقوت داخل ہوا تھا اور اس کے بعد تین آدمی اندر داخل ہو کر باہر آ چکے تھے
عجیب بات تھی۔ سمیرا دل میں ہنس پڑی کبھی کسی کو یقین نہیں آ سکتا کہ ابھی
باتھ روم میں داخل ہوا تھا وہ باتھ روم میں نہیں تھا سمیرا سوچنے لگی یاقوت
ہو گا؟

اب جو باتھ روم کا دروازہ کھلا تو یاقوت اسے باہر آتا دکھائی دیا۔ جہاز
کے درمیانی راستے سے ہوتا ہوا وہ سمیرا کی ساتھ والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔
زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب تم باتھ روم میں تھے تو چار آدمی اندر گئے تھے۔"

"اچھا؟" یاقوت نے تعجب کا اظہار کیا۔

"کہاں سے ہو کر آ رہے ہو؟"

سمیرا کے اس سوال پر یاقوت نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس نے کچھ
اور ذرا جھک کر شیشے میں سے نظر آنے والے بادلوں کو دیکھنے لگا۔ "بادل ہو
نیویارک میں بارش ہو رہی ہو گی۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ جب وہ نیویارک پہنچے تو موسم سرد تھا اور بوندا با
تھی انہوں نے ایک ہوٹل میں دو کمرے کرائے پر لے لئے۔ یہ ہوٹل
علاقے میں تھا بارش کی وجہ سے وہ کمروں میں ہی رہے۔ اگلے روز سمیرا
سی شاپنگ کی اس کے پاس بہت تھوڑے سے ڈالر باقی رہ گئے تھے ویسے
نیویارک میں دل نہ لگا۔ یہ شہر اسے واشنگٹن کے مقابلے میں زیادہ گنجان

معنوی نظر آیا۔ اس نے مزید رکنے کا ارادہ ترک کر دیا اور پی آئی اے کے ایک طیارے میں دو روز بعد کی نشستیں ریزرو کروا لیں جس روز سمیرا جے ایف کے ایئرپورٹ پر پاکستانی جہاز کے اندر جا کر بیٹھی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے لوگوں اپنے بہن بھائیوں کے درمیان آ گئی ہے یاقوت اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا یہ نیویارک سے سیدھی اسلام آباد تک کی فلائٹ تھی راستے میں دو تین اسٹاپ تھے مگر سمیرا نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ صرف اسلام آباد ہی میں طیارے سے باہر نکلے گی۔ ٹیک آف کرنے کے بعد طیارہ ایک خاص بلندی پر آ کر معمول کی رفتار سے پرواز کرنے لگا تو سمیرا نے یاقوت کی طرف جھک کر کہا۔

"میں سونے لگی ہوں اڑتے جہاز میں اگر تم کہیں باہر جانے لگو تو مجھے بتا دینا۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ایک پاکستانی عورت نے سمیرا کا یہ جملہ سنا تو مڑ کر اس کی طرف دیکھا یاقوت مسکرا دیا۔ "بیگم صاحبہ مجھ سے مذاق کر رہی ہیں۔"

بڑا طویل ہوائی سفر تھا لیکن سمیرا کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ وہ اپنے پیارے وطن پاکستان واپس جا رہی ہے وہ ڈیڑھ دو گھنٹے تک سوئی رہی آنکھ کھلی تو دیکھا یاقوت ساتھ والی سیٹ پر نیم دراز اردو کا پاکستانی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سمیرا نے آنکھیں بند کر لیں اور دوبارہ سو گئی اسی طرح سوتے جاگتے وہ لندن پہنچ گئے۔ تقریباً" آدھے سے زیادہ مسافر جہاز سے اتر گئے۔ سمیرا کا خیال بیٹھے رہنے کا تھا مگر نو گھنٹے کی پرواز نے بیٹھے بیٹھے اس کی ٹانگیں سن کر دی تھیں۔ وہ بھی یاقوت کے ساتھ جہاز سے نکل کر ٹرانزٹ لاؤنج میں آ کر مختلف اسٹالوں پر گھوم پھر کر چیزیں دیکھنے لگی۔ یہاں اس نے نتاشا کے لئے کاسمیٹک کی کچھ چیزیں خریدیں یاقوت نے اپنے لئے ایک بڑا کلاسیکل قسم کا ڈارک براؤن پائپ خریدا۔ لندن سے پرواز کرنے کے بعد جہاز فرینکفرٹ ٹھہرا یہاں بھی کچھ لوگ اتر گئے مگر یاقوت اور سمیرا جہاز میں ہی رہے یہاں سے جہاز تو دبئی میں تھوڑی دیر کے لئے رکا اور وہاں سے ٹیک آف کرنے کے بعد اس کی منزل اسلام آباد تھی۔ اپنے وطن کی فضاؤں میں پہنچنے کے بعد سمیرا کے چہرے پر رونق آ گئی۔ سفر کی ساری تھکان جیسے ایک دم دور ہو گئی نتاشا ایئرپورٹ پر اس کو

لینے آئی ہوئی تھی۔ دونوں سہیلیاں گلے لگ کر ملیں یاقوت وہیں سے اگلے روز آنے کہہ کر رخصت ہو گیا سمیرا اپنی سہیلی کی گاڑی میں بیٹھ کر اس کے گھر آ گئی اس کا پروگرام رات نتاشا کے ہاں گزارنا کا تھا سمیرا نے نتاشا کے علاوہ گھر کے دوسرے افراد کو بھی تحفے دیئے۔ رات کو وہ زیادہ دیر تک نتاشا سے باتیں نہ کر سکی اسے سخت نیند آ رہی تھی چنانچہ وہ جلدی سو گئی اور صبح دیر تک سوتی رہی دوسرے دن گیارہ بجے اٹھی پھر دونوں سہیلیاں چائے لے کر کمرے میں بیٹھ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ نتاشا نے سمیرا سے یورپ امریکہ کی ساری سیاحت کی باتیں پوچھیں سمیرا نے یاقوت کی ساری مافوق الفطرت باتیں اسے بتائیں۔ نتاشا بڑی دلچسپی سے سب کچھ سنتی رہی۔ مگر اندر میں وہ کچھ اور ہی سوچ رہی تھی جب سمیرا تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئی تو نتاشا نے کہا۔

"تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ تم کدھر جا رہی ہو؟"

سمیرا نے خوبصورت گلابی چہرہ اٹھا کر نتاشا کی طرف دیکھا نتاشا کہنے لگی۔

"ہاں میں یاقوت کے بارے میں ہی تم سے پوچھ رہی ہوں میرا خیال ہے اب وہ مقام آ گیا ہے تم کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس پر بھی غور کر لو کہ اس محبت کا انجام کیا ہو گا۔"

اس محبت کا انجام سمیرا کی نظروں کے سامنے تھا۔ مگر وہ جان بوجھ کر اس سے نظریں چرا رہی تھی یاقوت کی محبت نے اس کی پوری شخصیت کو اپنی گرفت میں رکھا تھا۔ محبت کا یہ ایک طلسمی حصار تھا جس کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ محبت اس حصار کے اندر وہ یاقوت کے قریب ہوتے ہوئے بھی اس سے محروم تھی اور اس حصار سے باہر آتی ہے تو سامنے لمبی جدائی کے نہ ختم ہونے والے صحرا تھے چاہتی تھی کہ وہ اسی طرح محبت کی وادیوں میں یاقوت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک مرکز کے گرد سفر کرتی رہے۔ وہ وقت کے کنارے پر بیٹھ کر محبت کی رعنائیوں میں اسے گزرتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی لیکن شاید وہ اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ وقت دریا اپنے کناروں کو بھی ساتھ لے کر بہتا ہے وقت کی لہریں اگر نظروں سے دور چلی جاتی ہیں تو اس دریا کے کنارے بھی ساتھ ہی نگاہوں سے اوجھل ہوتے

جاتے ہیں۔ سمیرا کے محبت بھرے دل کا یہی سب سے الم ناک پہلو تھا وہ اس طرف بے خیالی میں بھی نگاہ نہیں ڈالنا چاہتی تھی مگر نتاشا نے اس کے دل کا یہ درد بھرا پہلو اس کے سامنے کھول دیا تھا پھر بھی سمیرا ابھی ان حقائق پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اس کی آنکھوں کے سامنے حسن و محبت کی رنگین وادیاں پھیلی ہوئی تھیں جہاں قدم قدم پر قوس قزح کے رنگ بکھرے پڑے تھے وہ ان وادیوں میں سے ایک لمحے کے لئے بھی باہر نہیں نکلنا چاہتی تھی اس نے نتاشا کی بات کو غور سے ضرور سنا لیکن پھر مسکرا دی اور بالوں کو ایک ہاتھ سے پیچھے کرتی ہوئی بولی۔

"میں جانتی ہوں محبت کے جنگل کا یہ سرسبز و شاداب راستہ مجھے ایک آسیب زدہ ویرانے میں لے جا کر اکیلا چھوڑ دے گا لیکن اس دہشت ناک ویرانے میں پہنچنے سے پہلے میں اپنی روح پر اس کا سایہ نہیں ڈالنا چاہتی۔"

نتاشا نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا شاید اس نے وقت سے کچھ پہلے سمیرا سے یہ بات کہہ دی تھی۔

سمیرا دوپہر کے بعد تک نتاشا کے گھر پر ہی رہی۔ چار بجے کی چا... سہیلیوں نے اکٹھی پی۔ سمیرا نے یہاں آتے ہی نوری اور سلیمان چچا کو فون پر آنے کی اطلاع کر دی تھی۔ دونوں بڑے خوش ہوئے تھے۔ سمیرا نے سلیمان ہدایت کی تھی کہ وہ چار بجے تک گاڑی لے کر نتاشا کے گھر پہنچ جائے ساڑھے... بجے سلیمان چچا گاڑی لے کر آ گیا۔ سمیرا کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اس کی... پوچھی نوری کا حال احوال بتایا سمیرا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پیار کیا دعائیں... نتاشا اپنی سہیلی کو چھوڑنے مکان کے باہر تک آئی۔

"نتاشا! میرے ہاں بڑی جلدی آنا تم سے جی بھر کر باتیں نہیں کر سکی۔"

نتاشا نے کہا۔ "فکر نہ کرو میں بہت جلد تمہارے ہاں آؤں گی اور... دن گزاروں گی۔"

سلیمان چچا نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ سمیرا اپنے خوبصورت پہاڑی مکان پر پہنچ گئی۔ نوری نے نئے کپڑے پہنے اپنی مالکن کے خیر مقدم... کھڑی تھی اس نے سمیرا کو سلام کیا خوشی سے اس کا چہرہ کھل رہا تھا سمیرا... اپنے ساتھ لگا لیا اور کہا۔ "تمہارے لئے بھی میں تحفے لائی ہوں۔"

وہ ان کے لئے بہت کچھ لائی تھی نوری اور اس کا باپ سلیمان... چیزیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے مگر سمیرا اس روز خوش نہیں تھی۔ رات

نے اپنے کمرے میں ہی کھایا۔ نوری اس سے باہر کے ملکوں کی بڑی باتیں پوچھتی رہی۔ ساتھ ساتھ سمیرا کی یورپ اور امریکہ میں اتری ہوئی تصویریں بھی دیکھتی جاتی تھی۔ سمیرا اس کی ہر بات کا مختصر سا جواب دے دیتی۔ نوری سے رہا نہ گیا اس نے پوچھ ہی لیا۔

"بیگم جی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

مگر نوری اپنی مالکن کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے سمیرا کے مزاج کی اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا مگر وہ زیادہ نہیں کرید سکتی تھی۔ سمیرا اس رات ٹھیک طرح سے نہ سو سکی بہت سی باتیں تھیں بہت سے خیالات تھے جنہوں نے سمیرا کو رات گئے تک جگائے رکھا اس کی سہیلی نتاشا نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا اپنے مستقبل کی سوچ یاقوت کے ساتھ اپنی بے اختیار محبت کے انجام کی سوچ!

دوسرے روز یاقوت اس سے ملنے آیا تو اپنے ساتھ سمیرا کے پسندیدہ سفید اور سرخ گلابوں کا گلدستہ بھی لایا۔ یاقوت ابھی اس کی پہاڑی کوٹھی سے ایک فرلانگ دور ہو گا کہ سمیرا کو اس کی مخصوص پراسرا طلسمی خوشبو آنے لگی تھی یہ خوشبو یاقوت کی محبت اس کی اپنی محبت کی خوشبو تھی جو اسے لافانی غیر متغیر محبت کی فضاؤں میں لے جاتی تھی۔ تب اسے یقین ہو جاتا کہ وہ اس محبت کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ یہ محبت کسی جسم کی محتاج نہیں تھی لیکن سب سے بڑی ٹریجڈی یہ تھی کہ سمیرا کا ایک جسم بھی تھا اور اس جسم کا ایک اپنا تقاضا تھا۔ ایک اپنی محبت تھی یہ محبت اسے یاقوت نہیں دے سکتا تھا پھر بھی سمیرا کو یاقوت کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کر کے اس کی خوشبو کو محسوس کر کے ایک غیر فانی مسرت کا احساس ہوتا تھا۔ اس روز بھی وہ دونوں سارا دن ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ یاقوت نے سمیرا کی نفسیات کی تبدیلی اور اس کے ذہن میں برپا ہیجان کو دیکھ لیا تھا۔ وہ تو ان چیزوں کو سمندری لہروں کی طرح چٹانوں سے ٹکراتے دیکھ لیتا تھا مگر وہ چپ رہا اس نے اس ضمن میں سمیرا سے کوئی بات نہ کی یاقوت کے جانے کے بعد شہر سے نتاشا کا فون آ گیا۔ کہنے لگی۔ "میں ہفتے کے دن آؤں گی۔ سنو میں نے تمہارے لئے ایک بات سوچی ہے پرسوں خود

آ کر بتاؤں گی۔" ہفتے کے دن صبح نو بجے ہی نتاشا آ گئی۔ دونوں سہیلیوں نے ناشتہ کیا۔ "کون سی بات سوچی ہے تم نے میرے لئے۔" سمیرا نے ہنس کر پوچھا کہنے لگی۔ "سمیرا! تم کسی کالج میں پڑھانا کیوں نہیں شروع کر دیتیں اس طرح تمہارا دل بھی لگا رہے گا یہاں تم سارا دن تنہائی میں گزارتی ہو کیا خیال ہے کے آنے سے پہلے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے سمیرا نے اپنی کنپٹی پر ایک دیکھ لیا تھا جس کو اس نے فوراً اکھاڑ ڈالا مگر وہ گہری سوچ میں گم ہو گئی اس کی زندگی کی دہلیز تک آن پہنچا تھا وہ سمیرا سے ان خوشیوں کا حساب کتا رہا تھا جو ابھی اسے نصیب ہی نہیں ہوئی تھیں وہ صبح ہی سے متفکر تھی مگر آنے پر اپنے تفکرات کو کافی حد تک بھول چکی تھی مگر جب نتاشا نے اسے میں لیکچرر ہو جانے کا مشورہ دیا تو اسے یہ مشورہ اچھا لگا اس طرح کم از کم لئے ان تفکرات سے نجات حاصل کر سکے گی پھر بھی وہ اس بارے میں سو کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی اس نے نتاشا سے کہا۔ "کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر میں بتاؤں گی۔"

اتوار کو یاقوت نے آنے کا کہا تھا نتاشا اور سمیرا نے دن بھر اس کا ا وہ نہ آیا اتوار کی شام کو نتاشا واپس شہر چلی گئی پیر کو بھی یاقوت نہ آیا۔ ہو گئی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ایک ہفتہ گزر گیا پھر دوسرا ہفتہ بھی یاقوت سمیرا سے ملنے نہیں آیا۔ سمیرا چپ سی ہو کر رہ گئی۔ تیسرا ہفتہ نتاشا نے شہر سے فون کیا۔ "سمیرا یہاں ایک ٹریول ایجنسی میں آفس سیکر خالی ہے یہ ایجنسی میرے ماموں جان کی ہے تمہارے واسطے بات کروں سمیرا نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر آہستہ سے کہا۔ "ہاں بات کرو۔"

سمیرا نے ٹریول ایجنسی میں نوکری کر لی۔

اس ایجنسی کے ڈائریکٹر نتاشا کے رشتے کے ماموں تھے جو سمیرا کے منظر اور اس کی تعلیمی لیاقت سے واقف تھے۔ انہوں نے انٹرویو لئے بغیر میں اپنی پرسنل سیکرٹری کے طور پر رکھ لیا وہ صبح اپنی گاڑی میں شہر ایجنـ آتی اور سہ پہر کو ڈیوٹی ختم کر کے اپنے پہاڑی مکان میں واپس آ جاتی ا

سمیرا کا دل بھی لگ گیا تھا اب اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنے مکان میں کتنی اکیلی تھی سارا دن وہ بڑی توجہ اور انہماک سے کام کرتی چٹھیاں ٹائپ کرتی فائل تیار کرتی ٹیلیفون سنتی دوپہر کو وہیں کیفے ٹیریا میں دفتر کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ کھانا کھاتی سہ پہر کی چائے اپنی سیٹ پر ہی اسے مل جاتی یوں اس کا سارا دن مصروفیت میں گزر جاتا کسی وقت نتاشا کا فون آ جاتا کبھی کبھی خود نتاشا بھی اسے ملنے آ جاتی۔ نتاشا بھی بڑی خوش تھی کہ سمیرا مصروف زندگی گزارنے لگی ہے کبھی دونوں سہیلیاں شہر کے شاپنگ پلازاؤں میں شاپنگ کرنے نکل جاتیں نتاشا جان بوجھ کر یاقوت کا ذکر نہ کرتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یاقوت کا تعلق حقیقت کی دنیا سے نہیں ہے جبکہ سمیرا کو ایک ذمے دار بیوی اور ماں بن کر ایک حقیقی زندگی بسر کرنا ہے۔

مگر سمیرا یاقوت کو نہ بھلا سکی تھی اس کے دل میں محبت کی آگ برابر سلگ رہی تھی وہ پڑھی لکھی سمجھدار خاتون تھی یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس حقیقت سے باخبر نہ ہو کہ یاقوت کا مادی دنیا اور یہاں کے تقاضوں سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ یہ سب کچھ جانتی تھی وہ جانتی تھی کہ یاقوت اس کی روح کے بہت قریب لیکن اس کے جسم سے بہت دور ہے پھر بھی اسے یاقوت سے محبت تھی ایسی محبت جو کسی غرض کسی لالچ یا کسی تقاضے سے بے نیاز ہوتی ہے دو مہینے گزر گئے اور یاقوت کا کہیں نام و نشان تک نظر نہیں آیا مکان کے پچھواڑے باغیچے کے کونے والے ویران خالی کاٹیج کے قریب سے گزرنے پر بھی یاقوت کی پراسرار خوشبو نہیں آتی تھی وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے؟ سمیرا یہ سوچ کر پریشان سی ہو جاتی مگر اس نے تو یاقوت کو کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی پھر وہ اس سے ناراض کیوں ہو گیا ہے؟ ایک رات وہ اپنے بستر سے اٹھ کر نیچے باغ میں آئی سیدھی وہاں سے کاٹیج میں گئی اندر اندھیرا تھا اس نے آواز دے کر کہا۔ "آخر تم مجھ سے کس بات پر ناراض ہو؟ تم مجھے اتنے ناز کیوں دکھاتے ہو؟ بولو! میں تمہاری کیا لگتی ہوں؟" اس کے جواب میں اندھیرے کمرے میں سوائے گہری خاموشی کے اور کچھ بھی نہیں تھا سمیرا غصے میں واپس آ گئی۔ اس کے بعد اس نے دوسری منزل والی اپنی بنائی ہوئی ساری تصویریں پیک کر کے کونے میں رکھوا دیں۔ جانے کیوں اسے ان تصویروں سے اب چڑ ہو گئی تھی۔

اکتوبر کا مہینہ بھی گزر گیا نومبر میں پہاڑوں پر سردی شدت اختیار کر
آسمان سے بارش بھی ہوتی بجری بھی گرتی اور تیز ہوائیں بھی چلتیں سمیرا باقاعدہ
پہاڑ والے گھر سے روزانہ اپنے دفتر شہر جاتی اس کا مکان میدانی اور بلند پہاڑی
کے درمیان میں تھا جہاں برف ضرور گرتی تھی مگر برفباری کی وجہ سے رستے بند
نہیں ہوئے تھے اس کے مکان سے کچھ دور نیچے جا کر نیم پہاڑی اور پھر میدانی
شروع ہو جاتا تھا جن دنوں اوپر پہاڑوں میں شدید برفباری ہوتی اور راستے
جاتے تھے ان دنوں میں بھی سمیرا اپنی گاڑی میں شہر جایا کرتی تھی۔ شہر کا فاصلہ
زیادہ نہیں تھا وہ پون گھنٹے سے بھی پہلے شہر اپنے آفس پہنچ جاتی جب سے یاقوت
اس کے پاس آنا بند کیا تھا اسے اپنے مکان کی تنہائیوں سے وحشت ہونے
جب تک وہ اپنے آفس میں کام کرتی رہتی اس کا جی لگا رہتا اور یاقوت کا خیال
آتا۔ شام کو واپس اپنے مکان پر آتی تو نوری کے ساتھ مل کر کمروں کی جھاڑ
لگ جاتی۔ سردیوں میں وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں وقت گزارتی تھی۔
دیکھتی۔ کتابیں پڑھتی۔ تصویریں پینٹ کرنا اس نے ترک کر دیا تھا رات کو
دیر تک کتاب پڑھتی پھر ٹیبل لیمپ بجھا کر سو جاتی حیرانی کی بات تھی کہ یا
خواب میں بھی کبھی ملنے نہیں آیا تھا دن کے وقت ناشتہ کرتے ہوئے اسے
خیال آتا تو کبھی اسے یاد کر کے اداس ہو جاتی کبھی اس کا حلق غصے کے مار
جاتا اور وہ آدھا ناشتہ وہیں چھوڑ کر دفتر جانے کی تیاریاں شروع کر دیتی۔
کو نتاشا اس کے پاس آ جاتی اور اتوار کی شام تک اس کے پاس رہتی نتا
خوش تھی کہ یاقوت نے اس کا پیچھا چھوڑ دیا ہے اوپر سے وہ سمیرا کے
بہت ہمدردی ضرور کرتی تھی۔ نتاشا سچی تھی وہ سمیرا کی وفادار اور ہمد
اسے معلوم تھا کہ یاقوت ایک سایہ ہے اور سمیرا ایک سائے کے ساتھ
اپنا گھر نہیں بسا سکتی اور وہ چاہتی تھی کہ سمیرا شادی کر کے اپنا گھر بسا
کے ساتھ ایک نارمل زندگی بسر کرے مگر ابھی اس نے سمیرا کے ساتھ
زور دے کر کوئی بات نہیں کی تھی لیکن بہت جلد اسے اس کا موقع مل گ
مگر اس موقع سے پہلے یاقوت ایک روز اچانک سمیرا سے ملنے

م بڑا سرد تھا پہاڑی علاقے میں آج ہی سے ہلکی ہلکی برف باری ہو رہی تھی سڑکیں
ی موسم ابر آلود تھا اور سرد ہوائیں چل رہی تھیں سمیرا اپنی گاڑی میں اکیلی بیٹھی
ز کی طرف جا رہی تھی جب وہ پہاڑی علاقے سے نکل کر سڑک پر آئی تو اچانک
ے یاقوت کی پراسرار طلسمی خوشبو محسوس ہوئی غیر شعوری طور پر اس نے گاڑی کی
نار ہلکی کر دی اور دائیں بائیں دیکھا۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ سے یاقوت نے آواز
ی۔ "اسپیڈ کم نہ کرو تمہیں دفتر کو دیر ہو جائے گی۔"

سمیرا نے اسٹیئرنگ کو بائیں طرف گھمایا اور جھاڑیوں کے پاس گاڑی کھڑی کر
ی پھر پیچھے مڑ کر دیکھا پچھلی سیٹ پر یاقوت اپنے پسندیدہ فاختائی رنگ کے تھری پیس
وٹ میں بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ سمیرا کا دل زور سے دھڑکنے لگا تھا اس نے غصے میں کہا۔
تم کیوں آئے ہو؟"

یاقوت آگے کو جھک گیا پراسرار طلسمی خوشبو سمیرا کے اور قریب ہو گئی۔ "کیا
ھے معافی کا موقع نہیں دو گی؟"

سمیرا سر جھٹک کر سامنے سڑک کی طرف دیکھنے لگی جہاں گاڑیاں آ جا رہی
ہیں یاقوت کہہ رہا تھا۔ "میری کیا مصروفیات ہو سکتی ہیں ان سے تم کیا واقف ہو یا
تم یقین کرو گی کہ میں تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی کے اٹلی کے شہر فلارنس گیا
ہوا تھا۔"

سمیرا نے تنک کر کہا۔ "اور وہاں تمہیں کسی بادشاہ نے پکڑ کر قید میں ڈال دیا
ہو گا جہاں سے تم اپنی ماورائی طاقت کے باوجود رہائی حاصل نہ کر سکے۔"

یاقوت ہنس پڑا۔ "ایسی کوئی بات نہیں تھی حقیقت یہ ہے کہ میں فلارنس میں
دو سچی محبت کرنے والوں کے ساتھ سفر کرتا رہا ہوں تم نے اطالیہ کے شاعر دانتے کو
ضرور پڑھا ہو گا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ دانتے کو اپنے محلے کی ایک لڑکی
بیاتریچے سے والہانہ محبت تھی۔ یہی مجازی عشق آخر میں عشق حقیقی کا روپ اختیار کر
گیا اور —— لیکن میں اپنے سفر کی روداد تمہیں شام کو پہاڑی مکان پر آ کر سناؤں
گا چائے بھی پیوں گا کافی دن گئے ہو ہیں تمہارے ساتھ چائے پیئے۔"

سمیرا نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا ضرورت ہے آنے کی؟"

اتنے میں سڑک پر پیچھے سے ٹریفک سارجنٹ کی موٹر سائیکل سمیرا کی گاڑ
بالکل ساتھ آکر رک گئی۔ "محترمہ! اپنا لائسنس عنایت کریں۔"

"کیا بات ہے؟" سمیرا سارجنٹ کی طرف متوجہ ہوئی ٹریفک سارجنٹ نے
سے چالان کرنے والی کاپی نکال لی تھی اور اس میں کاربن کاغذ جما رہا تھا۔

"یہ ہائی وے ہے محترمہ یہاں گاڑی کھڑی کر کے آپ نے ٹریفک قوا
خلاف ورزی کی ہے مجھے آپ کا چالان کرنا ہو گا پلیز اپنا لائسنس دکھا دیجئے۔"

پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے یاقوت نے کہا۔ "ہم چلے جاتے ہیں سارجنٹ
غلطی ہوگئی۔"

ٹریفک سارجنٹ نے چونک کر کار کی پچھلی سیٹ کو غور سے دیکھا ا
سیٹ پر پہلے بھی کوئی بیٹھا ہوا نظر نہیں آیا تھا اور اب بھی اسے کوئی شخص د
دیا وہ ایک پل کے لئے ساکت سا ہو گیا یاقوت نے دوبارہ کہا۔ "سارجنٹ صاح
دیا نا غلطی ہو گئی ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں سمیرا گاڑی آگے بڑھاؤ۔"

سمیرا کا خیال تھا کہ ٹریفک سارجنٹ کو یاقوت دکھائی دے رہا ہو گا مگر ا
نہیں تھی یہ ان لمحات میں سے ایک لمحہ تھا جب یاقوت سوائے سمیرا کے کس
شخص کو نظر نہیں آتا تھا وہ گھبرا گئی ٹریفک سارجنٹ نے دوسری بار کار میں
آدمی کی آواز سنی تو وہ دہشت زدہ ہو گیا اس نے جلدی سے چالان والی کاپی
ڈالی کک لگا کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور جتنی تیز موٹر سائیکل چلا سکتا تھا
وہاں سے نکل گیا سمیرا نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا تماشا ہے
ضرورت تھی؟"

یاقوت نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب کبھی کبھی لوگوں کی نظروں سے
جانے کو دل چاہنے لگا ہے۔"

سمیرا نے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ "لیکن مجھے تو تم نظر آ رہے ہو۔"

"ہو سکتا ہے کبھی تمہیں بھی نظر نہ آؤں۔" یاقوت کے اس جملے پر
ذرا زور سے دھڑکا پھر اس نے گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو نارمل کیا
سے گاڑی چلانے لگی سڑک کا ایک موڑ کاٹتے ہوئے اس نے یاقوت سے

لو بھی میرے ہاں آنے کی کیا ضرورت ہے دانتے اور بیاترچے کے پاس ہی جاؤ۔"

یاقوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمیرا نے ایک پل کے لئے گردن موڑ کر پیچھے
یکھا یاقوت پچھلی سیٹ پر نہیں تھا اس نے جھنجلا کر اپنا ہاتھ اسٹیرنگ وہیل پر مارا
ور گاڑی کی رفتار تیز کر دی سارا راستہ اسے یہی ڈر رہا کہ کہیں وہ ٹریفک سارجنٹ نہ
ل جائے آخر وہ کیا کہے گا کہ میں نے جن بھوت پال رکھے ہیں؟

دفتر میں سارا دن بھی سمیرا کا موڈ بدلتا رہا کبھی وہ بات بات پر جھنجلا سی جاتی
ور کبھی اس خیال سے کہ یاقوت شام کو آ رہا ہے وہ گہرا سانس لے کر چپ ہو جاتی
اس نے نتاشا کو بھی فون کر کے نہ بتایا کہ یاقوت واپس آ گیا ہے۔ سمیرا کو محسوس
ہونے لگا تھا کہ نتاشا یاقوت کے ساتھ اس کی وابستگی کو اب زیادہ پسند نہیں کرتی سمیرا
اس روز ایک گھنٹہ پہلے ہی دفتر سے گھر کی طرف روانہ ہو گئی راستے میں ایک فوڈ
اسٹور سے اس نے ایک کیک خریدا چوک والی دکان سے پھولوں کا گلدستہ لے کر
گاڑی میں رکھ لیا اور گاڑی ہائی وے پر ڈال دی بیس منٹ بعد وہ اس قصبے کے پاس
سے گزر رہی تھی جہاں ایک بار کچھ غنڈوں نے اسے اغواء کر لیا تھا اب یہ ساری
باتیں اسے خواب کی طرح لگتی تھیں یہاں سے باقاعدہ پہاڑی علاقہ شروع ہو جاتا تھا
سردی خوب پڑ رہی تھی آسمان پر سردیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے ذرا چڑھائی
چڑھنے کے بعد بادل دھند کے مرغولوں کی طرح سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ دن کی
روشنی مدہم پڑ چکی تھی سمیرا نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس روشن کر رکھی تھیں اس نے
اپنے پہاڑی مکان کے باغ والے درختوں کی چوٹیوں کو سرمئی بادلوں کی دھند میں
گھرے ہوئے دیکھا یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ برف باری ہونے والی ہے۔ گاڑی
گیراج میں کھڑی کر کے وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو سلیمان چچا نے کہا۔ "لاؤ
بیٹی یہ میں پکڑ لیتا ہوں۔" "ٹھیک ہے بابا نوری کہاں ہے؟" سلیمان چچا نے بتایا کہ وہ
چائے تیار کر رہی ہے "آج آپ جلدی آگئی ہو بیٹی۔" سمیرا نے اپنے کمرے کی طرف
بڑھتے ہوئے کہا۔ "ہاں بابا۔"

اپنے کمرے میں جا کر سمیرا نے پھولوں کو گلدان میں لگایا کیک کو میز پر رکھ دیا
اتنے میں نوری دوپٹہ ٹھیک کرتی آ گئی۔ "باجی بیگم! چائے لے آؤں؟ یہ کیک بھی لے

جاؤں؟"

نوری سمیرا کو کبھی باجی کبھی بیگم صاحبہ اور کبھی باجی بیگم کہہ کر بلایا کرتی ت
نے کہا۔ "کیک لے جا کر رکھ لو ابھی چائے رہنے دو تھوڑی دیر بعد کہوں تو بنا کر
آنا۔"

"اچھا باجی۔"

نوری کیک کا ڈبہ اٹھا کر کچن کی طرف چل دی۔۔۔۔۔ نوری اپنی مالکن
مزاج سے پوری طرح واقف تھی سمیرا اداس ہوتی تو وہ بھی اداس ہو جاتی سمیرا
ہوتی تو وہ بھی خوش ہو جاتی کئی دنوں سے سمیرا کی اداسی اور جھنجلاہٹ کے
نوری کی بھی ایسی ہی کیفیت تھی وہ سب سمجھتی تھی کہ باجی بیگم کیوں جھنجلائی
ہیں آج سمیرا کو خوش دیکھ کر نوری بھی خوش ہو گئی تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ آ
خوبصورت نوجوان آنے والا ہے جو ایک عرصے سے غائب تھا یاقوت کے بار
نوری اور اس کا باپ سلیمان چچا صرف اسی قدر جانتے تھے کہ ان کی بیگم صا
نوجوان کو اچھا سمجھتی ہیں اور ممکن ہے اس سے شادی کا ارادہ بھی رکھتی ہوا
نے نوری اور سلیمان چچا کو اپنے اس قسم کے ذاتی اور جذباتی معاملوں میں دخل
کی کبھی اجازت نہیں دی تھی نوری کبھی کبھی اپنی محبت میں آ کر یاقوت کی تعر
دی تھی جس کے جواب میں سمیرا مسکرا دیا کرتی تھی۔

سمیرا نے لباس تبدیل کر کے ہلکا سا میک اپ کیا یاقوت کی دی ہوئی ملک
تھوڑی سی پرفیوم لگائی ایک موم بتی بھی چائے کی میز پر شمع دان میں لگا کر ر
اپنے آپ ماحول کو زیادہ سے زیادہ رومانٹک بنائے جا رہی تھی حالانکہ اس
میں یاقوت کے خلاف کئی شکوے کئی شکایتیں کئی گلے شکوے تھے وہ اس سے
تھی آخر اتنے دن اسے اس کا خیال کیوں نہیں آیا؟ وہ اسے اکیلی چھوڑ کر
سال پیچھے دانتے کے زمانے میں کیوں چلا گیا؟ باغ میں شام کو ملگجی دھند کا
اختیار کر رہا تھا کمرے میں نوری نے پہلے ہی سے آتشدان روشن کر رکھا
ہلکی ہلکی گرماہٹ میں کمرے کی فضا بڑی پر سکون اور گلاب کی خوشبو کے
رومانٹک ہو گئی تھی ٹیلیویژن پر شام کی خبریں ہو رہی تھیں سمیرا نے ٹیلیو

یا دہ یاقوت کی گاڑی کی آواز سننا چاہتی تھی جس وقت اسے یاقوت کی گاڑی کے ہلکے
رن کی آواز آئی اس وقت گہری شام ہو چکی تھی اور برف کی سفید سفید اکا دکا
پنکھڑیاں گرنا شروع ہو گئی تھیں سمیرا نے اس سے پہلے ہی اپنے محبوب کی طلسمی
خوشبو محسوس کر کے شمع دان کی اکیلی موم بتی روشن کر دی تھی وہ گیٹ تک نہیں جانا
چاہتی تھی مگر اتنی مدت بعد اپنے کمرے میں یاقوت کی خوشبو کو محسوس کرنے کے بعد
وہ بے اختیار سی ہو کر گیٹ کی طرف دوڑ پڑی نوری گیٹ کھول چکی تھی اور یاقوت
گیراج میں گاڑی لگا کر باہر نکل رہا تھا آج اس نے کریم کلر کا تھری پیس سوٹ پہن
رکھا تھا وہ گاڑی کا دروازہ بند کر کے سمیرا کی طرف مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے دیر تو
نہیں ہو گئی۔"

سمیرا نے انگریزی میں کہا۔ "تم یہاں سات سو سال کے بعد آئے ہو۔" اس کا
اشارہ یاقوت کے ماضی میں سات سو سال پیچھے کی رات جانے کی طرف تھا یاقوت ہلکا
سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "وہ تو ایک خواب تھا۔"

دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کمرے کی طرف بڑھے باغیچے میں سے گزرتے
ہوئے ان پر برف کی سفید پنکھڑیاں گرتی رہیں کمرے کی نیم گرم پرسکون فضا میں
آتے ہی یاقوت نے میز پر جلتی موم بتی آتشدان میں نیم روشن آگ اور گلدان میں
سجے ہوئے گلابوں کو دیکھا اور اس کا چہرہ روشن سا ہو گیا اس نے سمیرا کا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "یہ وہ جگہ ہے جہاں محبت جنم لیتی ہے۔" سمیرا نے آہستہ
سے ہاتھ چھڑایا اور کھڑکی کی طرف چلی گئی پردہ ہٹا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھولا ٹھنڈی ہوا
کا ایک جھونکا اس کے چہرے کو چھو کر گزر گیا اس نے نوری کو آواز دی کچن میں سے
نوری کی آواز آئی۔ "ٹھیک ہے باجی بیگم صاحب۔"

سمیرا کھڑکی کا پٹ بند کرنے لگی تو یاقوت نے کہا۔ "اتنی کھڑکی کھلی رہنے دو میں
برف گرتی دیکھنا چاہتا ہوں تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی۔"

سمیرا خاموشی سے میز کے ساتھ لگ کر کرسی پر بیٹھ گئی یاقوت کو اچھی طرح
معلوم تھا کہ سمیرا اس سے کس بات پر ناراض ہے یہ وجہ ایسی تھی کہ جسے یاقوت نے
جان بوجھ کر پیدا کیا تھا اس لئے کہ اب وقت آ گیا تھا کہ وہ سمیرا کو اس طرح زندگی بسر

کرنے کا موقع دے جس طرح کی زندگی عورتیں اس کی مادی دنیا میں رہ کر بسر کرتی ہ یا بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں یاقوت اس مادی دنیا میں جتنی دور تک سمیرا کا ساتھ د سکتا تھا اس نے ساتھ دے دیا تھا اب اس کی حد ختم ہو گئی تھی اور سمیرا کی ایک غم و آلام' رنج و راحت اور جبر و قدر کی زندگی کی سرحد شروع ہو رہی تھی اس جیب سے پائپ نکال کر سلگایا کمرے کی خوشبوؤں میں پائپ کے تمباکو کا فلیور شامل ہو گیا۔

"باہر برف گرنے لگی ہے سمیرا۔" یاقوت نے پائپ کو منہ سے ہٹاتے ہوئے دونوں اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلے گئے رات کے اولین سرد اندھیرے میں برف سفید پنکھڑیاں پھولوں کی پنکھڑیوں کی طرح مسلسل گر رہی تھیں نوری کچن چائے کاٹرے لے کر نکل رہی تھی سمیرا پیچھے ہٹ گئی جب نوری چائے کا طشت کر کمرے میں داخل ہوئی تو وہ دونوں میز کے گرد بیٹھ چکے تھے نوری برتن لگا کر گو چشم سے یاقوت کو تکتی چلی گئی۔

سمیرا نے کیک کاٹا اور چائے بنانے لگی کمرے کی فضا میں اب ایک اور خو شامل ہو گئی یہ چائے کی خوشبو تھی لنکا اور آسام کے جنگلوں کی خوشبو تھی یاقوت چہرے پر کسی روحانی کیفیت کی چمک تھی۔

"تم اگر میرے ساتھ ہوتیں تو آج سے سات سو برس پہلے کے فلارنس بیاترچے کا دیدار کرتیں جس کے آسمانی حسن نے دانتے سے ڈیوائن کامیڈی لکھوا پاکیزہ حسن کا ایک نادر نمونہ تھی۔ دانتے کی عمر نو برس کی تھی جب وہ اس کی حسن کا پروانہ بنا۔ عجیب بات ہے کہ دانتے اپنی محبوبہ کی موت کے خواب دیکھا کر ایسے ایک خواب کا ذکر اس نے اپنی ایک نظم میں کیا ہے۔"

سمیرا ٹھٹھک سی گئی۔ "اگر اسے بیاترچے سے محبت تھی تو وہ اس کی موت خواب کیوں دیکھتا تھا؟"

یاقوت ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر سمیرا کے خوبصورت چہر طرف دیکھ کر بولا۔ "شاید اس لئے کہ موت محبت کو غیر فانی بنا دیتی ہے دانت ذہن میں یہ خیال آتا کہ اس کی محبوبہ کو بھی ایک دن مرنا ہے آسمان کی رحمتیں

پر بلا لینا چاہتی ہیں آخر بیاترچے نوجوانی ہی میں مر گئی لیکن دانتے کے دل میں اس ی محبت بڑھتی چلی گئی۔ اس نے ایک نظم لکھی جس میں وہ کہتا ہے کہ بیاترچے کا ن میری نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد ایک اعلیٰ روحانی جمال بن گیا ہے جس ے محبت کا نور برستا ہے۔"

سمیرا نے کہا۔ "تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو؟"

یاقوت کے سامنے سمیرا کے دل کا حال کھلا تھا اسے معلوم تھا کہ سمیرا یہ سوال یوں پوچھ رہی ہے اس نے فوراً بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ میں اپنی نہیں انتے کی سوچ پیش کر رہا تھا تعجب ہے کہ آج سے سات ساڑھے سات سو برس پہلے شاعر جس مکان میں رہتا تھا وہ آج بھی کم و بیش ویسے کا ویسا ہی ہے میں سات دیوں کی حدیں پار کر کے دانتے کے مکان پر گیا تو اس کی گلی کا پتھریلا فرش آج ہی طرح کا تھا۔"

"کیا تمہاری اس سے ملاقات ہوئی؟" سمیرا نے پوچھا۔

یاقوت نے چائے کا ہلکا سا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "نہیں کیونکہ دانتے فلارنس نہیں تھا بلکہ کسی جزیرے پر جلا وطنی کے دن گزار رہا تھا مگر میں بیاترچے کو دیکھنا ہتا تھا اور میں ماضی میں مزید تھوڑا پیچھے چلا گیا جب بیاترچے زندہ تھی اور پھر میں نے اسے دیکھا کہ وہ تین عورتوں کے ساتھ سفید کپڑوں میں ملبوس گلی میں سے گزر ی تھی ——"

اس کے بعد یاقوت خاموش ہو گیا باہر برف خاموشی سے گر رہی تھی کمرے کی ا پر ایک پاکیزہ سکوت سا طاری ہو گیا تھا سمیرا کا چہرہ بیاترچے کے غیر فانی جمال کو وس کر کے روشن ہو رہا تھا وہ خواب آلودہ آواز میں بولی۔ "میں نے کالج کے زمانے ں دانتے کی لائف پڑھی تھی۔ اس میں بیاترچے کا ذکر تھا مجھے وہ معصوم حسن کا یڈیل لگی تھی۔"

یاقوت چائے کی دوسری پیالی بنا رہا تھا۔ "جس طرح اس شمع دان میں موم بتی رہی ہے اسی طرح حسن معصوم کے پیچھے نیک خیال اور نیک کردار کی شمع روشن جاتی ہے۔"

سمیرا خاموشی سے چائے پیتی رہی۔ یاقوت کا پائپ بجھ گیا تھا اس نے سلگایا۔

"تمہیں نوکری کی مبارک باد دینا تو میں بھول ہی گیا تھا یقیناً" دفتر میں تم لگ گیا ہوگا۔"

سمیرا آہستہ سے ہوں کہہ کر خاموش ہو گئی کمرے میں ایک بار پھر گہرا طاری ہو گیا سمیرا نے پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تم آؤ نا کسی دن میرے بڑا خوبصورت ہے ہمارا دفتر۔" یاقوت زیر لب مسکرایا۔ "ضرور آؤں گا وقت ضرور آؤں گا۔"

"کون سا وقت؟" سمیرا نے یاقوت کی طرف دیکھا یاقوت انگوٹھے سے تمباکو دبا رہا تھا۔ "ایک وقت ہے جو اب آنے والا ہے بہت جلد آنے والا ہے"

یاقوت نے اپنی بات کو مزید پراسرار بنا دیا تھا سمیرا کو الجھن سی ہونے ل صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔"

یاقوت نے پائپ کا ہلکا سا کش لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب میں چلتا ہ پھر ملوں گا۔"

اور وہ سمیرا کا انتظار کئے بغیر دروازے کی طرف بڑھا دروازے کا پٹ گرتی برف میں باغیچے میں نکل گیا سمیرا پریشان سی ہو گئی اسے غصے بھی آیا ایسی بے اعتنائی کا سلوک کیوں کرنے لگا ہے؟ یہ سوچتی سمیرا کھڑکی کے پاس ہو گئی۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے نہیں جانا چاہتی تھی آخر اس کی بھی کوئی عزت وہ اگر ناز دکھاتا ہے تو وہ بھی اس سے کم نہیں ہے برآمدے کی روشنی میں صاف نظر آ رہی تھی درختوں کی شاخوں اور باغ کے گھاس پر برف کی تہہ گئی تھی یاقوت نے گیراج سے گاڑی نکالی اور اسے آہستہ آہستہ چلاتا کو سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر تک سمیرا کو یاقوت کی پراسرار طلسمی خوشبو محسوس پھر اچانک یہ خوشبو بھی غائب ہو گئی سمیرا نے آزردہ سی ہو کر کھڑکی کے سا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے کپکپا رہے تھے۔

سمیرا کو یقین تھا کہ یاقوت جس بے اعتنائی سے گیا ہے دوسرے

دن کے وقت اس کے دفتر دلجوئی کرنے کے خیال سے ضرور آئے گا۔ مگر وہ نہ آیا ایک بار پھر سمیرا انتظار کے ستم کش لمحات سے گزرنے لگی ایک دن' ہفتہ دو ہفتے ایک مہینہ گزر گیا اور یاقوت اس سے ملنے نہ آیا سمیرا کو شروع میں سخت غصہ آیا پھر وہ اداس ہو گئی اور یاقوت کو یاد کر کے پہروں اپنے خیالوں میں گم رہنے لگی لیکن دفتری معروفیات اور نتاشا کی صحبت نے کافی حد تک مایوسی کے اندھیروں میں بھٹکنے سے بچا لیا موسم سرما گزر گیا درختوں پر موسم بہار کے شگوفے پھوٹنے لگے پہاڑی علاقے کا آسمان شفاف اور گہرا نیلا ہو گیا ایک روز سمیرا اپنے دفتر میں بیٹھی کام کر رہی تھی کہ ایک خوش لباس خوش شکل والا نوجوان اس کی میز کے پاس آکر بڑی شائستگی سے انگریزی میں بولا۔ "محترمہ! کیا میں آپ کا کچھ وقت لے سکتا ہوں؟"

سمیرا نے دفتری آداب کے مطابق بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔ "فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

اس نوجوان کو اپنے والد اور والدہ کے لئے کینڈا کے دو ٹکٹ چاہئے تھے اور اسی ہفتے سیٹیں بھی کنفرم کروانی تھیں سمیرا نے اسے بتایا کہ ٹکٹ ضرور مل جائیں گے لیکن نشستوں کی کنفریشن کے بارے میں فل چارٹ دیکھ کر ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ نوجوان کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا جیب سے دونوں پاسپورٹ نکال کر سمیرا کے سامنے رکھ دیئے۔

"میں آپ کی خوش اخلاقی سے بڑا متاثر ہوا ہوں محترمہ ٹکٹ بنا دیجئے پاسپورٹ بھی دیکھ لیجئے دونوں ویزے اصلی ہیں سیٹوں کی کنفریشن میں آپ کے ڈائریکٹر صاحب سے مل کر کروا لوں گا۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا اور پاسپورٹ کھول کر چیک کرنے لگی پاسپورٹ پر کینڈا کے ویزے لگے ہوئے تھے اور اس کے حساب سے دونوں ویزے اصلی تھے نوجوان نے بٹوے میں سے ٹکٹوں کی رقم نکال کر میز پر رکھ دی۔ سمیرا نے دو ٹکٹ بنائے اور رقم وصول کر کے بقایا پیسے نوجوان کے حوالے کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا وہ انگریزی میں ہی بولا۔ "شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہئے کہ آپ نے کافی کی ایک پیالی کا بھی نہیں پوچھا۔"

سیمرا جواب دینے ہی والی تھی کہ وہ خوش پوش خوش شکل نوجوان بقایا رقم گنتا دروازے کی طرف چل دیا دروازے کے پاس جا کر رکا پھر پلٹ کے سیمرا کے پاس واپس آیا اور کرسی پر بڑے اطمینان سے بیٹھ گیا۔ سیمرا سمجھی کہ شاید اسے کوئی معلومات حاصل کرنا ہوں گی اس نے معمول کے مطابق خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرمایئے! اب میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

نوجوان نے جواب دیا۔ "محترمہ! اس وقت تو میں آپ کی خدمت کرنے آیا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" سیمرا نے سنجیدگی سے کہا نوجوان ذرا آگے کو جھک گیا۔ "میز پر آپ نے جو تختی رکھی ہوئی ہے اس سے میں نے آپ کا نام پڑھ لیا ہے۔ سیمرا آپ کا نام ہے؟ جی ہاں یہی نام ہے آپ کا اور یہ پرانے زمانے میں بابل کی کسی شہزادی کا نام تھا اور میں کہتا ہوں کہ دولت لٹانے میں آپ بھی بابل کی شہزادی سے کچھ کم نہیں ہیں۔"

سیمرا کو غصہ آ گیا مگر اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے اس سے پہلے کہ وہ کوئی تلخ ترش سوال کرتی نوجوان نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے کرنسی نوٹوں میں سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر سیمرا کے سامنے رکھ دیا۔ "آپ نے مجھے جو بقایا رقم دی تھی اس میں غلطی سے یہ پانچ سو روپے کا نوٹ زاید دے دیا ہے اب بتایئے کیا میں آپ کو بابل کی شہزادی کہنے میں حق بجانب نہیں ہوں؟ بائی بائی!"

اور وہ نوجوان اٹھ کر دفتر سے باہر نکل گیا سیمرا نے فوراً اپنا اکاؤنٹ چیک کیا اس کو جو رقم دی گئی تھی اس میں سے پانچ سو روپے کم تھے سیمرا نے دل ہی دل میں اس نوجوان کا شکریہ ادا کیا وہ اس کی دیانت داری سے بہت متاثر ہوئی اور اس بات پر اسے دل میں شرمندگی بھی محسوس ہوئی کہ اس نے نوجوان کو لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرنے والا آدمی خیال کیا تھا ایک دن چھوڑ کر وہی نوجوان سیٹوں کی کنفرمیشن کے سلسلے میں آیا تو سیمرا نے کہا۔ "آپ نے مجھے شکریہ ادا کرنے کا بھی موقع نہیں دیا۔" وہ ہنس کر بولا۔ "شکریہ کس بات کا؟ آپ کی رقم میں نے آپ کو واپس کر دی پھر اس میں شکریہ کی کون سی بات ہوئی؟"

سیمرا نے فوراً دو دن بعد کی ایک فلائٹ میں اس نوجوان کی دو سیٹیں بک کر کے کنفرم بھی کروا لیں وہ بڑا خوش ہوا کہنے لگا۔ "میرا نام سلمان ہے میں فائن آرٹ میں ایم اے کر رہا ہوں آپ کے سوٹ کا کلر میرا پسندیدہ کلر ہے اور میں شام کے وقت کافی بڑے شوق سے پیتا ہوں شکریہ!" یہ کہہ کر وہ بڑی بے نیازی سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا دفتر سے باہر نکل گیا سیمرا تھوڑی دیر کے واسطے اسے دیکھتی رہی پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی سیمرا اس نوجوان سلمان کے دلچسپ انداز گفتگو اور دل کی سچائی سے کافی متاثر ہوئی تھی وہ اس کا خیال کر کے مسکرا دی۔ شام کو ایسا اتفاق ہوا کہ سیمرا دفتر سے نکل کر ایک شاپنگ پلازہ میں گئی اور کچھ ضروری چیزیں خریدنے کے بعد انہیں کار میں رکھ رہی تھی کہ اچانک وہی خوش لباس خوش شکل نوجوان سلمان اس کی طرف مسکراتا ہوا بڑھا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی۔ قریب آ کر کہنے لگا۔ "اچھا ہوا شام کے وقت آپ سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے کہا تھا نا کہ مجھے شام کے وقت کافی بہت پسند ہے۔ اس سے ملئے۔ یہ سائرہ ہے۔ میرے ساتھ کالج میں پڑھتی ہے اور سائرہ یہ سیمرا ہیں۔"

پھر سیمرا کی طرف متوجہ ہو کر بڑے اشتیاق بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ "کیا آپ ہمارے ساتھ کافی نہیں پئیں گی؟ مجھے بڑی خوشی ہو گی' انکار نہ کیجئے گا ورنہ میری کافی کی پیالی کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

سیمرا مسکرا دی۔ سائرہ نے کہا۔ "آیئے نا۔ اسٹینڈرڈ کافی ہاؤس میں آج کل کولمبیا کی کافی مل رہی ہے۔"

اور عجیب بے دھڑک انداز میں سلمان نے سیمرا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "بس اب آ جایئے۔" سیمرا نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور سائرہ کے ساتھ کافی ہاؤس کی طرف چل پڑی سلمان حسب عادت بڑی دلچسپ باتیں کر رہا تھا وہ سفیدے کے درختوں کے نیچے چل رہے تھے کافی ہاؤس شہر کی خوشنما پارک کے پہلو میں سلمان چلتے چلتے سیمرا کے برابر آ گیا سیمرا کو اپنے کالج کی باتیں بتا رہا تھا جب وہ پارک کے گیٹ پر آئے تو ان تینوں میں سے کسی نے نہ دیکھا کہ گیٹ کے پاس لکڑی کے بینچ پر یاقوت بڑے سکون سے پائپ سلگائے بیٹھا ہے انہیں بینچ خالی نظر آ رہا تھا مگر وہاں یاقوت غیبی حالت

میں بیٹھا سمیرا کو اپنی مادی زندگی کے نئے ساتھی کے ساتھ جاتا دیکھ رہا تھا سمیرا اب یاقوت کی خاص خوشبو کو محسوس نہ کر سکی تھی کیونکہ یاقوت نے اپنی طلسمی خوشبو سمیرا کے پاس جانے سے روک دیا تھا اس کی نگاہیں سمیرا کا اپنی محبت کا تعاقب کرتی رہیں جب وہ اسٹینڈرڈ کافی ہاؤس میں سلمان اور سائرہ کے ساتھ داخل ہو گئی تو یاقوت غائب ہو گیا۔

وہ موسم بہار کی شام تھی۔ اسٹینڈرڈ کافی ہاؤس میں بڑی رونق تھی۔ تقریباً سبھی میزیں رکی ہوئی تھیں۔ سلمان نے یہ جتانے کے لئے کہ یہاں اس کا روز کا آنا جانا ہے ایک ویٹر کو ذرا بے تکلفی سے آواز دی۔ ویٹر نے کوئی پروا نہ کی اور دوسری میز کی طرف چل دیا۔ سلمان نے خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے سمیرا اور سائرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ کوئی نیا آدمی ہے چلو اوپر گیلری میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

گیلری میں بازار والی چھوٹی کھڑکی کے بالکل ساتھ لگی ایک میز خالی تھی وہ وہاں بیٹھ گئے۔ سلمان نے سمیرا سے پوچھا۔ "آپ کافی کے ساتھ کیا چیز پسند کریں گی۔"

سائرہ نے کہا۔ "میرے لئے تو چکن سینڈوچز منگوا لو۔"

سلمان کی نگاہیں ابھی تک سمیرا کے خوبصورت چہرے پر تھیں۔ "آپ کیا پسند کریں گی؟"

سمیرا نے جیسے چونک کر کہا۔ "میں پلین کافی پسند کروں گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

اور سلمان نے ویٹر کو چکن سینڈوچز اور کچھ شامی کباب لانے کا آرڈر دے دیا۔ سمیرا کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگی۔ شروع شام کی ہلکی سنہری روشنی میں گاڑیاں سڑک سے گزر رہی تھیں۔ سلمان نے موسم کی باتیں شروع کر دیں۔ سائرہ اس کی کلاس فیلو تھی۔ ایسی باتوں کی وہ عادی تھی وہ پرس میں سے ٹشو پیپر تلاش کرنے لگی۔

سلمان نے سمیرا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اس شہر کی شامیں موسم بہار میں بڑی خوبصورت ہو جاتی ہیں کبھی آپ نے غور کیا کہ یہاں شام کی روشنی بڑی دیر تک رہتی ہے۔" سمیرا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ سلمان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی کچھ بولیں۔"

سمیرا ہنس کر بولی۔ "خوبصورت ہوتی ہیں بہار کی شامیں۔"

"ونڈر فل۔" سلمان بے اختیار پکار اٹھا۔ "آپ نے تو ایک مصرعہ کہہ دیا سائرہ تم کبھی کبھی شاعری بھی کیا کرتی ہو اس کا پہلا یا دوسرا مصرعہ کیا ہو سکتا ہے؟"

سائرہ ٹشو پیپر کو آہستہ آہستہ اپنے ناک کے اوپر لگا لگا کر اٹھا رہی تھی۔ "بھئی اس وقت تو میرے ذہن میں سوائے چکن سینڈوچز کے اور کچھ نہیں ہے۔"

سلمان نے ایک دم سے موضوع بدلتے ہوئے سمیرا سے کہا۔ "سمیرا کیا آپ معلوم ہے کہ آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں؟"

سمیرا کے رخساروں پر سرخی آ گئی۔ سائرہ پر سلمان کے اس جملے کا کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ یہ فقرہ شروع شروع میں وہ اس سے بھی ایک ہزار مرتبہ کہہ چکا تھا۔ سمیرا کو سلمان کی یہ بے باکی بری بھی لگی تھی وہ سلمان کو بڑا سخت جواب دے کر اس کا منہ بند کر دینا چاہتی تھی اور یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ یہ جملہ ایک بار پھر کہے سائرہ۔ یوں ہی فقرہ بولنے کی خاطر کہہ دیا۔ "ہاں بھئی آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔"

سمیرا کے جذبہ خود پرستی کو بڑی تسکین ملی مگر اس نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ اس قسم کے جملے سننے کی عادی نہیں ہے۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "کافی ابھی تک نہیں آئی۔ سلمان صاحب! مجھے اندھیرا ہونے سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔"

سلمان نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں آپ اندھیرا ہونے سے پہلے گھر چھوڑ کر آؤں گا۔"

"جی نہیں شکریہ میرے پاس گاڑی ہے۔" سمیرا کے اس جواب پر سلمان۔ سائرہ کی آنکھ بچا کر اپنا ہاتھ سمیرا کے ہاتھ پر رکھ دیا اور بولا۔ "وہ تو مجھے معلوم ہے۔"

سمیرا نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ سلمان نے ویٹر کو آتا دیکھ کر کہا۔ کافی آ گئی۔"

سمیرا کافی کے ساتھ کچھ نہیں کھانا چاہتی تھی مگر سلمان کے بار بار اصرار کرنے پر اس نے ایک سینڈوچ کھا لیا سائرہ نے کالج کی سیاست کی باتیں شروع کر دیں سلمان نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ "خدا کے واسطے سائرہ اتنی خوبصورت شام کو اپنی سیاسی باتوں سے تباہ نہ کرو۔ میں تمہیں مزید سینڈوچز منگوا دیتا ہوں۔"

سمیرا ہنس دی۔ اس نے محسوس کیا کہ سلمان نے خاص نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا جیسے وہ اس کی مسکراہٹ یا ہنسی کو بے حد پسند کر رہا ہو۔ سلمان یہ موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتا کہنے لگا۔ "آپ کی ہنسی میرا مطلب ہے میں نے ایسے خوبصورت ہموار دانت عورتوں میں بہت کم دیکھے ہیں۔"

سائرہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔ سلمان نے اس کی طرف توجہ نہ دی سائرہ سلمان کی اس قسم کی حرکتوں کی عادی تھی وہ جانتی تھی کہ سلمان ہر نئی ملنے والی لڑکی خوبصورت لڑکی سے اسی قسم کی باتیں کیا کرتا ہے۔ سمیرا کو بے اختیار یاقوت کا خیال آ گیا۔ پہلی بار جب وہ یاقوت کے سامنے مسکرا دی تھی تو اس نے بھی اس کے دانتوں کی اس کی مسکراہٹ کی تعریف کی تھی سمیرا یاقوت کے خیال میں کھو گئی۔ دو ماہ سے وہ اسے دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس کی خاص پراسرار خوشبو بھی نہیں آئی تھی کیا وہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ گیا ہے؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو اس سے بڑی محبت کرتا ہے پھر وہ اس سے ملنے کیوں نہیں آیا سمیرا ان ہی اداس خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ سلمان نے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی صرف ایک انگلی رکھ کر ذرا سا ہلایا۔ "سمیرا آپ کافی ہاؤس میں ہی ہیں نا؟"

سمیرا چونک سی پڑی کیونکہ وہ واقعی اس وقت ذہنی طور پر کافی ہاؤس میں نہیں تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں میں آپ کے سامنے بیٹھی ہوں۔"

سلمان شوخ انداز میں بولا۔ "دراصل میں ایک بہت اچھا لڑکا ہوں۔ میں خواتین کا اور خاص طور پر خوبصورت خواتین کا بڑا احترام کرتا ہوں کیوں سائرہ! کیا تم میری شرافت کی گواہی نہیں دو گی؟"

سائرہ نے اپنی کافی کا آخری گھونٹ نگلتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہیں کیوں نہیں میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہئے۔"

"ہاں۔" سمیرا نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "کافی دیر ہو گئی ہے مجھے گھر بھی پ
ہے۔"

سلمان نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ "اگر میری قسمت میں لکھا ہے تو مجھے قبول ہے قبول ہے قبول ہے۔" اس نے ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا

سمیرا کافی ہاؤس سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھی تو سلمان نے کھڑکی پر ج کر کہا۔ "مجھ سے کوئی گستاخی ہو گئی ہو تو معاف کر دیجئے گا میں آپ کا دل سے اح کرتا ہوں۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا صرف مسکرا دی۔ سلمان نے آہستہ سے کہا۔ " کل آؤں گا۔" اس سے پہلے کہ سمیرا اسے دفتر میں آنے سے منع کرتی سلمان ہا لے کر اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا سمیرا نے پارک سے گاڑی نکالی اور بہت سوچتی گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ سارے راستے وہ کبھی یاقوت اور کبھی سلمان بارے میں سوچتی رہی۔ یاقوت سے اسے محبت تھی سلمان اسے اچھا لگتا تھا ا باتیں بڑی شگفتہ اور زندگی کے قریب تھیں ایسی زندگی جو سمیرا خود بسر کر رہی تھ میں کسی ماورائیت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا جو حقیقت کی زندگی تھی جس میں خو مسکراہٹیں بھی تھیں اور غم کے آنسو بھی تھے اپنے نیم پہاڑی پرانے بنگلے پ سمیرا نے گاڑی گیراج میں کھڑی کی۔ وہ چابی لگا کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی نوری نے کچن سے نکل کر کہا۔ "بیگم جی! نتاشا بی بی کا دو بار ٹیلیفون آ چکا ہے۔

"ٹھیک ہے تم چائے بنا لاؤ۔"

کمرے میں آتے ہی سمیرا نے نتاشا کو فون کیا نتاشا نے معنی خیز لہجے میں "خیرت آج کل شامیں کہاں گزرتی ہیں؟ کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ آخر میں تمہار ہی تو سہیلی ہوں۔"

سمیرا نے ہنس کر کہا۔ "دفتر سے سیدھی گھر آتی ہوں ہاں راستے م خراب ہو گئی تھی بس وہیں کافی وقت لگ گیا ابھی پہنچی ہوں تو تمہارا پیغام ملا نتاشا بولی۔ "سمیرا بی بی! جو اصل بات ہے وہ مجھے صاف صاف بتا وقت میں تمہارے پاس تو نہیں ہوں مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے چہر

رخی دوڑ گئی ہے۔"

"چھوڑ یار ان بتاوں کو اب ان میں کیا رکھا ہے؟" سمیرا نے بے دلی سے کہا۔

ناشا بولی۔ "کیوں بھلا۔ ان باتوں کو کیسے چھوڑ دیں یہی تو زندگی کی سچی باتیں ہیں اور ہر تمہاری یہی تو عمر ہے ایسی باتیں کرنے کی سنو! اگر کوئی خوش خبری ہے تو مجھے بتا و۔"

سمیرا کو نتاشا کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ سمیرا اسے سلمان کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی سلمان کی شخصیت سے سمیرا متاثر ضرور ہوئی تھی اور ے وہ اچھا بھی لگا تھا۔ لیکن وہ نتاشا کو بتا کر اس کے مذاق کا نشانہ نہیں بننا چاہتی تھی اس نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "کسی دن آ جاؤ نا میرے آفس میں تمہارے اموں جان ہی کا تو آفس ہے۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔" نتاشا کی آواز آئی "اور جانتی ہو ڈسپلن کے معاملے یں میرے ماموں جان آنکھیں ماتھے سے بھی کچھ اوپر رکھ لیتے ہیں اچھا بتاؤ دفتر میں کام کیسے چل رہا ہے دل تو لگ گیا ہے نا؟"

سمیرا نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "دل اب کہاں لگے گا نتاشا!"

نتاشا نے سمیرا کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔ "تم نے پھر بلیک اینڈ وائٹ فلموں کی بیوہ ہیروئن والی باتیں شروع کر دیں اچھا میں کل تمہارے آفس آؤں گی چائے پلاؤ گی نا؟"

"کیوں نہیں۔" سمیرا نے خوش ہو کر کہا۔ "ضرور پلاؤں گی بلکہ ایسا کرنا آفس ٹائم کے بعد آنا دونوں کسی ریستوران میں بیٹھ کر چائے پئیں گے باتیں بھی کریں گے۔"

سمیرا نے ٹیلیفون بند کیا تو اسے یاد آگیا کہ کل تو سلمان نے بھی آنے کے لئے کہا تھا۔ سمیرا نے اپنا ایک رکھ رکھاؤ سا بنایا ہوا تھا۔ بس وہ نہیں چاہتی تھی کہ نتاشا یہ دیکھے کہ ایک نوجوان خوبصورت اسمارٹ لڑکا سمیرا کے ساتھ بے تکلفی سے بات کر رہا ہے اور وہ اس کا برا نہیں مان رہی۔

نوری چائے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوئی سمیرا نے ٹی وی اون کیا۔

سات بجے شام کی انگریزی خبریں ہو رہی تھیں اس نے ٹی وی بند کر دیا نوری بنانے لگی نوری کو معلوم تھا کہ اس کی سمیرا بی بی کس قسم کی چائے پیتی ہے غسل خانے سے منہ ہاتھ دھو کر بالوں کو برش کرتی باہر نکلی تو اچانک جیسے ٹھٹھک رہ گئی اور غسل خانے کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی جو کھلا رہ گیا تھا یاقو پراسرار خوشبو کی ایک لہر سی جیسے اس کے قریب سے ہو کر گزر گئی تھی۔ یہ وہیں کھڑے کھڑے رک رک کر سانس اندر کو کھینچا مگر نہیں وہ خوشبو اب نہیں تھی۔ سمیرا نے نوری کو جانے کا اشارہ کیا نوری خاموشی سے چلی گئی اس کے جا سمیرا نے آہستہ سے یاقوت کو آواز دی۔ ”اگر تم آئے ہو تو میرے سامنے کیوں آتے؟ مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے۔“ سمیرا کی آنکھیں گرم آنسوؤں گئیں۔ یاقوت کی خوشبو غائب ہو چکی تھی۔ سمیرا اداس ہو کر صوفے پر بیٹھ گ نے آنکھیں بند کر لیں اس کے ذہن میں ان گنت یادیں تصویریں بن کر گزر ر ٹیلیفون کی گھنٹی زور سے بج اٹھی سمیرا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ٹیلیف گھنٹی بار بار بج رہی تھی اس نے اٹھ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ ”ہیلو!“

دوسری طرف سے کسی نے جواب نہ دیا۔ سمیرا نے دو تین بار ”ہیلو ہیلو دوسری طرف خاموشی چھائی رہی پھر جیسے کسی نے فون بند کر دیا سمیرا نے ریسی دیا۔ یاقوت کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اسی نے فون کیا تھا پھر مجھ سے بات نہیں کی۔ سمیرا صوفے کی طرف بڑھی تو فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ جلدی سے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا اور جذبات میں آ کر بولی۔ ”تم مجھ سے بات نہیں کرتے۔ فون کیوں بند کر دیا تھا۔“

دوسری طرف سے سلمان کی کچھ حیران اور کچھ خوشی میں ڈوبی ہوئی آوا ”میں سلمان بول رہا ہوں جی وہ فون میں نے بند نہیں کیا تھا میں سمجھا کہ ش نے بند کر دیا ہے؟“

سمیرا تو سر سے پاؤں تک شرم سے پانی پانی ہو گئی وہ کیا سمجھ رہی تھ فون کس کا نکل آیا وہ کیا سمجھ رہا ہو گا کہ میں اس سے بات کرنے کو اتنی بے رہی ہوں اب وہ خفت مٹانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ ”وہ دراصل میں ا

راد چھوٹے بھائی سے بات کر رہی تھی کہ اس نے فون بند کر دیا میں نے پرسوں اس و بڑی ڈانٹ پلائی تھی وہ ناراض ہو گیا تھا بس میں اس کی دل جوئی کر رہی تھی کہ——“

سلمان نے کہا۔ ”جی ہاں جی ہاں میں بھی یہی سمجھا ہوں ورنہ یہ جملہ کہ تم مجھ ے بات کیوں نہیں کرتے ہماری قسمت میں کہاں؟“

سمیرا اب اپنے ہوش و حواس کو اچھی طرح سے سمیٹ چکی تھی اس نے پوچھا۔ ”آپ کو میرا ٹیلیفون نمبر کہا سے ملا؟“

سلمان کی آواز آئی۔ ”محترمہ سمیرا صاحبہ جذبہ عشق سلامت ہو تو آسمان سے تارے بھی زمین پر اتر آتے ہیں بس یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے ٹیلیفون ڈائریکٹری سے آپ کے گھر کا فون نمبر ملا ہے۔ ارے آپ تو بڑی خوبصورت جگہ پر رہتی ہیں۔“

سمیرا نے آہستہ سے پوچھا۔ ”میرے فون نمبر کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟“

”بس آپ ے باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا کیا خیال ہے اگر میری باتیں ناپسند ہوں تو میں ابھی فون بند کئے دیتا ہوں۔“

”نہیں نہیں۔“ سمیرا نے جلدی سے کہا۔ ”ٹھہریئے ایک ضروری بات آپ سے کرنی ہے۔“

”سبحان اللہ!“ سلمان کی آواز آئی۔ ”یہ کہاں تھی اپنی قسمت کہ فرمایئے۔“

سمیرا نے کہا۔ ”کل آپ آفس نہ آیئے گا کیونکہ کل میں دفتر نہیں جا رہی۔“

سمیرا نہیں چاہتی تھی کہ وہ کل دفتر آئے تو نتاشا بھی وہاں موجود ہو یا نتاشا پہلے سے وہاں موجود ہو اور سلمان آ جائے سلمان نے بڑی غم زدہ رومانوی آواز بنا کر کہا۔ ”اگر میری قسمت میں یہ دن دیکھنا بھی لکھا ہے تو کوئی بات نہیں محترمہ دیکھ لوں گا۔“

”کیا دیکھ لیں گے؟“ سمیرا کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا وہ سلمان کے جملے کو سمجھ نہیں سکی تھی سلمان نے کہا۔ ”یہی اپنی بدقسمتی کا دن پرسوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیونکہ مجھے تجربے نے بتایا ہے کہ میری قسمت ایک دن سے زیادہ خراب نہیں رہتی۔“

”پرسوں؟“ سمیرا سوچ میں پڑ گئی وہ سلمان سے ملنا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی

ملنا چاہتی تھی محبت اسے سلمان کی طرف کھینچ رہی تھی اور سیمرا کے اندر جو ایک وار انا پرست عورت بیٹھی حکم چلا رہی تھی وہ اسے سلمان سے دور رہنے کے لئے رہی تھی۔

"ہاں ہاں پرسوں——— مجھے یقین ہے کہ اس شہر بے مثال کا موسم پرسو خوشگوار ہو گا یہاں کے سب سے بڑے باغ اندلس کے سیاہ گلاب آج کل بڑے ہوئے ہیں ان کے پاس چل کر باتیں کریں گے۔ میرا مطلب ہے گلاب کے سے باتیں کریں گے۔"

"پرسوں تو مجھے ایک کام کے———"

سلمان نے سیمرا کو فقرا پورا کرنے کی مہلت نہ دی اور کہا۔ "بس ٹھ پرسوں میں آپ کو دفتر سے لے لوں گا۔"

سیمرا نے جلدی سے کہا۔ "نہیں نہیں آپ دفتر نہ آئیں———"

"ٹھیک ہے میں دفتر نہیں آؤں گا کافی ہاؤس کے پارکنگ لاٹ میں انتظ گا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے۔ بائی۔"

اس سے پہلے کہ سیمرا کے اندر رہنے والی عورت اسے آنے سے سلمان نے فون بند کر دیا۔ سیمرا کے دل کی دھڑکن تھوڑی سی تیز ہو کر معمو وہ سوچنے لگی کہ محبت کی باتوں کا دل پر اتنی جلدی کیسے اور کیوں اثر ہو جا محبت کی روح دل کے اندر رہتی ہے؟ اندلس کے سیاہ گلابوں کے خیال یاقوت کا خیال آ گیا۔ وہ اسے اندلس کی اور وہاں کے سیاہ گلابوں کی بڑی کرتا تھا۔ یہ سیاہ گلاب وہاں مسلمانوں نے تیار کئے تھے۔ عرب مسلمانو زمانے کے لوگ بڑے بہادر، بڑے رومانٹک، بڑے محبت کرنے والے تھے پیرس کے ایک گرین ہاؤس میں اندلس کے یہ سیاہ گلاب دیکھے تھے۔ یاقو کے ساتھ تھا وہ اسے گرین ہاؤس میں لے کر گیا تھا۔ پیرس میں اس روز تھی اور گرین ہاؤس کی فضا نیم گرم تھی لیکن جس پورشن میں گلاب لگے ہلکی خنکی تھی۔ یاقوت نے اسے بتایا کہ گلاب بنیادی طور پر سرد علاقے اب اسے ایک خاص حد تک گرماہٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ٹھنڈک میں اپنی پنکھڑیوں کو کھولتا ہے سلمان کی باتوں اور یاقوت کی باتوں میں بڑا فرق تھا۔ سلمان کی باتوں میں وہ گہرائی اور پراسراریت نہیں تھی مگر اس کی باتوں میں وہ سب کچھ تھا جو اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یاقوت کی شخصیت اور اس کی باتوں میں موت کے بعد دانائی اور ماورائیت تھی جیسے کوئی قبرستان میں اسٹیج لگا کر اپنا کردار ادا کر رہا ہو۔

سیمرا نے اسی وقت پرسوں کے دن کا انتظار شروع کر دیا وہ کون سے کپڑے پہن کر جائے گی؟ سہ پہر کے بعد خنکی ہو جاتی ہے اسے گہرے رنگ کا کوئی لباس پہننا چاہئے وہ بلیو جرسی کاندھے پر ڈال لے گی پہنے گی نہیں خوشبو کون سی لگانی چاہئے؟ ایرمس فارنی میل؟ پوائزن وغیرہ تو بڑے عام پرفیوم ہو چکے تھے کیا سلمان بھی اس سے محبت کرتا ہے؟ اس کی باتوں اس کے رویے سے تو یہی ثابت ہوتا ہے یہی ظاہر ہوتا ہے آج کل کے نوجوان ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں کیا اسے کہیں پتہ تو نہیں چل گیا کہ میں اسے اچھا سمجھتی ہوں یا اسے پیار کرتی ہوں؟ سیمرا نے ذرا مسکرا کر اپنے کٹے ہوئے ریشمی بالوں کو جھٹک کر پیچھے اچھالا اور ٹی وی کھول دیا۔ کوئی عورت گانا گا رہی تھی یہ محبت کا نغمہ تھا جس میں شاعر نے انتظار کی کیفیت کو بیان کیا تھا سیمرا نے ٹی وی بند کر دیا اور ٹیپ ریکارڈ اون کر دیا پہلے سے لگی ہوئی کیسٹ چل پڑی۔

عجیب مانوس اجنبی تھا مجھے تو حیران کر گیا وہ۔ گئے دنوں کا سراغ لے کر———

سیمرا نے آنکھیں بند کر لیں اس کے کانوں کی لویں گرم ہو گئیں وہ کہاں چلا گیا؟ وہ پھر کیوں نہیں آیا؟ کیا محبت کی وہ ساری باتیں جھوٹی تھیں؟ اس نے اپنی خوشبو بھی واپس لے لی ہے۔ سیمرا نے آنکھیں کھول دیں ٹیپ ریکارڈ بند کیا اور پچھلے دروازے سے نکل کر چھوٹے باغیچے میں آ گئی۔ رات ٹھنڈی تھی۔ شبنم گر رہی تھی۔ فضا میں گھاس پتوں کی شبنمی ٹھنڈی مہک رچی ہوئی تھی۔ سیمرا چھوٹی سی پتھریلی روش سے ہوتی ہوئی ویران اسٹور روم والے کاٹیج کے برآمدے میں آ کر رک گئی۔ کاٹیج کا دروازہ بند تھا اس نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ اندر وہ پراسرار خوشبو نہ آئی جس کی سیمرا منتظر تھی۔ اندر اندھیرا تھا سیمرا کمرے میں داخل ہو گئی ویران مقبروں میں ایک عبرت ناک اداسی نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا اس نے بتی نہ جلائی اندھیرے

میں وہ کچھ دیر تک کھڑی اسے دیکھنے کی کوشش کرتی رہی جو نظر آنا چاہئے تھا گر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ آہستہ سے ہلے۔ "مجھ سے ناراض ہو یا قوت؟"

کسی نے اس کے محبت بھرے' ہجر میں ڈوبے سوال کا جواب نہ دیا۔ اتنی اور آزردگی سے اگر کوئی خوبصورت لڑکی کسی پتھر سے یہ سوال کرتی تو وہ بھی بولا مگر ویران کالج کی آسیبی خاموشی مہر بہ لب رہی کچھ نہ بولی سمیرا تھکے تھکے قدم اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ رات گیارہ بجے سونے سے پہلے سمیرا نے ٹیبل لیمپ کر آنکھیں بند کیں تو سلمان کی شکل اس کے سامنے تھی۔

"کافی ہاؤس کے پارکنگ لاٹ میں انتظار کروں گا ٹھیک ساڑھے بجے----- بائی۔"

اب سمیرا کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے سلمان کو کل کیوں نہ بلایا اب کل سارا دن انتظار کرنا پڑے گا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

صبح دفتر میں وہ چپ چپ سی رہی۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ وہ سلمان کے کالج فون کرے پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہی جب نتاشا اپنے وعدے کے اسے ملنے آئی تو سمیرا کو خوشی کی بجائے افسوس ہونے لگا۔ وہ نتاشا کی جگہ سلم دیکھنا چاہتی تھی۔ دونوں دفتر کی چھوٹی سی کینٹین میں جا کر بیٹھ گئیں نتاشا نے پہ ہی سمیرا کے نئے رومانس کے بارے میں کہی۔ سمیرا نے دل میں فیصلہ کر لیا تھ نتاشا کو کچھ نہیں بتائے گی۔ "کیا بات ہے سمیرا بی بی! تم مجھے آج پرانے زما محنت کش خاتون لگ رہی ہو۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" سمیرا نے تنک کر کہا۔

"ارے واہ۔" نتاشا بھی اسی لہجے میں بولی۔ "لڑائی جھگڑا تمہارا کسی او ہوا ہے اور غصہ مجھ پر نکال رہی ہو۔"

"میرا کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں ہوا نتاشا۔" سمیرا نے لاتعلقی سے کہا او بنانے لگی۔ نتاشا نے مسکراتے ہوئے ذرا جھک کر شوخ انداز میں سمیرا کو د ہنس کر کہا۔ "اچھا بھئی چلو اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو مجھے معاف کر

ری ایک ہی تو سہیلی ہو۔"

سمیرا کو بھی خیال آیا کہ واقعی نتاشا بھی ان کی ایک ہی سہیلی ہے جس کے اتھ وہ دکھ سکھ کی اپنے دل کی بات کر سکتی ہے اگر وہ بھی اس سے ناراض ہو گئی تو رہ کس کو اپنے دل کا حال بتائے گی کیونکہ عورت اپنے چاہنے والے سے خواہ کس ر پیار کیوں نہ کرتی ہو وہ اپنے دل کا پورا حال اس کو بھی نہیں بتاتی۔ عورت اپنے ں میں کچھ ایسی باتیں ضرور چھپا کر رکھتی ہے جنہیں وہ صرف اپنی کسی گہری سہیلی ے سامنے ہی بیان کرتی ہے۔ سمیرا مسکرانے لگی۔ نتاشا بھی خوش ہو گئی۔ چائے پر اشا نے سمیرا کے نئے رومانس کے بارے میں مزید بات کرنی مناسب نہ سمجھی اور فلم سالوں اور ٹی وی کمرشل کی نئی لڑکیوں کی باتیں کرتی رہی کچھ دیر بعد وہ چلی گئی نتاشا ے جانے کے بعد سمیرا کو احساس ہوا کہ وہ ایک خلا میں اتر گئی ہے----- اس سے ب دن ایک رات کے فاصلے پر تھا وہ اس فاصلے کو سمیٹ کر ایک منٹ میں تبدیل یں کر سکتی تھی وہ دفتر کے کام میں لگ گئی وہ شام تک اپنے آپ کو کسی مصروفیت ں گم کر دینا چاہتی تھی وقت----- سنگ دل وقت' صرف اسی طرح سے کاٹا جا سکتا ا۔

ساڑھے چار بجے وہ کام ختم کر کے اپنی چیزیں سنبھالنے لگی ضروری کاغذات میز ی دراز میں بند کر کے تالا لگایا۔ پرس کاندھے پر ڈالا لائٹ بلیو کلر کی جرسی دوسرے ندھے پر ڈالی اور کمرے سے تھکے تھکے قدموں سے برآمدے میں چلتی پارکنگ لاٹ ی طرف آئی تو ٹھٹھک کر رہ گئی۔ جہاں اس کی گاڑی پارک تھی اس کے ساتھ ہی لمان اپنی گاڑی کھڑی کئے باہر کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ سمیرا کا دل ڑکنے لگا یعنی اسے محسوس ہونے لگا کہ اس کا دل دھڑک رہا ہے وہ بظاہر ناراضگی کا ر لئے اپنی گاڑی کی طرف آئی اور اس کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔ "آپ کو یہاں یں آنا چاہئے تھا۔"

"مگر آپ کے ساتھ آج کے دن ساڑھے چار بجے کا وقت طے ہوا تھا۔"

سلمان نے اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا اور انجن اسٹارٹ کر دیا پھر شیشے نیچے ر کے سمیرا کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ "میں کافی ہاؤس جا رہا ہوں۔"

اور اس کی گاڑی پارکنگ لاٹ سے باہر نکل گئی سمیرا کے ہونٹوں پر مسکراہ
گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ ایک دن اور ایک رات کا فاصلہ ایک منٹ میں طے ہ
سکتا ہے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کافی ہاؤس کی طرف گاڑی ڈال دی۔

سلمان کافی ہاؤس کے باہر ایک طرف گاڑی کھڑی کئے موجود تھا۔ سمیرا نے
طرف گاڑی کھڑی کر دی۔ سلمان نے قریب آ کر کہا۔ "میری گاڑی میں آ جائ
کافی سینٹرل گارڈنم کی کینٹین میں پئیں گے۔"

سمیرا اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ "مگر میں نے تو آپ کو کل آنے کے ل
تھا۔"

سمیرا کا دل اس کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا جملہ کچھ اور کہہ رہا
کچھ اور کہہ رہا تھا اسی کیفیت کو سلمان نے فوراً محسوس کر لیا کیونکہ حقیقت
بھی سمیرا سے محبت کرتا تھا یہ لڑکی اسے بہت اچھی لگی تھی وہ چاہتا تھا کہ زند
سفر میں سمیرا اس کے ساتھ ساتھ چلے اس کے ساتھ رہے۔ وہ سمیرا کی موجو
شوخ قسم کی باتیں ضرور کرتا تھا مگر اس سے الگ ہوتے ہی سنجیدگی سے اس کے
بارے میں سوچنا شروع کر دیتا تھا۔ سلمان کے گھر والوں نے اس کی بات اپنی
کی ایک لڑکی سے طے کر رکھی تھی۔ سلمان نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا
سے ملنے تک وہ یہی سمجھتا تھا کہ زندگی بسر کرنے کے لئے اور زندگی کا سفر پو
کے واسطے ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ کوئی بھی نارمل خوش شکل
ہو سکتی ہے لیکن سمیرا سے ملنے کے کچھ دن بعد اس پر یہ انکشاف ہوا کہ ز
سفر میں ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہم مزاج ہو۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" سمیرا کی آواز پر سلما
چونکا اور ہنس کر پوچھا۔ "کون سا سوال؟"

"یہی کہ میں نے تو آپ کو کل آنے کے لئے کہا تھا۔"

سمیرا کو اگر کوئی افسوس تھا تو صرف یہ کہ اس نے وہ خوبصورت کپ
پہنے جو وہ سلمان سے ملاقات کے موقع پر خاص طور پر پہننا چاہتی تھی۔
معلوم تھا کہ ملاقات کا وقت اگلے دن کا ہے مگر اس کی حالت بھی سمیرا سے

ی وہ ایک دن اور ایک رات کے طویل فاصلے کو ایک منٹ میں سمیٹ دینا چاہتا تھا
ہنے لگا۔ "ارے! تو کیا واقعی آپ نے کل کا کہا تھا؟ نہیں نہیں آپ نے آج ہی کے
ن آنے کو کہا تھا۔"

سمیرا نے زور دے کر کہا۔ "بالکل نہیں بلکہ ٹیلیفون پر خود آپ نے کہا تھا کہ
ں پرسوں ساڑھے چار بجے کافی ہاؤس کے باہر انتظار کروں گا۔"

سلمان نے ہنس کر کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے سمیرا! مگر پرسوں کا انتظار مجھ سے نہیں
سکا کیا آپ کو میرے آنے سے خوشی نہیں ہوئی؟"

"بالکل نہیں۔" سمیرا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اپنے دل سے پوچھ کر بتائیں۔" سمیرا دوسری طرف منہ کر کے مسکرا دی

سلمان اس موقع پر تین سو روپے اپنے بٹوے میں ڈال کر لایا تھا۔ سینٹرل
رڈن کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اسے ایک تھری اسٹار ہوٹل کی بلڈنگ نظر
ی تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ ایک خوبصورت اعلیٰ ترین پر سکون ماحول میں سمیرا کے
اتھ بیٹھ کر کافی پی جائے۔ سینٹرل گارڈن کی کینٹین میں نہ اس قسم کا ماحول میسر آ
تا تھا اور نہ کافی مل سکتی تھی۔ اس نے گاڑی ہوٹل کی طرف موڑ دی۔ "کہاں جا
ہے ہیں؟" سمیرا نے بائیں طرف دیکھ کر پوچھا۔ "اندلس کے سیاہ گلابوں سے باتیں
رنے سے پہلے میں ذرا موڈ بنانا چاہتا ہوں ہم کافی اس تھری اسٹار ہوٹل میں پئیں
ے۔"

سمیرا خاموش رہی۔

تھری اسٹار ہوٹل کا لاؤنج تقریباً خالی تھا۔ آرام دہ چھوٹے چھوٹے صوفے
لینوں کے فرش پر فاصلے فاصلے پر لگے تھے سامنے شیشے کی چمکیلی میزیں پڑی تھیں جن
گلدان سجے تھے فضا میں کسی مشہور پاپ گانے کی ہلکی ہلکی دھن بج رہی تھی سمیرا کو
ا رومانٹک ماحول میں آ کر خوشی محسوس ہوئی وہ کونے میں ایک صوفے پر بیٹھ
ئی۔ سمیرا نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ اگر وہ کافی اور کچھ اسنیکس کا بل اگر خود ادا
نا چاہے تو کیا اس کے پرس میں اتنے پیسے ہوں گے؟ یہاں ہر شے مہنگی ہوتی تھی

اس کو یاد آیا کہ آج وہ اپنے ساتھ وہ بٹوہ نہیں لائی جس میں ہر وقت دو ڈھائی روپے وہ رکھ لیا کرتی ہے۔ چیک بک وہ کبھی ساتھ نہیں لاتی تھی۔ اس کے پرس م پندرہ بیس روپوں سے زیادہ رقم نہیں تھی یا پیٹرول کے دو چار کوپن تھے پھر اسے خی آیا کہ اگر سلمان اسے تھری اسٹار ہوٹل میں لایا ہے تو ضرور اس کے پاس اتنے پ ہوں گے۔

سلمان نے خاموش قدموں اور سفید وردی والے نوجوان ویٹر کو اشارے بلا کر کافی اور ساتھ سینڈوچز اور کچھ ویفرز لانے کا آرڈر دیا وہ پورے تین سو ک سو روپے یہاں خرچ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ اپنے کالج کی باتیں کرنے لگا۔ سمیرا نے با ہی باتوں میں پوچھا کہ پڑھائی ختم کرنے کے بعد کیا پروگرام ہے اس پر سلمان بولا میرا ارادہ امریکہ یا پیرس جا کر فائن آرٹس میں ڈاکٹریٹ کرنے کا ہے۔"

سمیرا نے کہا۔ "فرانس ٹھیک رہے گا۔"

"وہ تو مجھے بھی معلوم ہے مگر فرانس امریکہ کے مقابلے میں بہت مہنگا ہ پھر آرٹس پر جدید ترین کتابیں ہمیں امریکہ ہی میں ملتی ہیں فرانس والے بعد میں فرنچ میں ترجمہ کر کے اپنی لائبریریوں میں رکھتے ہیں۔ انگریزی سے انہیں چڑ یوں کہنا چاہئے کہ وہ انگریزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔"

سمیرا نے بات کو آگے بڑھانے کی غرض سے فرانس اور انگریزوں کی دشمنی کی بات چھیڑی تو سلمان نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "میرا خیال ہے تم اند پھولوں کے پاس جانے والے موڈ کو تباہ کر رہی ہو۔"

یہ سلمان کی عادت بن گئی تھی کہ دو چار باتوں میں تو وہ سمیرا کو آپ مخاطب کرتا اور اس کے بعد تم اور تو کہنا شروع کر دیتا تھا۔ سمیرا کو اس کی یہ اچھی لگتی تھی۔ ایک دو بار خود سمیرا نے سلمان کو تم اور تو کہہ کر مخاطب کر ل خود ہی شرمسار ہو گئی تھی جس پر سلمان نے اسے کہا تھا کہ وہ اسے تو کہہ کر کرے۔ مگر سمیرا کی وضع داریاں اسے وقت آنے سے پہلے ایسا کرنے سے ر تھیں اس نے وقت دیکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے ہم یہاں سے سینٹرل گارڈ شام ہو جائے گی مجھے گھر بھی واپس پہنچنا ہے اندلس کے گلاب پھر کسی روز

گے۔"

سلمان نے سمیرا کی گلابی آنکھوں کو ذرا سا جھک کر دیکھا اور کہا۔ "اندلس کے گلاب تو اس وقت بھی میرے سامنے ہیں۔"

سمیرا کے رخسار سرخ ہو گئے وہ ہوٹل کی راہ داری کی طرف دیکھنے لگی جہاں ایک غیر ملکی سیاح جوڑا تھیلے اٹھائے داخل ہو رہا تھا ویٹر نے کافی اور دوسرا سامان لا کر میز پر سجا دیا۔ سمیرا کافی بنانے لگی۔ "میں شام کے وقت کافی پسند کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ کافی پینا تو مجھے بہت ہی اچھا لگتا ہے کافی میں جان پڑ جاتی ہے۔"

سلمان آپ سے تو اور تم پر آ گیا تھا جو سمیرا کو ذرا بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "مجھ سے پہلے آپ کو کس کے ساتھ کافی پینا پسند آتا تھا؟"

سلمان تھوڑا سا مسکرایا سمیرا کے یہ سوال پوچھنے پر اسے خوشی محسوس ہوئی کہنے لگا۔ "اس خیال کے ساتھ کہ ایک دن تم میرے ساتھ بیٹھی کافی پی رہی ہو گی۔"

سمیرا نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا وہ ابھی اس قسم کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دینا چاہتی تھی اپنی عملی زندگی کی شاہراہ پر وہ ابھی پھونک کر قدم اٹھا رہی تھی وہ جانتی تھی وہ زیادہ دیر تک ایسا نہ کر سکے گی کیونکہ زندگی کی ہائی وے پر گاڑی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اگر رفتار ہلکی رکھی جائے تو پیچھے سے آنے والی گاڑی اوپر چڑھ جاتی ہے کسی سنگین حادثے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن سمیرا اپنے مستقبل کی گاڑی لے کر عملی زندگی کی ہائی وے پر ابھی آئی ہی تھی وہ گرد و پیش کا پوری طرح جائزہ لے رہی تھی وہ اپنی رفتار اس وقت تک تیز نہیں کر سکتی تھی جب تک اسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ اس کا رخ منزل ہی کی طرف ہے اور یہی منزل اس کی زندگی کی آخری منزل ہے سمیرا نے گفتگو کا موضوع بدل دیا مگر سلمان کا اصرار تھا کہ وہ اندلس کے سیاہ گلابوں کو دیکھنے ان سے باتیں کرنے سینٹرل باغ کا ایک چکر ضرور لگائیں گے۔

"دیکھو نا ان گلابوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم ان سے ملنے آ رہے ہیں اگر ہم نہ گئے تو وہ بے چارے انتظار کرتے رہے گے۔"

"نہیں سلمان صاحب دیر ہو جائے گی۔"

سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "یہ صاحب کی دیوار ہمارے درمیان کب کھڑی رہے گی سمیرا میں دیوار گراتا ہوں تو تم اسے دوبار کھڑی کر دیتی ہو تم صرف میرے نام سے بلایا کرو مجھے تمہارے منہ سے سلمان صاحب کہنا اچھا لگتا۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟" اس نے پوچھا۔

"اس سے فرق یہ پڑے گا کہ ہم ایک دوسرے کو زیادہ قریب سے دیکھ گے، ہمیں ایک دوسرے کا زیادہ اعتماد حاصل ہو جائے گا ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان سکیں گے۔"

سمیرا نے پوچھا۔ "اس سے کیا فرق پڑے گا؟" سلمان نے پیالی میز پر رکھ اور لاؤنج کی منقش چھت کو تکتے ہوئے ایک گہرا سانس بھر کر کہا۔ "اس سے زندگی کی ایک منزل مقرر ہو جائے گی اس سے مجھے یقین ہو جائے گا کہ زندگی کے میں، میں اکیلا نہیں ہوں۔ کوئی میرا ہمدرد ساتھی میرے ہمراہ ہے اگر میں کہیں جاؤں تو وہ مجھے سہارا دے سکتا ہے کیا خیال ہے تمہارا؟"

سلمان سمیرا کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا سمیرا کافی پی رہی تھی اس اپنے چہرے پر سلمان کی نگاہوں کی گرمی محسوس کی تو اس کی طرف دیکھا۔ زبان کچھ نہ کہا صرف اوہ کہہ کر ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم آگیا۔ سلمان کو اس کے اس قدر واضح ثبوت مل گیا تھا کہ اگر جواب میں ایک پوری کتاب لکھ دی جاتی اتنی وضاحت نہ ہو سکتی۔ سمیرا کی بائیں جانب کونے میں گلدان میں رجنی گند سفید پھول سجے ہوئے تھے اس طرف سے کسی وقت ان پھولوں کی دھیمی دھیمی مہک کا جھونکا سمیرا کے قریب سے گزر جاتا تھا۔ سلمان نے حوصلہ ملتے ہی اپنے کھڑکیوں کے تمام پردے ہٹا دیئے اور محبت کے جذبوں کی تیز ہوائیں چل پڑیں اتنا شدید اظہار کبھی یاقوت نے بھی سمیرا سے نہیں کیا تھا وہ کہہ رہا تھا۔ "جب تمہیں پہلی بار دیکھا تو میرا حال اس شخص جیسا تھا جو ہزاروں برس سے ا میں کسی کی تصویر کا نقش لئے اس کی تلاش میں ہو اور پھر اچانک ایک دفتر کا اسے وہ شکل نظر آگئی ہو۔ ایسی بات نہیں تھی سمیرا کہ تمہیں دیکھ کر میرے

بت کے جذبات پیدا ہوئے ہوں نہیں محبت تو میرے دل میں تمہارے لئے اسی وقت ے پیدا ہو گئی تھی جب میں نے پہلی بار تمہیں اپنے خوابوں کے آسمان پر دیکھا تھا نہیں دیکھ کر تو مجھے خوشی ہوئی تھی جیسی خوشی اس آدمی کو ہوتی ہے جو اپنی زندگی کا کوئی قیمتی خزانہ کہیں دبا کر بھول گیا ہو اور پھر اچانک اسے اسی جگہ کا نشان مل جائے۔ میری باتوں کو بھی غور سے سننا میرے جذبہ محبت کو بھی محسوس کرنا تمہیں اپنے جسم کے ذرے ذرے میں میری محبت کی دھڑکن محسوس ہو گی کیا تم اس حقیقت کو مانتی ہو کہ کائنات میں تقدیر کی ایک عظیم طاقت مصروف عمل ہے جو اچھائی اور نیکی کے لئے چیزوں کو تربیت دیتی رہتی ہے تمہارا اور میرا ملنا اسی تقدیر کے عمل کا نتیجہ ہے نہ جانے کتنی نامعلوم صدیوں سے ہم کبھی نظر آنے والے، کبھی نظر نہ آنے والے ذروں کی شکل میں ایک دوسرے سے اربوں میل کے فاصلے پر گردش کرتے رہے تھے کہ پھر تقدیر کے ہاتھوں نے ہماری ایک دوسرے کی طرف ایک سمت کو مقرر کیا اور یوں ایک دن ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ سمیرا میں نے تمہیں پہچان لیا ہے مگر تم نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا یا پھر ہو سکتا ہے پہچان لیا ہو لیکن اسے تم ظاہر نہ کر رہی ہو۔"

سمیرا کو سلمان کا اظہار محبت اس لئے بھی اچھا لگ رہا تھا کہ اس میں حقیقی اور زندہ جسم کی بات تھی اس کی مادی کیفیات کا ذکر تھا یہ کیفیت یاقوت کے اظہار محبت میں نہیں تھی وہ ماورا کی باتیں تھیں جسم کی حقیقی اور مادی دنیا سے آگے کی باتیں تھیں جس پر سمیرا یقین تو ضرور رکھتی تھی مگر اس کے ساتھ وہ اپنی مادی زندگی آخری منزل تک سفر نہیں کر سکتی تھی مگر اسی سفر پر پہلا قدم اٹھانے سے پہلے سمیرا کو بہت کچھ سوچنا تھا بہت سے پہلوؤں پر غور کرنا تھا یہ اس کے اندر بیٹھی ہوئی ایک دوسری عورت کا تقاضا تھا اس دفعہ باتیں کرتے کرتے جب میز پر سے سفید رومال اٹھاتے ہوئے سلمان نے سمیرا کے ہاتھ پر تھوڑی دیر کے لئے اپنا ہاتھ رکھا تو سمیرا نے اپنا ہاتھ پیچھے نہ کھینچا۔ سلمان کا دل محبت کے بے پایاں جذبوں سے چھلک پڑا۔ وہ سمیرا کو دل و جان سے چاہتا تھا اسے پہلی بار محسوس ہوا کہ اب تک اس نے جتنی لڑکیوں سے والہانہ محبت کی باتیں کی تھیں وہ سب جھوٹ تھا محبت میں پہلی بار سلمان نے سچ بولا

تھا اس کے دل نے اپنی زبان میں باتیں کی تھیں اس کی آنکھیں خوشی اور مح
شدت سے بھیگ گئیں۔

سمیرا نے جلدی سے اپنا ہاتھ میز سے پیچھے ہٹا لیا ایک نظر اپنی کلائی پر
ہوئی سنہری گھڑی پر ڈالی اور کہا۔ "اب چلنا چاہئے سلمان مجھے دیر ہو جائے گی۔"

سلمان نے کوئی اصرار نہ کیا اس نے دوسری میز کی طرف جاتے ہوئے
اشارہ کیا تھوڑی ہی دیر بعد ویٹر سلمان کے سامنے بل رکھ کر آگے نکل گیا سلما
پتلون کی پچھلی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔ "اب ہمیں کل بھی ملنا ہو گا
کل کا وقت تو ہمارا پہلے سے طے ہے یہ تو آج میرا جذبہ شوق مجھے کھینچ کر
تھا-----"

بات کرتے کرتے وہ کچھ غیر حاضر ہو گیا پچھلی جیب میں سے ہاتھ نکال
نے پتلون کی دائیں بائیں دونوں جیبوں کو ٹٹول کر دیکھا پھر کرسی چھوڑ کر اٹھ
اور ایک بار پھر تینوں جیبوں کی پوری توجہ سے تلاشی لی۔

"کیا ہوا سلمان؟ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں وہ۔" سلمان نے ایک بار پھر پچھلی جیب میں ہاتھ ڈال
ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "میں نے بٹوہ پچھلی جیب میں رکھا تھا مجھے اچھی طرح یاد
خیال ہے شاید گاڑی میں پڑا ہو گا میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" یہ کہہ کر
تیز قدموں سے ہوٹل کی پارکنگ میں آیا گاڑی کھول کر اس کی ساری سیٹوں
نیچے دیکھا بٹوہ کہیں بھی نہیں تھا وہ واپس آیا تو سمیرا نے پوچھا۔ "بٹوہ ملا؟"

"نہیں۔" سلمان ایک پل کے لئے پریشان ضرور ہو گیا تھا پھر اسے خیا
وہ گھر فون کر کے پیسے منگوا لے گا مگر اس طرح ایک ڈیڑھ گھنٹہ لگ سکتا تھا
نے بل منگوا لیا تھا وہ آخری بار اپنے بٹوے سے خالی جیبوں کی تلاشی لینے
کرسی پر بیٹھ گیا اور سمیرا سے کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں میں ابھی گھر فون کر
منگوا لیتا ہوں۔"

سمیرا نے کچھ خفت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آج ایسا اتفاق ہوا
بھی اپنا پرس گھر پر ہی چھوڑ آئی ہوں میں اپنی سہیلی کو فون کر کے پیسے منگو

کتنے کا بل ہے؟"

"سوا دو سو روپے کا ہے۔ بل کی مجھے فکر نہیں ہے میں نے بٹوے میں تین سو روپے ڈال کر اپنے ہاتھ سے پچھلی جیب میں رکھا تھا ہو سکتا ہے کسی جیب تراش نے نکال لیا ہو میں گھر فون کرتا ہوں۔"

سمیرا نے کہا۔ "ایک بار پھر دیکھو شاید کسی دوسری جیب میں بٹوہ ہو۔"

سلمان مسکرایا۔ "تین جیبیں ہیں میری پتلون کی کسی ایک میں بھی بٹوہ نہیں ہے اب کہاں سے آ جائے گا۔" سلمان نے پچھلی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک سیکنڈ کے لئے وہ ساکت ہو گیا پھر تیزی سے ہاتھ باہر نکالا تو اس----- میں بٹوہ تھا وہ کبھی بٹوے کو دیکھتا کبھی سمیرا کو' جلدی سے بیٹھ گیا بٹوے کو کھول کر دیکھا اس میں ساری رقم موجود تھی۔

"یہ کہاں سے آ گیا؟" سلمان کے ہونٹ کھلے تھے وہ حیرانی کے عالم میں سمیرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ میں نے جتنی بار اپنی جیبوں و ٹٹولا بٹوہ نہیں تھا مگر یہ اب کہاں سے آ گیا؟"

سمیرا جانتی تھی کہ یہ بٹوہ کہاں سے آیا ہے کس نے سلمان کے گھر سے یہ بٹوہ اٹھا کر اس کی جیب میں ڈال دیا ہے کیونکہ سلمان یہ بٹوہ جلدی میں اپنے کمرے میں ہی بھول آیا تھا۔ "تم نے جیبوں کو اچھی طرح نہیں دیکھا ہو گا بٹوہ تمہاری جیب میں ہی تھا اب کوئی جن بھوت تو بٹوہ تمہاری جیب میں نہیں ڈال سکتا۔"

سلمان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ بار بار حیرت سے سر کو ہلا رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا "ہو سکتا ہے بٹوہ پہلے ہی سے میری جیب میں ہو مگر خدا گواہ ہے میری جیبیں بالکل خالی تھیں بٹوہ نہیں تھا۔"

سمیرا نے بل پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "پلیز ان باتوں کو چھوڑ دو بل ادا کرو مجھے گھر بھی جانا ہے شام ہو رہی ہے۔"

سلمان نے ویٹر کو اشارہ کیا سلمان ابھی تک حیران تھا سر کو ایک طرف جھٹک کر بولا۔ "ہو سکتا ہے تمہارا خیال ٹھیک ہو۔ مگر-----"

سمیرا اٹھ کھڑی ہوئی۔ "پلیز' اب چلو سلمان۔"

سلمان نے بل ادا کیا اور دونوں ہوٹل سے نکل کر اپنی اپنی گاڑیوں میں ب گئے۔ "کل اسی وقت یعنی ساڑھے چار بجے پلیز۔"

سمیرا نے نفی میں سر ہلایا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ "نہیں نہیں سمیرا م جان! کل ضرور آنا میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔"

سمیرا نے ایک بار پھر انکار میں سر ہلایا اور گاڑی آگے بڑھا دی وہ زیرِ ل مسکرا رہی تھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کل سلمان سے ملنے ضرور جائے گی سے نکلتے ہی وہ کھلی سڑک پر آئی تو اس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی کیونکہ شام اندھیرے گہرے ہونے لگے تھے اور اسٹریٹ لائٹس روشن ہو گئی تھیں آج وہ دیر گھر جا رہی تھی وہ بہت کم شام ہونے کے بعد گھر سے باہر رہتی تھی گاڑی تیز رفت سے جاری تھی۔ فاصلہ کم سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ گاڑی میدانی علاقے سے نکل ک پہاڑی علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ سمیرا دل ہی دل میں یاقوت کا شکریہ ادا کر تھی کہ اس نے عین وقت پر سلمان کی مدد کی اور وہ دونوں ایک تھری اسٹار ہوٹل شرمندہ ہونے سے بچ گئے۔ سمیرا کو یاقوت کی پراسرار خوشبو نہ اس وقت آئی جب سلمان کو اس کا بٹوہ ملا تھا اور نہ ہی اب آ رہی تھی۔ سمیرا کو بڑی الجھن رہی تھی کہ آخر یاقوت اس کے سامنے کیوں نہیں آتا وہ اس سے روپوش کیوں ہے جبکہ وہ اس کا پورا پورا خیال بھی رکھ رہا ہے اسے کوئی پریشانی ہوتی ہے تو اس کی مدد کو پہنچ جاتا ہے۔

"یاقوت!" سمیرا نے آہستہ سے یاقوت کا نام لے کر اسے پکارا اس کا خ کہ یاقوت اس کی آواز سن رہا ہے اور وہ ضرور آ جائے گا مگر اس کی ساتھ وال خالی پڑی رہی۔ گاڑی اس قصبے کے بڑے بازار میں سے بھی گزر گئی جس کے سمیرا کا پہاڑی مکان چند کوس کے فاصلے پر رہ جاتا تھا چونکہ یہ اوپر پہاڑوں کو والی ایک ذیلی سڑک تھی اس لئے اکثر اندھیرے میں ڈوبی رہتی تھی کسی کسی کھمبے بتی جلتی تھی اب رات ہو گئی تھی اور یہ نیم پہاڑی سڑک اندھیرے میں ڈوبا تھی۔ سمیرا گاڑی کی روشنیوں کی مدد سے راستہ دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی اسے اس بات کا ڈر تھا کہ سڑک پر اچانک کوئی دیہاتی وغیرہ نہ آ جائے کیونکہ اس کا

کہ پہاڑی لوگ عام طور پر شام تک قصبے میں خرید و فروخت کرتے رہتے ہیں اور اندھیرا ہوتے ہی اپنے قریبی دیہات کی طرف پیدل چل پڑتے ہیں وہ اندھیرے میں بھی اتنی ہی آسانی سے سفر کر لیتے ہیں جس طرح آدمی دن کی روشنی میں سفر کرتا ہے۔

سمیرا کی گاڑی روشنی کے ایک کھمبے سے آگے نکل کر اندھیرے میں آئی تو اسے سڑک کی بائیں جانب ڈھلان پر ایک سایہ تیزی سے اتر کر سڑک پر آتا نظر آیا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں اسے یہ سایہ صاف نظر آ رہا تھا اس نے گھبرا کر بریک لگا دی۔ گاڑی رکتے رکتے اس انسانی سائے سے جا ٹکرائی ایک چیخ کی آواز بلند ہوئی اور گاڑی کی بتیاں اپنے آپ بجھ گئیں۔

سمیرا کے ہاتھ پاؤں دہشت کے مارے زرد پڑ گئے۔

اس کے ہاتھوں سے ایک بے گناہ انسان کا خون ہو گیا تھا۔

وہ ڈھلان سے اتر کر سڑک پر کیوں آ گیا؟ کیا موت اسے سمیرا کی گاڑ آگے لے آئی تھی؟ مجھ سے بڑا ظلم ہو گیا۔ سمیرا ابھی تک دہشت زدہ تھی آگے پیچھے اندھیرا چھایا ہوا تھا سمیرا نے کپکپاتے ہاتھ سے ایک بٹن دبایا۔ گا لائٹیں جل پڑیں سڑک روشن ہو گئی جو روشنی کی آخری حد تک خالی پڑی تھ جب ذرا اپنے ہوش و حواس میں آئی تو وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر ڈرتے ڈرتے گاڑی کے عقب میں آ گئی اسے یقین تھا کہ وہاں ایک آدمی کی لاش پڑی ہو گی۔ گاڑی کی عقبی سرخ بتیاں جل رہی تھیں مگر ان کی روشنی کا تھوڑا سا حصہ ہی نظر آ رہا تھا اتنی جگہ سڑک پر کچھ نہیں تھا۔ اب سمیرا پو اپنے ہوش میں تھی اس نے ڈیش بورڈ میں سے ٹارچ نکال کر اس کی روشنی ڈالی۔ سڑک پر کوئی لاش نہیں تھی کیا وہ شخص زخمی ہوا تھا اور کہیں چلا گیا نے سوچا مگر اس کی چیخ بڑی بھیانک تھی وہ اگر زخمی بھی ہوتا تو شدید زخمی وہیں سڑک پر پڑا ہوتا۔ وہ اس کی گاڑی سے ٹکرایا تھا اور اس کے حلق سے نکلی تھی اور گاڑی سے ٹکرانے کے بعد وہ اچھلا تھا اور گاڑی کے اوپر سے پیچھے سڑک پر جا کر گرا تھا۔

سمیرا نے گاڑی کے سامنے آ کر بونٹ کو دیکھا وہاں کوئی چیز نہیں ٹوٹی کے شیشے اور مڈگارڈ اور بونٹ کا اگلا حصہ ہر شے بالکل صحیح حالت میں تھی

برائی ہوئی کیونکہ اس نے انسانی سائے کو جو یقیناً" ایک جیتا جاگتا انسان تھا اپنی آنکھوں سے گاڑی کے اگلے حصے سے ٹکراتے اور ٹکرا کر گاڑی کے اوپر سے ہو کر پیچھے گرتے دیکھا تھا اور سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ اس نے اس بدنصیب کی چیخ کی آواز بھی سنی تھی مگر خالی سڑک اور گاڑی کا اگلا حصہ کہہ رہا تھا کہ کچھ بھی نہیں ہوا پھر گاڑی کی بتیاں بجھ گئی تھیں؟ سمیرا دوبارہ گاڑی کے عقب میں آئی اور ٹارچ کی روشنی میں سڑک کا دور تک جائزہ لیا۔ ساری کی ساری سڑک خالی پڑی تھی اس کی دونوں جانب اندھیرا اور سناٹا چھایا تھا اچانک سڑک کی بائیں جانب والے اندھیرے میں سے کسی نے اس کا نام لے کر اسے آواز دی۔ آواز کسی مرد کی تھی بھاری اور آسیب زدہ جیسے کوئی طلسمی منتر پڑھتا ہے۔ سمیرا کے بدن میں خوف کی سرد لہر سی دوڑ گئی وہ واپس مڑ کر بے تحاشا اپنی گاڑی کی طرف بھاگی۔ دروازہ کھول کر گاڑی اسٹارٹ کی اور وہ اسے تیزی سے لے کر وہاں سے نکل گئی۔ کہیں وہ آواز اس آدمی کی نہ ہو جو اس کی گاڑی سے ٹکرا کر شدید زخمی ہو گیا تھا مگر نہیں اس آواز میں درد کرب نہیں تھا اس آواز میں ایک پراسراریت ایک رعب اور آسیبی اثر تھا جیسے وہ اسے اپنی طرف بلا رہی ہو۔

سمیرا کو خیال آیا کہ اگر یہ گاڑی سے ٹکرانے والے انسان کی آواز تھی تو اسے اس کا نام کیسے معلوم ہو گیا؟ اس پر خوف سا چھا گیا وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا گاڑی کو چلاتی ہوئی اپنے مکان کے گیٹ پر پہنچ گئی اپنے نیم پہاڑی کاٹیج کے گیٹ پر جلتے بلب کی روشنی کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی گاڑی کی آواز سن کر نوری نے جلدی سے آ کر گیٹ کھولا۔ سمیرا گاڑی کو گیراج کی چھت تلے لے آئی۔ نوری نے کہا۔ "بیگم صاحبہ آج آپ نے دیر کر دی۔ ابا بھی پریشان ہو رہے تھے؟"

اتنے میں سلیمان چچا بھی کچن سے نکل کر آ گیا۔ "کیا بات ہے بیٹی خیریت تو تھی نا؟"

"ہاں سلیمان چچا بس دفتر میں دیر ہو گئی۔"

"نوری میرے لئے چائے کی ایک پیالی لے آنا۔"

سمیرا اپنے کمرے میں آ کر جو بیک وقت اس کا ڈرائنگ روم بھی تھا اور بیڈ

روم بھی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ ابھی تک اس کے ذہن میں دو آوازیں گونج رہی تھیں ا آواز گاڑی سے ٹکرا کر اسکرین کے اوپر سے ہو کر اچھلنے والے انسان کی اندوہناک اور دوسری سڑک کے کنارے کی اندھیری جھاڑیوں میں سے کسی کے اس کا نام کر اسے بلانے کی آواز۔۔۔۔ دونوں آوازیں سمیرا کے لئے ایک معمہ بن گئی تھ پہلے اس نے سوچا کہ نتاشا کو ٹیلی فون کرے اور یہ واقعہ بتائے۔ پھر اسے خیال آ ہو سکتا ہے نتاشا اس سے مذاق کرنے لگے کیونکہ اس قسم کی پراسرار باتوں پر یقین کرتا ہے بھلا۔

رات کو سمیرا نے بہت ہلکا سا کھانا کھایا۔ شام کے واقعے نے ذہنی طور پر پریشان کر دیا تھا رات کو سونے سے پہلے اس نے دروازے کھڑکیاں اندر سے طرح بند کر لیں۔ ٹیبل لیمپ کے سوا باقی روشنیاں بجھا دیں اور ساڑھے گیارہ بجے ورڈز ورتھ کی شاعری پڑھتی رہی۔ باہر خزاں کی سرد ہوا چل رہی تھی رات کو ا سردی ہو جاتی تھی۔ سمیرا نے ٹیبل لیمپ بجھا دیا اور مخمل کا لحاف اوپر کر کے آ بند کر لیں۔ اس کے سامنے پھر وہی شروع رات کا منظر آ گیا۔ وہ سڑک پر تیز کار لئے چلی جا رہی ہے ٹیلے کی ڈھلان سے ایک انسانی سایہ تیزی سے اتر کر سڑ آتا ہے، سمیرا گھبرا کر بریک لگاتی ہے گاڑی کا اگلا حصہ انسانی سائے سے ٹکرا ایک انسانی چیخ بلند ہوتی ہے اور انسانی ہیولا اس کی گاڑی کے اوپر سے ہو کر گرتا ہے سمیرا نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا کھڑ گرے ہوئے پردوں نے اس اندھیرے کو زیادہ تاریک بنا دیا تھا۔ باہر درخ شاخوں میں ہوا شور مچا رہی تھی کسی درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ تھوڑی تھو بعد کمرے کی دیوار سے ٹکرا کر ایک ایسی آواز پیدا کر رہی تھی جس سے ماحو ڈراؤنا ہو رہا تھا۔

سمیرا کو یاقوت کا خیال آ گیا۔ وہ سوچنے لگی کیا اسے علم نہیں ہوا ک ساتھ کیا واقعہ گزرا ہے؟ ہو سکتا ہے یاقوت یہاں نہ ہو۔ ماضی کے دھندلے میں کسی طرف نکل گیا ہو۔ خزاں کی سرد ہوا بند کمرے کے باہر شور مچاتی اندھیرے میں گرے ہوئے خشک پتوں کو اڑاتی رہی۔ سمیرا کی آنکھیں بوجھ گئیں اور پھر وہ سو گئی۔

دن کی روشنی نے سمیرا کے دل سے رات کے واقعات کی پراسراریت ختم کر دی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے رات کو کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو۔ جلدی جلدی تیار ہو کر اس نے گاڑی نکالی اور دفتر جانے کے لئے شہر کی جانب روانہ ہو گئی۔ جب اس کی گاڑی وہاں سے گزری جہاں اس کے اندازے کے مطابق رات کوئی انسانی ہیولا اس کی گاڑی سے ٹکرایا تھا تو اس نے گاڑی کی رفتار کم کر کے سڑک کو غور سے دیکھا۔ وہاں کسی بھی جگہ انسانی خون کا ایک دھبہ تک اسے نظر نہ آیا۔ پھر اس نے ذرا آگے جا کر بائیں جانب ان جھاڑیوں پر نگاہ ڈالی جہاں رات کو اس کے خیال کے مطابق کسی نے اپنی بھاری پراسرار آسیبی آواز میں اس کا نام لے کر بلایا تھا۔ جھاڑیاں بالکل عام قسم کی تھیں ان میں کسی قسم کا کوئی اسرار وغیرہ نہیں تھا۔

سمیرا نے اپنے آپ سے کہا۔ "میرا وہم تھا یاقوت کے سوا مجھے غیب سے کون آواز دے سکتا ہے اور اگر یاقوت ہوتا تو اسے آواز دینے کی کیا ضرورت تھی وہ تو میرے پاس گاڑی میں آ جاتا۔" گاڑی قصبے کے بڑے اور بارونق بازار میں سے گزر گئی۔ آج آفس ٹائم کے بعد اسے سلمان سے ملنا تھا وہ دل میں مسکرا دی۔ ہاں۔۔۔۔ ایک بار پھر ملنا تھا۔ سمیرا نے آج وہی کپڑے پہنے تھے جو وہ ایک دن پہلے پہننا چاہتی تھی ان کپڑوں میں وہ بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ دفتر پہنچنے کے بعد وہ معمول کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ گیارہ بجے کے قریب نتاشا کا ٹیلی فون آ گیا وہ چاہتی تھی کہ سمیرا دفتر میں ڈیوٹی ختم کر کے اس کے گھر آ جائے۔ مگر سمیرا نے بہانہ بناتے ہوئے کہا کہ آج مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے کیونکہ نوری کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے رات کا کھانا مجھے خود ہی بنانا ہو گا۔ دوسری طرف سے نتاشا کی ہنسی کی آواز آئی۔ "سمیرا میں اس وقت تمہارا چہرہ بھی دیکھ رہی ہوں جو صاف بتا رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

سمیرا نے چڑ کر کہا۔ "تمہیں تو میری ہر بات جھوٹ لگتی ہے بھلا مجھے تمہارے ہاں آنے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟"

"ایک رکاوٹ ہے۔" نتاشا ہنس رہی تھی۔

"کیا؟" سمیرا نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"وہ جس کو تم مجھ سے زیادہ چاہنے لگی ہو اور جس کے ساتھ تم آج کی ر
بھی کافی ہاؤس یا-----!"

"شٹ اپ نتاشا فضول باتیں نہیں کیا کرتے۔" اور سمیرا نے ٹیلیفون ب
دیا۔ وہ ایک فائل میں ضروری کاغذات لگانے کے بعد ایک نیا کمرشل ڈیزائن دیکھ
تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ سمیرا نے ریسیور اٹھا کر اپنی فرم کا نام بتایا تو دوسری
سے نتاشا کی آواز آئی۔ "مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم آج میرے گھر نہیں آؤ گی۔
کا خیال رکھنا۔"

اور ہنسی کی شوخ آواز کے ساتھ ہی دوسری طرف سے نتاشا نے فون
دیا۔ سمیرا کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ تھی اس نے آہستہ سے ریسیور ر
کام کرتے ہوئے سلمان کو تصور ہی تصور میں اپنے سامنے بیٹھا باتیں کرتا دیکھ
اس نے محسوس کیا کہ سلمان کی باتوں میں یاقوت کی گفتگو ایسی دانائی' تاریخی گہ
کائنات کی حقیقتیں نہیں ہوتیں مگر ان باتوں میں زندگی سے بھرپور گرم خوا
جذبوں والا دل ضرور دھڑک رہا ہوتا ہے۔ لنچ کے بعد سلمان کا فون آ گیا۔

"سوری! میں نے ڈسٹرب کیا۔"

سمیرا کے دل کی دھڑکن ذرا تیز ہو گئی کہیں ایسا تو نہیں کہ سلمان کو کو
گیا ہے اور وہ اس سے ملنے نہیں آ رہا؟ اس نے خاص طور پر اپنا خوبصور
ریشمی سوٹ اور عنابی جرسی پہنی ہوئی تھی صرف سلمان کے لئے سمیرا نے ا
بے نیازی اور کاروباری انداز میں پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

سلمان یہی سمجھا کہ سمیرا کے پاس دفتر کا کوئی آدمی بیٹھا ہوا ہے وہ ب
تھا کہ سمیرا کو ٹیلیفون دفتر کے ایکسچینج کے ذریعے ہوتا ہے اس نے کہا۔ "وہ
چاہتا تھا کہ میں کاغذات آج پہنچا دوں گا بلکہ خود آ کر دے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" سمیرا نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"شکریہ۔"

سلمان نے فون بند کر دیا سمیرا کو بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اس سے م

را بڑے سرور کے عالم میں دفتر کا کام کرتی رہی۔ چار بجے کام ختم کر کے اس نے
ول کے مطابق اپنی چیزیں سنبھال کر دراز میں بند کیں پارکنگ لاٹ میں آ کر گاڑی
لی اور کافی ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔

وہ وقت سے پہلے کافی ہاؤس نہیں پہنچنا چاہتی تھی اپنے دل کی بے تابیوں کو وہ
مان پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی دس پندرہ منٹ تک وہ گاڑی کو لئے مختلف سڑکوں
ے چکر لگاتی رہی وہ دس منٹ لیٹ کافی ہاؤس پہنچی تو اس نے پارکنگ میں دیکھا کہ
لمان اپنی گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سمیرا کی
اڑی دیکھ کر سلمان کا چہرہ کھل گیا وہ ابھی گاڑی کھڑی کر رہی تھی کہ سلمان قریب آ
ر بولا۔ "سوری سمیرا میں نے تمہیں اس وقت فون کیا جب تم بہت مصروف
یں۔"

سمیرا مسکرانا چاہتی تھی مگر اس نے اپنی مسکراہٹ کو دبا دیا اور ہونٹ بند رکھے
ر انجن بند کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں ذرا مصروف تھی۔"

اور وہ اپنی جرسی کاندھے پر ڈال' پرس سیٹ پر سے اٹھا کر گاڑی سے باہر نکل
ئی۔ سلمان نے سمیرا کے لباس پر ایک نظر ڈالی اور بولا۔ "جتنا خوبصورت تمہارا
اس ہے سمیرا تم نے اتنا ہی خوبصورت پرفیوم لگا رکھا ہے۔"

جب وہ کافی ہاؤس کی گیلری میں کونے والی میز پر بیٹھ گئے تو سلمان نے اپنی
یکٹ کی جیب میں سے سنہری فیتے میں بندھا ہوا ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر سمیرا کو
یش کیا۔ "یہ کیا ہے؟" سمیرا نے پوچھا۔

"میری محبت کا حقیر تحفہ۔"

سلمان مسکرا رہا تھا اس نے سگریٹ سلگا لیا سمیرا نے پیکٹ کھولا تو اس میں
رفیوم کی شیشی تھی۔ "آپ نے یہ تکلف کیوں کیا؟" سلمان نے پوچھا۔ "آپ کون؟"
میرا ہنس پڑی۔

"میرا مطلب ہے تم نے یہ تکلف کیوں کیا؟"

"میری خوشی۔ کیا تمہیں پسند نہیں یہ پرفیوم؟"

"کیوں نہیں۔ مجھے تو بہت پسند ہے۔"

اتنے میں کافی آ گئی اور وہ کافی بنانے لگی۔ سلمان بولا۔ "کل بٹوے وا
واقعے کا مجھے بار بار خیال آتا رہا۔ میں حیران ہوں بٹوہ میری جیب سے غائب ہوا
واپس کیسے آ گیا؟"

سمیرا پیالی میں کریم انڈیلتے ہوئے بولی۔ "یہ تمہارا وہم ہے۔ بٹوہ پہلے تمہاری جیب ہی میں تھا۔ تم نے اچھی طرح دیکھا نہیں تھا۔"

"شاید ایسا ہی ہو ——"

آج سمیرا جلدی گھر واپس جانا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے میں اندھیرا ہو جائے۔ غیر شعوری طور پر اس پر کل والے پراسرار واقعے کا ا اس نے سلمان سے اس کا ذکر کرنا پسند نہ کیا۔ سلمان کے رویے میں سمیرا تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ وہ شگفتہ باتیں کرتے کرتے ایک دم سنجیدہ ہو جا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی بات کہنا چاہتا ہے۔ سمیرا کو بھی تشویش سی لگ گئی۔ آ نے پوچھ لیا۔ "کیا بات ہے۔ آج تم سنجیدہ لگ رہے ہو' کوئی بات ہو گئی ہے کیا

"اونہوں۔" سلمان نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو۔"

گیلری کے جس کونے میں وہ بیٹھے تھے۔ وہاں اردگرد کی میزیں خالی سلمان نے اچانک سمیرا کا نرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا۔ "اپنا ہاتھ لے جانا سمیرا۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

سمیرا نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ چہرے پر حیا کی گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ سلمان یہ بات پھر کہے کہ میں تم سے شادی کرنا چاہ سلمان پیالی میں چمچ ہلانے لگا۔ "کیا تمہیں میری بات بری لگی ہے سمیرا؟"

"نہیں نہیں۔ مجھے تمہاری بات بری نہیں لگی۔ میں تو چاہتی ہوں بات ایک بار پھر کہو۔ بار بار کہو۔ کہتے رہو۔ جب تک یہاں بیٹھے ہو یہ جاؤ۔" سمیرا کا دل یہی بول رہا تھا۔ سلمان نے خاموشی سے کافی کا ایک گھو پیالی میز پر رکھ دی۔

"سمیرا میں دل کی گہرائیوں سے تمہیں پیار کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں

م ہی ایک ایسی لڑکی ہو جس کے ساتھ میں ایک نہیں کئی زندگیاں گزار سکتا ہوں۔ ھے نہیں معلوم تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو یا نہیں۔ اس لئے میں نے تمہاری رضا ہاری مرضی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ تمہاری رضا تمہاری خوشنودی ے بغیر میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر تم میرے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند یں کرتیں تو میں دل پر پتھر رکھ کر یہیں سے واپس لوٹ جاؤں گا اور تم سے کبھی بھی' سی قسم کا کوئی گلہ نہیں کروں گا۔ کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔ لیکن ایک بات ضرور کہنا ہوں گا کہ اگر تم نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا تو پھر ہو سکتا ہے زندگی بھی میرا ساتھ چھوڑ ے۔"

سمیرا نے بے اختیار ہو کر اپنا ہاتھ سلمان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ ایسا نہیں کرنا ہتی تھی مگر وہ ایسا کر بیٹھی تھی۔ محبت کی جس تابناک بجلی کو اس نے اپنی انا اور ضع داریوں کے سیاہ بادلوں میں چھپا رکھا تھا' دبا رکھا تھا وہ تڑپ کر بادلوں سے باہر آ ئی تھی اور اس کی چمک نے سمیرا کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا تھا۔ وہ اپنی محبت کے ں بے باک جذبے کو دیکھ کر خود بھی حیران ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے جلدی سے تھ پیچھے کھینچ لیا۔ مگر بجلی نے چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ سمیرا نے اپنا ہاتھ رور کھینچ لیا تھا مگر وہ اپنے ہاتھ کی گرمی' اپنے دل کی محبت سلمان کے ہاتھ پر ہی وڑ آئی تھی۔ سلمان کا دل خوشی اور مسرت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایسی مسرت ں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر ویسے کا ویسا ہی بیٹھا رہا۔ اسے ا کہ اگر وہ ہلا تو مسرت کا کوئی نہ کوئی پھول اس کے جسم کی کسی نہ کسی شاخ سے ٹ کر گر پڑے گا۔

سلمان دل سے سمیرا کو چاہتا تھا۔ وہ محبت میں سمیرا ہی کی طرح سچا تھا وہ سمیرا ے شادی کر کے اس کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دینا چاہتا تھا۔ سمیرا نے گھڑی پر نگاہ لتے ہوئے کہا۔ "اب چلنا چاہئے مجھے دیر ہو جائے گی۔"

سلمان نے کوئی اصرار نہ کیا۔ اس نے بیرے کو بلا کر بل ادا کیا اور وہ دونوں یلری کی سیڑھیاں اتر کر کافی ہاؤس کے ہال میں سے گزرتے ہوئے باہر آ گئے۔ اس ران انہوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی دونوں خاموشی سے ایک دوسرے

کے پہلو بہ پہلو چلتے پارکنگ لاٹ میں آئے۔ سمیرا اپنی گاڑی کے دروازے میں رہی تھی۔ سلمان اس کے قریب آگیا۔

"کل ہم سینٹرل گارڈن چلیں گے۔ گرین ہاؤس کے سیاہ اندلسی گلاب تمہ کرتے ہیں۔"

سمیرا مسکرا دی۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ "نہیں سلمان کل نہیں۔ گرین ہاؤس چلیں گے۔ ٹھیک ہے"

اس نے بڑی ادا سے نازک گردن کو ایک طرف جھکا کر سلمان کی طرف سلمان کا چہرہ محبت کی ابتدائی مسرتوں سے چمک رہا تھا۔ اس نے دھیمی آواز میں "ٹھیک ہے تمہارے پاس میرے کالج کا نمبر موجود ہے۔ ہو سکے تو مجھے فون کر لی کا دن تمہاری آواز سن کر بسر کر لوں گا۔"

سمیرا کی گاڑی شہر سے نکل کر بڑی سڑک پر اپنی منزل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ مگر اس خوشی کے ساتھ اسے کچھ خفت کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ کے اندر سے کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو۔ وہ کیوں بے اختیار ہو گئی تھی؟ اس نے سے اپنا ہاتھ سلمان کے ہاتھ پر کیوں رکھ دیا تھا؟ وہ کیا سمجھے گا میرے بارے میں اتنی ہلکی بے وزن تو نہیں ہوں ٹھیک ہے سمیرا۔ کوئی جیسے اس کے اندر سے نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے تمہیں اپنی شکستگی کا احساس ہو وہ تم کرنا چاہتا ہے تمہیں اپنا جیون ساتھی بنا رہا ہے۔ وہ تم سے بے پناہ محبت کر بھی اسے چاہتی ہو۔ تم بھی اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ تم نے اچھا کیا ک کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے اپنی محبت کا ثبوت فراہم کر دیا۔ تمہیں چاہیے۔

سمیرا کے ہونٹوں پر خوشی کی ایک کرن سی چمک اٹھی۔ اسنے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ وہ مطمئن تھی کہ آج روشنی میں ہی گھر واپس جا رہی تھ راستے میں جب وہ جگہ آئی جہاں جھاڑیوں میں سے اس نے کسی کی آواز ایک انسانی سایہ اس کی گاڑی سے ٹکرایا تھا تو سمیرا کا چہرہ کچھ سنجیدہ کچھ گیا۔ اس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر دی ایک بار پھر سڑک کو غور سے دیکھ

حادثے کا کوئی نشان نہیں تھا۔ سڑک کے کنارے والی جھاڑیاں بھی اسے عام سی لگ رہی تھیں۔ ان میں کوئی پراسراریت یا آسیب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنی گردن کو تھوڑا سا جھٹک دیا میں بھی کتنی پاگل ہوں اپنے وہم کو حقیقت سمجھ بیٹھی۔

ابھی دن کی روشنی باقی تھی جب وہ اپنے مکان کے گیٹ میں داخل ہوئی۔ نوری اور سلیمان چچا اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔

"بیٹی! آج میں نے تمہارے لئے چائنیز سوپ بنایا ہے تمہیں پسند ہے نا۔"

سلیمان چچا نے گیٹ بند کرتے ہوئے ذرا بلند آواز میں کہا۔

سمیرا گیراج کی چھت تلے گاڑی کا دروازہ بند کر رہی تھی۔ نوری کچن کی طرف مڑتے ہوئے بولی۔

"ابا کہتا ہے مجھے چائنیز سوپ بنانا آتا ہے میں نے کہا۔ ابا۔ بیگم صاحبہ کو پسند نہیں آئے گا۔"

سمیرا نے کہا۔ "کیوں پسند نہیں آئے گا؟ تمہارے ابا تو بڑے اعلیٰ کھانے پکاتے ہیں تم سے بھی اچھے۔"

نوری شرارتی انداز میں "ہوں" کہتی کچن میں داخل ہو گئی۔ سلیمان چچا بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ "بیٹی سوپ کھانے کے ساتھ پیو گی نا؟"

"ہاں چچا۔ نوری سے کہنا ابھی چائے نہ بنائے میں دفتر سے کافی پی کر آ رہی ہوں۔"

اور وہ برآمدے میں سے گزر کر اپنے کمرے میں آگئی۔ کمرے میں آتے ہی وہ ٹھٹک کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ فضا میں یاقوت کی پراسرار خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

"یاقوت! یہ تم ہو۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ اس نے دو تین بار یاقوت کو آواز دے کر بلایا۔ مگر جواب میں کمرے کی فضا خاموش رہی۔ اس کی نگاہ چھوٹی میز پر پڑی۔ وہاں ایک سرخ رنگ کا لفافہ پڑا تھا۔ یہ لفافہ جب وہ دفتر گئی تھی وہاں نہیں تھا۔ سمیرا نے آگے بڑھ کر جلدی سے لفافہ کھولا۔ کھڑکی میں سے آتی غروب آفتاب کی سنہری روشنی میں سمیرا نے دیکھا کہ لفافے میں ایک سرخ پھولدار حاشیے والا کارڈ ہے جس پر انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔

"مبارک ہو۔ یاقوت"۔

سمیرا نے تڑپ کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس نے ایک بار پھر یاقوت کو آواز دی۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔ پراسرار خوشبو آہستہ آہستہ مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ سمیرا آ گیا کہ جب یاقوت اس سے مل کر چلا جاتا تھا تو یہ پراسرار خوشبو اسی طرح پڑتے پڑتے غائب ہو جایا کرتی تھی وہ کارڈ ہاتھ میں لئے پلنگ پر بے دم سی ہو کر گئی۔ اس کا دل اداس ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسنے پرس سے ٹشو پیپر نکال کر اپنے ہونٹوں پر رکھ لیا اور آہستہ آہستہ سسکیاں بھرنے رونے سے جب اس کا جی کچھ ہلکا ہوا تو وہ اٹھ کر غسل خانے میں گئی' منہ ہاتھ بالوں میں کنگھی کی اور باہر آ کر صوفے پر بیٹھ کر یاقوت کی مبارک بادی کا کارڈ بار پڑھنے لگی۔ وہ سمجھ گئی کہ یاقوت نے اسے کس بات کی مبارک باد دی ہے۔ خوش ہے کہ میں نے سلمان سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟ کیا وہ بھی یہی ہے کہ میں سلمان سے بیاہ کر کے اپنا گھر بسا لوں؟ سمیرا کو یاقوت پر غصہ بھی آ اس نے رقابت محسوس کرنے کی بجائے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ وہ یاقوت کی شکل تصور میں لا کر بڑبڑائی۔

کیسی محبت ہے تمہاری؟ تم مجھے اپنے رقیب کے ساتھ شادی کرتا دیکھ کر ہو رہے ہو؟ تمہیں تو غضبناک ہو جانا چاہئے تھا۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ تم سلمان انتقام لیتے' اسے نقصان پہنچاتے اور مجھے اغواء کر کے اپنے ساتھ لے جاتے۔ محبت کا قدرتی تقاضا ہوتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے یاقوت! ہونہہ۔ مگر تم ہماری زند کی محبتوں کو کیا سمجھو گے۔ تم تو خود اپنی محبت کو رقیب کے قدموں میں ڈال رہے

سمیرا اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بند شیشوں میں سے باہر آ غروب ہو جانے کے بعد کی روشنی اب رات کی سیاہی میں تبدیل ہو رہی تھی اور سے ایک سرد ہوا کی ایک لکیر سی نکل کر سمیرا کے بائیں رخسار کو چھو رہی تھی۔ نے سانس اندر کو کھینچا تو اسے محسوس ہوا کہ کمرے کی فضا یاقوت کی پراسرار سے خالی ہو چکی تھی۔ اب اسے پورا یقین ہو گیا کہ یاقوت اس کے آنے سے جا چکا تھا۔ کمرے میں صرف اس کی خاص خوشبو ہی باقی تھی جو مدھم ہوتے

ائب ہو گئی۔ سمیرا کھڑکی سے ہٹ کر پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کمرے کی بتیاں روشن کر دیں تھیں۔ وہ یاقوت کا گریٹنگ کارڈ سامنے رکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگی۔ اسے اس کے ساتھ گزارا ہوا اپنی پہلی محبت کا سارا زمانہ یاد آ گیا۔ نوری نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

"کیا ہے؟" سمیرا نے کارڈ سرہانے کے نیچے رکھ دیا۔

"میں چائے بنا کر لے آئی ہوں۔" نوری کو میرا کتنا خیال رہتا ہے۔ اس نے نوری کو اندر بلا لیا۔ نوری نے اندر آتے ہی گہرا سانس لیا اور بولی۔ "آپی جی! بڑی پرانی خوشبو یہاں سے آ رہی ہے۔ یہ باہر لوکاٹ کے درخت کے پاس جو سفید پھول کھلا کرتے تھے انہی کی خوشبو ہے نا؟ اب یہ خوشبو نہیں آتی۔"

نوری نے ٹرے میز پر رکھ دی اور سمیرا سے پوچھ کر چائے بنانے لگی۔ وہ اپنے ابا کے بنائے ہوئے چائنیز سوپ کی باتیں کرنے لگی کہ ابا نے بڑی محبت اور محنت سے سوپ بنایا ہے۔ انہوں نے ایک انگریزی ہوٹل سے یہ سوپ بنانا سیکھا تھا۔ کہہ رہے تھے میں اپنی دوسری بیٹی کے لئے سوپ بنا رہا ہوں۔ سمیرا نوری کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ کتنی بھولی اور بے خبر لڑکی ہے۔ اسی بھولنے اور بے خبری میں اس کی خوشی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اتنے میں تپائی پر رکھے ہوئے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ نوری آہستہ سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ سمیرا نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف سے سلمان بول رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ نتاشا کا فون ہو گا۔ سمیرا کا دل ذرا تیز دھڑک کر اپنے معمول پر آ گیا۔ "میری جان! مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم مجھے کل ہی ملو۔ وہیں کافی ہاؤس میں۔ وہاں ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔"

سمیرا نے آہستہ سے پوچھا۔ "ایسی کون سی ضروری باتیں کرنی رہ گئی ہیں؟"

"یہ میں تمہیں فون پر نہیں بتا سکتا۔"

سمیرا نے مسکرا کر کہا۔ "میں جانتی ہوں تم کیا باتیں کرو گے۔ فون پر ہی کیوں نہیں کر لیتے۔"

سلمان کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ کہنے لگا۔ "نہیں سمیرا۔ یہ باتیں تم سے مل کر ہی

کرنے والی ہیں۔ میں ساڑھے چار بجے تمہیں کافی ہاؤس کی گیلری میں ملوں گا۔ تم آ جانا۔ میں وہاں موجود ہوں گا۔ او کے بائی۔"

ریسیور رکھ کر سمیرا سوچنے لگی ایسی کون سی بات ہو گئی ہے۔ سلمان کا سنجیدہ تھا۔ خدا خیر کرے۔ پھر اس نے اس قسم کے خیالات کو ذہن سے نکال دیا سوچنے لگی کہ کل وہ کون سے کپڑے پہن کر سلمان سے ملنے جائے گی۔ اس ۔ وی اون کر دیا اور چائے پیتے ہوئے ٹیلیویژن پروگرام دیکھنے اور سلمان کے بارے سوچنے لگی۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک بڑے قیمتی اور نئے ڈیزائن کے لباس انتخاب کر لیا۔ وہ بڑی خوش تھی کہ کل پھر وہ سلمان کے پاس بیٹھ کر اس کی بھری باتیں سنے گی۔ وہ خود پرسوں تک کا انتظار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

دوسرے روز شہر کا آسمان ابر آلود تھا۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ سمیرا ڈیوٹی بعد دفتر سے نکل کر کافی ہاؤس پہنچ گئی۔ سلمان پہلے ہی سے گیلری میں کونے والی اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سمیرا کو آتا دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سمیرا کی طرف سے اپنے دیئے پرفیوم کی خوشبو آئی۔ سمیرا نے محسوس کیا کہ سلمان کچھ ضرورت سے ہی سنجیدہ ہے۔ خدا خیر کرے۔ سمیرا نے دل میں سوچا۔ کوئی پریشان کر دینے والی نہ ہو گئی ہو۔ سلمان نے مسکراتے ہوئے سمیرا کا خیر مقدم کیا اور سگریٹ سلگا کر کرنے لگا۔ کافی وغیرہ کا اس نے سمیرا کو دیکھ کر ہی آرڈر دے دیا تھا۔ کافی آ گئی۔ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے سلمان! خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں ہاں۔" سلمان مسکرایا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات کرنا چاہتے تھے؟"

سمیرا سمجھ گئی کہ سلمان نے یہ سارا ڈرامہ اسے ایک دن پہلے بلانے کے رچایا ہے۔ اسے بڑی خوشی اور فخر محسوس ہوا کہ سلمان اس کے بغیر ایک دن نہیں گزار سکتا۔ سلمان نے کہا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ سمیرا میرے گھر ہماری شادی کے خلاف ہیں۔"

سمیرا کو ہلکا سا دھچکا لگا۔ اس کا ہاتھ پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے ایک پل کے وہیں رک گیا۔ اس نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس کے کچھ کہنے کا یہ مقام بھی

ئا۔ یہ تو سلمان نے فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ پیالی میں آہستہ آہستہ چمچ لاتی رہی۔ سلمان کے لہجے میں اب سنجیدگی کے ساتھ ساتھ غصے کا اظہار بھی تھا۔

"وہ کون ہوتے ہیں میرے مستقبل کا فیصلہ کرنے والے؟ والد صاحب کہنے لگے کہ اگر تم نے اپنی مرضی کی شادی کی تو پھر اس گھر میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہو گی، نہیں جگہ ہو گی تو نہ سہی۔ میں بالغ ہوں۔ کمرشل کام کر کے بھی کما سکتا ہوں۔"

سمیرا اب خاموش تھی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سلمان نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ سلمان کہہ رہا تھا۔

"وہ میری شادی خالدہ سے کرنا چاہتے ہیں جو میری چچا زاد ہے۔ خالدہ کے نام کئی مربعے زرعی اراضی ہے۔ انہوں نے تو بچپن ہی میں ہماری منگنی کر دی تھی۔ مجھے تو بڑے ہو کر پتہ چلا بھلا یہ بھی کوئی شادی ہوتی ہے؟"

سمیرا اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" اس کی نظریں سلمان کے چہرے پر نہیں تھیں۔

سلمان نے سمیرا کا ہاتھ تھام لیا۔ "میرا فیصلہ؟ کیا تمہیں بھی میرے فیصلے کا انتظار ہے؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تم سے اور صرف تم سے پیار کرتا ہوں اور تمہارے سوا کسی دوسری عورت کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے خالدہ سے تو شادی سے انکار کر دیا ہے۔"

"پھر تمہارے ڈیڈی نے کیا کہا؟" سمیرا نے سلمان کی طرف نگاہیں اٹھاتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ سلمان نے کہا۔ "انہوں نے لڑکی والوں کو تاریخ بھی دے دی ہے۔ اگلے ہفتے آج ہی کے دن وہ میری شادی خالدہ سے کر رہے ہیں۔ کیا یہ دھاندلی نہیں ہے؟ وہ میری فرمانبرداری کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر سمیرا یہ میری ساری زندگی کا سوال ہے۔ زندگی تو صرف ایک بار ہی ملتی ہے۔ میں اپنی زندگی کیسے برباد کر لوں؟"

سمیرا دل میں سوچنے لگی کہ سلمان کیا کرے گا اب؟ اس نے کیا سوچا ہو گا؟ وہ بولی۔ "سلمان! اپنے ماں باپ کا دل نہ توڑو۔ ان کا تم پر بڑا حق ہے۔ وہ جہاں چاہتے ہیں وہاں شادی کر لو۔ اب یہ ان کی عزت اور وقار کا مسئلہ بن گیا ہے۔"

سلمان نے بھنویں سکیڑ کر سمیرا کی طرف دیکھا۔ "تم بھی ان لوگوں کے سا
مل گئی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ میرے ماں باپ کا فیصلہ میری زندگی کو تباہ کر دے
مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم سے جدا کر دے گا۔ الٹا تم بھی مجھے نصیحتیں کرنے
ہو۔"

سلمان نے سمیرا کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے کر فیصلہ
انداز میں پوچھا۔ "مجھے بتاؤ کیا تم مجھ سے شادی کرنے پر تیار ہو؟"

سمیرا کچھ جھجکی۔ سلمان نے ایک بار پھر اپنے سوال کو دہرایا تو اس نے کہا
"مگر سلمان میں تمہارے باپ کو تم سے جدا نہیں کرنا چاہتی۔"

سلمان نے سمیرا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "ٹھیک ہے اگر تم بھی میری زندگی
چاہتیں تو کل اخبار میں میری خودکشی کی خبر پڑھ لینا۔" یہ کہہ کر سلمان اٹھ کر
تو سمیرا نے بے اختیار ہو کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"خدا کے لئے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو سلمان! میرا مطلب وہ نہیں ہے
سمجھ رہے ہو۔ تمہیں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔"

سلمان کرسی پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "سمیرا! میرے صرف ایک سوال کا جواب
نہ اس سے پہلے کچھ کہنا نہ اس کے بعد کچھ پوچھنا۔ کیا تم میرے ساتھ شادی
چاہتی ہو؟"

سمیرا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سلمان نے میز پر آہستہ سے ہاتھ مار کر کہا۔
"تو پھر ہم پرسوں شادی کر رہے ہیں۔ میں نے سارا انتظام کر لیا ہے۔
شہر میں ایک دوست کے ہاں چار معزز آدمیوں کی موجودگی میں باہمی رضامندی
نکاح کریں گے اور اپنا الگ گھر بسائیں گے——"

سمیرا کچھ کہنے لگی تو سلمان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ کر
"اب آگے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اسی طرح شادی کر رہے ہیں جس
ہمارے دین اسلام نے ہمیں اجازت دی ہے۔ ہاں اگر تمہیں ایسی شادی
اعتراض ہے تو مجھے ابھی بتا دو میں تمہاری مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا
بولو۔ کیا تم اس طرح شادی کرنے پر راضی نہیں ہو؟ مجھے صرف ہاں یا نہ میں

دو۔"

سلمان انتہائی جذباتی کیفیت میں تھا۔ سمیرا اسے مزید سوچنے سمجھنے کا موقع دینا
چاہتی تھی۔ وہ خود سلمان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور محال سمجھتی تھی لیکن وہ
معاشرے کی طرف سے عائد کردہ بعض اخلاقی ضابطوں کو توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ
چاہتی تھی کہ سلمان کے ساتھ اس کی شادی اس کے ماں باپ کی مرضی سے ہو اور وہ
ٹھنڈے دل سے اپنے والدین کو ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کرے مگر سلمان بے
حد جذباتی ہو رہا تھا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر اس نے سلمان کو ناامید کیا تو وہ
جذبات میں آ کر ضرور کوئی ایسی ویسی حرکت کر بیٹھے گا جس کا پچھتاوا سمیرا کو ساری
زندگی رہے گا۔ اس نے کہا۔ "لیکن سلمان تھوڑا ٹھنڈے دل سے کام لو۔
ہیں——"

"میں کچھ اور نہیں سننا چاہتا۔ مجھے ہاں یا نہ میں جواب دو۔ "کیا تم پرسوں مجھ
سے شادی کرو گی یا نہیں؟ بس!"

سمیرا عجیب آزمائش میں ڈال دی گئی تھی۔ نہ کرتی ہے تو سلمان کی زندگی کو
خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ ہاں کرتی ہے تو اس کے ماں باپ کی خوشیاں' ان کے خواب
چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ سلمان اسے سوچنے' غور و فکر کرنے کا وقت بھی نہیں دے رہا
تھا۔ آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی۔ اس نے کہا۔ "سلمان! پلیز مجھے آج
کے دن کی مہلت دے دو کچھ مسائل ایسے ہیں جن پر مجھے بھی غور و فکر کرنا ہے۔
بس کل تمہیں بتا دوں گی۔"

"یہ بتاؤ گی کہ تم مجھ سے اس طرح شادی نہیں کر سکتیں؟ ایسا ہرگز نہ کہنا ایسا
بس کبھی نہیں سنوں گا۔ یہ میری موت کی خبر ہو گی۔ ٹھیک ہے مجھے تمہارے مسائل کا
بھی احترام ہے وہ تمہارا حق ہے لیکن ایک بار ضرور ذہن میں رکھنا کہ تمہارے فیصلے
پر اب میری زندگی اور میری موت کا دارومدار ہے۔ میں کل اسی وقت تمہیں یہاں
ملوں گا۔"

انتہائی الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ سمیرا گھر واپس آئی۔ نوری نے چائے کا پوچھا
گاڑی بند کر کے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سمیرا نے صرف ہاتھ کا اشارہ کیا

جیسے نوری کچھ نہ سمجھ سکی۔ لیکن وہ اتنا ضرور سمجھ گئی کہ بیگم صاحبہ پریشان ہیں۔ ا پریشانی کی وجہ نوری کے نزدیک یہی تھی کہ وہ خوبصورت نوجوان جو کبھی تقریباً" روز شام کو ملنے آتا تھا اب ایک مدت سے نہیں آیا تھا اور بیگم صاحبہ تنہائی کی زندگی کر رہی تھیں۔ نوری دل میں دعا مانگتے ہوئے کچن کی طرف چل دی کہ اے ہماری بیگم صاحبہ کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے۔ ان کا گھر آباد ہو جائے۔

کمرے میں آکر سمیرا نے غیر حاضر دماغی کے عالم میں کپڑے تبدیل کئے۔ ہاتھ دھو کے بالوں میں بے دلی سے برش کیا اور گرم چادر اوڑھ کر صوفے پر بیٹھ موسم ابر آلود ہونے کی وجہ سے سردی خاصی ہو گئی تھی۔ نوری چائے لے کر آ وہ چائے بنانے لگی تو سمیرا نے کہا۔ "رہنے دو نوری میں خود بنا لوں گی۔"

نوری جانتی تھی کہ بیگم صاحبہ کا جب اس قسم کا موڈ ہوتا ہے تو وہ کمر بالکل تنہا رہنا چاہتی ہیں اور کسی کی اونچی آواز تک برداشت نہیں کرتیں۔ وہ سے کمرے سے نکل گئی۔ کچن میں اس کا باپ مرغی صاف کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹی۔ تمہاری بیگم صاحبہ آج پھر بڑی چپ چپ ہیں۔"

"ابا وہ بڑی اداس ہیں۔"

سلیمان چچا نے آہ بھر کر کہا۔ "اللہ کرے تم دونوں کی شادیاں ہو تمہارے گھر آباد ہو جائیں۔" نوری نے شرم کے مارے منہ دوسری طرف کر لیا

سمیرا کی بھوک ہی غائب ہو گئی تھی۔ اس نے فوراً" نتاشا کو فون کیا۔ ا سمیرا کی یہی ایک سہیلی اسے کوئی مشورہ دے سکتی تھی۔ نتاشا گھر پر ہی تھی لگی۔ "آج کیسے یاد کر لیا اس ناچیز کو؟"

سمیرا نے کہا۔ "نتاشا! ان باتوں کو چھوڑو۔ جو میں تمہیں کہوں اسے سنو اور پھر بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

اور اس سے پہلے کہ نتاشا کوئی مذاق کرتی سمیرا نے شروع سے لے کر ساری بات بیان کر دی۔ نتاشا کے لئے یہ عجیب صورتحال تھی۔ کہنے لگی چاہئے تھا کہ کافی ہاؤس سے گھر جانے کی بجائے سیدھی میرے پاس آ جا جلدی میں تمہیں کیا مشورہ دے سکتی ہوں۔ یہ تو بڑا نازک مسئلہ سامنے آ گیا

"خدا کے لئے مجھے کوئی تو راستہ دکھائے۔ میں سخت پریشان ہوں نتاشا۔ سلمان شادی کرتی ہوں تو ساری زندگی اس ملال سے پیچھا نہ چھڑا سکوں گی کہ میں نے ان کے ماں، باپ، بھائی، بہنوں کے خوابوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ شادی نہیں کرتی صرف سلمان ہی خودکشی نہیں کرے گا بلکہ میری اپنی زندگی میں بھی ایک ایسا خلا ہو جائے گا جسے میں زندگی بھر پورا نہ کر سکوں گی۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں ا۔"

نتاشا نے سمیرا کو تسلی دی۔ اس کی دل جوئی کی اور کہا۔ "تم ایسا کرو صبح گھر نکل کر سیدھی میرے پاس آ جانا۔ میں ماموں کو فون کر دوں گی کہ سمیرا آج دفتر آئے گی۔ پھر ہم دونوں اطمینان سے بیٹھ کر سوچیں گے۔ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور آئے گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو۔ تمہاری نیت نیک ہے یقین ہے تم دونوں کو کچھ نہیں ہو گا۔ ہم کوئی راہ نکال لیں گے۔ بس تم اب رام سے سو جاؤ۔ کل بات کریں گے۔"

نتاشا سے گفتگو کرنے کے بعد سمیرا نے اپنے آپ کو کچھ ہلکا ہلکا سا محسوس کیا۔ کے دل کا بوجھ کافی حد تک دور ہو گیا تھا۔ اسے بھوک بالکل نہیں تھی۔ پھر بھی وڑا سا کھانا کھایا۔ غسل خانے میں جا کر دانتوں کو برش کیا۔ آج چہرے پر کریم کی مالش کرنے کو اس کا بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ شب خوابی کا لباس پہنا اور بستر آکر لیٹ گئی۔ آج سردی بڑھ جانے کی وجہ سے نوری نے سر شام ہی آتش دان آگ جلا دی تھی۔ اس وقت تک ساری لکڑیاں جل چکی تھیں۔ صرف راکھ آلود کارے ہی باقی رہ گئے تھے۔ کمرے کی فضا بڑی پر سکون اور نیم گرم تھی۔ سمیرا نے بل اوپر کھینچ لیا۔ ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ کمرے کی باقی ساری بتیاں اس نے بستر پر نے سے پہلے اپنی عادت کے مطابق بجھا دی تھیں۔

تپائی پر پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی۔ یہ تامس مور انگریزی نظموں کا مجموعہ تھا۔ سمیرا کی نظریں نظم کی سطروں پر چل رہی تھیں اور ن کی اور ہی سوچ میں گم تھا۔ اس نے کتاب بند کر دی۔ بتی بجھا دی اور سونے کی وشش کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر آنکھوں میں نیند غائب تھی۔ اس نے

سلمان کے بارے میں سوچنا بند کر دیا اور ذہن میں خوبصورت باغات وادیوں خوبصورت مناظر کا تصور جمانے کی کوشش شروع کر دی۔ تاکہ کسی طرح اسے جائے۔ نیند کی گولیاں سمیرا نے ایک مدت ہوئی کھانا چھوڑ دی تھیں۔ باہر بادلوں دھیمی دھیمی گرج سنائی دی۔ سمیرا نے اپنے جسم کو کمبل میں سمیٹ لیا۔ اسے کی آواز اچھی لگی تھی۔ پھر اسے بارش کی اکا دکا بوندوں کے خشک پتوں پر گر آواز آئی۔ وہ نیند کی آغوش میں اترتی چلی گئی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کب سوئی رہی۔ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں قریب منہ لا کر اسے پکارا تھا۔ کمرے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ باہر رک رک کر کی بوندوں کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

سمیرا نے آنکھیں جھپکتے ہوئے نیند بھری نظروں سے بند کھڑکی اور دروازے طرف دیکھا۔ پھر تیل لیمپ روشن کر دیا۔ کمرہ خالی تھا۔ اس کا خیال یاقوت کی چلا گیا مگر کمرے میں اس کی خاص خوشبو نہیں تھی۔ نہیں۔ یہ میرا وہم تھا۔ ا تیل لیمپ کو جلتے ہی رہنے دیا اور آنکھیں بند کر کے دوبارہ سونے کی کوشش لگی۔ اس کی آنکھ لگ ہی رہی تھی کہ پھر کسی نے اس کے کان کے قریب آ نام لیا۔ سمیرا نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کمرہ ویسے پڑا تھا۔ وہ پلنگ سے اتر کر کھڑکی کے پاس آئی۔ پردے کو ایک طرف ہٹا کر باہر برآمدے کے کونے میں بتی جل رہی تھی۔ اسے ایک انسانی سایہ تیزی سے کے کونے کی طرف غائب ہوتا نظر آیا۔ سمیرا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگ وہی انسانی سایہ تو نہیں جو اس کی گاڑی سے ٹکرایا تھا اور جس نے اسے رات کو جھاڑیوں کے پیچھے سے آواز دی تھی؟ یہ سوچ کر سمیرا نے جلدی سے پردہ برابر کر دیا اور وقت دیکھا۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے۔ وہ کچھ خوف تھی۔ اس نے اپنا خوف دور کرنے کے لئے نتاشا کو فون کر دیا۔ اسے معلوم رات کو نتاشا ٹیلی فون اپنے کمرے میں لے جاتی ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی رہی نے فون نہ اٹھایا۔ سمیرا نے بار بار نتاشا کا نمبر گھما کر دیکھا۔ دوسری طرف بجتی رہی۔ شاید نتاشا کا فون خراب ہو گیا تھا۔

یاقوت ساتھ ہوتا تھا تو سمیرا کو کسی قسم کے آسیب سے کوئی خطرہ کوئی ڈر نہیں لگتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ ماضی کے ویران قبرستانوں میں بھی جا چکی تھی اور اسے ذرا سی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ مگر اب وہ اکیلی تھی۔ یاقوت اس کی زندگی سے دور ـــــ بہت دور جا چکا تھا۔ اسے اس قسم کی آسیبی باتوں سے ڈر محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ پلنگ پر نیم دراز ہو گئی اور سانس کو تھوڑا روک کر باہر کی آواز سننے لگی۔ باہر بھی بارش کے قطرے گرنے کی اکا دکا آواز آ جاتی تھی۔ یہ آج کس قسم کی بارش ہو رہی تھی۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اچانک سمیرا کو فضا میں ایک انتہائی مانوس خوشبو کا احساس ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اس خوشبو کو نہ پہچانتی تھی۔ یہ یاقوت کی پراسرار خوشبو کی ایک ہلکی سی لہر تھی جو اس کے ہونٹوں کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ دوسرے لمحے خوشبو غائب ہو گئی۔ سمیرا جلدی سے اٹھ کر دروازے کے پاس گئی۔ اس نے پردہ ہٹا کر بند دروازے کے ساتھ لگ کر سانس لی۔ بہت ہی مدھم سی خوشبو باہر سے آ رہی تھی۔

یاقوت کی خوشبو نے سمیرا کے اندر دلیری اور جرات پیدا کر دی تھی۔ اس نے چٹخنی اتار کر بے دھڑک دروازے کا پٹ کھول دیا۔ سرد ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ اس میں یاقوت کی پراسرار خوشبو بھی اندر آئی تھی۔ تو کیا یاقوت باہر کسی جگہ موجود ہے؟ اس نے سوچا جلدی سے گرم شال کندھوں پر ڈالی اور برآمدے میں آ گئی۔ برآمدہ رات کے سناٹے میں خاموش تھا۔ سمیرا نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ یاقوت کی بہت دھیمی دھیمی خوشبو کوٹھی کے عقبی لان والے ویران کاٹیج کی طرف سے آ رہی ہے۔ یہی یاقوت کا مسکن تھا۔ وہ کچھ سوچے سمجھے اور خوف محسوس کئے بغیر برآمدے سے اتر کر بارش کی ٹپاٹپ میں گیلی گھاس پر چلتی ویران کاٹیج کے دروازے پر آ کر رک گئی۔ یہاں یاقوت کی خوشبو بڑی صاف آ رہی تھی۔ اس نے کاٹیج کا پرانا دروازہ کھول دیا۔ اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی گہرے گہرے سانس لے رہا ہو۔ سمیرا نے بے اختیار ہو کر یاقوت کو آواز دی۔ "یاقوت! مجھ سے بات کرو۔ مجھے اس وقت تمہاری راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ پلیز مجھ سے بات کرو۔" اس کی پراسرار خوشبو موجود تھی مگر یاقوت کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آسیبی فضا کے سکوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ دروازہ

آدھا کھلا تھا باہر سے بوندا باندی کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔ سرد ہوا کا جھونکا
کے جسم میں ایک کپکپی سی دوڑا کر گزر گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے اس کے
میں سرگوشی کی۔

"چلی جاؤ۔ یہاں سے چلی جاؤ۔" اور وہی پراسرار انسان سایہ ٹھنڈی ہ
کے جھونکے کے ساتھ سمیرا کے جسم کو چھوتا ہوا سامنے والی دیوار کی طرف گیا ا
کے ساتھ ہی دیوار پر ایک دھندلا منظر ابھر آیا۔ سمیرا نے دیکھا کہ وہی انسا
ایک کفن پوش لاش کو گھسیٹتا قبروں میں لے جا رہا ہے۔ اس منظر سے یاقوت کی
آئی تو سمیرا دیوار کی طرف بڑھی۔ دیوار کے منظر میں سے ایک چھوٹا سا راستہ
کی طرف جا رہا تھا۔ یاقوت کی خوشبو اسی طرف سے آ رہی تھی۔ سمیرا سے ر
وہ منظر میں داخل ہو گئی۔ اس کے داخل ہوتے ہی بجلی سی چمکی بادل گرجے ا
موت کی خاموشی چھا گئی۔ یاقوت کی خوشبو سمیرا کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ وہ خو
تعاقب میں قبروں میں سے گزرتی ایک قبر پر آ کر رک گئی۔ آسمان پر چاندنی
سی اڑ رہی تھی۔ سمیرا نے جھک کر قبر کو دیکھا۔ قبر کے سرہانے کتبہ لگا تھا
یاقوت کا نام کندہ تھا۔ سمیرا کا جسم برف کی مانند سرد ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو
اس کے خشک حلق سے آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ قبر پر بے ہوش ہو کر گر پڑ

سمیرا کو جب ہوش آیا تو وہ اپنے بستر پر پڑی تھی۔

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کیا اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے؟ مگر یہ
کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ وہ خود چل کر ہلکی بارش میں بھیگتی اپنے
کمرے سے ویران کاٹیج میں گئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے یاقوت کی قبر دیکھی
تھی۔ اس پر کتبہ بھی لگا ہوا تھا۔ اس کے کانوں میں پراسرار سائے کی آواز بھی آئی
تھی۔ پھر یہ خواب کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر خیال آیا کہیں وہ نیند میں تو نہیں چل رہی
تھی؟ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے وقت دیکھا۔۔۔۔۔ چار بج رہے تھے۔ صبح
ہونے والی تھی۔ باہر اسی طرح بوندا باندی ہو رہی تھی۔ آتشدان میں آگ سرد پڑ چکی
تھی۔ بستر سے اٹھ کر سمیرا نے گرم شال اوڑھی اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ ہوا
سرد اور نم آلود تھی۔ بارش کی بوندیں ٹپا ٹپ گر رہی تھیں۔ بلکہ سفید دھند نے باغ
کے درختوں کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ سمیرا نے گہرا سانس لیا۔ فضا میں یاقوت
ی خوشبو نہیں تھی۔ وہ باغ میں سے ہوتی ہوئی ویران کاٹیج میں آ گئی۔

کاٹیج کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اندر اندھیرا چھا رہا تھا۔ سمیرا نے اندر داخل ہو کر
ی جلائی۔ روشنی ہوئی تو کمرے کی ویرانی اور نمایاں ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی
وار پر لگی تھیں۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ پراسرار انسانی سایہ اور نہ یاقوت کی قبر
ا کا کوئی نشان تھا۔ یاقوت کی خوشبو بھی نہیں تھی۔ سمیرا گہری سوچ میں ڈوبی واپس
پنے کمرے میں آ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ رات اس نے جو کچھ بھی دیکھا۔۔۔۔۔ جو

کچھ بھی اس کے ساتھ بیتی' وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ گرم بستر میں گھستے ہی اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ سو گئی۔

جب آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا اور نوری میز پر چائے کے برتن رکھ رہی تھی۔

"بیگم جی آج دفتر نہیں جانا؟ آٹھ بج رہے ہیں؟"

سیمرا کو دفتر نہیں جانا تھا بلکہ سیدھا نتاشا کے گھر پہنچنا تھا۔ مگر اس نے نوری سے یہی کہا کہ ابھی دفتر جانے میں ایک گھنٹہ باقی ہے۔ تم جا کر ناشتہ تیار کرو۔

ناشتہ کرنے کے بعد تیار ہو کر جب سیمرا نے اپنی گاڑی پھاٹک سے نکال کر بوندا باندی میں رات بھر کی گیلی سڑک پر ڈالی تو اس کے ذہن میں رات کو دیکھا ڈراؤنا خواب گردش کر رہا تھا۔ کبھی اسے لگتا تھا کہ وہ خواب تھا۔ کبھی لگتا کہ یہ سب کچھ ایک حقیقت تھا۔ اس کا ذہن ایک کشمکش میں مبتلا تھا۔ رات بھر کی بارش کی وجہ سے سردی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی سیمرا نے گاڑی اس سڑک پر ڈال دیا جو نتاشا کے مکان کو جاتی تھی۔

نتاشا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے اسی وقت اپنے ماموں کو ٹیلیفون کیا کہ سیمرا آج دفتر نہیں آئے گی۔ کیونکہ ہم دونوں کا آج شاپنگ کرنے کا پروگرام ہے۔ اس کے بعد وہ چائے کی پیالیاں ہاتھوں میں لے کر نتاشا کے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ گئیں۔ نتاشا نے کہا۔ "سلمان کے ساتھ کل جو تمہاری گفتگو ہوئی وہ مجھے اول سے آخر تک سناؤ۔"

سیمرا نے ایسا ہی کیا۔ ساری روداد سننے کے بعد نتاشا نے سیمرا سے پوچھا۔ "سچے دل سے بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟"

سیمرا نے کہا۔ "میں نے تمہیں کل ٹیلیفون پر بھی بتایا تھا کہ میں سلمان سے محبت کرتی ہوں۔ اس سے شادی کر کے اپنا گھر بسانا چاہتی ہوں۔ لیکن میں اس کے ماں باپ بہن اور اس کی منگیتر کو ساری عمر کا غم بھی نہیں دینا چاہتی۔"

نتاشا نے سیمرا کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایک بات میں یہیں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ اس قسم کے معاملوں میں ساری عمر کوئی غم نہیں کرتا یہ

سلمان کا حق ہے۔ تم دونوں بالغ ہو۔ ہمارا مذہب بھی تم دونوں کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق دیتا ہے۔"

"لیکن نتاشا۔" سیمرا نے کہا۔ "ہمارا دین ہمیں یہ بھی کہتا ہے کہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی مت کرو۔ بس یہی ایک چیز مجھے آگے قدم بڑھانے سے روک رہی ہے۔"

نتاشا کہنے لگی۔ "لیکن تم اس حقیقت کو کیوں فراموش کر رہی ہو کہ سلمان تمہاری محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اگر تم نے اس کے ساتھ شادی سے انکار کیا تو وہ خودکشی کر لے گا۔ اس عمر کے جذبات بڑے منہ زور ہوتے ہیں۔ کیا میں ٹھیک نہیں کہہ رہی؟"

"یہی تو مجھے اس وقت سب سے بڑی پریشانی ہے۔ میں سلمان کے جذبات سے واقف ہوں۔ ناکامی کی صورت میں وہ کچھ بھی کر گزرے گا۔"

سیمرا نے پژمردہ سے لہجے میں کہا۔ نتاشا نے چائے پی کر پیالی تپائی پر رکھ دی۔ سیمرا کہنے لگی۔ "میں تم سے مشورہ لینے آئی ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ تم مجھے کیا مشورہ دیتی ہو۔ مگر جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اور اپنی جو مجبوری بتائی ہے اس کو ذہن میں رکھ کر کوئی مشورہ دینا۔"

نتاشا نے سیدھے اور صاف انداز میں کہا۔ "سیمرا ـــــ اگر تیری جگہ میں ہوتی تو جو کچھ تم سوچتی ہو کبھی نہ سوچتی اور سلمان سے فوراً شادی کر لیتی۔ تمہارے کون سے گھر والے ہیں جنہیں تمہیں راضی کرنا ہو گا؟"

"مگر نتاشا! سلمان کے ساتھ اس کی چچا زاد کی منگنی بچپن ہی سے ہو چکی ہے۔ ذرا سوچو اس لڑکی کو اور اس کے ماں باپ کو کتنا دکھ ہو گا۔"

نتاشا نے ذرا ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تو پھر لوگوں کے دکھ دور کرو اور سلمان کو خودکشی کر لینے دو۔ اس کے بعد تم پر جو گزرے گی وہ بھی میں جانتی ہوں۔ سلمان کے گھر والے لڑکی اور لڑکے کے ماں باپ کچھ عرصے کے بعد سب کچھ بھول جائیں گے مگر تمہاری زندگی میں شاید ہی پھر کبھی بہار آئے۔"

نتاشا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ سیمرا نے سوچا کہ وہ سلمان سے شادی کر رہی ہے۔

اس کے ساتھ گھر سے بھاگ کر نہیں جا رہی۔ سلمان چار معزز آدمیوں کے رو نکاح پڑھوائے گا۔ یہ کوئی ناجائز بات نہیں ہے۔ اس نے نتاشا کی طرف دیکھتے ہ کہا۔ "ٹھیک ہے میں نے سلمان سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

نتاشا نے خوش ہو کر سمیرا کا ہاتھ چوم لیا۔ پلیٹ میں سے برفی کا ٹکڑا اٹھایا اسے سمیرا کے منہ میں ڈالتے ہوئے بولی۔ "مبارک ہو------ شادی مبارک ہو۔

سمیرا کو لگا کہ اس کے سر پر سے ایک بوجھ اتر گیا ہے اور کسی نے دوسرا وہاں رکھ دیا ہے۔

"مگر نتاشا! شادی کے بعد سلمان میرے ہاں کیوں نہیں آ جاتا۔ ہم الگ کرائے پر کیوں لیں؟ آخر میرا اتنا بڑا مکان کس کے لئے ہے؟ وہاں تو میں اکیل ہوں۔"

"بڑی اچھی تجویز ہے۔" نتاشا بولی۔ "تم اس بارے میں سلمان سے با کے دیکھ لو۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے میرا خیال سلمان کچھ جذباتی اور خود دار قسم کا لڑکا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہارے گھر میں ر نہ کرے۔"

"واہ------ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" سمیرا نے چڑ کر کہا۔

نتاشا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "خوامخواہ پریشان ہونے کی کوئی ض نہیں تم سلمان سے بات کر کے تو دیکھو۔ مجھے یقین ہے کہ جب اسے اصل حال کا علم ہوا تو وہ ضرور تمہارے مکان پر اٹھ آئے گا۔ تم آج اسے سار سمجھاؤ۔"

اس دوران سمیرا درمیان میں وقفے وقفے سے سوچتی رہی کہ وہ پراسرار سائے اور رات والے ڈراؤنے خواب یا ڈراؤنی حقیقت کے بارے میں اپنی کچھ بتائے یا نہ بتائے۔ یہ ایسی باتیں تھیں جن کا تعلق سمیرا کی زندگی کے ترین پہلو سے تھا۔ اس میں چونکہ یاقوت کا ذکر بھی آتا تھا اس لئے سمیرا خاموش تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ نتاشا کو یاقوت کا ذکر پسند نہیں ہے۔ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ڈراؤنے خواب اور پراسرار سائے کے بارے میں

بتائے گی۔

سمیرا سارا دن نتاشا کے ساتھ ہی رہی۔ انہوں نے مارکیٹ میں جا کر تھوڑی بہت شاپنگ بھی کی۔ جب سہ پہر کے چار بجے اور سلمان سے ملاقات کا وقت ہوا تو نتاشا نے خود سمیرا کو تھوڑا بہت تیار کیا اور تاکید کی کہ سلمان کو ہاں کہہ کر آنا اور مجھے گھر جاتے ہی فون پر یہ خوشخبری سنانا کہ تم دونوں کی اگلے ہفتے شادی ہو رہی ہے۔ سمیرا نے نتاشا کو ڈانٹ دیا۔ "اب بس بھی کرو۔"

سمیرا گاڑی لے کر کافی ہاؤس کی طرف روانہ ہوئی تو آسمان بدستور ابر آلود تھا۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ مگر بارش رک چکی تھی۔ سمیرا ٹھیک سوا چار بجے کافی ہاؤس پہنچ گئی۔ اسے یقین تھا کہ پارکنگ میں سلمان کی گاڑی موجود ہو گی۔ مگر اس کی گاڑی وہاں نہیں تھی۔ سمیرا کو افسوس ہوا کہ سلمان ابھی تک نہیں آیا۔ وہ کافی ہاؤس کی گیلری میں آ کر بیٹھ گئی اور سلمان کا انتظار کرنے لگا۔ بیرے کو معلوم تھا کہ وہ اپنے دوست کا انتظار کر رہی ہے۔ قریب آ کر بولا۔ "میڈم کافی صاحب کے آنے پر ہی لاؤں؟"

"ہاں ابھی ٹھہر جاؤ۔"

یہ وہ آرام وہ زمانہ تھا جب کوئی کسی کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا' لوگ اپنے معاملات' اپنے کاموں' اپنے مسائل میں مصروف رہتے تھے۔ کافی ہاؤس میں لڑکیاں بھی آ کر بیٹھتی تھیں اور کوئی ان کی طرف دھیان نہیں دیتا تھا۔

وقت گزرتا چلا گیا۔ ساڑھے چار سے پانچ بج گئے اور سلمان نہ آیا۔ اب سمیرا کو تشویش ہوئی کہ خیریت ہو۔ سلمان رکنے والا نہیں ہے۔ گھر میں کوئی لڑائی جھگڑے والی بات نہ ہو گئی ہے۔ سمیرا دل ہی دل میں سلمان کی خیریت کی دعا مانگنے لگی۔ جب سمیرا کو وہاں بیٹھے بیٹھے ایک گھنٹہ گزر گیا تو وہ پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گیلری سے اتر کر نیچے کاؤنٹر پر آئی اور نتاشا کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کیا۔ نتاشا نے مشورہ دیا کہ سلمان کے گھر فون کرو۔ ہو سکتا ہے وہی ریسیور اٹھائے۔ سمیرا نے کہا۔ "کوشش کرتی ہوں۔"

سمیرا کو سلمان کے گھر کا نمبر معلوم تھا مگر اس نے کبھی وہاں فون نہیں کیا تھا۔

کیونکہ اس کے گھر والے نہیں چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا کسی دوسری لڑکی سے فون پر بات کرے۔ ایک بار کسی وجہ سے سمیرا نے فون کیا تھا تو سلمان کی ماں نے اسے جھڑک دیا تھا اور سختی سے کہا تھا کہ آئندہ فون مت کرنا۔ اب معاملہ تشویش کا تھا۔ سمیرا نے نمبر گھمایا اور دھڑکتے دل کے ساتھ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے گھنٹی بج رہی تھی۔ سمیرا دعا مانگنے لگی کہ ریسیور سلمان اٹھائے۔ مگر اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔ دوسری طرف سے اس کی والدہ کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔۔۔ کون صاحب؟"

سمیرا نے آہستہ سے فون بند کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سلمان کہاں چلا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے گھر پر ہی ہو۔ اس نے گھر والوں کے ساتھ سمیرا سے شادی کرنے کی بات کی ہو اور وہاں بحث مباحثہ شروع ہو گیا ہو۔ سمیرا پژمردگی کے ساتھ گیلری میں واپس آ کر بیٹھ گئی۔ اب اس نے کافی منگوائی کہ اسی طرح کچھ وقت گزر جائے گا۔ جب کافی وقت گزر گیا اور دن بھی ڈھل گیا تو سمیرا بل ادا کر کے آ گئی۔ کاؤنٹر کے قریب سے گزری تو سوچا سلمان کے گھر ایک بار پھر فون کر کے دیکھ لے۔ اس نے نمبر گھمایا۔ دوسری طرف سے پھر سلمان کی والدہ کی کرخت آواز سنائی دی۔ سمیرا نے فوراً فون بند کر دیا۔

وہ اس قدر آزردہ ہوئی کہ اس نے نتاشا کو بھی فون نہ کیا پارکنگ میں گاڑی میں بیٹھی اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ گھر آتے ہی اس نے نتاشا کو فون کیا اور اسے بتایا کہ سلمان کافی ہاؤس نہیں آیا۔ نتاشا نے سمیرا کو تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ "تو اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے۔ اسے کوئی ضروری کام پڑ گیا ہو گا"

سمیرا نے کہا۔ "اگر ایسی بات تھی تو وہ کافی ہاؤس مجھے فون کر سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میں کافی ہاؤس میں اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ یہی بات مجھے پریشان کر رہی ہے نتاشا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ کسی مشکل میں نہ پھنس گیا ہو۔"

"تم یوں ہی اندیشے ظاہر کر رہی ہو۔ میں سلمان کے گھر فون کر کے پتا کرتی ہوں۔ تم میرے فون کا انتظار کرو۔"

نتاشا نے ٹیلیفون بند کر دیا۔ سمیرا کا دل نہ جانے کیوں گھبرا رہا تھا۔ جہاں

محبت ہو وہاں بدگمانیاں اور اندیشے بھی ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اکثر ایسے ہوتا ہے کہ دل بہت سے معاملات کی پیشگی اطلاع بھی دے دیتا ہے۔ آگے چل کر یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی کہ سمیرا کے اندیشے غلط نہیں تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھی نتاشا کے فون کا انتظار کرنے لگی۔ کوئی چھ سات منٹ کے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سمیرا کا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا۔ دوسری طرف سے نتاشا بول رہی تھی۔ "میرا خیال ہے سلمان کسی ضروری کام میں پھنس گیا ہے۔ کیونکہ وہ گھر پر بھی نہیں ہے۔"

"تمہاری کس سے بات ہوئی ہے؟" سمیرا نے خشک آواز میں پوچھا۔ نتاشا نے کہا۔ "شاید سلمان کی بہن تھی۔ ماں نہیں تھی۔ میں اس کی آواز پہچانتی ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو کالج کی اسٹوڈنٹ ظاہر کیا تھا۔ اس کی بہن کہنے لگی کہ ہم خود فکرمند ہیں سلمان صبح کا کالج گیا ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

سمیرا کے دل پر بوجھ سا پڑ گیا۔ اس نے روہانسی آواز میں نتاشا سے کہا۔ "نتاشا! میرا دل کہتا ہے خدا نہ کرے ضرور کوئی بات ہو گئی ہے۔"

"کیا بات ہو سکتی ہے؟" نتاشا نے اسے جھڑک دیا۔ "سلمان ایک شریف لڑکا ہے۔ کوئی اسمگلر نہیں ہے کہ اس کی کسی سے دشمنی ہو۔ تم یوں ہی وہم کر رہی ہو۔ کیا اسے اچانک کوئی کام نہیں پڑ سکتا؟ اب تم آرام سے کھانا کھا کر سو جاؤ۔ صبح میں خود سلمان کے کالج میں فون کروں گی بس۔" اور نتاشا کا فون بند ہو گیا۔

سمیرا نے ریسیور رکھا اور صوفے سے ٹیک لگا کر چھت کو تکنے لگی۔ پہلے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے نتاشا کی باتوں کو یاد کر کے اپنے آپ کو حوصلہ دیا کہ ہو سکتا ہے سلمان کو کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ گیا ہو۔ اگر وہ شہر میں ہوتا تو اسے ضرور ٹیلیفون کرتا۔ وہ ضرور کسی دوسرے شہر گیا ہے اور اچانک ہی جانا پڑ گیا ہے۔

ایک ہزار ایک وسوسے اور اندیشے سمیرا کے ذہن کو گھیرے ہوئے تھے۔ کبھی آسمان صاف ہو جاتا۔ کبھی کالے بادل چھا جاتے ایک یہ چیز بھی اسے پریشان کر رہی تھی کہ سلمان کے پاس اس کے پہاڑی مکان کا فون نمبر بھی موجود ہے اگر وہ شہر سے

باہر بھی گیا ہو گا تو اسے چاہئے تھا کہ گھر فون کر دیتا۔ جب رات کے نو بج گئے ا سلمان کا کوئی فون نہ آیا تو سمیرا نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سیدھا سلمان کے گ فون کر دیا۔ دوسری طرف سے کسی نے ریسیور اٹھایا تو اسے ایسی آوازیں سنائی د جیسے گھر میں کچھ پریشانی اور افراتفری کی کیفیت ہو۔ سمیرا نے دھڑکتے ہوئے بے چ دل کو سنبھال کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "جی میں کالج سے بول ر ہوں۔ آج ہمارے ہال میں ایک پروگرام تھا۔ سلمان صاحب کو یہاں ایک پیپر پڑ تھا۔ کیا وہ گھر پر موجود ہیں؟"

دوسری طرف سے کسی عورت نے سخت غصے میں کہا۔ "شٹ اپ۔"

اور ٹیلیفون کا کنکشن ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی سمیرا کا بھی دل ٹوٹ گیا۔ اسے لگا دنیا میں کوئی بھی اس کا اپنا نہیں رہا۔ یاقوت نے ویسے ہی منہ پھیر لیا تھا۔ اب سل بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے اس نے جلدی سے سلمان کے بارے میں آیا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ نہیں نہیں۔ مجھے سلمان کے بارے میں ایسا نہیں چاہے۔ وہ نوجوان ہے۔ اسٹوڈنٹ ہے۔ اس عمر میں لڑکے ایسی ہی غیر ذمہ داریاں جاتے ہیں کہ وقت دیا اور نہ آئے۔ گھر میں اطلاع دیئے بغیر چلے گئے مگر سلمان خود آج سمیرا سے بڑا ضروری ملنا تھا۔ اس نے اپنی آئندہ کی زندگی اپنے مستقبل بارے میں سمیرا کا فیصلہ لینا تھا پھر وہ کہاں چلا گیا۔

رات بھر سمیرا سوتی جاگتی رہی۔ کبھی تھوڑی دیر کو نیند آ جاتی پھر آنکھ کھل اور وہ سلمان کے بارے میں سوچنے لگتی کہ خدا خیر کرے۔ کئی بار آدھی رات بعد اس کا دل چاہا کہ سلمان کے گھر فون کر کے پتہ کرے کہ سلمان آ گیا ہے۔ م بار اس کا حوصلہ جواب دے جاتا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ سمیرا نے جلدی نتاشا کو فون کر کے کہا کہ وہ سلمان کا پتہ کرے۔ نتاشا کی نیند بھری آواز آئی۔ " آرام کرو گی نہ مجھے آرام کرنے دو گی پاگل لڑکی صبح صبح سلمان کے گھر فون کرو وہ کیا سوچیں گے۔"

سمیرا نے عاجزی سے کہا۔ "نہیں نہیں نتاشا۔ وہ جو سوچتے ہیں سوچا کریں مجھے صرف یہ پتہ کر دو کہ سلمان گھر پہنچ گیا یا نہیں۔"

"تم باز نہیں آؤ گی۔"

نتاشا نے فون بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد نتاشا کا فون آیا۔ وہ کہنے لگی۔ "سلمان رات کو بھی گھر نہیں پہنچا۔ انتہائی غیر ذمے دار لڑکا ہے۔ دوستوں ساتھ کسی دوسرے شہر چلا گیا ہے اپنے گھر والوں کے ساتھ ہمیں بھی پریشان کیا ہے؟"

سمیرا کا دل بیٹھ سا گیا۔ "تمہیں کس نے بتایا؟"

نتاشا نے کہا۔ "میرا خیال ہے کوئی نوکر تھا ان کا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو فوراً" فون ہو جاتا۔"

سمیرا خاموش ہو گئی۔ نتاشا کی آواز آئی۔ "اب اگر تمہارا خودکشی کرنے کا ادہ ہے تو ایسا کرنا کہ خودکشی کرنے سے پہلے مجھے آخری بار ضرور مل جانا۔ آخر میں ماری ایک ہی سہیلی ہوں میرا بھی تم پر کچھ حق ہے۔"

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میری جان پر بنی ہوئی ہے۔" نتاشا کو محسوس اکہ سمیرا ابھی رو دے گی۔ اس نے جلدی سے اسے حوصلہ دیا۔ "کیا کر رہی ہو یرا؟ تم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو آرٹسٹ ہو۔ حالات کو جانے بغیر اتنی جذباتی ہو رہی ۔ سلمان جہاں کہیں بھی گیا ہے واپس آ جائے گا۔ خدا معلوم اسے اچانک کیا کام پڑ گیا ہو گا۔ میں آج تمہارے دفتر آؤں گی۔ ہم اکٹھے سلمان کے کالج جا کر اس کے کی دوست سے پوچھیں گے۔ ہاں یاد آیا۔ اس کی ایک کلاس فیلو سائرہ بھی تو ہے۔ س سے مل کر پتہ کریں گے۔"

"اچھا میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

اسی روز لنچ سے ذرا پہلے نتاشا سمیرا کے دفتر اس کے پاس آ گئی۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر سلمان کے کالج گئیں۔ وہاں بڑی مشکل سے سائرہ کو تلاش کیا۔ وہ خود سمیرا سے پوچھنے لگی کہ سلمان کالج کیوں نہیں آتا۔ نتاشا نے کہا۔ ہم خود تم سے یہی پوچھنے آئی ہیں۔ سائرہ نے بتایا کہ سلمان ایک روز پہلے تھوڑی دیر کے لئے کالج آیا تھا۔ وہ چپ چپ سا تھا۔ میں نے پوچھا تو اس نے کوئی خاص بات نہیں کہہ کر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ کالج نہیں آیا۔ آج میں اسی کے گھر فون کرنے والی تھی۔

سمیرا نے کہا۔ "اس کے گھر والے بھی پریشان ہیں سلمان گھر پر واپس
گیا۔"

سائرہ بڑی حیران ہوئی۔ "تو پھر وہ کہاں چلا گیا؟ میرا خیال ہے ضرور ایبٹ
اپنے ماموں کے پاس چلا گیا ہو گا۔ وہ ان کا ذکر کیا کرتا تھا کہ ان کا مکان
خوبصورت جگہ پر ہے جی چاہتا ہے کہ چپکے سے وہاں جا کر ایک مہینہ گزر آؤں۔"
نتاشا نے سمیرا کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہاں سمیرا! سلمان ضرور اپنے ما
کے پاس گیا ہے۔ میرا خیال ہے آج شام نہیں تو کل ضرور واپس آ جائے گا۔"
سمیرا کیسے مان لیتی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ سلمان کو اتنی اہم بات کا فیصلہ جاننے کے
سمیرا کے پاس ساڑھے چار بجے کافی ہاؤس آنا ہو اور وہ ایبٹ آباد چلا جائے۔ وہ ا
آپ کو یہ جھوٹی تسلی نہ دے سکی اور مزید اداس ہو گئی۔ نتاشا نے سائرہ سے کہا
سائرہ! تم سلمان کے گھر فون کر کے پتہ کرو کہ سلمان گھر واپس آیا ہے کہ نہیں۔"
"ابھی معلوم کرتی ہوں۔"

اسی وقت وہ ہیڈ کلرک کے دفتر میں آ گئی۔ یہاں سائرہ نے سلمان کے گھر
کیا اور بولی۔ "میں سلمان کے کالج سے بول رہی ہوں۔ یہاں سبھی پریشان ہیں
سلمان کالج کیوں نہیں آ رہا۔"

دوسری طرف سے کوئی بول رہا تھا۔ سائرہ "جی جی" کہتی رہی۔ مگر اس
صورت بتا رہی تھی کہ اسے کوئی خیریت کی خبر نہیں سنائی جا رہی۔
"جی میں اس کی منہ بولی بہن سائرہ ہوں۔ خدا حافظ۔"
سائرہ نے فون بند کر کے نتاشا اور سمیرا کی طرف دیکھا اور بولی۔ "اس کے
والے تو سخت پریشان ہیں۔ والدہ بستر پر پڑ گئی ہیں۔ والد نے پولیس میں رپورٹ کر
ہے کہ اس کا بیٹا کہیں گم ہو گیا ہے۔ وہ تو کل اخبار میں سلمان کی گمشدگی کا اش
بھی دے رہے ہیں۔"

سمیرا بڑی مشکل سے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو چھپا سکی۔
نے سائرہ کا شکریہ ادا کیا اور نتاشا کے ساتھ کالج کے گیٹ کی طرف چلنے لگی۔
کے پاس اب ایسے کوئی الفاظ نہیں تھے جن سے وہ اسے تسلی دیتی اسے حوصلہ د

لئے کہتی۔ اب تو وہ خود بھی پریشان سی ہو گئی تھی۔ "وہ کہاں جا سکتا ہے؟" اس
نہ سے بے اختیار نکل گیا۔ سمیرا نے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "
یقین ہے اسے اس کے چچا نے اغوا کیا ہے وہ نہیں چاہتا تھا کہ سلمان کی شادی
ا بیٹی کی بجائے کسی دوسری جگہ پر ہو۔"
"ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" نتاشا نے کہا۔ "مگر میرا خیال ہے اس کے چچا اتنی
ا اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے۔"
"تمہیں شاید معلوم نہیں نتاشا۔ سلمان نے گھر والوں کو کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی
اد لڑکی سے شادی نہیں کرے گا اور یہ خبر لڑکی والوں تک بھی پہنچ گئی ہو گی۔
نا بھی کبھی مجھے کہا کرتا تھا کہ اس کا چچا بڑا ضدی اور اکھڑ شخص ہے۔ میرے
پر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"
نتاشا سمیرا کو بس جھوٹی سچی تسلیاں ہی دے سکتی تھی۔ وہ اسے دفتر چھوڑ کر
کو فون کرنے کا وعدہ لے کر اپنے گھر چلی گئی۔ سمیرا بوجھل دل کے ساتھ باقی کا
دفتر میں کام کرتی رہی۔ دفتر کا ٹائم ختم ہوا تو واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو
۔اسے محسوس ہوتا جیسے وہ اداسیوں اور تنہائیوں کے ایک گہرے بادلوں کے جنگل
ے گزر رہی تھی۔ بادل گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ان سے باہر نکلنے کا کوئی
نہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے کمرے میں خود کو بند کر لیا۔ رات آٹھ بجے
قریب نتاشا کا فون آ گیا۔ وہ اسے اپنے آپ کو سنبھالے رکھنے کی تلقین کر رہی
۔ سلمان کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ بستر پر جانے سے پہلے سمیرا ایک بار پھر
کاٹیج میں آ گئی۔ اس نے یاقوت کو آوازیں دیں۔ وہ رو رہی تھی۔ یاقوت بھی
اس کی زندگی سے غائب ہو گیا تھا۔ گم ہو گیا تھا۔ مصیبت کی اس گھڑی میں رف
اس کی مدد کر سکتا تھا۔ اس کو اصل حقائق سے آگاہ کر سکتا تھا۔ اس نے ہمیشہ
بت میں اس کی مدد کی تھی۔ مگر اب وہ بھی اسے چھوڑ کر نہ جانے ماضی کے کن
یروں میں اتر چکا تھا۔ نہ اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ نہ اس کی شکل دکھائی دیتی

سمیرا دیر تک ویران کاٹیج کے تنہا آسیبی کمرے میں لکڑی کی ٹوٹی ہوئی کرسی پر

غمگین ہو کر بیٹھی رہی۔ جب دل کا بوجھ رونے اور یاقوت کو بے فائدہ پکارنے ہلکا ہوا تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دو جن محبت کرنے والوں کو عہد شباب کی محبت میں اپنے محبوب سے اس اندوہناک جدائی کا تجربہ ہے وہی سمیرا کے دل کے درد کو سمجھ سکتے ہیں۔ مگر سکتے ہیں۔ عہد شباب کی محبتوں کے یہ جذبے طفلانہ نہیں ہوتے۔ اگر ایسی بات عمر کے آخری دنوں میں انسان انہیں یاد کر کے آنسو نہ بہاتا۔ ان درد بھرے جذبوں، ناکام محبتوں کی اداس یادیں ہماری پوری زندگی کے شعور کا بہت بڑا حصہ موت کے بعد بھی ہماری روح کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ کے بعد ہمارے شعور کی یہی توانائی باقی رہ جاتی ہو۔

اس رات سمیرا کو نیند کی گولی کھانی پڑی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اسے نہیں آ سکتی تھی۔ پھر بھی سورج نکلنے کے ذرا دیر بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ آنکھیں کھولے بستر میں لیٹی سلمان کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ کیوں چلا گیا ہو گا؟ کیا کسی نے اسے اغوا کر لیا ہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اخبار والے کی دور سے آتی آواز سنائی دی۔ وہ کوٹھی کے اندر اخبار پھینک اسے یاد آ گیا سائرہ نے کہا تھا سلمان کے ڈیڈی اخبار میں اشتہار بھی دے ر سمیرا جلدی سے بستر چھوڑ کر اٹھی۔ گرم شال لپیٹی اور دروازہ کھول کر تیز تیز سے گیٹ کی طرف گئی۔ اخبار اٹھا کر جلدی جلدی اس کے صفحے دیکھنے لگی۔ ا اس کی آنکھیں رک گئیں۔ صفحے کے نیچے بائیں جانب تلاش گمشدہ کے عنوا تحت سلمان کی گمشدگی کا اشتہار چھپا ہوا تھا۔ ساتھ اس کی تصویر بھی تھی۔ و میں کونے کی جانب کسی کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ سمیرا کے آنسو نکل پڑے۔ ا آنسو پونچھتی اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر پڑی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کی طرح رونے لگی۔ اسے کچن کی طرف سے نوری کی آواز سنائی دی۔ وہ چا کر آ رہی تھی۔

سمیرا نے غسل خانے میں جا کر آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے۔ دانت کئے اور جب باہر آئی تو نوری چائے بنا رہی تھی۔ نوری اپنی مالکہ کی جذباتی سے پوری طرح باخبر تھی۔ مگر وہ سمیرا کی طبیعت سے واقف تھی۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں پوچھ سکتی تھی۔ لیکن جب اس نے مالکہ کی سوجی ہوئی سرخ آنکھیں دیکھیں تو اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے کچھ تشویش کا اظہار کیا تو سمیرا نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے کر وقت دیکھا اور کہا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے نوری۔ چچا سے کہو گاڑی پر کپڑا مار دے مجھے دفتر سے دیر ہو رہی ہے۔"

"ناشتہ نہیں کریں گی بیگم صاحبہ؟ ابھی تو دفتر میں بڑا ٹائم پڑا ہے۔"

"تمہیں جو کہا ہے وہ کرو بس۔"

نوری خاموشی سر کو جھکائے کمرے سے نکل گئی۔ عین اسی وقت نتاشا کا فون آ گیا۔ "سائرہ نے ٹھیک کہا تھا۔ سلمان کے ڈیڈی نے سلمان کی گمشدگی کا اشتہار چھپوا دیا ہے۔ تم نے اخبار دیکھا آج کا۔"

سمیرا نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں------ میں نے اشتہار پڑھ لیا ہے۔ نتاشا! یہ سب ایک دم کیسے ہو گیا؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

نتاشا نے فوراً جواب دیا۔ "یہ رشتے داریوں کا جھگڑا ہے۔ سلمان درمیان میں پھنس گیا ہے بے چارہ۔ اس کے چچا نے ہی اسے اغوا کروایا ہو گا۔ تم فکر نہ کرو۔ سلمان کو کچھ بھی نہیں ہوتا ایسا کرو دفتر جانے کی بجائے میرے پاس آ جاؤ یا پھر میں دس گیارہ بجے تمہارے دفتر آ جاؤں گی۔ کینٹین میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک۔" سمیرا نے بے دلی سے کہا۔

"اب اس طرح کی حالت مت بناؤ۔ مصیبت آن پڑی ہے تو اس کا بہادری سے مقابلہ کریں گے۔ چلو اب دفتر آنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں ساڑھے دس بجے تمہارے دفتر آ جاؤں گی۔"

نتاشا نے فون بند کر دیا۔ ناشتہ کرنے کو سمیرا کا بالکل جی نہ چاہتا تھا۔ جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ اب اس مکان کی تنہائی اسے کاٹنے کو دوڑنے لگی تھی۔ وہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے دفتر پہنچ گئی۔ ابھی باقی اسٹاف نہیں آیا ہوا تھا۔ سمیرا اپنی کرسی پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگی۔ اس کے بعد سمیرا نے اپنے آپ کو دفتری کاموں میں

مصروف کر لیا۔ پونے گیارہ بجے نتاشا کا فون آیا کہ میں بارہ بجے لنچ کے وقت
گی۔ گھر میں کچھ مہمان آ گئے ہیں۔ سمیرا نے ریسیور رکھ دیا اور دوبارہ کا
مصروف ہو گئی۔ نتاشا آئی تو وہ کینٹین کے کونے میں جا کر بیٹھ گئیں۔

"میں ابھی سائرہ سے مل کر آ رہی ہوں۔" نتاشا نے اپنا پرس میز پر
ہوئے کہا۔ سمیرا نے پوچھا۔ "وہ کیا کہہ رہی تھی۔"

نتاشا بولی۔ "وہ سلمان کے گھر گئی تھی۔ وہ لوگ بڑے پریشان ہیں۔ سا
چچا اور چچی بھی آئے ہوئے تھے سائرہ کہہ رہی تھی کہ سلمان کو اس کے چچا نے
نہیں کروایا یہ کوئی دوسرا چکر لگتا ہے؟"

"دوسرا چکر کون سا ہو سکتا ہے؟" سمیرا نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" نتاشا نے کہا۔ "تمہیں اور مجھے ہم دونوں کو سل
ذاتی زندگی' اس کے معاشرے میں دوسرے لوگوں سے تعلقات کے بارے میں
بھی علم نہیں۔ ہو سکتا ہے اس کی کسی سے دشمنی ہو۔"

"سلمان ایسا لڑکا نہیں ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس کی کر
دشمنی نہیں تھی۔" سمیرا نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔ نتاشا کہنے لگی۔ "سائرہ
ہے کہ صبح پولیس ان کے کالج بھی آئی تھی۔ ایک انسپکٹر بھی ساتھ تھا۔ اس۔
کے پرنسپل اور سلمان کے دوستوں سے بات چیت کی تھی۔"

نہ جانے نتاشا کو خیال آیا۔ اس نے سمیرا سے پوچھا۔ "یاقوت پھر نہیں آ
سمیرا نے چونک کر نتاشا کو دیکھا۔ نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "نہیں۔"

نتاشا بولی۔ "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یاقوت نے رقابت میں آ کر سل
اغواء کر لیا ہو؟" سمیرا نے ذرا سختی سے جواب دیا۔ "یاقوت ایسا کبھی نہیں کر سک

"کیوں نہیں کر سکتا۔" نتاشا نے کہا۔ "وہ مرد ہے اور رقابت میں آ کر
ایک دوسرے کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔"

سمیرا نے نتاشا کو خاموش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ موضوع مت چھیڑو۔ تم
کو نہیں جانتی ہو۔ وہ میری اور سلمان کی دوستی سے خوش تھا۔ اس نے ہماری د
آگے بڑھانے میں ہماری مدد بھی کی تھی جس پر مجھے افسوس بھی ہوا تھا کہ

ابت کا اظہار کیوں نہیں کر رہا؟"

نتاشا چائے بنا رہی تھی۔ سر کو ایک طرف جھکا کر بولی۔ "یقین نہیں آتا۔"

"مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا مگر یقین کرو یاقوت کی محبت کو نہ تم سمجھ سکتی ہو نہ
سمجھ سکی تھی اس کی محبت اس دنیاوی زندگی کے ساٹھ ستر برسوں سے بلند ہے۔
ت کے بارے میں یہ نظریہ دل میں قائم نہ کرنا۔ کیونکہ تم اسے بالکل نہیں
تیں۔"

"اس کا سلمان کے بارے میں کیا خیال تھا؟" نتاشا نے سوال کیا۔

سمیرا نے کہا۔ "وہ مجھے مل رہا ہوتا تو سلمان کبھی اغواء نہ کیا جاتا۔ یاقوت تو کئی
نوں سے مجھے نہیں ملا۔ خدا جانے کس دنیا میں کھو گیا ہے۔"

سمیرا نے اس لمحے بھی نتاشا سے اپنے ڈراؤنے خواب' پراسرار انسانی سائے
یاقوت کی قبر کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ نتاشا ایک
نت پسند لڑکی ہے اور سوائے اس کے کہ وہ اس کا مذاق اڑائے اور کچھ نہیں
ے گی۔ لیکن وہ سمیرا کی بڑی پیاری سہیلی تھی۔ اس کا بڑا درد کرنے والی تھی۔
ی کی ایک ہی تو سہیلی' ایک ہی دوست تھی۔ یاقوت اور سلمان کے گم ہو جانے کے
تو اب نتاشا ہی سمیرا کو ہمدردی کے دو بول کہنے والی رہ گئی تھی۔ نتاشا نے جب
یار کہا۔ "وہ تمہیں نہ ہی ملے تو اچھا ہے۔ جو مرد تمہاری دنیاوی زندگی کا ساتھی
ن بن سکا اس سے محبت بڑھانے کا کیا فائدہ بھلا!"

سمیرا کو نتاشا کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔ مگر وہ جانتی تھی کہ نتاشا یاقوت کی
ت کی گہرائی اور وسعت کو نہیں جانتی اس لئے خاموش رہی۔ دونوں نے کینٹین میں
کر کی تھوڑا بہت کھایا۔ سمیرا کا کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر نتاشا نے
ے زبردستی کھلایا۔ سمیرا کو نتاشا کی یہ زبردستی بڑی اچھی لگی تھی۔ نتاشا زندگی کی
ف لے جانے والی حقیقت پسند لڑکی تھی اور اس کے وجود سے سمیرا کو بھی زندگی کی
ئی توانائی مل رہی تھی۔ جب نتاشا جانے لگی تو وہ سمیرا کو برآمدے میں ایک طرف
ے گئی۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "سلمان کے بارے میں غم کھانے کی
ورت نہیں ہے۔ وہ زندہ سلامت ہے۔ بڑی جلدی واپس آ جائے گا پھر تم دونوں

شادی کے بعد اپنا گھر بساؤ گے۔ نئی زندگی شروع کرو گے۔ یہ کٹھن وقت جو آن پڑا ہے یہ ایک طرح سے آزمائش بھی ہے اور قربانی بھی ہے جو تم آئندہ خوشیوں بھری زندگی کے واسطے دے رہے ہو۔ خاموشی سے اپنا کام خوش نہیں رہ سکتیں تو غم بھی نہ کھایا کرو۔ اللہ میاں حالات کو بہت جلد حق میں کر دے گا۔ میں تمہیں فون کرتی رہوں گی۔ ملتی بھی رہوں گی۔ تم ہوں۔ اب جاؤ۔ دفتر میں جی لگا کر کام کرو۔ میں شام کو فون کروں گی۔ ہا حالات ہوں گے۔ سلمان کی تلاش کے سلسلے میں جو بھی پیشرفت ہوئی میں تم خبر دوں گی۔ خدا حافظ۔"

نتاشا چلی گئی۔ سمیرا کو اپنے دل میں ایک نئی طاقت نئی توانائی محسو تھی۔ وہ اپنی میز پر آ کر بیٹھ گئی اور پوری محبت اور توجہ سے دفتر کے کام ہو گئی۔

دن گزرتے چلے گئے۔ سلمان کو گم ہوئے دو ہفتے گزر گئے اس دورا پوری سرگرمی سے مصروف تفتیش رہی مگر سلمان کا کہیں کوئی سراغ نہ ملا۔ دن کی رپورٹ سمیرا کو دے رہی تھی۔ اس کا سلمان کے کالج اور اس سائرہ کے ذریعے برابر رابطہ قائم تھا۔ سائرہ نے نتاشا کو بتایا کہ پولیس نے چچا سے جو پوچھ گچھ کی ہے اس کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس اغو دوسری پارٹی کا ہاتھ ہے۔ اب پولیس نے تفتیش کا رخ اس دوسری گمنا طرف پھیر دیا ہے۔ یہ سائرہ کی احتیاط اور سمیرا کی خوش نصیبی تھی کہ ا تفتیش میں سمیرا کا نام کہیں نہیں آیا تھا۔ پولیس کی ایک پارٹی ایبٹ آباد ماموں کے ہاں بھی جا کر پتہ کر آئی تھی۔ سلمان وہاں بھی نہیں تھا۔ اب پو کے والدین کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سلمان کو کسی نے اغو بلکہ وہ ماں باپ کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر اپنے آپ ہی کسی طرف اور جب ماں باپ بہن بھائیوں کی یاد ستائے گی تو اپنے آپ ہی واپس آ جا

مزید ایک ہفتہ گزر گیا۔ سمیرا کو ہر گھڑی سلمان کے کسی خط کسی ٹیلی انتظار رہتا۔ شاید کسی وقت سلمان کے دل میں سمیرا کا خیال آ جائے اور

دے یا کسی شہر سے فون کر دے۔ سمیرا اسی ایک امید پر وقت کاٹ رہی تھی ذرا ی گھنٹی بجتی تو اس کا دل دھڑک اٹھتا کہ کہیں سلمان کا فون نہ ہو۔ دفتر سے ں آ کر وہ نوری سے سب سے پہلے ڈاک کا پوچھتی۔ جو ڈاک آئی ہوئی ہوتی اسے ڑکتے دل کے ساتھ کھولتی۔ مگر نہ تو سلمان کا فون آتا نہ اس کا کوئی خط ہی آتا۔ مگر رانے امید کا دامن نہیں چھوڑا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جس طرح وہ سلمان سے ت کرتی ہے اسی طرح سلمان بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ اسے ایک نہ ایک دن را کا خیال ضرور آئے گا۔ وہ اسے ضرور فون کرے گا۔ خط لکھے گا۔ لیکن جب کبھی حقیقت پسندی کی روشنی میں حالات کا جائزہ لیتی تو اسے یقین ہو جاتا کہ سلمان جہاں ں بھی ہے مجبوری کی حالت میں ہے۔ اس کے پاس نہ کوئی ٹیلی فون ہے اور نہ خط نے کی سہولت اسے میسر ہے ہو سکتا ہے کسی نے اسے قید میں ڈال رکھا ہو۔ لیکن ب کسی نے سلمان کے ماں باپ سے ابھی تک تاوان کا طلب نہیں کیا تو پھر سلمان کو داء کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ صرف ایک خیال' ایک اندیشہ تھا جس کو اپنے ذہن لاتے ہوئے سمیرا کانپ جاتی تھی اور وہ یہ تھا کہ کہیں سلمان کو قتل نہ کر دیا گیا ۔ سمیرا اس بھیانک وسوسے سے دور رہنے کی کوشش کرتی تھی لیکن یہ خیال یہ سہ کسی نہ کسی طرح اس کے ذہن میں چاہے تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی آ کر گزر ا تھا۔ پھر سمیرا کا دل بیٹھنے لگتا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے اور جلدی سے نتاشا کو ن کر کے اس کی تسلی آمیز طاقتور باتیں سننے لگتی اور اس قابل ہو جاتی کہ زندگی کے ائب کا سامنا کر سکے۔

دوسرا مہینہ شروع ہو گیا تھا کہ سمیرا کی زندگی میں ایک اور خلاء پیدا ہو گیا۔ ا جانے کس قسم کے حالات پیدا ہو گئے کہ سمیرا کی سب سے پیاری اور ہمدرد سہیلی تاشا کے ماں باپ کو پاکستان سے نقل وطن کر کے کینیڈا جانا پڑ گیا۔ نتاشا پیچھے کیسے رہ تی تھی وہ بھی ان کے ساتھ ہی کینیڈا چلی گئی۔ ایئرپورٹ پر وہ سمیرا کے گلے مل کر پڑی سمیرا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میں مجبور ہوں سمیرا۔ تمہیں اس پوزیشن میں چھوڑ کر میں نہیں جانا چاہتی ا مگر کیا کروں مجبوری ہے ماں باپ اور بھائی کے ساتھ جانا پڑ رہا ہے۔ تم حوصلہ

مت ہارنا میں تمہیں ہر ہفتے خط لکھتی رہوں گی۔ ٹیلی فون بھی کرتی رہوں گی

نتاشا چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد سمیرا کو محسوس ہوا کہ وہ ایک چھوڑ دی گئی ہے۔ اکیلی' تنہاء' بے یار و مددگار۔ صرف خدا کی ذات اس تھی۔ اس رات سمیرا نے نماز پڑھی اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر سلما کی دعا مانگی۔ اس کے دل کا بوجھ خدا کو یاد کرنے سے ہلکا ہو گیا۔ اس نے ا سنبھالا۔ ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو اکٹھا کیا۔ ساری بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹا او کر ایک خاص ٹائم ٹیبل کے تحت اپنے معمولات کو ڈھالنے کی کوشش شرو وہ نوری اور سلیمان چچا سے بھی پہلے کی طرح خندہ پیشانی سے بات کرتی تھوڑی دیر مطالعہ کرتی اور پھر نیند کی گولی کھا کر سو جاتی۔ نیند کی گولی کے سو نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ بستر پر لیٹ کر جب وہ آنکھیں بند کرتی تو نیند سلمان کی شکل آنکھوں کے سامنے آ جاتی۔ سلمان کی شکل نظروں سے پ یاقوت کا مسکراتا ہوا پراسرار چہرہ سامنے آ جاتا۔ خواب، آور گولی کھانے سے یادوں کے اس عذاب سے بڑی جلدی نجات مل جاتی اور وہ سو جاتی۔ دن میں اپنے آپ کو مصروف رکھتی۔ پوری توجہ سے کام کرتی۔ شام کو گھر آ پاس بٹھا کر چائے پیتی۔ اس سے باتیں کرتی۔ نوری اور سلیمان چچا بھی خو سمیرا بی بی اب خوش رہنے لگی ہے۔ کینیڈا پہنچتے ہی نتاشا نے فون بھی کیا خط بھی لکھا جس میں اسے زندگی کو خوبصورت طریقے سے بسر کرنے اور خو تلقین کی تھی۔

پھر اچانک ایک روز انہونی بات ہو گئی۔

اس روز سمیرا دفتر سے ابھی واپس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ ٹیلی فون سمیرا کو اب کبھی کبھی ہی کوئی فون آتا تھا۔ اسے فون کرنے والی نتاشا ہی ت تھی۔ کبھی شام کو اس کے دفتر کی کسی لڑکی کا فون آ جاتا۔ دو چار باتیں ک بند ہو جاتا۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ سمیرا کو خیال آیا کہ یہ ضرور نتاش سے فون کیا ہے۔ اس نے میز کے قریب آ کر ریسور اٹھایا اور آہستہ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں سلمان بول رہا ہوں۔"

سمیرا کا حلق ایک دم خشک ہو گیا۔ وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ دوسری طرف سے سلمان بار بار کہہ رہا تھا۔ "ہیلو! ہیلو! میں سلمان بول رہا ہوں۔" سمیرا نے اپنی سانس پر قابو پایا۔ بڑی مشکل سے خوشی اور ہیجان کے طوفان میں کہا۔

"سلمان! میں ----- میں سمیرا ----- تم کہاں۔" اس سے آگے سمیرا سے بات نہ ہو سکی۔

سلمان کی آواز آئی۔ "فون پر میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں بڑی سخت مصیبت میں ہوں۔ ملنے پر سب کچھ بتاؤں گا۔ میں تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ تم تیار رہنا میں تمہارے پاس رکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ بس تم تیار رہو۔ میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ گیٹ پر رہنا-----"

سمیرا نے کوئی بات نہ کی اور سلمان نے ٹیلی فون بند کر دیا اس نے ابھی کپڑے نہیں بدلے تھے وہ دفتر کے کپڑوں ہی میں تھی۔

اس پر جذباتی ہیجان سا طاری تھا۔ سلمان کی آواز نے اس کے جسم میں ایک بجلی سی بھر دی تھی۔ سلمان زندہ ہے۔ وہ آ رہا ہے۔ وہ بھاری مصیبت میں ہے پھر کیا ہوا۔ وہ سلامت تو ہے مصیبت کٹ جائے گی۔ وہ بھاگ کر غسل خانے میں گئی۔ بالوں میں برش پھیرا۔ باہر آ کر پلنگ پر پڑی جیکٹ پہنی پرس اٹھایا۔ تیز تیز قدموں سے چلتی کچن کی طرف گئی نوری اور سلیمان چچا سے کہا کہ وہ ایک ضروری کام سے باہر جا رہی ہے اگر اسے کچھ دیر ہو گئی تو فکر نہ کریں۔ نوری نے پوچھا۔

"بیگم جی! کھانا گھر پر ہی کھائیں گی نا؟ میں نے بڑے مزیدار آلو مٹر پکائے ہیں۔"

سمیرا نے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "کوئی پتہ نہیں تم کھا لینا۔"

سلمان نے اسے دس منٹ کے بعد آنے کو کہا تھا سمیرا پانچ منٹ پہلے گیٹ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ شام کی سرد ہوا درختوں کی شاخوں میں سرسراہٹ کی آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔ سردی بڑھ رہی تھی۔ سمیرا نے جیکٹ کا کالر اٹھا لیا سات آٹھ قدموں کے فاصلے پر اوپر پہاڑی صحت افزاء مقام کو سڑک جاتی تھی۔ اس سڑک کی

دونوں جانب چیڑ کے درخت کھڑے تھے۔ ان درختوں میں شام کا ہلکا ہلکا سرمئی اند چھانے لگا تھا۔ سمیرا کی نظریں سڑک پر لگی تھیں۔ یہ چھوٹی سی پہاڑی سڑک تم ابھی اوپر آبادی کا ہجوم نہیں ہوا تھا۔ دن کے وقت یہاں سے تھوڑی تھوڑی دیر ب گاڑیاں گزرتی رہتی تھیں لیکن شام کے بعد ویرانی چھا جاتی تھی۔ کبھی کبھار ہی ک گاڑی گزرتی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا سمیرا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھ گیٹ کو چھوڑ کر سڑک کے کنارے درختوں کے نیچے آ کھڑی ہوئی تھی۔

شہر کی طرف سے اسے ایک گاڑی آتی نظر آئی۔ ابھی دن کی روشنی باقی تھ سمیرا مایوس ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اتنے میں گاڑی جو بند تھی اس کے قریب کر کھڑی ہو گئی۔ سمیرا کی نگاہ سلمان پر پڑی تو وہ بے اختیار ہو کر گاڑی کی طر بڑھی۔ سلمان نے دروازہ کھول دیا۔

"جلدی سے بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ گاڑی میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کا سانس ہیجانی کیفیت کی وجہ پھول رہا تھا۔ سلمان نے تیزی سے گاڑی اوپر پہاڑی مقام کی طرف ڈال دی۔ س نے سلمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "خدا کے لئے بتاؤ تم کہاں چلے گئے تھے؟"

سلمان نے کہا۔ "سمیرا ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میری کہانی اتنی لمبی ا اذیت ناک ہے کہ ابھی تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

سمیرا نے محسوس کیا کہ سلمان اس کی طرف گردن نہیں موڑ رہا بلکہ سا دیکھتے ہوئے بات کر رہا ہے۔ اس نے گاڑی کا دروازہ بھی سامنے دیکھتے ہوئے ک تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ ضرور اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہو گا۔

"سلمان! تم ٹھیک ہو ناں؟"

"ہوں۔ بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تم کہاں تھے یہ سب کچھ کیا ہے؟ میں تو کافی ہاؤس میں تمہارا انتظار کر ر تھی میں تو تمہیں یہ کہنے آئی تھی کہ تم جس طرح چاہو گے ویسے ہی کروں گی۔ میں طرح سے تمہارے ساتھ ہوں۔"

سلمان نے سامنے سڑک پر نظریں جما رکھی تھیں۔ اس نے کہا۔ "سمیرا

ابھی مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔ میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ مجھے اوپر کالج میں پہنچ لینے دو۔ پھر ساری داستان بیان کر دوں گا۔"

سمیرا نے سلمان کی آواز میں کچھ تبدیلی محسوس کی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نہ جانے اغواء کرنے والے ظالموں نے اس پر کس قدر تشدد کیا ہو گا۔ سلمان نے لمبا سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا جس کے چوڑے کالر اٹھے ہوئے تھے۔ سمیرا کو سلمان کے چہرے کا صرف ایک ہی پہلو نظر آتا تھا سلمان کے کپڑوں سے وہ خوشبو بھی نہیں آ رہی تھی جو وہ بڑے شوق سے لگایا کرتا تھا۔ بلکہ اس کی بجائے ایسی بو آ رہی تھی جیسے کوئی چیز جل رہی ہو۔ سمیرا کو یہ سب کچھ عجیب سا لگا سلمان نے اپنے ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے جو اس نے کبھی نہیں پہنے تھے۔ سمیرا نے سلمان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے برف کی سل پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ سمیرا کے جسم میں کپکپی سی دوڑ گئی سلمان کے لمبے کوٹ کے اندر سے اچانک دھواں اٹھنے لگا۔

سمیرا نے چونک کر کہا۔ "سلمان! دھواں کہاں سے آ رہا ہے گاڑی روکو۔"

سلمان نے بریک لگا کر سمیرا کی طرف گردن گھما کر دیکھا سمیرا کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ وہ سلمان نہیں تھا۔

بریک کے لگتے ہی سلمان نے جب سمیرا کی طرف گردن موڑ کر دیکھا تو سمیرا کو سلمان کے چہرے کی جگہ وہاں صرف دو سرخ آنکھیں اور دھواں دھواں نظر آیا۔ یہ وہی دہشت ناک آنکھیں اور دھواں دھواں سیاہ چہرہ تھا جو سمیرا نے یاقوت کی دیوار والی قبر کے پاس اپنے ڈراؤنے خواب میں دیکھا تھا۔ یہ وہی پراسرار شیطانی آسیبی سایہ تھا جس نے یاقوت کی "لاش" کو گھسیٹتے ہوئے قبر میں ڈالا تھا۔ اس کے بعد سمیرا کو کچھ ہوش نہ رہا تھا۔

جب ہوش آیا تو اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہوش میں ہے وہ جو کچھ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی وہ ایک خواب کی طرح کا منظر تھا۔ وہ پڑھی لکھی خاتون تھی۔ انگریزی ادب، تاریخ اور پینٹنگ اس کا سبجیکٹ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے ایک دریا ہے جس کا پاٹ کسی بڑی نہر جتنا ہے۔ دریا کی دونوں جانب کھجور کے درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئیں ہیں۔ دریا میں ایک بادبانی لمبی کشتی چلی جا رہی ہے جس میں ایسی عورتیں اور غلام نظر رہے ہیں جنہوں نے قدیم مصر کے زمانے کے لباس پہن رکھے تھے۔ ایسی عورتوں اور مردوں کی تصویریں سمیرا نے مصر اور پیرس کے عجائب گھروں میں دیکھی تھیں۔ اس نے اپنا جائزہ لیا۔ وہ اپنے دفتر والے لباس ہی میں تھی۔ موسم گرم تھا! اس نے جیکٹ اتار کر پرے رکھ دی۔ دریا کی طرف سے ٹھنڈی ہواؤں کے خوشگوار جھونکے آ رہے تھے۔

میں کہاں آ گئی ہوں؟ کیا یہ خواب ہے یا حقیقت؟ وہ کون تھا جو سلمان کی شکل

مجھے گھر سے اغواء کرنے آیا تھا؟ اس کی شکل دھواں دھواں تھی۔ آنکھیں کس سرخ اور ڈراؤنی تھیں۔ کیا میں فرعونوں کے مصر میں آ گئی ہوں؟ کہیں یہ میرے ل کی شعبدہ بازی تو نہیں؟ سمیرا نے اپنے بازوؤں کو زور سے دبایا۔ آنکھوں کو بار جھپکا۔ نہیں یہ خواب نہیں ہے۔ دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا جلوس چلا جا رہا ایک سر منڈا بارعب چہرے والا کاہن زرد لبادے میں ملبوس رواں تخت پر رکھی ی پر بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ چار سیاہ فام حبشی تخت کو اٹھائے چل رہے تھے۔ ے آگے کچھ زرہ پوش پجاری کسی پراسرار زبان میں منتر پڑھتے جا رہے تھے۔ دو م تخت کے دائیں بائیں مور چھل ہلاتے چل رہے تھے۔ سمیرا کے قریب سے بھی دو اہ بالوں سیاہ آنکھوں والی عورتیں کاندھوں پر منقش صراحیاں ٹکائے اجنبی زبان میں یں کرتی گزر گئیں۔ ان میں سے کسی نے بھی سمیرا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ انکہ سمیرا کا لباس ان کے لباس سے بالکل مختلف تھا اور وہ اسے حیران ہو کر دیکھ تی تھیں۔ کاہن کا جلوس آگے نکل گیا۔

سمیرا کھجوروں کے جھنڈ سے اٹھ کر جس طرف جلوس گیا تھا اسی طرف چلنے لی۔ سامنے سے ایک عورت سر پر کنول کے پھولوں کی ٹوکری اٹھائے چلی آ رہی ی۔ سمیرا رک گئی۔ عورت قریب آئی تو سمیرا نے اردو میں ہی پوچھا۔ "یہ کون سی ہ ہے؟"

عورت نے چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ جیسے آواز دینے والی عورت ھائی نہ دے رہی ہو۔ سمیرا نے ایک بار پھر ذرا اونچی آواز میں اپنا سوال دہرایا۔ اس ر اس نے انگریزی میں پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ عورت کے چہرے پر دہشت ری ہو گئی۔ جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے پھولوں والا ٹوکرا وہیں پھینکا اور اپنی زبان ں چلا چلا کر کچھ کہتی بھاگ گئی۔ سمیرا بڑی حیران ہوئی کہ اس عورت کو کیا ہو گیا ا۔ میں اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ میری آواز پر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ سمیرا گے بڑھی۔ ابھی چند ہی قدم چلی ہو گی کہ پیچھے سے ایسی آوازیں آئیں جیسے بے شمار وڑے پوری رفتار سے دوڑتے چلے آ رہے ہوں۔ اس نے جوں ہی پلٹ کر دیکھا گھوڑوں والا ایک قدیم رتھ جسے ایک سیاہ فام آدمی چلا رہا تھا بڑی تیزی سے اس

پر چڑھا چلا آ رہا تھا۔ گھوڑوں کے منہ سے جھاگ اڑ رہا تھا۔ وہ ایک طوفان کی ا
دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ سمیرا ایک طرف ہٹ کر جا
سکتی۔ گھوڑے اس کے سر پر آ گئے۔ سمیرا کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی اور گھو
اس کے اوپر سے گزر گئے مگر ایک حیرت انگیز بات ہو گئی تھی۔ سمیرا پتھر کا بت
کھڑی تھی۔ چاروں برق رفتار گھوڑے اور رتھ اس کے اوپر سے گزر گیا تھا مگر
کو خراش تک نہ آئی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے یہ گھوڑے اور رتھ اس کے ا
سے گزر گیا ہو۔ اسے صرف ہوا کے تھپیڑوں کے لگنے کا احساس ہوا تھا۔

یہ کیسے ہو گیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ابھی سمیرا اسی عالم حیرت میں تھی کہ ا
دوسرا برق رفتار رتھ گرد و غبار کے بادلوں میں سے نمودار ہوا اور سمیرا کے جسم
سے یوں گزر گیا جیسے وہ کوئی ہوا کا جھونکا ہو۔ سمیرا دوڑ کر ایک درخت کے نیچے
اور سوچنے لگی کہ یہ سب کیا ہے؟ اس قسم کی ماورائیت سمیرا کے ذہن کے پس
میں یاقوت کی وجہ سے پہلے سے موجود تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ کوئی ایسا خو
دیکھ رہی ہے جس میں وہ لاکھ کوشش کرے اس کی آنکھ نہیں کھل سکتی اور یہ ا
دوسروں کی نظروں سے غائب ہو چکی ہے اور اس کا جسم ہوا کی لہروں کی طر
ٹرانسپیرنٹ ہو گیا ہے۔ تب سمیرا نے اس انوکھی صورت حال کو قبول کر لیا۔
حیرت اسے صرف اس بات پر تھی کہ اس کے جسم اور ذہن کی کیفیات خواب
نہیں تھیں۔ وہ اپنے شعور کو قائل نہیں کر سکی تھی کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی
اس کے احساسات بالکل نارمل اور بیدار تھے جبکہ خواب میں ان احساسات پر ایک
مدہوشی کی حالت ضرور طاری رہتی ہے مگر اس کے سوچنے نہ سوچنے سے کوئی
نہیں پڑتا تھا۔ وہ بڑے پراسرار انداز میں ان دیو مالائی حالات میں ڈال دی گئی
خواب میں عام طور پر انسان کو اپنی نیند سے پہلے کی زندگی یاد نہیں رہتی مگر ا
سب کچھ یاد تھا۔ اسے یاقوت سے بچھڑنے' اس کی قبر کو دیکھنے' نتاشا کی کینیڈا
اور سلمان کی پراسرار گمشدگی اور پھر کسی شیطانی طاقت کا سلمان جیسی شکل میں
کے پاس آ کر اسے گاڑی میں بٹھا کر لے جانا' سب کچھ یاد تھا۔ اسے یہ بھی یاد
وہ اس شیطانی شخص کی شکل دیکھ کر ہی بے ہوش ہوئی تھی۔

سمیرا نے ان سب خیالات کو ایک طرف رکھ دیا اور نئی صورت حال کا مقابلہ
نے کو تیار ہو گئی۔ وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ دن ڈھل رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر
ں تکون اہرام نظر آیا جس کی چوٹی کا ایک پہلو غروب ہوتے سورج کی سنہری روشنی
ا چمک رہا تھا۔ وہ دریا سے ہٹ کر اس اہرام کی طرف ہو گئی کہ دیکھے یہ اہرام کس
ہے۔ اتنا وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ چاہے خواب میں ہی سہی' اپنے زمانے سے ڈھائی
ن ہزار سال پیچھے کے زمانے میں فرعونوں کے مصر میں آ گئی ہے۔ اچانک اسے
ول تاشوں کی آوازوں میں عورتوں کے لمبی لمبی سروں میں المیہ گیت گانے کی آواز
ئی دینے لگی۔ ایک جانب سے اسے بہت بڑا جلوس اہرام کی طرف جاتا نظر آیا۔ وہ
ر تیز اس طرف چلنے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم بہت ہلکا ہو گیا ہے اور
ں کی چلنے کی رفتار پہلے سے دو تین گنا ہو گئی ہے۔ وہ ایک بہت بڑا شاہی ماتمی جلوس
ا۔ آگے آگے بے شمار لڑکیاں بال کھولے ماتم کرتیں المیہ گاتی چل رہی تھیں۔ پیچھے
ام سروں پر سونے چاندی کے ظروف اور کسی بادشاہ کے استعمال کا سامان اٹھائے
ں رہے تھے۔ ان کے پیچھے ساتھ انتہائی خوبصورت کنیزیں زرق برق لباس میں ملبوس
ر سونے کی زنجیروں میں جکڑی بال کھولے' سر جھکائے' ہاتھ باندھے چلی جا رہی تھی۔
ن کے پیچھے شاہی گارڈ کا دستہ تھا۔ سپاہیوں کے مخروطی خود اور نیزوں کی نوکیں چمک
ہی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک بہت بڑے رواں تخت پر کسی فرعون کا تابوت رکھا ہوا
ھا۔ تابوت کے تخت کو غلام کھینچ رہے تھے۔ تابوت کی دونوں جانب پجاری اور کاہن
ھڑے اشلوک پڑھ رہے تھے اور تابوت پر کوئی مقدس پانی چھڑکتے جاتے تھے۔
ابوت کے پیچھے مور چھل بردار غلاموں کی جماعت چلی آتی تھی ان کے پیچھے پھر شاہی
گارڈ کا دستہ تھا اور ان کے پیچھے شاہی خاندان کے افراد سیاہ لباس میں سوگوار چلے
اتے تھے۔ سمیرا نے فرعونوں کی تدفین کا حال صرف تاریخی کتابوں میں ہی پڑھا تھا۔
ں وقت وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔ سمیرا کو پجاریوں' کاہنوں اور
شاہی خاندان کے لوگوں اور فرعون کے تابوت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کی توجہ
کا مرکز وہ سات خوبصورت نوجوان کنیزیں تھیں جنہوں نے زرق برق لباس پہن رکھا
تھا۔ اس زمانے کے مطابق بھرپور میک اپ کیا ہوا تھا اور جنہیں سونے کی زنجیروں میں

جکڑا ہوا تھا۔

وہ آگے بڑھ کر ان خوبصورت قدیم مصری لڑکیوں کے پاس آ کر ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ چونکہ اسے یقین تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا اس لئے وہ بڑی آزادی اور بے فکری سے ان لڑکیوں کے درمیان میں آ گئی تھی۔ ان کے لباس اور کھلے ہوئے سیاہ بالوں سے قدیم عطریات کی بڑی گہری اور اداس اداس خوشبو آ رہی تھی۔ اگرچہ ان سات خوبصورت لڑکیوں کے چہرے اس زمانے کی سرخی پاؤڈر سے رنگین ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں گہرا سیاہ کاجل لگا تھا۔ لباس زرق برق تھا مگر ان کے چہرے بے حد سوگوار اور اداس تھے۔ سمیرا کو یاد آ گیا کہ اس نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب کسی فرعون کو دفن کیا جاتا تھا تو اس کے استعمال کی عام چیزوں کے علاوہ اس کی پسندیدہ کنیزوں کو بھی اس کے ساتھ ہی اہرام میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا کہ اگلی زندگی میں اس کی خدمت کر سکیں۔ یقیناً" یہ وہی زندہ دفن کی جانے والی خوبصورت کنیزیں ہی تھیں۔ ان میں کچھ کنیزوں کے رنگ سرخ و سپید تھے اور کچھ سیاہ فام اور کچھ ہلکے سانولے رنگ کی تھیں۔ یہ شاہی ماتمی جلوس آہستہ آہستہ چلتا اہرام کے صدر دروازے کی ڈھلان اترنے لگا۔ یہ ایک لمبی ڈھلان تھی جو اہرام کی دیوار میں تین چار منزل نیچے بنے ہوئے محرابی دروازے تک چلی گئی تھی۔ سمیرا ان بدنصیب کنیزوں کے ساتھ ساتھ چلی رہی تھی جن کی قسمت میں اہرام کے بند ہو جانے کے بعد کم ہوتی آکسیجن کے ساتھ منہ کھول کر دیوانوں کی طرح سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی گردنوں کو نوچ نوچ کر مرجانا لکھا تھا۔ اہرام کے دروازے پر آ کر شاہی دستے کے سپاہی جلوس سے الگ ہو کر ڈھلانی دیوار کے ساتھ سیدھے کھڑے ہوئے۔ اہرام کے اندر فرعون کے تابوت کے ساتھ سونے چاندی کا ساز و سامان اٹھائے ہوئے غلام' پجاری' سات خوبصورت کنیزیں اور چند ایک سپاہی ہی داخل ہوئے۔ باقی لوگ وہیں روک دیئے گئے مگر سمیرا کو کون روکتا۔ وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ جلوس اہرام کے اندر داخل ہونے کے بعد دیوار کے ساتھ بنے ہوئے ایک چھوٹے سے فٹ پاتھ قسم کے راستے سے گزرنے لگا جس کی ایک جانب پتھر کی دیوار دوسری جانب گہری کھڈ تھی جس کی تہہ میں نیزے ایک دوسرے کے ساتھ اوپر

رف اٹھے ہوئے تھے یہ چھوٹا سا ماتمی جلوس اہرام کے اندر ہی لکڑی کے ایک پل گزرا جسے فرعون کی تدفین کے بعد توڑ دیا جاتا تھا تاکہ بعد میں کوئی شخص اندر ہو بھی جائے تو وہاں سے آگے نہ جا سکے۔

وہاں سے آگے ایک اور ڈھلان آ گئی جو نیچے مختلف راہداریوں سے ہوتی ہوئی ہموار کشادہ دالان تک چلی گئی تھی۔ یہاں سنگ سیاہ کا ایک بہت بڑا چبوترہ بنا ہوا تابوت کو اس چبوترے پر رکھ دیا گیا۔ غلاموں نے بادشاہ کے استعمال میں آنے چیزیں مثلاً" سونے کا شاہی رتھ' اناج اور شراب سے بھرے ہوئے مٹکے' سونے برتن' شاہی لباس' شاہی مسہری اور مور چھل وغیرہ------ شاہی کاہن اور یوں نے تدفین کی رسوم ادا کیں۔ فرعون کی حنوط کی ہوئی لاش سونے کے تابوت اندر بند تھی۔ اوپر ڈھکنے پر صرف اس کے سر کا مجسمہ ابھرا ہوا تھا۔ ایک ایک کر تمام غلام وہاں سے نکل گئے۔ اس فرعون کے ساتھ جانے والے خدمت گار وں کی ایک جماعت کو فرعون کی موت کے ساتھ ہی دیوتارا کے بت کے آگے کر دیا گیا تھا۔ اس خیال سے کہ وہ اگلی دنیا میں پہلے پہنچ کر فرعون کے شاہی محل آراستہ کر سکیں۔ اب صرف فرعون کی سات چہیتی کنیزیں ہی اس کی ساتھ زندہ جا رہی تھیں۔ شاہی خاندان کے افراد بھی کچھ رسمیں ادا کر کے لے گئے۔ اب ان میں صرف کاہن اعظم' چھ پجاری' چار مسلح سپاہی اور سات کنیزیں ہی رہ گئی ں۔ سپاہیوں نے ساتوں کنیزوں کو تابوت کے پاؤں کی جانب چبوترے پر بٹھا کر ان طلائی زنجیریں کھول دیں۔ کاہن اعظم نے آخری مذہبی رسم ادا کرنے کے بعد ہاتھ اشارہ کیا۔ چاروں سپاہی' چھ پجاری بھی دالان کے چوکور دروازے سے باہر نکل ۔ اس نیچی چھت اور بارہ ستونوں والے دالان یا تہہ خانے کا صرف یہی ایک لور دروازہ تھا۔ جب سب چلے گئے تو کاہن نے فرعون کے تابوت پر آخری بار رس پانی چھڑکا اور وہ بھی دروازے سے نکل گیا۔ دروازے کی دوسری جانب دیوار لوہے کی ایک ہک والی زنجیر لگی تھی۔ کاہن نے باہر آتے ہی لوہے کی زنجیر کو اپنی ف کھینچا۔ دھیمی دھیمی گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی اور چوکور دروازے کے اوپر جو رکے ہک لگے تھے وہاں ایک سوراخ میں ریت مسلسل باہر نکلنا شروع ہو گئی۔ شاید

اس ریت نے دیوار کو اوپر کی جانب سنبھال رکھا تھا۔ دھیمی گڑگڑاہٹ کی آواز آ رہی تھی اور پتھر کی موٹی دیوار برابر نیچے چلی آ رہی تھی۔ پھر یہ دیوار اہرام کے کی سطح کے ساتھ آ کر لگ گئی۔ گڑگڑاہٹ کی آواز بند ہو گئی۔ دو آدمی سونے کی میں مصالحہ لئے آگے بڑھے اور دیوار اور فرش کی جھری کو جہاں سے ہوا اندر تھی مصالحہ لگا کر بند کر دیا۔ اب فرعون کے تابوت والا اہرام مکمل طور پر مہر بند تھا۔

سمیرا ابھی تک حرم کے دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی جو مہر بند کر دیا اب اسے خیال آیا کہ اہرام کے اندر پتھر کی چھ سات فٹ موٹی چٹانی دیوار کے کیسے جائے گی۔ کیونکہ وہ ان سات بے گناہ معصوم کنیزوں کی جان بچانے کا ف چکی تھی جو اہرام کے اندر بے کسی اور بے بسی کی موت مرنے کے لئے اکیلی چھ گئی تھیں۔ وہ اہرام کے اندر اس لئے نہ رہی تھی کہ غیر شعوری طور پر اسے زندہ دفن ہو جانے کا بھی ڈر تھا۔ اب جبکہ اہرام کو مہر بند کر کے سب لوگ تو سمیرا کو خیال آیا کہ وہ تو ہوا کے جھونکے کی طرح لطیف ہے لیکن کیا وہ ا دیوار میں سے گزر سکے گی؟ اس نے آگے بڑھ کر پتھریلی دیوار پر انگلی رکھ کر دبا اس کی انگلی بغیر کسی رکاوٹ اور مزاحمت کے دیوار میں چلی گئی۔ اس نے آنکھ کر لیں اور دیوار کے ساتھ لگ کر اپنے آپ کو دھکیلا۔ دوسرے لمحے وہ اہ اندر تھی جہاں ساتوں خوبصورت کنیزیں گھبراہٹ کے عالم میں ادھر ادھر دیوا ٹٹول کر باہر نکلنے کا کوئی خفیہ راستہ تلاش کر رہی تھیں۔ وہ سمیرا کو نہ دیکھ سکیں

سمیرا جانتی تھی کہ اسی بند اہرام کے اندر کچھ دیر بعد جتنی آکسیجن ہے ہو جائے گی اور ان ساتوں لڑکیوں کی موت یقینی ہے۔ اسے یہ بھی احساس تھا اس نے انہیں آواز دی تو وہ ڈر جائیں گی کہ یہ غیبی آواز کہاں سے آ رہی ہے ان بے بس و مجبور لڑکیوں کی جان بچانا بھی ضرور تھا سمیرا نے انہیں اپنی ز آواز دے کر پکارا۔ ایک اجنبی عورت کی آواز سن کر ساتوں لڑکیوں نے پلٹ دوسری کو دیکھا۔ پھر اپنی زبان میں ایک دوسری سے خوفزدہ لہجے میں کچھ کہا او فرعون کے تابوت سے دور ہٹ کر فرش پر بیٹھ گئیں۔ ضرور وہ یہی سمجھ رہی

ئی بدروح طرح اندر داخل ہو گئی ہے یا موت کا فرشتہ ان کی جان نکالنے آ گیا ہے۔ سمیرا تھی کہ ان لڑکیوں کو کس زبان سے سمجھائے کہ وہ ان کی مدد کرنا چاہتی ہے بان سوال یہ تھا کہ وہ ان کی کیسے مدد کر سکتی ہے۔ وہ دیوار کے پتھروں کو اپنی جگہ سے نا تھی۔ اصل مسئلہ ان لڑکیوں کی جان بچانے کا تھا۔ اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہی کہ وہ انہیں بتاتی پھرے کہ وہ ان کی جان بچانا چاہتی ہے۔

سمیرا کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر وہ کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لے تو بہت ن ہے کہ وہ لڑکی بھی غائب ہو کر لطیف جسم میں تبدیل ہو جائے اور اس کے ساتھ ار میں سے گزر جائے۔ سمیرا نے آگے بڑھ کر فرش پر بیٹھی لڑکیوں میں سے ایک ی کا ہاتھ پکڑ لیا مگر وہ غائب نہ ہوئی بلکہ لڑکی کو ایک خفیف سا جھٹکا لگا اور وہ ہاتھ ڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ سمیرا کو تب معلوم ہوا کہ اس کی گرفت کس قدر مضبوط ے۔ دوسری لڑکیاں اپنی ساتھی کنیز کو ہوا میں بازو چلاتے اور چلاتے دیکھ کر فرعون ے تابوت کے پیچھے جا کر چھپ گئیں۔ وہ یہی سمجھیں کہ اس کنیز کو بد روح چمٹ گئی ے۔ اسی جدوجہد میں سمیرا نے اس لڑکی کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ جوں ہی لڑکی ے پاؤں فرش سے بلند ہوئے وہ غائب ہو گئی۔

اپنی سہیلی کو غائب ہوتے دیکھ کر دوسری لڑکیوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ موت ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔ سمیرا نے جب دیکھا کہ زمین سے بے تعلق تے ہی لڑکی اس کے بازوؤں میں غائب ہو گئی ہے تو وہ اسے لے کر اہرام کے وازے کی طرف جانے کی بجائے سامنے والی دیوار کی طرف بڑھی اور قدم قدم چلتے ار میں سے اس طرح گزر گئی جس طرح سے آواز کی لہریں گزر جاتی ہیں۔ وہ اہرام ا دوسری طرف نکل آئی جدھر صحرائی ٹیلے شام کے ہلکے ہلکے اندھیروں میں گم ہوتے رہے تھے۔ ادھر کوئی پہرے دار بھی نہیں تھا۔ اسی خیال سے سمیرا لڑکی کو لے کر ں طرف آئی تھی۔ اہرام کے شاہی دروازے سے اگر وہ باہر نکلتی تو ادھر مسلح گارڈ ے موجود ہونے کا امکان تھا اور جب کنیز زمین پر اترتے ہی پھر سے ظاہر ہو جاتی تو ے فوراً پکڑ لیا جاتا۔ سمیرا نے کنیز کو زمین پر اتارا تو واقعی وہ ظاہر ہو گئی۔ کنیز سہم ر وہیں بیٹھ گئی۔ سمیرا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے کہے کہ تم اس جگہ

بیٹھی رہو میں تمہاری دوسری سہیلیوں کو بھی لے کر آتی ہوں۔ وہ اسے اشار بھی نہیں سمجھا سکتی تھی۔ کیونکہ سمیرا تو اسے نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔

سمیرا نے سوچا کہ اندر سے دوسری لڑکیوں کو باہر نکالا جائے۔ کہیں ان دم ہی نہ گھٹ جائے۔ وہ تیزی سے اہرام کے اندر گئی اور باری باری باقی کنیزا نکال کر باہر لے آئی۔ وہ لڑکیاں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو د تھیں۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ انہیں ایک بد روح موت کے اہرام میں کر لے آئی ہے۔ وہ آپس میں تیز تیز باتیں کرنے لگیں۔ سمیرا کو ان کی باتی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ کنیزیں جتنی جلدی ہو سکے دوڑ کر محفوظ مقام پر چلی جائیں۔ وہ کنیزیں بھی یہی سوچ رہی تھیں۔ انہیں کہ وہ کس سمت کو بھاگ کر اپنی زندگیوں کو محفوظ بنا سکتی ہیں۔ چنانچہ انہوں میں کوئی فیصلہ کیا اور اس طرف روانہ ہو گئیں جدھر صحرائی ٹیلے شروع اندھیرے میں دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔

سمیرا ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اس خیال سے کہیں راستے میں ک پہچان نہ لے اور دوبارہ گرفتار نہ کر لے۔ آسمان پر کہیں کہیں ستارے چمکنے صحرا پر اندھیرے کا غبار اترتا چلا جا رہا تھا۔ ساتوں کنیزیں تیز تیز چل رہی کے چلنے کے انداز سے لگ رہا تھا وہ جانتی ہیں انہیں کدھر جانا ہے۔ کئی ریتی پار کرنے کے بعد سامنے دریا آ گیا۔ یقیناً" یہ دریائے نیل ہی ہو گا۔ سمیرا نے خاموش خاموش ان لڑکیوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ دریا یہاں سے ا مڑ جاتا تھا۔ اب وہ لڑکیاں دریا کے ساتھ ہو گئیں۔ اندھیرے میں کبھی کبھی برق لباس چمک اٹھتا تھا۔ سمیرا چاروں طرف سے ہوشیار تھی۔ آس پاس نہیں تھا۔ ایک جگہ دریا کنارے کھجور کے درخت کے ساتھ ایک بڑی سی ہوئی تھی۔ خدا جانے یہ کوئی گھاٹی تھی کہ جہاں سے دن کے وقت مسافر د ہوں گے۔ کشتی کو کھول کر ساری کنیزیں اس میں سوار ہو گئیں۔ کشتی د کے ساتھ بہنے لگی۔ اب سمیرا نے ان کے ساتھ جانا ضروری خیال نہ کیا۔ ہونے تک وہ خطرے کے علاقے سے دور نکل چکی ہوں گی۔ سمیرا یہاں سے

کی طرف روانہ ہو گئی۔ رات ہونے کی وجہ سے صحرا میں ٹھنڈ ہو گئی تھی مگر سمیرا نے محسوس کیا کہ اسے سردی کا احساس نہیں ہو رہا۔ ایک ٹیلے سے وہ نیچے اتری تو اسے دریا کے کنارے کنارے روشنیاں دکھائی دیں۔ یہ شعلوں کی روشنیاں تھیں جن کا عکس دریا میں پڑ رہا تھا۔ اس کے عقب میں شہر کی فصیل تھی۔ وہاں بھی کچھ روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔

سمیرا ایک عجیب جذباتی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ کبھی اسے محسوس ہوتا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے اور اس کے سامنے جو کچھ بھی ہو رہا ہے یہ سب خواب کی حالت میں ہو رہا ہے۔ کسی وقت لگتا کہ نہیں یہ خواب نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اور وہ کسی ایسے طلسمی فارمولے کے اثر سے اپنے زمانے سے تین ہزار سال پہلے ماضی کے زمانے میں آ گئی ہے جس کے عناصر ترکیبی کا ابھی ہماری جدید سائنس کو علم نہیں ہے۔ ابھی ہمیں بے شمار چیزوں کا علم نہیں ہے۔ ابھی انسان علم کے سمندر کے کنارے پر ہی پہنچا ہے۔ ابھی اس نے اس سمندر کے ایک قطرے کا ہی تجزیہ کیا ہے۔ ابھی پورے کے پورے سمندر کا علم اس کی نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اس کی دسترس سے باہر ہے۔ جو چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہم اسے بیکار سمجھ کر اپنے علم کے کلاس روم سے نکال دیتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہی چیز کارخانہ قدرت کا اہم ترین پرزہ ہوتا ہے۔ ہمیں کسی کا آدھ گھنٹہ اکیلے بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے تو ہم اپنے بال نوچنے لگتے ہیں جبکہ ایک حقیر سی چھپکلی دو دو گھنٹے دیوار کے ساتھ ایک ہی جگہ چمٹی رہتی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جو ایک چھپکلی کے لئے وقت کے احساس کو بے اثر کر دیتی ہے؟ ہم ایک سانس میں بمشکل کچھ سیکنڈ گزار سکتے ہیں جبکہ سانپ ایک سانس کھینچ کر زمین کے نیچے سارا سردیوں کا موسم گزار دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ابھی علم کے شہر کی ڈیوڑھی تک ہی پہنچا ہے۔ ہمارے زمینی سیارے کی روشنی اپنی زمین پر گزرے ہوئے تمام واقعات کا عکس لے کر ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کائنات کے خلاء میں سفر کر رہی ہے۔ اگر ہم کسی طرح کسی نظام شمسی کے کسی ایسے سیارے پر پہنچ جائیں جہاں ابھی تک ہماری زمین کی روشنی نہیں پہنچی تو اپنے ایجاد کردہ کسی ٹی وی اسکرین پر ہم زمین پر گزرے ہوئے تمام واقعات کو ایک بار

پھر دیکھ سکتے ہیں۔ ہم سقراط کو زہر پیتے' نیرو کو جلتے ہوئے روم کے شعلوں میں با بجاتے' دیوار چین کو پہلی بار تعمیر ہوتے اور دنیا کے سب سے پہلے اہرام مصر دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ہمارا خیال روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتار سے ماض زمانے میں جا سکتا ہے تو ہمارا جسم اس سے بھی زیادہ برق رفتاری سے ماضی کی میں کیوں نہیں جا سکتا۔ شاید سمیرا کو بھی کسی ایسے ہی علم کی مدد سے تین ہزار قدیم فراعنہ مصر کے زمانے میں بھیج دیا گیا تھا جو سمیرا کی عقل و فہم سے بالا تر تھا

چلتے چلتے سمیرا مصر کے قدیم ترین دارالحکومت تھبز کے صدر درواز پاس آ کر رک گئی۔ دروازے کی دونوں جانب مشعلیں جل رہی تھیں۔ بہت دروازے کا ایک کواڑ کھلا تھا۔ ڈیوڑھی کے آگے ایک جانب مصری سپاہی کھڑ میں آتے جاتے لوگوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ سمیرا شہر میں داخل ہو گئی۔ سڑکیں سادہ تھیں دونوں جانب دو منزلہ سہ منزلہ مکان تھے۔ ہر مکان میں رو رہی تھی مگر یہ روشنی اتنی نہیں تھی جتنی ہمارے زمانے میں ہوتی ہے۔ شہر ہی کھیت اور باغ تھے جن میں فوارے لگے تھے۔ شہر کے وسط میں ایک قلعہ کے اندر فرعون کے شاہی محلات تھے۔ سمیرا شاہی محلات کی ایک طرف چل پ قلعے کے دروازے سے کچھ دور رک گئی۔ قلعہ کے ارد گرد پانی سے بھری ہو تھی۔ لکڑی کا ایک پل اس خندق پر بنا ہوا تھا جس پر سے گزر کر سپاہی اندر رہے تھے۔ سمیرا بھی ان کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہو گئی۔ یہ بہت بڑا قلعہ کے کشادہ احاطے میں دیوار کے ساتھ ساتھ کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک جا ہی رتھ قطار میں کھڑے تھے۔ اصطبلوں میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ شاہی محل کے برآمدے اور گیلریاں روشن روشن تھیں۔ شاہی محل کے برآمد گیلریاں روشن روشن تھیں۔ شاہی محل کے گرد اونچی دیوار کھینچی ہوئی تھی۔ دروازے پر بڑا سخت پہرہ لگا تھا۔

سمیرا محل میں داخل ہونے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہ مصری فوج کے سپاہی ایک دبلے پتلے خوبصورت نوجوان کو زنجیروں میں جکڑ لئے آ رہے ہیں۔ دو مشعل بردار ساتھ ساتھ ہیں۔ جب یہ لوگ سمیرا کے ق

ے تو خوبصورت نوجوان قیدی نے جس کا چہرہ بے حد پرسکون تھا' گردن موڑ کر طرف دیکھا جہاں سمیرا کھڑی تھی۔ سمیرا نے جلدی سے اپنے عقب میں دیکھا۔ نکہ اس کا خیال تھا کہ اس قیدی نوجوان نے کسی ایسے شخص کی طرف دیکھا ہے جو کے پیچھے کھڑا ہو گا۔ مگر سمیرا کے پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ تو کیا اس نے سمیرا کو لیا ہے؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے مگر سمیرا کو اس نوجوان کے چہرے پر ایک روح مقدس روشنی سی نظر آئی تھی۔ وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس نوجوان کو جرم میں زنجیروں میں جکڑ کر کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ وہ سپاہیوں کے پیچھے پیچھے گی۔ قلعہ کے دروازے کی بائیں جانب سیڑھیاں نیچے زمین کے اندر جاتی تھیں۔ اس نوجوان کو لے کر سڑھیاں اترنے لگے۔ نیچے نیم روشن ٹھنڈی اور نیم آلود داری آ گئی۔ راہداری کے آخر میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں والی ایک تنگ و یک کوٹھری تھی جس میں اس نوجوان کو بند کر کے سلاخوں والے دروازے پر تالا دیا گیا۔ جب سپاہی چلے گئے تو سمیرا نے سلاخوں کے پاس آ کر خوبصورت قیدی کو ھا۔ یہاں دروازے کے اوپر ایک مشعل روشن تھی۔ نوجوان قیدی پتھر کی سل پر ینان اور سکون کے ساتھ بیٹھا سامنے دیوار کو تک رہا تھا جیسے دریا کنارے بیٹھا ع آفتاب کا منظر دیکھ رہا ہے۔

سمیرا خاموش رہی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اگر اس نوجوان نے اسے غیبی لت میں دیکھ لیا تو بھی اب اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں۔ ابھی یہ خیال اس کے ذہن میں ہی تھا کہ نوجوان نے اپنا خوبصورت روشن سا چہرہ اٹھا کر سلاخوں کی رف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ سمیرا جلدی سے پیچھے ٹ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ نوجوان قیدی نے اپنی زبان ں کچھ کہا۔ سمیرا حیرت زدہ ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ قیدی نے اسے اپنی زبان میں جو کچھ ا تھا سمیرا اس کا پورا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ قیدی نے کہا تھا۔ "اندر آ جاؤ میری ن۔ میں جانتا ہوں تم لوہے کی سلاخوں میں سے بھی گزر سکتی ہو۔"

سمیرا سلاخوں کے دروازے میں سے گزر کر قیدی کے پاس آ گئی۔ نوجوان قیدی ٹھیک اسی سمت دیکھ رہا تھا جہاں سمیرا غیبی حالت میں کھڑی تھی۔ "بیٹھ جاؤ۔" اس

نے کہا۔ سمیرا خاموشی سے یوں اس کے قریب چبوترے پر بیٹھ گئی جیسے ایک اپنے کسی رازدار دوست کے پاس بیٹھتا ہے۔ سمیرا اب یہ جاننا چاہتی تھی کہ نوجوان سمیرا کی زبان سمجھ سکے گا۔ سمیرا نے اردو میں کہا۔ "تم کون ہو بھائی؟"

نوجوان قیدی مسکرایا۔ وہ سمیرا کی زبان کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ اس نے ا میں کہا۔ "اگر تم نے مجھے اپنا بھائی کہا ہے تو پھر یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کون ہوں؟"

سمیرا اس بات بھی نوجوان قیدی کی تین ہزار سالہ قدیم مصری زبان سمجھ گئی۔ سمیرا نے سوال کیا۔ "میرے بھائی! ذہن میں کئی سوال ہیں مگر میں پہلے تم سے یہ پوچھنا چاہوں گی کہ ہماری زبانوں میں ہزاروں برس کا فرق میری زبان نہیں جانتے۔ میں تمہاری زبان نہیں جانتی مگر ایسا کیوں ہے کہ زبان کا اور میں تمہاری زبان کا مفہوم بالکل ٹھیک سمجھ لیتی ہوں۔"

خوبصورت نوجوان قیدی مسکرایا۔ کہنے لگا۔ "ہر زبان کے فقرے مفہوم چھپا ہوا ہوتا ہے۔ ہماری آنکھیں دیکھ کر اور کان سن کر یہ مفہوم ہما تک پہنچاتے ہیں۔ زبان کا ایک مفہوم ہوتا ہے مگر مفہوم کی کوئی زبان نہیں میں اگر چاہوں تو بولے بغیر بھی تمہارے دل تک اپنے دل کا مفہوم پہنچا سک قدرت نے انسان کو زبان کا محتاج نہیں کیا تھا۔ اسے ایک مکمل مفہوم دے چونکہ میری نظر مفہوم تک ہے اس لئے میں تمہاری بات، تمہاری اجنبی ز بولے ہوئے جملے کے سیپ میں سے مفہوم کا موتی نکال لیتا ہوں۔"

سمیرا نے پوچھا۔ "مگر یہ کیسے ممکن ہوا کہ میں بھی تمہاری زبان کا مف رہی ہوں؟"

نوجوان قیدی بولا۔ "یہ میرے دل کی سچائی اور پاکیزگی نے تمہارے دل کیا ہے۔"

سمیرا نے پوچھا۔ "اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہوں گی کہ کیا تم جا کون ہوں اور تم نے مجھے کیسے دیکھ لیا جبکہ میں کسی کو بھی نظر نہیں آ رہی؟"

نوجوان قیدی کی آنکھوں میں ایک ملکوتی چمک سی آ گئی۔ اس نے

اور پرسکون آواز میں بولا۔ "میں تمہاری دوسری بات کا سب سے پہلے جواب دینا ا ہوں کہ میں نے تمہیں غائب ہونے کے باوجود کیسے دیکھ لیا۔ میری بہن! میں اس جواب میں کسی فلسفے کا سہارا نہیں لوں گا۔ میں کوئی فلسفیانہ تشریح نہیں کروں میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ اگر نگاہ پاک ہو۔ کسی مادی خیال سے آلودہ نہ تو غیب کی چیزیں بھی نظر آ جاتی ہیں اور اگر نگاہ آلودہ ہو۔ نگاہ ناپاک ہو تو پھر نظر نے والی چیزیں بھی اپنا اصل روپ چھپا لیتی ہیں۔ اب میں تمہارے دوسرے سوال جواب میں کہوں گا کہ میں جانتا ہوں تم کون ہو۔ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں آئی ہو اور کس طرح یہاں لائی گئی ہو۔ تمہارا نام سمیرا ہے اور اس وقت تم ایک ک شیطانی طاقت کے انتقام کی زد میں ہو۔ یہ شیطانی طاقت نہیں چاہتی کہ یاقوت اری وفا، تمہاری پاکیزہ محبت کے سہارے اپنی نجات پا سکے۔ یہ شیطانی طاقت ہر دور ، ہر زمانے میں نیکی اور بھلائی کرنے والوں، نیکی کے رستوں پر چلنے والوں اور نے والوں کے ساتھ جنگ کرتی آئی ہے۔ نیکی کی راہ پر ثابت قدم رہنے والوں کو نہ اس جنگ میں فتح ملی ہے۔ یہاں انہیں عارضی طور پر بڑے کڑے امتحانوں اور ت آزمائشوں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ تم اور یاقوت تم دونوں اس وقت سخت ائش میں سے گزر رہے ہو۔ اگر تم دونوں ثابت قدم رہے خاص طور پر اگر یاقوت بت قدم رہا تو فتح تمہارے قدم چومے گی اور تم دونوں اس پوری کائنات کے ضمیر ا چھپی ہوئی بڑی خوددار اور بڑے جلال والی محبت کے مفہوم تک پہنچ جاؤ گے ابھی اری نگاہ صرف تسبیح کے دانوں تک محدود ہے جو الگ الگ ہوتے ہیں۔ پھر تمہاری ائی اس دھاگے تک ہو جائے گی جو تسبیح کے ہر دانے میں سے گزرتا ہے۔ ہو سکتا ، تم کوئی تصرف نہ کر سکو۔ یاقوت بھی کوئی تصرف نہ کر سکے۔ مگر تم دونوں کو علم ور ہو گا۔"

اس نوجوان قیدی کی زبان سے اپنے اور یاقوت کے بارے میں اتنی تفصیل ے اتنی ساری باتیں سن کر سمیرا حیرت میں ڈوب گئی۔ اس کے دل میں نوجوان قیدی ا توقیر مزید بڑھ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ کوئی خدا پرست آدمی ہے۔ سمیرا سے رہا نہ یا۔ اس نے سلمان کے بارے میں سوال کر دیا۔ نوجوان قیدی نے مسکرا کر کہا۔ "وہ

تمہارے شہر سے غائب ضرور ہوا ہے مگر زندہ ہے' اگرچہ سخت مشکل میں ہے۔"

سمیرا نے پریشان ہو کر کہا۔ "کیا تم اس کی مدد نہیں کر سکتے؟ خدا کے لئے اس کی مدد کرو۔"

نوجوان قیدی نے اپنی مقناطیسی آنکھیں اٹھا کر سمیرا کی طرف دیکھا۔ اب اس کی آواز میں تھوڑا سا جلال تھا۔ "یاد رکھو۔ کبھی خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد طلب نہ کرنا۔ خدا کے سوا کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ لوگوں کو تو پتہ ہی نہیں کہ انسان کی مدد کیسے کی جاتی ہے۔ انسان کی بھلائی کس میں ہے۔ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ انسان کی بھلائی کس میں ہے۔ انسان کی مدد کس طرح کرنی ہے۔"

سمیرا نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے بھائی کہ میرے منہ سے ایسی بات نکل گئی۔ مگر کیا تم مجھے سلمان کے پاس نہیں پہنچا سکتے؟"

نوجوان قیدی خاموش ہو گیا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ جیسے مراقبے میں چلا گیا ہو۔ سمیرا بھی چپ رہی۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان قیدی نے سر اٹھا کر سمیرا کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اس کے لئے تمہیں میری دوسری ملاقات کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"دوسری ملاقات؟" سمیرا نے تعجب سے پوچھا۔ "میں کچھ سمجھ نہیں سکی۔ کیا تمہارا مطلب ہے کہ جب تم اس قید سے آزاد ہونے کے بعد جب مجھے دوسری بار ملو گے؟"

نوجوان خوبصورت قیدی کے ہونٹوں پر بڑی لطیف قسم کی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ اس نے کہا۔ "میں اپنے جسم کو ساتھ لے کر فرعون کے اس قلعے سے نہیں نکل سکوں گا۔"

"تو پھر ---- میرا مطلب ہے ----"

خوبصورت قیدی نے کہا۔ "مجھے آج ہی تھوڑی دیر کے بعد سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ اس کے بعد میں تمہیں یہاں سے مشرق کی طرف سات کوس دور دریا والے نخلستان میں ملوں گا۔ پورے سات دن بعد۔ جب سورج غروب ہو رہا ہو گا۔"

سمیرا کو بڑا صدمہ ہوا کہ اتنے نیک دل اور خوبصورت نوجوان کو فرعون کے حکم سے پھانسی ملنے والی ہے۔ وہ جذباتی انداز میں بولی۔ "میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جا سکتی ہوں۔"

نوجوان قیدی ایک پل کے لئے سمیرا کو اپنی روشن روشن آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "وہ تو میں خود بھی یہاں سے نکل کر جا سکتا ہوں۔"

اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انگلی سے سلاخوں والے مقفل دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ لوہے کی سلاخوں والا بند دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ "جس نے اللہ کے بندوں پر اپنے دل کے دروازے کھول دیئے۔ جس نے اللہ کے بندوں کی خدمت کی۔ اللہ اس پر دنیا کے دروازے کھول دیتا ہے۔"

نوجوان قیدی کے ان الفاظ پر سمیرا نے کہا۔ "تو پھر تم یہاں سے جان بچا کر چلے کیوں نہیں جاتے؟"

نوجوان قیدی نے اپنا ہاتھ نیچے کر لیا۔ قید خانے کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ وہ کہنے لگا۔ "جان تو ایک دن جانی ہی ہے۔ آج یہ خدا کی راہ میں جا رہی ہے۔ جان دینے کا اس سے بڑھ کر قیمتی موقع مجھے اور کیا ملے گا؟ خدا کے لئے ایک جان تو کیا میں اپنی ایک لاکھ جانیں بھی قربان کر دوں تب بھی میں خدا کے ان احسانوں کا بدلہ نہیں چکا سکتا ہوں جو اس نے مجھ پر کئے ہیں۔"

سمیرا نے سوال کیا۔ "یہ لوگ تمہیں کس لئے پھانسی دے رہے ہیں۔" نوجوان قیدی نے کہا۔ "اس لئے کہ میں ایک خدا کو مانتا ہوں۔ ایک خدا کی عبادت کرتا ہوں اور یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ بلیوں' کتوں' سانپوں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان کی طرح ان بتوں کے آگے سر جھکاؤں' میں کہتا ہوں کہ عبادت کے لائق صرف وہ ایک خدا ہے جس نے ساری کائنات اور اس کائنات کی مخلوق اور اس دنیا کی ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ وہ اصل معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ پس وہ مجھے اسی لئے پھانسی چڑھا رہے ہیں۔"

نوجوان قیدی نے سمیرا کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "اب تم جاؤ میری بہن۔ وہ لوگ مجھے سولی پر لے جانے کے لئے آ رہے ہیں۔ دریا کنارے والے نخلستان میں میرا انتظار کرنا سات دن بعد شام کو میری روح میرے خدائے واحد کے حکم سے تمہیں ملنے آئے گی۔ اب جاؤ۔"

راہ داری میں لوگوں کے قدموں کی بھاری آواز سنائی دی' سیمرا غیر شعوری پر چبوترے سے پرے ہٹ گئی۔ شاہی فوج کے چھ مسلح سپاہی دروازہ کھول کر ا گئے ان کے ساتھ ایک جلاد بھی تھا۔ وہ نوجوان قیدی کو اپنی حراست میں لے کر نکل گئے۔ سیمرا ان کے ساتھ ہی رہی۔ آگے جا کر ایک دالان میں پھانسی گڑی تھی۔ خدا پرست نوجوان قیدی کو تختے پر کھڑا کر کے اس کی گردن میں رسی کا ڈال دیا گیا۔ سیمرا نے آخری بار اس خوبصورت نوجوان کا چہرہ دیکھا' اس کے چہ ایک ایسی طمانیت' سکون اور شادابی کی چمک تھی جو کسی زر پرست انسان کے چہ بڑے سے بڑا خزانہ پا کر بھی نہیں آتی۔ اس کے بعد اس کے چہرے پر سیاہ چڑھا دیا گیا اور جلاد نے تختہ کھینچ دیا۔ اس کے بعد سیمرا سے کچھ نہ دیکھا گیا۔ وہ آنسوؤں کے سیلاب کو بڑی مشکل سے ضبط کئے قید خانے سے باہر نکل آئی۔ اسے خیال آیا کہ دنیا میں خدائے واحد کی عبادت کرنا' اس سے محبت کرنا' اس بندوں سے پیار کرنا' اس کے بندوں کی خدمت کرنا۔۔۔۔ یہ ایک ایسا عظیم طاقتور ترین جذبہ ہے کہ جس کے آگے موت کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے ہیں۔ سیم اس خدا پرست نوجوان سے اس کا نام نہیں پوچھا تھا۔ اسے اس کا افسوس ہوا۔

اس کی زبان سے یہ سن کر سلمان زندہ ہے سیمرا کو خوشی ہوئی تھی مگر اس پر تشویش بھی ہوئی تھی کہ وہ سخت مشکل میں گرفتار ہے۔ شاید وہ مجھے سلمان تک دے۔ مگر میں اس تین ہزار برس پرانے زمانے سے واپس نکلوں گی تو سلمان سکوں گی؟ اسے یاقوت کا خیال بھی ستانے لگا۔ جس شیطانی طاقت نے سلمان کو کیا تھا۔ پھر سیمرا کو اپنے زمانے سے نکال کر سینکڑوں برس پیچھے کے زمانے میں دیا تھا۔ اسی شیطانی طاقت نے یاقوت کو بھی بے بس کر کے قبر میں ڈال دیا یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اکیلی شیطانی طاقت کا مقابلہ کر سکے گی؟ ایک دم سیمرا تمتمانے لگا۔ اس کا خیال اپنے پیارے خدا کی طرف چلا گیا۔ خدا سیمرا کی مد کرے گا۔ وہ سیمرا کو اتنی طاقت' اتنی توانائی' اتنا حوصلہ عطا کرے گا کہ وہ طاقتوں کا بہادر سے مقابلہ کر کے انہیں شکست وے دے گی۔

سیمرا کو ابھی مزید وہاں سات دن تک رہنا تھا۔ نوجوان خدا پرست ش

ح کا انتظار کرنا تھا۔ ایک بات کا سیمرا کو بھی اطمینان تھا کہ نہ اسے بھوک لگ رہی نہ پیاس محسوس ہوتی تھی اور نیند کی حاجت بھی نہیں لگ رہی تھی' شہر کی سڑکیں ات کے وقت سنسان ہو گئی تھیں کبھی کبھی کوئی رتھ گزر جاتا تھا۔ مکانوں کی قنیاں بھی بجھ چکی تھیں۔ سیمرا نے سوچا کہ رات کسی جگہ کاٹ لینی چاہئے۔ دن کا لا ہو تو پھر دریا پار اسی نخلستان میں جا کر ٹھکانہ لگا لینا چاہئے جہاں سات روز بعد خدا ست شہید کی روح کو آنا تھا۔ وہ ایک باغ میں آ گئی یہاں سنگ مرمر کے بینچ جگہ بچھے ہوئے تھے۔ وہ ایک بینچ پر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر کے سلمان اور نوری اپنے گھر کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ کس طرح اور کب اپنے شہر' اپنے زمانے واپس جائے گی' نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے تھکاوٹ بھی نہیں رہی تھی' اس طرح سوچتے سوچتے نیند اور بیداری کے درمیان رہ کر' سیمرا نے باقی ت گزار دی۔ صبح ہوئی۔ سورج کا اجالا چاروں طرف پھیل گیا۔ بازاروں کی رونق ل آ گئی۔ سڑکوں پر رتھ اور گھڑ سوار نکل آئے۔ سیمرا نے اپنی جیکٹ وہیں دریا رے پھینک دی تھی۔ کیونکہ اسے سردی بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ صرف پرس کے پاس تھا۔ اس نے پرس کو کھول کر دیکھا۔ اس میں چھوٹا سا شیشہ' لپ اسٹک بالوں کے برش کے علاوہ کچھ روپے' چار چھ ٹشو پیپر اور ایک امریکی ماچس تھی جس کل سیمرا کو بڑا اچھا لگا تھا اور اس نے ماچس اپنے پاس ہی رکھ لی تھی۔

وہ باغ سے نکلی اور مشرق کی طرف روانہ ہو گئی۔ شہر کے صدر دروازے پر رش تھا۔ سیمرا سوچا کرتی تھی کہ قدیم زمانے کے شہروں میں بڑی کم آبادی ہوتی ا اور بڑا سکون ہوتا ہو گا۔ مگر یہاں معاملہ بالکل الٹ تھا۔ شہر کی سڑکیں آنے نے والوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ رتھ' پالکیاں اور گھڑ سوار نظر آ رہے ۔ شہر کی سڑکوں پر پیٹرول اور ڈیزل کا دھواں تو بالکل نہیں تھا مگر گرد و غبار بہت رہا تھا۔ سیمرا اندازے سے مشرق کی جانب دریا کی طرف چلتی گئی۔ وہ کسی سے ۔ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ چلتے چلتے اس نے ریت اور چٹانوں کے کئی ٹیلے عبور ۔ پھر جا کر اسے دریا کنارے اگی ہوئی کھجوروں کی قطار نظر آئی۔ ان قطاروں کو وہ نا تھی۔ اسی جگہ وہ سب سے پہلے ہوش میں آئی تھی۔ ایک جگہ پر اس نے کشتی

میں بیٹھ کر دریا پار کیا۔ کشتی میں دوسرے لوگ بھی سوار تھے۔ یہ ایک طر
تھی جو مسافروں کو دریا پار کراتی تھی، آگے کبھی صحرا تھا اور کبھی ٹیلے نظر آر
نخلستان کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا سمیرا اندازے سے مشرق کی سمت چلنے لگی۔
گھنٹہ کبھی نرم اور کبھی جمی ہوئی پتھریلی بجری ایسی ریت پر چلتی رہی۔ تب کہ
اسے دور سے کھجوروں کے جھنڈ نظر آئے۔ وہ خوش ہوئی کہ منزل پر آ گئی
دل میں خدا سے دعا مانگنے لگی کہ اے خدائے بزرگ و برتر تو اس نیک آد
کے وسیلے سے میری واپسی کا کوئی سبب بنا دے کہ میں سلمان کے پاس پہنچ سک
کی کوئی مدد کر سکوں۔ نخلستان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بس ایک چھوٹا سا صحرائی
باغ تھا جس میں کھجوروں کے جھنڈ اگے ہوئے تھے۔ ان میں پکی ہوئی کھج
کچھے لٹک رہے تھے۔ بے شمار کھجوریں زمین پر بھی گری ہوئی تھیں۔ یہ
کھجوریں اٹھا کر کھائیں، بڑی میٹھی تھیں۔ یہاں کونے میں ایک جگہ چھوٹا
بہہ رہا تھا۔ اس کا پانی بڑا ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ سمیرا کو قدیم زمانوں کے
اپنی آغوش میں لے لیا۔ اسے یہ پر سکون نخلستان کی فضا بڑی اچھی لگی
یہاں پورے سات دن اکیلی نہیں گزار سکتی تھی۔ اس نے یہی سوچا کہ دن
سیر کرے گی اور رات کو یہاں آ جایا کرے گی اور پھر یہاں چشمہ بہہ رہا ہے
کے درخت ہیں۔ آتے جاتے مسافر ضرور یہاں آ کر ٹھہرتے ہوں گے۔
اسے تنہائی کا احساس بھی نہیں ہو گا۔ جوں جوں دن چڑھ رہا تھا۔ صحرا م
رہی تھی۔ دوپہر کے وقت صحرا کی ریت سخت گرم ہو گئی اور لو چلنے لگی۔
گرمی کا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ایک طرف درختوں کی چھاؤں
اور گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگی۔ اسے خیال آیا کہ اگر تا
جائے کہ میں اپنے زمانے سے نکل کر اتنے قدیم زمانے میں آ گئی ہوں
یقین نہ آئے۔ واپس جا کر بھی جب میں اسے کینیڈا خط لکھ کر بتاؤں گی ت
نہیں کرے گی۔ کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مصری لڑکا ٹخنوں
کرتا پہنے دو اونٹوں کے ساتھ چشمے پر آیا۔ اونٹ پانی پینے لگا اور لڑکا
کھجوریں اٹھا کر کھانے لگا۔ جب وہ چلا گیا تو کچھ اور کسان قسم کے مصر

بیٹے پر منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہوئے اور وہیں درختوں کی چھاؤں میں پڑ کر سو گئے۔
میرا کے لئے وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر درختوں میں ٹہلنے لگی۔ سورج
مغرب میں ڈھلنے لگا تو گرمی کی شدت میں کمی آ گئی اور اس کی جگہ خنکی لینے لگی۔ جو
کسان سو رہے تھے وہ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ صحرا میں آہستہ آہستہ شام کی سرمئی دھند
سی اترنا شروع ہو گئی۔ سمیرا یہ سوچ کر شہر کی طرف چل دی کہ ذرا رات کے وقت
شہر کی سیر کی جائے۔ وہ نخلستان سے نکلی۔ سرمئی شام کے اولین اندھیروں میں تحلیل
ہوتے ریت کے ٹیلوں میں سے گزرتی دریا پر آ گئی۔ یہاں ایک ملاح اپنی کشتی پر
مسافروں کو دریا آر پار کروا رہا تھا۔ شہر کی طرف سے مسافر زیادہ آ رہے تھے۔ یہ
مزدور اور چھوٹے موٹے تاجر تھے جو شہر میں دن بھر محنت مزدوری کرنے اور اپنا مال
فروخت کرنے کے بعد اپنے اپنے گاؤں کو واپس جا رہے تھے۔ کشتی مسافروں کو
کنارے پر اتارنے کے بعد واپس جانے لگی تو سمیرا اس میں سوار ہو گئی۔ دوسرے
کنارے پر پہنچ کر وہ شہر کی طرف چل پڑی۔ شہر کی فصیل اور صدر دروازے کی
روشنیاں دور سے جھلملاتی نظر آ رہی تھیں۔ دریائے نیل میں سے ایک نہر کاٹ کر شہر
میں لے جائی گئی تھی۔ یہ نہر شہر کی فصیل کے پیچھے کی جانب ایک زمین دوز راستے
سے شہر میں داخل ہوتی تھی۔ شہر کے بارے اس کے کنارے پر کہیں کہیں فاصلے
فاصلے پر اکا دکا کچے مکان بنے ہوئے تھے۔ سمیرا دن میں ان مکانوں کو دیکھ چکی تھی۔
ان کے آگے ٹاٹ گرے ہوئے تھے۔ احاطے میں مٹی کے چبوتروں پر چولہے بنے
ہوئے تھے۔ سمیرا ایسے ہی ایک مکان کے قریب سے گزری تو اسے سامنے سے دو گھڑ
سوار آتے دکھائی دیئے۔ یہ گھڑ سوار مکان سے کچھ فاصلے پر گھوڑوں سے اترے۔
انہوں نے گھوڑوں کو وہیں چھوڑا اور بڑے مشکوک انداز میں مکان کی طرف بڑھے۔
مکان کے قریب آ کر انہوں نے آپس میں کچھ کھسر پھسر کی۔ ایک مکان کے احاطے
والے دروازے کی طرف آ گیا۔ اور دوسرے نے احاطے کی کچی دیوار پھاندی اور
مکان کے دروازے کی ایک جانب دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سمیرا کو ان کی حرکات
پر شک پڑا کہ یہ ضرور کوئی چور یا ڈاکو ہیں اور یہاں ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں۔ مگر یہ تو
کسی غریب کسان یا مزدور کا مکان ہے۔ یہاں انہیں کیا ملے گا؟ سمیرا وہیں ٹھہر گئی اور

دیکھنے لگی کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اب احاطے کے دروازے والا آدمی بھی اندر مکان کے دروازے کے باہر ایک چراغ لٹک رہا تھا۔ سمیرا نے اس کی روشنی دونوں آدمیوں کو خنجر نکال کر مکان کا ٹاٹ اٹھا کر اندر گھستے دیکھا تو وہ بھی جلدی احاطے میں آگئی۔ اتنے میں اندر سے دو عورتوں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ سمیرا سے مکان کے اندر چلی گئی۔

کوٹھری کے اندر داخل ہوتے ہی سمیرا نے ایک دل خراش منظر دیکھا۔ دو ادھیڑ ی عورتیں واویلا کر رہی تھیں۔ ایک ڈاکو خنجر ایک عورت کی گردن پر رکھے اسے وش رہنے کو کہہ رہا تھا۔ دوسرا ڈاکو ایک جوان سال خوبصورت لڑکی کو بازو سے پکڑ دروازے کی طرف گھسیٹ رہا تھا۔ لڑکی اس قدر بدحواس تھی کہ اس کے حلق سے از تک نہیں نکل رہی تھی۔ سمیرا کو اور تو کچھ نہ سوجھا اس نے جلدی سے پرس سے اپنی امریکی لیبل والی ماچس نکال کر جلائی اور اسے اس ڈاکو کی آنکھوں کے ب لے آئی جو نوجوان لڑکی کو گھسیٹ رہا تھا۔ کوٹھری میں پہلے سے ایک چراغ شن تھا۔ جب وہاں ننھا سا ایک اور شعلہ روشن ہو کر ڈاکو کی آنکھوں کے پاس آیا بار تو سب ہکا بکا رہ گئے۔ سمیرا نے جلتی ہوئی ماچس ڈاکو پر پھینکی اور دوسری ں جلا کر دوسرے ڈاکو پر پھینک دی۔ ساتھ ہی اپنی اردو زبان میں چلا کر کہا۔ "ڑ دو ـــــ اسے بھاگ جاؤ ـــــ بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

کوٹھری میں ایک غیبی عورت کی آواز سنتے ہی ڈاکوؤں کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایسا زمانہ تھا کہ بادشاہ سے لے کر غریب تک سبھی ضعیف الاعتقاد تھے اور دیوی تاؤں کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے۔ ڈاکو باہر کی طرف بھاگے۔ سمیرا ان پر ماچس کی لیاں جلا جلا کر پھینکتی رہی۔ یہاں تک کہ دونوں ڈاکو انتہائی گھبراہٹ اور دہشت میں وڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

سمیرا نے چراغ کی دھیمی روشنی میں تینوں عورتوں کو دیکھا۔ وہ نوجوان لڑکی کو

تخت پر لٹائے اس کی ڈھارس بندھا رہی تھیں اور کوٹھری میں ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھیں۔ ان کے خیال میں کسی دیوی کی روح انہیں بچانے وہاں آ گئی تھی۔ سمیرا ان سے کیا بات کرتی؟ وہ تو ان کی زبان نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ نہ سمیرا ان کی زبان سمجھ سکتی تھی۔ اس نے دروازے کے پاس جا کر باہر دیکھا۔ ڈاکو جا چکے تھے۔ سمیرا سوچنے لگی کہ عورتیں تین ہزار سال پہلے بھی اغواء کی جاتی تھیں۔ انسان کب نیکی کی طرف آئے گا؟ اس کا وہاں ٹھہرنا بیکار تھا۔ وہ کوٹھری سے نکل آئی۔ چلتی چلتی شہر میں آ گئی۔ یہ شروع رات کی ساعتیں تھیں۔ اس زمانے کے مطابق بازاروں، گلیوں اور مکانوں میں کہیں کہیں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ دیر تک سمیرا اس تین ہزار برس پرانے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتی رہی۔ پھر شہر کی فصیل کے قریب ایک گنجان درختوں والے باغ میں آ کر بیٹھ گئی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں پتھر کے ستونوں پر چراغ کی کوئی چیز روشن تھی جس کی روشنی زیادہ دور تک نہیں جاتی تھی۔ سمیرا کو دو انسانوں کی کھسر پھسر کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ آوازیں درختوں کے ایک جھنڈ میں سے آ رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر ان درختوں کے پاس آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ خوشبو دار پھولوں کی جھاڑیوں کے پاس ایک لڑکی اور لڑکا بیٹھے آپس میں محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ لڑکی بار بار ادھر ادھر دیکھ لیتی تھی۔ شاید وہ گھر سے چھپ کر اپنے محبوب سے ملنے آئی تھی۔ شاید اس نے مندر جانے کا بہانہ کیا تھا کیونکہ اس کے پاس ہی پھولوں کے ہار پڑے تھے۔ سمیرا کو یہ منظر بڑا خوبصورت لگا۔ وہ ان محبت کرنے والوں کی زبان تو نہیں سمجھتی تھی مگر جانتی تھی کہ وہ آپس میں محبت کی باتیں کر رہے ہوں گے۔ ساری دنیاؤں میں، ساری کائنات میں محبت کی ایک ہی زبان ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ قدرتی زبان ہے۔ نیچر کی زبان ہے۔ جنگل، پہاڑ، دریا، چاند، سورج، درخت، پھول، طوفانی ہوائیں، کڑکتے ہوئے بادل، سبھی اس زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ انسان کی، اس کائنات کی ازلی اور ابدی زبان ہے۔ اس زبان میں، محبت کی زبان میں بات کرنے والے دو اجنبی اور مختلف زبانیں بولنے والے انسان بھی ایک دوسرے کا مطلب سمجھ جاتے ہیں۔ خدا نے انسان کو یہی زبان دے کر دنیا میں بھیجا تھا مگر وہ اس زبان کو بھلا بیٹھا اور اس نے زبانیں ایجاد کر لیں جن کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگا جس کنج میں قدیم مصر کے یہ دو محبت کرنے والے بیٹھے پیار کی باتیں کر رہے تھے وہاں پھولوں کی خوشبوؤں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ دونوں کے ہونٹوں سے سرگوشیاں یوں نکل رہی تھیں جیسے پھولوں کی خوشبو زبان کو مل گئی ہو سمیرا پر ایک عجیب سرور کا عالم طاری تھا۔ اسے سلمان کا خیال اس کی یاد ستانے لگی۔ اسے یاقوت کے ساتھ گزارے ہوئے محبت کے درخشاں لمحات یاد آنے لگے۔ اپنے آپ سمیرا کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ ان دو محبت والوں کو پھولوں کے کنج میں چھوڑ کر وہاں سے واپس آ گئی۔

وہ اس کشادہ باغ کے دوسرے کونے کی طرف آ گئی جہاں ایک چھوٹی سی سڑک تھی جس کی دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سنگی ستونوں کے اوپر شمعیں روشن تھیں۔ یہ راستہ آگے ایک معبد کو جاتا تھا جس کے اندر سے لوگوں کے کچھ پڑھنے کی دھیمی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ سمیرا ایک چبوترے پر فوارے کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنے میں اسے ڈھول تاشے اور نفیریوں کی آوازیں سنائی دیں۔ مڑ کر دیکھا کہ سڑک پر شہر کے صدر دروازے کی طرف سے ایک جلوس چلا آ رہا تھا۔ سمیرا نے اسے کوئی اہمیت نہ دی اور محبت کرنے والے جوڑے کے خوبصورت خیال میں کھوئی رہی۔ جلوس قریب آ گیا۔ جلوس کے آگے آگے زرد لبادوں والے سر منڈے مصری پجاری تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں سنہری عصا تھام رکھے تھے۔ پیچھے ایک پالکی پر مندر کا کاہن پورے جاہ و جلال کے ساتھ بیٹھا تھا اس کے گھٹنوں پر ایک پانچ چھ سال کا معصوم بچہ لیٹا ہوا تھا۔ بچے کو شاید کوئی بے ہوشی کی دوا پلا دی گئی تھی۔ مگر وہ ہوش میں بھی تھا اور آہستہ آہستہ سر دائیں بائیں مار رہا تھا۔ کسی وقت اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں بھی نکل آتی تھیں کاہن کی پالکی کے پیچھے معبد کی محافظ گارڈ کا مسلح دستہ تھا۔ اس دستے کے پیچھے ایک عورت اور ایک مرد لوگوں کے آگے آگے اس طرح چل رہے تھے کہ ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ چہرے انتہائی غمزدہ تھے مگر زبانوں پر خاموشی کی مہر لگی تھی۔ ان میں ایک اس بچے کی ماں تھی اور دوسرا باپ۔ سمیرا کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس بچے کو معبد میں دیوتا بعل کے سامنے آگ میں ڈالنے کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے قدیم مصر کی تاریخ میں اس قسم کی انسانی

اور خاص طور پر چھوٹی عمر کے بچوں کی قربانی کا بہت حال پڑھ رکھا تھا۔

سمیرا جلوس کے ساتھ ہو گئی۔ جلوس معبد میں داخل ہو گیا۔ سمیرا نے دیکھا اونچے اونچے ستونوں والا ایک کشادہ دالان ہے جس کے درمیان کوئی پچاس فٹ ا بھاری بھرکم بعل دیوتا کا بت نصب ہے جس کا بھیانک منہ کھلا ہے اور زبان اس ا باہر نکلی ہوئی ہے جس طرح باغوں میں بچوں کے واسطے پھسلنی لگی ہوتی ہے۔ ا نے کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ جس بچے یا بدقسمت انسان کو بعل دیوتا پر قربان ہوتا تھا اسے اس پھسلنی کی طرح باہر کو نکلی ہوئی زبان پر بٹھا کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بچہ یا آدمی پھسل کر نیچے گہرے گڑھے میں گر جاتا ہے جس کے اندر جہنم کی آگ شعلے لپک رہے ہوتے تھے۔

اس وقت بھی بت کے سامنے اس کے پاؤں کے پاس گڑھے میں آگ جل تھی۔ شعلے لپک لپک کر اپنی زبانیں گڑھے سے باہر نکال رہے تھے۔ بچے کے ماں غم سے نڈھال ہو کر ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کے رشتے دار عورتیں ا سہارا دے رہی تھیں۔ چونکہ یہ قربانی مصر کے ان کاہنوں کی طرف سے مسلط ہوئے ان کے مذہب کا ایک حصہ تھی اس لئے کسی کو زبان کھولنے کی جرات تھی۔ ماں کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس ڈر سے بھی سنبھ کی کوشش کر رہی تھی کہ کہیں اس پر کاہنوں کا عتاب نازل نہ ہو جائے کہ وہ بعل پر اپنے بچے کو قربان کرتے وقت غم زدہ تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی اور دیوتا کی توہین کی مرتکب ہوئی ہے مگر سمیرا نے اس معصوم بچے کی جان بچانے کا کر لیا تھا۔

بچے کو سونے کے ایک طشت میں لٹا کر ان سیڑھیوں کی طرف لے جایا بعل دیوتا کے مجسمے کے پیچھے سے اندر ہی اندر اس کے حلق تک جاتی تھیں اس کی زبان پھسلنی شروع ہو جاتی تھی۔ معبد میں زور زور سے ڈھول تاشے لگے۔ پجاریوں نے اونچی آواز میں بھجن گانے شروع کر دیئے۔ سمیرا جلدی سے دیوتا کے مجسمے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ جوں ہی وہ بچے کو طشت سے اٹھائے گی وہ سب کی نظروں سے غائب ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ کاہن

ب بچے والے طشت کو لے کر سمیرا کے قریب سے گزرا تو سمیرا نے جلدی سے بچے و اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ کاہن پھٹی پھٹی آنکھوں سے خالی طشت کو دیکھنے لگا۔ سب پجاری چپ ہو گئے۔ بچہ کیسے غائب ہو گیا؟ کاہن اعظم نے چلا کر اپنی زبان سے کہا۔ مبارک ہو۔ بعل دیوتا نے اپنی خاص عنایت سے بچے کو قربان ہونے سے پہلے ہی نے پاس بلا لیا ہے۔"

اس پر پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ڈھول تاشے بجنے لگے۔ پجاری دے میں گر پڑے۔ بچے کی ماں اور باپ کو جب معلوم ہوا کہ ان کا بیٹا آگ میں لنے سے بچ گیا ہے اور دیوتا نے اسے اپنے پاس اٹھا لیا ہے تو انہیں کسی قدر تسکین ئی مگر آنکھوں سے جاری آنسوؤں کا سیلاب تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ کاہن اعظم بچے کے والدین کے پاس آیا۔ سب لوگ پرے پرے ہٹ گئے۔ کاہن اعظم دل میں مجھ گیا تھا کہ یہ کوئی طلسم ہو گیا ہے ورنہ آج تک پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ربان کیا جانے والا بچہ طشت میں سے غائب ہو گیا ہو۔ اسے اپنی دکانداری کا بھرم بھی قائم رکھنا تھا۔ اس نے لڑکے کے ماں باپ کے سروں پر باری باری اپنا ہاتھ رکھا اور کہا۔۔۔۔ "تم خوش قسمت ہو۔ بعل دیوتا نے تمہارے بچے کو اپنے خاص محل میں بلا لیا ہے۔"

کاہن اعظم پجاریوں کے جلوس میں اپنے کمرہ خاص کی طرف چل دیا۔ لوگ بچے کی ماں کو مبارک بادیاں دینے لگے۔ سمیرا بچے کو اپنے کاندھے سے لگائے ایک طرف اس انتظار میں کھڑی تھی کہ اس کے والدین اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چلیں تو ہ انہیں ان کی امانت واپس دینے کے لئے ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ بچہ پوری طرح ش میں نہیں آیا تھا اور سمیرا کے کاندھے سے لگنے کے بعد شاید سو گیا تھا۔

سوگوار ماں باپ کو ان کے قریبی رشتے دار اپنے ساتھ لے کر معبد سے باہر ئے اور پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ سمیرا ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ان وں کا مکان شہر کی ایک گلی میں تھا۔ خدا جانے کس حساب سے قربانی کے واسطے ان نصیب والدین کے بچے کا نام نکل آیا تھا۔ مکان میں پہنچنے کے بعد رشتے دار ایک ر کر کے رخصت ہو گئے۔ سمیرا ان کے جانے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ چھوٹے

سے کمرے میں دونوں میاں بیوی اکیلے رہ گئے۔ ماں کی حالت خراب تھی وہ چارپا
بیٹھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ خاوند بھی روتے ہوئے بیوی کو حوصلہ دینے
چانک سمیرا کے کاندھے سے لگے ہوئے بچے کو ہوش آ گیا اس نے کمزور سی آواز
ماں کو پکارا۔ بچے کی آواز سن کر ماں کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ باپ بھی سہمی ہوئی آنکھ
سے کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا وہ آپس میں کچھ کہنے لگے۔ ماں نے چیخ مار کر
نام پکارا۔ سمیرا عجیب مشکل میں پڑ گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس مکان میں بچے
موجودگی کا محلے والوں کو پتہ چلے۔ اس طرح مندر کے ظالم پجاری بچے کو آگ
ڈالنے کے لئے دوبارہ پکڑ کر لے جا سکتے ہیں۔ سمیرا کو تو اور کچھ نہ سوجھا اس نے
کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسے لے کر سیڑھیاں چڑھ کر مکان کی چھت پر آ گئی۔ وہا
کو تھپک تھپک کر سلانے لگی۔ بچے پر پہلے ہی دوائی کا اثر تھا۔ اس پر بہت جلد غ
طاری ہو گئی اور وہ سو گیا یا پھر نیم بے ہوش ہو گیا۔ سمیرا اس کشمکش کا شکار تھی
بچے کو ان کے ماں باپ کے حوالے کیسے کرے۔ اس مکان میں اگر بچے کی مو
ظاہر ہو جاتی ہے تو معبد کے کاہن اسے پھر قربانی کے واسطے لے جائیں گے۔ ضر
تھا کہ ماں باپ اس گھر کو، اس شہر کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر، کسی دوسرے ملک
چلے جائیں اور پھر بچہ ان کے حوالے کیا جائے تاکہ بچہ ظالم پجاریوں کی دسترس
دور ہو جائے اور اس کی جان بچ رہے۔ اس کے لئے بچے کے ماں باپ کو یہ
تھا کہ ان کا بیٹا زندہ ہے اور وہ گھر سے نکل چلیں مگر سوال یہ تھا کہ انہیں
سمجھائے؟ سمیرا ان کی زبان میں بات نہیں کر سکتی تھی۔ مکان کی چھت پر سمیرا
کاندھے سے لگائے اسے آہستہ آہستہ تھپکتے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

اسے خیال آیا کہ کبھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس قسم کے حالات
پھنس جائے گی اور تین ہزار برس قدیم مصر کے دارالحکومت میں ایک مکان کی
پر کسی کے بچے کو کاندھے سے لگائے تھپک رہی ہو گی۔ اللہ کی شان ہے اللہ ہر
قادر ہے وہ جو چاہے اس پر عمل کر سکتا ہے سمیرا کا دل اللہ کی محبت سے لبریز
اس پر رقت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے اسی حالت میں اللہ کے حضو
اے خدائے ذوالجلال تو ہر شے پر قادر ہے میری مدد کر کہ یہ لوگ میرے د

ن کے مفہوم کو سمجھ جائیں اور یہ بچہ اپنے ماں باپ کے پاس زندہ و سلامت اپنی
ی بسر کر سکے سمیرا کے دل کو ایک دم تسکین سی ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے
تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرما لی ہے وہ بڑے اعتماد کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے
ی بچے کی ماں نے جب سے اپنے لخت جگر کی آواز سنی تھی اس کے آنسو نہیں
ے تھے۔ باپ اس کے قریب بیٹھا خود بھی رو رہا تھا اور بیوی کو دلاسا بھی دے رہا تھا
ر ان کے قریب آ گئی اس نے دل میں بسم اللہ پڑھی۔ خدا سے مدد کی دعا مانگی اور
نہ سے اپنی اردو زبان میں ہی کہا۔ "تمہارا بچہ زندہ و سلامت میرے پاس ہے
ہاں سے نکل چلو۔"

سمیرا کی آواز پر دونوں میاں بیوی چونک کر ایک دوسرے کی طرف اور پھر خلاء
دیکھنے لگے بیوی نے کہا۔ "یہ ضرور دیوی کی آواز ہے۔"

اب سمیرا چونک پڑی وہ ان کی زبان سمجھ رہی تھی۔ اسے اس زبان کے ایک
لفظ کا مفہوم سمجھ میں آ گیا تھا اللہ نے سمیرا کے فہم اور زبان کی گرہ کھول دی
اسے یقین ہونے لگا کہ وہ ان لوگوں کی زبان میں بات کر سکتی ہے اس کے دل میں
قدیم مصری زبان کے فقرے آنا شروع ہو گئے اب سمیرا نے مصری زبان میں ہی
جملہ بول دیا۔ "میں دیوی نہیں ہوں۔ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں
عورت ہوں۔ تمہارا بچہ میرے کاندھے سے لگا سو رہا ہے میں نے ہی مندر میں
نی کے تھال میں سے بچے کو اٹھا لیا تھا۔"

دونوں میاں بیوی حیرت کے عالم میں گم تھے ماں نے ہاتھ باندھ دیئے عاجزی
کہا۔ "دیوی! میرا بچہ مجھے دے دو دیوتاؤں کا واسطہ، میرا بچہ مجھے واپس دے دو۔"

سمیرا اب ان کی زبان میں بڑی روانی سے بات کر سکتی تھی اس نے کہا۔ "میں
تمہارا بچہ تمہیں واپس دینے کے لئے ہی تھال میں سے اٹھایا تھا لیکن اگر کسی کو
چل گیا کہ تمہارا بچہ تمہارے پاس واپس آ گیا ہے تو کاہن اور اس کے پجاری
ارے بچے کو پھر تم سے چھین کر لے جائیں گے اس لئے بہتر ہے کہ تم دونوں یہاں
ے کی طرح نکل چلو۔ میں تمہارے بچے کو لئے تمہارے ساتھ ہوں گی اس طرح
ارے بچے کی جان بچ جائے گی۔"

دونوں میاں بیوی کی سمجھ میں یہ بات آ گئی وہ دونوں جلدی جلدی کچھ ض کپڑے ایک تھیلے میں ڈالنے لگے پھر بچے کے باپ نے کہا۔ "مقدس دیوی! ہم سے نکل کر ملک شام کی طرف جا رہے ہیں وہاں میرا ایک بھائی رہتا ہے ہم اس پاس رہیں گے۔"

سمیرا نے پوچھا۔ "مگر تم وہاں تک پیدل تو نہیں جا سکتے کیا کوئی قافلہ تمہیں وقت مل سکے گا؟؟"

بچے کی ماں نے کہا۔ "ہمارے دو گھوڑے ہیں جو ہمارے کھیت والی کوٹھڑ بندھے ہیں ہم ان پر سوار ہو کر اگلے پڑاؤ تک چلے جائیں گے جہاں سے ہمیں ملک شام کی طرف جانے والا کوئی نہ کوئی قافلہ مل جائے گا۔"

سمیرا نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تم لوگ اپنے کھیت کی طرف نکل چلو میں لئے تمہارے ساتھ ساتھ چل رہی ہوں گی۔"

ماں نے بے تاب ہو کر کہا۔ "مقدس دیوی! ایک بار مجھے میرے بچے دکھا دو میں اپنے بچے کو ایک بار سینے سے لگانا چاہتی ہوں۔"

سمیرا نے بچہ ماں کی گودی میں ڈال دیا اچانک بچہ عورت کی گودی میں دونوں میاں بیوی بچے کو بے تحاشا پیار کرنے لگے بچہ ہوش میں آ گیا اس نے کو دیکھا تو انہیں پکارنے لگا سمیرا نے گھبرا کر کہا۔ "بچے کی آواز ہمسائے میں سن لی تو تم دونوں اکیلے بھی شہر سے نہیں نکل سکو گے۔ بچہ مجھے دے دو۔"

اور سمیرا نے جھپٹ کر بچے کو اٹھایا اور کاندھے سے لگا کر تھپکنے لگ ایک بار پھر غنودگی طاری ہوتی گئی دونوں میاں بیوی دو چھوٹی چھوٹی گٹھڑیاں اٹھ سے باہر نکلے دروازے کو تالا لگایا اور رات کی خاموشی اور اندھیرے میں گلی گزرتے ہوئے اپنے کھیت کی طرف چل پڑے سمیرا ان کے ساتھ ساتھ چل کھیت شہر میں آبادی سے دور تھے یہاں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی سمیرا چمکیلے ستارے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے یہ تین ہزار برس پہلے کے زمانے ڈیزل اور طرح طرح کے دھوئیں کی آلودگی سے پاک آسمان تھا۔ صاف او آسمان---- سمیرا نے سوچا کہ کاش پاکستان کا آسمان بھی آلودگی سے پاک

شفاف اور درخشاں ہو جائے دونوں میاں بیوی ایک کھیت میں داخل ہو گئے۔ کھیت کے کنارے ایک جانب چھوٹی سی کچی کوٹھری تھی جس کے باہر ٹاٹ پڑا تھا اس کے پیچھے دو گھوڑے بندھے تھے وہ گھوڑے کھول کر کھیت سے باہر آ گئے سمیرا ان کا انتظار کر رہی تھی سمیرا ان کے قریب آ کر بولی۔ "میں تمہارے پاس ہی ہوں اگر میں نے بچہ نہیں دے دیا تو وہ سب کو نظر آ جائے گا اور پھر شہر کے صدر دروازے سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں ہو گا میں بچے کی ماں کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاتی ہوں جب ہم شہر سے دور نکل جائیں تو بے شک بچہ لے لینا۔"

مرد اپنے گھوڑے پر اور عورت یعنی اس کی بیوی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئی سمیرا عورت کے پیچھے گھوڑے پر بیٹھ گئی دونوں گھوڑے قدم قدم چل پڑے شہر کے صدر دروازے کے دونوں کواڑ بند تھے محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ گھوڑے دروازے کی ڈیوڑھی میں پہنچے تو محافظوں نے دونوں میاں بیوی سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور رات کے وقت گھوڑوں پر بیٹھ کر شہر سے باہر کس لئے جا رہے ہیں۔ خاوند نے کہا۔ "مندر میں ہم نے آج رات اپنے بچے کی قربانی دی ہے اب ہم کاہن اعظم کی اجازت سے اپنے نانا کے گھر جا رہے ہیں۔"

محافظوں نے دونوں کی گٹھڑیوں کو کھول کر دیکھا ان میں سوائے پرانے کپڑوں اور خشک ستوؤں کے اور کچھ نہیں تھا پانی کی دو چھاگلیں تھیں جو دونوں میاں بیوی نے بھر کر گھر ہی سے ساتھ رکھ لی تھیں محافظوں کو سمیرا تو نظر نہ آئی اور نہ وہ اس کے جسم کو محسوس کر سکتے تھے انہوں نے میاں بیوی کو شہر سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔

شہر سے باہر آتے ہی سمیرا نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ وہ لوگ راستے سے واقف تھے ستاروں کی روشنی صحرا میں ذرا بڑھ جاتی ہے اس کی وجہ ریت کے وہ چمکیلے ذرے ہوتے ہیں جن سے ٹکرا کر ستاروں کی روشنی منعکس ہوتی ہے جب وہ شہر کی فصیل سے کافی دور نکل گئے تو سمیرا نے بچہ ماں کے حوالے کر دیا ماں نے گھوڑا روک لیا بچے کو اشک بار آنکھوں کے ساتھ جی بھر کر پیار کیا اس دوران باپ بھی اپنے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتا اور اس سے باتیں کرتا

رہا ماں نے بچے کو پانی پلایا میٹھے ستو کھانے کو دیئے اس کے بعد ماں نے خود بچے
اپنی گودی میں ڈال لیا اور ان کے گھوڑے شہر سے دور پڑاؤ کی طرف چلنے لگے۔

یہ پہلا پڑاؤ شہر سے کوئی پندرہ بیس کوس کے فاصلے پر تھا اس وقت رات آ
گزر چکی تھی خوش قسمتی سے وہاں ایک قافلہ شام کی طرف چلنے کی تیاریاں کر رہا
بچے کو لے کر دونوں میاں بیوی اس قافلے میں شامل ہو گئے پو پھٹنے سے پہلے پہلے
قافلہ جب شام کی طرف روانہ ہو گیا تب سمیرا وہاں سے واپس شہر کی طرف چلی ا
بڑی روحانی خوشی ہوئی تھی کہ اس نے ایک دکھی ماں کا لخت جگر ایک بیکار اور ا
قسم کے دیوتا پر قربان ہونے سے بچا لیا تھا وہ سوچنے لگی کہ اسلام نے ان جھوٹے
بتوں کو پاش پاش کر کے بنی نوع انسان پر کس قدر احسان عظیم کیا ہے۔ انسانیت کو
جابر پجاریوں کے ظلم و ستم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچا لیا ہے ابھی وہ نخلستان
واپس نہیں جانا چاہتی تھی وہ شہر کی خالی خاموش اور رات کے سناٹے میں ڈوبی
ویران گلیوں بازاروں کی سیر کرنا چاہتی تھی وہ اپنے دل میں یہ سوچ کر ایک طرح کا
خوشگوار ہیجان سا محسوس کرتی کہ وہ تاریخ کے تین ہزار برس پرانے دور میں ہے
ان شہروں اور محلات کو آباد حالت میں دیکھ رہی ہے۔ جن کے سمیرا کے اپنے
دور تک کھنڈرات بھی نہیں مل رہے تھے قدیم مصر کے اہرام تو باقی تھے مگر
تھیبیز پرسی پولس اور قدیم اسکندریہ کے شہروں کے گلی کوچے کہاں چلے گئے تھے
کی تو خاک بھی نہیں مل رہی تھی جدید اسکندریہ تو اس مقام سے کافی دور جا کر آباد
گیا ہے جہاں کبھی پرانا اسکندریہ اپنے جاہ و جلال اور سرگرم تجارتی منڈیوں، پر
بازاروں، جہازوں سے بھری ہوئی بندرگاہ اور دنیا کی عظیم ترین لائبریریوں کے
آباد تھا۔ جہاں قدیم اسکندریہ آباد تھا وہاں اب سوائے ریت کے اور کچھ بھی باقی
ہے انسان، انسان کی ترقی یافتہ تہذیبیں بلند و بالا محلات اور آخر میں ریت
ڈھیریاں۔۔۔۔ کیا انسانی تہذیب و تمدن کا یہی انجام ہے؟ نہیں۔۔۔۔ شہر کھنڈ
کر ریت کے ڈھیروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں محلات صفحہ ہستی سے مٹ جاتے
انسان نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر انسان کی فکر، اس کے نیک عمل کی تو
خدا کی راہ میں، قرآن کی روشنی میں، حضور رسالت مآبؐ کی پیروی میں کئے

اعمال کا نور، ان کی طاقت نہ صرف زندہ ہے بلکہ ساری کائنات میں ان عوامل کو
ت پہنچاتی ہے جو صرف خیر و برکات کے لئے مصروف کار ہیں۔

سمیرا ان طاقتور خیالات کے ساتھ ساتھ قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبیز کے
م روشن سنسان گلی کوچوں بازاروں اور پارکوں میں سے گزر رہی تھی اسے ایک
شاہ باغ کے درمیان بنے ہوئے خوبصورت چھوٹے سے قصر کی جانب سے چنگ و
باب کی دلگداز آواز سنائی دی وہ بے اختیار اس مکان کی طرف بڑھی باغ میں سرو
ور کھجور کے درختوں کے جھنڈ ستاروں کی روشنی میں ساکت کھڑے تھے مکان کی
یوڑھی کے باہر ایک حبشی غلام پہرہ دے رہا تھا سمیرا کو اس سے اجازت طلب کرنے
کی ضرورت ہی نہیں تھی وہ بے دھڑک ڈیوڑھی میں داخل ہو گئی آگے ریشمی پردہ گرا
تھا اس کے پیچھے روشنیاں تھیں اور چنگ و رباب کی آوازیں۔۔۔۔ سمیرا پردے میں
سے گزر گئی اب اس کے سامنے سنگ مرمر کے ستونوں والا ایک ایوان تھا جس کے
وسط میں چھوٹا سا فوارہ چل رہا تھا۔ فوارے کے بیضوی تالاب میں کنول کے خوشنما
پھول کھل رہے تھے زمین پر قالینوں کا فرش بچھا تھا شام، بابل، نینوا اور سوڈان و یونان
کی حسین ترین کنیزیں خورد و نوش اور مشروبات کے چمکتے طشت لئے وہاں بڑے آرام
سے تکیوں کا سہارا لے کر بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان چل پھر رہی تھیں ایک دراز
قد زبردست روشن روشن آنکھوں والی خاتون ریشمی لباس میں ملبوس چھوٹا سا طاؤس
ہاتھ میں لئے اس کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی پھر وہ کوئی قدیم گیت گانے لگی گیت کی
لے بڑی درد انگیز تھی سمیرا ایک طرف ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی اس گیت کو سن
رہی تھی اور عشرت گاہ کے ماحول کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اس طلسمی
ماحول میں قدیم مصری گیت کی لے نے دل گداز سی تاثیر پیدا کر دی۔ یہ عورت یقیناً
اپنے زمانے کی شہر کی کوئی رقاصہ یا مغنیہ تھی جو اپنے مداحین کے درمان ایک زر نگار
تخت پر بیٹھی نغمہ سرا تھی اتنے میں ریشمی پردہ ایک طرف ہٹا اور ایک دراز قامت
خوش وضع نوجوان ہاتھوں میں لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس لئے اندر داخل ہوا۔ رقاصہ
نے اس کی طرف گوشہ چشم سے دیکھا اور طاؤس ہاتھ سے رکھ دیا نوجوان نے آگے
بڑھ کر بکس رقاصہ کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔ "میں اپنی ساری دولت، ماں باپ کی

طرف سے ملی ہوئی ساری جائیداد تم پر نچھاور کر چکا ہوں اب یہ میرے باپ کا آخ
ورثہ۔۔۔۔ اس کے سارے جراحی کے قیمتی آلات اور دریا کے کنارے والی کو
کی ملکیت کے کاغذات باقی رہ گئے تھے تمہارے ایماء پر وہ بھی تمہارے قدموں پ
رکھ رہا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنے عہد کو نبھاتے ہوئے مجھ سے شادی
لو اور میرے ساتھ شریفانہ زندگی بسر کرو۔"

رقاصہ کے ہونٹوں پر ایک ایسا تبسم آیا جس میں طنز کا عنصر غالب تھا اس
بکس کھول کر جراحی کے آلات دیکھے جو اس زمانے میں ہیرے جواہرات سے بھی زیا
قیمتی ہوا کرتے تھے پھر دریا والی حویلی کے کاغذات کو دیکھا بکس کو بند کر کے ایک ک
کے حوالے کیا اور غلاموں کو اشارہ کیا سمیرا اب ان لوگوں کی زبان سمجھ لیتی تھی
خود بھی ان کی زبان بول لیتی تھی چار ہٹے کٹے سوڈانی غلام فوراً" حاضر ہو گئے رقا
نے انہیں کہا۔ "اس نوجوان کو یہاں سے باہر پھینک دو۔"

غلاموں نے اس خوش وضع نوجوان کو اٹھایا اور ڈیوڑھی سے باہر گلی میں پھ
دیا سمیرا بھی فوراً" گلی میں آ گئی نوجوان اٹھ کر ڈیوڑھی کی طرف بھاگا غلاموں
اسے دھکے دے کر پیچھے گرا دیا اور تلواریں نکال لیں نوجوان نے بے بسی اور ہز
کے ساتھ ان غلاموں کو دیکھتے ہوئے گلی کے فرش سے اٹھا اور اپنے جسم کی چوٹ
سہلاتا گلی میں سے نکل گیا سمیرا اس کے پیچھے گئی وہ نوجوان کوٹھی کی عقبی دیوار
اندھیرے میں جا کر رک گیا ادھر ادھر دیکھنے لگا سمیرا اس کے قریب کھڑی تھی مگر
اسے دیکھ نہیں سکتا تھا پھر وہ ایک بیل کی شاخوں کے سہارے دیوار پھاند گیا
فوراً" سمجھ گئی کہ وہ اندر کس نیت کے ساتھ گیا ہے سمیرا دیوار پر نہیں چڑھ سکتی
وہ مکان کے صدر دروازے یعنی ڈیوڑھی کی طرف دوڑی جب وہ ڈیوڑھی کے
آئی تو اندر سے چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہونے لگیں سمیرا پردہ ہٹا کر ایوان میں آ
کیا دیکھتی ہے کہ اس نوجوان نے رقاصہ کو دبوچ کر خنجر اس کی نازک گردن کے
لگا رکھا ہے اور کہہ رہا ہے "کوئی آگے بڑھا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔" رقا
رنگ فق ہے اور وہ غلاموں کو پرے پرے رہنے کا اشارہ کر رہی ہے اسی حالت
رقاصہ کو اپنے ساتھ گھسیٹ کر گلی میں لے آیا غلام تلواریں ہاتھوں میں لئے۔

ے عالم میں رقاصہ کو دیکھ رہے تھے۔ سامنے اندھیرے میں ایک چھوٹا سا گھوڑے والا
رتھ کھڑا تھا نوجوان نے رقاصہ کو اپنے ساتھ رتھ میں سوار کیا اور گھوڑا اس کی آواز
ایک دم رتھ لے کر گلی میں دوڑ پڑا اس دوران سمیرا بھی اس رتھ میں سوار ہو چکی
تھی وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ نوجوان رقاصہ کو کہاں لے جا رہا ہے۔ گلی سے باہر کشادہ
سڑک پر آتے ہی رتھ ہوا سے باتیں کرنے لگا وہ رتھ کو دریائے نیل کے شمالی سنسان
کنارے پر لے آیا یہاں پہنچ کر اس نے رتھ کو روک کر رقاصہ کو نیچے اتارا اور
ے دھکا دے کر زمین پر گرایا اور خنجر کی نوک اس کی گردن پر رکھ کر غضبناک لہجے
میں بولا۔ "تم نے میری زندگی کو برباد کر دیا میرے آباؤ اجداد کی زمینیں اور میرے
مرحوم باپ کے قیمتی آلات جراحی' سب کچھ مجھ سے چھین لیا اور پھر مجھے ذلیل کر کے
اپنے غلاموں سے گھر سے باہر پھنکوا دیا میں اپنی محبت کی ناکامی برداشت کر لیتا مگر اپنی
ت برداشت نہیں کر سکتا میں تم سے اپنی ذات کا بدلہ لے رہا ہوں۔ میں تمہیں زندہ
نہیں چھوڑوں گا۔"

رقاصہ موت کے خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی نوجوان اسے قتل کرنے ہی لگا
تھا کہ سمیرا نے اس کے ہاتھ سے خنجر چھین کر پرے پھینک دیا اور ان کی زبان میں
کہا۔ "اس کی جان مت لو' یہ ظلم ہو گا۔"

اپنے قریب ہی کسی غیبی عورت کی آواز سن کر رقاصہ اور وہ غضب میں آیا ہوا
نوجوان' دونوں حیرانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگے سمیرا نے کہا۔ "مجھے تم دیکھ
نہیں سکو گے' مگر میں تمہارے پاس ہی کھڑی ہوں اس عورت کو چھوڑ دو یا رکھو۔
عورت چاہے تم پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے اس پر کبھی ہاتھ مت اٹھانا اس کو واپس
جانے دو۔"

وہ دونوں یہی سمجھے کہ یہ کسی دیوی کی آواز ہے جو وہاں اچانک پہنچ گئی نے
نوجوان نے رقاصہ کو چھوڑ دیا سمیرا نے رقاصہ سے کہا۔ "یہاں سے چلی جاؤ۔"
رقاصہ ڈری ہوئی تھی جان بچ جانے پر اس نے دیوی کا ہاتھ باندھ کر شکریہ ادا
کیا اور رتھ میں سوار ہو کر وہاں سے چلی گئی خوش وضع نوجوان ستاروں کی دھندلی
روشنی میں رتھ کو واپس جاتے دیکھتا رہا پھر گردن کو موڑ کر اس جانب دیکھنے لگا جدھر

سے اسے سمیرا کی آواز آتی سنائی دے رہی تھی۔ "دیوی! اس عورت نے میری زندگی برباد کر دی تھی میں جو اتنا عزت دار اور دولت مند تھا اب اس قابل بھی نہیں رہا کہ سر چھپانے کے لئے ایک جھونپڑی ہی خرید سکوں۔"

سمیرا نے کہا۔ "تم نے اپنی زندگی خود برباد کی ہے اس عورت نے صرف وہ خنجر تمہارے سینے پر چلایا ہے جو خود تم نے اس کے ہاتھ میں دیا تھا اور اسے کہا تھا کہ اس خنجر سے مجھے ہلاک کر ڈالو اپنے گناہوں کی سزا اس رقاصہ کو مت دو جاؤ اور جو زخم تم نے اپنے جسم پر لگائے ہیں انہیں مندمل کرنے کی کوشش کرو۔"

نوجوان بڑے ادب سے گھٹنوں کے بل جھک گیا ہاتھ باندھ لئے اور بولا۔ دیوی اشتر! تم نے مجھے عین وقت پر آ کر ایک بہت بڑے گناہ سے بچا لیا ہے میں تیرے آگے سجدہ کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر نوجوان سجدے میں گر گیا۔ سمیرا نے کہا۔ میں دیوی اشتر نہیں ہوں۔ مجھے سجدہ مت کرو۔ اگر میں کوئی دیوی بھی ہوتی تو بھی صرف خدائے واحد کے حضور کیا جاتا ہے اٹھو مجھے گناہ گار مت کرو۔"

نوجوان نے سر اٹھا لیا اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"خدائے واحد۔۔۔۔" وہ بولا "خدائے واحد تو شمس ہے، سورج ہے۔ لوگ یہی کہتے ہیں۔"

سمیرا نے کہا۔ "نہیں خدائے واحد وہ ہے جس نے سورج کو پیدا کیا ایک اربوں سورجوں کو پیدا کیا ہے۔"

"کیا ہمارے سورج کے علاوہ بھی کوئی سورج ہے۔"

"ہاں۔۔۔۔" سمیرا بولی۔ "ہزاروں لاکھوں اربوں سورج ہیں جو اس کا کے ان گنت شمسی نظاموں میں اپنے سیاروں کے ساتھ گردش کر رہے ہیں۔"

نوجوان نے سر جھکا دیا۔ "دیوی! یہ باتیں صرف تم ہی سمجھ سکتی ہو میں سمجھ سکتا۔"

اس نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "تم کہاں رہتے ہو؟ کیا تمہارے بال بچے بھی ہیں؟"

نوجوان بولا۔ "میری صرف ایک بیوی ہے وہ مجھ سے بڑا پیار کرتی ہے

ں رقاصہ کی زلف گرہ گیر کا شکار ہو گیا اور اپنی بیوی کو بھلا دیا۔"

سمیرا نے کہا۔ "کیا تم واپس اپنی بیوی کے پاس جاؤ گے؟"

"ہاں۔۔۔۔ مگر کیا وہ مجھے معاف کر دے گی؟ کیا وہ مجھے وہ محبت دے سکے گی بھی مجھ پر صبح و شام نچھاور کیا کرتی تھی؟"

سمیرا نے کہا۔ "اگر وہ اچھی بیوی ہے تو تمہیں ضرور معاف کرے گی تمہیں ی چاہئے کہ اپنی بیوی کی خدمت کرو جو ایثار وہ تمہارے لئے کر سکتی ہے دنیا کی کوئی رت نہیں کر سکتی۔"

نوجوان نے تعظیم کے ساتھ سر جھکا کر کہا۔ "میں ایسا ہی کروں گا دیوی۔"

سمیرا ہنس پڑی۔ "میں دیوی نہیں ہوں۔"

"پھر تم کون ہو؟" نوجوان نے سوال کیا۔

سمیرا نے کہا۔ "اگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں کون ہوں تو تمہیں کبھی یقین نہیں آئے گا اسی لئے تمہارا یہ سوال پوچھنا بیکار ہے۔ چلو میں تمہارے ساتھ ہارے گھر تک چلتی ہوں میں تمہاری بیوی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

نوجوان دریا کے ساتھ چل پڑا اور کچھ دور چلنے کے بعد ایک پل آ گیا اس نے ل کو پار کیا سامنے ایک چھوٹی سی بستی تھی جو رات کے اندھیرے میں سو رہی تھی وجوان نے ایک پختہ، ایک منزلہ مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا بے چاری وفا شعار بیوی جاگ رہی تھی اس نے پوچھا کون ہے؟ نوجوان نے اپنا نام بتایا اسی وقت دروازہ کھل گیا چھوٹے سے کمرے میں چراغ روشن تھا ایک دبلی پتلی خوش شکل لڑکی شب خوابی کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ایک طرف ہٹ کر کھڑی تھی نوجوان نے آگے بڑھ کر اپنی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بولا۔ "مجھے معاف کر دو ناسیا۔۔۔۔ میں اب تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"

نوجوان لڑکی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

سمیرا ان دونوں میاں بیوی کو وہیں چھوڑ کر دریا کی طرف آ گئی وہ سوچ رہی تھی کہ تین ہزار سال گزرنے پر بھی انسان کی عادات و خصائل میں بڑی تھوڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے رات کی شبنمی فضاء میں دریائی سرکنڈوں کی ٹھنڈی خوشبو بسی ہوئی تھی

سمیرا واپس اپنے نخلستان کی طرف چلنے لگی۔ دن اسی طرح گزرتے چلے گئے آخر وہ بھی آ گیا جس کی شام کو سورج غروب ہونے کے بعد خدا پرست شہید کی روح کو ا سے ملنے آنا تھا اس دوران سمیرا بھی اس قدیم دور میں رہتے رہتے بیزار ہو گئی اور اپنے زمانے میں اپنے ملک پاکستان واپس جانے کو بے تاب تھی۔

نخلستان میں کچھ مسافر سہ پہر تک بیٹھے رہے پھر جب سورج غروب ہو گیا ت بھی شہر کی طرف چل دیئے اب نخلستان میں سوائے سمیرا کے اور کوئی دوسرا ا نہیں تھا وہ شمالی کنارے والے درختوں کی طرف آ گئی یہاں مٹی کا ایک چھوٹا سا چ بنا ہوا تھا درختوں کے پیچھے کھلے صحرا میں سورج غروب ہو چکا تھا اور شفق کی ر آہستہ آہستہ قرمزی رنگ اختیار کر رہی تھی صحرا میں اور سمندر میں سورج غروب جانے کے بعد شفق کی روشنی کافی دیر تک باقی رہتی ہے۔ جب یہ سرخی بھی ن رنگت اختیار کرنے کے بعد رات کی اولین سیاہی میں تبدیل ہو گئی تو سمیرا بے سے ادھر ادھر دیکھنے لگی اسے شہید کی روح کا انتظار تھا۔ وہاں بڑی گہری خاموشی اس خاموشی میں صرف چشمے کے پانی کی آواز آ رہی تھی۔ درختوں میں اگر پرندے تھے تو وہ بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں خاموش بیٹھے تھے کچھ دیر بعد در کے کنارے جہاں صحرا شروع ہوتا تھا سفید سی روشنی ہوئی سمیرا کی آنکھیں اس پر مرکوز ہو گئیں وہ سمجھ گئی کہ خدا پرست شہید کی روح آ گئی ہے روشنی آہستہ بڑھ رہی تھی پھر وہ درختوں میں سے گزرتی سمیرا سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئ نے کہا۔ "کیا تم خدا پرست شہید کی روح ہو؟"

اسے خدا پرست نوجوان کی بڑے صاف آواز سنائی دی۔ "ہاں میں اسی کی روح ہوں جس نے خدائے واحد کی راہ میں اپنی جان دی تھی میں نے تم سے کیا تھا کہ میں تمہیں ایک ایسے شخص کے پاس بھجوانے کے لئے آؤں گا جو واپس تمہاری دنیا میں سلمان کے پاس پہنچانے میں تمہاری مدد کرے گا۔"

"ہاں-----" سمیرا بولی۔ "میں سات دن سے تمہارا انتظار کر رہی تھی"

شہید کی روح کی آواز آئی۔ "لیکن اب تمہیں اس شخص کے پاس ؟ ضرورت نہیں رہی۔"

"تو کیا-----" سمیرا نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا میں واپس اپنی دنیا میں نہیں جا سکوں گی؟"

شہید کی روح نے کہا۔ "یہ تو خدا کی مرضی ہے کہ تم واپس اپنی دنیا میں جاؤ۔ تم خدا کی مرضی سے اپنی دنیا میں جاؤ گی فرق صرف اتنا پڑا ہے کہ اب میں ہی تمہیں تمہاری دنیا میں واپس پہنچانے کا ذریعہ بنوں گا۔"

سمیرا بڑی خوش ہوئی پھر اسے یاقوت کا خیال آ گیا اس نے سوال کیا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم یاقوت کے بارے میں بھی مجھے بتاؤ گے کہ وہ کس طرح شیطانی طاقت کے اثر سے نجات حاصل کر سکے گا۔"

شہید کی روح نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "یہ خدا کا حکم ہے اس میں دنیا کی کوئی طاقت دخل نہیں دے سکتی یاقوت اپنے وقت پر شیطانی قوتوں کے چنگل سے نکل آئے گا تم اس کی فکر نہ کرو صرف تم سلمان کے پاس واپس جانے کے لئے تیار ہو جاؤ کیا تم تیار ہو؟"

سمیرا نے فوراً کہا۔ "کیوں نہیں----- میں تو اپنی دنیا اپنے ملک میں واپس جانے کو بے تاب ہوں۔"

شہید کی روح نے سمیرا کو خبردار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم شاید بھول گئی ہو میں نے تمہیں کہا تھا کہ سلمان اس وقت ایک ایسے ملک میں قید ہے جو تمہارے ملک کا دشمن ہے اس اعتبار سے تم اپنے ملک میں نہیں بلکہ دشمن ملک میں پہنچو گی وہاں تمہارے گرفتار ہونے کا بھی خطرہ قدم قدم پر ہو گا اب تم اگر چاہو تو میں تمہیں تمہارے ملک پاکستان بھی پہنچا سکتا ہوں۔ لیکن ایسی صورت میں تم سلمان کی کوئی مدد نہیں کر سکو گی۔"

سمیرا نے کہا۔ "میں سلمان کی مدد کرنا چاہتی ہوں تم مجھے اس کے پاس پہنچا دو۔ میں غیبی حالت میں سلمان کی مدد کر سکوں گی اسے دشمنوں کی قید سے نکال کر پاکستان لے جا سکوں گی۔"

شہید کی روح نے کہا۔ "اس سلسلے میں ایک مشکل تمہیں ضرور پیش آئے گی۔"

"وہ کیا؟" سمیرا نے جلدی سے پوچھا۔

شہید کی روح نے بتایا۔ "تم جس طلسم یا جیسی بھی ماورائی طاقت کی گرفت میں ہو اس کی گرفت تمہاری اپنی دنیا میں پہنچنے کے ساتھ ہی سست پڑنی شروع ہو جائے گی اور کچھ وقت کے بعد تم اپنے آپ ظاہر ہو جاؤ گی اور اس کے بعد تم ایک عام عورت کی حیثیت میں واپس آ جاؤ گی اور ہو سکتا ہے کہ یہاں کے سارے واقعات تمہارے ذہن سے صاف ہو جائیں۔"

سمیرا متفکر ہوئی یہ انکشاف ایسا تھا جو دشمن کے ملک میں سمیرا کے لئے بہت بڑی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا تھا مگر وہ سلمان کو دشمنوں کے نرغے میں بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی خاص طور پر جب اس پر تشدد بھی کیا جا رہا ہو اس نے کیا۔ "لیکن میں دشمنوں کے ملک میں کچھ دن تو غائب رہ سکوں گی؟"

شہید کی روح نے جواب دیا۔ "اس بارے میں کچھ بھی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا یہ ایک خطرہ مول لینے والی بات ہے اگر تم اس کے لئے تیار ہو میں سلمان کے قریب پہنچا سکتا ہوں۔" میرا سلمان کی خاطر' اپنی محبت کی خاطر یہ خطرہ لینے پر تیار ہو گئی اس نے پر عزم لہجے میں کہا۔ "میں یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہوں مجھے سلمان کے پاس پہنچا دو آگے جو ہو گا میں اسے اپنے خدا کے سپرد کرتی ہوں میرے خدا کی رضا' وہی میری رضا۔"

شہید کی روح کو حقیقی مسرت کا احساس ہوا کیونکہ خدا کی رضا میں اپنی گم کر دینا ہی دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی مسرت ہے شہید کی روح نے میں ایک اور بات تمہیں بتانا چاہتا ہوں ایک بار دشمن کے ملک میں پہنچ جانے میں بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔"

سمیرا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "جب میں نے خدا کی رضا میں اپنی رضا دیا ہے تو پھر مجھے سوائے خدا کے اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں خدا میری مدد گا تم مجھے میری دنیا میں لے چلو۔"

شہید کی روح بڑی خوش ہوئی اس نے کہا۔ "میری بہن خدا تمہارے ارادے محکم کو قائم رکھنے میں تمہاری مدد کرے اب واپس اپنی دنیا میں جانے کے لئے

جاؤ تم دشمن کے ملک میں ہو گی وہ ملک کون سا ہو گا؟ یہ تم خود معلوم کرو گی۔ میں نہیں صرف سلمان کے پاس پہنچا رہا ہوں اپنی آنکھیں بند کرو اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا۔"

سمیرا نے آنکھیں بند کر لیں اسے یوں محسوس ہوا جیسے بائیں جانب سے بڑی لطیف ہوا جو کبھی گرم ہو جاتی ہے اور کبھی ٹھنڈی ہو جاتی ہے اس کے چہرے کو چھو کر گزر رہی ہے اس کے اندازے کے مطابق یہ کیفیت چند سیکنڈ تک ہی رہی ہو گی کہ اس کے کانوں میں خدا پرست شہید کی بڑی زور سے آواز آئی۔ "آنکھیں کھول دو۔" سمیرا نے آنکھیں کھول دیں اس نے اپنے آپ کو ایک تنگ کوٹھری میں پایا جس کی دیوار کے ساتھ ایک کمزور روشنی والا بلب جل رہا تھا اس کے ساتھ سمیرا کی نگاہ سلمان پر پڑی جو اس حالت میں کمرے کے وسط میں کھڑا تھا کہ اس کے دونوں بازو ایک رسے کی مدد سے اوپر کو اٹھا دیئے گئے تھے اور دونوں ٹانگوں میں بھی ایک بانس بندھا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا اس کی گردن ڈھلکی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا سمیرا کا دل سلمان کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اچانک سلمان کو بلانے پر اس پر کیا اثر پڑے گا بے قرار لپک کر سلمان کے پاس گئی۔ "سلمان ۔۔۔۔! میرے خدایا تمہاری کیا حالت ہو گئی ہے۔" سلمان پر اگرچہ دو روز سے مسلسل تشدد ہو رہا تھا اور وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا لیکن سمیرا کی آواز نے اس کے اندر زندگی کی ایک نئی طاقت بیدار کر دی اس نے آنکھیں کھول دیں اور سر اٹھا کر دیکھا اسے سمیرا نظر نہ آئی سمیرا اس کے چہرے پر ہاتھ پھیر رہی تھی مگر سلمان کو اس کا بالکل احساس نہیں ہو رہا تھا سمیرا نے جلدی سے کہا۔ "سلمان! میں تمہارے پاس ہوں میں تمہیں یہاں سے نکالنے آئی ہوں خدا نے ہماری مدد کی ہے ہم اب واپس پاکستان چلے چلیں گے۔"

سلمان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں چہرے پر خوف کا تاثر تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کوئی بھوت بدروح وغیرہ ہے جو سمیرا کی آواز میں اسے بلا رہا ہے سمیرا کو اس کی حالت اور ردعمل کا پورا احساس تھا کہنے لگی۔ "سلمان ۔۔۔۔! یقین کرو یہ میں ہی ہوں سمیرا۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن کچھ عرصے بعد دیکھ سکو گے یہ بڑی لمبی کہانی

ہے پھر سناؤں گی اس وقت تمہیں یہاں سے نکالنا ضروری ہے۔" سیمرا نے بڑ جلدی سلمان کی تمام رسیاں کھول دیں سلمان کو کچھ یقین آنے لگا کہ یہ سیمرا ہی مگر یہ نظر کیوں نہیں آتی۔ یہ خیال اس پر دہشت طاری کئے ہوئے تھے وہ لڑ فرش پر بیٹھ گیا۔

"تم کیسے آ گئی ہو؟ تم کو غائب کس نے کیا؟ یہ ناممکن ہے ضرور ـــــ ضرور کوئی بد روح ہو۔"

"خدا کے لئے ایسی باتیں نہ سوچو میں سیمرا ہی ہوں مجھے بتاؤ یہاں سے با کا کون سا راستہ ہے وہ دروازہ کس طرف کو جاتا ہے۔"

تشدد اور اذیتیں سہنے کی وجہ سے سلمان کی آواز کمزور ہو گئی تھی جسم نقاہت طاری تھی کہنے لگا۔ "ادھر ـــــ ادھر دروازہ ہے ایک تنگ راستہ ڈیوڑھی میں جاتا ہے۔"

سلمان اپنی ٹانگوں کو دبانے لگا سیمرا تیزی سے بند دروازے سے باہر گزر ایک چھوٹی سی پرانی گیلری تھی جس کی ایک جانب سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا دوازے پر تالا پڑا تھا گیلری کے نیچے دو سنتری کے بالکل سامنے روشن بلب کے نیچے بینچ پر بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے ان کی پاس ہی پڑی تھیں۔

سیمرا نے دروازے پر پڑے ہوئے تالے کو اپنے ہاتھ میں لے کر زور لگا کر اس طریقے سے اپنی طرف کھینچا کہ اگر وہ کھل جائے تو اس کی آواز پیدا نہ ہو۔ تالا تو نہ کھلا مگر کنڈا اپنی جگہ سے اکھڑ گیا۔ سیمرا نے اسے وہیں آہستہ سے ایک طرف لٹکا دیا اور دروازے کے کواڑ کو بڑی نرمی سے ایک طرف کھسکایا۔ تاکہ آواز نہ ہو۔ یہ رات کا وقت تھا موسم سردی کا تھا۔ مگر سیمرا کو سردی بالکل نہیں لگ رہی تھی۔ لیکن یہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ دسمبر کے شروع کی تاریخیں ہیں۔ نیچے پہرے دار سنتریوں نے بھی گرم وردیاں پہنی ہوئی تھیں۔ سلمان صرف کھدر کی موٹی قمیض اور پاجامے میں تھا اور اسے سردی لگ رہی تھی۔ دروازہ بڑی معمولی سی آواز کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ اندر جاتے ہی سیمرا نے سلمان سے کہا۔ "نیچے دو سپاہی پہرہ دے رہے ہیں"

سلمان سردی کے احساس کو کم کرنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں سے بازوؤں کو گرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب وہ خود دبے پاؤں دروازے کی طرف گیا اور گردن تھوڑی سی آگے کر کے گیلری سے نیچے دیکھا اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔ سیمرا نے آہستہ سے پوچھا۔ "یہاں سے باہر جانے کا کون سا راستہ ہے؟" سلمان نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ صرف گردن ذرا ہلائی اور اشارہ کیا کہ نیچے پہرہ داروں کا کیا ہو گا۔ سیمرا نے سلمان کے کان کے قریب منہ لا کر کہا۔ "میں نیچے جا رہی ہوں۔ تم چند لمحوں کے بعد میرے پیچھے چلے آؤ۔" سیمرا اندھیری سیڑھیاں

اترنے لگی۔ آخری سیڑھی پر روشنی ہو رہی تھی۔ یہ باہر جلتے بلب کی روشنی
سمیرا کو اسی روشنی سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ خطرہ سلمان کو تھا جسے دیکھا جا سکتا
وہ زینے کے اوپر ہی ایک طرف اندھیرے میں کھڑا تھا۔ یہاں سے اسے دونوں
بینچ پر بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ اصل میں یہ کوئی باقاعدہ جیل نہیں تھی بلکہ
سینٹرل پولیس اسٹیشن کی پرانی بلڈنگ تھی جس کی دوسری منزل پر سلمان کو
کے لئے رکھا گیا تھا۔ نیچے دو سنتری رات کے وقت بھی پہرہ دیتے تھے مگر چونکہ
معلوم تھا کہ ملزم رسیوں سے بندھا ہوا ہے اور دروازے پر باہر سے موٹا تالا
ہے اس لئے سنتری قدرتی طور پر اتنے زیادہ چوکس اور محتاط نہیں تھے۔ سمیرا
سب سے پہلے اس جگہ کے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ وہ دونوں سنتریوں کے قریب
گزر گئی۔ ایک سنتری سگریٹ کا کش لگاتے لگاتے رک گیا اور اپنے ساتھی کی
دیکھتے ہوئے بولا۔ "رامو! مجھے ایسے لگا ہے کہ کوئی قریب سے گزر گیا ہے۔"

دوسرا سنتری ہنس پڑا۔ "لگتا ہے تم پر کل کی بوٹی کا ابھی تک اثر ہے۔"

پہلے سنتری نے یوں سر ہلا دیا جیسے اسے یقین ہو گیا ہو کہ یہ کل کی
بھنگ کا اثر ہی تھا۔ ذرا آگے جا کر سمیرا نے دیکھا کہ اس عمارت کے گرد ایک
تھا جس کی دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔ وہاں کوئی بھی ایسے شواہد نہ ملے جس
ثابت ہو کہ یہ کوئی جیل ہے۔ ایک جگہ کونے میں تختی لگی تھی جس پر انگر
ہندی میں لکھا تھا۔ "اسٹور پولیس اسٹیشن۔" وہ سمجھ گئی کہ یہ شہر کا کوئی بڑا
اسٹیشن ہے۔ پیچھے پولیس اسٹیشن کا ایک عقبی گیٹ تھا جس کا کوئی دروازہ
یہاں سمیرا نے پہلی دفعہ اتنی دیر کے بعد کسی ماڈرن شہر کی جگمگاتی ہوئی
دیکھیں تو اسے یقین ہوا کہ وہ تین ہزار سال پرانے زمانے سے نکل آئی ہے۔
سے واپس سیڑھیوں میں آ گئی۔ سلمان اسی جگہ اندھیرے میں ایک زینے پر
ہو کر بیٹھا ہوا تھا اسے سردی بھی لگ رہی تھی۔ سمیرا نے آہستہ سے کہا۔
کے جنوب میں گیٹ کھلا ہے۔ وہاں کوئی چوکیدار بھی نہیں ہے۔ تمہیں اب
کام لینے کی ضرورت ہے۔ یہی موقع ہے میں ان دونوں کی سنتریوں کی رائف
کر سکتی ہوں۔"

سلمان نے بڑی جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا اور سرگوشی میں کہا۔ "رائفلیں
ہیں تو وہ شور مچا دیں گے۔ کیا تم انہیں کسی طرح یہاں سے پرے نہیں ہٹا
؟ پھر میں بھاگ کر گیٹ سے باہر پہنچ جاؤں گا۔"

سمیرا کا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اسے یاد آ گیا کہ ان میں سے ایک سنتری
رامو ہے۔ دوسرے سنتری نے اسے اسی نام سے پکارا تھا۔ سمیرا نے سلمان کے
میں سرگوشی کی۔ "میں انہیں دوسری طرف لے جاتی ہوں۔ جوں ہی وہ یہاں سے
ں تم بھاگ کر سڑک پر چلتے رہنا۔ میں جاتی ہوں۔" یہ کہہ کر سمیرا زینہ اتر کر
وں کے قریب سے ہو کر بائیں جانب جو بلڈنگ کا دوسرا بلاک تھا اسی طرف چلی
۔ وہاں کوئی چوکیدار وغیرہ نہیں تھا۔ بلاک کی دوسری منزل میں روشنی ہو رہی
۔ علاقہ خالی تھا۔ سمیرا سنتریوں کی طرف چند قدم چل کر آگے گئی اور پھر گھبرائی
مگر کم اونچی آواز میں کہا۔ "رامو! مجھے بچاؤ۔ رامو مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔"

عورت کی آواز اور اپنا نام سن کر رامو ایک دم رائفل پکڑ کر کھڑا ہوا۔ "یہ
ا ہے؟" دوسرے سنتری نے بھی کسی عورت کی گھبرائی ہوئی آواز سن لی تھی۔

"یہ تیرا نام لیتی ہے۔ جلدی چلو۔ اسے کچھ ہو گیا ہے۔"

سمیرا بار بار رامو کو آواز دے کر بلا رہی تھی۔ رامو اور دوسرا سنتری دوسرے
کی طرف دوڑے۔ جوں ہی زینے کے سامنے والا بینچ خالی ہوا سلمان سیڑھیوں
،ہاں سے نکل کر اندھیرے میں سے گزر کر گیٹ کی طرف بھاگا۔ گیٹ سے باہر
تے ہی وہ سڑک کے کنارے کنارے تیز تیز چلنے لگا۔ دونوں سنتری بلڈنگ کے
سرے بلاک کے سامنے پہنچ کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ "
ے آواز تو میں نے بھی سنی تھی رامو! اس نے تیرا نام لیا تھا۔"

"پھر وہ کہاں چلی گئی؟ اپنے دھوبی کی بیوی تو نہیں تھی؟"

رامو نے ایک دو بار پکارا۔ "اری کہاں چلی گئی ہو؟"

اتنے میں اوپر والی منزل کے برآمدے میں سے کسی سنتری کی آواز آئی۔ "
ے کس کو آوازیں دے رہے ہو۔ جاؤ جانگلی کی اولاد اپنی ڈیوٹی پر جا کر بیٹھو وہ
مہارا باپ پاکستانی جاسوس فرار ہو گیا تو تم دونوں کی نوکری جائے گی۔"

رامو اور دوسرا سنتری "ٹھیک ہے صاحب۔" کہہ کر واپس زینے کے آگے بینچ پر آ کر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے وہ عورت چلی گئی؟ انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ جس نوجوان کو انہوں نے پاکستانی جاسوس اوپر بند کر رکھا تھا وہ فرار ہو چکا ہے۔

سلمان فٹ پاتھ پر درختوں کے نیچے اندھیرے میں تیز تیز چلا جا رہا تھا۔ کے کپڑے کھدر کے تھے اور یہ جیل کے قیدیوں کی وردی نہیں تھی ورنہ راہ دکا راہ گیر اسے پہچان لیتے۔ سیمرا سلمان کے قریب آ گئی۔

"اب ہمیں کدھر جانا ہے؟ یہ کون سا شہر ہے؟"

سلمان تیز تیز چل رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "پہلے یہاں سے نکل چلیں۔ پھر سوچیں گے ویسے یہ دہلی شہر ہے۔ پولیس کو میرے فرار کا علم کسی وقت بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں کی پولیس بڑی ہوشیار ہے۔ ان کے پاس وسائل بھی بہت ہیں۔ وہ علاقے کی ناکہ بندی کر دیں گے۔" سیمرا کو ایک فکر یہ بھی لگی ہوئی تھی کہ وہ کسی بھی وقت ظاہر ہو سکتی تھی۔ ایک طرح سے اس کی غیبی حالت سے ظاہری حالت میں آنے کی الٹی گنتی شروع ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنے غیب میں رہنے کی صلاحیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلمان اور خود کو بھی جتنی جلدی ہو سکے پولیس کی دسترس سے باہر لے جائے۔ دہلی شہر میں وہ پہلی بار آئی تھی۔ سلمان کے لئے بھی ایک اجنبی شہر تھا۔ رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ سڑکوں پر گاڑیاں وغیرہ چل رہی تھیں۔ وہ ایک بارونق علاقے میں آ گئے جہاں کوئی شاپنگ مارکیٹ تھی۔ دکانوں کے باہر گاڑیاں کھڑی تھیں۔ پولیس کے سپاہی ادھر ادھر چکر لگا رہے تھے۔ ایک پولیس کی گاڑی دیکھ کر سلمان دوسری چھوٹی سڑک کی طرف مڑ گیا۔

"سیمرا؟" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں نے پولیس کی گاڑی دیکھ لی تھی۔ تم نے اچھا کیا اس طرف مڑ گئے۔ مگر سلمان! ہمیں جلد کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جانا چاہئے۔ یہ شہر ختم ہونے میں نہیں آتا۔"

سلمان بولا۔ "میں خود یہاں اجنبی ہوں۔" سیمرا نے پوچھا۔ "تمہیں یہاں لایا تھا۔" سلمان نے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں صبح گھر سے نکل کر کالج کی طرف جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میری گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ جب ہوش آیا تو میں اس شہر کے ریلوے اسٹیشن کے اندر پلیٹ فارم پر موجود تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا حادثہ گزر گیا ہے۔ میرا ذہن جیسے ماؤف ہو گیا تھا۔ ابھی میں اپنے آپ کو سنبھال ہی رہا تھا کہ کسی نے مجھے پیچھے سے دھکا دے کر بلند آواز میں کہا۔ اسے گرفتار کرو یہ پاکستانی تخریب کار ہے۔ اسے پکڑ لو۔ اسے پکڑ لو۔ پولیس کے دو سپاہی میری طرف لپکے۔ میں باہر کو بھاگا۔ مگر انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور پھر——"

ایک آدمی قریب سے گزرا تو سلمان کو اپنے آپ سے باتیں کرتا دیکھ کر رک گیا۔ پھر افسوس کے ساتھ سر ہلایا اور آگے چل دیا۔ اسے شاید دکھ ہوا تھا کہ اتنا خوش شکل نوجوان پاگل ہو گیا ہے۔ اسے سیمرا اور سلمان نے بھی محسوس کیا۔ سیمرا نے کہا۔ "اونچی آواز میں مت بولو۔ یہ باتیں پھر کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں کدھر جانا ہے اور کس طرف جا رہے ہیں؟"

سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "اس شہر میں مسلمان بھاری تعداد میں رہتے ہیں میرا خیال ہے ہمیں اندرون شہر کی طرف جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے ہمیں کسی مسلمان کے گھر پناہ مل جائے۔"

سیمرا نے مشورہ دیا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تمہیں اس وقت ریلوے اسٹیشن پر چلنا چاہئے۔ وہاں مسافر آتے جاتے رہتے ہیں کسی کو شک نہیں پڑے گا۔ پھر منہ اندھیرے وہاں سے شہر کے اندر آ جائیں گے۔ اس وقت تو شہر میں پولیس بھی ہو گی۔ پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔"

سیمرا کو دور سے ریلوے اسٹیشن کے سگنلوں کی نیلی پیلی روشنیاں نظر آئیں تو وہ بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ہم ریلوے اسٹیشن کے پاس آ گئے ہیں۔ وہیں چلو۔" سلمان کو ریلوے اسٹشن پر کچھ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہنے لگا۔ "کہیں پولیس وہاں نہ آ جائے۔"

سیمرا بولی۔ "ایسی بات ہوئی تو ہمیں کم از کم یہ موقع تو مل جائے گا کہ جس

طرف کوئی ریل گاڑی جا رہی ہو گی اس میں سوار ہو جائیں گے۔ اس طرح ہم
باہر نکل سکیں گے۔"

وہ ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔ مسافر خانے میں کئی مسافر بستر بچھائے کمبل
اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ تھرڈ کلاس کا مسافر خانہ تھا اور پلیٹ فارم کے باہر
سلمان ایک طرف کونے میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔ کھدر کے کرتے پاجامے میں اسے
لگ رہی تھی۔ سمیرا کو احساس تھا۔ کہنے لگی۔ "تم یہاں بیٹھو میں تمہارے لئے ک
سے کوئی گرم چادر کمبل یا کوٹ لے کر آتی ہوں۔" سلمان نے کوئی جواب نہ د
سمیرا وہاں سے پلیٹ فارم پر فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں آ گئی۔ یہاں امیر خاندا
عورتیں اور مرد بڑے قیمتی لحاف وغیرہ اوڑھے آرام کر رہے تھے۔ ایک طرف ب
کسی کی گرم مردانہ جیکٹ پڑی تھی۔ سمیرا نے وہ جیکٹ اٹھا لی۔ جیکٹ اس کے
میں آتے ہی غائب ہو گئی۔ مگر وہاں کسی کا اس طرف دھیان نہ گیا۔ تقریباً" سبھی
رہے تھے۔ جیکٹ لے کر سمیرا سیدھی سلمان کے پاس آ گئی۔ اسے جیکٹ
سلمان نے جیکٹ پہن لی۔ سے کافی سکون ملا۔ سردی بہت حد تک دور ہو گئی۔ و
لگا۔ "ایک بات ہے۔ یہاں ہمارا پاکستانی سفارت خانہ ضرور ہو گا۔ ہم ان س
طلب کر سکتے ہیں۔"

سمیرا نے چونک کر کہا۔ "ہاں سلمان! اس کا تو مجھے خیال ہی آیا تھا۔"
کہنے لگا۔ "ہمیں معلوم کرنا پڑے گا کہ پاکستانی سفارت خانہ کہاں ہے۔ مگر یہ تو
بھی ٹیکسی والے سے معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پاکستانی سفارت
والے ہم سے ضرور پوچھیں گے۔ کم از کم مجھ سے ضرور پوچھیں گے کہ م
ہوں۔ میرا پاسپورٹ کہاں ہے۔ اور اگر پاسپورٹ نہیں ہے تو میں انڈیا کیسے آ
کہیں پاکستان پہنچ کر مجھے قید ہی نہ کر دیا جائے۔"

سمیرا نے کہا۔ "اتنی دور کی ابھی مت سوچو۔ ابھی تو اس ملک سے ن
سب سے بڑا مسئلہ ہے۔"

سلمان کو یک لخت امید کی روشنی نظر آ گئی تھی۔ وہ بولا۔ "تو پھر ہ
اپنے سفارت خانے کی طرف چل دینا چاہئے مگر میرے پاس تو ٹیکسی کا کرایہ

سمیرا نے اسے حوصلہ دیا۔ "دیکھا جائے گا۔ پہلے سفارت خانے تو پہنچیں۔ ان لوگوں سے کرایہ لے کر دے دیں گے۔ چلو دوسری طرف سے ٹیکسی اسٹینڈ پر چلتے ہیں۔"

ابھی سلمان اور سمیرا مسافر خانے کی اونچی چھت کے نیچے سے نکلے ہی تھے کہ پولیس کی دو تین گاڑیاں سڑک پر آ کر رک گئیں۔ اس میں سے پندرہ سولہ سپاہی چھلانگیں لگا کر نکلے۔ کچھ سپاہی پلیٹ فارم کی طرف دوڑے اور باقی سپاہیوں نے مسافر خانے کو گھیرے میں لے لیا۔ سلمان وہیں سے پلٹا اور ریلوے لائن کی طرف بھاگا۔ سمیرا نے کہا۔ "آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ پولیس کو تمہارے فرار کا پتہ چل گیا ہے۔ اب اسٹیشن سے باہر نکلنا بہت خطرناک ہو گا۔ پولیس نے اسٹیشن کے سارے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہو گا۔ تم پہچان لئے جاؤ گے۔"

سلمان نے تاروں کا ایک جنگلہ پار کیا اور ریلوے یارڈ میں آ گیا کہنے لگا۔ "اب جو کوئی ریل گاڑی کسی بھی طرف جاتی ملے اسی میں سوار ہو جاتے ہیں۔"

ریلوے یارڈ میں سگنلوں کی روشنیاں ہو رہی تھیں۔ اچانک سمیرا کی نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑی ٹرین پر پڑی جس میں مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈبوں میں روشنی ہو رہی تھی۔ انجن یارڈ میں ایک جگہ کھڑا بار بار وسل دے رہا تھا۔ سمیرا نے سلمان سے کہا۔ "اس کا سگنل ابھی نہیں گرا۔ جلدی سے اس گاڑی میں سوار ہو جاؤ سلمان۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جلدی کرو سگنل ڈاؤن ہو گیا ہے۔"

سلمان ریلوے لائنوں کو جلدی جلدی پار کرنے لگے۔ سگنل ڈاؤن ہو گیا تھا۔ روشنی سبز ہو گئی تھی۔ انجن نے ایک بار وسل دیا اور چھک چھک کرتا پٹڑیوں پر چل پڑا۔

"سلمان جلدی کرو۔ ٹرین چل پڑی ہے۔" ٹرین تھوڑی آگے نکل گئی تھی جب سلمان دوڑ کر اس کے پچھلے ڈبے میں سوار ہو گیا۔ سمیرا پہلے سے پائیدان پر کھڑی خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی۔ جب سلمان ڈبے کے اندر آ گیا تب سمیرا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس ڈبے میں جو تھرڈ کلاس کا تھا اکثر مسافر سو رہے تھے۔ فرش پر سامان

ہی سامان پڑا تھا۔ ایک بوڑھے مسافر نے اونگھتے ہوئے سلمان سے کہا۔ "دروازہ بن
دو۔ ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔" سلمان نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور وہیں
نیچے لگے بندھے ہوئے بستروں اور ٹرنکوں کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ سمیرا دروازے
کھڑکی میں سے سر باہر نکالے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ یوں ہی اس کا وہم تھا کہ کہ
پولیس پیچھے نہ لگی ہو۔ حالانکہ پولیس ریلوے لائن پر کیسے دوڑ سکتی تھی۔ سمیرا سلم
کے ساتھ ہو کر بیٹھ گئی۔ سلمان سمیرا کے جسم کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ اس
سلمان کے کان میں سرگوشی کی۔ "کسی اسٹیشن پر گاڑی رکے گی تو اتر پڑیں گے۔ ہم
اپنے سفارت خانے پر ضرور پہنچنا ہے صرف وہیں ہمیں اس مصیبت سے نجات
سکتی ہے۔"

سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ خفیہ پولیس کے آدمی اپ
سفارت خانے کے آس پاس ضرور پہنچ گئے ہوں گے۔ وہ مجھے سفارت خانے م
داخل ہونے سے پہلے ہی دبوچنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ک
طرف سے کوئی گولی آ کر میرا کام تمام کر دے۔ وہاں ایسے آدمی لگائے گئے ہوں گے
میری شکل پہچانتے ہوں۔ وہ یہ کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ ان کے بیان کے مطابق
کوئی دشمن تخریب کار جان بچا کر اپنے ملک کے سفارت خانے میں پہنچ جائے۔"

سمیرا نے غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ سلمان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ و
آہستہ سے بولی۔ "سلمان! اگر تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ تو تم غائب ہو سکتے
ہو۔ پھر ہم آسانی سے بغیر کسی خطرے کے سفارت خانے کی حدود میں داخل ہو سکیں
گے۔"

سلمان نے کہا۔ "تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟ بھلا میں کیسے غائب ہو سکتا ہوں۔"

سمیرا نے سرگوشی کی۔ "ابھی خاموش رہو۔ یہ وقت آنے پر دیکھ لیں گے۔ وہ
کونے والا مسافر ہمیں دیکھ رہا ہے۔ شاید اسے محسوس ہو گیا ہے کہ تم کسی سے باتیں
کر رہے ہو۔" سلمان خاموش ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے اسے نیند آ
رہی ہو۔ مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

ریل گاڑی نے دہلی شہر کے مضافات میں سے گزرتے ہوئے رفتار پکڑی تھی۔

نے ٹرین کی رفتار سے اندازہ لگایا کہ یہ کوئی میل ٹرین ہے اور شاید ہی اگلے
ن پر رکے اور ایسا ہی ہوا۔ ٹرین شمال کی طرف جا رہی تھی۔ دہلی سے نکلتے ہی
پہلا اسٹیشن آیا تو رکنے کی بجائے ٹرین شور مچاتی دھڑدھڑاتی پوری رفتار کے
پلیٹ فارم پر مٹی اور ردی کاغذ اڑاتی گزر گئی۔ سمیرا نے سوچا کہ اگر یہ میل
ہے تو پھر وہ دہلی سے اپنے سفارت خانے سے بڑی دور نکل جائیں گے۔ انہیں
کے شہروں کے بارے میں بھی کوئی معلومات نہیں ہیں کہ پاکستان کے سفارت
نے یا قونصل خانے کہاں کہاں ہیں۔ اوپر سے پولیس ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔
ٹرین کی رفتار سے پریشان ہو گئی تھی۔ یہی حال سلمان کا بھی تھا۔ وہ کھڑکی کی
دیکھ رہا تھا جس کا شیشہ چڑھا ہوا تھا باہر کا منظر بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ سمیرا نے
ستہ سے کہا۔ "یہ ٹرین کوئی میل ٹرین ہے۔ دہلی کے آگے اس طرف کون سا بڑا
شن ہو گا؟"

سلمان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ "مجھے کچھ
م نہیں۔ میں تو کبھی انڈیا نہیں آیا۔"

ٹرین شور مچاتی، پٹڑیوں کے ٹریک بدلتی اب مین لائن پر آ گئی تھی اور ایک
ل رفتار پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ جب ٹرین کو بغیر رکے تیز رفتاری سے سفر طے
تے کافی دیر گزر گئی تو سلمان کو تشویش ہوئی۔ اس نے دبی زبان میں سمیرا سے
ہا۔ "یہ کہاں جا کر رکے گی سمیرا؟"

سمیرا خود یہی سوچ رہی تھی کہ یہ ٹرین کہاں جا کر رکے گی۔ کہنے لگی۔ "کچھ
ھ میں نہیں آ رہا۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ٹرین کی رفتار ہلکی ہوئی اور کسی شہر کے مضافات کی
شنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ کون سا شہر ہے۔ اس بارے میں سمیرا اور سلمان کو کچھ
لوم نہیں تھا۔ انہیں اس وقت صرف ایک ہی پریشانی تھی کہ کہیں آگے پلیٹ فارم
پولیس موجود نہ ہو۔ کیونکہ دہلی پولیس اسٹیشن سے ان کے خیال کے مطابق ایک
رناک دشمن ملک کا جاسوس فرار ہو گیا تھا اور ظاہر ہے کہ اردگرد کے شہروں کی
لیس کو چوکس کر دیا گیا ہو گا اور اسٹیشن پہنچتے ہی گاڑی کی تلاشی لی جائے گی۔

سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ سلمان ابھی تک انہیں کپڑوں میں تھا جو دہلی پ نے اسے پہنائے تھے۔ اس کا حلیہ وغیرہ بھی ٹیلیفون یا وائرلیس پر دوسرے شہروں کی پولیس کو بتا دیا گیا ہو گا۔ ان کپڑوں میں بھی سلمان بڑی آسانی سے پ سکتا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ دہلی کے پولیس اسٹیشن کا کوئی ایسا کانسٹیبل بھی اس میں سوار ہو گیا ہو جو شکل سے سلمان کو پہچانتا ہو اور اسٹیشن پر پہنچنے کے بعد علاقے کی پولیس گارڈ میں شامل ہو کر مسافروں کی پڑتال شروع کر دے۔ تب سلما بڑی آسانی سے گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ سلمان کے ساتھ بیٹھی سمیرا بھی اسی ق باتیں سوچ رہی تھی۔

ٹرین ایک بڑے شہر کے ریلوے یارڈ میں سے گزرتی ایک کشادہ اور جگ ہوئے پلیٹ فارم پر جا کر رک گئی۔ یہاں سلمان اور سمیرا کے خدشوں کے م پولیس پہلے سے موجود تھی۔ پلیٹ فارم پر سے مسافروں کو ہٹا دیا گیا تھا۔ پولیس سپاہی پلیٹ فارم کی دونوں جانب کھڑے تھے۔ سلمان نے یہ صورت حال دیکھی تو گیا۔ "اب کیا ہو گا؟ کیا کریں؟"

سمیرا نے اسے تسلی دی۔ "گھبرانے سے کچھ نہیں ہو گا۔" سمیرا کے ذہ صرف ایک ہی خیال تھا کہ وہ سلمان کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر ہی یہاں سے نکل ہے۔ دوسری صورت میں سلمان کی گرفتاری یقینی ہے۔ جوں ہی ٹرین رکی۔ پولیس کچھ سپاہی دونوں جانب سے آخری ڈبے کی طرف بڑھے۔ اس آخری ڈبے میں اور سمیرا تھے۔ جو مسافر جاگ پڑے تھے وہ کھڑکیوں سے منہ باہر نکالے پولیس کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ سمیرا نے سلمان سے کہا۔ "جلدی میرے کاندھوں پر بیٹھ جاؤ۔ جلدی کرو۔" سلمان بولا۔ "مگر تم کہاں ہو؟" سمیرا گیا کہ سلمان تو اسے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس نے سلمان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اوپر اٹھایا۔ سمیرا کے ساتھ وہ صرف اسی صورت میں غائب ہو سکتا تھا کہ اس پاؤں زمین سے بے تعلق ہو جائیں۔ سمیرا نے محسوس کیا کہ اسے سلمان کا بوجھ محسوس نہیں ہو رہا۔ اس نے سلمان کو جیسے ہی اوپر اٹھایا اور اس کے پاؤں فرش سے الگ ہوئے وہ بھی غائب ہو گیا۔ کونے والا مسافر جو سلمان کو کافی

گھور کر کچھ مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا اس نے جب اچانک ایک چنگے بھلے زندہ آدمی کو نظروں سے غائب ہوتے دیکھا تو وہ ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ دوبارہ دیکھا۔ وہ نوجوان وہاں نہیں تھا جو ایک سیکنڈ پہلے کمبل کی بکل مارے ٹرنکوں کے ساتھ ٹیک لگا کر وہاں بیٹھا تھا۔

اتنے میں پولیس کے تین چار سپاہی ڈبے میں گھس آئے تھے اور سوئے ہوئے مسافروں کو اٹھا اٹھا کر ان کے چہرے غور سے دیکھ رہے تھے اور ان سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کہاں سے آ رہے ہیں۔ سمیرا ابھی تک اس ڈبے میں تھی جب پولیس اس مسافر کے پاس آئی جس نے سلمان کو اپنی آنکھوں سے غائب ہوتے دیکھا تو اس نے ٹرنکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں ایک مشتبہ آدمی کمبل لئے بیٹھا تھا۔"

"کہاں ہے وہ؟" سپاہی نے دروازے کی طرف دیکھ کر پوچھا وہ آدمی چہرے پر حیرت کے اثرات دیکھ کر بولا۔ "غائب ہو گیا' میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا مجھے درگاہ دیوی کی سوگند ہے میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے غائب ہوتے دیکھا ہے-----"

سپاہی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر ایک سپاہی نے اپنے سر پر انگلی لگا کر کہا۔ "یہ پاگل اس گاڑی میں کہاں سے آ گیا ہے۔"

اس دوران سمیرا سلمان کو لے کر ٹرین سے اتر گئی تھی۔ اب وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ آگے کی طرف چل رہی تھی۔ سلمان کو اپنا آپ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر وہ اپنے دل کی دھڑکن اور سانس کی آمد و رفت باقاعدہ محسوس کر رہا تھا۔ پہلے اسے وحشت سی ہونے لگی یہ اس کے لئے زندگی کا سب سے انوکھا تجربہ تھا۔ پھر اس نے اپنے ہوش و حواس کو سنبھال لیا۔ اس نے سمیرا سے کہا۔ "ہمیں کسی ڈبے میں دوبارہ سوار ہو جاتے ہیں۔ پولیس کو تو ہم نظر ہی نہیں آئیں گے۔"

سمیرا کہنے لگی۔ "آگے کہاں جائیں گے سلمان؟ میں چاہتی ہوں۔ یہیں سے کوئی دوسری گاڑی پکڑ کر واپس دہلی چلے جائیں وہاں اپنا سفارت خانہ ہی ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ہے۔"

سلمان بولا۔ "دہلی میں پکڑے جانے کا ڈر ہے۔ تم مجھے کب تک کاندھوں پر

اٹھائے اٹھائے پھرتی رہو گی مجھے کسی نہ کسی ضرورت کے لئے تمہارے کندھوں سے
اترنا ہو گا۔"

سمیرا نے کہا۔ "مگر آگے جا کر ہم کیا کریں گے؟"

سلمان کہنے لگا۔ "اسی انوکھے تجربے سے میرے ذہن میں ایک ترکیب آ
ہے۔ ہم کسی کو نظر تو آتے نہیں ہے اور یہ گاڑی شمال کی طرف یعنی پنجاب کی طر
جا رہی ہے۔ جہاں انڈیا کے ملک کی سرحد ختم ہو جاتی ہے اور پاکستان کی سرحد شرو
ہو جاتی ہے ہم اسی طرح بڑی آسانی سے سرحد پار کر کے اپنے ملک پہنچ سکتے ہیں۔"

سمیرا کو یہ تجویز پسند آئی مگر اس میں وہی خطرہ تھا کہ جب کسی ضرورت کے تح
سلمان اس کے کندھوں سے اتر کر ظاہر ہو جائے گا تو وہ پکڑا جا سکتا ہے۔ جب ا
نے سلمان کے آگے اس اندیشے کا اظہار کیا تو وہ کہنے لگا۔ "آگے مشرقی پنجاب ا
پولیس میرے چہرے سے اتنی شناسا نہیں ہے دہلی میں مجھے پہچاننے والے پولیس
سپاہی زیادہ ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم انڈیا پاکستان کے بارڈر کی طرف ہی چلیں یہ بتاؤ
تم مجھے اٹھا کر تھک تو نہیں جاؤ گی؟"

سمیرا نے کہا۔ "ابھی تو مجھے تھکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی آگے کیا ہو گا یہ
نہیں جانتی۔ بہرحال تمہاری تجویز پر ہی عمل کرتے ہیں' چلو ٹرین میں سوار
جائیں۔"

سامنے جو ڈبہ آیا' سمیرا سلمان کو لے کر اس میں سوار ہو گئی۔ پولیس ابھی
ٹرین کی تلاشی لے رہی تھی۔ سمیرا جس ڈبے میں سوار ہوئی تھی وہ بھی تھرڈ کلاس
ڈبہ تھا۔ اس ڈبے کی تلاشی لی جا چکی تھی اور اکثر مسافر دوبارہ کمبل وغیرہ اوڑھ کر
گئے تھے۔ جب ٹرین اسٹیشن سے روانہ ہو کر کافی آگے نکل گئی تو سمیرا نے ڈ
جائزہ لیا اس کے مسافر سو رہے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ سمیرا کی طرف کسی کی
نہیں تھی اس نے آہستہ سے سلمان کو اپنے کندھے سے اتار دیا۔ سلمان ایک دم
ظاہر ہو گیا۔ وہ آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کسی نے اسے غیب
ظاہر ہوتے دیکھا تو نہیں؟ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

ٹرین رات کے اندھیرے میں ایک بار پھر پوری رفتار سے چلی جا رہی

نے میں دو ایک جگہ ٹرین تھوڑی دیر کو رکی مگر وہاں پولیس کہیں نظر نہ آئی۔ اس کا
لب یہی تھا کہ پولیس کو یقین ہو گیا کہ ان کا مفرور ملزم اس گاڑی میں نہیں ہے۔
ی ساری رات ٹرین کا سفر جاری رہا۔ دن نکلا تو سمیرا اور سلمان نے دیکھا کہ
ی ہرے بھرے کھیتوں میں سے گزر رہی تھی۔ کہیں کہیں کھیتوں میں ہل چل رہے
ایک اسٹیشن پر سلمان نے مٹی کے آبخورے میں چائے ڈبے میں منگوا کر ہی پی
ایک بند مکھن کھایا۔ سمیرا نے آہستہ سے کہا۔ "کافی ہاؤس کے سینڈوچز تو ضرور
آتے ہوں گے۔"

سلمان مسکرا دیا۔ کہنے لگا۔ "یہ جو کچھ ہمارے ساتھ گزر رہا ہے مجھے بالکل
ب لگ رہا ہے تم نے مجھے جو اپنی کہانی سنائی ہے وہ بھی ایک خواب ہی کی طرح
یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ہمارے ساتھ ایسا حادثہ کیوں ہوا
؟ وہ کون سی بدروح تھی جس نے مجھے غائب کر کے یہاں دشمن کے ملک میں پہنچا
ر تمہیں ہزاروں سال پیچھے لے گئی؟"

سمیرا نے آہستہ سے کہا۔ "بولو نہیں! کچھ مسافر تمہیں اپنے آپ سے باتیں
نے دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں۔"

سلمان چپ ہو گیا۔ جن مسافروں نے سلمان کو خود کلامی کرتے دیکھا تھا وہ یہی
، کہ بے چارہ پاگل ہے کوئی۔۔۔۔ ٹرین یہاں سے بھی آگے روانہ ہو گئی۔ باہر
پ خوب نکل آئی تھی۔ سرسوں اور کماد کے کھیت گزر رہے تھے۔ سلمان نے
جگہ کھیتوں میں سکھ کسان دیکھے تو آہستہ سے کہا۔ "سمیرا! ہم مشرقی پنجاب میں
ں ہو گئے ہیں۔" سمیرا بھی کھیتوں میں کام کرتے سکھ کسانوں کو دیکھ رہی تھی۔ یہ
ی پنجاب تھا اور اس وقت ٹرین امرتسر شہر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ یہ انڈیا کی شمال
ی سرحد کا آخری بڑا ریلوے اسٹیشن تھا اور ٹرین کو یہاں سے واپس دہلی جانا تھا۔
ن نے ایک مسافر سے پوچھا۔ "یہ کون سا اسٹیشن آ رہا ہے؟" مسافر جو ہندو تھا
نے حیرانی سے سلمان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "تمہیں کہاں جانا ہے' یہ تو امرتسر
رہا ہے۔"

سمیرا چونک سی پڑی' سلمان کو یہ سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس سے شک پڑ

سکتا تھا۔ سلمان نے مسکرا کر کہا۔ "جی ہاں سردار جی مجھے بھی امرتسر ہی جانا ہے۔ میں، میں اس شہر میں پہلی بار آیا ہوں۔"

"کہاں سے آ رہے ہو؟ کیا نام ہے تمہارا؟"

سمیرا کو تشویش ہونے لگی۔ سلمان نے خواہ مخواہ اس مسافر کو اپنے پیچھے ہے، سلمان بولا۔ "میرا نام پرکاش ہے، میں دہلی سے آ رہا ہوں۔ یہاں میری بڑ جی رہتی ہیں۔"

ہندو مسافر کچھ مزید پوچھنے والا تھا کہ انجن نے بڑے زور سے سیٹی بجائی۔ اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ سمیرا اس کے بالکل قریب آ گئی۔ "خدا کے غیر ضروری سوال یہاں کسی سے نہ کرو، کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔"

ٹرین امرتسر اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچ کر رک گئی۔ سمیرا کو یہ دھڑکا تھا کہ شہید کی روح کے مطابق اس پر شیطانی طاقتوں کا جو اثر تھا اور جس کی و وہ غائب ہے وہ اثر کسی وقت بھی ختم ہو سکتا تھا۔ سمیرا اس اثر کے ختم ہو پہلے پہلے انڈیا کا بارڈر پار کر کے سلمان کے ساتھ پاکستان پہنچ جانا چاہتی تھی۔ جسم میں کچھ حرارت سی محسوس کرنے لگی تھی اور سلمان کو جب اس کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا تو اس وقت اسے سلمان کا بوجھ بھی محسوس ہونا شر تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ سمیرا پر شیطانی طاقتوں کے اثر ختم ہو شروع ہو چکا تھا۔

سلمان سمیرا کے ساتھ گاڑی سے نکل کر سامنے پلیٹ فارم پر ایک گئی۔ سمیرا اس کے پاس ہی تھی۔ "میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے میں باہر گا؟"

سمیرا نے ادھر ادھر دیکھا۔ گیٹ پر ایک سکھ ٹکٹ چیکر کھڑا تھا۔ ٹکٹ دے کر باہر نکل رہے تھے سمیرا کہنے لگی۔ "اس کا ایک ہی طریقہ کندھوں پر بیٹھ جاؤ۔"

سمیرا یہ بھی پتہ کرنا چاہتی تھی کہ اب اسے سلمان کا بوجھ محسوس سلمان کو ایک طرف لے گئی جہاں لکڑی کے کریٹ ایک دوسرے کے او

ی کی اونچائی تک گئے ہوئے تھے ان کے پیچھے آتے ہی سمیرا نے سلمان کو اٹھا کر ھوں پر بٹھایا تو اسے سلمان کا بوجھ پہلے سے کچھ زیادہ ہی لگا۔ وہ فکرمند ہو گئی اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتی تھی وہ سلمان کو بھی غیبی حالت میں پلیٹ فارم کے گیٹ ے باہر نکال لے آئی اور سامنے چھوٹے سے پلاٹ میں جو درخت اگے ہوئے ان کے پیچھے جا کر نیچے اتار دیا۔

اس کے بعد سمیرا نے ساری بات سلمان کو بیان کر دی اور کہا۔ "مجھے لگتا ہے میں اب کسی بھی وقت ظاہر ہو جاؤں گی۔ اس لحاظ سے ہمارے پاس زیادہ وقت ہیں ہے۔ میرے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے ہمیں بارڈر کراس کر جانا چاہئے اگر میں ر آنے لگی تو پھر تمہارے ساتھ میں بھی یہاں پھنس جاؤں گی۔ پھر ہمارے لئے یہاں ے نکل جانا ناممکن ہو جائے گا۔"

سلمان بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ سڑک بارڈر کو جاتی ہے ہمیں اس سڑک پر پڑنا چاہئے۔"

سمیرا نے سڑک کا جائزہ لیا یہ کافی چوڑی سڑک تھی اور اس پر بسیں لاریں گے اسکوٹر اور گاڑیاں چلی جا رہی تھی کہنے لگی۔ "مجھے یقین ہے یہی سڑک واہگہ رڈر تک جاتی ہے تم ایسا کرو کہ کسی بس میں سوار ہو جاؤ۔ اس طرح ہم بارڈر کے ی گاؤں تک جلدی پہنچ جائیں گے۔"

سلمان کہنے لگا۔ "میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں ہے، ٹکٹ کہاں سے ریدوں گا؟"

"اس کی تم فکر نہ کرو، میں ابھی آتی ہوں۔ تم اس جگہ بیٹھے رہنا۔"

یہ کہہ کر سمیرا باغیچے میں سے نکل کر سامنے جو عمارتیں تھیں وہاں آ گئی۔ ہاں ایک ہوٹل تھا جس کے کاؤنٹر پر ایک ہندو لالہ ماتھے پر تلک لگائے گرم چادر وڑھے کرسی پر بیٹھا کسی گاہک سے کھانے کے پیسے لے رہا تھا۔ سمیرا اس کے قریب آ ر کھڑی ہو گئی ہندو لالے نے کاؤنٹر کا دراز کھول کر اس میں پیسے رکھے تو سمیرا نے تھ آگے کر کے کچھ کرنسی نوٹ اٹھا لئے۔ ہوٹل کے مالک کو کچھ پتہ نہ چلا کہ اس کے دراز میں سے دس دس کے پچاس نوٹ غائب ہو چکے ہیں۔ سمیرا نے وہ نوٹ لا

کے سلمان کو دیئے اور کہا۔ "یہ اپنے پاس رکھ لو اگر تم نے کھانا کھانا ہے تو یہاں ہوٹل میں کھانا کھالو۔"

سلمان بولا۔ "بھوک تو مجھے لگ رہی ہے مگر تم جو اپنی کیفیت بتا رہی ہو اس کے پیش نظر ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے اگر خدا نہ کرے تم ظاہر ہو گئیں تو ہم بارڈر تو کیا پار کریں گے ہماری لاشیں بھی شاید پاکستان میں نہ جا سکیں گی۔ تم فکر نہ کرو' میں یہاں کسی دکان سے بند مکھن خرید کر کھا لیتا ہوں۔"

سلمان نے ایک سکھ کی چھوٹی سی چائے کی دکان پر سے بند مکھن خریدا لاری اڈے پر آگیا۔ یہاں سے لاریاں انڈیا کے سرحدی قصبے تک جاتی تھیں۔ سلمان نے ٹکٹ خریدا اور ایک لاری میں بیٹھ گیا۔ جب لاری مسافروں سے بھر گئی ڈرائیور اسے لے کر چل پڑا۔ سمیرا سلمان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ سمیرا کو بیٹھنے لئے کسی خالی سیٹ کی ضرورت نہیں تھی وہ جہاں چاہے بیٹھ سکتی تھی۔ لاری بارڈر کی طرف چلی جا رہی تھی تقریباً" سب ہی مسافر سکھ اور دیہاتی قسم کے تھے آپس میں پنجابی زبان میں باتیں کر رہے تھے جو سلمان اور سمیرا کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ یہ ان کی مادری زبان تھی مگر ان معنوں میں ذرا مختلف تھی کہ اس زبان میں گورمکھی اور ہندی زبان کے الفاظ بہت زیادہ تھے۔ لاری کی سیٹیں پیچھے بنی ہوئی تھیں۔ سلمان کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔

سمیرا چونکہ غیبی حالت میں تھی اس لئے اس کا کوئی وزن نہیں تھا وہ سلمان کی گود میں بیٹھی تھی اور سلمان کو اس کا اتنا بھی بوجھ محسوس نہیں ہو رہا تھا جتنا ایک پر کا ہوتا ہے۔ وہ کسی کو دکھائی بھی نہیں دے رہی تھی سمیرا کا ایک ہاتھ اور دوسرا ہاتھ اگلی سیٹ کی پشت پر جو لوہے کی سلاخ لگی تھی اس پر تھا لاری روشن اور نکھری ہوئی دھوپ والی نیم گرم فضاء میں سرحدی گاؤں کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ سمیرا کھڑکی میں سے باہر پیچھے کو جاتے درختوں اور کھیتوں رہی تھی اور دل میں خدا سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ وہ سلمان کو لے کر خیریت پاکستان پہنچ جائے۔ اچانک اس کی نگاہ اپنے اس ہاتھ پر پڑی جو اس نے اگلی

پشت پر رکھا ہوا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک لرز اٹھی اور اس نے اپنا ہاتھ تیزی سے پیچھے کھینچ لیا جیسے اس کے ہاتھ کو سانپ نے ڈس لیا ہو۔ سمیرا کے اس ہاتھ کی درمیان والی دو انگلیاں ظاہر ہو کر نظر آنے لگی تھیں۔ سمیرا کا سر چکرانے لگا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا تھا اور درمیانی والی انگلیوں کو دوسری انگلیوں میں چھپا کر غائب کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر انگلیاں پیچھے بھی نظر آ رہی تھیں۔

سمیرا شاید زندگی میں اتنا پریشان کبھی نہیں ہوئی تھی یہ خیال کر کے اس پر وحشت سوار ہونے لگی کہ اس کے ظاہر ہو جانے کا وقت آگیا ہے۔ اس نے گردن ذرا گھما کر دیکھا ہاتھ کی دونوں انگلیاں باقی غائب انگلیوں کے درمیان صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے وہ ہاتھ سلمان کے کمبل کی بغل میں ڈال دیا۔ سمیرا کی جو دو انگلیاں ظاہر ہو چکی تھیں ان کا اپنا پورا لمس بھی تھا اور بوجھ بھی تھا۔ سلمان کو یوں لگا جیسے اس کے کمبل کے اندر کوئی چھپکلی گھس گئی ہو۔ اس نے جلدی سے کمبل کو سینے سے الگ کیا تو سمیرا نے اس کے کان میں گھبرائی ہوئی سرگوشی میں کہا۔ "خدا کے لئے کیا کرتے ہو۔ یہ میری انگلیاں ہیں میری دو انگلیاں ظاہر ہو گئی ہیں۔"

سلمان وہیں دہشت زدہ سا ہو کر بیٹھ گیا منزل کے قریب آ کر ایسا حادثہ رونما ہو جانا ایک انتہائی خطرناک اور ساری امیدوں پر پانی پھیر دینے والی بات تھی۔ سمیرا جانتی تھی کہ غیبی حالت میں اس کا جسم ایسے ہی ہے جیسے کوئی شیشہ ہو یا ہوا کی شفاف لہریں ہوں۔ وہ دوسری کسی چیز کو اپنی جیب میں ڈال کر تو غائب کر سکتی تھی مگر اپنی کسی ایسی چیز کو جو ظاہر ہو چکی ہو جیب میں ڈال کر ہرگز غائب نہیں کر سکتی تھی۔ البتہ وہی شے اگر وہ کسی نظر آنے والے انسان کی جیب میں چھپا دے تو وہ دوسروں کی نظروں سے چھپ سکتی تھی۔ چنانچہ سمیرا نے ایسا ہی کیا۔

لاری ایک قصبے کے لاری اڈے پر جا کر رک گئی۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ سلمان بھی لاری سے اتر آیا۔ سمیرا بھی لاری سے باہر اس حالت میں آگئی کہ اس کا بایاں ہاتھ سلمان کے کمبل کی بغل کے اندر تھا۔ "یہ تو بہت برا ہوا سمیرا کچھ پتہ نہیں تم ابھی ظاہر ہو جاؤ۔ میں اب تمہیں بتاتا ہوں کہ تم شاید میرے گھٹنوں کے اوپر بیٹھی ہوئی تھیں اور مجھے تمہارا کچھ کچھ بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔"

سمیرا ماحول کا جائزہ لے رہی تھی کہنے لگی۔ "یہی تو مجھے پریشانی لگی ہوئی ہے
ہمیں یہ ہی نہیں پتہ کہ بارڈر کس طرف ہے۔ یہ سڑک تو یہاں آکر بند ہو گئی ہے
جہاں سڑک بن ہو جاتی تھی وہیں سے ایک ذیلی سڑک نکل کر کھیتوں کی طرف
جا رہی تھی سلمان کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے وہ جو چھوٹی سی سڑک کھیتوں میں جا رہی
ہے وہی بارڈر کی طرف جاتی ہے۔"

سمیرا نے کہا۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

سلمان بولا۔ "اس طرف کوئی فوجی یا بارڈر سیکیورٹی فورس کی کوئی گاڑی جا
دکھائی نہیں دے رہی۔ اگر بارڈر ادھر ہوتا تو کوئی نہ کوئی ایسی گاڑی ضرور نظر آجا
میں یہاں کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتا کہ بارڈر کس طرف ہے۔ کیونکہ ضروری ہا
ہے کہ یہاں بھارتی خفیہ پولیس اور ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی جگہ جگہ موجود ہو
گے۔"

سلمان نے جھنجھلا کر کر سمیرا سے کہا۔ "خدا کے لئے اپنا ہاتھ تو میرے ک
میں سے باہر نکالو۔ تمہاری انگلیاں مجھے سخت ٹھنڈی لگ رہی ہیں۔" سمیرا نے ہاتھ
نکالا تو اس کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کا پورا ہاتھ کلائی تک ظاہر ہو
ہوا تھا اس نے ڈر کر جلدی سے ہاتھ واپس سلمان کے کمبل میں ڈال دیا۔ "خدا
لئے سلمان میرا پورا ہاتھ ظاہر ہو گیا ہے۔"

"مارے گئے۔" سلمان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "جلدی سے ان کھیتوں
طرف چلو۔" سمیرا نے کہا۔ "مجھے کیا کہتے ہو تم چلو میں تو اس وقت چلوں گی جب
چلو گے۔" سلمان درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا گنے کے ایک کھیت میں آگیا۔
وہ اونچی فصل کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ اب سمیرا کو بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھنا
کیونکہ اگر وہ کھڑی رہتی تو اس کا ہاتھ سلمان کے کمبل سے باہر نکل آتا۔

"اب کیا کریں؟" سلمان بولا۔ "یہ تو عجیب صورت حال بن گئی ہے۔"

سمیرا نے کہا۔ "مجھے تو یہ فکر پڑ گئی ہے کہ میرا باقی جسم بھی ظاہر ہو گیا تو
گا۔ پھر تو ہم بارڈر بھی کراس نہ کر سکیں گے۔"

سلمان کی عقل بھی جواب دے رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
نے کہا۔ "میں تو کہتی ہوں کہ اسی طرح ہم بارڈر کی طرف چلنا شروع کر دیتے

ڈر کے قریب جا کر میں تمہیں کاندھوں پر اٹھا لوں گی۔" سلمان بولا۔ "سوال یہ ہے
بارڈر ہے کدھر؟ ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا سمیرا ابھی بیٹھی
تھی۔ سلمان کے اٹھنے سے سمیرا کا ہاتھ اس کے کمبل سے باہر آگیا سمیرا جلدی
اٹھی اور ہاتھ سلمان کے کمبل میں چھپا دیا۔

سلمان ایک طرف دیکھنے لگا۔ دن کی روشنی میں اسے کھیتوں کے پار دو فوجی قسم
ے ٹرک شمال کی طرف جاتے نظر آئے وہ بولا۔ "سمیرا! وہ دیکھو فوجی ٹرک۔ میرا
ال ہے وہ بارڈر کی طرف جا رہے ہیں۔" سمیرا نے ٹرکوں کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں یہ
ین بارڈر سیکورٹی فورس کے ہی ٹرک ہوں گے۔ چلو اس طرف چلتے ہیں۔"

سلمان کھیتوں میں سے گزرتا ہوا جب دوسری طرف آیا تو دیکھا کہ وہاں ایک
ی سڑک بنی ہوئی تھی پیچھے سے ایک اور ٹرک آ رہا تھا۔ سلمان ایک درخت کے
چھے سے اس طرح بیٹھ گیا جیسے چلتے چلتے تھک گیا ہو۔ یہ سیکورٹی فورس کا ٹرک تھا جو
ڑی سے آگے نکل گیا سلمان اٹھ کر سڑک کے ساتھ ساتھ سرحد کی جانب چل پڑا۔
میرا اپنا ہاتھ کمبل میں دیئے اس طرح ساتھ ساتھ چل رہی تھی جیسے اس کو ہتھکڑی لگا
کرلے جایا جا رہا ہو۔ سلمان کہنے لگا۔ "یہاں میرا اس طرح چلنا خطرے سے خالی
یں ہے سمیرا۔ یہ سارا بڑا حساس علاقہ ہے۔ یہاں انٹیلی جنس کے آدمی ضرور پھیلے
وں گے۔"

ابھی یہ بات اس کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ ٹالی کے درختوں کے پیچھے سے
نکل کر ایک درمیانی عمر کا بھاری بھرکم آدمی جس نے دیہاتی لباس پہن رکھا تھا سامنے
آگیا۔

"کون ہو بھئی تم؟ ادھر کہاں جا رہے ہو؟"

سلمان گھبرا گیا۔ وہ کیا کہتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ آگے تو بارڈر تھا اور جو
ایک آدھ گاؤں تھے ان کے نام بھی اسے معلوم نہیں تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ انٹیلی
جنس کا آدمی ہی ہو سکتا ہے سلمان نے چہرے پر آئی ہوئی گھبراہٹ کو چھپانے کی
کوشش کرتے ہوئے یوں ہی کہہ دیا۔ "میرا نام پرکاش ہے جی۔ میں۔ میں اپنے گاؤں
جا رہا ہوں۔" وہ آدمی بڑا گھور کر سلمان کو دیکھ رہا تھا بولا۔ "کیا نام ہے بھئی تمہارے
گاؤں کا؟"

سلمان کیا بتاتا؟ گھبرا گیا۔ "اصل میں بات یہ ہے کہ میں گاؤں میں پہلی آیا ہوں۔ وہاں میرا انکل رہتا ہے۔"

اس آدمی نے آگے بڑھ کر سلمان کو ہاتھ کی کلائی سے پکڑ لیا اور بولا۔ ہو تم؟"

سمیرا اپنا ہاتھ سلمان کے کمبل کے اندر ڈالے خاموشی سے یہ سارا ڈرا رہی تھی سلمان جب کوئی جواب نہ دے سکا تو انٹیلی جنس کے آدمی نے سلمان ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ چلو۔ اگر بھاگنے کی کوشش کی تو یہاں تمہاری لاش رہی ہو گی۔"

اس آدمی نے صدری کی جیب سے ریوالور نکال لیا سلمان نے ہاتھ بھاگنے کی کوشش کی تو انٹیلی جنس والے نے سلمان کا کمبل پکڑ کر اپنی طرف کمبل الگ ہو گیا اس کے ساتھ ہی ایک انسانی ہاتھ سلمان کے سینے سے اٹھ ہوا میں بلند ہو گیا۔ وہ آدمی تو جیسے پتھر کا بت بنا اکیلے انسانی ہاتھ کو کبھی اوپر اور کبھی دائیں طرف جاتے دیکھتا رہا۔ دراصل سمیرا اپنے ہاتھ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب سمیرا کو خیال آیا کہ وہ اس ہاتھ سے بڑا کام لے سکتی اس نے اپنا ہاتھ فضا میں بلند کر کے اس آدمی کے بالکل سامنے کر دیا اس شخص ایک ہاتھ کو بازو اور باقی جسم کے بغیر اپنے سامنے حرکت کرتے دیکھا تو اس کا خوف سے سرد پڑ گیا۔ ساتھ ہی سمیرا نے تیز آواز میں کہا۔ "چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔"

اس آدمی کی آنکھیں پتھرا گئیں رنگ دہشت کے مارے زرد پڑ گیا اور ا سے بھاگ جانے کی بجائے وہ چکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سمیرا نے کہا۔ "یہ اچانک ہوا۔ جب تک اسے ہوش آئے گا ہم بارڈر کراس کر چکے ہوں گے۔ سے بھاگو میرا ہاتھ کی پروا نہ کرو۔"

سلمان نے بارڈر کو جاتی سڑک سے ہٹ کر کھیتوں میں شمال کی طرف شروع کر دیا۔ پولیس کے تشدد کا اثر ابھی تک اس کی ٹانگوں پر موجود تھا۔ بہت اس کی پنڈلیاں درد کرنے لگیں۔ وہ قدم قدم چلنے لگا۔ دوسری طرف سمیرا کے د پاؤں بھی اچانک ظاہر ہو گئے وہ گھبرا کر کھیتوں کی طرف ہو گئی۔ اس نے ا معصیت سے سلمان کو آگاہ کر دیا۔ سلمان نے دیکھا کہ کھیتوں کے ساتھ ساتھ دو

تیز تیز چلے آ رہے ہیں۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اب بارڈر کراس کرنا مزید مشکل اور ناممکن ہو گیا تھا۔

"اب تو تم چل بھی نہیں سکو گی۔ کیا کریں؟"

سمیرا خود پریشان ہو گئی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ تو سلمان کے کمبل میں چھپا سکتی تھی مگر اپنے پاؤں کہاں چھپاتی؟ سلمان نے کہا۔ "جیسے بھی کھیتوں کے ساتھ ساتھ گھاس میں چلتی رہو۔ یہاں تمہارے پاؤں دکھائی نہیں دیں گے۔"

سمیرا نے مشورہ دیا کہ ہمیں کسی جگہ بیٹھ کر دن کے ڈھل جانے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اندھیرے میں ہم بارڈر کراس کر جائیں گے۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ بارڈر کراس کرنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے وہاں کتنے زبردست حفاظتی اور نگرانی کے انتظامات ہوتے ہیں وہ نہیں جانتے تھے۔ انہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ اب بارڈر پر اتنے پاور فل بجلی کے بلب قطار کی شکل میں لگے ہوئے تھے کہ رات کو اگر کوئی خرگوش بھی سرحد کو پار کرے تو دونوں طرف کی سیکورٹی فورس کو معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن سلمان اور سمیرا کے حوصلے بلند تھے جذبہ توانا تھا یہی اپنے وطن پاکستان پہنچنے کا ناقابل شکست جذبہ انہیں خطرات کی پروا کئے بغیر بارڈر کی طرف لئے جا رہا تھا۔ وہ ایک جگہ کھیتوں کے پاس بیٹھ گئے۔ سلمان کے پاس بیٹھی ہوئی سمیرا کے صرف دو پاؤں اور ایک ہاتھ ہی نظر آ رہا تھا۔ ابھی انہیں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ گنے کے کھیت میں سے اچانک چار پانچ انڈین بارڈر سیکیورٹی فورس کے سپاہی نمودار ہوئے اور سلمان پر اسٹین گنیں تان لیں۔ شاید ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی نے ہوش میں آنے کے بعد سلمان اور پراسرار ہاتھ کے بارے میں مخبری کر دی تھی۔

"کھڑے ہو جاؤ۔"

ایک ہندو فوجی نے چلا کر سلمان کو حکم دیا۔ سلمان اٹھ کر کھڑا ہو گیا سمیرا نے وہی طلسمی حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنا اکیلا ہاتھ فضاء میں بلند کر کے سیکیورٹی فورس والوں کے سامنے کر دیا وہ ابھی منہ سے رعب دار آواز میں کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اس کا جسم آہستہ آہستہ ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔

سمیرا کا اس موقع پر ظاہر ہو جانا ایک قیامت تھی۔ اب ان دونوں کے بچ
کوئی امید نہیں تھی۔ سلمان نے اپنا سر پکڑ لیا۔ سمیرا کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

انڈین بارڈر سیکورٹی فورس کے سپاہیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک جوا
عورت اچانک ان کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہو گئی ہے۔ وہ یہی سمجھے کہ یہ عو
اس لڑکے یعنی سلمان کی ساتھی ہے اور اونچے کماد میں چھپی ہوئی تھی اور اب ا
دم سے باہر آ گئی ہے۔ آج کے ماڈرن سائنس کے زمانے میں کسی کے وہم و گمان
بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ ایک انسان غائب ہو کر ظاہر بھی ہو سکتا ہے۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو اوئے تم دونوں۔"

سمیرا اور سلمان نے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ انڈین سپاہی انہیں ایک زمین
مورچے کے پاس لے آئے جہاں انڈین بارڈر سیکورٹی فورس کا ایک سکھ افسر مو
سے باہر نکل رہا تھا۔ "ایہہ کون ایں اوئے؟" اس نے پوچھا۔ بی ایس ایف کے
نائب نے بتایا کہ یہ پاکستانی جاسوس ہیں اور چوری چھپے بارڈر کراس کرنے کی کوشش
رہے تھے سکھ افسر نے غضبناک نگاہوں سے سمیرا اور سلمان کی طرف دیکھا۔"
کیا کر رہے ہو پھر؟ انہیں فوراً سینٹر میں لے جا کر میجر بلرام کے حوالے کر د
بالکل جنگلی ہو۔ معلوم نہیں کرنل تیواڑی راؤنڈ پر آ رہا ہے ان مصیبتوں کو یہاں
لے جاؤ انٹیروگیشن سنٹر میں۔"

"ٹھیک ہے سر!"

تھوڑی ہی دیر بعد سمیرا اور سلمان بارڈر سیکیورٹی فورس کی ایک بند گاڑی میں بیٹھے تھے اور یہ گاڑی امرتسر شہر کی طرف تیزی سے جا رہی تھی۔ دونوں کے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔ چار مسلح سپاہی ان کے ساتھ تھے۔ سمیرا کا دل ڈوب رہا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اسی جگہ ظاہر ہونا تھا خدا جانے اب یہ لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ انٹیروگیشن سنٹر کا مطلب تھا کہ ان پر تشدد کیا جائے گا۔ انہیں ٹارچر کیا جائے گا اور ان سے وہ باتیں پوچھی جائیں گی جن کے بارے میں انہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہو گا۔ انہیں پاکستانی جاسوس تو سمجھ ہی لیا گیا تھا اب ان پر جس قدر چاہیں ظلم توڑیں گے وہاں انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ سمیرا دل ہی دل میں قرآن کی ایک آیت کا ورد کرنے لگی۔

سلمان بھی سخت گھبرایا ہوا تھا۔ کاش سمیرا کو ظاہر ہونے میں تھوڑا سا مزید وقت لگ جاتا یہ طلسم اگر چل رہا تھا تو تھوڑی دیر اور جاری رہتا کم از کم وہ بارڈر کراس کر کے پاکستان تو پہنچ جاتے لیکن اب اس قسم کی باتیں سوچنے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا جو ہونا تھا ہو گیا تھا دونوں پکڑے گئے تھے انڈین سیکیورٹی فورس کی قید میں تھے اور انہیں پوچھ گچھ کے لئے امرتسر کے کسی انٹیروگیشن سینٹر لے جایا جا رہا تھا۔ سلمان کو پوچھ گچھ کے ساتھ کئے جانے والے تشدد کا تھوڑا بہت تجربہ تھا اسے سب سے زیادہ پریشانی سمیرا کی تھی خدا جانے اس کے ساتھ یہ درندے کس قسم کا سلوک کریں وہ اس قسم کے تصور سے ہی لرز اٹھتا۔ بند فوجی گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی ابھی امرتسر کا اسٹیشن دور تھا کہ گاڑی تیلی گھر کی طرف مڑ گئی یہ گنجان آبادی والا علاقہ تھا گاڑی اس کے بازار میں سے نکل کر آگے ایک کچی سڑک پر سے گزرتی بائیں جانب ٹاہلی کے درختوں میں گھری ہوئی ایک منزلہ پرانی عمارت کے آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ سیکیورٹی فورس کے سپاہی نے سلمان اور سمیرا کو گاڑی میں سے اتارا تو سامنے سے ایک آدمی ان کے پاس آیا اور بولا۔ "ان کو لے جا کر کمرے میں بند کرو۔ اوئے میجر صاحب راؤنڈ لگانے گئے ہیں ابھی آ جائیں گے۔"

سلمان اور سمیرا سہمے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ عمارت خالی خالی سی تھی۔ باہر بھی اکا دکا سپاہی ہی نظر آ رہے تھے۔ مسلح گارڈ باہر ہی رہے۔ دو سیکیورٹی والے

انہیں ایک خالی ویران سے کمرے میں لے گئے۔ یہاں صرف ایک چارپائی بچھی تھی اور کمرے میں سخت ٹھنڈ تھی۔

"یہاں بیٹھ جاؤ۔ ابھی تمہاری خاطرداری کرتے ہیں۔"

دونوں سپاہی آپس میں مذاق کرتے باہر چلے گئے اور باہر سے کمرے کو چٹخنی لگا دی۔ سلمان نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سمیرا بے جان سی ہو کر چارپائی پر بیٹھ گئی اب وہ دل میں آیت الکرسی کا ورد کر رہی تھی۔ اس کے ہونٹ خشک تھے اور خوف کے مارے چہرہ اتر گیا تھا۔ کمرے میں ایک دوسرا دروازہ بھی تھا جو پرلی طرف کھلتا تھا۔ سلمان دروازے کے پاس گیا۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس نے کندھے کی مدد سے دروازے کے ایک پٹ کو ذرا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ سلمان تیزی سے سمیرا کے پاس آیا اور بولا۔ "جلدی سے میرے ہاتھ کھولنے کی کوشش کرو۔ جلدی کرو۔" سمیرا اٹھ کھڑی ہوئی پشت سلمان کی طرف کر کے اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کی مدد سے سلمان کے ہاتھوں کی رسی کھولنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا اور جو خدا کو منظور تھا اس کا ظہور ہونے لگا تھا۔ سلمان کے ہاتھوں کی رسی کھل گئی اس نے فوراً سمیرا کے ہاتھ بھی کھول دیئے۔ سمیرا ابھی تک مایوسی کے عالم میں تھی۔ سلمان لپک کر دروازے کی طرف گیا۔ اس نے ایک پٹ کھول کر باہر دیکھا آگے چھوٹا سا برآمدہ تھا پھر ٹاہلیوں کے کچھ درخت تھے اور ان کے پیچھے سرسوں کے کھیت دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ یہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ اس وقت ادھر کوئی آدمی نہیں تھا اور یہ بھی ایک ان ہونی سی بات تھی کہ کمرے کا یہ دروازہ باہر سے کھلا رہ گیا تھا اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا یہ جگہ عام طور پر ویران ہی رہتی تھی اور صرف پوچھ گچھ کے واسطے ملزموں کو یہاں لایا جاتا تھا۔ میجر تیواڑی کو جو ٹارچر کرنے میں بے حد سنگ دل آدمی تھا پہلے سے اطلاع کر دی جاتی تھی اور وہ امرتسر کے قلعے سے یہاں آکر ملزموں کو نیچے تہہ خانے میں لے جا کر ان سے پوچھ گچھ کرتا تھا تہہ خانہ بند تھا اور ملزموں کی چیخوں کی آوازیں اندر ہی دب کر رہ جاتی تھیں۔

سلمان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ قدرت نے ان کے فرار کے لئے ایک موقع

فراہم کر دیا ہے سوچنے' غور کرنے' منصوبہ بندی کرنے یا ہچکچانے کا وقت نہیں تھا اس نے برآمدے میں سر نکال کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی سپاہی نہیں تھا اس نے سمیرا کو جلدی سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے نکل کر جھک کر ٹاہلی کے درختوں کی طرف بھاگا۔ سمیرا بھی سب کچھ بھول گئی تھی اس نے قفس کا دروازہ کھلا دیکھا تو وہ بھی پاگلوں کی طرح سلمان کے پیچھے دوڑ پڑی۔ یہی وقت تھا۔ یہی موقع تھا۔ خدا جانے انہیں موقع کیسے مل گیا تھا اس کے پاس اتنا سوچنے کا وقت بھی نہیں تھا وہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے جتنی تیزی سے دوڑ رہے تھے اتنی تیزی سے وہ زندگی میں کبھی نہیں دوڑے تھے۔ سامنے سرسوں کے کھیت دور تک چلے گئے تھے۔ سلمان بائیں جانب مڑ گیا بائیں جانب کماد کی اونچی فصل تھی۔ وہ فصل کی اوٹ میں مشرق کی طرف دوڑ رہے تھے ان کو دائیں جانب سے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا ان کے سانس پھول گئے تھے مگر انہیں تھکن کا احساس نہیں ہو رہا تھا وہ ایک سیکنڈ میں ایک ہزار میل کا فاصلہ طے کر جانا چاہتے تھے وہ اس موت کے علاقے سے جتنی دور نکل سکتے تھے نکل جانا چاہتے تھے۔ کماد کی فصل ختم ہوئی تو آگے تھوڑے فاصلے پر آبادی شروع ہو جاتی تھی۔

اب ان سے بھاگا نہیں جاتا تھا وہ کھیت کے کنارے فصل کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ دونوں جانوروں کی طرح ہانپ رہے تھے سمیرا کو کھانسی شروع ہو گئی سلمان نے زندگی میں پہلی بار سمیرا کو بری طرح جھڑک دیا۔ "کھانسی روکو۔ مجھے بھی مرواؤ گی۔"

سمیرا کا دل ٹوٹ گیا مگر یہ دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے دیکھنے کا وقت نہیں تھا سمیرا نے منہ اپنی جیکٹ میں دے لیا۔

"اب بھاگنا نہیں تیز تیز چلنا ہے۔"

وہ اٹھے اور تیز تیز چلنے لگے۔ یہ پتلی گھر کی عقبی نئی آبادی تھی جہاں کوارٹر ہی کوارٹر نظر آتے تھے۔ ان کے پیچھے سے ایک کچا راستہ جاتا تھا۔ دونوں اس راستے پر آ گئے۔ سمیرا کا دل دھک دھک کر رہا تھا وہ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھ لیتی تھی۔ سلمان نے دانت پیس کر کہا۔ "خدا کے لئے پیچھے مت دیکھو اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

قدرت ان دونوں پر مہربان تھی وہ آخری کوارٹر کے قریب سے گزر رہے تھے

کہ ایک سکھ لڑکا جس نے گرم جیکٹ اور پتلون پہن رکھی تھی موٹر سائیکل پر آیا کوارٹر کی دیوار کے ساتھ موٹر سائیکل کھڑی کی اور اسے چلتا چھوڑ کر کوارٹر کے ا دوڑ کر چلا گیا شاید وہ گھر میں کوئی چیز بھول گیا تھا جسے لینے واپس آیا تھا۔ جوں ہی لڑکا کوارٹر میں گیا سلمان نے سمیرا کا ہاتھ پکڑ کر موٹر سائیکل کی طرف کھینچا جلدی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اسے پیچھے کی طرف گھمایا سمیرا اس کے پیچھے بیٹھ ہی رہی تھی سلمان نے گیئر بدل کر ایکسیلیٹر دبا دیا موٹر سائیکل کچی سڑک پر ہوا سے باتیں کر گی۔

سلمان موٹر سائیکل کو بھگائے لئے جا رہا تھا اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ جا رہا ہے اور وہ سڑک اسے کہاں لے جائے گی یہ سڑک نئی نکالی گئی تھی اور پتلی خالصہ کالج کے پیچھے سے ہوتی ہوئی کمپنی باغ کی طرف جاتی تھی پکی سڑک پر چڑھتے سلمان کو پولیس کے دو ایک سپاہی دکھائی دیئے تو اس نے غیر شعوری طور پر گھ موٹر سائیکل دائیں جانب موڑ دی۔ یہ سڑک انہیں رام باغ کے آگے سے نکال ٹی روڈ پر لے آئی۔ یہاں لوگوں کی آمد و رفت اور ٹریفک کا رش تھا۔ سلمان بغ سوچے جا رہا تھا۔ اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ آگے کون سا علاقہ آئے گا اور وہ علاقہ دونوں کے لئے خطرناک بھی ہو سکتا ہے اس نے بغیر کوئی فیصلہ کئے موٹر سائیکل د جانب ایک ذرا خالی خالی سڑک پر ڈال دی یہاں ایک جانب کسی مندر کی دیوا اور دوسری طرف کھیتوں میں کہیں کہیں مکان بنے ہوئے تھے۔ تھوڑی دور جا بعد موٹر سائیکل اپنے آپ بند ہو گئی سلمان اسے ایک طرف دیوار کی اوٹ میں آیا۔

"شاید پیٹرول ختم ہو گیا ہے۔"

"اب کیا کریں؟" سمیرا سخت گھبرائی ہوئی تھی۔

"جس خدا نے ہمیں موت کے منہ سے نکالا ہے سمیرا وہی یہاں بھی ہما کرے گا۔"

سمیرا کو ٹھنڈی تیز ہوا نے سن کر دیا تھا اس نے کہا۔ "اس موٹر سائیکل چھوڑ دیتے ہیں۔"

سلمان نے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی اس نے موٹر سائیکل کو وہیں چھوڑا اور سمیرا کو ایک طرف لے جا کر کہا۔ "اس شہر میں سکھوں کا ایک بہت بڑا گردوارہ ہے جس کو دربار صاحب کہتے ہیں یہ ان کا بڑا مقدس استھان ہے اس کے اندر پولیس کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے اگر ہم کسی طرح دربار صاحب کے اندر چلے جائیں تو کچھ دیر کے لئے پولیس کی نظروں سے چھپ سکتے ہیں۔"

"اس کے بعد کہاں جائیں گے؟" سمیرا نے مایوسی کے ساتھ پوچھا۔

"اس کے بعد کا پھر سوچ لیں گے ابھی تو جا کر چھپ جاتے ہیں۔"

"مگر یہ دربار صاحب ہے کہاں؟"

"کسی سے پوچھ لیں گے میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مندر کی دیوار کی اوٹ سے نکلے اور سامنے والے بازار کی طرف چل پڑے وہاں ایک بوڑھا سکھ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا سلمان نے اس سے دربار صاحب کا پوچھا تو اس نے کہا۔ "یہ سامنے چاٹی ونڈ کا دروازہ ہے یہاں سے اندر چلے جاؤ آگے جا کر پھر پوچھ لینا کسی سے۔"

چاٹی ونڈ امرتسر کا ایک دروازہ تھا جس کے اندر ایک بارونق بازار آگے جا کر بائیں طرف مڑ جاتا تھا۔ سمیرا نے اپنے سر پر دوپٹہ اس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ اس کا آدھا چہرہ اس میں چھپ گیا تھا سلمان بھی بظاہر بڑے سکون سے مگر چاروں طرف سے باخبر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ پوچھتے پوچھتے وہ دربار صاحب کے صدر دروازے پر پہنچ گئے۔ لوگوں کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی باہر چوبچے کے پاس اپنے پاؤں دھوئے اور سنگ مرمر کی سیڑھیاں اتر کر دربار صاحب میں داخل ہو گئے۔ یہاں کافی لوگ موجود تھے۔ ان میں سکھ زیادہ تھے۔ تالاب پانی سے بھرا ہوا تھا اس کے وسط میں ایک چوکور ایک منزلہ عمارت تھی جہاں سے اسپیکر پر شبد کیرتن کی آواز آ رہی تھی۔ سلمان نے سر پر رومال باندھ لیا تھا کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہاں جو سکھ نہیں تھے یعنی ہندو تھے انہوں نے سروں پر رومال باندھا ہوا تھا صدر دروازے سے کافی دور تالاب کی مغربی جانب وہ دونوں ایک جگہ درخت کے نیچے بیٹھ گئے سلمان نے آہستہ

سے کہا۔ "اب ہم آرام سے سوچ سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور اس شہر سے کیسے بھاگ سکتے ہیں؟"

سمیرا اگرچہ ایک بہادر لڑکی تھی مگر یہاں وہ ایک دشمن ملک میں تھی اور موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ موت کسی بھی وقت اس پر جھپٹ سکتی تھی ان خدشات نے اس کا رنگ زرد کر دیا تھا پھر بھی اسے اپنے خدا پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ اس نے اپنی نگاہیں تالاب میں بنی ہوئی مذہبی عمارت پر جماتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کسی نہ کسی طرح واپس دہلی پہنچ کر اپنے سفارت خانے میں پناہ حاصل کرنی ہو گی ہمارے سامنے اس وقت دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "سوال یہ ہے دہلی کیسے پہنچیں؟ پولیس شہر سے باہر نکلنے والی ہر لاری اور ٹرین کو چیک کر رہی ہو گی ہم نہ کسی لاری اڈے پر جا سکتے ہیں اور نہ ریلوے اسٹیشن پر۔"

سمیرا کہنے لگی۔ "رات آ رہی ہے ہم دہلی کی طرف جانے والی سڑک پر جی ٹی روڈ سے ہٹ کر کھیتوں کھیت کچھ دور تک سفر کر سکتے ہیں پھر آگے جا کر کسی لاری پر بیٹھ سکتے ہیں۔ میرے پاس یہاں کی کرنسی کے کچھ روپے ہیں۔"

سلمان خاموش تھا وہ سمیرا کی تجویز پر غور کر رہا تھا اس کے سوا اسے وہاں سے فرار کا کوئی دوسرا راستہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے رات کا اندھیرا پھیل جائے تو یہاں سے نکل چلیں گے۔"

دربار صاحب میں وہ دونوں کچھ وقت کے لئے پولیس کی پہنچ سے دور ضرور ہو گئے تھے لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھے کہ اس دوران پولیس نے ان کی گرفتاری کے لئے نہ صرف یہ کہ شہر سے باہر جانے والے راستوں کی ناکہ بندی کر لی ہو گی بلکہ دوسرے قریبی شہروں کی پولیس کو بھی خبردار کر دیا ہو گا چنانچہ دربار صاحب سے باہر نکلتے ہی موت ایک بار پھر ان کے سروں پر منڈلانے لگے گی اور کسی بھی جگہ انہیں گرفتار کیا جا سکے گا لیکن یہ خطرہ انہیں مول لینا ہی تھا اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

انہیں بھوک بھی لگ رہی تھی دوپہر سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا سلمان نے دیکھا کہ قریب ہی کچھ فاصلے پر لنگر تقسیم ہو رہا تھا۔ وہ وہاں گیا اور روٹیاں اور دال لے کر آ گیا انہوں نے وہیں انہیں کھایا اور پیٹ کی آگ بجھائی شام ہو گئی تھی جب ذرا اندھیرا زیادہ بڑھا تو وہ دربار صاحب سے باہر آ گئے۔ سلمان کو چائی ونڈ کے دروازے کا نام یاد تھا کہ وہ جی ٹی روڈ کے پاس ہی تھا اس نے ایک بوڑھے سکھ سائیکل رکشے والے کو کہا کہ ہمیں چائی ونڈ لے چلو دونوں رکشے میں بیٹھ گئے۔ رکشا اندرون شہر کے تنگ بازاروں میں روانہ ہو گیا سلمان نے اپنے جسم کو کمبل میں اچھی طرح سے لپیٹ رکھا تھا۔ سمیرا نے بھی جیکٹ کے سارے بٹن بند کئے ہوئے تھے اور دوپٹے سے ماتھے تک سر ڈھانپ رکھا تھا سائیکل رکشا امرتسر شہر کے گنجان بازاروں میں سے گزر رہا تھا یہاں کافی رش تھا رکشا آہستہ آہستہ چل رہا تھا دکانوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں پیدل چلنے والوں میں سکھوں کی تعداد زیادہ تھی۔ رکشا مائی سیواں کے بازار سے نکل کر جلیانوالے باغ کے بازار میں آیا تو یہاں سے جو چھوٹا بازار کوتوالی کی طرف نکلتا تھا وہاں دور سے سلمان نے پولیس کے کچھ سپاہی کھڑے دیکھے اس نے جلدی سے رکشا رکوا لیا۔ "بس سردار جی ہمیں یہیں اتار دو ایک کام یاد آ گیا ہے۔"

سمیرا نے بھی پولیس والوں کو دیکھ لیا تھا وہ رکشے سے اترتے ہی پیچھے کی طرف تھوڑی دور تک چلے اور پھر جو پہلی گلی آئی اس میں داخل ہو گئے اس گلی میں کوئی دکان نہیں تھی مکانوں کے تھڑے اونچے تھے کوئی کوئی آدمی نظر آ رہا تھا سلمان کہنے لگا۔ "وہاں پولیس ضرور ہمارے بارے میں چیکنگ کر رہی ہو گی۔"

"کہیں یہ گلی پولیس والوں کے پاس نہ نکل جائے؟" سمیرا نے کہا۔ سلمان بولا۔ "خاموشی سے چلتی چلو جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

گلی آگے ایک بازار میں نکل آئی یہاں پولیس کا کوئی سپاہی انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہاں زیادہ تر کپڑے کی دکانیں تھیں اور یہ دکانیں زیادہ تر ہندوؤں کی تھیں وہ کلاتھ مارکیٹ میں نکل آئے تھے جو امرتسر میں کپڑے کی بڑی منڈی تھی مارکیٹ ختم ہوئی تو سامنے ایک بہت کشادہ چوک میں مہاتما گاندھی کا مجسمہ بجلی کی روشنی میں دور سے دکھائی دیا۔ تقسیم سے پہلے یہاں وکٹوریہ کا بت لگا ہوا تھا اور اسے ملکہ کا چوک

کہتے تھے اب ملکہ کے بت کی جگہ گاندھی کا مجسمہ لگا دیا گیا تھا اور اسے گاندھی چوک کہا جاتا تھا وہ کمیٹی کے چھوٹے سے باغ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اچانک ان کی نظر سرخ اینٹوں کے گنبد والی انگریزی طرز کی عمارت پر پڑی جس کے آگے پولیس کی دو تین گاڑیاں کھڑی تھیں یہ شہر کی کوتوالی تھی۔ سلمان نے جلدی سے سمیرا کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف کیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”بیڑا غرق یہ تو پولیس کا ہیڈ کوارٹر لگتا ہے یہ ہم کدھر نکل آئے ہیں۔“

وہیں وہ دائیں جانب مڑ کر باغ میں داخل ہوئے اور پانی کی بڑی بڑی ٹنکیوں کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بازار میں داخل ہو گئے انہیں کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کون سا بازار ہے اور یہ بازار آگے انہیں کہاں لے جائے گا مگر وہ جتنی جلدی ہو سکے پولیس ہیڈ کوارٹر سے دور نکل جانا چاہتے تھے۔

”ہمیں کسی طرح شہر سے باہر نکل جانا چاہئے جی ٹی روڈ شہر کے باہر ہے۔“ سمیرا نے آہستہ سے کہا۔ سلمان بولا۔ ”خدا کے بھروسے چلتی چلو شہر کا کوئی نہ کوئی دروازہ تو آ ہی جائے گا۔“

چلتے چلتے وہ ایک ایسے بازار میں پہنچ گئے جہاں بائیں جانب ایک پرانی مسجد کے میناروں پر ان کی نگاہ پڑی۔ ”یہ مسجد یہاں کہاں سے آ گئی؟“ سمیرا نے تعجب سے کہا سلمان بھی ان بجھے بجھے سے میناروں کو دیکھ رہا تھا۔

”میرا خیال ہے یہاں ابھی کچھ مسلمان رہتے ہیں چلو چل کر معلوم کرتے ہیں۔“

سمیرا نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”کہیں وہ پولیس کو خبر نہ کر دیں۔“

”ہم انہیں یہ تھوڑی بتائیں گے کہ ہم پاکستانی ہیں میرے ساتھ آؤ تم خاموش رہنا۔“

سلمان نے سمیرا کو مسجد کی نیم روشن ڈیوڑھی میں ایک طرف بٹھایا اور حجرے کے دروازے کی طرف بڑھا جو بند تھا اور جس کے اندر بجلی کا بلب جل رہا تھا بلب کی روشنی حجرے کے روشندان میں سے باہر نکل رہی تھی سلمان نے سب سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے کیا کہنا ہے اس نے دروازے پر دستک دی تو کچھ

بعد ایک گورے رنگ کی پکی عمر والے آدمی نے دروازہ کھولا اور سلمان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ”کیا بات ہے کون ہو بھائی کس سے ملنا ہے؟“

اس شخص کا لہجہ کشمیری تھا لاہور میں ایک بار سلمان نے سنا تھا کہ امرتسر میں کچھ کشمیری مسلمان ابھی تک محنت مزدوری کرتے ہیں اور ایک مسجد میں پانچ وقت اذان بھی دیتے ہیں وہ سمجھ گیا کہ یہ آدمی ان ہی کشمیر مسلمانوں میں سے ہے سلمان نے پہلے سے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق اسلام علیکم کہا اور بولا۔ ”میرا نام غلام علی ہے میں اپنی بیوی کے ساتھ امرتسر کی سیر کرنے آیا تھا یہاں میری جیب کٹ گئی ہے ہمارے پاس رات رہنے کو جگہ نہیں اگر آپ ہماری مدد کر دیں تو ہم صبح ہوتے ہی واپس چلیں جائیں گے۔“

کشمیری مسلمان نے ایک بار پھر غور سے سلمان کو دیکھا پھر دروازہ کھول کر ڈیوڑھی میں بیٹھی ہوئی سمیرا کو ایک نظر دیکھا اور بولا۔ ”اندر آ جاؤ۔“

حجرے کی فضا باہر کی نسبت گرم تھی۔ کشمیری مسلمان نے سماوار میں سے گرم گرم کشمیری چائے پیالیوں میں ڈال کر انہیں پلائی۔ گرم چائے پینے کے بعد سمیرا اور سلمان کو کچھ ہوش سا آ گیا کشمیری مسلمان کہنے لگا۔ ”میرا نام اسد جو ہے میں اس مسجد کا امام ہوں تم پہلے بھی کبھی امرتسر آئے ہو؟“

”بالکل نہیں۔“ سلمان نے جواب دیا۔

اسد جو دوسری بار پیالیوں میں چائے ڈالنے لگا۔ ”تمہارا کاروبار کیا ہے؟“

سلمان ذرا سا کھانسا اتنی دیر میں اس نے اپنا کاروبار سوچ لیا۔ ”جی میں دہلی میں کاغذ کا کام کرتا ہوں چھوٹی سی دکان ہے وہاں۔“

”کون سے بازار میں؟“ اسد جو نے پوچھا۔

سلمان کو دہلی کے کسی بازار کا نام معلوم ہوتا تو وہ کہتا کچھ گڑبڑا سا گیا بولا۔ ”وہ کیا نام ہے اس کا وہ ریل بازار میں دکان ہے میری۔“

اس کا خیال تھا کہ ریل بازار ایک ایسا بازار ہے جو تقریباً ہر شہر میں ہوتا ہے مگر اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ دہلی میں ایسا کوئی بازار نہیں ہے چنانچہ اسد جو مسکرایا۔ ”دہلی میں تو کوئی ریل بازار نہیں ہے۔“

سمیرا کا دل دھڑکنے لگا۔ سلمان کا چہرہ سادہ کاغذ کی مانند خالی خالی سا نظر آنے لگا
اسد جو نے چائے کی پیالی سلمان کی طرف بڑھائی اور کہا۔ "بیٹا جو اصل حقیقت ہے وہ
مجھے صاف صاف بتا دو تم کون کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا چاہتے ہو؟"

اگرچہ اسد جو مسلمان تھا مگر سلمان اصل حقیقت اسے بھی نہیں بتا سکتا تھا اسے مخبری کا ڈر تھا یہ اس کی اور سمیرا کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اس نے ایک اور کہانی گھڑ کر سنا دی۔ کہنے لگا۔ "آپ مسلمان ہیں میں بھی مسلمان ہوں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا ہم دونوں میاں بیوی ضرور ہیں۔ لیکن ہم پاکستانی ہیں امرتسر سیاحت کے لئے آئے تھے یہاں دربار صاحب دیکھنے گئے تو کسی نے میری جیب میں سے پلاسٹک کا لفافہ اڑا لیا اس میں ہمارے پاسپورٹ بھی تھے اب پریشان ہیں کہ اگر پولیس کو خبر کی تو کہیں وہ ہمیں پاکستانی جاسوس سمجھ کر پکڑ نہ لیں۔"

اسد جو خاموشی سے چائے پیتا رہا پیالی خالی کر کے صف پر رکھ دی اور بولا۔ "نہیں برخوردار جو کچھ بھی ہو تمہیں تھانے اپنے پاسپورٹ گم ہونے کی اطلاع کرنی ہی ہو گی ورنہ تم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

اسد جو نے اس وقت بھی سلمان کو ایک الگ مصیبت میں ڈال دیا تھا اور اگر وہ اسے حقیقت کھول کر بتا دے تو یہ خطرہ اپنی جگہ پر موجود ہے کہ وہ کہیں اس کی مخبری نہ کر دے اور اگر نہیں بتاتا تو اسے کیا کہے کہ وہ گم شدہ پاسپورٹ کی رپورٹ کرنے تھانے کیوں نہیں جاتا؟ کیا وہ اسے سب کچھ صاف صاف بتا دے؟ نہیں ابھی نہیں یہ اپنی گردن میں خود پھانسی کا پھندا ڈالنے والی بات ہو گی۔ "تم چپ کیوں ہو گئے غلام علی؟"

اسد جو نے سلمان کو کسی سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا سمیرا کو بھی ڈر تھا کہ کہیں سلمان اس امام مسجد کو اپنے بارے میں سچ مچ نہ بتا دے وہ سلمان کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی تھی اس نے پہلو بدلنے کے بہانے سلمان کا ہاتھ آہستہ سے دبایا اس کا مطلب تھا کہ کوئی بہانہ بنا کر اسد جو کو ٹال دو سلمان کہنے لگا۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں انڈین پولیس ہمیں جاسوس سمجھ کر گرفتار نہ کر لے کیونکہ یہاں کی پولیس ہر پاکستانی کو جاسوس سمجھتی ہے بس یہی سوچ کر میں تھانے جانے سے ڈرتا ہوں۔"

اسد جو بھی حقیقت حال معلوم کرنے پر تلا ہوا تھا کہنے لگا۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گا پولیس میری واقف ہے تم فکر کیوں کرتے ہو؟"

سلمان نے بات کو ٹالنے کے لئے کہا۔ "ٹھیک ہے محترم میں صبح آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اچھی بات ہے تم لوگ یہاں بیٹھو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اسد جو اٹھ کر حجرے سے نکل گیا اس کے جاتے ہی سمیرا کہنے لگی۔ "یہ آدمی ہمارے بارے میں مشکوک ہو گیا ہے میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے یہ ضرور تھانے اطلاع کرنے گیا ہو گا۔"

سلمان نے کہا۔ "سمیرا نے ہمیں کسی نہ کسی پر ضرور اعتبار کرنا ہو گا یہ شخص دیانت دار مسلمان لگتا ہے یہ ہمیں گرفتار نہیں کروائے گا۔"

سمیرا کہنے لگی۔ "تمہارے خیال میں اس نے تمہارے بیان پر یقین کر لیا ہے؟ نہیں اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ تمہارے ایک ایک لفظ پر شک کر رہا ہے۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" سلمان نے مایوسی کے لہجے میں کہا اور تھوڑے کھلے دروازے کی طرف دیکھنے لگا ڈیوڑھی میں، زیادہ روشنی نہیں تھی اسے ایسے لگا جیسے کوئی حجرے میں جھانک کر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا ہے حالات مشکوک شکل اختیار کرتے جا رہے تھے وہ سمیرا کو کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسد جو اندر داخل ہوا وہ کچھ پریشان تھا آتے ہی بولا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ جلدی کرو۔"

سمیرا اور سلمان جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے ڈیوڑھی میں سے ایک نیم روشن زینہ اوپر جاتا تھا اوپر ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی دیوار میں ایک کھڑکی بنی ہوئی تھی اسد جو نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی اور کہا۔ "اندر جا کر بیٹھ جاؤ خاموش رہنا کوئی بات نہ کرنا۔"

اس سے پہلے کہ سلمان اس سے پوچھتا کہ بات کیا ہوئی ہے اسد جو نے کھڑکی بند کر کے باہر تالا لگایا اور چلا گیا۔

سلمان اور سمیرا نے اس کوٹھری کا جائزہ لیا جس میں اسد جو انہیں بند کر گیا تھا ایک دیوار میں ٹھکی ہوئی ایک سلاخ کے ساتھ بڑی ہی کمزور روشنی والا بلب جل رہا

تھا کوٹھری بڑی چھوٹی سی تھی اس میں صرف ایک پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر لحاف تر کے رکھے ہوئے تھے سمیرا نے سرگوشی میں پوچھا۔ "یہ ہمیں کس لئے چھپایا گیا ہے"

سلمان نے کہا۔ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمیں کسی خطرے سے بچانا چا ہے اور یہ خطرہ پولیس کا ہی ہو سکتا ہے۔"

سمیرا نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔ "اس کا مطلب ہے اسد جو کو ہمارے تو علم ہو گیا ہے اور وہ ہمارا ہمدرد ہے۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

سلمان نے بھی سرگوشی میں جواب دیا اور ساتھ ہی اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ سمیرا کو چپ رہنے کا اشارہ کیا دوسری کوٹھری میں سے دو آدمیوں کے باتیں کر آواز آنے لگی کسی نے پوچھا۔ "یہ کھڑکی بند کیوں ہے؟"

اسد جو کی آواز آئی۔ "ادھر گلی ہے میں نے تالا لگا رکھا ہے رشتے دارو بچے آتے ہیں اور اس پر لٹکتے ہیں۔"

پہلی آواز پھر سنائی دی۔ "اسد جو! خیال رکھنا میں نے ضابطے کی کاروائی کرنے کے واسطے تلاشی لی ہے کیوں کہ میرے ساتھ بارڈر سیکیورٹی فورس کا صو بھی ہے ویسے ہم پولیس والوں کو تم پر پورا بھروسہ ہے کہ اگر وہ پاکستانی جا تمہارے پاس آتے تو تم ضرور ہمیں اطلاع کر دیتے؟"

"کیوں نہیں جناب! یہ تو میرا فرض بنتا ہے؟" اسد جو نے جواب دیا پھر باتیں کرتے کوٹھری میں سے باہر نکل گئے جب ایک بار پھر خاموش چھا گئی تو سلما سرگوشی میں سمیرا سے کہا۔ "میرے خدا! یہاں تو معاملہ بڑا خطرناک ہو گیا تھا نے ہمیں بچا لیا۔"

سمیرا نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا اس کے کان ابھی تک دوسری کی طرف لگے تھے اس کا چہرہ اس قسم کے حالات کی وجہ سے اترا ہوا تھا رات چلی گئی اسد جو شاید پولیس کے ساتھ ہی تھانے چلا گیا تھا سلمان اور سمیرا دونوں کے پلنگ پر چپ چاپ بیٹھے تھے دیوار میں اوپر کر کے ایک چھوٹا سا روشندان کی دوسری جانب شاید کوئی گلی تھی ادھر سے کبھی کبھی کسی کے گزرنے کی آوا

ی ایک گھنٹے بعد ساتھ والی کوٹھری میں کسی کے قدموں کی آواز آئی سلمان اور ے کان کھڑے ہو گئے پھر کھڑکی کا تالا کھلنے کی آواز آئی اور اسد جو تنگ کوٹھری خل ہوا۔ "میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ گھبرانا بالکل نہیں بات چیت بند۔"

وہ اسد جو کے ساتھ نیم تاریک زینے پر سے اتر کر حجرے میں آ گئے یہاں نے سمیرا کو ایک گرم چادر اوڑھنے کو دی اور کہا۔ "اس سے اپنا منہ سر اچھی ے ڈھانپ لو۔"

پھر سلمان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "حجرے سے نکل کر تم دونوں بازار کی جانے کی بجائے مسجد کے اندر جاؤ گے مسجد کے صحن میں داخل نہیں ہو گے ے ساتھ ہی ایک تنگ راستہ وضو کرنے والی ٹونٹیوں کے قریب سے ہو کر آگے سجد کی دوسری عقبی ڈیوڑھی کی طرف چلا جاتا ہے اسی ڈیوڑھی کے آگے ایک ا صحن ہے صحن کی بائیں طرف ایک چھوٹا سا کمرہ ہے یہ میرا گھر ہے تم دونوں رے میں جا کر اطمینان سے بیٹھ جانا دروازہ اندر سے بند کر لینا جلدی کرو۔"

اسد جو نے جیسے کہا تھا سلمان اور سمیرا نے ویسا ہی کیا وہ مسجد کی چھوٹی سی عقبی ا میں سے ہوتے ہوئے اسد جو کے مکان میں آ گئے اندر آتے ہی سلمان نے ے کو چٹخنی لگا دی یہاں بھی ایک کمزور سا بلب روشن تھا ایک چارپائی پر پرانا سا تھا لحاف اور کمبل پڑا تھا فرش پر صف بچھی ہوئی تھی تھوڑی دیر بعد اسد جو بھی ں کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جس میں نان اور مچھلی تھی اس نے الماری میں پلیٹیں نکال کر نان اور مچھلی دونوں کے سامنے رکھ دی۔ "یہاں ایک کشمیری ا کا ہوٹل ہے وہاں نان بھی لگتے ہیں اور مچھلی بھی تلی جاتی ہے۔"

سلمان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو اب اسے خفت وں ہو رہی تھی کہ اس نے اسد جو کو آتے ہی سب کچھ کیوں نہ بتا دیا اسد جو کہ۔ "تمہاری باتوں سے مجھے پہلے ہی پتہ چل گیا تھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے ہو۔"

سلمان نے کہا۔ "مجھے معاف کر دیجئے مگر میں ڈرا ہوا تھا۔"

اسد جو بولا۔ "تم سچے ہو پولیس مجھے بھی اپنا مخبر سمجھتی ہے مگر میں نے کبھی کسی

پاکستانی کی مخبری نہیں کی میں اسے حرام سمجھتا ہوں تمہیں اب کچھ بتانے کی ضر
نہیں ہے پولیس کی زبانی مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے میں تم سے یہ نہیں پوچھ
کہ تم کن حالات میں یہاں آئے اور تمہارا مقصد کیا تھا میرے لئے اتنا ہی کا
کہ تم مسلمان ہو پاکستانی ہو اور اس دشمن ملک سے نکل کر اپنے ملک میں جانا
ہو میں نے غلط تو نہیں کہا؟"

"نہیں آپ نے بالکل درست کہا ہے۔" سلمان نے اسدجو کی بات کی
کی۔ اسدجو نے کہا۔ "تم بڑے خوش قسمت ہو کہ تلی گھر والے انٹیروگیشن سنٹ
فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے وہاں سے آج تک کوئی فرار نہیں ہو سکا یہا
پولیس جاسوسی کا الزام لگا کر یہاں کے یا باہر سے آئے ہوئے کسی بھی مسلمان کو
وہاں لے جاتی ہے اور پھر اس پر اس قدر ہولناک تشدد کیا جاتا ہے کہ وہ مرجا
اور اس کی لاش اگر ضرور سمجھا جائے تو گولی مار کر بارڈر پر پھینک دی جاتی
دونوں بڑے خوش نصیب ہو کہ وہاں سے جان بچا کر نکل آئے۔"

تب سلمان نے اسدجو کو اپنے فرار کی ساری روداد سنائی۔ اسدجو بولا
کو وہ موٹر سائیکل بھی مل گئی ہے جسے تم نے ـــــ کوارٹروں میں سے اٹھایا
رام تلائی والے مندر کے پاس پھینک دیا تھا دراصل پولیس نے دربار صاحب
اپنے خفیہ آدمی بھیجے تھے مگر یہاں بھی تمہاری خوش نصیبی نے تمہارا ساتھ دیا

سیمرا نے کہا۔ "ہم آپ کے بڑے شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہمیں ہا
پولیس والوں سے بھی بچا لیا۔"

اسدجو نے تانبے کے جگ میں سے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے کہا
مسلمان ہونے کے ناتے یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔"

پھر کھانے کے بعد اسدجو نے کہا۔ "ایک بات کی وضاحت میں ضر
ہوں وہ یہ ہے کہ میں آپ دونوں کو بارڈر پار نہیں کرا سکوں گا کیونکہ یہ
پنچھ سے بہت دور ہے ہاں میں اتنا ضرور کر سکوں گا کہ آپ کو اپنے ایک ا
کے پاس پہنچا دوں جو اپنے وسائل سے کام لے کر آپ کو بارڈر کراس کرا د
سیمرا نے کہا۔ "آپ کا شکریہ ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں

ایک بار اپنے پاک وطن پہنچ جائیں۔"

سلمان نے بھی اسدجو کا شکریہ ادا کیا اسدجو کہنے لگا۔ "اب تم لوگ آرام کرو
صبح بات ہو گی۔"

اسدجو چلا گیا سیمرا پلنگ پر اور سلمان زمین پر بچھی ہوئی صف پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا اسدجو جاتے ہوئے کمرے کو باہر سے تالا لگا گیا تھا اور تاکید کر گیا تھا کہ اندر کمرے کی بتی بجھائے رکھنا سیمرا اور سلمان کو اس قدر تھکان ہو گئی تھی کہ جوں ہی انہوں نے لحاف اوڑھ کر آنکھیں بند کیں وہ نیند کی آغوش میں چلے گئے آنکھ اس وقت کھلی جب مسجد میں صبح کی اذان ہو رہی تھی دونوں اٹھ کر بیٹھ گئے اذان کے فوراً بعد اسدجو نے آ کر دروازہ کھول دیا اور کہا "غسل خانہ ساتھ ہی ہے تم لوگ منہ ہاتھ دھو لو میں نماز سے فارغ ہو کر تمہارے لئے ناشتہ لیتا آؤں گا۔" وہ چلا گیا سیمرا اور سلمان نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا سیمرا نے پرس میں سے برش نکال کر بالوں میں پھیرا کہنے لگی۔ "تمہارا کیا خیال ہے سلمان اسدجو ہمیں کس جگہ سے بارڈر کراس کرائے گا؟ میرا تو خیال ہے کہ وہ ہمیں کشمیر کے بارڈر پر اپنے کسی دوست کے حوالے کرنے والا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے مگر کشمیر کے بارڈر پر بھی بے حد سختی ہو گی پاکستان کی طرف سے تو پہلے بھی کوئی نہیں آ سکتا تھا۔"

"خدا کرے کہ ہم خیریت سے پاکستان پہنچ جائیں۔"

انہوں نے وضو کر کے صبح کی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر دونوں نے خدا کے حضور دعا مانگی کہ وہ خیر خیریت سے اپنے وطن پہنچ جائیں کیونکہ وہ بدقسمتی کی وجہ سے یہاں پھنس گئے تھے اسدجو ان کے لئے چائے کی چینک اور روغنی نان لے کر آ گیا سب نے مل کر ناشتہ کیا اسدجو کہنے لگا۔ "میرے بچے آج کل سرینگر گئے ہوئے ہیں۔"

سلمان نے پوچھ ہی لیا۔ "کیا آپ کے دوست ہمیں کشمیر کے راستے پاکستان بھجوائیں گے؟" اسدجو اٹھتے ہوئے بولا "اس کا فیصلہ میرا دوست کرے گا جس کے پاس میں تمہیں آج شام کا اندھیرا ہونے کے بعد پہنچا دوں گا۔ اب تم لوگوں کو سارا

دن اسی کوٹھری میں گزارنا ہے اوپر سے یہاں صحن میں کسی کی نظر نہیں پڑتی۔ پھر غسل خانے جانا پڑ جائے تو بڑی احتیاط سے جانا۔ دروازے کو اندر سے چٹخنی لگا رکھنا۔ میں درمیان میں آتا رہوں گا۔"

اسدجو چلا گیا۔ پریشان کر دینے والے خیالات میں گم ہو کر سلمان اور سمیرا وہاں سارا دن گزارا۔ دوپہر کو اسدجو انہیں کھانا دے کر چلا گیا۔ اس کے بعد بھ حالات معلوم کرنے بیچ میں دوبارہ آیا۔ جب شام کی نماز ہو گئی اور سردیوں کی شا اندھیرا چھا گیا تو اسدجو آیا اس نے اپنے پرانے بٹوے میں سے انڈین کرنسی کے ا سو روپے کے کھلے نوٹ نکال کر سلمان کو دیئے اور کہا۔ "یہ اپنے پاس رکھ لیں۔ تمہیں اس کی ضرورت پڑے۔ اب تیار ہو جاؤ میں گلی کے باہر تانگہ لا رہا ہوں۔ میں مجھ سے یا آپس میں کوئی بات نہ کرنا۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔"

اسدجو کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد انہیں گلی کے باہر تانگہ کھڑے ہ کی آواز آئی۔ پھر صحن کا دروازہ کھلا۔ اسدجو اندر آ گیا۔ "میرے ساتھ آ جاؤ۔ تانگہ لے آیا ہوں۔ میری بات یاد رکھنا راستے میں کوئی بات نہ کرنا۔"

سمیرا اور سلمان گلی میں سے نکلے آگے چھوٹے سے بازار میں ایک تانگ تھا۔ سلمان اور سمیرا خاموشی سے تانگے کی پچھلی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ کوچوان بوڑھا سکھ تھا اسدجو کوچوان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تانگہ ایک طرف چل پڑا۔ دکانوں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ تانگہ چھوٹے بازار سے نکل کر بازار میں آ گیا یہ ہال بازار تھا۔ یہاں سے تانگہ ریلوے پل سے ہوتا ہوا اس سڑ آ گیا جس کی ایک جانب کبھی شریف پورہ ہوا کرتا تھا جو امرتسر کے مسلمانوں کی تھی۔ آگے ریلوے پھاٹک تھا۔ پھاٹک تک آبادی چلی گئی تھی۔ پھاٹک سے تھو اسدجو نے تانگہ رکوایا۔ کوچوان کو پیسے دیئے اور سلمان سے کہا۔ "آؤ مہاراج کے جیجا جی اسی گلی میں رہتے ہیں۔"

یہ گلی دوسری طرف ایک بازار میں نکل گئی تھی۔ اسدجو کا ایک خاص کشمیری دوست اس گلی میں رہتا تھا۔ اس کا تعلق کشمیر کی حریت پسند تنظیم سے یہاں وہ رفوگری کا کام کرتا تھا۔ اس کا نام غلام نبی تھا۔ اسدجو اس کے مکان کی

ھا تو اسے گلی کے دوسرے دروازے پر کھمبے کی روشنی میں کسی جیپ کا پچھلا حصہ نظر آیا۔ یہاں اسدجو اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس علاقے میں تین چار گھر ایسے ہیں جن کے پاس جیپیں ہیں وہ یہی سمجھا کہ یہ جیپ بھی ان میں سے کسی کی ہوگی۔ مگر یہاں اس سے بڑی بھیانک غلطی ہو گئی تھی۔

وہ جیپ انڈین بارڈر سیکیورٹی فورس والوں کی تھی اور میجر تیواڑی نے سلمان اور سمیرا کی تلاش میں غلام نبی کشمیری کی بیٹھک پر چھاپہ مارا تھا اور اس وقت غلام نبی کے مکان کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ مکان کے باہر گلی میں سیکیورٹی فورس کا ایک سپاہی بھی نہیں تھا۔ ورنہ اسدجو وہیں سے الٹے پاؤں مڑ جاتا۔ میجر تیواڑی بڑا ہوشیار اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اس نے جان بوجھ کر گلی میں اپنے کسی سپاہی کو کھڑا نہیں کیا تھا۔ بارڈر فورس کی جیپ بھی اس نے گلی کے دوسرے دروازے پر آگے کر کے کھڑی کی تھی تاکہ اگر غلام نبی کے مکان پر کوئی مشتبہ آدمی آئے تو وہ جیپ یا کسی سپاہی کو دیکھ کر وہیں سے واپس نہ چلا جائے اسدجو دھوکا کھا گیا تھا۔

جوں ہی وہ غلام نبی کے مکان میں داخل ہوا۔ بارڈر فورس کے چار سپاہیوں نے اسے اور سلمان اور سمیرا کو وہیں قابو کر لیا۔ میجر تیواڑی نے وہ حوالدار اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا جو بارڈر سے سمیرا اور سلمان کو گاڑی میں بٹھا کر پتلی گھر والے انٹیروگیشن سنٹر تک لایا تھا تاکہ وہ انہیں پہچان سکے۔ میجر تیواڑی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اسے اتنی بڑی کامیابی مل جائے گی۔ اس کو تو ایک مخبر نے صرف یہ اطلاع دی تھی کہ غلام نبی رفوگر کے مکان پر دو دن سے مشتبہ قسم کے لوگ آ جا رہے ہیں اور میجر تیواڑی نے اس خیال سے چھاپہ مارا تھا کہ ہو سکتا ہے ہاں سے ے انٹیروگیشن سینٹر سے بھاگے ہوئے مبینہ خطرناک پاکستانی جاسوس لڑکے اور لڑکی کا کوئی سراغ مل جائے۔ میجر تیواڑی نے شہر کی پولیس سے بھی کوئی مدد نہ لی تھی۔ اسے پولیس پر اعتبار نہیں تھا۔ انٹیروگیشن سینٹر سے دو خطرناک غیر ملکی جاسوسوں کا فرار ہو جانا میجر تیواڑی کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج بن گیا تھا۔ اسے اپنی تنزلی کا بھی ڈر تھا۔ جب بارڈر فورس کے حوالدار نے سلمان اور سمیرا کو پہچان کر کہا۔ "سر! یہ وہی سینٹر سے بھاگے ہوئے پاکستانی جاسوس ہیں۔" تو میجر تیواڑی خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے

کہا۔ "تمہیں یقین ہے حوالدار؟"

"یس سر! میں ہی انہیں بارڈر سے لایا تھا میں ان کی شکلیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ یہی وہ عورت اور مرد ہیں۔"

سلمان اور سمیرا کے رنگ اڑ گئے تے۔ اسد جو کو تو ہتھکڑی ڈال کر میجر تیواڑی نے گارڈز کے ساتھ جیپ میں بھجوا دیا غلام نبی کشمیری کو پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ میجر تیواڑی نے بجلی کی روشنی میں گھور کر سلمان اور سمیرا کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا بید تھا جس پر چمڑا چڑھا ہوا تھا۔ اس نے سلمان کی گردن پر آہستہ آہستہ بید مارتے ہوئے کہا۔ "تم سمجھتے تھے کہ میجر تیواڑی کے تہہ خانے سے نکل کر بھاگے ہو اب تمہیں کوئی پکڑ نہیں سکے گا؟ ہیں؟ پاگل آدمی۔ تم اگر زمین کے اندر بھی چلے جاتے تو تیواڑی تمہیں وہاں سے کھینچ کر باہر لے آتا۔"

اس کے بعد وہ سمیرا کے پاس آیا۔ سمیرا خوف سے کانپ رہی تھی۔ میجر تیواڑی نے بید سے سمیرا کی ٹھوڑی کو اونچا کیا اور بڑی مکروہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"تم تو بڑی خطرناک لڑکی لگتی ہو۔ ہیں! تم سے تو اسپیشل سلوک کیا جائے گا۔"

پھر اس نے حوالدار کو اشارہ کیا ان دونوں کے ہاتھ پہلے سے پیچھے باندھ دیئے گئے تھے۔ حوالدار نے سلمان اور سمیرا کو آگے دھکیلا اور مسلح سپاہیوں کے ہمراہ انہیں ساتھ لے کر گلی میں نکل آیا۔ انہیں بند جیپ میں بٹھا دیا گیا میجر تیواڑی نے اسد جو کو دو سپاہیوں کے ساتھ پولیس اسٹیشن بھجوا دیا۔ خود جیپ میں آ کر بیٹھا۔ جیپ اسٹارٹ ہوئی اور امرتسر کی سرد رات کے دھندلی روشنیوں میں پتلی گھروالے انٹیروگیشن سینٹر کی طرف روانہ ہو گئی۔ سلمان سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ سمیرا کی حالت ایسی تھی جیسے کسی کو پھانسی کی کوٹھری سے نکال کر پھانسی دینے کے لئے لے جایا جا رہا ہو۔ انٹیروگیشن سینٹر پہنچتے ہی میجر تیواڑی کے حکم سے سلمان کو تہہ خانے میں اور سمیرا کو بڑی عمارت کے کونے والے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ باہر دو مسلح سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا گیا۔ میجر تیواڑی نے انڈین بارڈر فورس کے متعلقہ افسران کو ٹیلی فون پر بتا دیا کہ دونوں مفرور جاسوسوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور ان سے پوچھ گچھ شروع کر رہا ہوں

کی امید بھی بندھ گئی تھی ٹیلی فون کرنے کے بعد تیواڑی سیدھا سمیرا کی طرف

سمیرا کو ویران عمارت کے جس کمرے میں بند کیا گیا تھا وہ تہہ خانے سے بہتر تھا۔ یہاں کھڑکیوں اور دروازے پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ ایک پرانا صوفہ تھا دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر بستر لگا تھا اور لحاف بھی پڑا تھا یہ کسی کا بیڈ روم لگتا تھا۔ سمیرا بڑی حیران ہوئی کہ اسے اس قسم کے کمرے میں بند کیا گیا ہے۔ اس کمرے کے ساتھ ہی باتھ روم بھی بنا ہوا تھا سمیرا صوفے کے ساتھ لگ کر دری پر بیٹھ گئی۔ اپنا وطن پاکستان اور اپنا گھر یاد کر کے اس کی ...ول میں آنسو آ گئے۔ وہ خدا سے بڑی عاجزی کے ساتھ دعائیں مانگنے لگی کہ یا ...مجھے اور سلمان کو اس مصیبت سے نکال دے۔ ہمارے گناہ معاف کر دے۔ ...زے کا پردہ ہٹا اور میجر تیواڑی اندر داخل ہوا۔ وہ اب فوجی وردی میں نہیں تھا ...نے عام کپڑے اور بند گلے کا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بید تھا۔ ...ہی اس نے سمیرا کو بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہاں ٹھنڈی زمین پر ...بیٹھی ہو؟ صوفے پر بیٹھو۔ ہیں! ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔"

سمیرا صوفے کے کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اسد جو کی دی ہوئی گرم ...مل اپنے آپ کو لپیٹ رکھا تھا۔ اسے اپنی بے بسی اور کم مائیگی کا بڑا شدید ...س ہو رہا تھا۔ اس کا دل خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا اور وہ خدا سے اپنی زندگی ...تھا اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کی دعا مانگنے لگی۔ اس نے میجر تیواڑی کی ...ول میں شیطانیت کی امڈتی ہوئی گھٹائیں دیکھ لی تھیں اب صرف خدا کی ذات ہی ...کے ناموس کو اس شیطان سے بچا سکتی تھی۔ میجر تیواڑی سمیرا کے پہلو میں بیٹھ ...سمیرا سمٹ کر پرے ہو گئی۔

"تم پڑھی لکھی لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ ایک بات تم بخوبی سمجھ گئی ہو گی کہ یہاں ...ٹک کر نہیں جا سکتیں ہیں۔ بس ایک ہی صورت ہے کہ مجھے ان لوگوں کے نام بتا ...کشمیر میں تخریب کاری کے لئے تمہارے ساتھ پاکستان سے آئے ہیں میں وعدہ ...ہوں کہ اگر تم نے سچ سچ سب کچھ بتا دیا۔ ہیں تو تمہیں خود بارڈر کراس کرا دوں

گا۔"

سمیرا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہ میں پاکستانی جاسوس ہوں نہ میرا کوئی تخریب کار یہاں آیا ہے ہم دونوں ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔"

میجر تیواڑی ہنس کر بولا۔ "شاید تمہیں پتہ نہیں کہ ہم تم سے کیا سلوک والے ہیں۔ ہیں۔ میں تمہیں ایک اور موقع دیتا ہوں مجھے سب کچھ بتا دو پھر اور تمہارے ساتھی کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ ہیں؟"

سمیرا کیا جواب دیتی؟ اسے کچھ معلوم ہوتا تو بتاتی۔ وہ یہی کہتی رہی پاکستانی جاسوس نہیں ہیں ہم کچھ اس قسم کے حالات میں پھنس کر یہاں آگئے کسی کو بتائیں بھی تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔ میجر تیواڑی اٹھ کر کمرے سے باہر گیا۔ سمیرا سوچنے لگی کہ شاید اب سپاہی آئیں گے اور اسے یہاں سے لے جا خانے میں ڈال دیں گے جہاں اس کے ساتھ بھیانک قسم کا تشدد کیا جائے گا۔ ا اپنا سر پکڑ لیا اور خدا سے اپنی بخشش کی دعائیں مانگنے لگی۔ کافی دیر بعد میجر کمرے میں داخل ہوا۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں ہے وہ سیدھا کے پاس آیا اور اس کی چادر کھینچ کر پرے پھینک دی۔ سمیرا سہم کر سمٹ گئی تیواڑی نے سمیرا کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پلنگ پر پھینک دیا۔ پھر اسے گالیا خود بھی پلنگ پر آگیا سمیرا کے کان شائیں شائیں کرنے لگے۔ اس کا جسم سن جوں ہی میجر تیواڑی سمیرا پر جھپٹا ایک ناقابل یقین بات وقوع پذیر ہوئی۔

عجیب و غریب بات جو وقوع پذیر ہوئی وہ یہ تھی کہ میجر تیواڑی نے جو ہاتھ سمیرا کی طرف بڑھایا تھا' وہ ایک جھٹکے سے اوپر کو اٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی میجر تیواڑی کی آنکھیں باہر کو ابل پڑیں اور اس کے حلق سے ایسی خرخراہٹ کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے کوئی بڑی بیدردی سے اس کا گلا دبا رہا ہو۔

جس طرح اچانک سیاہ بادلوں میں بجلی چمک جاتی ہے۔ سمیرا کے دل میں یاقوت کا خیال لہرا گیا۔ خدا نے اس کی فریاد سن لی تھی اور اس کی مدد کے لئے یاقوت کو بھیج دیا تھا۔ سب کچھ "آناً فاناً" ہو گیا۔ شیطان صفت میجر تیواڑی کے بازو لٹک گئے۔ کسی نے اسے پیچھے سے دبوچ رکھا تھا اور اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئی تھیں۔ حلق کی خرخراہٹ بھی ختم ہو گئی تھی۔ گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ پھر جیسے کسی نے اسے چھوڑ دیا اور وہ پلنگ سے نیچے گر پڑا۔ سمیرا کو یاقوت کی پراسرار خوشبو نہیں آ رہی تھی مگر اسے یقین تھا کہ یہ سوائے یاقوت کے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس نے آہستہ سے یاقوت کا نام لے کر پکارا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمیرا نے ایک بار پھر کہا۔ "یاقوت! خدا کے لئے تم مجھ سے بولتے کیوں نہیں۔ میں جانتی ہوں تم میرے قریب کھڑے ہو۔ اس وقت اگر تم اچانک نہ آ جاتے تو میں مر چکی ہوتی۔ مجھ سے بات کرو۔" کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا سمیرا کے سامنے آکر گرا۔ سمیرا نے اسے اٹھا لیا۔ اس پر لکھا تھا۔

"جو ڈراؤنا خواب تم اور سلمان دیکھ رہے تھے وہ ٹوٹ گیا ہے۔ تم دونوں اب

حقیقت کی دنیا میں داخل ہو جاؤ۔ اپنی دنیا میں واپس جا کر نئی زندگی کا آغاز کرو۔ م
دعائیں اور خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہو گی۔"

سمیرا نے رقعہ پڑھنے کے بعد جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا
لئے مجھ سے بات کرو یاقوت۔ تم نے تو اپنی خوشبو بھی مجھ سے جدا کرلی ہے۔"

اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اتنے میں باہر سے کسی نے دروازے پر دستک د
کہا۔ "میجر صاحب سر! کمانڈر صاحب کا فون آیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چا
ہیں۔ سر! سر؟"

حوالدار منشی رام بار بار دستک دے رہا تھا۔ جب اندر سے کسی نے جوا
دیا تو اس نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں بتی جل رہی تھی۔ صوفہ اور پلنگ
پڑے تھے۔ دری کے فرش پر میجر تیواڑی کی لاش پڑی تھی۔ جو لڑکی کمرے میں
سے بند کی گئی تھی وہ وہاں نہیں تھی۔ حوالدار نے شور مچا دیا۔

ڈیوٹی پر موجود گارڈ آ گئے۔ میجر کی لاش دیکھ کر سب ششدر رہ گئے۔

"وہ پاکستانی عورت کہاں ہے؟ تلاش کرو۔ یہ خون اس نے کیا ہے۔"

باہر سے کسی نے چلا کر کہا۔ "تہہ خانے سے پاکستانی جاسوس بھی غائب ہ

سمیرا کو ایسے لگا جیسے کوئی خواب میں اسے آوازیں دے رہا ہے۔ ا
آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹی تھی اور اس کی
نوری اسے جگا رہی تھی۔ "بیگم صاحبہ۔ اٹھیں۔ دن چڑھ آیا ہے۔"

سمیرا پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ کھڑکی میں سے دن کی روشنی آ رہی تھی
نے کہا۔ "بیگم صاحبہ آپ کہاں چلی گئی تھیں! رات کو کس وقت آئیں؟ ہمیں
ہی نہیں چلا۔"

نوری کی زبانی سمیرا کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھر سے صرف ایک دن
رات غائب رہی ہے۔ حالانکہ اس کے حساب سے وہ کئی ماہ تک گھر سے
تھی۔ وقت کے اس راز کو سمیرا کبھی بھی نہیں سمجھ سکی۔ اس نے اسی وقت
کے گھر فون کیا۔ دوسری طرف سے سلمان ہی نے فون اٹھایا۔ "سلمان!
ہوں۔"

"میرے خدایا۔ یہ۔ یہ کیا کوئی ڈراؤنا خواب تھا؟" سلمان کی حیرت میں ڈوبی
آواز آئی۔ سمیرا نے کہا۔ "خود میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میں دفتر آ رہی
تم فوراً" میرے دفتر پہنچو۔ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم بھی
پہنچ گئے۔"

نوری نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ "کیا ہوا تھا بی بی جی؟ خیریت تو ہے نا؟"

"ہاں نوری۔ بالکل خیریت ہے۔ تم میرے لئے چائے بناؤ۔ صرف چائے۔ میں
نہیں کروں گی۔"

سمیرا جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ وہ تیار ہو کر باہر برآمدے میں آئی تو سلیمان
اس کی خیریت معلوم کرنے اس کے پاس آ گئے۔ سمیرا نے اسے بھی یہی کہا کہ
یک سہیلی کے پاس ٹھہر گئی تھی۔ وہاں ٹیلیفون نہیں تھا۔ تم لوگوں کو اطلاع نہ
سکی۔ وہیں برآمدے میں بانس کی آرام کرسی پر بیٹھ کر سمیرا نے چائے پی۔ پھر
ج سے موٹر نکالی جسے سلیمان چچا نے جھاڑ پونچھ دیا تھا اور اپنے دفتر کی طرف
ہو گئی۔

دفتر پہنچ کر بھی اسے یہی معلوم ہوا کہ وہ صرف ایک دن دفتر نہیں آئی تھی۔
نے اپنے باس کے پاس جا کر معذرت کی اور اپنی میز پر بیٹھ کر معمول کے مطابق
نے لگی۔ کیلنڈر پر بھی صرف ایک دن آگے کی تاریخ تھی۔ اتنے میں سلمان کا
نا آگیا۔ "ہیلو سمیرا میں آ رہا ہوں۔"

میرا نے کہا۔ "میں تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں بس ابھی چلے

تھوڑی دیر بعد سلمان آ گیا۔ اس نے بڑی خوبصورت نیلی جرسی پہن رکھی
اس کے چہرے پر بڑی شگفتگی اور بشاشت تھی۔ آتے ہی کرسی کھینچ کر سمیرا کے
ہو گیا۔ بولا۔ "سمیرا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں نے ایک ہی ڈراؤنا خواب
ا؟"

میرا نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں نہیں۔ کینٹین میں چل کر بات کرتے ہیں۔"
میرا نے اپنی ساتھ والی لڑکی سے کہا کہ وہ اس کی سیٹ کا خیال رکھے اور

سلمان کے ساتھ کینٹین میں آ گئی۔ یہاں باتوں کا ایک پورا دفتر کھل گیا۔ جو جو کچھ
کے ساتھ گزرا تھا وہ سب انہیں یاد تھا۔ سلمان تو بہت حیران تھا۔ کہنے لگا۔ "م
مجھے تہہ خانے میں دوبارہ بند کیا گیا تو مجھے سب سے زیادہ تمہاری فکر تھی۔ پھر ایسا
کہ مجھے ایک چکر سا آیا اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو میں کمرے
اپنے موجود تھا۔ گھر والے یہی سمجھے کہ میں رات کو کسی وقت آ گیا تھا۔ سب حیرا
بھی ہوئے اور خوش بھی۔ سارے رشتہ دار آ گئے۔ سب مجھ سے پوچھنے لگے کہ
کہاں چلا گیا تھا؟ میں نے یوں ہی ایک فرضی کہانی گھڑ کر سنا دی۔ کہ ایک دوست
پاس دور دراز علاقے میں چلا گیا تھا۔ اب مجھے تمہاری فکر لگی تھی کہ خدا جانے
انڈیا ہی میں ہو کہ تم بھی میری طرح واپس آ گئی ہو۔ میں تمہیں فون کرنے ہی والا
کہ تمہارا فون آ گیا۔"

پھر وہ سر کو جھٹک کر بولا۔ "سمیرا! یہ سب کچھ کیا تھا؟ کیا انسان کے ساتھ ا
واقعات بھی پیش آ سکتے ہیں؟ تم وہاں سے کیسے آئیں؟"

سمیرا نے کہا۔ "مجھے میجر تیواڑی نے الگ کمرے میں بند کر دیا تھا۔ وہ مجھ
پوچھ گچھ کرنے آیا تو نشے میں تھا۔ میں نے خدا کے آگے فریاد کی اور پھر مجھے
ایک چکر سا آیا اور میں بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو تمہاری طرح میں بھی اپنے
پر تھی۔"

سمیرا نے جان بوجھ کر سلمان کے سامنے یاقوت اور میجر تیواڑی کی موت
نہ کیا۔ اس قسم کے ذکر کی اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سمیرا نے موضوع
کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "سلمان! بہتر یہی ہے کہ اب ہم ان باتوں
سے بالکل بھلا دیں۔ کیونکہ جس شیطانی طاقت نے نیکی کی طاقت پر غلبہ حاصل
تھا اس طاقت کو شکست مل چکی ہے۔ مجھے خدا کی ذات سے پورا یقین ہے کہ
ہماری زندگی میں ایسی ڈراؤنی باتیں پھر کبھی نہیں ہوں گی۔"

سلمان پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے بولا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو سمیرا
ان باتوں کو اس ڈراؤنے خواب کو بھلا دینا چاہئے۔"

وہ دونوں نوجوان تھے اور عمر کے اس حصے میں تھے جہاں سوائے محبت

کوئی جذبہ، دوسری کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ محبت کے جذبات باقی تمام جذبات پر
آ جاتے ہیں۔ محبت کے جذبات کا سیلاب ایک ایسا سیلاب ہوتا ہے جو بڑے
سیلاب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے محبت
تھے۔ جن واقعات سے چاہے وہ خواب یا خیال ہی سہی، وہ گزرے تھے انہوں
دونوں کو ایک دوسرے کے مزید قریب کر دیا تھا۔ ڈراؤنے خواب کے واقعات کا
کچھ اثر رہا۔ سمیرا بھی یاقوت کے بارے میں سوچتی رہی کہ شاید وہ پھر اچانک
آ جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ پھر وہ دل ہی دل میں اس کا شکریہ ادا کرتی۔ اس کے
سلمان کی محبت میں کھو گئی اور یوں ایک بار پھر ان کی شادی کا قصہ چل نکلا۔
ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ یہ بات بھی ثابت ہو گئی تھی کہ سلمان
پا کا سلمان کے اغواء میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ اگرچہ سلمان نے اپنی چچا زاد کے
شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ جب سلمان کو میدان صاف ملا تو اس
نے گھر والوں سے اس عزم کا اظہار کر دیا کہ وہ سمیرا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔
پ اور بہن اپنے پیارے بھائی اور وہ اپنے بچے سے بہت زیادہ پیار کرنے لگے
انہوں نے فوراً رضامندی کا اظہار کر دیا۔ سمیرا کو جب سلمان نے یہ خوش
سنائی تو وہ شرما سی گئی۔ دل میں بہت خوش ہوئی۔ وہ سلمان کو دل و جان سے
تی اور اب وہ ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی میں داخل ہو رہا تھا۔ اس سے بڑھ
ما کی اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی تھی؟ سلمان ایک دن سمیرا کو اپنے گھر لے
اپنے ماں باپ اور بہن سے ملایا۔ سمیرا انہیں بہت پسند آئی۔ ویسے بھی اس کے
ماں، نند کا جھنجھٹ نہیں تھا۔ تھوڑی بہت جائیداد کی اکیلی وارث تھی۔ پہاڑ پر
بصورت مکان تھا۔ نوکری لگی ہوئی تھی۔ کار تھی۔ انہیں اور کیا چاہئے تھا۔ وہ
خوش ہوئے۔ ماں نے سمیرا کو ایک سو ایک روپے سلامی بھی دے دی۔ طے یہ
اگلے سال فائن آرٹس میں سلمان کے ڈگری لینے کے بعد شادی کر دی جائے
کی مہینے منگنی کی رسم بھی ادا ہو گئی۔ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیئے گئے۔
کا چچا بھی منگنی کی رسم میں شریک ہوا۔ اس نے اپنے دل سے تمام کدورت مٹا
کی۔ سلمان کو سینے سے لگا کر بولا۔ "جہاں میرے بھائی کے بیٹے کی خوشی ہے

وہیں ہماری بھی خوشی ہے۔ خدا تمہیں شادی مبارک کرے۔"

سمیرا نے کینیڈا میں نتاشا کو منگنی کی خبر کی تو اس نے مبارک باد دی کر زبردست خط لکھا اور سلمان کے واسطے ایک بڑی خوبصورت کلائی کی گھڑی بھی ب فون پر سمیرا سے بات بھی کی اور کہا میں شادی پر ضرور آؤں گی۔ میرے لئے یہ بڑی خوشی کا دن ہو گا۔ زبانی زبانی سلمان کے گھروانوں کے ساتھ یہ بھی طے ہوا شادی کے بعد کچھ عرصہ لڑکی سسرال والوں کے ہاں رہے گی۔ اس کے بعد ا پسند کرے تو اپنے خاوند کے ساتھ پہاڑ والے گھر میں جا کر آباد ہو سکے گی۔ اس ا سے سمیرا کا یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تا کہ وہ اپنا پرانا مکان نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

سمیرا کے دفتر والوں کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی منگنی سلمان سے ہے چنانچہ اب وہ دفتر میں بغیر کسی روک ٹوک کے ملتے۔ دفتر کا باس بھی ب شرافت سے بڑا متاثر تھا۔ اس کے باوجود سمیرا اپنے دفتری فرائض سے کبھی نہیں ہوئی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ محنت اور جی لگا کر کام کرنے لگی تھی۔ ٹھیک صبح دفتر آتی اور چار بجے چھٹی کرتی۔ سلمان گاڑی لے کر آ جاتا۔ دونوں کا کبھی کسی دوسرے ہوٹل میں بیٹھ کر کافی وغیرہ پیتے شادی سے پہلے والی گرم جو ساتھ محبت بھری باتیں کرتے۔ مستقبل کے منصوبے بناتے۔ ہنی مون کہاں گے۔ شادی کے دن کون سے کپڑے پہنے جائیں گے۔ سمیرا نے سلمان کے سا اپنے کئی ریشمی جوڑے خریدے۔ سلمان کے لئے سوٹ کا کپڑا اور اس کے گ اور رشتہ داروں کے لئے بھی جوڑے خریدے۔ سمیرا شادی بیاہ کی تمام ر چاہتی تھی تا کہ سلمان کے کسی بھی عزیز یا رشتہ دار کی کوئی شکایت نہ رہے۔

سلمان کے امتحان میں چند ماہ ہی رہ گئے تھے۔ اس نے امتحان دیا۔ وہ ا لے کر پاس ہو گیا۔ اسے اپنے شہر میں ہی ایک ایڈور ٹائزنگ کمپنی میں بڑی ا مل گئی۔ اس کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ سمیرا نے نتاشا فون کر دیا کہ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے تم کچھ دن پہلے آ جاؤ۔ نتاشا پہلے سمیرا کے پاس آ گئی۔ دونوں مل کر شادی کے ملبوسات خریدنے میں گئیں۔ شادی کا دن آ گیا۔ سمیرا کے دفتر کی لڑکیاں بھی سمیرا کے پہاڑی وا

پہنچ گئیں۔ نتاشا ان میں پیش پیش تھی۔ سب نے مل کر سمیرا کو دلہن بنایا۔ دلہن بن کر سمیرا کا روپ نکھر آیا تھا۔ اس کے حسن میں چار چاند لگ گئے تھے۔ نوری اور سلیمان چچا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بارات کے واسطے کھانے کا انتظام چچا سلیمان کے ہی سپرد تھا۔ جس نے اپنے دو چار عزیزوں کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لیا تھا۔ سمیرا کے پہاڑی والے مکان کو نتاشا کے اصرار پر برقی قمقموں سے سجایا گیا۔ شام کے وقت جب بارات آئی تو مکان جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ سمیرا اپنی سہیلیوں کے درمیان دلہن بنی شرمائی لجائی بیٹھی تھی اور نتاشا سمیت ساری لڑکیاں اسے چھیڑ رہی تھیں۔

رات کے دس بجے کے قریب سلمان اپنی پیاری محبوبہ سمیرا کو بیاہ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلمان کے گھر کو بھی روشنی سے دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ دلہن کو بڑے چاؤ اور محبت سے سجی ہوئی کار میں سے لے جایا گیا۔ سلمان بھی بہت خوش تھا۔ اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ ایک جگہ اس کے پاؤں نہیں ٹکتے تھے اور پھر جب آدھی رات کے بعد وہ حجلہ عروسی میں پہنچا تو دروازہ اپنے پیچھے سے بند کر کے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔ "سمیرا! کہیں یہ بھی تو ایک خوبصورت خواب نہیں ہے؟"

سمیرا نے سہرے کے پھولوں کو اپنے چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک خوبصورت حقیقت ہے سلمان!"

سلمان سمیرا کے قریب پلنگ پر بیٹھ گیا۔ کمرہ پھولوں اور مختلف قسم کی مہنگی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ اس نے بڑی محبت سے سمیرا کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ سمیرا نے آنکھیں بند کر لیں۔ سلمان کو یوں لگا جیسے یہ اس کی شادی نہیں بلکہ زندگی کی پہلی رات ہے۔ ایسی مہکتی ہوئی رات اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہی سمیرا سوچ رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کی سب سے قیمتی رات تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ رات کبھی ختم نہ ہو۔ یہ رات اس کی ساری زندگی پر پھیل جائے۔ اس کی ساری زندگی کو ان خوشبوؤں بھری آغوش میں لے لے اور اس رات کا سویرا کبھی نہ ہو۔ لیکن اس رات کو بھی گزر جانا تھا۔ اپنے پیچھے سہانی یادیں چھوڑ کر گزر جانا تھا۔ سمیرا اور سلمان

کی سہاگ رات بھی گزر گئی۔ اب ہنی مون کے پروگرام بننے لگے۔ سمیرا جس
ایجنسی میں کام کرتی تھی اس کے باس اور نتاشا کے ماموں نے نو بیاہتا جوڑے کو
کمپنی کی طرف سے تحفے کے طور پر پیرس کے دو واپسی ٹکٹ پیش کر دیئے۔
اور سمیرا بڑے خوش ہوئے۔ نتاشا نے اپنے ماموں سے کہا۔ "مگر ماموں جان یہاں
کے ٹھہرنے وغیرہ کا کیا انتظام ہو گا؟"

باس نے کہا۔ "انہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ پیرس میں
شاخ کا مینجر ان کے لئے ایک فلیٹ کا بندوبست کر دے گا۔ میں نے آج ہی
فیکس پر اطلاع کر دی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی باس نے سمیرا اور سلمان کو ایک ہزار امریکی ڈالر کا چیک
پیش کیا جسے پیرس کے ایک بینک میں سے کیش کرایا جانا تھا۔ ایک ہزار ڈالر نتا
تحفے کے طور پر دیئے۔ باس کہنے لگا۔ "پیرس میں آپ کا قیام ویزے کے مطا
ماہ تک ہو گا۔ اس دوران اگر آپ کو مزید رقم کی ضرورت پڑے تو آپ ہماری
شاخ کے مینجر سے لے سکتے ہیں میں نے کمال صاحب کو تفصیلی خط لکھ دیا ہے۔

اس سے زیادہ خوبصورت ہنی مون اور کیا ہو سکتا تھا۔ ان کے پاس پا
پر ٹریول ایجنسی کی طرف سے پیرس کے ویزے بھی لگوا دیئے گئے۔ وہ تین
پیرس میں قیام کر سکتے تھے۔ چنانچہ ایک روز یہ خوش قسمت شادی شدہ جوڑا
مون کے لئے پیرس روانہ ہو گیا۔ اسی فلائٹ میں نتاشا نے بھی اپنی سیٹ بک
وہ کینیڈا اپنے ماں باپ کے پاس جا رہی تھی۔ یہ فلائٹ پیرس سے ہو کر نیو
رہی تھی۔ پیرس کے ایئرپورٹ پر ٹریول ایجنسی کا مینجر خواجہ کمال احمد سلمان ا
کے استقبال کے لئے پھولوں کا گلدستہ لے کر موجود تھا۔ ٹرانزٹ لاؤنج میں نتا
سے گلے لگ کر رخصت ہوئی۔ خواجہ کمال احمد کو دونوں کی تصویریں مل چکی
سلمان اور سمیرا ٹرانزٹ لاؤنج سے باہر نکلے تو سامنے ایک دراز قد دبلا پتلا
آدمی گرے اور کوٹ ایک بازو پر ڈالے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑا
نے ایک لمحے کے لئے دونوں کو غور سے دیکھا۔ پھر قریب آ کر اردو میں پوچھا
سلمان صاحب ہیں؟"

"جی ہاں۔" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شادی مبارک ہو۔"

خواجہ صاحب نے سمیرا کو بھی مبارک باد دی اور کہا۔ "پاکستان میں ہمارے ہیڈ
س کی ہدایات کے مطابق آپ کے لئے سارا انتظام کر دیا گیا ہے۔ پلیز میرے ساتھ
یف لایئے۔"

سمیرا اور سلمان بہت خوش تھے۔ سمیرا اس سے پہلے بھی یاقوت کے ساتھ
رس آ چکی تھی۔ سلمان پہلی بار آیا تھا۔ وہ انتہائی پرشوق نظروں سے عورتوں اور
ردوں کو تیز تیز قدموں سے ادھر ادھر آتے جاتے دیکھ رہا تھا۔ خواجہ صاحب کی گاڑی
رکنگ لاٹ میں کھڑی تھی۔ وہ انہیں سیدھے ان کے فلیٹ پر لے کر آ گئے۔ یہ
ٹ شہر کے ایک درمیانے قسم کے علاقے میں تھا جہاں پرانی پرانی کچھ گلیاں بھی
یں اور کشادہ سڑکیں بھی ایک دوسرے کو کاٹتی گزر رہی تھیں۔ سمیرا کے لئے پیرس
فضا غیر مانوس نہیں تھی۔ سلمان کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ سمیرا کے کاندھے پر جھک کر
لا۔ "یہاں بڑی سردی ہے۔" فلیٹ چھوٹا تھا مگر ان دونوں کے لئے کافی تھا۔ خواجہ
احب چلے گئے تو سلمان اور سمیرا نے کچن' باتھ اور بیڈ روم میں جا کر ایک ایک چیز
اچھی طرح سے معائنہ کیا۔ پیرس میں اس قسم کے فلیٹوں میں عام طور پر کمرے خود
رم کرنے پڑتے ہیں۔ مگر خواجہ صاحب نے ان کے واسطے ایک ایسی بلڈنگ میں
ٹ لیا تھا جہاں سینٹرل ہیٹنگ کا بڑا اچھا انتظام تھا۔ اسی روز شام کو پیرس میں برف
ری ہوئی۔ سلمان اور سمیرا اس وقت ایک شاپنگ پلازہ میں کھانے پینے کی چیزیں
یدنے آئے ہوئے تھے۔ باہر برف گرتی دیکھ کر سمیرا قدم آدم شیشے کے پاس آ گئی۔
لمان کاؤنٹر پر لفافے ایک طرف رکھوا رہا تھا۔ اس نے سمیرا کو آواز دی۔ "سمیرا! تم
ہا کر رہی ہو۔ یہ اتنے لفافے میں اکیلا کیسے اٹھاؤں گا۔"

سمیرا کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ سا گیا۔ وہ گرتی برف سے اپنی نظریں نہیں ہٹانا
اتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ کسی نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی
ھر کے منظر سے جدا ہو جائے۔ وہ مسکراتی ہوئی سلمان کی طرف آئی۔ "پیرس کی
ف باری بڑی خوبصورت لگتی ہے۔"

"بڑے وزنی ہو گئے ہیں لفافے۔" سلمان نے سبزی اور فروٹ کے دو لفا
گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ سمیرا نے بھی دو لفافے اٹھا لئے۔ خواجہ صاحب نے
کیا تھا کہ کل انہیں ایک چھوٹی کار مل جائے گی۔ باہر آ کر انہوں نے سامان کو ا
ٹیکسی میں ڈالا اور گرتی برف میں پیرس کی تاریخ ساز سڑکوں پر سفر کرتے اپنے ا
میں آ گئے۔ کچن میں سمیرا لفافوں میں سے چیزیں نکال نکال کر رکھ رہی تھی کہ ا
لفافے میں سے شیمپین کی ایک بوتل بھی نکلی۔ سمیرا نے بوتل کو حیرت سے دیکھا
سلمان سے پوچھا۔ "یہ کس لئے لائے ہو؟"

سلمان نے پتلا فرانسیسی سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "ارے بھئی شیمپین ہے
شراب تو نہیں ہے۔ یہ تو ہنی مون کا جزو ہے۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا۔ رات کو سمیرا نے مرغی روسٹ کی۔ مٹر ا
بنائے۔ سلمان کو سمیرا کا کھانا بے حد پسند آیا۔ مزے لے لے کر سمیرا کے ساتھ
کھاتا رہا اور ساتھ ساتھ پانی کی جگہ شیمپین استعمال کرتا رہا۔ سمیرا نے آہستہ
پوچھا۔ "یہ تم پہلے بھی پیتے تھے کیا؟"

"ارے بھئی وہاں ایسی چیزیں کہاں ملتی ہیں؟"

رات تک کافی برف گر چکی تھی۔ رات کے دس گیارہ بجے تک دونوں
جہان کی باتیں کرتے رہے۔ سلمان کی باتوں میں ربط آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور ا
سو گیا۔

سلمان کو پیرس بہت پسند آیا۔ شروع شروع میں وہ شیمپین پیتا تھا پھر اس
وائن شروع کر دی اور اس کے ساتھ اسکاچ کا بھی استعمال کرنے لگا۔ سمیرا کو
پینا اچھا نہیں لگتا تھا وہ اسے دبی زبان میں منع کرتی تو سلمان ہنس کر ٹال دیتا۔ "
بھئی یہ تو یہاں کی خاص سوغات ہے اور پھر میں تو بہت کم کم پیتا ہوں۔"

سمیرا چپ رہتی سوچتی ماحول کا اثر ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انہیں
میں رہتے ہوئے ڈھائی ماہ گزر گئے اس دوران اگرچہ برف باریاں بھی خوب ہو
انہوں نے سیریں بھی خوب کیں۔ سمیرا نے ایک بار پھر شہر کی تمام نودرات کی
اور عجائب گھر دیکھ ڈالے۔ اولڈ ماسٹرز کی لازوال اور ریجنل پینٹنگز کو بڑے ش

اور ان سے بے پناہ انسپائریشن حاصل کیا اس کے خیالات کو ان تصویروں سے
پاکیزگی اور گہرائی ملی اس دوران سمیرا نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ
اگرچہ فائن آرٹس کا اسٹوڈنٹ رہا تھا مگر اسے کلاسیکی آرٹ سے کوئی خاص
نہیں تھی۔ بس تصویروں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتا اور سمیرا کا بازو پکڑ کر آگے
بڑھتا۔ سمیرا گوگاں یا ماتیز کی کسی تصویر کے بارے میں بات کرتی تو وہ سر ہلا کر
"ہاں یار! بڑی اعلیٰ قسم کی تصویریں بناتے تھے یہ لوگ۔"

اسے کسی آرٹسٹ کے بھی خاص اسلوب اس کے مخصوص رنگوں کے استعمال
اس کے فنی تشخص کی شناخت کی نہیں تھی۔ اس کے لئے پال گوگیں' لورے'
پسارو اور وان گوگ ایک جیسے پینٹر تھے ان میں اگر کوئی مختلف شے تھی تو
یہ کہ وہ اپنے اپنے ڈھنگ سے رنگوں کا استعمال کرتے تھے وہ ایک ایک کی
دیکھتا سر ہلاتا اور کہتا۔ "واہ کیا بات ہے۔ کمال ہے؟"

سمیرا کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب وہ ڈالی کی ایک پینٹنگ کے سامنے
تھے کہ سلمان نے کہا۔ "اس کی ڈرائینگ ٹھیک نہیں ہے؟"

پیرس میں برفباری کا موسم ختم ہو رہا تھا کہ اس کا ویزا ہی ختم ہو گیا۔ سمیرا
پاکستان واپس جانا چاہتی تھی مگر سلمان پیرس میں ابھی مزید کچھ دیر ٹھہرنا چاہتا تھا اس
اپنی مرضی پر عمل کرتے ہوئے خواجہ صاحب کی مدد سے ویزے کی مدت میں مزید
ماہ کا اضافہ کر دیا۔ سمیرا یہاں بھی مجبور ہو گئی سوچا ٹھیک ہے اگر سلمان یہاں رہنا
چاہتا ہے تو کوئی بات نہیں وہ اس کی بیوی ہے اس سے محبت کرتی ہے وہ بھی رہ لے
ویسے اسے کوئی ناپسند نہیں تھا مزید ایک مہینہ گزر گیا پیرس میں بارشیں شروع ہو
گئی تھیں موسم بہار کی آمد آمد تھی سمیرا کے ساتھ سلمان بڑا خوش تھا اس کی محبت
کے جذبوں میں ذرا سا بھی فرق نہیں آیا تھا وہ چھتریاں لے کر بارشوں میں پیرس کی
سڑکوں اور باغوں کی سیریں کرتے سلمان اس سے محبت کی باتیں کرتا اور کہتا۔ "میں
بہت خوش نصیب ہوں کہ اپنی محبت میں کامیاب ہو گیا ہوں اور مجھے تم ایسی خوبصورت
اور وفا شعار بیوی ملی۔" سمیرا خود اسے بہت چاہتی تھی۔ وہ خود اپنے آپ کو بڑا خوش
قسمت تصور کرتی تھی۔ دن بھر وہ ایک دوسرے کے ساتھ سیریں کرتے۔ ہوٹلوں اور

وے سائیڈ ریستورانوں میں بیٹھ کر چائے کافی وغیرہ پیتے سمیرا اسے کہتی۔ "سلمان! عجیب لگتا ہے کہ جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہیں یہاں کبھی پال گوگا' لوترے اور وان بیٹھ کر چائے پیا کرتے تھے اور اپنے اپنے انداز میں پینٹنگز پر باتیں کیا کرتے تھے۔" سلمان کہتا۔ "ہاں سمیرا۔"

اور پھر وہ سگریٹ یا سگار سلگا کر خالی خالی نظروں سے سڑک پر آتے جا لوگوں کو تکنے لگا سمیرا کئی دنوں' بلکہ برفباری ختم ہونے کے دنوں سے سلمان میں ا خاص قسم کی تبدیلی محسوس کر رہی تھی وہ باتیں کرتے کرتے کسی خیال میں گم ہو جاتا سمیرا پوچھتی تو وہ چونک کر مسکراتا اور سمیرا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہتا۔ " نہیں بس یوں ہی پہلی بار فرانس آیا ہوں نا؟"

خواجہ صاحب نے اپنے آفس کی ایک چھوٹی سی گاڑی انہیں دے رکھی اسی گاڑی میں وہ پیرس اور اس کے مضافات کی سیر کرتے۔ شروع شروع میں سلما اکیلا گاڑی لے کر نہیں جاتا تھا جب اسے شہر کی سڑکوں سے واقفیت ہو گئی تو جب نے فلیٹ پر کھانا وغیرہ تیار کر رہی ہوتی تو سلمان گاڑی لے کر نکل جاتا لیکن ہونے کے بعد باہر نہیں رہتا تھا۔ اب وہ شام کو بھی گھر سے نکل جاتا اور کبھی رات کو دیر سے فلیٹ پر آتا سمیرا پوچھتی تو کہہ دیتا کہ سیر کرتے کرتے دور نکل گیا کبھی کہتا کہ ایک پاکستانی مل گیا وہ اپنے اسٹور پر لے گیا اور دیر تک باتیں کرتا لیکن ایک روز اس کے رات کو دیر سے آنے کا راز کھل گیا۔

اس رات بھی سلمان حسب معمول دیر سے فلیٹ پر آیا اور وہ حسب معمو نشے میں تھا سمیرا کے ساتھ اس کی ہلکی سی جھڑپ بھی ہو گئی۔ وہ بڑبڑاتا پلنگ پر کپڑ سمیت پڑ گیا تھوڑی دیر بعد خراٹے لینے لگا۔ سمیرا نے اس کی ٹائی اتاری پھر مشکل سے کوٹ اتار کر ہینگر میں لٹکا رہی تھی کہ کوٹ کی جیب میں کوئی چیز کھنکی۔ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا وہاں اسکاچ کی ایک چھوٹی سی شیشی تھی جو عام طو ہوائی جہازوں میں ملا کرتی ہے اور کچھ ریزگاری تھی اس کے ساتھ ایک تہہ کیا زرد رنگ کا کاغذ بھی باہر آ گیا تھا۔ سمیرا نے اسے کھولا اس پر سبز بال پوائنٹ فرانسیسی زبان میں لکھا تھا۔ "میں تم سے محبت کرتی ہوں تم میرے لئے بار لیز!

تمہاری ایماء۔"

سمیرا پر جیسے بجلی سی گری سمیرا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سلمان یہاں کسی لڑکی کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہا ہے محبت کے کسی سرور انگیز لمحات میں ایماء نامی لڑکی نے کاغذ کے ٹکڑے پر فرانسیسی زبان میں یہ جملہ لکھ کر سلمان کی جیب میں ڈال دیا ہو گا یا پھر سلمان نے اسے محبت کی نشانی سمجھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا ہو گا لیکن نشے کی حالت میں اسے یاد نہ رہا کہ وہ اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپا لے تاکہ سمیرا نہ دیکھ سکے۔ سلمان فرنچ زبان نہیں جانتا تھا مگر لڑکی نے اسے لکھنے سے پہلے بتا دیا ہو گا کہ اس نے کاغذ پر اس کے نام محبت بھرا جملہ لکھ دیا ہے۔

سمیرا نے کاغذ کو تہہ کر کے اسکاچ کی چھوٹی سی شیشی اور ریزگاری کے ساتھ ہی سلمان کے کوٹ میں رکھ دیا اور بے دلی سے کوٹ الماری میں لٹکا کر خود صوفے پر ہی کمبل لے کر لیٹ گئی۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سلمان جو اس سے اتنی محبت کرتا ہے ہنی مون کے زمانے میں ہی کسی دوسری لڑکی سے رومانس شروع کر دے گا۔ سمیرا ایک پرسکون مزاج کی لڑکی تھی جو خالص ذہنی کیفیات کے ماحول میں رہنے کی عادی تھی۔ وہ سلمان سے لڑائی جھگڑے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی پہلے ایک دو بار جو ہلکی جھڑپ ہوتی تھی اس میں بھی سلمان کی شعلہ مزاجی کار فرما تھی اور وہی سمیرا کو برا بھلا کہتا تھا پھر صبح نشہ اترنے کے بعد اس سے معافی بھی مانگنے لگتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سمیرا سلمان کو دل و جان سے چاہتی تھی وہ اس کے سوا کسی دوسرے شخص کے ساتھ محبت کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتی تھی اسے یقین تھا کہ سلمان بھی اسی طرح اسے چاہتا ہے لیکن وہ تو بڑی جلدی سمیرا کی محبت کو نظر انداز کر بیٹھا تھا۔ سمیرا کے دل کو بڑی چوٹ لگی تھی واقعی اس کا دل ٹوٹ گیا تھا اس نے سوچا وہ جتنی جلدی ہو سکے سلمان کو ساتھ لے کر واپس پاکستان چلی جائے۔ اب وہاں ٹھہرنا خطرناک حالات کو مزید خطرناک بنانے کی اجازت دینا تھا۔ وہ سلمان کی ضدی اور خود سر طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ذرا سی بھی دیر کر دی تو سلمان غلط راہ پر بہت دور نکل جائے گا۔

دوسرے روز اس نے ایما نامی لڑکی کے رقعے کے بارے میں سلمان سے کوئی

بات نہ کی۔ سمیرا کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے حق کے لئے جنگ کرتی سلمان سے پو اگر اس نے دوسری لڑکیوں کے پیچھے مارے مارے پھرنا تھا تو پھر مجھ سے یہ ڈرامہ کس لئے رچایا تھا مجھ سے پیمان وفا کیوں باندھا تھا مگر سمیرا ایسی لڑکی تھی محبت میں وہ خوشبو کی طرح لطیف ہو جاتی تھی اس نے سلمان سے ذکر تک نہ رات وہ کہاں تھا اور اس کی جیب میں کس لڑکی کا رقعہ تھا اس نے دیکھا کہ صبح میں آتے ہی سلمان کچھ پریشان سا ہو گیا تھا اور اپنے کوٹ کا پوچھنے لگا تھا پھر کھول کر کوٹ کی جیبیں الٹتا پلٹتا رہا تھا اور ظاہر ہے اس نے رقعہ کسی دوسری چھپا دیا تھا۔

دوپہر کو کھانے کے بعد حسب عادت سلمان اپنے کسی دوست سے ملنے کا باہر جانے لگا تو سمیرا نے کہا۔ "سلمان! میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

سلمان وہیں ٹھٹھک سا گیا سمیرا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کہو میں سن رہا ہوں"

"یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

سلمان بادل نخواستہ سمیرا کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا پھر اس سے مسکرا باتیں کرنے لگا شاید اس خیال سے کہ سمیرا کو اس پر کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو "سمیرا! تم مجھ سے اجنبیوں کی طرح تو بات نہ کیا کرو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اچھا بتاؤ کیا بات کرنا چاہتی ہو؟" سلمان دل میں سوچ رہا تھا اسے کچھ شک سا ہو گیا تھا کہ شاید سمیرا کو اس کے اور ایما کے را پتہ چل گیا ہے مگر جب سمیرا نے بات بتائی تو سلمان کے دل سے بہت بڑا بوجھ سمیرا نے کہا تھا۔ "سلمان! مجھے اپنا گھر اپنا وطن بہت یاد آ رہا ہے یہاں اب جی نہیں لگتا ہے چلو واپس چلے چلتے ہیں۔"

سلمان نے بڑی محبت اور پیار سے کہا۔ "میری جان! ابھی تو یہاں بہار شروع ہو رہا ہے اتنی جلدی تو نہ کرو۔ خواجہ صاحب نے بڑی کوششوں کے سا چھ ماہ کا ویزا لگوا کر دیا ہے۔"

سمیرا بولی۔ "نہیں سلمان! دفعہ کرو ویزے کو چلو اپنے وطن چلتے ہیں کچھ تما دیکھ لیا۔

سلمان اٹھ کھڑا ہوا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے نا میں نے ابھی نہیں دیکھا۔" پھر صوفے کے پیچھے آ گیا اور سمیرا کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "کیا تم نہیں چاہتی ہو سمیرا کہ میں جی بھر کر سیر کروں؟ جبکہ میں تو کوشش کر رہا ہوں کہ یہاں فائن آرٹس میں کوئی ڈگری حاصل کروں میں نے ایک کالج میں بات بھی شروع کر دی ہے۔" پھر جلدی سے سامنے کی جانب آ کر سمیرا کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔ "سمیرا! یہ ہمارے اور ہمارے آنے والے بچوں کا سوال ہے ذرا سوچو اگر میں نے پیرس کی کسی یونیورسٹی یا کسی آرٹس کالج سے مزید ڈگری لے لی تو میرا کیریئر بن جائے گا مجھے پاکستان میں جاتے ہی سرکاری کالج میں لیکچرر شپ مل جائے گی۔ میرے لئے پرنسپل ہونے کا راستہ بھی کھل جائے گا جبکہ میں تو کہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ یہاں مزید اسٹڈی کے لئے کالج میں داخل لے لو۔ خواجہ صاحب مجھے جاب بھی دلوا دیں گے۔ تم یہاں والے آفس میں اپنی ٹرانسفر کروا سکتی ہو۔ سمیرا میری جان! یہی عمر ہماری جدوجہد کرنے کی ہے۔"

سمیرا کا دل متضاد کیفیات کے شکنجے میں تھا وہ سلمان کی باتوں پر اعتبار کرنا چاہتی تھی مگر اس کی جیب سے نکلا ہوا ایما نامی لڑکی کا رقعہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایما سے عشق لڑانے اور پھر دوسری لڑکیوں سے رومانس کرنے کے لئے وہاں رہنا چاہتا ہے سمیرا کے جی میں آیا کہ وہ اس سے پوچھ لے کہ ایما کون ہے؟ مگر کچھ سوچ کر وہ چپ ہو جاتی شاید اس کے اندر اتنی جرات نہیں تھی اس نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ سب سے پہلے وہ ایما کے بارے میں حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے گی۔ کہنے لگی۔ "اچھا پھر باتیں کریں گے ابھی تمہارا جانا بہت ضروری ہے؟"

سلمان اٹھ کر شیشے کے آگے اپنی ٹائی درست کرنے لگا۔ "میری جان میں نے اپنے دوست کو وقت دے رکھا ہے؟"

"یہ کون ہے تمہارا دوست؟" سمیرا نے پوچھا۔

"ارے بڑا دلچسپ آدمی ہے مجھ سے عمر میں بڑا ہے دراصل وہی یہاں یونیورسٹی میں میرے داخلے کی کوشش کر رہا ہے۔"

سمیرا کو سلمان کی کسی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا لیکن وہ اپنے اعتماد کو بھی ٹ
نہیں پہنچا سکتی تھی وہ سلمان کے پاس آ گئی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑی پ
سے کہنے لگی۔ "سلمان! تم ڈرنک کر کے مت آنا یہ چیز تمہاری صحت کو نقصا
پہنچائے گی۔"

سلمان نے کندھے کو ہلکا سا جھٹک کر کہا۔ "کیسی پرانی عورتوں کی سی باتیں
رہی وہ میری جان! یہ پیرس ہے بیسویں صدی کا ماڈرن اور فیشن ایبل پیرس۔"

"ہاں سلمان میں جانتی ہوں۔" سمیرا نے کہا۔ "میں یہاں پہلے بھی رہ چکی ہو
میں نے یہاں کے شاعروں اور کلاسیکی ناول نگاروں کا ان کی اپنی زبان میں مطالعہ
ہے یقین کرو وہ بھی اس قسم کی ترقی کے خواہشمند نہیں تھے جیسی ترقی یہ شہر کر رہا
وہ بھی شراب کو سب برائیوں کی جڑ سمجھتے تھے پلیز! میری خاطر سلمان یہ بری چ
مت پیا کرو۔"

"او کے مائی ڈیئر او کے۔" یہ کہہ کر سلمان باہر نکل گیا سمیرا بوجھل اور ت
تھکے دل کے ساتھ ٹیبل کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی سٹنگ روم کے بڑے شیشے میں
باہر سڑک کی زرد سرخ اور مرکزی روشنیاں سرد رات کی فضا میں دھندلی دھندلی دکھ
دے رہی تھیں سمیرا کا دل اس ٹھنڈے بے جان مشین ایسے شہر کی فضا سے گھبرا
گیا تھا مگر وہ مجبور تھی اکیلی پاکستان واپس نہیں جانا چاہتی تھی یہ برا شگون تھا ویسے
وہ سلمان سے محبت کرتی تھی ایما کا خیال آتا تو اس کا دل بیٹھ جاتا۔ وہ اٹھ کر
والے قدم آدم شیشے کے پاس کرسی پر بیٹھ کر کافی پینے اور بہت کچھ سوچنے لگی۔
اس نے یہی فیصلہ کیا کہ جس طرح سے بھی ہو سکے ویزے کی باقی کی مدت پوری
جائے جہاں تک سلمان کے وہاں مزید تعلیم حاصل کرنے کا تعلق تھا اس کے بار
میں سمیرا کو پورا یقین تھا کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے سلمان کو مزید پڑھائی
کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ محض ایما جیسی چیپ قسم کی فرانسیسی لڑکیوں کے
رومانس کرنے کی خاطر وہاں مزید کچھ دن گزارنا چاہتا ہے چلو اپنا یہ شوق بھی پورا کر
ویزے کی دوسری مدت ختم ہو گی تو وہ اس کی توسیع نہیں ہونے دے گی بلکہ
صاحب سے کہہ دے گی کہ اس سلسلے میں صاف انکار کر دیں سلمان کو۔ سلمان

پیرس کی ایک بدنام گلی میں ایک گھٹیا قسم کے بار کے مختلف مشروبات سے بوجھل
میں ایما کے ساتھ بیٹھا ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں پیار محبت کی باتیں کر رہا تھا۔ یہ پیار
ت کی باتیں بالکل ایسے ہو رہی تھیں جس طرح کوئی فون پر کسی دوسرے شہر سے
کر رہا ہو ہر تین منٹ کے بعد سلمان کو مزید پیسے دے کر وقت ایکسٹینڈ کرانا پڑتا
مطلب یہ کہ ہر پانچ سات منٹ بعد سلمان کو ایما کے لئے بھرا ہوا شیشے کا مگ' تلی
مچھلی اور نمکین مونگ پھلی منگوانی پڑتی تھی ایما مگ میں بھرے ہوئے زرد رنگ
شفاف جھاگ دار مشروب کا ایک لمبا گھونٹ پیتی اور اس کی باتوں میں زیادہ گرم
آجاتی سلمان بڑے فخر کے احساس کے ساتھ اس سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں
معمولی قسم کی ان پڑھ فرانسیسی لڑکی کی باتیں سن رہا تھا یہ لڑکی پیرس سے دور کسی
کی رہنے والی گنوار لڑکی تھی جو پیسے کمانے اور پیرس کا گلیمر دیکھنے وہاں آ گئی
مگر سلمان کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ ایک گوری میم اس سے پیار کرنے لگی ہے۔
لمان پہلی بار یورپ آیا تھا پہلی یورپ کی کوئی گوری میم اس کے اتنا قریب آئی تھی
نے اسلام آباد میں اپنے ایک دوست کو بڑے فخر سے اپنے رومانس کے بارے
بڑھا چڑھا کر لکھ بھی دیا تھا۔

ایک روز سمیرا کو خیال آیا کہ آخر اس بات کی تصدیق ہو جانی چاہئے کہ لڑکی
ما کا چکر درست بھی ہے کہ نہیں۔ یہ ایک تجسس تھا جس سے مجبور ہو کر سمیرا نے
لمان کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کر لیا وہ تقریباً" روز ہی اپنے کسی فرضی پاکستانی دوست کا
ملنہ بنا کر چلا جاتا تھا ایک رات جب وہ ایما سے ملاقات کرنے اپنی اپارٹمنٹ بلڈنگ
گاڑی میں سوار ہو کر نکلا تو سمیرا بھی اس کے تعاقب میں نکل چکی تھی اس نے
ٹیکسی والے کو فرانسیسی زبان میں کہا۔ "اس گاڑی کا پیچھا کرو چاہے یہ جہاں بھی
جائے۔"

سلمان کی گاڑی شہر کی مختلف بارونق بقعہ نور بنی سڑکوں پر سے گزرتی ایک
نجان اور ذرا کم روشن علاقے میں داخل ہو کر ایک گلی کے سرے پر جا کر رک گئی
لمان نے گاڑی کو ایک دیوار کے ساتھ پارک کیا دروازہ لاک کیا اور گلی میں داخل
ہو گیا تھوڑا فاصلہ رکھ کر سمیرا بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی یہ گلی ہماری گلیوں کی

طرح تنگ و تاریک نہیں تھی بلکہ کسی چھوٹے بازار کی طرح کشادہ تھی اور ز
چھوٹے چھوٹے گول پتھروں کا تھا۔ جرائم پیشہ قسم کے لوگ ادھر ادھر منڈلاتے پ
رہے تھے یہاں ساتھ ساتھ بنے ہوئے معمولی درجے کے شراب خانے تھے جہا
ڈانس بھی ہوتے تھے کہیں روشنیاں تھیں اور کہیں اندھیرا تھا۔ سلمان ایک ڈانس
کلب میں داخل ہو گیا اس کے اوپر جلتے بجھتے فرنچ الفاظ میں بلیک مون کلب لکھا
تھا سمیرا یاقوت کے ساتھ اس قسم کے کلبوں کی سیر کر چکی تھی یہ جرائم پیشہ لوگوں
ٹھکانے تھے جہاں نیم عریاں رقص ہوتے تھے اور منشیات فروخت ہوتی تھی سمیرا
لئے کلب کوئی حیرت ناک چیز نہیں تھے مگر ماحول ضرور تشویش ناک تھا۔ لیکن سمیرا
حال میں اس بات کا کھوج لگانا چاہتی تھی کہ کیا واقعی سلمان کسی لڑکی سے ملنے
آتا ہے وہ ڈانس کلب میں داخل ہونے کی بجائے اس کے دروازے کے آگے
گزر گئی اسے معلوم تھا کہ آگے دیوار میں ایک شیشہ لگا ہوا تھا جہاں سے اندر کا
دکھائی دیتا تھا اس شیشے پر بھی کلب کا نام لکھا ہوا تھا۔ سمیرا نے اس خیال سے
آسانی سے پہچانی نہ جائے اپنے سر پر سرخ اونی ٹوپی کانوں تک کھینچ کر پہن رکھ
وہ گرم پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ٹہلتے ٹہلتے شیشے کے پاس آ کر رک گئی ا
کنارے کے قریب آ کر سمیرا نے اندر دیکھا اندر سگریٹوں کا دھواں ہر
روشنیوں کی دھند میں دکھائی دے رہا تھا۔ ڈانس میوزک کی ہلکی پھلکی آواز آر
اس دھند میں بھی اسے سلمان نظر آ گیا وہ کونے والی میز پر ایک لڑکی کے پاس
اس کی طرف جھک کر بڑا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا دو بھرے ہوئے گلاس
سامنے میز پر پڑے تھے۔ دونوں کی انگلیوں میں سگریٹ سلگ رہے تھے۔ لڑکی
گورا' بال سنہری تھے جیسا یورپ میں اکثر لڑکیوں کے ہوتے ہیں۔ سمیرا کو ب
ہوا سلمان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا اسے شرم آنی چاہئے تھی کیا اسے معلو
ہے کہ میں اسے کتنی محبت کرتی ہوں؟ تو کیا وہ مجھ سے جو محبت کا اظہار کر
بھی جھوٹ ہے؟ سمیرا اس قسم کے پریشان کن خیالات میں الجھی وہاں سے
دی۔ ابھی وہ گلی میں ہی تھی کہ پیچھے سے اچانک کسی نے اپنے بازوؤں
گرفت میں لے کر ایک ویران پرانی بلڈنگ کی طرف کھینچ لیا سمیرا کے حل

نکل گئی سب نے چیخ سنی مگر کسی نے اس طرف دھیان نہ دیا بلڈنگ کے اندر سے دو
غنڈے قسم کے آدمی جن کے عجیب و غریب حلئے تھے ہاتھوں میں ہنٹر لے کر اچانک
نکل آئے۔ انہوں نے سمیرا کو گردن سے پکڑ کر ایک کمرے کی طرف دھکا دیا۔ سمیرا
کمرے کے اکھڑی ہوئی اینٹوں والے فرش پر گر پڑی۔ سمیرا نے فرانسیسی زبان میں
کہا۔ "کون ہو تم؟ میں ایک شریف شادی شدہ خاتون ہوں چھوڑ دو مجھے۔"

سمیرا کے گھٹنے پر چوٹ لگی تھی وہ کھڑی گھٹنا سہلا رہی تھی ایک غیر ملکی عورت
کو بڑی روانی سے فرنچ بولتے دیکھ کر ان بدمعاشوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا
پھر قہقہے لگا کر ایک دوسرے کے ہاتھ مارے سمیرا وہاں سے بھاگنے لگی تو ایک فرنچ
کٹ داڑھی والے ٹارزن ایسے پہلوان غنڈے نے سمیرا کو کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور
کاندھے پر ڈال کر وہاں زمین کے اندر بنے ہوئے کسی تہہ خانے کی بوسیدہ اور تاریک
سیڑھیوں کی طرف بڑھا دوسرے دونوں غنڈے بھی اپنے اپنے ہنٹروں کو مروڑتے اور
گھماتے ہوئے اس کے پیچھے ہو لئے۔ سمیرا نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا مگر وہ
جانتی تھی کہ چلانا بے سود ہے اس کی آواز پولیس تک نہیں پہنچے گی۔

تہہ خانے میں دو تین موم بتیاں جل رہی تھیں لکڑی کے کھوکھوں پر مشروب
کی خالی بوتلیں اور ٹین کے ڈبے پڑے تھے باڈی بلڈر غنڈے نے سمیرا کو کونے میں
دھنسے ہوئے ٹوٹے پھوٹے صوفے پر پھینک دیا اور جیب سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر
اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو
گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ "میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو دیکھتے نہیں اس انڈین عورت نے
کتنے سارے کپڑے پہن رکھے ہیں؟"

سمیرا کانپ گئی وہ خدا سے دعائیں مانگنے لگی دونوں غنڈے ہنٹر فضا میں
پھنکارتے ہوئے اس صوفے کی طرف بڑھے جہاں سمیرا سہمی ہوئی کونے میں لگی کانپ
رہی تھی پھر ایسا ہوا کہ اچانک دونوں غنڈے اپنی جگہ پر یوں رک گئے جیسے زمین نے
ان کے پاؤں جکڑ لئے ہوں ان کے منہ کھل گئے چہرے ساکت ہو گئے اور دونوں کے
منہ سے خون جاری ہوا اور وہ دھڑام سے پیچھے کی طرف گر پڑے۔ باڈی بلڈر غنڈے
نے یہ دہشت ناک منظر دیکھا تو بھینسے کی طرح دائیں بائیں گردن گھمائی اس کے ساتھ

ہی اس کا منہ بھی کھل گیا۔ حلق سے ایک عجیب سی اذیت ناک آہ نکلی اور منہ کے بل گر پڑا۔ سمیرا کو موم بتیوں کی مدھم روشنی میں اس کی پشت پر ایک لمبے دستے والا خنجر دھنسا ہوا نظر آیا اس نے سانس اوپر کو کھینچا وہ یاقوت کی خوشبو محسوس کرنا چاہتی تھی مگر وہ خوشبو وہاں نہیں تھی۔

سمیرا کو ان جرائم پیشہ غنڈوں کے قتل پر تعجب نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یاقوت نے عین وقت پر آکر اس کی مدد کی ہے اور اس کی عزت پر حملہ کرنے والے بدمعاشوں کو قتل کر ڈالا ہے مگر وہ یاقوت کی پراسرار خوشبو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز سننا چاہتی تھی۔ اس کی شکل دیکھنا چاہتی تھی۔ سمیرا پر تین آدمیوں کے قتل پر کوئی حیرت یا سراسیمگی نہیں تھی۔ وہ اس لئے وہاں سے تیزی کے ساتھ باہر آگئی کہ کوئی آگیا تو کہیں اس پر قتل کا الزام نہ لگ جائے۔

یہ ایک ویران جگہ تھی۔ احاطے سے باہر بھی کوئی نہیں تھا۔ گلی کے فرش پر ڈانس کلبوں کے نیون سائنز کی جلتی بجھتی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا۔ سمیرا تیز تیز قدم اٹھاتی گلی سے باہر آگئی۔ یہاں اس نے ایک خالی ٹیکسی پکڑی اور اپنے فلیٹ پر آکر خود کو صوفے پر گرا دیا۔ اس کا دل جذبوں کی ہیجانی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔ ایک جذبہ سلمان کی محبت کا تھا جس نے اس کے ساتھ بے وفائی کی تھی اور ایک دوسری لڑکی کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہا تھا اور دوسرا جذبہ یاقوت کی غیرمادی غیر جسمانی اور غیر دنیاوی محبت کا تھا۔ یہ وہ محبت تھی جو سمیرا کو کچھ وقت کے لئے عالم بالا کے ایسے غاروں میں لے جاتی تھی جن کو دیکھنے کے لئے جسمانی آنکھ کی ضرورت نہیں تھی۔ یاقوت کا خیال' یاقوت کی یاد سمیرا کو اس دنیا سے دور لے جاتی۔ مگر سمیرا اس دنیا میں رہنا چاہتی اس نے یاقوت کو بھی اسی دنیا کا آدمی سمجھ کر اس سے محبت شروع کی تھی مگر بہت جلد اس پر یہ حقیقت کھلی کہ یاقوت ہوا کا ایک جھونکا ہے جو نہ جانے کب

سے محو سفر ہے اور کب تک سرگرم رہے گا۔ پھر بھی سمیرا اس سے پیار کرتی تھی! اپنے اس جذبے سے پیار کرتی تھی جس نے پہلی بار اسے یاقوت کی باوقار شخصیت کے ساتھ وابستہ کیا تھا۔

سمیرا صوفے پر دیر تک خاموش بیٹھی یہی کچھ سوچتی رہی۔ پھر اٹھ کر کچن میں گئی۔ اپنے لئے کافی بنائی اور ٹی وی کھول کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ کمرہ گرم تھا۔ اس نے معمولی گرم لباس پہن رکھا تھا۔ ٹی وی پر فرانسیسی زبان میں بحث کا کوئی پروگرام ہو رہا تھا۔ سمیرا نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا کر چینل بدل دیا۔ یہاں نیم عریاں رقص ہو رہے تھے۔ اس نے ایک اور چینل لگایا۔ یہاں مراکش پر ایک ڈاکو منٹری فلم دکھائی جا رہی تھی۔ اس نے ٹی وی بند کر دیا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سمیرا نے سوچا کہ سلمان کا فون ہو گا۔ مگر وہ اس سے بات کئے بغیر فون بند کر دے گی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے نتاشا کی آواز آئی۔ "ہیلو!——"

اپنی سہیلی کی آواز نے اس وقت سمیرا کو بڑا حوصلہ دیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے وطن میں' اپنے مکان کے کمرے میں بیٹھی ہے اور اسے کسی قسم کی فکر ہی نہیں ہے۔ "میں سمیرا بول رہی ہوں۔ تم کیسی ہو؟"

"پہلے تم اپنی سناؤ۔ ہنی مون سے ابھی جی نہیں بھرا؟ ماموں جان کے خط سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم لوگوں نے ویزا بڑھا لیا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم لوگ شادی کے ان خوبصورت دنوں کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار انداز میں بسر کرنا چاہتے ہو۔ سلمان کیسا ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہی رہے گا۔ اری تمہارا تو وہ دیوانہ ہے۔ تم بھی اس کا خیال رکھتی ہو نا؟ کہاں ہے وہ؟"

"ابھی کھانا کھا کر سویا ہے؟" سمیرا نے یوں ہی کہہ دیا۔

"بڑا بدذوق ہے۔ اچھا بتاؤ کیا کیا سیریں کی ہیں پیرس میں۔ شاپنگ کی ہے؟"

سمیرا نے نتاشا کو سلمان کی بے وفائی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ

کچھ بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس میں سمیرا کو اپنی بے مائیگی کا احساس بھی ہوتا اور ویسے بھی وہ سلمان کو نتاشا کی نظروں میں گرانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ سلمان سے پیار کرتی تھی اور اسے یقین تھا کہ پیرس کے گلیمر نے پیرس کے آزادانہ ماحول نے سلمان پر برا اثر ڈالا ہے۔ واپس جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ چھ سات منٹ تک نتاشا سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ اسے نتاشا سے باتیں کر کے بڑی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اگرچہ سمیرا کا دل سلمان کی طرف سے بوجھل ضرور تھا مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھال رکھا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ پڑھی لکھی تھی اور ضرورت سے زیادہ پڑھی لکھی لڑکیوں کی یہی سب سے بڑی ٹریجڈی اور المیہ ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں کو بھی برداشت کر جاتی ہیں جو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتیں اور جن کا اظہار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نتاشا کہہ رہی تھی۔ "ویزا بڑھانا ہی تھا تو یہاں ہمارے پاس آ جاتیں ملاقات بھی ہو جاتی اور تمہیں یہاں کی سیر بھی کراتی۔ مگر یہاں تو گرمی بہت ہے سمیرا۔ پیرس کا موسم کیسا ہے۔"

"بارشیں ہو رہی ہیں۔ ویسے اب بہار کا موسم آنے والا ہے۔"

"تم پر بہار کب آ رہی ہے؟" نتاشا نے سمیرا کو چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ "ایسی کوئی بات ہو تو اپنا خیال رکھنا۔ کہیں جوگنگ کرنے نہ نکل پڑنا۔ پیرس میں بھی جوگنگ کا مرض ہے عورتوں کو——"

سمیرا نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ہم تو شاید ایک آدھ مہینے میں یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔ تم پاکستان کب آؤ گی؟"

نتاشا نے کہا۔ "ایک آدھ مہینے میں کیوں۔ مزید چھ ماہ کا ویزا نہیں لیا تم نے؟ ماموں جان نے یہی لکھا تھا۔"

"ہاں لیا تو ہے۔" سمیرا نے جواب دیا۔ "مگر نتاشا! سچ پوچھتی ہو تو یہاں کی بارش اور سردی سے میرا دل گھبرانے لگا ہے۔ پاکستان بہت یاد آتا ہے۔"

نتاشا کی آواز آئی۔ "پاکستان تو تم جب چاہو آ سکتی ہو مگر یہ خوبصورت دن لوٹ کر پھر نہیں آئیں گے۔ ان سے جتنی خوشی حاصل کر سکتی ہو کر لو۔ میری پیاری پگلی سہیلی!"

"اچھا سوچوں گی۔"

"نہیں نہیں۔" نتاشا نے فوراً کہا۔ "یہ تمہارے سوچنے کے دن نہیں ہیں۔ صرف محسوس کرنے اور خوش رہنے کے دن ہیں۔ سوچنے کا زمانہ بھی آ جائے گا۔ پھر بیٹھی سوچتی رہا کرنا۔"

درمیان میں آپریٹر کی آواز آئی کہ ٹائم ختم ہو گیا ہے۔

نتاشا نے کہا۔ "او کے بائی سمیرا۔ تم بھی کبھی فون کر لیا کرو۔"

فون بند ہو گیا۔ سمیرا کے کانوں میں ابھی تک نتاشا کی آواز گونج رہی تھی۔ جیسے وہ ابھی تک اس سے باتیں کر رہی ہو۔ سمیرا کے بائیں گھٹنے پر درد کی ہلکی ٹیس اٹھی۔ باڈی بلڈر بدمعاش نے جب اسے صوفے پر گرایا تا تو سمیرا کا گھٹنا صو کے کونے سے ٹکرایا گیا تھا۔ سمیرا اپنے گھٹنے کو سہلانے لگی۔ جب رات کے ساڑ گیارہ بج گئے اور سلمان آیا تو سمیرا نے باتھ روم میں جا کر برش کیا۔ بالوں کو لباس تبدیل کیا اور پلنگ پر جا کر لیٹ گئی۔ ٹیبل لیمپ اس نے جلتا رہنے دیا۔ وہ کی لہروں میں بہہ رہی تھی کہ اسے فلیٹ کا دروازہ کھلنے اور پھر لاک ہونے کی آئی۔ اس نے سلمان کے قدموں کی آواز کو پہچان لیا تھا۔ اس نے آج پھر مشر زیادہ استعمال کیا تھا۔ سمیرا نے یہی ظاہر کیا کہ وہ سو رہی ہے۔ سلمان کچن میں تلاش کر رہا تھا۔ پھر اسے گلاس میں پانی ڈالنے کی آواز سنائی دی۔ سمیرا نے گہرا بھرا۔ کچھ دیر کے لئے ساتھ والے کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ پھر سلمان میں داخل ہوا۔ سمیرا ایسے پڑ رہی جیسے سو رہی ہو۔ سلمان اپنے آپ سے باتیں تھا۔ سمیرا کی سمجھ میں ایک لفظ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سلمان کے الفاظ سننا بھی نہیں تھی۔ جب اسے چڑھی ہوئی ہوتی تھی تو بڑی بے تکی باتیں کرتا تھا جس کی سمیرا بور ہو جاتی تھی۔ سلمان پلنگ پر لیٹ گیا۔ اسے ٹیبل لیمپ بجھانے کا سے آ سکتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیڈ روم کی پرسکون فضا سلمان کے خر تھرتھرانے لگی۔ سمیرا نے ہاتھ لحاف سے نکال کر ٹیبل لیمپ بجھا دیا۔

صبح سلمان دیر تک بستر میں سویا رہا۔ اس دوران سمیرا نے ناشتہ کر لیا اسے یقین تھا کہ سلمان آج دوپہر کو اٹھے گا۔ دن کے سوا بارہ بج رہے تھے

ملتا ہوا بیڈ روم سے باہر نکلا۔

"آئی ایم سوری سمیرا۔ رات مجھے دیر ہو گئی۔ دراصل وہ میرا دوست جو ہے اپنے ساتھ ایک کلب میں لے گیا جہاں اس کے چچا سے ملاقات کرنی تھی۔ رسٹی میں داخلہ جو لینا ہے۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اتنا کہا۔ "تم نے رات بھی ضرور زیادہ پی لی لی۔"

"ارے نہیں۔ پاگل ہوں میں۔ بس بیئر ہی پیتے رہے اور بیئر تو تم جانتی ہو کہ ی ہوتا ہے۔ کچھ پکایا ہے کیا؟"

"ناشتہ تو ظاہر ہے تم نہیں کرو گے۔ میں نے چکن روسٹ کیا ہوا ہے۔ تم منہ دھو لو میں کھانا لگاتی ہوں۔"

سمیرا نے سلمان سے کچھ نہ پوچھا کہ رات وہ پیرس کی ایک بدنام گلی کے ڈانس ں جس لڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا وہ کون تھی اور وہ ہنس ہنس کر۔ اس کا ہاتھ ھ میں لے کر کیا باتیں کر رہا تھا۔ سمیرا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس موضوع کو یں چھیڑے گی۔ کم از کم فرانس میں رہ کر پاکستان سے دور رہ کر وہ سلمان سے ارہ بات نہیں کرے گی۔ ہاں پاکستان پہنچنے کے بعد وہ اس سے بڑی شائستگی ہ ضرور بات کرے گی اور اس سے یقین دہانی حاصل کرے گی کہ وہ دوبارہ اس حرکت نہیں کرے گا۔ کیونکہ سمیرا اپنی ساری زندگی سلمان کے ساتھ گزارنا ی۔

دوسری رات بھی سلمان آدھی رات کے بعد فلیٹ پر آیا۔ اس سے اگلی اور ے اگلی رات ایسا ہی ہوا۔ سمیرا پریشان رہنے لگی وہ سلمان سے اس موضوع کر کے لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہاں کوئی اسے پوچھنے والا اور اس کی کرنے والا نہیں تھا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک تھا اور جو جی چاہے کر رہا تھا۔ اس میرا نے نتاشا کو کینیڈا میں ایک بار دل بہلانے کے لئے فون بھی کیا مگر نتاشا پر کی پریشانی ظاہر نہ کی۔ اسی ہفتے ایک دن سلمان اور سمیرا دوپہر کے بعد تیار ایک کلاسیکی کافی ہاؤس میں کافی پینے جا رہے تھے کہ ٹریول ایجنسی کے خواجہ

صاحب آ گئے۔ "ارے بھئی آج کہاں کی سیر کا ارادہ ہے؟"

"انکل ہم کافی پینے جا رہے ہیں۔" سیمرا نے کہا۔ "آپ بھی ہمارے ساتھ نا ـــــ پلیز!"

"ہاں خواجہ صاحب۔ بڑا مزا رہے گا۔" سلمان نے بھی دعوت دی۔

خواجہ صاحب بولے۔ "نہیں بچو؟ پھر کبھی سہی۔ اس وقت تو میں آپ ایک خاص بات کرنے آیا ہوں۔"

سیمرا اور سلمان ہمہ تن گوش ہو گئے۔ سلمان کو فکر لاحق ہو کہیں ـــــ ویزا کینسل نہ ہو گیا ہو۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ خواجہ صاحب کھینچ کر بیٹھ گئے اور بولے۔ "میں تمہارے لئے ایک بڑی خوبصورت پر ہوں۔ بات یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس ابھی بہت وقت ہے اور پیرس کی تم یقیناً" بور ہو گئے ہو گے۔ میرا ایک چھوٹا سا گارڈن ہاؤس آرلس قصبے میں میں نے کرائے پر دے رکھا تھا۔ اب وہ خالی ہے اگر تم لوگ چاہو تو وہاں دن گزار سکتے ہو۔ وہاں کا موسم یہاں سے بالکل مختلف ہے سمجھ لو کہ وہاں بہار کا موسم ہے۔"

سلمان کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اسے خواجہ صاحب کی یہ تجویز لگی مگر سیمرا بڑی خوش ہوئی اسے سلمان کو پیرس سے دور لے جانے کا موقع اس نے کہا۔ "یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے انکل یہ آرلس کا قصبہ جنوبی فرانس نا؟ میں نے اس کا نام پال گوگین کی بائیو گرافی میں پڑھا ہے۔"

خواجہ صاحب مسکرا کر بولے۔ "ارے بیٹی تم نے بالکل ٹھیک پڑھا تم تو دونوں آرٹسٹ ہو اور آرلس تو وہ قصبہ ہے جہاں کہتے ہیں کہ پچھلے بڑے بڑے مشہور آرٹس تصویریں بنانے جایا کرتے تھے وہاں خوب دھوپ پیرس میں آرلس کے سیب اور آڑو آتے ہیں وہاں چشمے بھی ہیں تم آرٹسٹ لئے تو وہ ایک آئیڈیل جگہ ہے بولو۔ کیا خیال ہے گارڈن ہاؤس کی چابی کی دراز میں پڑی ہے۔ اگر ارادہ ہو تو مجھے شام کو فون پر بتا دینا میں وہاں فون کر دوں گا۔"

خواجہ صاحب کے جانے کے بعد سیمرا نے بڑی محبت سے سلمان کا بازو تھام کر "سلمان! اب انکار نہ کرنا میں یہاں کی روٹین سے بور ہو گئی ہوں۔ وہاں موسم خوشگوار ہے سیب کے درخت بھی ہیں کچھ دنوں کے لئے چلے چلتے ہیں۔"

سلمان نے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا کرو گی وہاں گاؤں میں جا کر گاؤں کا ماحول اور کہاں پیرس شہر کی روشنیاں' گلیمر۔ تم میرا ہنی مون خراب کرنا چاہتی ہو؟"

سیمرا اڑ گئی۔ "میری خاطر چلے چلو سلمان میں فرانس کا موسم بہار اور وہ جگہ دیکھنا چاہتی ہوں جہاں گوگین اور وان گو پینٹنگ کیا کرتے تھے۔"

سلمان نے انکار کر دیا۔ "بالکل نہیں میں نہیں جاؤں گا تم جانا چاہتی ہو تو اکیلی چلی جاؤ۔" سیمرا نے منہ بنا کر اور ذرا سلمان کو ہلانے کے لئے کہا۔ "اکیلی جانا ہو گا تو اکیلی پاکستان جاؤں گی۔ پھر یہاں نہیں رہوں گی۔"

سلمان ذرا چونکا کیونکہ اب وہ صرف سیمرا کے ڈالروں پر وہاں کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا سیمرا نے اپنے کافی پیسے ڈالروں کی شکل میں پیرس والے آفس میں ٹرانسفر کروا لئے تھے۔ اگرچہ اس کے دل میں ایک لمحے کے لے بھی اس قسم کا خیال نہیں گزرا تھا کہ سلمان اس کے پیسے خرچ کر رہا ہے۔ سیمرا اس قسم کی لڑکی تھی وہ تو دوسروں کو پیسے دے کر بھول جایا کرتی تھی اور سلمان تو اس کا خاوند تھا جیون ساتھی تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سلمان کو دل سے چاہتی تھی وہ تو لئے اپنی جان بھی قربان کر سکتی تھی سلمان کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے کچھ دنوں کے لئے چلے چلتے ہیں مگر میں زیادہ دیر وہاں نہیں رہ سکوں گا یہاں میرے داخلے کا مسئلہ ہے۔"

"داخلے یہاں موسم بہار میں شروع ہوں گے ابھی تین مہینے رہتے ہیں۔"

سیمرا نے ٹیلیفون کی طرف بڑھتے دیکھ کر سلمان نے کہا۔ "یہ کیا کرنے لگی

"انکل کو فون کر دوں۔"

"ارے بھئی کافی ہاؤس سے واپس آنے کے بعد فون کر لینا چلو یہی تو وقت ہے

کافی ہاؤس جانے کا۔"

سمیرا نے فون کا ریسیور ویسے ہی رکھ دیا اور وہ فلیٹ بند کر کے لفٹ کی طرف گئے کافی ہاؤس میں بھی سلمان نے سمیرا کو ایک بار پھر قائل کرنے کی کوشش کی ان کا پیرس ایسے ماڈرن شہر میں رہنا ہی بہتر ہے مگر سمیرا نہ مانی وہ جانتی تھی کہ سلمان پیرس کے لئے نہیں بلکہ ایما کے لئے شہر نہیں چھوڑنا چاہتا اس نے بھی دانشمندانہ حکمت عملی سے کام لیا اور اپنے مزاج کو بالکل ٹھنڈا رکھا اور پیار محبت سے سلمان کو جنوبی فرانس کے سنہری دھوپ والے سبزہ زاروں میں جانے کے پر راضی کر لیا۔ کافی ہاؤس سے واپس آتے ہی سمیرا نے خواجہ صاحب کو فون پر اطلاع دی کہ وہ پہلی فلائٹ سے آرلس جانے کے واسطے تیار ہیں۔ خواجہ صاحب نے اسی دوپہر کی فلائٹ میں ان کی دو نشستیں بک کروا کر کنفرم بھی کروا دیں۔ ساتھ ہی آرلس والے اپنے گارڈن ہاؤس بک کنٹری ہاؤس کے چوکیدار ہنری کو ٹیلیفون بھی کر دیا۔

سلمان بادل نخواستہ طیارے میں سوار ہوا مگر اس نے ایما کو فون کر دیا تھا کہ جلدی پیرس واپس آ جائے گا۔ ایما کو صرف سلمان کے پیسوں سے دلچسپی تھی جو اسے ہر ملاقات پر دیا کرتا تھا اس نے فون پر جواب میں اداکاری کرتے ہوئے کہا "میں تمہارے بغیر تڑپ تڑپ کر دن گزار دوں گی۔" سلمان کے دل پر اس بناوٹ نے برا اثر کیا۔ جوانی کی عمر ہی ایسی ہوتی ہے ہر نقلی چیز اصلی لگتی ہے۔

جنوبی فرانس کا موسم بڑا خوشگوار تھا مارسیلز کا ساحلی علاقہ تو گرم مرطوب تھا آرلس کی وادی وہاں سے شمال کی طرف کافی دور تھی اور فضا میں رطوبت نہ ہونے کے برابر تھی۔ پیرس کے سرد برف آلود ٹھٹھرتے موسم سے نکل کر آرلس کی فضا میں پہنچتے ہی سمیرا کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے کاندھوں پر کمبل ڈال دیا ہو نیلا آسمان دھوپ میں چمک رہا تھا——— باغوں میں درخت پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ دور تک ہرے بھرے کھیت پھیلے تھے ان میں کہیں کہیں گندم کے پکے ہوئے سنہری کھیتوں کے ٹکڑے بھی نظر آتے تھے۔ خواجہ صاحب کا گارڈن ہاؤس ایک ٹیلے کی مختصر پتھریلی سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترے پر تعمیر کیا گیا تھا ڈھلواں چھت میں سے چمنی باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ دیواریں پتھر کی تھیں جن پر کہیں چھوٹے چھوٹے نیلے پھولوں والی بیل چمٹی نظر آ رہی تھی سامنے چھوٹا سا صحن تھا جہاں گارڈنیا کی باڑھ پر جنگلی گلاب کی بیل چڑھی ہوئی تھی برآمدے میں بانس کی بنی چار آرام کرسیاں اور تپائی پڑی تھی۔ بیرٹ کیپ والا بوڑھا ہنری بڑی خوش اخلاقی سے ملا۔ جب سمیرا نے اس سے فرنچ میں بات کی تو وہ بہت ہی خوش ہوا اور اپنے منہ سے پائپ نکال کر بولا "مادام! اگرچہ تمہاری فرنچ شہروں کی فرنچ ہے پھر بھی تم بڑی اچھی فرنچ بولتی ہو۔ تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔ تمہارے آرام کی ہر چیز یہاں موجود ہے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں وہ سامنے والے کاٹج میں ہی رہتا ہوں۔"

آرلس کی کھلی گرم اور صحت مند شفاف فضا نے سلمان کو بھی متاثر کیا اسے صرف ایما کی کمی محسوس ہو رہی تھی وہ سمیرا سے بھی محبت کرتا تھا مگر ایما بھی اسے اچھی لگتی تھی یہ ایک نیا تجربہ تھا اس میں ایک نئے تجربے کی خوشی تھی اس نے طے کر لیا کہ وہ ایما کو ٹکٹ بھیج کر آرلس میں بلا لے گا اور اسے یہاں قصبے کے کسی ہوٹل میں کمرہ لے دے گا۔ اس فیصلے کے بعد وہ سمیرا کے ساتھ زیادہ خوش اخلاقی اور محبت کا اظہار کرنے لگا۔ آتشدان کو دیکھ کر بولا۔ "میری جان! ہم یہاں آتشدان میں آگ جلانے کے رومانس سے محروم ہو جائیں گے۔"

پھر سمیرا کے کاندھوں کو پکڑ کر بڑی محبت سے دباتے ہوئے بولا۔ "کیوں نہ ہم ایک سردیاں بھی یہاں گزاریں؟ سردیوں میں تو یہاں ضرور سردی پڑتی ہو گی آخر یہ آتشدان کس لئے بنایا گیا ہے؟"

"دیکھا جائے گا ہمیں واپس پاکستان بھی تو جانا ہے اب ویزا ایکسٹنڈ نہیں ہو سکے گا۔"

سلمان کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگا یہ سورج غروب ہونے کا سماں تھا اور دور کھیتوں میں ڈوبتے سورج کی زعفرانی روشنی سمٹ رہی تھی کچھ کسان سروں پر ہیٹ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے سورج غروب ہو گیا تو دونوں قصبے کی سیر کو نکل پڑے یہ ایک پرسکون فرنچ قصبہ تھا جہاں پرانی عمارتیں بھی تھیں اور جدید عمارتیں بھی سڑکیں گلیاں گول پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ قصبے کا پرانا ایک دروازہ ہی باقی رہ گیا تھا

جو گوتھک طرز کا تھا امیر لوگوں نے یہاں موسم بہار گزارنے کے لئے قصبے کی کے ساتھ ساتھ ڈھلانوں پر بڑے خوبصورت سرخ ڈھلواں چھتوں والے مکا رکھے تھے جن میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ بازاروں میں جگہ جگہ کافی ہاؤس ریستوران بنے ہوئے تھے۔ سلمان نے قصبے کے گوتھک دروازے کے ساتھ ای منزلہ ہوٹل کو تاڑ لیا یہ ہوٹل ان کے ہاؤس سے مناسب فاصلے پر بھی تھا اور بھی تھا یہاں وہ ایما کو ٹھہرا سکتا تھا اس نے سوچا کہ کل کسی وقت آ کر ہوٹل معلوم کرے گا اور کمرہ بھی دیکھ لے گا واپسی پر بوڑھے ہنری نے ان کے لئے میٹھی چٹنی تیار کر رکھی تھی اس نے سمیرا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا سیب کی چٹنی بنانے میں ماہر ہوں یہ تمہارے رات کے کھانے کے ساتھ ہوگی۔

ہنری زیادہ تر سمیرا ہی سے بات کرتا سمیرا کے ساتھ فرنچ زبان میں با میں اسے آسانی بھی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ایک طرح کا فخر بھی محسوس کر سمیرا کی فرنچ کی غلطیاں بھی نکالتا جاتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی فرنچ سلمان کو بھی آ مگر یہ چیزوں کے نام اور معمولی ضرورت کی کچھ جملوں تک ہی محدود تھی۔ س سے اپنے ساتھ پینٹنگ کا کچھ سامان بھی لے آئی تھی دوسرے ہی دن وہ ا رنگ وغیرہ لے کر مکان کے آگے صحن میں اسٹول پر بیٹھ گئی اور سامنے سا درختوں کی جھنڈوں اور سنہری کھیتوں کی تصویریں بنانے لگی۔ سلمان اسے دیکھ کر خوش ہوا اور قصبے کی سیر کا بہانہ بنا کر سیدھا ہوٹل کی طرف چل پ اس تاریخی روایت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اس قصبے کے ایک کافی ریستوران میں کسی زمانے میں فرانس کے بڑے پینٹرز آ کر بیٹھا کرتے تھے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہوٹل کے سنگل کمرے کا کرایہ کیا ہے اور اگر ایما ہفتہ ٹھہرتی ہے تو کھانے پینے پر اس کے ڈیلی الاؤنس کو ملا کر کل کتنے فر ہوں گے۔ سمیرا سے سلمان نے اس کے دستخط والوں ٹریولرز چیک بک لے وہ چیک پر رقم بھر کر اپنی مرضی کے مطابق رقم خرچ کرتا رہتا تھا۔ سمیر سلمان سے نہیں پوچھا تھا کہ اس نے فلاں رقم نکال کر کہاں خرچ کی سلما کپڑے بھی خرید لیتا تھا۔

ہوٹل کا چوبیس گھنٹوں کا کرایہ اور کھانے پینے کا خرچ بڑا مناسب تھا سلمان نے منزل پر کونے والا ایک کمرہ بھی پسند کر لیا مگر اس کی بکنگ نہ کروائی ہوٹل کے رے اس نے پیرس ایما کے فلیٹ پر فون کیا ایما فلیٹ پر نہیں تھی۔ گھنٹی بجتی کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا سلمان نے سوچا کہ وہ کل صبح اسے فون کرے گا وہ دن دس گیارہ بجے تک گھر پر ہی ہوتی تھی دوسرے روز ناشتے کے بعد سمیرا رنگوں کا اسٹول اور ایزل اٹھا کر سیب کے باغ میں تصویر بنانے چلی گئی اور سلمان قصبے سیر بہانے قصبے کے ٹیلیفون آفس میں آ گیا۔ اس نے ایما کا نمبر ڈائل کیا تھوڑی دیر گھنٹی بجتی رہی پھر ایما کی نیند بھری آواز آئی۔ سلمان نے کہا۔ "میں آرلس سے رہا ہوں۔" ایما نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم نے مجھے صبح صبح جگا دیا۔"

سلمان بولا۔ "ڈارلنگ! یہاں تو کتنا دن چڑھ آیا ہے۔"

ایما نے کہا۔ "ٹھیک ہے چڑھ آیا ہو گا دن۔ کیا بات تھی؟"

سلمان نے اسے ساری اسکیم سمجھائی ایما کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "یہاں بہت مصروف ہوں اتنی دور کیسے آ سکتی ہوں؟" سلمان نے کہا۔ "تمہارا خرچ میرے ذمے ہو گا اور ڈیلی الاؤنس بھی۔" وہ ہنسنے لگا ایما کی بھی ہلکی سی ہنسی آواز سنائی دی۔ "مگر میں اس ہفتے نہیں آ سکتی بہت کام پڑے ہیں اگلے ہفتے آؤں گی۔"

سلمان جانتا تھا کہ ایما نے اگلے ہفتے آنے کا کہا ہے تو وہ اگلے ہفتے سے پہلے آ جائے گی اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں تمہیں آج ہی کے دن فون کر دوں گا اور تمہیں ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیج دوں گا۔"

ایما نے سرزنش کے انداز میں کہا۔ "مگر بارہ بجے سے پہلے فون نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے ڈارلنگ میں آج ہی کے دن بارہ بجے فون کروں گا اور سنو۔ تمہیں شہر کے ایئرپورٹ پر اترنا ہو گا۔ وہاں سے ٹیکسی لے کر آرلس آ جانا۔ میں ہوٹل باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں گا۔"

سلمان نے ایما کو ہوٹل کا نام اور محل وقوع لکھوا دیا ایما نے فون بند کر دیا۔ سلمان کے لئے اس قصبے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ایما کے آنے کی بات طے ہو گئی

تو اسے قصبے کی فضا اچھی لگنے لگی۔ وہ سمیرا کے ساتھ بھی بڑی محبت اور خوش
اظہار کرتا اس کی بنائی ہوئی تصویر کی اس کے بھورے بالوں اور لباس کی بھی تع
کرتا۔ سمیرا دل میں خوش تھی کہ ایما سے دور ہو کر سلمان میں بڑی خوشگوار تبد
گئی ہے اچھا ہوا کہ میں اسے یہاں لے آئی۔ وہ سوچتی مگر اسے کیا معلوم تھا کہ
بلا سے بچا کر وہ سلمان کو پیرس سے اتنی دور لائی ہے وہ بلا اگلے ہفتے قصبے میں
ہونے والی تھی دن کے وقت سمیرا کچھ دیر تک کھیتوں باغوں میں جا کر تصویریں یا
اسکیچ بناتی۔ دونوں دوپہر کا کھانا اکٹھے کھاتے ہنری ان کے لئے بڑی اچھی اچھی
ڈشیں تیار کرتا۔ پلاؤ وغیرہ سمیرا خود بنالیتی۔ کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کر
شام کی چائے وہ قصبے کے ایک ریستوران میں جا کر پیتے جس کے بارے میں مش
کہ وہاں فرانس کے نامور آرٹسٹ آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ اسی ریستوران میں ان
مصوروں کی تصویروں کے پرنٹ بھی لگے تھے سمیرا ریستوران میں چائے پیتے
بڑی خوشی محسوس کرتی اسے اس بات کی بھی بڑی خوشی تھی کہ سلمان اس کے
بڑا محبت بھرا سلوک کرنے لگا ہے۔ قصبہ آرلس میں آنے کے بعد سمیرا کی مصو
حس جو گہری نیند سو چکی تھی پھر بیدار ہو گئی تھی۔ اس کے ذوق مصوری کو
کرنے میں اس خیال کا بھی بڑا دخل تھا کہ وہ اس قصبے میں سانس لے رہی تھ
اسی نوے سال پہلے پال گوگین اور وان گو سانس لیا کرتے تھے اس نے اسی
ایک تصویر بنانی شروع کر دی تھی جہاں وان گو نے اپنی ایک مشہور پینٹنگ ب
اس کا اندازہ تھا کہ یہ وہی چشمے کا پل ہے اور وہاں سائپرس کے درختوں کا
بھی تھا۔ وان گو نے اس تصویر کا نام "سائپرس ٹریز" رکھا تھا یہ جگہ ان کے
تین چار کھیت چھوڑ کر سیب کے ایک باغ کے پاس تھی۔ سمیرا کافی کا فلاسک
ساتھ لے جاتی۔ سیب کے درختوں پر سیب لگے ہوئے تھے جو ابھی پوری ط
پکے تھے اور کسی کسی کا رنگ سرخ تھا سمیرا سورج نکلنے کے بعد وہاں آ جاتی
کے کھانے تک وہاں تصویر بناتی اس کا شوق اس کا فن پوری توانائیوں کے
کے برش میں سرایت کر آئے تھے اور وہ بڑے کمال کے ساتھ رنگ استعمال
ایک دن وہ بڑے انہماک سے تصویر میں رنگ بھر رہی تھی بڑی رو

لی ہوئی تھی کسی وقت عقب میں سے سیب کے باغ میں سے سبزے کی خوشبو کا نیم
رم جھونکا اس کے قریب سے ہو کر گزر جاتا۔ تصویر بنانے کے لئے یہ ایک مثالی
سم تھا۔ سمیرا اسٹول پر ایزل کے سامنے بیٹھی گیہوں کے خوشوں پر برش کی نوک سے
رد رنگ لگا رہی تھی۔ کافی کا فلاسک اس کے پاس ہی رنگوں کے ڈبے کے پاس پڑا
اس نے تھوڑی دیر پہلے کافی کا ایک پیالہ پیا تھا جس کا ذائقہ ابھی تک اس کی زبان
تھا اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھی کہ سلمان قصبے کی
ارہ گردی سے واپس آ گیا ہے۔ اس نے کہا۔ "سلمان کافی فلاسک میں سے نکال کر
ہی پی لو۔ مجھے مت بلانا۔" آنے والے کے قدم رک گئے مگر سمیرا کو کوئی جواب
یں ملا۔ اس نے تصویر سے پرے نظریں ہٹا کر پلٹ کر دیکھا وہ کچھ شرما سی گئی اس
پیچھے ذرا بائیں جانب کو ایک دراز قد چوڑے شانوں بھورے گھنگھریالے بالوں اور
سبز آنکھوں والا ایک نوجوان کھڑا بڑے غور سے سمیرا کی زیر تکمیل پینٹنگ کو دیکھ
ا تھا اس نے کاڈرائے کی نسواری جیکٹ اور اسی رنگ کی پرانی سی پتلون پہن رکھی
۔ منہ میں سیاہ پائپ لگا تھا جس میں سے ہلکا کش لیتے وقت نیلے دھوئیں کی پتلی سی
اٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ سمیرا نے انگریزی میں پوچھا۔ "مجھے افسوس ہے
کوئی دیکھ رہا ہو تو میں تصویر نہیں بنا سکتی۔"

وہ اس نوجوان کو انگریز یا اطالوی سمجھ رہی تھی نوجوان نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی
کہا۔ "میں انگریزی ـــــ زبان پسند نہیں کرتا۔" سمیرا نے برش اور پلیٹ نیچے
ا اور بیزار ہو کر پوچھا۔ "پھر تم کون سی زبان جانتے ہو۔"

نوجوان کے چہرے پر بڑی شرارتی قسم کی مسکراہٹ تھی کہنے لگا۔ "فرنچ میں
تا ہوں۔"

تب سمیرا نے بڑی رواں فرانسیسی میں کہا۔ "میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ
ب میں تصویر ـــــ بنا رہی ہوتی ہوں اور کوئی میرے پاس آ کر کھڑا ہو جائے تو
پھر تصویر نہیں بنا سکتی۔" نوجوان نے پائپ منہ سے نکال لیا اور ذرا سامنے آ گیا۔
"تم فرنچ زبان بڑی اچھی بول لیتی ہو مگر تم شکل سے فرانسیسی لڑکی نہیں لگتیں
اطالوی ہو؟ یا پھر انڈین ہو؟"

سمیرا نے بڑی اکتاہٹ کے ساتھ گہرا سانس بھرا اور کہا۔ "نہ میں اطالوی ہوں اور نہ انڈین۔ میں پاکستانی ہوں اور میں نے پاکستان میں رہ کر فرانسیسی زبان سیکھی ہے پلیز! مجھے تنہا چھوڑ دو تاکہ میں تصویر بنا سکوں۔"

نوجوان نے پائپ کی نوک اپنے ماتھے کے ساتھ ذرا سی لگا کر کہا۔ "جیسے تمہاری مرضی مادام ویسے میں بھی پینٹر ہوں اور میرا تعلق پال گوگین کے خاندان سے ہے لیکن میں نے تصویریں بنانی چھوڑ دی ہیں اب صرف تصویریں دیکھتا ہوں۔" اتنا کہہ کر نوجوان آگے چل پڑا کھیت کے کنارے پہنچ کر رکا دو قدم چل کر قریب آیا اور جھک کر بولا۔ "میرا نام روڈولف ہے۔"

ذرا سا مسکرایا اور کھیتوں کی طرف چلتا ہوا سائپرس کے درختوں میں سے ہو کر قصبے کی طرف جاتی سڑک پر گھوم گیا۔ سمیرا نے اس کے بعد بڑی کوشش کی مگر وہ والی کیفیت کے ساتھ برش سے رنگ نہ لگا سکی۔ اس کا موڈ اکھڑ گیا تھا اس نے ج کر برش کو کپڑے سے صاف کیا اسے ڈبے میں رکھا اور واپس جانے کی تیاری کر لگی۔ عجیب اوٹ پٹانگ آدمی تھا۔ یہ فرانسیسی پینٹر سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ا آپ کو اٹھارویں صدی کے کیویلرز سمجھتے ہیں سمیرا بڑبڑاتے ہوئے چیزیں سمیٹ تھی۔

شام کو سمیرا اور سلمان قصبے کے ایک ریستوران میں چائے پینے چلے گئے ان کا ارادہ رات کو باہر کھانا کھانے کا تھا جس ریستوران میں وہ چائے پی رہے اس وقت گاہکوں سے بھرا ہوا تھا ان میں سیاح زیادہ تھے ان میں عورتیں بھی امریکی، اطالوی، یونانی اور اسکینڈے نیویا کی نیلی آنکھوں اور سرخ بالوں والی ع چائے یہاں سری لنکا کی بلینڈ کر کے استعمال ہوتی تھی جس کی خوشبو اور ذا کلاسیکی تھا۔ سمیرا کو اس ریستوران کی چائے خاص طور پر بہت پسند آئی۔ ر کہ باہر گول گول پتھروں والے فٹ پاتھ پر بھی لوگ کرسیوں پر بیٹھے چائے تھے اور اسنیکس وغیرہ کھا رہے تھے۔ ریستوران کی فضا میں یورپ، امریکہ کے سگریٹوں کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سمیرا چائے پینے لگی تو اچانک ایک دراز قد لمبے گھنگریالے بالوں والے نوجوان نے ریستوران میں داخل

ے دور سے سمیرا کو پائپ کی نوک ماتھے سے لگا کر سلام کیا تھا یہ وہی پینٹر نوجوان تھا میرا کو دوپہر کے وقت سیب کے باغ کے پاس ملا تھا اور جس نے اپنے آپ کو پال گین کا رشتے دار کہا تھا۔ سمیرا نے نظریں دوسری طرف کر لیں اسے اس نوجوان کا م کرنا ذرا اچھا نہ لگا۔ یہ کہیں پیچھے ہی نہ پڑ جائے۔ سمیرا نے یہ سوچ کر پیالی نٹوں سے ذرا سی ہٹا لی اور سلمان سے بڑی گھل مل کر باتیں کرنے لگی۔ وہ اس وان پر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے خاوند سے محبت کرتی ہے اور ندہ اسے سلام کرنے کی ہرگز جرات نہ کرنا۔ مگر وہ دراز قد پینٹر نوجوان ریستوران ے ہجوم میں غائب ہو چکا تھا کچھ دیر بعد سمیرا نے اپنے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے رنے کے بہانے ریستوران میں چاروں طرف دیکھا مگر اسے پال گوگین کا وہ رشتے ر نوجوان کہیں نظر نہ آیا وہ سلمان سے کہنے لگی۔ "یہاں آرلس میں ایک اوپیرا س ہے آج کے اخبار میں چھپا ہے کہ وہاں ریڈ شوز کا اوپیرا دکھایا جا رہا ہے کیوں نہ ھانے کے بعد یہ اوپیرا دیکھا جائے؟"

سلمان کو قصبہ آرلس میں کسی نہ کسی طرح ہفتے بھر کا انتظار ختم کرنا تھا ایما کے نے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے اس نے سوچا کہ چلو آج کی شام اسی طرح کٹ جائے گی۔ وہ تیار ہو گیا۔ انہوں نے کھانا کسی دوسرے ریستوران میں کھایا وہیں ے مکان پر ہنری کو فون کر دیا کہ وہ اوپیرا دیکھنے جا رہے ہیں دیر سے آئیں گے۔ یرا کو اوپیرا بہت پسند تھا حالانکہ اوپیرا میوزک کی کلاسیکی اور کانوں کے پردے پھاڑ ینے والی آوازیں اچھے اچھے موسیقی کے دلدادہ لوگوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتی تھی مگر یرا کو اس میوزک کے گہرے، بلند اور طویل سر اپنے ساتھ زمین کی آلودگیوں سے ہا ہاتھوں میں اٹھا کر کائنات کی وسعتوں میں لے جاتے تھے وہ حیران تھی کہ اوپیرا یوزک کو گانے والے اتنی تیز اور بلند آواز میں بھی موسیقی کے سروں پر بالکل صحیح ح قائم رہتے ہیں وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی بے سر نہیں ہوتے تھے سر پر قائم رہنے کی وجہ سے اوپیرا گانے والے اور گانے والیوں کی آوازوں میں ایک طلسمی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جو سمیرا کو سحر زدہ کر دیتی۔ سلمان کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اوپیرا میوزک کس در وحشت خیز ہوتا ہے وہ جب وقت گزارنے کے لئے تیار ہو گیا تھا اس کا خیال تھا

کہ یہ میوزک یہی یورپ کے دوسرے میوزک کی طرح ہو گا بڑے بڑے ساز ہوں
گے پچاس پچاس آدمی وائلن بار ہے ہوں گے وہ کسی نہ کسی طرح برداشت کر لے گا
جب اوپیرا شروع ہوا اور ایک لمبے قد کی موٹی عورت نے پیانو کے پاس آکر اچانک
گلا پھاڑ کر چیخ نما آواز بلند کی تو سلمان اپنی جگہ پر لرز اٹھا۔ سمیرا نے اس کا بازو دبائے
ہوئے آہستہ سے کہا۔ "ابھی بیلے رینا ناچتی ہوئی آئے گی یہ گانا اس کے ڈانس کا حصہ
ہے۔"

سلمان طبیعت پر جبر کر کے بیٹھا سگار نما سگریٹ پیتا رہا۔ وہ گرانڈیل عورت گلا
پھاڑے اسی طرح گاتی رہی اور اسٹیج پر ایک طرف سے بیلے رقص کرنے والی عورتیں
چکراتی ہوئی داخل ہوئیں اور دو دائروں میں بٹ کر رقص کرنے لگیں پھر ایک اکیلی
لڑکی گھٹنوں کے اوپر تک ریشمی گھگرا پہنے پھرکی کی طرح گھومتی ہوئی داخل ہوئی اور
بگولے کی طرح اسٹیج پر چکر لگانے لگی سلمان کا سر اسے دیکھتے دیکھتے چکرانے لگا جبکہ
سمیرا بڑے انہماک سے رقص دیکھ رہی تھی اور پرشور اوپیرا میوزک سن رہی تھی
سلمان نے تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیں وہ چاہتا تھا کہ وہاں سے اٹھ کر باہر
چلا جائے یا پھر اپنے کانوں میں انگلیاں دے لے مگر اس خیال سے وہ ویسے ہی طبیعت
پر جبر کر کے بیٹھا رہا کہ سمیرا کیا کہے گی اس کا ارادہ تھا کہ جب اس کی محبوبہ ایما آ
گی تو وہ یہاں اوپیرا دکھائے بھی لائے گا مگر یہاں جو اس کا حال ہو رہا تھا اس کو دیکھتے
ہوئے اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے توبہ کر لی۔ سمیرا بھانپ گئی تھی کہ سلمان بور ہو رہا
جب انٹرول ہوا تو اس نے سلمان کی طرف جھک کر کہا۔

"یہ اوپیرا کچھ مجھے بھی اچھا نہیں لگا چلو گھر چلتے ہیں۔"

حالانکہ وہ پورا اوپیرا دیکھنا چاہتی تھی لیکن اسے سلمان کا پاس خاطر تھا۔
اوپیرا ہال سے اٹھ کر باہر آ گئے سلمان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس مصیبت سے
چھوٹی۔ مگر اوپر اوپر سے کہنے لگا۔ "اوپیرا اچھا تھا مگر میوزک کا شور زیادہ تھا۔"
سمیرا نے کہا۔ "اوپیرا میوزک ایسا ہی ہوتا ہے یہ تو گاؤں ہے نا پیرس کے
ہاؤسوں میں تو یہ میوزک آدمی پر جادو کر دیتا ہے۔"

رات بڑی سرد تھی باغوں کھیتوں میں اوس پڑ رہی تھی وہ گاڑی میں

ی فضا میں انہیں تھوڑا سکون ملا۔ ہنری ان کا انتظار کر رہا تھا کہنے لگا۔ "اگر
رت ہو تو میں کافی بنا کر لاؤں؟"

سلمان نے فوراً کہا۔ "نہیں ہنری اس کی ضرورت نہیں۔"

وہ فرنچ بول رہا تھا۔ ہنری مسکرا کر پائپ کا دھواں اڑاتا اپنے کاٹج کی طرف
دیا۔ سونے سے پہلے سمیرا نے گرم پانی کے غرارے کئے پھر پلنگ پر لیٹ گئی سلمان
ے وہاں لیٹا ایک فرنچ رسالہ دیکھ رہا تھا سمیرا نے کمبل اوڑھ لیا۔ سلمان کو شب
ہا اور دوسری طرف پہلو بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

آخر وہ دن بھی آ گیا جب ایما کی ٹیکسی ہوٹل کے باہر آ کر رکی۔ سلمان وہاں
ے موجود تھا وہ گہرا میک اپ کئے منہ چلاتی ٹیکسی سے باہر نکلی تو سلمان جلدی
اسے ہوٹل کی لابی میں لے گیا۔ ایما نے لابی کی پرانی وضع کی چھت اور دیواروں
یکھ کر منہ سکوڑتے ہوئے کہا۔ "یہاں رہوں گی؟" سلمان نے جلدی جلدی کاؤنٹر
رجسٹر میں نام بھرا دستخط کئے اور جب ایما کو لے کر کونے والے کمرے میں آیا تو
ان کا سانس لیا۔ "میرا آج کا الاؤنس لائے ہو؟"

سلمان نے بٹوے میں سے کچھ رقم نکال کر ایما کو دی اور کھڑکی کا پردہ کھینچ دیا۔
نے جوتوں سمیت پلنگ سے ٹیک لگائی۔ پرس میں سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور
ں اڑاتے ہوئے بولی۔ "اس فضول قسم کے ہوٹل میں ہی تمہیں کمرہ لینا تھا؟"

سلمان صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "یہ قصبے کا سب سے اچھا ہوٹل ہے ایما
یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"میں ڈبل الاؤنس لوں گی اور سن لو۔ دو دن سے زیادہ نہیں ٹھہروں گی۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔"

سلمان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایما کو کیا کہتا؟ ایما جس قسم کا فیشن کر
ئی تھی خطرہ تھا کہ وہ قصبے کے لوگوں کی نظروں میں آ جائے گی اور ممکن ہے کہ
ت سمیرا تک بھی پہنچ جائے۔ سلمان اپنے گھریلو معاملات کو محفوظ رکھ کر ایما سے
ت نبھانے کا خواہش مند تھا۔ پیرس بہت بڑا شہر تھا وہاں اس کی سرگرمیاں خفیہ
تی تھیں۔ آرلس ایک قصبہ تھا یہاں راز کھل جانے کا ڈر تھا اور سلمان اپنی

بیوی سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایما نے اس کے ناپختہ دل ودماغ پر وقتی طور پر قبضہ ضرور کر رکھا تھا اس کے باوجود سلمان کو احساس ہونے لگا تھا کہ پیرس کی اس فیشن ایبل لڑکی کا اس سے کوئی جذباتی رشتہ نہیں ہے۔ ایما اٹھ کر باتھ روم میں گئی۔ باہر آ کر بولی۔ ”میرے لئے کھانے کو کچھ منگاؤ مجھے بھوک لگی ہے۔“

سلمان نے ویٹر کو بلانے والی گھنٹی کا بٹن دبا دیا ایما کو ہوٹل کا کمرہ بھی پسند نہ آیا تھا۔ وہ کبھی کہتی پردے بڑے گندے ہیں صوفوں کے کپڑوں کا رنگ دیہاتی ہے باتھ روم چھوٹا ہے۔ تمہیں یہی ہوٹل رہ گیا تھا؟ جب ویٹر تلی ہوئی مچھلی اور بھنی ہوئی مونگ پھلی کافی کے ساتھ لایا تو ایما کو مچھلی باسی لگی۔ سلمان عذر خود ہی کرنے لگا۔ ایما یہ آخر قصبہ ہے۔ پیرس والی چیزیں تو یہاں نہیں ملیں گی نا۔ اچھا میں کل کسی دوسرے ہوٹل کا بندوبست کر دوں گا۔“ ایما کا مزاج بگڑ چکا تھا اس نے بادل نخواستہ تھوڑی سی مچھلی کھائی۔ کافی کا آدھا کپ پیا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھتے ہوئے بولی۔ ”یہاں کوئی رونق ہی نہیں ہے۔ لگتا ہے میں کسی اسپتال میں آ گئی ہوں۔“

سلمان کو ہوٹل میں ہی رات ہو گئی اس نے رات کا کھانا ایما کے ساتھ کمرے میں ہی کھایا اس کا خیال وہیں رات رہنے کا تھا مگر ایما کہنے لگی۔ ”تم واپس اپنے گھر پر جاؤ میری طبیعت سخت خراب ہے۔ کل آنا پھر تم سے بات کروں گی۔“ سلمان جانے لگا تو ایما نے کچھ اخراجات کا بہانہ بنا کر اس سے مزید کچھ پیسے لے لئے سلمان کچھ پریشان‘ کچھ مضطرب ہوٹل سے چلا آیا۔ مکان پر سمیرا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی سلمان کو دیکھا تو جان میں جان آئی۔ ”خدا کے لئے تم کہاں چلے گئے سلمان؟“

سلمان نے جھنجلاہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں کہیں مر تو نہیں گیا تو اور کوئی بچہ نہیں ہوں کہ بھٹک جاؤں گا۔“

وہ بڑبڑاتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہو گیا۔ سمیرا اس کے پیچھے آئی۔ ”کھانا لاؤں؟“

”میں نے ایک دوست کے ساتھ کھا لیا تھا۔“

سلمان نے مختصراً“ بتایا کہ اس کا ایک پیرس کا دوست اسے مل گیا تھا۔

ساتھ وہ دیر تک ریستوران میں بیٹھا رہا۔ سمیرا کو ذرا سا بھی شک نہ ہوا وہ تو سلمان کو دیکھتے ہی خوش ہو گئی تھی اس سے زیادہ اسے اور کچھ نہیں چاہئے تھا۔

سلمان رات گئے تک جاگتا رہا۔ وہ یہی سوچتا رہا کہ صبح ایما کا انتظام کس ہوٹل میں کرے گا کیونکہ آرلس کے اس قصبے میں دوسرا کوئی ہوٹل اس سے بہتر نہیں تھا جہاں اس نے ایما کو ٹھہرایا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہاں سے قریبی شہر بھی دو سو کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ ایسا بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ایما کو اس دو سو کلو میٹر دور شہر کے کسی ہوٹل میں کمرہ لے دے اسی ادھیڑ بن میں اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ دوسری صبح اس کی کافی دن چڑھے آنکھ کھلی۔ سمیرا ناشتہ تیار کر چکی تھی۔ سلمان کو باتھ روم کی طرف جاتے دیکھا تو بڑی خوش دلی سے بولی۔ ”میری جان! ناشتے میں آج میں نے بہت کچھ بنایا ہے۔ بس جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ میں نے بھی ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔“

سلمان نے کوئی جواب نہ دیا۔ منہ ہاتھ دھو کر تولئے سے منہ صاف کرتا باہر نکلا تو سمیرا نے پوچھا۔ ”خیریت تو ہے؟ آج تم چپ چپ سے کیوں ہو؟“ سلمان نے ذرا اپنے چہرے پر مسکراہٹ طاری کی۔ ”رات تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا۔ اس لئے طبیعت پر بوجھ سا تھا۔“

”پھر کیا ہوا تم آ تو گئے چلو ناشتہ کرو میں چائے بناتی ہوں۔“

سمیرا لپک کر کچن کی طرف چلی گئی۔ سلمان سوچ رہا تھا کہ وہ ناشتہ کر کے سیدھا ایما کی طرف جائے گا اور اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کرے گا کہ وہ اسی ہوٹل میں کچھ دن رہ جائے۔ وہ اس کے آرام کا سارا انتظام کر دے گا وہ کھڑکی کے پردے تبدیل کروا دے گا۔ کمرے میں دوسرے کمرے سے صوفے اٹھوا کر ڈلوا دے گا۔ اس نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور سمیرا کو یہ کہہ کر نکل گیا کہ قصبے کا ایک چکر لگا کر ابھی واپس آ جاتا ہوں۔ سمیرا نے مسکراتے ہوئے سلمان کو رخصت کیا اس کے دل میں گمان تک بھی نہیں آیا تھا کہ وہ ایما کو پیرس سے بلوا چکا ہے اور اسی کے پاس ہوٹل جا رہا ہے جب تک سلمان کو اپنا مکان نظر آ رہا تھا وہ بڑے مزے سے ٹہلتا ہوا چلتا گیا۔ جوں ہی مکان نظروں سے اوجھل ہوا وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ اس کا

جی چاہتا تھا کہ اڑ کر ایما کے پاس پہنچ جائے۔ ہوٹل کے باہر ایک ویگن کھڑی تھی جس میں سے کچھ سامان اتارا جا رہا تھا۔ سلمان اپنی دھن میں چھوٹی سی لابی میں سے ہوتا ہوا تنگ راہداری میں آگیا کونے والا کمرہ ایما کا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے چھ سات مرتبہ گھنٹی بجائی۔ ایما نے دروازہ نہ کھولا۔ شاید ابھی تک سو رہی ہے۔ شہر کی عادت پڑی ہے وہ ٹہلتا ٹہلتا لابی میں آگیا کہ کچھ وقت گزارے۔ کاؤنٹر بوائے رجسٹر لے کر اس کے قریب آگیا۔ "سر مادام! صبح سویرے واپس چلی گئی ہیں یہ کچھ رقم ان کی طرف واجب الادا ہے۔"

سلمان کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے اس پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیا ہو۔

سلمان نے رجسٹر میں درج رقم دیکھی جو ایما اس کے نام پر ہوٹل کے مالک سے
ی تھی۔ یہ دو سو فرانک تھے۔ سلمان نے اسی وقت رقم ادا کر دی اسے ایما پر
صہ آ رہا تھا کہ اسے بتائے بغیر اتنی جلدی پیرس واپس چلی گئی۔ سلمان کو ابھی
رتوں کا تجربہ نہیں تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ان عورتوں کا پیرس کے ایک
طبقے سے تعلق ہے جن کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا۔ ان کے لئے پیسہ اور آرام
ئش ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ایما کو پیسہ تو مل رہا تھا مگر قصبے کا رہن سہن اور
کا ماحول اس کی پسند کے مطابق نہیں تھا۔ چنانچہ وہ واپس چلی گئی۔ اس نے
کو اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ سلمان خواہ مخواہ ایما کی خاطر
ہو رہا تھا اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کہ ان معاملات میں جذبات کو ملوث کرنا
ہے، ابھی سلمان کو بہت تجربے کی ضرورت تھی۔ وہ بوجھل قدم اٹھاتا قصبے کے
ریستوران میں آ کر بیٹھ گیا۔ چائے منگوائی اور سگریٹ سلگا کر دور سفیدے کے
دار درختوں کی طرف دیکھنے لگا جو ریستوران کے دروازے میں سے سڑک پار
میں چمکتے نظر آ رہے تھے۔ وہ ایما کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا مگر اس کا
بار بار ایما ہی کی طرف چلا جاتا تھا۔ اس کا گلابی چہرہ اور سنہری بال بار بار اس کی
ں کے سامنے آ جاتے۔ سلمان اپنی عمر کے اس حصے میں تھا جب محبت کے
نہ بے لگام منہ زور گھوڑوں کی طرح بھاگے جا رہے ہوتے ہیں۔ کسی وقت اسے
دماغ کی دھیمی سی آواز یہ کہتی سنائی دیتی کہ ایما سے وفاشعاری کی توقع فضول

ہے۔ وہ اس قسم کے جذبات سے خالی ہے۔ مگر ساتھ ہی سلمان کا دل دھڑک کر کہتا کہ نہیں ایما ایسی لڑکی نہیں ہے۔ وہ محبت کرنا، وفا کرنا جانتی ہے۔ اپنے آپ کو سمجھانے لگا کہ ایما کیا کرتی۔ آخر وہ پیرس شہر کی رہنے والی ہے۔ قصبے کا یہ تھرڈ کلاس ہوٹل کیسے پسند آ سکتا تھا۔ یہ بات کیا کم ہے کہ وہ میرے لئے پیرس چھوڑ کر یہاں چلی آئی؟ مجھے اس نے اس لئے اطلاع نہیں دی کہ وہ جانتی کہ میں نے اصرار کیا تو وہ رک جانے پر مجبور ہو جائے گی۔ محبت کی خود فریبیاں، زور جذبات کی خوبصورت نادانیاں، جوانی کی بالکل صحیح غلطیاں! سلمان کا خیال پھر طرف چلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ سمیرا کو بھی چاہئے کہ ایما کی طرح ہر وقت گھر ایک کئے رکھے۔ مجھے اس کے بے رنگ ہونٹ اور پھولے ہوئے بال بالکل پسند ہیں۔ سمیرا میری بیوی ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میں بھی اسے چاہتا ہوں مجھ پر جان قربان کر دینے کا لافانی جذبہ رکھتی ہے۔ مگر وہ یہ کیوں بھول جاتی میں ایک مرد ہوں اور وہ ایک عورت ہے۔ بناؤ سنگھار اس کا زیور ہے۔

ریستوران سے نکل کر سلمان ایک چھوٹے سے پارک میں آ گیا۔ یہاں سبزہ تھا۔ کچھ بچے کونے میں کھیل رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا سفید کتا ان کے گرد لگا رہا تھا۔ سلمان کو ہلکی سی مانوس گونج سنائی دی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر آسمان کی دیکھا۔ ایک بوئنگ جہاز پیرس کی طرف جا رہا تھا۔ سلمان کو اچانک خیال آیا نہ وہ پیرس کا ایک چکر لگا آئے۔ مگر سمیرا کے سامنے کیا بہانہ بنائے گا؟ وہ سگ کر پارک میں درختوں کے پاس ٹہلنے لگا۔ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب وہ سمیرا سے کہے گا کہ پیرس سے اس کے پاکستانی دوست کا فون آیا ہے کہ میں داخلے کے سلسلے میں یہاں آ کر ایک ضروری فارم پر دستخط کر جائے۔ سلمان کو پسند آ گئی۔ سمیرا کو کیا اعتراض ہو گا بھلا؟

وہ پارک سے نکل کر اپنے گارڈن ہاؤس کی طرف چل پڑا۔ سمیرا کچن تیار کرنے میں لگی تھی۔ بوڑھا ہنری عقبی باغ میں پودوں کو گوڈی کر رہا تھا۔ کچن کی کھڑکی میں سے سلمان کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو آواز دے کر نے تمہارے لئے تھوڑی سی مچھلی بھی بنا لی ہے سلمان، تمہیں پسند ہے نا؟"

"کیوں نہیں؟" سلمان نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "بھئی یہاں تو بڑی بو آ رہی ہے مچھلی کی۔ یہاں کی مچھلی بڑی لذیذ ہوتی ہے۔"

سمیرا نے مسکرا کر سلمان کی طرف دیکھا۔ "تمہارے لئے کافی کا ایک مگ بنا مگر میرا خیال ہے کہ تم ریستوران سے ضرور پی کر آئے ہو۔"

"پی کر بھی آیا ہوں تو تمہاری بنائی ہوئی کافی سے محروم نہیں رہ سکتا۔"

سلمان رسالہ اٹھا کر باہر چھوٹے سے لان میں آرام کرسی پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ دھوپ بڑی خوشگوار تھی۔ فضا میں پھولوں اور پودوں کی تازہ خوشبو رچی ہوئی سلمان رسالے کی ورق گردانی کرتے ہوئے سوچنے لگا کہ سمیرا کب بازار جائے تاکہ بعد میں جب آئے تو وہ اسے بتائے کہ پیرس سے اس کے دوست کا فون آیا میرا خیال ہے کہ میں اسے کھانا پکانے کے بعد کوئی چیز لینے بازار بھیج دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد سمیرا کافی کا مگ لئے آ گئی۔ سلمان نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "جان تمہارا شکریہ!" سمیرا مسکراتی ہوئی واپس کچن کی طرف چلی گئی۔ سلمان کو یہ اچھی نہیں لگی تھی کہ سمیرا کا چہرہ میک اپ سے بالکل خالی خالی تھا۔ فرانس میں دنیا میں سب سے اعلیٰ میک اپ کا سامان ملتا ہے۔ پھر سمیرا میک اپ کیوں نہیں کرتی؟

سلمان نے اسے دو ایک بار کہا بھی تھا مگر وہ ہمیشہ یہی کہتی کہ میک اپ تو کہیں جانے ہو تو کیا جاتا ہے۔ گھر میں سرخی پاؤڈر لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن سلمان کو میک اپ والی عورتیں بہت پسند تھیں۔ سادہ چہرہ چاہے کتنا حسین کیوں نہ ہو، سلمان کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ سمیرا نے نادانستگی میں سلمان کے اس رجحان کی طرف توجہ نہیں دی تھی جس کی وجہ سے وہ تھوڑا تھوڑا نقصان اٹھا رہی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سمیرا کچھ دیر آرام کرنے کی خاطر پلنگ پر لیٹی تو سلمان نے بڑی محبت سے کہا۔ "جان من! میں جانتا ہوں تم آرام کرنے لگی ہو مگر میرے سگریٹ ختم ہو گئے ہیں۔ ہنری یہاں نہیں ہے اور میرا بازار جانے کو بالکل دل نہیں چاہتا۔ اگر تم مارکیٹ سے مجھے سگریٹ لا دو تو تمہیں بڑی دعائیں دوں گا۔"

سمیرا رسالہ پرے پھینک کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔ "یہ کون سی بات ہے۔ میں

ابھی لائے دیتی ہوں۔ دو قدم پر تو مارکیٹ ہے۔ تم آرام کرو۔" سلمان نے ٹانگیں مزید پسار لیں اور سمیرا جیکٹ پہن کر نکل گئی۔

سلمان سوچنے لگا کہ شہر سے اسے اندرون ملک کوئی بھی پرواز مل جائے گی پیرس جہاز آتے جاتے رہتے ہیں۔ اگر وہ شام کی کوئی فلائٹ پکڑ لے تو شروع رات میں ہی ایما کو کلب میں جا کر پکڑ سکتا ہے۔ سمیرا جب درختوں کے پیچھے سلمان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں ٹیلیفون کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد اسے دور سے سمیرا آتی دکھائی دی۔ سلمان نے جلدی سے ریسیور اٹھایا اور یوں ہی ایک نمبر ڈائل کر دیا۔ سلمان نے سمیرا کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو ہنس ہنس کر بولنے لگا۔ وہ کسی وقت آواز بلند کر لیتا جیسے دوسرے شہر کسی سے بات کر رہا ہو۔

"ہاں ہاں ــــــ نہیں یار' ابھی میں نہیں آ سکتا سمیرا اکیلی ہے۔ کیا کہا؟ کل فارم جمع کرانا ضروری ہے؟ اچھا ٹھیک ہے میں آ جاتا ہوں۔ او کے۔ تھینک یو۔"

سلمان نے ریسیور رکھا تو سمیرا نے پوچھا۔ "کون تھا؟"

سلمان گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ "وہی واسطی صاحب تھے اپنے' پیرس سے فون کیا تھا انہوں نے۔ کہتے ہیں خواجہ صاحب سے نمبر معلوم کیا۔ مجھے آج ہی پیرس جانا پڑ گیا ہے سمیرا ــــــ"

"ایسی کیا بات ہو گئی؟" سمیرا نے برا سا منہ بناتے ہوئے پوچھا۔ وہ سگریٹوں ایک پیکٹ میز پر رکھ کر کچن کی طرف مڑ گئی۔ سلمان اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ "تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں نے فائن آرٹس میں ڈپلوما کے لئے یونیورسٹی میں اپلائی کر رکھا ہے۔ واسطی صاحب کہتے ہیں کہ کل ان لوگوں نے مجھے انٹرویو کے لئے بلایا ہے کل ہی فارم بھی جمع کرانے ہوں گے۔ آخری تاریخ ہے۔"

سمیرا پریشر ککر کو اٹھا کر دوسری طرف رکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "میں کیا سکتی ہوں۔"

"جان من! یہ میرے مستقبل' میرے کیریئر کا معاملہ ہے۔ ایک دو سال کی کسی یونیورسٹی میں لگا جاؤں گا تو ساری زندگی کے لئے راستے کھل جائیں گے۔

سمیرا کے دل میں یہ شک ضرور پیدا ہوا تھا کہ وہ ایما کی خاطر پیرس جانے کے لئے بے چین ہے لیکن پھر سوچتی کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا کسی یونیورسٹی یا کالج میں فی انٹرویو ہو۔ وہ سلمان کی ترقی کے راستے میں کیسے رکاوٹ کھڑی کر سکتی تھی۔ اس نے کوئی اعتراض نہ کیا اور سلمان تیسرے پہر پیرس روانہ ہو گیا اور لی کی ایئرپورٹ پر اترا تو پیرس روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ سلمان کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ حقیقت کی دنیا سے نکل کر خوابوں کی رنگین دنیا میں آ گیا ہو۔ حقیقت میں سلمان ایک خواب ہی دیکھ رہا تھا جو بہت جلد ٹوٹنے والا تھا۔

ایئرپورٹ سے سلمان سیدھا خواجہ صاحب کی ٹریول ایجنسی گیا۔ خواجہ صاحب کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔ سلمان کو دیکھا تو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر ریسیور رکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔ "کیوں سلمان صاحب قصبے میں جی نہیں لگا؟"

سلمان بولا۔ "اتنی خوبصورت جگہ پر دل کیسے نہیں لگتا خواجہ صاحب ــــــ برا وہیں پر ہے میں تو ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔"

"خیریت تو ہے؟" خواجہ صاحب نے پوچھا۔

"بالکل خیریت ہے۔ دراصل یہاں کل میرا ایک انٹرویو ہے۔ کل شام کو نہیں تو پرسوں واپس چلا جاؤں گا۔ مجھے فلیٹ کی چابی چاہئے تھی۔ آتے ہوئے مجھے سمیرا سے چابی لینی یاد نہیں رہی آپ کے پاس ڈپلی کیٹ تو ہو گی۔ مجھے یاد ہے سمیرا جاتی دفعہ آپ کو ایک چابی دے گئی تھی۔"

"ہاں ہاں ــــــ کیوں نہیں۔ ویسے ڈپلی کیٹ چابی آپ کو اپارٹمنٹ بلڈنگ کے آفس سے مل سکتی ہے لیکن مجھ سے لے جائیں۔"

اور خواجہ صاحب نے دراز میں سے فلیٹ کی چابی نکال کر سلمان کے حوالے کر دی۔ یہ بات سلمان بھول گیا تھا کہ ایک چابی تو اپارٹمنٹ بلڈنگ والوں کے پاس بھی ہوتی ہے۔ اب اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے خواجہ صاحب کو اپنے راز میں کیوں شامل کیا۔ انہیں اس کے فلیٹ میں رات رہنے کے بارے میں نہ ہی پتہ چلتا تو اچھا تھا چلو پر کیا ہوا۔ انہیں کون سا معلوم ہو سکے گا کہ فلیٹ میں ایما بھی آئی تھی۔

ایما اپنے مخصوص کلب میں نہیں تھی۔ سلمان نے آس پاس کے دو تین کلبوں

میں دیکھا۔ وہ اسے کہیں نہ ملی۔ اس نے سوچا ایما کے فلیٹ پر چلنا چاہئے۔ لیکن اس وقت وہ فلیٹ پر کہاں ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ فلیٹ پر ہی ہو' کہیں وہ بیمار نہ ہو گئی ہو۔ یہاں تو وہ بالکل اکیلی ہے۔ بیمار پڑ گئی تو کوئی اسے پوچھنے والا بھی نہیں ہو گا۔ یہ سوچ کر سلمان نے ٹیکسی پکڑی اور ایما کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ فلیٹ مقفل تھا۔ سلمان کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اپارٹمنٹ بلڈنگ سے باہر نکل کر وہ پورچ کے سائبان تلے ایک طرف نیم اندھیرے میں کھڑا ہو گیا۔ کچھ اس امید پر کہ شاید ایما آ جائے اور کچھ اس خیال سے کہ دوسری یا تیسری کوئی خالی ٹیکسی آئی تو وہ واپس اپنے فلیٹ پر آ جائے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایما جس قسم کی زندگی بسر کر رہی ہے اگر اسے کوئی ساتھ مل گیا ہو گا تو وہ رات بھر واپس نہیں آئے گی۔ سلمان کو کسی پہلو سے بھی ایما سے وہ محبت نہیں تھی جو اسے اپنی بیوی سیمرا سے تھی۔ بس وہ اس کے گلیمر اور عشرت پرستی کو پسند کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ آدمی اس راہ پر کتنا بھی محتاط ہو کر دامن بچا کر کیوں نہ چلے' اس کے کسی نہ کسی گڑھے میں گرنے کا خطرہ ہر وقت موجود ہوتا ہے۔ مگر سلمان کی عمر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایسی باتوں کو زیادہ دیر تک ذہن میں رکھتا۔ عمر کا بھی جذبات کے معاملے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔

ایک گاڑی لابی کے سامنے آ کر رکی۔ اس کے ونڈ اسکرین کے وائپرز چل رہے تھے۔ کیا بارش ہونے لگی ہے؟ یہ سوچ کر سلمان سائبان کے نیچے سے نکلا فٹ پاتھ پر آ گیا۔ ہاں' ہلکی ہلکی بہت معمولی سی رم جھم شروع ہو گئی تھی۔ سردی بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ سلمان نے خوب گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔ سر پر سیاہ ہیٹ تھا اور گردن میں فل کوٹ کے اوپر گرم مفلر بھی لگا تھا۔ اس نے سوچا پیدل بارش میں تھوڑی دور چلنا چاہئے۔ ٹیکسی تو ہر چوک پر مل سکتی ہے۔ وہ فٹ پاتھ ایک طرف ہو کر چل پڑا۔ گیلی سڑک پر ریستورانوں اور بند دکانوں کے شوکیس روشنیوں کا عکس جھلملاتا اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ فل کوٹ کی میں دے رکھے تھے۔ یہ ایک طرح کا اوورکوٹ بھی تھا اور رین کوٹ بھی تھا۔ ہیٹ کی وجہ سے بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر نہیں پڑ رہی تھیں۔ صرف ہوا اس کے ناک اور کانوں کو مزید ٹھنڈا کر رہی تھی۔ یہ بات سلمان کو اچھی لگ

وہ چھوٹی سڑک کا موڑ گھوم کر دو رویہ درختوں کی قطاروں والی اس کشادہ سڑک گیا جس کی مرکزی لائٹس جگمگا رہی تھیں اور جو سیدھی ایفل ٹاور کی طرف جاتی سلمان کو پیرس کی یہ بات بھی بڑی اچھی لگی تھی کہ اس شہر کی تعمیرات اور ان میں نو دولتیوں والا اوچھا پن نہیں تھا بلکہ ایک کلاسیکی تدبر اور وضع داری ہائی رائز بلڈنگیں بہت کم تھیں سلمان ایسی ہی باتیں سوچتا فٹ پاتھ پر چلا جا رہا اچانک اسے پستول کے دو فائر کے اوپر تلے دو دھماکے سنائی دیئے۔ وہ جلدی سے طرف ہو گیا۔ بغلی سڑک پر سے دو آدمی بھاگتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں سلمان نے پستول دیکھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں سفید زنانہ پرس نے گردن گھما کر بغلی سڑک کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک دراز قد عورت جس ورکوٹ پہن رکھا تھا گاڑی کے پاس جھکی کسی کو اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی مدد کو دوڑ کر اس کے پاس گیا۔ گاڑی رولز رائس تھی۔ سرخ پختہ عمر کی کے کانوں میں نیلے آویزے چمک رہے تھے۔ سڑک پر گاڑی کے پاس ہی وردی شوفر زخمی حالت میں پڑا تھا۔ عورت نے سلمان کو دیکھا تو فرنچ میں کہا۔ میری رو' میرا شوفر زخمی ہو گیا ہے۔ وہ غنڈے تھے۔ میرا پرس چھین کر لے گئے ہیں۔ ن کو فرنچ تھوڑی ہی سمجھ آئی مگر منظر ایسا تھا کہ کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ گولی شوفر کے بازو میں اور دوسری ٹانگ میں لگی تھی۔ عورت اسپتال چلنے کا کہہ رہی تھی۔ سلمان نے شوفر کو جلدی سے گاڑی کے اندر ڈالا۔ عورت خود ڈرائیونگ پر بیٹھ گئی اور سلمان کی طرف دیکھ کر بولی۔ "پلیز تم بھی میرے ساتھ چلو۔" اسپتال لے جانا ہے۔ اسپتال کا لفظ اور تھوڑے دو ایک اور لفظ بھی سلمان کی رمیں آ گئے۔ اب وہ اتنی فرانسیسی زبان سمجھنے لگا تھا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ر کو سنبھال کر بیٹھ گی۔ شوفر کی وردی سیاہ رنگ کی تھی۔ اس کے بازو اور ٹانگ سے خون نکل نکل کر اس میں جذب ہو رہا تھا۔ عورت نے تیزی سے گاڑی نکالی اسپتال کی طرف بھگانے لگی۔ اسپتال کی لابی میں گاڑی رکی تو دو سفید پوش گاڑی کی طرف لپکے۔ سلمان نے زخمی شوفر کو اسٹریچر پر ڈالنے میں ان کا ہاتھ

بتایا۔ عورت نے مسکرا کر سلمان کی طرف دیکھا۔ جیسے اس کا شکریہ ادا کر رہی ہو۔ سلمان جانے لگا تو عورت نے کہا۔ "پلیز! میرے ساتھ رہو ابھی۔"

سلمان اس کے ہاتھ کے اشارے سے سمجھ گیا کہ ابھی عورت کو اس کی ضرورت ہے۔ وہ اس کے ساتھ ہی اسپتال میں داخل ہو گیا۔ زخمی شوفر کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔ سلمان برآمدے میں کھڑا تھا۔ عورت نے اسے مسکرا کر انتظار کرنے کا اشارہ کیا اور خود سامنے چھوٹے سے کمرے میں چلی گئی۔ سلمان نے دروازے کے شیشوں میں سے دیکھا۔ یہ اس اسپتال کا دفتر تھا۔ عورت ضروری اندراج کروا رہی تھی۔ چار پانچ منٹ کے بعد وہ کمرے سے نکل کر سیدھی سلمان کی طرف آئی اور اسے فرانسیسی میں کچھ کہا جو سلمان بالکل نہ سمجھ سکا۔ سلمان کی شکل سے عورت سمجھ گئی کہ وہ فرانسیسی نہیں جانتا۔ اس نے صاف اور سادہ انگریزی میں کہا۔ "میں نہیں جانتی کہ تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ کیا تم اپنی حفاظت میں مجھے میرے گھر تک لے جاؤ گے؟ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔"

سلمان نے انگریزی میں جواب دیا۔ "مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

عورت نے بڑی شائستگی سے سر کو ذرا سا جھکا کر سلمان کا شکریہ ادا کیا اور سلمان کے ساتھ اسپتال سے باہر آ گئی۔ اب وہ انگریزی میں بات کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ خوش قسمتی سے گولی شوفر کے بازو میں لگی۔ دوسری گولی اس وقت بازو میں لگی جب وہ گاڑی سے نکل کر غنڈوں کا پیچھا کرنے لگا تھا۔ غلطی میری تھی۔ میں نے گاڑی کی اپنی طرف والی کھڑکی بند نہیں کی تھی۔ دراصل مجھے پیرس کی ہلکی سردی والی رات میں ریستورانوں سے آنے والی چائے وائن اور تمباکو کی بوجھل خوشبو اچھی لگتی ہے میرا پرس میری گود میں پڑا تھا۔ میں نے ایک پرفیوم کا پتہ کرنے کے لئے اسٹور سے باہر گاڑی رکوائی ہی تھی کہ غنڈوں میں سے ایک نے شوفر پر فائر کر دیا پھر میرا پرس جھپٹ کر لے بھاگا۔ وہ مسکرائی۔ پیرس میں راتوں کو ایسا ہوتا رہتا ہے۔ مجھے کھڑکی کا شیشہ بند رکھنا چاہئے تھا۔ تم اسپینش ہو؟ سلمان نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"میرا خیال ہے گاڑی میں ڈرائیو کروں گا۔ تم ذرا گھبرائی ہوئی ہو مادام"

وہ عورت مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ بڑی پرکشش تھی۔ عمر کوئی چالیس سے تھوڑی زیادہ ہو گی مگر صحت قابل رشک تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے وہ عورت اگلی سیٹ پر سلمان کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ اب اس عورت نے اپنا پورا تعارف کرایا۔ اس کا نام جوزیفائین کرستوف تھا اور اس کا تعلق پیرس کے دولت مند طبقے سے تھا۔ اس نے ایک ارب پتی بوڑھے تاجر سے شادی کر رکھی تھی جس کے تیل کمپنیوں میں حصے تھے اور جس کی عمر اسی برس کی ہو چکی تھی اور جو بستر مرگ پر پڑا تھا۔ وہ پیرس کے مضافات میں ایک محل نما دو منزلہ مکان میں رہتی تھی۔ جوزیفائین نے سلمان کو یہ بھی بتایا کہ وہ جوانی میں پیرس کی مشہور ماڈل گرل تھی اور اب بھی کبھی کبھی ماڈلنگ کر لیتی ہے۔ سلمان کو اس عورت یعنی جوزیفائین کے لباس میں سے پیرس کے ہر پھول کی خوشبو آ رہی تھی۔ گاڑی ایک کشادہ باغ اور درختوں والے محل نما مکان کے پھاٹک میں سے گزر کر گیراج میں آ کر رک گئی۔ دو وردی پوش ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔ انہوں نے گاڑی کے دروازے کھولے۔ سلمان نے ایک بار پھر خاتون سے اجازت چاہی مگر اس نے ایک بار پھر مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ تمہیں اس وقت کافی کے ایک گرم کپ کی اشد ضرورت ہے اور سلمان خاموش ہو گیا۔ مکان کا وہ کمرہ جہاں یہ خاتون اپنے مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کافی وغیرہ پیتی تھی دوسری منزل کے کونے پر تھا۔ یہاں مخملیں پردے پڑے تھے۔ سنہری دھاریوں والے بھاری بھرکم صوفے آتشدان کے سامنے قرینے سے لگے تھے۔ آتشدان میں لکڑی کے کوئلوں کی بجائے گیس کا ہیٹر جل رہا تھا۔ یہاں فضا پہلے ہی سے گرم تھی۔ سلمان نے اوورکوٹ اور مفلر اتار دیا اس خاتون نے بھی اپنا فرکوٹ اتار کر ملازمہ کے حوالے کیا اور کافی لانے کو کہا۔ "تم نے مجھے ابھی تک نہ اپنا نام بتایا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ تم اگر ہسپانوی نہیں ہو تو پھر تمہارا کس ملک سے تعلق ہے۔ میرا خیال ہے تم الجزائری ہو؟"

سلمان نے اسے اپنا نام بتایا اور کہا کہ میں پاکستان کا رہنے والا ہوں اور محض سیر و سیاحت کے واسطے پیرس آیا ہوں اس نے اپنی شادی کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ خاتون نے آتشدان کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے سگریٹ کیس میز پر سے اٹھا کر سلمان کو پیش کیا پھر چاندی کے لائٹر سے اس کا سگریٹ سلگا کر اپنا سگریٹ سلگایا

اور مسکرا کر بولی۔ "تمہارا نام مجھے اچھا لگا۔ سلمان اس میں میوزک ہے۔ تمہیں میوزک کا شوق ہے؟ ہاں۔ یاد آیا۔ پاکستان میں ہنزہ کی وادی بھی ہے نا؟ میری ایک سہیلی اس وادی کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔"

سلمان نے تھوڑی سی پاکستان کے پہاڑی علاقوں اور اس کے حسن پر روشنی ڈالی۔ اتنے میں کافی آ گئی۔ وہ کافی بنانے لگی۔ "میں تمہارے انسانی ہمدردی کے جذبے سے بڑی متاثر ہوئی ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہاں پیرس کا ماحول دوسری قسم کا ہے۔ یہاں فائرنگ وغیرہ ہو جائے اور خاص طور پر کسی کو گولی لگ جائے تو لوگ قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ آدمی کو خود اسپتال جانا پڑتا ہے۔ ہزاروں میں سے کوئی ایک مدد کو پہنچتا ہے۔ تم پاکستانی بڑے نڈر ہو۔ میں تمہاری دلیری سے خوش ہوئی ہوں۔ مرد کو ایسا ہی دلیر اور نڈر ہونا چاہئے۔ تم کچھ اور پیو گے؟ میرا مطلب ہے کوئی ہارڈ ڈرنک؟"

سلمان نے نفی میں سر ہلا کر شکریہ ادا کیا اور کافی کی خالی پیالی میز پر رکھ کر بولا۔ "اب میں اجازت چاہوں گا محترمہ۔ کیونکہ رات بہت گہری ہو رہی ہے مجھے اپنے اپارٹمنٹ واپس بھی جانا ہے۔ مجھے سڑکوں کا کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔" جوزیفائن کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں، کہنے لگی۔

"تمہارے اپارٹمنٹ تک تو میرا دوسرا شوفر تمہیں چھوڑ آئے گا۔ کیا تم میرے ساتھ کھانا نہیں کھاؤ گے؟ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں اس کی وجہ جانتے ہو کیا ہے؟"

سلمان نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ مادام نے کہا۔ "اس لئے کہ مجھے تمہارے چہرے کے ہسپانوی نقوش بہت اچھے لگے ہیں۔ تم نے مصیبت میں میری مدد کی۔ میں اس کا شکریہ ادا کر کے وہیں تم سے جدا ہو سکتی تھی لیکن تمہارے دلکش نقوش نے مجھے مسحور کر دیا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے دوست بن جاؤ۔"

سلمان اپنی تعریف سن کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ وہ بڑا فخر محسوس کر رہا تھا پیرس کی ایک مالدار خاتون نے اسے پسند کیا ہے بلکہ اس پر عاشق ہو گئی ہے۔ پاک میں کبھی کسی خاتون نے اتنی بے باکی سے اس کے مردانہ حسن کی تعریف نہیں تھی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ بس فرانس کی عورتوں کی یہی تو بات مجھے پسند

سی کی تعریف کرنی ہو تو دل کھول کر تعریف کرتی ہیں۔ محبت کے اظہار میں ذرا بُخل سے کام نہیں لیتیں۔ یہ عورت یعنی مادام جوزیفائن اس سے کیا کام لینے والی سلمان کو ابھی اس کا علم نہیں تھا۔ وہ اپنی مردانہ وجاہت کی تعریف سن کر بڑا گیا تھا اور اس نے مادام کے ساتھ کھانا بھی کھایا۔ اعلیٰ قسم کے مشروب بھی رات کے دو بج گئے تو وہ مادام سے رخصت طلب کرنے لگا۔ مادام نے سلمان لئے ایک علیحدہ بیڈ روم کھلوا دیا اور کہا۔ "باقی رات اس میں آرام کرو شب "

مادام سگریٹ نازک انگلیوں میں دبائے دوسرے کمرے کی طرف چل دی۔ ن سوچنے لگا کہ یہ عورت اتنی دولت مند ہے اور پیرس کی اونچی سوسائٹی میں اس ا اثر و رسوخ ہے۔ اس سے آگے سوچتے ہوئے سلمان کا سر گھومنے لگا۔ مشروبات اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا وہ پلنگ تک آیا اور جوتے اتارے بغیر سو گیا۔ ے روز وہ دیر تک سویا رہا۔ پیرس دھند میں ڈوبا ہوا تھا سرخ بادلوں والی نازک م خادمہ نے سلمان کو جگایا اور بتایا کہ مادام ناشتے پر اس کا انتظار کر رہی ہے۔

ناشتے پر وہ سب کچھ تھا جو پیرس کی ایک مالدار خاتون کے ہاں ہو سکتا تھا۔ مادام اپنے ہاتھ سے سلمان کو سیاہ کافی بنا کر دی اور امریکہ کے شہروں کے بارے میں ا کرنے لگی۔ سلمان نے ایک سوال کے جواب میں اسے بتایا کہ وہ امریکہ کبھی ا گیا مگر اس کی خواہش ہے کہ وہ امریکہ جا کر فائن آرٹس کی مزید تعلیم حاصل ے مادام نے اپنی کمان ایسی باریک بھنویں اوپر چڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کون سی ل بات ہے تم جب چاہو امریکہ جا سکتے ہو۔ وہاں جا کر پڑھ بھی سکتے ہو۔"

سلمان حیرت اور خوشی کے عالم میں مادام کا منہ تکنے لگا۔ مادام نے مسکرا کر ۔ "تمہارا ویزا بھی میں لگوا دوں گی تمہیں جتنی رقم کی ضرورت ہو گی اس سے تین رقم مل جائے گی اور واشنگٹن میں تمہاری رہائش کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

سلمان کے سامنے تو جیسے حسین اور رنگین مستقبل کے دروازے کھلے چلے جا ہے تھے۔ اس نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔ "مادام! کیا واقعی ایسا ہو سکتا ؟"

"کیوں نہیں؟" مادام نے کہا۔ "جب میں تمہیں پسند کرتی ہوں تو پھر تمہا
لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں اور پھر تمہیں امریکہ کی سیر کروانا میرے لئے
مشکل کام بھی نہیں ہے۔ میرا ایک بھانجا واشنگٹن میں رہتا ہے میں اسے ٹیلی فو
دوں گی۔ وہ ایئرپورٹ پر آ کر تمہیں اپنے گھر لے جائے گا اور تمہیں سارے ا
کی سیر بھی کروائے گا۔ تمہارا تین ماہ کا ویزا ہو گا اگر چاہو گے تو وہ امریکہ ک
آرٹ یونیورسٹی میں تمہارے داخلے کا بندوبست بھی کر دے گا۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں۔" سلمان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ ماد
سلمان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولی۔ "مائی ڈیئر! میں تم سے پیار کرتی ہو
تم نے واشنگٹن میں کسی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تو پھر میں ہر دو مہینے وہا
تمہیں مل جایا کروں گی۔"

سلمان کو یقین ہو گیا کہ قدرت اس پر بے حد مہربان ہے اور وہ اس کی
خوش قسمت ترین لمحہ تھا جب اس کی ملاقات مادام جوزیفائن سے ہوئی تھی۔

"مادام! میں ساری زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

مادام جوزیفائن مسکراتی رہی۔ "کیسی باتیں کرتے ہوئے سلمان! محبت
احسان نہیں ہوتا مجھے تو پہلی ہی نظر میں تم سے محبت ہو گئی تھی۔"

سلمان شرما گیا۔ بالکل لڑکیوں کی طرح۔ مادام نے ایک اور تیر چلا دیا۔
ہاتھ دبایا اور کہا۔ "جب تم شرماتے ہو تو مجھے اور اچھے لگتے ہو یہ مشرقی
ہمارے یورپ کے لڑکوں میں بالکل نہیں ہے۔ کتنے مرد ہیں جو مجھ سے ر
چاہتے ہیں مجھ سے شادی کے خواہشمند ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو منہ نہیں
لئے کہ یہ لوگ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔ تمہیں جب پہلی بار کل رات
اپنے قریب دیکھا تو ایسے لگا جیسے مجھے میرے خوابوں کا شہزادہ مل گیا ہو۔"

سلمان تو ہواؤں میں اڑنے لگا۔ ایسا اسے بہت معمولی سی لڑکی لگنے
حیران ہوا کہ اتنی معمولی لڑکی کو اس نے کیسے منہ لگا لیا جبکہ پیرس کی خوبص
مالدار عورت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس وقت تو سمیرا بھی اسے اپنے
بہت دور محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں مستقبل کے ہوائی قلعے تعمیر

ورت کی مدد سے وہ سوسائٹی میں ایک دولت مند شخص بن کر ابھر سکتا تھا۔ کیوں
اس سے شادی کر لے؟ اس طرح تو وہ اس کی ساری دولت کا مالک بن جائے
ر نہیں ابھی تھوڑا صبر سے کام لینا چاہئے۔ مادام کو شک پڑ جائے گا کہ میں اس
لت کی وجہ سے اس سے پیار کرتا ہوں سلمان یہ سوچ کر دل میں بے حد خوش

ھنٹے کے بعد مادام کے ساتھ سلمان فلاور روم میں آ گیا جہاں آتشدان میں
یٹر روشن تھا اور فضاء میں پر سکون گرماہٹ تھی۔ سلمان اپنے آپ کو نہ روک
اں نے کہہ ہی دیا۔ "مادام! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں اسی ہفتے امریکہ کی سیر و
ت پر روانہ ہو جاؤں؟ دراصل مجھے امریکہ دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔"

مادام اپنے صوفے سے اٹھ کر سلمان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ "ایک ہفتہ کیا میں
ں دو دن میں امریکہ بھجوا دوں گی۔ مگر میں سوچتی ہوں کہ تمہارے بغیر میں یہاں
ہو جاؤں گی۔"

سلمان دل میں پیچ و تاب کھانے لگا اسے مادام کی اداسی سے ذرا بھی دلچسپی
تھی۔ وہ تو کسی بھی طرح امریکہ جانا چاہتا تھا جس کا خواب وہ کالج کے زمانے ہی
یکھا کرتا تھا جلدی سے بولا۔ "تم بھی وہاں آ جانا۔ تم تو جب چاہو آ سکتی ہو۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" مادام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر اس نے قریب
پائی پر رکھے ٹیلی فون پر ایک نمبر ڈائل کیا اور فرانسیسی زبان میں کسی سے ایک
تک بات کی سلمان کو اتنی سمجھ ضرور آ گئی کہ وہ کسی سے اس کے ویزے کے
میں بات کر رہی ہے۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ مادام کے چہرے کی طرف تک
لا مادام نے ریسیور رکھا اور سلمان کو مبارک باد دی۔ "تمہارا ویزا آج ہی لگ
گا مجھے اپنا پاسپورٹ لا دو۔"

سلمان خوش ہو کر صوفے سے اٹھا۔ "پاسپورٹ میرے فلیٹ پر ہے میں ابھی جا
لے آتا ہوں۔"

"میرا شوفر تمہیں لے جائے گا کہیں تم راستہ نہ بھول جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد سلمان گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بڑی شان سے بیٹھا تھا اور وردی

پوش شوفر پیرس کی دھندلی سڑکوں پر گاڑی لئے جا رہا تھا۔ سلمان کو معلوم تھا کہ اس نے اپنا اور سمیرا کا پاسپورٹ دونوں بیڈ روم کی الماری کے نچلے خانے میں رکھے ہوئے ہیں۔ الماری کی چابی سمیرا کے پاس تھی مگر وہ تالا توڑ دے گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک تالا کیا اگر اس کے سامنے دیوار برلن بھی ہوتی تو اس اسے گرا دیتا۔ دراز میں سے پاسپورٹ نکال کر جیب میں رکھا اور فلیٹ کو مقفل کر کے نیچے آ گیا۔ شوفر گاڑی کے پاس کھڑا اس کا منتظر تھا سلمان کو آتے دیکھ کر اس نے جلدی سے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ سلمان کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی ملک کا سفیر ہے مادام جوزیفائین نے پاسپورٹ کھول کر غور سے دیکھا اور کہنے لگی۔ "تم نے ابھی تک صرف پیرس ہی دیکھا ہے؟"

"ہاں مادام۔ میں نے کہا تھا نا کہ پہلی بار پاکستان سے باہر نکلا ہوں۔"

مادام نے پاسپورٹ اپنے پرس میں رکھ لیا اور بولی۔ "تم یہیں آرام کرو تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔"

مادام چلی گئی۔ سلمان بیڈ روم میں آ کر پلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا طوفان سا امڈ آیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ دو دن کے بعد امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں ہو گا۔ اسے بار بار سمیرا کا خیال آ رہا تھا۔ آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب وہ واشنگٹن میں داخلہ لے لے گا اور ذرا جم کر بیٹھ جائے گا تو سمیرا کو بھی اپنے پاس بلا لے گا مگر مادام کا کیا بنے گا؟ وہ تو ہر مہینے یا دوسرے مہینے اس کے پاس امریکہ آ جایا کرے گی۔

اور اس نے مادام کو اپنی شادی کے بارے میں بالکل نہیں بتایا۔ خیر کوئی بات نہیں ایک بار وہ ذرا امریکہ چلا جائے وہاں داخلہ لے لے۔ پھر وہ مادام کو بتا دے گا کہ میں شادی شدہ ہوں اور سمیرا میری بیوی ہے۔ پھر چاہے مادام ناراض ہو جائے، وہ ناراض ہو کر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ پلنگ کے قریب ہی بڑا نازک اندام ٹیلی فون تپائی پر رکھا تھا۔ سلمان نے سوچا کہ وہ سمیرا کو فون کر دے کہ وہ امریکہ جا رہا ہے اور جاتے ہی اسے بھی اپنے پاس بلا لے گا۔ اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر رک گیا۔ نہیں ابھی نہیں۔ فون پر ہو سکتا ہے سمیرا امریکہ جانے کے پروگرام کی خبر

کرے۔ پھر اسے یہ خیال بھی آ گیا کہ مادام جوزیفائین نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ امریکہ جانے کے پروگرام کے بارے میں فی الحال کسی سے ذکر نہ کرے۔ ٹھیک ہے۔ سلمان نے سوچا۔ میں جانے سے پہلے سمیرا کو ٹیلی گرام دے دوں گا۔ آخر اس میں سمیرا کی بھی بھلائی ہے۔ یہ ان دونوں کے اور ان کے ہونے والے بچوں کے مستقبل کا معاملہ ہے۔ ان کے بچے امریکہ میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

مادام کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اس روز سلمان کا امریکہ کا ویزا لگ گیا اور تیسرے روز کی رات کی فلائٹ میں پیرس سے واشنگٹن تک کے لئے سیٹ بھی کنفرم ہو گئی۔ سلمان کے لئے یہ "کھل جا سم سم" والی بات تھی۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ مادام اس پر اتنی مہربان ہو جائے گی۔ اسے احساس تفاخر بھی تھا کہ پیرس کی اونچی سوسائٹی کی ایک مالدار عورت اس پر عاشق ہے اور اس عشق میں اس کے لئے وہ سب کچھ کر رہی ہے جس کا سلمان صرف خواب ہی دیکھ سکتا تھا۔ اپنے فلیٹ پر جا کر سلمان نے کچھ ضروری سامان ایک اٹیچی کیس میں رکھ لیا۔ وہ جانے سے تھوڑی دیر پہلے سمیرا کو ٹیلی گرام دینا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ واشنگٹن پہنچ کر اسے ایک تفصیلی خط لکھ کر سارا پروگرام اور مستقبل کا منصوبہ بتا دے گا۔ شام کو وہ واپس مادام کے مکان پر آ گیا۔ دوسرے دن رات کی فلائٹ سے وہ امریکہ روانہ ہونے والا تھا۔ رات اس نے وہیں بسر کی اس دوران ایک لمحے کے لئے بھی اسے سمیرا کا خیال نہ آیا۔ سمیرا اب اسے ایک معمولی فضول سی لڑکی لگ رہی تھی۔ مادام نے سلمان کو کچھ ضروری شاپنگ بھی کرا دی۔ کچھ ڈالر نقدی دیئے اور کہا کہ اگر اسے جس قدر رقم کی ضرورت ہو گی اس کا بھانجا ہنری دے گا۔ واشنگٹن کا ایڈریس لکھ کر اسے دیا جائے جس پر مادام نے کہا۔ "ایڈریس کی تمہیں کیا ضرورت ہے مائی ڈیئر! میں نے ہنری کو فون کر دیا ہے۔ اسے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم ایئرپورٹ سے اتر کر ٹرانزٹ لاؤنج سے باہر آؤ گے تو وہ تمہیں خود بخود مل جائے گا۔ میں نے اسے تمہاری تصویر بھی ارجنٹ سروس سے بھجوا دی ہے جو آج اسے مل گئی ہو گی۔ وہ تمہیں فوراً پہچان لے گا۔"

سارا دن بڑی خوشی اور پرجوش جذبات کے ساتھ گزر گیا رات کا کھانا مادام اور

سلمان نے مل کر کھایا مادام نے گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "تمہاری فلائٹ میں ابھی چار گھنٹے باقی ہیں۔ ہم آدھ گھنٹے بھی پہلے پہنچ سکتے ہیں۔"

مادام نے سلمان کے ساتھ پیار محبت کی باتیں شروع کر دیں وہ بار بار اسے یقین دلاتی کہ وہ ایک مہینے بعد اس کے پاس واشنگٹن آئے گی۔

"ہنری تمہارے داخلے کا بھی بندوبست کر دے گا میں نے تمہارے داخلے کی پوری بات اس سے کر لی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ مگر میری جان وہاں جا کر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟"

سلمان نے فوراً جواب دیا۔ "مادام! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔"

مادام نے سلمان کو ہنری کی تصویر بھی دکھا دی تھی تاکہ وہ بھی اسے پہچان لے۔ پھر اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا ہو' مادام نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "ائی گاڈ! میں تو بھول ہی گئی تھی۔"

"کیا ہوا مادام؟" سلمان نے کچھ پریشان ہو کر پوچھا۔ مدام یہ کہہ کر ایسی کوئی بات نہیں ڈیئر' اٹھ کر سائیڈ روم میں چلی گئی۔ جب باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک عام قسم کا اٹیچی کیس تھا۔ "میں نے اپنے بھانجے ہنری کی بیٹی کے لئے کچھ کپڑے او پرفیوم یہاں سے خرید کر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ یہ اٹیچی کیس ا پاس طیارے ہی میں رکھنا۔ ہلکا سا ہے ہنری کو دے دینا اور کہنا کہ مادام نے یہ بے شارلٹ کے لئے بھیجا ہے۔"

سلمان نے اٹیچی کیس لے کر اپنے اٹیچی کیس کے ساتھ ہی رکھ لیا۔ اس پاس دو اٹیچی کیس ہی تھے اور کوئی سامان نہیں تھا۔ سامان کی ضرورت بھی نہیں اس کا اپنا اٹیچی وزنی تھا جس میں اس کے کپڑے' گرم سوٹ اور جوتے وغیرہ اسے مادام کا اٹیچی کیس کچھ بھاری محسوس ہوا تھا مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ فلا ٹائم سے ایک گھنٹہ پہلے تک وہ آتشدان کے پاس بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں رہے۔ مادام نے اس دوران دو تین بار اپنے بھانجے ہنری کی تصویر دکھا کر سلمان ذہن میں اس کی شکل بٹھانے کی کوشش کی۔ پھر اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور

ے میں مسلتے ہوئے بولی۔ "اب ہمیں چلے چلنا چاہئے۔"

اب وہ مرسڈیز گاڑی میں بیٹھ کر پیرس کے ایئرپورٹ "اورلے" پہنچے۔ سردی' ہلکی ہلکی رم جھم ایئرپورٹ پر بڑی گہما گہمی تھی رنگ برنگ روشنیاں جگمگا رہی طرح طرح کے قیمتی پرفیومز کی خوشبو اڑ رہی تھی۔ لابی اور لاؤنج میں ایئر ے کے کئی وردی پوش اہلکاروں نے بڑی شائستگی سے مادام کو ذرا سا جھک کر سلام سلمان بڑا فخر محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ چل رہا ہے جس یرس کی سوسائٹی میں انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

مادام جوزیفائین کی وجہ سے کسی اہلکار نے سلمان کے سامان کو چیک نہ کیا ن نے اپنا اٹیچی کیس لگیج بیلٹ پر رکھ دیا اور مادام کا اٹیچی کیس کو چمکیلے فرش پر مادام سے رخصت ہونے کے بعد ٹرانزٹ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا۔ لاؤنج امریکہ ز والے مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ گرم لباسوں سے خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ عورتوں نے نقلی یا اصلی جواہرات دمک رہے تھے۔ ن نے وہیں سے سمیرا کو ارجنٹ ٹیلی گرام دے دیا کہ مجھے ایک انتہائی اہم کام کی ے امریکہ جانا پڑ گیا ہے۔ ایک ہفتے کے اندر واپس آ جاؤں گا یا تمہیں اپنے پاس اں گا۔ تم فکر نہ کرنا میں تم سے محبت کرتا ہوں اور اکیلا جا رہا ہوں۔

ٹھیک وقت پر طیارہ اورلے ایئرپورٹ سے ٹیک آف کر گیا اسے لندن میں ا رکنا تھا۔ بڑا لمبا سفر تھا وفورِ جذبات کے باعث سلمان کی نیند اڑ چکی تھی۔ اسے نہیں آ رہا تھا کہ وہ امریکہ جا رہا ہے کہاں وہ لاہور' اسلام آباد کا ایک گمنام ٹ اسٹوڈنٹ تھا۔ کہاں پیرس آن پہنچا اور اب امریکہ جا رہا ہے۔ اس نے ذہن منصوبہ بنا لیا تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ امریکہ میں ہی مزید تعلیم حاصل ے گا اور سمیرا کو اپنے پاس بلا لے گا۔ وہ سمیرا سے محبت کرتا تھا۔ دل سے محبت ا تھا۔ جہاز کے مسافر سونے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ سیٹیں نیچی کر دی گئی یہ کچھ سو بھی چکے تھے۔ طیارے نے ایک خاص بلندی پر آ کر امریکہ کی جانب ر کر لیا تھا۔ کچھ دور تک سلمان کو نیچے پیرس اور پھر لندن کی دھندلی دھندلی سی شنیاں کہکشاں کی طرح پھیلی ہوئی نظر آئیں پھر منظر خالی ہو گیا اس نے سوچا

کہ شاید طیارہ اٹلانٹک سمندر کے اوپر سے گزر رہا ہے۔ طیارے کی فضا انتہائی ہو گئی تھی۔ کوئی مسافر نہیں جاگ رہا تھا اکا دکا ایئر ہوسٹس بھی دبے پاؤں چلتی کبھار ہی نظر آ جاتی تھی۔ سلمان پر بھی نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا اور پھر وہ بھی گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو طیارہ طلوع سحر کی روشنی میں اٹلانٹک سمندر کے سے گزر رہا تھا۔ اس نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا نیچے سمندر کسی بھورے کی طرح ساکن ساکن سا تھا۔ سلمان نے ناشتہ منگوایا۔

پھر وہ لمحہ بھی آ گیا جب نیچے سمندر میں کہیں کہیں جزیرے بھی ابھرنا شرو گئے۔ وہ امریکہ پہنچنے والا تھا۔ نئی دنیا میں پہنچنے والا تھا۔ جسے آج سے پانچ سو برس کولمبس نے دریافت کیا تھا اور اب سلمان دریافت کرنے والا تھا۔ واشنگٹن آگیا ڈلس ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا۔ سلمان اپنی سیٹ پر بیٹھا اشتیاق بھری نظروں سے ا کے اس کشادہ ایئرپورٹ کی شیشوں والی عمارت کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ قر رہی تھی۔ جہاز رک گیا دروازے کے ساتھ ڈھکی ہوئی راہداری لگا دی گئی۔ سلما بھی مادام کا اٹیچی کیس لئے دوسرے مسافروں کے ساتھ راہداری میں سے گزر کر ٹرانزٹ لاؤنج میں آ گیا اور اپنے اٹیچی کیس کا انتظار کرنے لگا۔ بیلٹ چل رہی تھی ا نے اپنا اٹیچی کیس پہچان کر اٹھا لیا۔ دونوں اٹیچی کیس فرش پر آہستہ آہستہ چلا کسٹم والوں کے کاؤنٹر پر آ گیا۔ یہاں چاق و چوبند وردی پوش کسٹم کے امریکی ا خندہ پیشانی کے ساتھ موجود تھے اور مسافروں کا سامان چیک کر رہے تھے۔ وہ سا چیک کر کے اٹیچی کیسوں پر چاک سے نشان بناتے اور مسافر دروازے کی طرف دیتے جس کے باہر امریکہ کی فضائیں امریکہ کا گلیمر سلمان کا انتظار کر رہا تھا۔ ا کے بھانجے ہنری کی شکل اس کے ذہن میں تھی اسے فوراً" پہچان لوں گا۔ وہ بھی پہچان لے گا۔ آخر مادام نے میری تصویر بھی تو اسے بھجوا دی تھی۔ سلمان کی کاؤنٹر پر آ گیا۔ پہلے اس کا اپنا اٹیچی کیس دیکھا گیا اس میں کپڑے تھے۔ اسے ب کے کسٹم آفیسر نے چاک سے نشان بنا دیا۔ پھر مادام والا اٹیچی کیس کھولا۔ اوپر کپڑوں کی تہہ لگی ہوئی تھی۔ کسٹم آفیسر نے ریشمی کپڑے ہٹائے تو نیچے بھو رنگ کے چھوٹے چھوٹے لفافوں کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ کسٹم افسر کے ہاتھ ایک

وہیں رک گئے۔ اس نے ایک لفافے کو اٹھا کر سونگھا اسے چاقو سے ایک ے کھولا۔ اندر سفید پاؤڈر تھا۔ اس نے انگلی لگا کر اسے چکھا۔ پھر ویسے ہی رے لفافوں کے ساتھ رکھ دیا اور اپنے ساتھی کو اشارے سے بلایا۔ اس نے فے کو اٹھا کر سونگھا۔ پاؤڈر کو چکھا اور لفافہ اٹیچی کیس میں رکھ دیا اب دونوں گھور رہے تھے۔ "مسٹر! تمہیں ہمارے ساتھ اس کمرے تک چلنا ہو گا۔" اس دوسرے کسٹمز افسر کے اشارے پر دو سیاہ فام سیکیورٹی گارڈ وہاں آ چکے تھے۔ نے سلمان کو بازوؤں سے بڑی نرمی سے پکڑ لیا تھا اور اپنی حفاظت میں ایک یں لے گئے۔ وہاں ایک سرخ چہرے والا ترش رو موٹا امریکی میز پر کہنیاں بیٹھا کوئی فائل دیکھ رہا تھا۔ کسٹم افسر سلمان کا اٹیچی کیس اندر لے آئے تھے۔ س کھول کر اس ترش رو امریکی کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے بھورے لفافوں کو تہہ اٹیچی کیس میں لگے ہوئے دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر سلمان کی طرف عقابی ے گھورتے ہوئے بولا۔ "مسٹر! یہ دو کروڑ امریکی ڈالر کی ہیروئن ہے تم زیر ہو۔" سلمان کو اپنی آنکھوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوا۔

سلمان کے لئے یہ ایک ہولناک انکشاف تھا کہ مادام جوزیفائین نے ا
امریکہ میں ہیروئن اسمگل کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ اسے اپنے سامنے جی
سلاخیں نظر آنے لگیں۔ منشیات کی امریکہ میں اسمگلنگ ایک سنگین جرم تھا
رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اس کے اٹیچی کیس میں ریشمی کپڑں کے نیچے ہیروئن
تھیلوں کی تہیں لگی ہوئی تھیں۔ کسٹم کا سارا عملہ اس کا گواہ تھا اور اٹیچی کیس
وقت کسٹمز آفیسر کی میز پر پڑا تھا۔ سلمان کو لگا وہ ابھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔
نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اس نے یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی
وہ کہہ دے گا کہ اسے مادام جوزیفائین نے اٹیچی کیس دیا تھا۔ وہ بے گناہ ہے۔
معلوم نہیں تھا کہ اس میں ہیروئن ہے۔ لال منہ والے ترش رو موٹے امر
اٹیچی کیس کو بند کر کے سلمان کا اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا اور پوچھا۔ "مسٹر
یہ ہیروئن یہاں کس جگہ لے جانی تھی؟"

سلمان نے عاجزی سے کہا۔ "سر! میں بے گناہ ہوں۔"

اور اس کی زبان خوف کے مارے لڑکھڑا گئی۔ وہاں چیف کسٹمز آفیسر بھ
انہوں نے سلمان کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کافی کا مگ پینے کو دیا۔ چیف
نے لال منہ والے موٹے امریکی کسٹم آفیسر سے پوچھا۔ "اس میں ہیروئن ک
کتنی ہے؟"

موٹے امریکی نے اٹیچی کیس کو بند کر دیا تھا۔ اس نے اٹیچی کیس کھو

"سر! ایک لاکھ ڈالر کی ہیروئن ہے۔" اس نے اٹیچی کیس کا ڈھکنا کھولا۔ ریشمی
ے ہٹائے۔ اس کے نیچے پھر ریشمی کپڑے تھے۔ اس نے وہ ہٹائے تو اس کے نیچے
ریشمی کپڑوں کی ایک اور تہہ لگی ہوئی تھی۔ وہ کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔ اس
ریشمی کپڑوں کو جلدی سے پیچھے ہٹایا۔ پھر سارے ریشمی کپڑوں کو اٹیچی کیس سے
کر میز پر رکھ دیا۔ ہیروئن کا ایک بھی تھیلا برآمد نہ ہوا۔ اٹیچی کیس بالکل خالی
سٹم کے دوسرے اہلکار بھی حیرانی سے اٹیچی کیس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔
ونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس میں ہیروئن کے تھیلے بھرے ہوئے
تھے۔ اس نے موٹے امریکی سے پوچھا۔ "کہاں ہے وہ ہیروئن جو اٹیچی کیس میں
تھی؟"

موٹا امریکی آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ "سر! اس اٹیچی کیس میں تھی۔"

"تو پھر کہاں چلی گئی؟ کیا تم نے کہیں چھپا لی ہے؟" چیف نے بلند آواز میں
پوچھا۔

"سر میں قسم کھاتا ہوں کہ ہیروئن کے تھیلے اس اٹیچی کیس میں ہی تھے۔"

اس کی گواہی دوسرے کسٹم کے آدمیوں نے بھی دی جس نے سب سے پہلے
پر سلمان کا اٹیچی کھولا تھا اس نے بھی کہا "سر! میں نے اپنی آنکھوں سے ہیروئن
تھیلیاں لگی ہوئی دیکھی ہیں۔ میں نے ایک تھیلی کھول کر ہیروئن کو چکھا بھی تھا۔"

"تو پھر وہ کہاں چلی گئی؟" چیف کسٹمز دھاڑا۔

سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سلمان کے لئے یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جو
کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس وقت یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ یہ کرامت کیسے
پذیر ہوئی۔ جرم کا سب سے بڑا ثبوت غائب ہو چکا تھا۔ اب اسے کوئی ہاتھ
لگا سکتا تھا۔ بلکہ وہ الٹا کسٹم حکام پر ہتک عزت کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ سلمان کی
اور اعتماد بحال ہو گیا۔ اس نے گردن اوپر کرتے ہوئے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ
بے گناہ ہوں؟ ایک معزز امیگرنٹ کو بلا وجہ پریشان کیا گیا ہے۔ اسے بلا قصور
الا کے سامنے بے عزت کیا گیا ہے۔ میں آپ سب پر ہتک عزت کا دعوی دائر
کا۔"

بات بالکل درست تھی۔ چیف کسٹمز آفیسر اور دوسرے اہل کار پریشان ہو
اور سلمان کو سمجھانے بجھانے کی کوشش شروع ہو گئیں۔ اگرچہ سوائے چیف کس
آفیسر کے باقی سب کو یقین تھا کہ اٹیچی کیس میں ہیروئن بھری ہوئی تھی مگر ان کے پا
کوئی ثبوت نہیں رہا تھا۔ ثبوت خدا جانے کیسے غائب ہو گیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا
عین وقت پر یاقوت نے سلمان کی نہیں، بلکہ سمیرا کی مدد کی ہے اور ہیروئن کی تھیل
کو غائب کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب سمیرا کو پتہ چلے گا کہ اس کا خا
امریکہ میں ہیروئن اسمگل کرتا پکڑا گیا ہے تو اسے بے حد صدمہ ہو گا۔ کیونکہ سلما
اس کا خاوند تھا اور اس دنیا میں کسی وفا شعار عورت کا یہ سب سے بڑا رشتہ ہوتا
اور یاقوت چاہتا تھا کہ سمیرا اس دنیاوی رشتے کو زندگی کے آخری سانس تک خو
اسلوبی سے نبھائے اس کے بعد کیا ہونے والا تھا یہ سمیرا کو معلوم نہیں تھا۔ مگر یاقو
کو معلوم تھا۔

ایئرپورٹ کے کسٹم والے تو پریشان ہو گئے۔ چیف کسٹم آفیسر سلمان کو ا
کمرے میں لے گیا اور معذرت پیش کرنے لگا کہ ہمارے آدمیوں سے غلطی ہو
ہے۔ انہیں معاف کر دیا جائے۔ سلمان نے کہاں ہتک عزت کا دعوی دائر کرنا تھا
تو بس اپنی پریشانی کا بدلہ لے رہا تھا جو قدرت نے اپنے معجزے سے دور کر دی
اس کے دل میں یاقوت کا خیال ہی بار بار آ رہا تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی یاقوت
کرشمے دیکھ چکا تھا۔ اس نے سرزنش کرنے کے انداز میں کہا کہ آپ لوگوں کو ش
اور جرائم پیشہ ور لوگوں کی پہچان ہونی چاہئے۔ اگرچہ آپ نے میرا وقار مجروح کی
لیکن میں فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے آپ کو معاف کرتا ہوں۔ چیف کسٹمز
سلمان کو چھوڑنے ٹرانزٹ لاؤنج کے دروازے تک آیا۔

لابی میں آتے ہی سلمان نے امریکی لوگوں کے چہروں میں مادام کے بھانج
کی تلاش شروع کر دی۔ مگر ہنری تو اس وقت وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا جب
نے دیکھا کہ کسٹمز والے سلمان کو پکڑ کر اپنے آفس کی طرف لے جا رہے ہیں
نے مادام والے اٹیچی کیس سے ہیروئن برآمد ہوتے بھی دیکھ لی تھی۔ اب ا
وہاں ٹھہرنے کا مطلب تھا کہ وہ بھی گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے سلمان نے

م لیتا تھا کہ وہ تو یہ اٹیچی کیس ہنری نام کے ایک آدمی کے واسطے لایا تھا جو مادام
فائین کا بھانجا ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ ایئرپورٹ پر کیا ڈرامہ ہو گیا ہے۔

سلمان مضطرب نگاہوں سے ہنری کے چہرے کو تلاش کر رہا تھا۔ ایک مصیبت
تو قدرت نے اسے بچا لیا تھا اب دوسری مشکل اس کے سامنے تھی کہ اگر ہنری
ا تو وہ کہاں جائے گا؟ سارا معاملہ کھل کر اس کے سامنے آ چکا تھا۔ مادام جوزیفائن
اس کے ساتھ جو ہولناک ڈرامہ کیا تھا اسے بھی وہ پوری طرح سمجھ گیا تھا۔ اس
ت نے اپنا مقصد پورا کرنے کی خاطر سلمان کے مستقبل بلکہ اس کی پوری زندگی کو
پر لگا دیا تھا۔ یہ سلمان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ایک گہری کھائی میں گرنے سے
بال بچ گیا یا بچا لیا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ہنری نے سلمان کو اٹیچی کیس سمیت
م حکام کے ہتھے چڑھتے دیکھ لیا ہے تو وہ اس خیال سے کہ سلمان ضرور اس کا نام
، گا وہاں سے کھسک گیا ہو گا۔ سلمان کو اب یہ بھی یقین نہیں تھا کہ یہ شخص ہنری
م کا کوئی بھانجا وغیرہ ہے۔ وہ یقیناً" اسمگلروں کے گینگ کا کوئی رکن ہو گا۔ مگر ہنری
لنا بڑا ضروری تھا۔ اتنے بڑے اجنبی ملک میں سلمان اکیلا تھا اور اسے کچھ علم نہیں
کہ وہ کہاں جا کر ٹھہرے۔ اس کے پاس ڈالر بھی زیادہ نہیں تھے۔

وہ ٹرالی میں اپنا اور مادام کا اٹیچی کیس ڈالے ڈلس ایئرپورٹ کے مغربی گیٹ پر
ر ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ امریکی مسافر گاڑیوں اور ٹیکسیوں
ا بیٹھ بیٹھ کر جا رہے تھے۔ سامنے وسیع پارکنگ لاٹ میں ہزاروں گاڑیاں قطاروں
ا کھڑی تھیں۔ ایک نیگرو اپنی ٹیکسی میں سے سواریاں اتار کر جانے لگا تو سلمان نے
نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اس نے آخر یہی سوچا کہ وہ کسی ہوٹل میں چلا
ئے۔ پھر وہاں اطمینان سے بیٹھ کر کوئی اگلا منصوبہ سوچے گا کہ اب اسے کیا کرنا
ہئے اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا کہ یہاں کوئی سستا سا ہوٹل ہو گا جہاں میں
یک رات بسر کر سکوں؟ نیگرو کی انگریزی بڑی مشکل سے سمجھ میں آئی۔ اس نے کہا
کہ تمہیں ہوٹل کی بجائے کسی موٹل میں کمرہ لے لینا چاہئے۔ پندرہ بیس ڈالر میں
کمرہ مل جائے گا۔ کھانا تمہارا اپنا ہو گا۔ سلمان نے دونوں اٹیچی کیس پیچھے رکھوا لئے
اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ "چلو۔ مجھے کسی موٹل ہی میں لے چلو۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ سلمان نے جیب سے بٹوہ نکال کر وہ ڈالر گنے جو مادام نے اسے دیئے تھے۔ اس کے پاس پونے تین سو کے قریب ڈالر اس وقت موجود تھے اس نے قدرے اطمینان کے ساتھ بٹوہ جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ واشنگٹن میں بڑی سخت سردی تھی۔ اگرچہ دھوپ نکلی ہوئی تھی مگر دھوپ میں بھی سردی لگتی تھی۔ جوں ہی ٹیکسی ایئرپورٹ سے باہر نکلی ایک سیاہ مرسڈیز گاڑی اس کے پیچھے لگ گئی۔ اس گاڑی کو وہی ہنری چلا رہا تھا جو ایئرپورٹ پر سلمان کو لینے اور اس سے مال وصول کرنے کے لئے آیا تھا اور جو مادام کا بھانجا نہیں بلکہ اس کا واشنگٹن میں ایک خاص ایجنٹ تھا اور اب تک کئی کروڑ ڈالر کی ہیروئن اسمگل کروا چکا تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی دوربین سے سلمان کو کسٹم کاؤنٹر کی طرف جاتے ہوئے پہچان لیا تھا اور اسے رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا اسی لمحے ہنری وہاں سے کھسک کر ایئرپورٹ سے باہر آگیا تھا اور پارکنگ لاٹ کے مغربی کونے میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر دوربین سے لابی کے گیٹ کو تکنے لگا تھا۔ اسے یقین تھا اور وہ یہ دیکھنا بھی چاہتا تھا کہ ایئرپورٹ کی پولیس سلمان کو ہتھکڑی لگا کر وہاں سے لے جائے گی۔ لیکن جب اس نے سلمان کو دونوں اٹیچی کیسوں کے ساتھ خیریت سے گیٹ پر آتے دیکھا تو وہ حیران ہوا کہ یہ چکر کیا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کسٹم والوں نے سلمان کا اٹیچی کھول کر اس میں سے ہیروئن کا ایک تھیلا نکال کر ہیروئن کو چکھا بھی تھا۔ پھر اٹیچی سمیت اسے چیف کسٹمز آفیسر کے کمرے میں لے گئے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ سلمان کو کسی نے گرفتار بھی نہیں کیا اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ باہر نکل آیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ پولیس نے اسے یہ جھانسہ دے کر بھیج دیا ہو کہ اگر وہ ہنری کو پکڑا دے گا تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ہنری ایک تجربہ کار اور چالاک اسمگلر تھا۔ وہ اس کاروبار کے سارے داؤ پیچ جانتا تھا۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھا دوربین سے سلمان کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہا۔ جب اس نے ٹیکسی لی اور ایئرپورٹ کے چیکنگ گیٹ کی طرف بڑھا تو ہنری نے تھوڑا وقفہ دے کر اپنی گاڑی بھی اس کے پیچھے لگا دی۔

نیگرو ٹیکسی والے نے سلمان کو الیگز انڈریا کے علاقے میں ایک موٹل میں لا

یہ موٹل ایک منزلہ عمارت تھی جس میں ایک قطار میں سامنے کی جانب ساتھ کمرے بنے ہوئے تھے۔ یہاں سلمان کو بیس ڈالر پر ایک کمرہ مل گیا۔ کمرے میں ہی اس نے مادام والا اٹیچی کیس پھر سے کھول کر دیکھا۔ اس میں صرف تھوڑے زنانہ ریشمی کپڑے ہی تھے۔ ہیروئن کی تھیلیاں کسٹم کاؤنٹر پر سلمان نے بھی اپنی ہوں سے دیکھی تھی۔ اب وہ نہیں تھیں۔ اس نے اٹیچی کیس بند کر کے منہ ہاتھ ۔ اپنے اٹیچی میں سے بند گلے کا سوئٹر نکال کر پہنا۔ کیونکہ باہر سردی تھی اور ل کا کمرہ کوئی زیادہ گرم نہیں تھا۔ نیچے آکر اس نے دو ایک برگر کھائے۔ کافی پی کرے میں آکر پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔ سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ٹن میں وہ دو ڈھائی سو ڈالر کے ساتھ زیادہ دن تک نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر وہ وہاں کیا کرے گا۔ جن وسائل پر بھروسہ کر کے وہ پیرس سے یہاں آیا تھا وہ تو ختم ہو تھے ایک دم سے سلمان کا جی اداس ہو گیا۔ اپنی بیوی سمیرا کو یاد کر کے اس کی یں بھر آئیں۔ اسے اپنا وطن پاکستان یاد آنے لگا۔ اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ یہ کون ہو ہے؟ شاید موٹل کا کوئی ملازم ہو۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ چھوٹے سے گیلری نما کوریڈور میں ایک دبلا پتلا ر والا پختہ عمر کا امریکی لمبے گرم کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ دیئے کھڑا تھا۔ "کیا نام سلمان ہے؟"

سلمان کو محسوس ہوا کہ اس آدمی کو اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ اچانک یاد آگیا۔ اس کی تصویر مادام جوزیفائین نے اسے دکھائی تھی۔ وہ ہنری تھا۔ "کیا تم ہو؟"

"ہاں۔" ہنری ایک نظر گیلری کی سیڑھیوں پر ڈال کر کمرے میں آگیا۔ سلمان دروازہ بند کر دیا۔ ہنری نے لمبا کوٹ اتار کر صوفے پر ڈالا اور وہیں بیٹھ گیا۔ " نے تمہیں اٹیچی کیس دیا تھا۔" ہنری نے اپنی تیز چمکیلی آنکھیں سلمان کے چہرے تے ہوئے کہا۔ سلمان اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ جیب سے پائپ نکال کر ر بولا۔ "اس میں کچھ اور بھی تھا۔"

سلمان نے تلخ لہجے میں کہا۔ "وہ میری تباہی کا سامان تھا۔"

"وہ کہاں ہے؟" ہنری نے ٹھنڈے لہجے میں پوچھا۔

اتنی دیر میں سلمان اپنے طور پر ایک مناسب اسکیم سوچ چکا تھا۔ اس اداکاری کرتے ہوئے ہنری اور مادام پر غصہ نکالنا شروع کر دیا کہ آپ لوگوں نے قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی تھی۔ میرا کیریئر' میرا مستقبل برباد کرنے کی کوشش تھی۔ مادام کو چاہئے تھا کہ وہ مجھے بتا دیتی کہ اٹیچی میں ہیروئن کی تھیلیاں ہیں۔ سل بولتا چلا گیا۔ ہنری نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور کہا۔ "آئی ایم سوری سلمان۔ آئی ایم سوری۔ ہم سے۔ میرا مطلب ہے مادام سے غلطی ہو گئی ہے۔ یقین ہے کہ اگر مادام کو معلوم ہوتا کہ تم پورے اعتماد کے ساتھ یہ کام کر سکو گے تم سے کبھی کچھ نہ چھپاتی۔ اب میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہیروئن کہاں ہے وہ کسٹم حکام کے پاس ہے۔ لیکن اگر وہ کسٹم حکام کے پاس ہوتی تو تم کیسے جاتے؟"

"یہی تو بات ہے۔ یہ تو میری خوش قسمتی تھی مسٹر ہنری کہ فلائٹ کے یوں ہی میں نے اٹیچی کیس کھول کر دیکھ لیا۔ میں تو دنگ رہ گیا کہ اس میں بھری ہوئی ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے کہ میں اس سے پہلے بھی یورپ میں اسمگل کر چکا ہوں۔"

ہنری غور سے سلمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہا تھا۔ سلمان اعتماد کے ساتھ بول رہا تھا۔ "میرا اسمگلنگ کا تجربہ اور سوجھ بوجھ میرے کا میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی واشنگٹن آ رہا تھا۔ وہ اس کام میں میرا ہے۔ میں نے وہیں ہیروئن اس کے بیگ میں ڈال کر اس کے حوالے کر دی۔

"پھر کیا ہوا؟" ہنری نے بے تابی سے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا۔ وہ تو ہیروئن لے کر نکل گیا لیکن مجھے کسٹم والوں نے پک

ہنری خاموش تھا۔ سلمان نے سگریٹ سلگا کر دھواں اڑاتے ہوئے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے مادام کے طرز عمل سے پہنچا ہے۔ اگر فلائٹ کے دوران اتفاق سے اٹیچی کیس کھول کر نہ دیکھ لیتا

کیا تھا اس وقت جیل میں ہوتا۔"

ہنری نے پھر معذرت پیش کی اور بے چینی سے اس دوست کا ایڈریس پوچھا ں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ سلمان نے برہمی کے ساتھ کہا۔ "اب مجھے تم لوگوں پر اد نہیں رہا۔ تم صرف اپنا مطلب پورا کرنا جانتے ہو مگر میں بھی اناڑی نہیں ہوں۔ واشنگٹن میں بیٹھے صرف مال وصول کرتے ہو۔ میں اپنی زندگی' اپنا مستقبل' اپنا کیریئر طرے میں ڈال کر مال لے کر سفر کرتا ہوں۔ میں اسی لئے دھوکا کھا گیا کہ میں نے ام جوزیفائن پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کیا۔ مگر اب میں اپنے ہوش و حواس میں وں۔ جب تک مجھے میری کمیشن پیشگی نہیں ملے گی میں تمہیں ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ ہرا دوست مال لے کر کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔"

ہنری پر سلمان کی باتوں کا اثر ضرور ہو گیا تھا۔ مگر وہ بھی بڑا عیار شخص تھا۔ یک بار کا اسے یقین نہیں تھا کہ اس شخص سلمان نے عین وقت پر ہیروئن کہاں ائب کر دی ہے۔ کیونکہ اٹیچی کیس میں ہیروئن موجود تھی۔ وہ کروڑوں ڈالر کا مال ہا۔ ہنری نے سوچا کہ اس شخص کو کمیشن میں سے کچھ رقم پیشگی دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب ایک بار معلوم ہو جائے گا کہ مال کس جگہ پر ہے تو وہ بڑی آسانی سے اسے راستے سے ہٹا سکتا ہے۔ اس نے پائپ کا تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔ "او کے او کے تم جیسے چاہو گے ویسے ہی ہو گا لیکن میں تمہیں پورا کمیشن نہیں دے سکتا۔ کچھ رقم پیشگی دے سکتا ہوں۔ میرے بھی ہاتھ بندھے ئے ہیں۔ میں اکیلا اس دھندے میں نہیں ہوں۔ بولو۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے۔"

سلمان نے پہلے ہی سے اندازہ لگا رکھا تھا کہ اسے واشنگٹن سے پیرس تک کا ئی جہاز کا کرایہ نکال کر کچھ دیگر اخراجات کے لئے کتنی رقم درکار ہو گی۔ اس نے ا اداکاری کی جیسے سوچ رہا تھا۔ پھر ہنری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیشہ ور مجرموں کی طرح بولا۔ "میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔ ویسے بھی آگے مجھے اسی دھندے رہنا ہو گا۔ میں تم لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پسند کروں گا۔ اس وقت میں تم صرف دس ہزار ڈالر لے لوں گا۔"

ہنری نے ساتھ ہی کہا۔ "مگر پہلے تمہیں مال دکھانا ہو گا۔"

"ہرگز نہیں۔" سلمان پھر غصے میں آ گیا۔ "مال دکھاؤں گا تو پورے ایک لاکھ ڈالر وصول کروں گا۔ میں تمہیں صرف وہ جگہ دکھاؤں گا جہاں میرا ساتھی ہیروئن کے ساتھ موجود ہے۔ بلکہ وہاں رہ رہا ہے اس سے اگلے روز میں تمہیں ساتھ لے جا کر اس سے ملاؤں گا اور اپنے نوے ہزار ڈالر لے کر مال تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اگر منظور ہے تو یہاں پیشگی رقم کیش کی صورت میں رکھ دو ورنہ یہاں سے چلے جاؤ اور یہ مت بھولنا کہ یہ شہر میرے لئے نیا ہے۔ میں یہاں کے تقریباً" ہر پیشہ ور اسمگلر کو جانتا ہوں۔" سلمان بات ختم کر کے ہنری کی طرف تکنے لگا۔ ہنری اٹھ کھڑا ہوا پائپ منہ میں لگایا اور کوٹ اٹھا کر پہنا اور یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ "آدھ گھنٹے میں تمہیں صرف پانچ ہزار ڈالر مل جائیں گے۔" پھر پلٹ کر سلمان کی طرف دیکھا۔ "میں اس سے زیادہ ایک ڈالر بھی دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں مگر تمہیں آدھے گھنٹے بعد میرے ساتھ چل کر وہ جگہ دکھانی ہو گی جہاں تمہارا ساتھی رہ رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے ------ میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔"

ہنری کے باہر نکلتے ہی سلمان نے دروازہ بند کر دیا اور گہرا سانس لیا۔ اسے یقین بھی تھا کہ ہنری ڈالر لے کر آ جائے گا اور کچھ یقین نہیں بھی تھا۔ وہ آدھا گھنٹہ سلمان نے انتہائی بے چینی اور اضطراب کے ساتھ گزارا۔ باہر کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز آئی تو جلدی سے دیکھا۔ یہ موٹل تھا اور گاڑیاں اندر تک چلی جاتی تھیں۔ باہر کوئی پارکنگ لاٹ نہیں تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ہنری آ گیا۔ سلمان نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ واشنگٹن کی گنجان آبادی والے علاقے میں لے جائے گا۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق جرائم پیشہ لوگ عام طور پر شہروں کے گنجان علاقے میں ہی رہتے ہیں اور پھر کسی بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ یہاں میرا ساتھی رہ رہا ہے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی ہنری نے جیب میں سے ہاتھ نکال کر سلمان کے سامنے میز پر ایک براؤن رنگ کا لفافہ پھینک دیا۔ "گن لو ------ اس میں پورے پانچ ہزار ڈالر ہیں اب میرے ساتھ چل کر وہ جگہ دکھا دو۔"

سلمان نے لفافہ کھولا۔ سو سو ڈالر کے نئے نوٹ تھے۔ اس نے جرائم

ں کی اداکاری کرتے ہوئے ہنری کی طرف گھور کر کہا۔ "نقلی تو نہیں ہیں۔"
ہنری نے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ٹھونس رکھے تھے۔ گردن ایک طرف بولا۔ "سر! ہم نقلی لوگ نہیں ہیں۔ یہ ہمارا بزنس ہے۔ اسے سنبھالو اور میرے چلو۔"

سلمان نے لفافہ جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ گردن کے گرد مفلر لپیٹا۔ اونی ٹوپی جمائی اور کمرہ مقفل کر کے ہنری کے ساتھ باہر آ گیا۔ چابی کاؤنٹر پر ہنری اس کے ساتھ قدم ملا کر چل رہا تھا۔ بھرا ہوا پستول ہنری کی جیب میں تھا۔ "کس طرف چلنا ہو گا؟" ہنری نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ ہنری کی ہ والی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے دروازہ بند کیا اور بولا۔ "ڈاؤن ٹاؤن چلو۔"

سلمان پہلی بار واشنگٹن کی صاف شفاف اور درختوں والی سڑکوں پر سے گزر رہا ب کشادہ سڑکیں چھوٹی ہونے لگیں اور ہائی رائز بلڈنگوں کی جگہ پرانی قسم کی رتوں نے لے لی اور دکانوں' اسٹوروں کے باہر میلی کچیلی جیکٹوں ------ والے نظر آنے لگے تو سلمان سمجھ گیا کہ ڈاؤن ٹاؤن شروع ہو گیا ہے۔ ہنری نے بھی ا لہجے میں کہا۔ "ڈاؤن ٹاؤن آ گیا ہے۔ یہاں سے کس طرف جانا ہو گا؟"

سلمان کی جانے بلا کس طرف جانا تھا۔ اس نے ایک تنگ سی سڑک بائیں ب گھومتی دیکھی تو انگلی سے اس طرف اشارہ کر دیا۔ ہنری نے بڑی اطمینان کے ہ اس طرف گاڑی موڑ دی۔ اب یہ ایک عجیب و غریب اتفاق تھا کہ سلمان نے ل سڑک کی طرف اشارہ کیا تھا وہاں انتہائی خطرناک قسم کے جرائم پیشہ لوگ رہتے ہ ان میں اسمگلر بھی تھے اور یہاں پولیس ہر دوسرے تیسرے روز چھاپے مارتی ۔ ہنری کو یقین ہو گیا کہ سلمان جھوٹ نہیں بول رہا۔ سلمان نے کہا۔ "گاڑی ہ کر لو۔"

ہنری نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ سلمان نے یوں ہی ایک پرانی عمارت کی ۔ اشارہ کر کے کہا۔ "اس عمارت کے کونے والے فلیٹ میں میرا دوست رہتا ہے ل کے پاس میری امانت بالکل درست اور صحیح حالت میں پڑی ہے۔ وہ اس میں ت کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ اب گاڑی باہر نکال کر لے چلو۔"

ہنری نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور اسے دوسری لڑکی پر لے آیا جو کشادہ اور بارونق تھی۔ ہنری نے کہا۔ "اب ایسا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ مال آج رات کو ہی وصول کر لوں۔ ہم تمہارے ساتھی کو بھی مناسب کمیشن دے دیں گے۔ میں رات دس بجے تمہارے موٹل میں آؤں گا۔"

سلمان نے دل میں کہا جب چاہے آ جانا جب میں وہاں ہوں گا تو تمہیں ملے گا۔ پھر کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے۔ پورے دس بجے آ جانا۔ میں اپنے دوست کو بھی اطلاع بھجوا دوں گا کہ براؤن شوگر لینے رات دس بجے آ رہے ہیں۔"

یہ براؤن شوگر کا لفظ سلمان نے ہنری ہی سے سنا تھا اور اس کا مطلب ہیروئن تھا۔ سلمان جان بوجھ کر پیشہ ور اسمگلروں کی زبان بول رہا تھا۔ ہنری نے سلمان کو اس کے موٹل کے باہر اتارا اور خود آگے نکل گیا۔ موٹل کے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے سلمان نے یوں ہی ایک نگاہ پیچھے ڈالی تو اس نے سیاہ اوور کوٹ میں ملبوس ایک آدمی کو دیکھا جو ایک درخت کے نیچے کھڑا ٹکٹکی باندھے سلمان کو تک رہا تھا۔ سلمان فوراً سمجھ گیا کہ چونکہ ایئرپورٹ پر اس کے اٹیچی میں سے ہیروئن دیکھی گئی تھی اس لئے خفیہ پولیس اس کے پیچھے لگ گئی ہے تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس سے کون ملنے آتا ہے اور وہ کس کس سے ملنے جاتا ہے۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ پولیس والوں کو ایسا کرنا ہی چاہئے تھا۔ سلمان کی جیب میں اس وقت پانچ ہزار ڈالر کے نوٹ تھے۔ اسے شک تھا کہ کوئی نہ کوئی اس کے فلیٹ پر ضرور پوچھ گچھ کے لئے آئے گا۔ وہ تیز تیز قدموں سے لکڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی گیلری میں آ گیا۔ یہاں پر دوسرے کمرے کے باہر چوڑے پتوں والے پودوں کے بڑے پیتل کے سجاوٹ کے لئے رکھے ہوئے تھے۔ سلمان نے بڑی عقل مندی اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے چلتے چلتے جیکٹ میں سے ڈالروں والا لفافہ نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اپنے کمرے سے پہلے والے پیتل کے گملے کو جھک کر یوں ہی پودے کو دیکھنے لگا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تو اس نے آہستہ سے گملے کو ایک طرف سے ذرا سا اٹھایا اور لفافہ اس کے نیچے رکھ دیا۔ پھر ایک چوڑے پتے کو پکڑ کر سونگھا اور رومال سے منہ صاف کرتا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

اسے کمرے میں آئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو باہر وہی لمبے سیاہ کوٹ والا امریکی موجود تھا۔ اس کے ین اور لمبے تڑنگے آدمی بھی تھے۔ اس نے سلمان کو اسٹیشن پولیس کا شناختی اور کمرے کی تلاشی کا عدالتی حکم نامہ دکھایا اور کہا۔ "سوری مسٹر۔ ہمیں ے کمرے کی تلاشی لینی ہے؟"

سلمان نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے سے ہٹ گیا۔ وہ لوگ کمرے میں داخل ے اور تلاشی لینی شروع کر دی۔ وہاں سامان تو صرف دو اٹیچی کیس کی ہی شکل میں ب سے پہلے اٹیچی کیسوں کو کھول کر ایک ایک کپڑے کو چھان پھٹک کر دیکھا پھر چھوٹے سے کلوزٹ کو کھولا گیا۔ وہاں ہینگر کے ساتھ سلمان کی صرف جیکٹ ی ہوئی تھی۔ جیکٹ کی تمام جیبوں کی تلاشی لی گئی۔ بستر کی چادر کو ہٹا کر میٹریس ا دیا گیا۔ خاص آلے کی مدد سے اس کے ایک ایک اسپرنگ کو چیک کیا گیا۔ ں میں سے پھول نکال کر اسے دیکھا گیا۔ جب انہیں وہاں سے کچھ نہ ملا۔ تو خفیہ کے انسپکٹر نے سلمان سے پوچھا کہ وہ ڈاؤن ٹاؤن کیا کرنے گیا تھا؟ سلمان نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں واشنگٹن سیر و سیاحت کے لئے ٹورسٹ ویزے پر وں۔ موٹل میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتا ڈاؤن ٹاؤن اپنے ایک واقف کار امریکی اتھ کوئی کمرہ دیکھنے گیا تھا جسے کرائے پر لے کر رہ سکوں۔" "کیا تمہیں ہے کہ جس آدمی کے ساتھ تم ڈاؤن ٹاؤن گئے تھے اس کا تعلق جرائم پیشہ سے ہے؟"

سلمان بالکل انجان بن گیا۔ "مجھے نہیں معلوم۔ اس سے میری ملاقات رٹ پر ہوئی تھی میں نے اس سے کسی سستے سے فلیٹ کے بارے میں پوچھا تھا۔ نے کہا کہ ابھی موٹل میں رات گزارو۔ میں کسی وقت آ کر تمہیں ڈاؤن ٹاؤن ئی سستا سا کمرہ لے دوں گا۔"

"پھر کوئی کمرہ ملا۔" انسپکٹر نے گہری آواز میں سوال کیا۔ سلمان نے نفی میں سر نہیں مجھے ڈاؤن ٹاؤن کا علاقہ پسند نہیں آیا۔ اب شاید میں اسی موٹل میں رہنا روں گا۔ مگر آپ یہ سب کاروائی کس لئے کر رہے ہیں۔ میں ایک شریف آدمی

ہوں اور آج ہی پیرس سے یہاں پہنچا ہوں۔"

انسپکٹر نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں آپ کے بارے میں اوپر سے آرڈر ملے تھے آپ کو جو دقت ہوئی اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر نے سلمان سے ہاتھ ملایا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کمرے سے نکل گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سلمان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ عین وقت اسے رقم گملے کے نیچے چھپانے کا خیال آ گیا۔ ورنہ معاملہ خراب ہو سکتا تھا۔ پولیس اس سے پوچھ سکتی تھی کہ اس نے ایک جرائم پیشہ آدمی سے پانچ ہزار کی رقم کس سلسلہ میں وصول کی ہے اور سلمان کے پاس واقعی اس کا کوئی معقول جواب نہیں تھا
سورج غروب ہو رہا تھا۔ تیز ہواؤں میں باہر سڑک پر درختوں کے بچے کھچے پتے رہے تھے۔ سلمان کے پاس اب زیادہ وقت نہیں تھا۔ ہنری نے رات دس بجے کے پاس آنا تھا وہ ہیروئن وصول کرنے جو غائب ہو چکی تھی اور جس کا اب کہیں وجود باقی نہیں تھا۔ سلمان کو یہ علم بھی ہو گیا تھا کہ خفیہ پولیس اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اسے اب واشنگٹن سے غائب ہونا تھا۔

پیسوں کی اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس کے پاس پانچ ہزار ڈالر تھے جو کافی رقم تھی۔ اس کی منزل اب پیرس تھی۔ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے امریکہ سے نکل جانا چاہتا تھا۔ واشنگٹن سے اتنی جلدی کسی طیارے سے اسے جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ سوچ سوچ کر آخر وہ اسی نتیجے پر پہنچا کہ اسے یہاں سے کسی دوسرے شہر جا کر وہاں سے پیرس نکل جانا ہو گا۔ اسے اپنے پیچھے لگی ہوئی خفیہ پولیس سے بھی چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔ اس نے وقت دیکھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ابھی اس کے پاس کافی وقت تھا۔ اسے یہ بھی شبہ تھا کہ کہیں ہنری بھی اس کے پیچھے نہ لگا ہوا ہو۔ سب سے پہلے تو وہ باہر گیلری میں آیا کچھ دیر گیلری میں کھڑے ہو کر سگریٹ پیتا رہا۔ سردی میں ٹھہرنا ایک عذاب سے کم نہ تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ پھر وہ ٹہلتا ٹہلتا پیتل کے کے پاس آ گیا۔ گیلری بالکل خالی تھی۔ وہ پودے پر جھک گیا۔ جلدی سے ایک سے گملے کو ایک طرف سے اونچا کیا اور دوسری طرف سے لفافہ نکال کر ہاتھ میں اور بڑے سکون سے سگریٹ کے کش لگاتا اپنے کمرے میں آ گیا۔ دروازہ بند کیا

نیم گرم فضا میں دروازے کے ساتھ لگ کر اطمینان کا سانس لیا۔
یدھا باتھ روم میں جا کر گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا۔ اگرچہ موٹل کا کرایہ رتک کا اس نے ادا کر دیا تھا مگر ہنری نے دس بجے رات کو آنے کا کہہ کر قدم اکھاڑ دیئے تھے۔ اس نے اپنے اٹیچی کیس کا جائزہ لیا۔ اس میں اس کے وٹ اور کچھ دوسری پتلونیں اور قمیض تھیں۔ وہ اٹیچی کیس ساتھ لے جا کر ہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ جا رہا ہے۔ کیونکہ یہ یقینی بات تھی کہ موٹل کے باہر وئی آدمی ضرور اس کی نگرانی کے لئے موجود ہو گا وہ کچھ دیر پلنگ پر ٹیک لگا کر ر سگریٹ پیتا رہا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ خفیہ پولیس والوں سے خوف نے کی کوئی ضرورت اور وجہ نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ پولیس اسے جانے سے نہیں روک سکتی۔ اس نے مادام جوزیفائین والا اٹیچی کیس ریشمی سمیت وہیں رہنے دیا۔ اپنا اٹیچی کیس اٹھایا اور نیچے آ گیا۔ کاؤنٹر پر بتایا کہ چانک جانا پڑ رہا ہے۔ موٹل کے مینجر نے کہا۔ ہم آپ کو آدھی رقم واپس ہیں اور دس ڈالر سلمان کو واپس مل گئے۔

موٹل سے باہر آ کر اس نے ٹیکسی لی اور اسے ریلوے اسٹیشن چلنے کو کہا۔ وہ گیا تھا کہ ہنری بھی کوئی اپنا آدمی اس کے پیچھے لگا سکتا ہے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ ایک خاص جاسوس موٹل سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ اپنی گاڑی میں بیٹھا لگائے مشروب پی رہا تھا۔ جوں ہی اس نے سلمان کو ٹیکسی میں نکلتے دیکھا اپنی اس کے پیچھے لگا دی۔ شام کی ملگجی روشنی رات کے دھندلکوں میں تبدیل ہو ا۔ بازاروں اونچی عمارتوں کی روشنیاں جل رہی تھیں۔ سردی اور دھند کی وجہ ک گئی تھی۔ سلمان کی ٹیکسی خاصی رفتار سے کشادہ سڑک پر اپنی لین میں چلی تھی۔ اس کے پیچھے بھی گاڑیاں قطار میں آ رہی تھیں۔ ٹیکسی نے کئی ایک راس کئے۔ کئی موڑ گھومے اور پھر واشنگٹن کے ریلوے اسٹیشن کی حدود میں ہو گئی۔

یہاں سلمان نے پہلی بار دیکھا کہ ایک براؤن رنگ کی گاڑی اس کی ٹیکسی سے فاصلے پر آ کر اس کے ساتھ ہی رک گئی ہے اور اس میں ایک آدمی ابھی تک

ڈرائیونگ سیٹ پر ہی بیٹھا ہوا ہے۔ سلمان اسٹیشن کی لابی میں داخل ہو گیا۔ اٹھا
وہ لمبے ہک سے پکڑے چکنے فرش پر ساتھ ساتھ چلا رہا تھا۔ ایک عورت سے اس نے
ٹکٹ ونڈو کے بارے میں پوچھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو
ہیٹ والا آدمی اس کا پیچھا کر رہا تھا اور سلمان کے دیکھتے ہی اس نے دوسری طرف
دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ سلمان نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اس آدمی کی نظروں
سے غائب ہو جائے مگر ہیٹ والا ہنری کا جاسوس برابر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ سلمان
خیال آیا کہ بہت ممکن ہے کہ اس آدمی نے ہنری کو بھی ٹیلیفون کر دیا ہو کہ تمہا
آدمی شہر سے فرار ہو رہا ہے اور وہ بھی اپنے غنڈوں کو لے کر ریلوے اسٹیشن پر
جائے۔ سلمان کچھ گھبرا سا گیا۔ ٹکٹ گھر کے قریب آ کر اس نے ارادہ بدل لیا۔
آگے نکل گیا چند قدم چلنے کے بعد اونچے اونچے ستونوں کی اوٹ لیتا وہ لا
دروازے سے باہر نکلا ایک ٹیکسی لی اور اسے صرف چلو کہا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ چ
میں سے وہ دائیں جانب گھوم گیا۔ یہاں ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ "جتنی جلدی گا
چلا سکتے ہو چلاؤ۔"

واشنگٹن کے ٹیکسی ڈرائیور اس قسم کے جملوں کے عادی ہوتے ہیں۔ اس
گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ سلمان بار بار شیشے میں سے پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا۔ ہر
روشنیاں تھیں۔ پیچھے بھی گاڑیوں کی روشنیاں پڑ رہی تھیں۔ مگر اسے یقین
جاسوس اس کا پیچھا کر رہا ہو گا۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی سمجھ گیا تھا اوپر سے سلمان
اسے بتا دیا کہ میرا غنڈے پیچھا کر رہے ہیں۔ کسی طرح مجھے ان کی نظروں سے
کر دو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔ دس ڈالر سے زیادہ لوں گا۔ سلمان نے دس ڈا
کر اس کی جیب میں رکھ دیئے۔ ڈرائیور نے دس ڈالر کا نوٹ جیب میں ڈالا او
کی رفتار مزید تیز کر دی۔ اب خدا جانے وہ ٹیکسی کہاں کہاں سے نکالتا ہوا کہ
گیا۔ سلمان پچھلی سیٹ پر نیچے ہو کر بیٹھا تھا۔ اسے صرف روشنیاں ہی نظ
تھیں جو پیچھے جا رہی تھیں۔ گاڑی سڑک کی ایک ٹنل میں سے گزر کر دو
نکلی تو ڈرائیور نے کہا۔ "اب تمہیں امریکہ کا صدر بھی نہیں پکڑ سکتا۔ ا
کہاں جاؤ گے۔"

سلمان نے کہا۔ "مجھے نیویارک جانا ہے۔ کیا ادھر کوئی بس بھی جاتی ہے۔"
"ایک نہیں کئی بسیں جاتی ہیں۔"
اور ڈرائیور گاڑی ایک طرف گھما کر لے گیا۔ سلمان نے پیچھے دیکھا شیشے میں
سڑک مرکزی لائٹس میں دور تک خالی نظر آ رہی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گرے
ڈس کے ایک بس اسٹیشن پر گاڑی کھڑی کر دی۔ سلمان نے کرایہ ادا کیا اور ایک
بس میں سوار ہو گیا۔ یہ بس نیویارک جا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد بس
یارک کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ سلمان کو اطمینان ہو گیا کہ وہ خطرے کی حد سے
نکل گیا ہے۔

نیویارک پہنچنے کے بعد سلمان نے وہیں قریب ہی ایک موٹل میں کمرہ لے لیا
ر اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا۔ اس نے کمرے کا صرف ٹیبل لیمپ ہی جلایا۔
بھی اس نے غلط بتایا تھا۔ کمرے میں ٹیلی فون موجود تھا۔ اس نے ڈائریکٹری کھول
ایئرپورٹ انکوائری کا نمبر ملایا اور یورپ جانے والی فلائٹس کے بارے میں پوچھا۔
بتایا گیا کہ نیویارک سے ایئر فرانس کی ایک فلائٹ لندن سے ہوتی ہوئی۔ رات
ساڑھے دس بجے پیرس کی طرف روانہ ہو گی۔ اس فلائٹ میں اسے چانس پر سیٹ
کتی ہے۔ سلمان اسی وقت فون بند کر کے نیچے آ گیا۔ ٹیکسی پکڑ کر وہاں سے ایئر
انس کے قریبی دفتر پہنچ گیا۔ پاسپورٹ دکھا کر نیویارک سے پیرس تک کا چانس پر
یک ٹکٹ خریدا اور واپس موٹل میں آ کر اپنے اٹیچی کیس میں رکھا اور سیدھا
یرپورٹ کی طرف چل دیا۔

کینیڈی ایئرپورٹ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ابھی فلائٹ کے روانہ ہونے میں
ت وقت تھا۔ کافی دوڑ دھوپ اور ستم کش انتظار کے بعد اسے ایک سیٹ مل گئی۔
سلمان نے خدا کا شکر ادا کیا اور اوپر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں چاروں
طرف جائزہ لے رہی تھیں۔ اسے ہیٹ والے جاسوس کی شکل کہیں نظر نہ آئی۔ وہ
ا خوش ہوا کہ اس مصیبت سے جان چھوٹی۔ اس کے باوجود طیارے میں سوار ہونے
ے پہلے تک وہ اپنے آپ چہرے کو لوگوں کی نظروں سے ہر ممکن طریقے سے چھپانے
ی کوشش کرتا رہا۔ جب ایئر فرانس کے طیارے نے جے ایف کے ایئرپورٹ سے

ٹیک آف کیا تو سلمان کو حوصلہ ہوا اور وہ ذرا کھل کر بیٹھا اور طیارے میں سوار مسافروں کا جائزہ لیا۔ فلائٹ بھری ہوئی تھی۔ اس نے سرسری نظر سے دیکھا۔ اسے ہنری کا جاسوس کہیں دکھائی نہ دیا۔ فلائٹ لمبی تھی۔ سلمان نے سیٹ کی پشت پر رکھا، آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر سمیرا سے بے وفائی کا احسا اسے نیند سے دور رکھے ہوئے تھا۔ اس نے دل ہی دل میں سمیرا سے معافی مانگی اور ایک بار پھر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

یہ فلائٹ اپنے طویل فضائی سفر کے بعد پیرس کے ایئرپورٹ پر رات کے پچھلے پہر پہنچی۔ پیرس شہر کی روشنیاں دیکھ کر سلمان کو ایسی خوشی ہوئی جیسے وہ اپنے گھر میں واپس آگیا ہو۔ اس وقت سلمان نے ذہن میں سوائے سمیرا کے خیال کے اور کسی کا خیال نہیں تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سمیرا سے جاتے ہی معافی مانگ لے گا۔ اسے سب کچھ بتا دے گا اور آئندہ سے اس کا وفادار رہنے کا پکا وعدہ کرے گا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "میں تو سمیرا کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس کو ہی پیار کرتا ہوں۔ یہ ایما اور مادام کے چکر میں تو اپنی حماقت اور عیش کی وجہ سے پھنس گیا تھا۔ ٹھیک ہے۔ اب ہم زیادہ دنوں تک یہاں نہیں رہیں گے۔ ہم جتنی جلدی ہو سکے واپس اپنے وطن پاکستان چلے جائیں گے۔ وہاں میرا سارا مستقبل ہے۔ میرا کیریئر اپنے ملک سے وابستہ ہے۔ وہاں ہر کوئی ہم سے پیار کرتا ہے۔ ہمارا خیال رکھتا ہے۔ ذرا تکلیف ہو تو سارے مدد کرنے کو دوڑ پڑتے ہیں۔ یہاں سوائے بدنامی جرائم اور جھوٹے گلیمر کے سوا اور کیا رکھا ہے۔ طیارہ آہستہ آہستہ چلتا ایئرپورٹ کی عمارت کے سامنے آکر رک گیا۔ سلمان بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ طیارے سے نکل لاؤنج میں گیا۔ بیلٹ پر سے اپنا اٹیچی کیس پہچان کر اٹھایا اور ایئرپورٹ کی عمارت باہر آکر کشادہ فٹ پاتھ پر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک خالی ٹیکسی جلدی سے اس پاس آکر رک گئی۔ موٹے پھولے ہوئے موٹے فرنچ ٹیکسی ڈرائیور نے کھڑکی میں سر باہر نکال کر کہا۔ "ٹیکسی خالی ہے۔"

سلمان نے ڈگی اٹھا کر اس میں اپنا اٹیچی کیس رکھا اور دروازہ کھول کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے میٹر ڈاؤن کرتے ہوئے فرانسیسی میں پوچھا کہ کہاں

ا۔ سلمان کا خیال تھا کہ وہ باقی رات وہیں آرام کرے گا۔ وہیں سے سمیرا کو ٹیلی فون کر بتا دے گا کہ وہ امریکہ سے واپس آگیا ہے اور اب کبھی اس سے ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں ہو گا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو اس علاقے کا نام بتایا جہاں اس کا فلیٹ تھا۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ پیرس کی روشن سڑکوں پر رات کے پچھلے پہر بھی ایک عجیب سی رونق تھی۔ حالانکہ زیادہ تر سڑکیں خالی تھیں۔ مگر اس کلاسیکی شہر کی فضاؤں میں بھرپور زندگی کی رنگینیاں بسی ہوئی تھیں۔ ٹیکسی ایک خاموش سڑک پر آکر رک گئی۔ "کیا بات ہوئی؟" سلمان نے پوچھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے سلمان کی طرف رخ کیا اور انگریزی میں کہا۔ "مسٹر! جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہو۔ ذرا بھی حرکت کی تو تمہاری لاش اسی سیٹ پر اوندھی پڑی ہو گی۔"

سلمان نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا جس کا رخ سلمان کے سینے کی طرف تھا۔ اتنے میں دو طرف سے دو گاڑیاں تیزی سے آگئیں۔ ان میں سے چار آدمی اترے جنہوں نے لمبے کوٹ پہن رکھے تھے۔ انہوں نے آتے ہی ٹیکسی کو گھیر لیا۔ ایک آدمی نے سلمان والی سیٹ کا دروازہ کھولا اور انگریزی میں کہا۔ "باہر نکل آؤ۔" سلمان گاڑی سے باہر نکل آیا۔ اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ اچانک جو ڈرامہ شروع ہو گیا تھا وہ اس کی حقیقت کو جان گیا تھا۔ ہنری پیرس میں مادام جوزیفائین کو سارے معاملے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مادام کے آدمیوں نے اب اسے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ انہوں نے سلمان کے ہاتھ پیچھے کر کے چھوٹی سی ہتھکڑی لگا دی۔ منہ کو ٹیپ سے بند کر دیا اور اپنی گاڑی میں ڈال کر کسی نامعلوم مقام کی طرف چل دیئے۔

دو آدمیوں نے سلمان کو پچھلی سیٹ پر نیچے کر کے اپنے حصار میں لے رکھ
تھا۔ سلمان کے منہ پر اسکاچ ٹیپ لگی تھی۔ نہ بھی لگی ہوتی تو وہ رات کے پچھلے پہ
سنسان سڑکوں پر ان مسلح اسمگلروں کی موجودگی میں کس کو آواز دے سکتا تھا۔ ا
ایک اطمینان ضرور تھا کہ یاقوت کی غیبی طاقت یہاں بھی اس کی مدد کرے گی۔ وہ غی
مدد کا انتظار کر رہا تھا اور گاڑی پیرس کی بے آباد سڑکوں پر سے ہوتی ہوئی ایک جگ
ڈھلان میں اتر گئی۔

گاڑی نیم پہاڑی علاقے سے گزر رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جن
ڈھلانوں پر انگور کے باغ تھے اور اوپر کاٹیج بنے ہوئے تھے جن میں کہیں کہیں رو
ہو رہی تھی۔ گاڑی ان ٹیلوں میں سے نکل کر درختوں میں گھرے ہوئے ایک قطع
داخل ہو گئی۔ کچے بجری والے راستے پر دو تین موڑ گھومنے کے بعد گاڑی پتھروں
دیواروں والی ایک دو منزلہ عمارت کے احاطے میں آ کر رک گئی۔ یہ عمارت و
پڑی تھی اور احاطے میں کہیں کہیں گھاس اگ رہی تھی۔ دوسری منزل کی ا
گوتھک کھڑکیوں کے پٹ غائب تھے۔ ایک طرف کا چھجہ نیچے کو جھکا ہوا تھا۔ وہ ل
سلمان کو عمارت کے اندر ایک تہہ خانے میں لے گئے۔ اس کی آنکھوں کی پٹ
دی گئی۔ اسکاچ ٹیپ بھی منہ سے اتار دی اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور پھولی ہوئی
والے باکسر ٹائپ آدمی نے اسے انگریزی میں بیٹھنے کو کہا۔ سلمان آہنی پلنگ پ
ہوئی میلی کچیلی میٹرس پر بیٹھ گیا۔

"تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"
بات انگریزی میں ہی ہو رہی تھی۔ باکسر ٹائپ اسمگلر نے اپنے ساتھیوں کو باہر
یا تھا۔ سلمان کے ہاتھوں میں ابھی تک ہتھکڑی لگی تھی اور وہ اس کی کمر کے
تھے۔ اس نے اسٹول کھینچا اس پر بیٹھا اور سلمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
"میرا نام لوپن ہے۔ میرے سامنے پیدائشی گونگے بھی بولنے لگتے ہیں۔ تمہاری
بتا رہی ہے کہ تم ایک احمق قسم کے نوجوان ہو۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو مادام
ں بھی اٹیچی کیس نہ دیتی۔ مگر اندر سے تم بڑے عیار ثابت ہوئے ہو۔ لیکن
رکھو یہ عیاری تمہارے کسی کام نہیں آ سکے گی۔ ویسے ہم پتہ کر لیں گے کہ تم نے
ٹن میں ہمارا مال کس کو دیا ہے۔ لیکن اگر تم خود ہی اس کا نام اور ایڈریس ہمیں
تو تم ایک اذیت ناک موت سے بچ جاؤ گے۔ بولو۔ کیا کہتے ہو؟"
سلمان نے کہا۔ "پہلے میرے ہاتھ کھولو۔ میرے بازو درد کرنے لگے ہیں۔"
لوپن نے سلمان کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ سلمان اپنے بازوؤں کو دباتے ہوئے
"مسٹر لوپن! اگر میں تمہیں صحیح بات بتا دوں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔"
لوپن نے جیب سے گھٹیا قسم کا سگریٹ نکال کر سلگایا اور اس کا دھواں
ہوئے بولا۔ "مجھے یقین آ جائے گا تم بات کرو۔"
لمان نے کہا۔ "تو پھر اصل حقیقت یہ ہے کہ مجھے خود بھی معلوم نہیں ہے کہ
اور کیسے غائب ہو گیا۔ کسٹم کاؤنٹر پر جب اٹیچی کھولا گیا تو مال موجود تھا اور
ای لمحے اس خوفناک حقیقت کا علم ہوا کہ مادام نے مجھے ہیروئن اسمگل کرنے
استعمال کیا ہے۔ لیکن جب وہی اٹیچی کیس کسٹم چیف کی میز پر دوبارہ کھولا گیا
کے تھیلے غائب تھے اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلے گئے؟ آیا امریکی
لوں نے نکال لئے یا کسی نے غائب کر دیا۔ میں واشنگٹن میں ہنری کو یوں ہی
نالے گیا تھا تاکہ اسے اس طرف لگا کر میں واشنگٹن سے فرار ہو سکوں۔"
نی دیر سلمان یہ واقعہ بیان کرتا رہا لوپن کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز قسم کی
کھیلتی رہی۔ جب سلمان نے اپنی بات ختم کی تو لوپن نے سگریٹ کا کش لگا
"یہ کہانی کسی ٹی وی سیریل کے لئے ایک اچھا آئیڈیا ہے۔" پھر اچانک اس

نے سلمان کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا۔ سلمان کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔ لوپن اسے گالیاں دیتے ہوئے گرج کر بولا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ کس کے سامنے بات کر رہے ہو؟"

اس نے پستول نکال کر اس کی نال سلمان کی کنپٹی سے لگا دی اور بولا۔ "میں تمہیں صرف پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ اس کے بعد اگر تم نے اس آدمی کا نام اور پتہ نہ بتایا جس کو تم نے ہیروئن دی ہے تو پھر یہاں تمہاری لاش اٹھانے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔"

لوپن نے پستول ہٹا کر اسے جیب میں ڈالا۔ تہہ خانے کے دروازے کی طرف مڑا اور باہر نکلنے کے بعد دروازہ بند کر کے باہر سے لاک کر دیا۔

اس کے جانے کے بعد سلمان اپنا گال سہلانے لگا جو لوپن کا زوردار طمانچہ کھا کر ابھی تک سن تھا۔ اسے غصہ بہت آیا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے یاقوت کا خیال کر کے پنجابی میں کہا۔ "اوئے توں کتھے ایں؟" پھر جلدی سے لہجے کو عاجزانہ کر کے کہنے لگا۔ "یاقوت بھائی تم اگر یہ سب کچھ دیکھ رہے ہو تو پھر خدا کے واسطے مدد کرو اور مجھے اس عذاب سے نکالو۔ تم جانتے ہو کہ میں بے قصور ہوں۔ مجھے قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔"

وہ یاقوت کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ ابھی مقفل دروازہ اپنے آپ کھل جائے گا یا پھر یاقوت کی آواز آئے گی کہ فکر نہ کرو۔ میں تمہاری مدد کو آ گیا ہوں۔ دو منٹ گزر گئے کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ دروازہ کھلا نہ یاقوت ہی کی آواز آئی۔ سلمان مایوس ہو کر بیٹھا رہا اور خدا کو یاد کرنے لگا۔ اسے سمیرا کا خیال آیا۔ سمیرا بیچاری کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کا محبوب' اس کا بے وفا خاوند پیرس کی ویران عمارت کے تہہ خانے میں موت اور زندگی کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد لوپن اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اندر آ گیا۔ وہ سلمان کے سامنے اسٹول پر بیٹھ گیا اور کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم راہ راست پر آ گئے ہو گے۔ بڑے اطمینان کے ساتھ مطلوبہ آدمی کا نام اور ایڈریس ہمیں لکھوا دو یا اگر اس سے رقم وصول کر لی ہے تو مجھے بتا دو کہ رقم واشنگٹن میں تم نے کس

رکھی ہے؟"

سلمان کیا جواب دیتا کہنے لگا۔ "مسٹر لوپن! اگر میں نے اس ہیروئن کے عوض لاکھوں ڈالر کی رقم وصول کر لی ہوتی تو مجھے ہنری سے ایڈوانس مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اچھا ـــــ ابھی تم نے رقم وصول نہیں کی۔ ٹھیک ہے تم پھر ہمیں اس خاص آدمی کا نام اور ایڈریس بتا دو۔ ہم خود اس سے رقم وصول کر لیں گے لکھواؤ نام۔" لوپن نے یہ کہہ کر جیب سے پنسل اور نوٹ بک نکال لی۔ سلمان نے بے بسی کی حالت میں سر دائیں بائیں مارتے ہوئے کہا۔ "مسٹر لوپن! تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آتا؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ ہیروئن کی تھیلیاں اچانک کہاں اور کیسے غائب ہو گئی تھیں۔"

سلمان نے چھت کی طرف اچانک دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔ "یاقوت بھائی! خدا کے واسطے تم ہی آ کر انہیں سمجھاؤ ـــــ نہیں تو یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

لوپن اور اس کے ساتھی تعجب سے سلمان کو تکنے لگے۔ "یہ تم نے چھت کی طرف دیکھ کر کس کا نام لیا تھا؟ کس کو آواز دی تھی؟ کیا کہا تھا؟"

سلمان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور بے بسی کے عالم میں کہنے لگا۔ "مجھے کچھ نہیں پتہ ـــــ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ یہ سب کیا ہے۔ خدا کے واسطے مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

لوپن کا ایک ساتھی اسے دروازے کی طرف لے گیا اور کان میں کچھ سرگوشیاں کرنے لگا۔ لوپن واپس پلٹ کر سلمان کے پاس آ گیا۔ اس کو بالوں سے پکڑ کر ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور قہر بھرے لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھی نے صرف ایک دن ـــــ آج کے دن کے واسطے تمہاری جان بخش دی ہے تمہارے پاس سارا دن ہے۔ اب یہ تمہاری زندگی کا آخری دن بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم نے شام کو ہمیں سب کچھ بتا دیا تو پھر یہ دن تمہاری زندگی' تمہاری خوش قسمتی کا ایک نیا باب بھی کھول سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کے آگے آگے چلتا باہر چلا گیا۔

سلمان کو تہہ خانے میں سخت سردی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنی گرم جیکٹ کے کالر اوپر اٹھا لئے اور پلنگ کے کونے پر سمٹ سمٹا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اگر یاقوت اس کی مدد کو نہ پہنچا تو پھر وہ وہاں سے کیسے فرار ہو سکتا ہے۔ اس نے تہہ خانے کی دیواروں، چھت اور دروازے کو غور سے دیکھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آگیا۔ کان لگا کر باہر کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر باہر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ ٹھٹھرتا ہوا واپس پلنگ پر آ کر بیٹھ گیا اور زور زور سے ہاتھوں کی ہتھیلیاں رگڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب جبکہ اس کی جان پر بنی ہوئی ہے تو یاقوت اس کی مدد کو کیوں نہیں پہنچتا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک بڑھی ہوئی شیو اور لمبے بالوں والا آدمی اندر آیا۔ اس نے دو پرانے موٹے کمبل سلمان کے اوپر پھینکے۔ سیاہ کافی کا ایک مگ اور آدھی ڈبل روٹی اس کے سامنے اسٹول پر رکھی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا دروازہ بند کر کے چل دیا۔

جس وقت سمیرا کو سلمان کا ٹیلیگرام ملا کہ میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لئے امریکہ جا رہا ہوں اور تمہیں بھی وہاں بلانے کی کوشش کروں گا تو سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پہلے اس نے یہی خیال کیا کہ ایما اسے اپنے ساتھ لے گئی ہے اور اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے وہ امریکہ جا کر شادی کر لیں۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ ایما کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آ سکتے ہیں کہ وہ سلمان کو امریکہ لے جائے اور پھر اسے سلمان کو امریکہ لے جانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وہ پیرس میں رہ کر بھی سلمان سے شادی کر سکتی تھی۔ تو پھر سلمان امریکہ کیوں گیا ہے؟ اسے اتنے پیسے کس نے دیئے اور اس کا وہاں پر خرچ بھی اٹھایا۔ اپنے طور پر سلمان امریکہ جا نہیں سکتا تھا۔ اس بات کا سمیرا کو یقین تھا۔ کسی دوسرے کا اس میں ہاتھ ضرور تھا۔ وہ سلمان کے مزاج، اس کی متلون مزاجی اور جذباتی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے کبھی امریکہ نہیں بلائے گا اور بہت ممکن ہے وہ لمبے عرصے تک امریکہ میں ہی رہے۔ پہلے فرانس کے ماحول، اس کی رنگینیوں نے اس پر جادو کیا اور وہ ایما کے چکر میں پھنس گیا اور اب وہ امریکہ کا گلیمر تو اسے بہت دور لے جائے گا۔ سمیرا کا کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ بوڑھا ہنری

کام کرتا رہا۔ شام کی چائے بھی اسی نے تیار کی اور سلمان کا پوچھا کہ وہ ابھی ں نہیں آیا۔ سمیرا نے یوں ہی کہہ دیا کہ وہ کسی کام سے لندن گیا ہے۔ رات ہلے پہر میں خواجہ صاحب کا پیرس سے ٹیلیفون آگیا کہ سلمان آیا تھا۔ فلیٹ کی ی لے گیا مگر پھر واپس نہیں آیا۔ رات کو فلیٹ پر نہیں تھا۔ کیا وہ واپس پاس آگیا ہے؟ سمیرا نے خواجہ صاحب کو یہی کہا کہ اسے لندن جانا تھا ہو سکتا لندن چلا گیا ہو۔

رات کو کافی دیر تک سمیرا کو نیند نہ آئی۔ وہ سلمان کے بارے میں سوچتی رہی۔ ے پہلے سلمان محبت کا بے پناہ اظہار کیا کرتا تھا اور ابھی شادی کو ایک سال ا نہیں ہوا کہ وہ اسے بھلا بیٹھا ہے اور دوسری عورتوں کے پیچھے مارا مارا گا ہے۔ پھر سمیرا سوچنے لگتی کہ نہیں سلمان ایسا نہیں ہے۔ یورپ اور خاص پیرس کے رنگین ماحول نے اسے چکا چوند کر دیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جتنی و سکے سلمان کو لے کر پاکستان واپس چلی جانا چاہتی تھی مگر اب وہ امریکہ پہنچ

اگلے روز صبح صبح سمیرا نے نتاشا کو کینیڈا فون کر دیا۔ اسے ساری صورت حال نتاشا نے اسے تسلی دی حوصلہ دیا اور کہا کہ مرد شروع شروع میں ایسا ہی کرتے ت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود ہی سیدھے راستے پر آ جائے گا۔ تم زیادہ نہ ہو۔ زیادہ فکر نہ کرو۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سمیرا تو سلمان کے بغیر یوں رنے لگی تھی جیسے دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی ہو۔ اس نے ناشتہ بھی بہت ہلکا کیا ا اپنا دل دوسری طرف لگانے کی خاطر ایک نامکمل تصویر اٹھا کر سیب کے باغ ۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ درختوں کی شاخیں لال لال سیبوں کے بوجھ سے ا تھیں۔ سمیرا باغ کے کنارے ایزل وغیرہ لگا کر تصویر میں رنگ بھرنے لگی۔ ے تصویر بناتے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے اپنے عقب میں کسی کے ں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ روڈولف چلا آتا ہے۔ ہاتھ میں ب کی کلیوں کا گلدستہ ہے۔ قریب آ کر اس نے گلدستہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ تمہارے لئے لایا ہوں۔"

وہ سمیرا سے فرانسیسی ہی میں بات کرتا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سمیرا بڑی
روانی سے فرانسیسی بول سکتی ہے۔ سمیرا نے برش ایک طرف دیکھا۔ ہاتھ صاف کیے
اور گلدستہ لے کر شکریہ ادا کیا۔

"مگر یہ کس خوشی میں ہے موسیو روڈولف؟" روڈولف پائپ منہ سے نکال کر
بولا۔ "یہ دو باتوں کی خوشی میں ہے۔ ایک اس بات کی خوشی میں کہ تم بڑی اچھی
تصویریں پینٹ کرتی ہو اور دوسری اس بات کی خوشی میں کہ تم ایک خوبصورت اور
اور دانشور خاتون ہو۔"

سمیرا کے رخساروں پر سرخی آ گئی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ صرف
کہہ سکی۔ "شکریہ شکریہ۔"

روڈولف سمیرا کی زیر تکمیل پینٹنگ کو غور سے دیکھنے لگا۔ "یہ تصویر تم
کب شروع کی تھی' میں اسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ اس تصویر کے درخت اور
کے رنگ ہمارے درختوں سے بالکل مختلف ہیں۔ تم یہاں پیرس میں اپنی تصویروں
نمائش کیوں نہیں کرتیں؟"

"مجھے نمائش وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

سمیرا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھولوں کا گلدستہ ابھی تک اس
ہاتھوں میں تھا اور وہ بھی روڈولف کے ساتھ اپنی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ رو
بولا۔ "مسٹر سلمان نظر نہیں آ رہے۔ کیا وہ کہیں گئے ہوئے ہیں؟"

سمیرا نے کہا۔ "ہاں ---- ضروری کام سے پیرس گئے ہیں۔ شام
جائیں گے۔"

روڈولف سمیرا کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اسے روڈولف کے پائپ
جلتے ہوئے تمباکو کی خوشبو آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ مجھے واپس گھر چلا
اب وہ تصویر بھی نہیں بنا سکتی تھی۔ روڈولف نے بجھا ہوا پائپ سلگایا
بھورے گھنگریالے بال اس کی گردن پر پڑے ہوئے تھے۔ سمیرا کو قدیم زمانے
سوار یاد آ گئے۔ کہنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آج دوپہر کا کھانا ہم ریست
کھائیں۔ میں نے تو انہیں ایک خاص ڈش تیار کرنے کا بھی آرڈر دے رکھا

ں سے پہلے کہ سمیرا ہاں یا نہ میں جواب دیتی۔ روڈولف نے بھنویں اوپر
ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں معلوم نہیں۔ یہ وہی ریستوران ہے جہاں وان گو
ام کی ایک دیہاتی لڑکی سے پہلی بار اظہار محبت کیا تھا۔"

میرا دل میں ہنس پڑی۔ آخر یہ فرانسیسی پینٹر ہے۔ محبت کے اظہار کا ذکر کس
ے کر رہا ہے۔ یہ فرانس کی تاریخ' اس کے آرٹ اور فن کی سینکڑوں سالہ
ں رہا تھا۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی مگر یہ سوچ کر کہ گھر میں بیٹھ کر سوائے
ے متعلق سوچ سوچ کر پریشان ہونے کے اور وہ کیا کرے گی اس نے ہاں کہہ
ڈولف بڑا خوش ہوا اور جھک کر سلام کر کے واپس چلا گیا۔

میرا کو اس کے جانے کے بعد خیال آیا کہ اسے روڈولف کی دعوت قبول نہیں
ے تھی۔ سلمان کو کسی نے بتا دیا کہ وہ خواہ مخواہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو
۔ حالانکہ سمیرا کا دل بالکل صاف تھا۔ وہ صرف سلمان سے ہی محبت کرتی
ن اب وہ دعوت قبول کر چکی تھی۔ اس خیال سے کہ سلمان اگر پوچھے گا تو وہ
، گی کہ روڈولف ایک شریف آدمی ہے اور صرف پینٹنگ کی باتیں کرتا ہے۔

میرا معمولی سا تیار ہو کر ریستوران کی طرف چل پڑی۔ اس نے لپ اسٹک
ہلکی لگائی تھی۔ ریستوران کی فضا مختلف کھانوں اور تمباکو کی خوشبوؤں سے
ی تھی۔ کافی لوگ بیٹھے دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ ان میں عورتیں اور بچے
۔ روڈولف نے اٹھ کر سمیرا کا خیر مقدم کیا۔

وڈولف نے جو خاص ڈش اس کے لئے تیار کروائی تھی وہ بطخ کے کباب تھے۔
بڑے لذیذ تھے۔ روڈولف کھانے پر زیادہ تر اس لڑکی کی باتیں کرتا رہا جس
رس پہلے مصور وان گو نے اسی ریستوران میں اظہار محبت کیا تھا۔ وہ کہہ رہا
ہا ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اس وقت یہ یستوران ایک چھوٹا سا شراب
ہاں صرف انگوروں کی وائین ہی ملتی تھی۔ اب تو یہ ریستوران کافی بڑا ہو گیا
رہ جو اوپر تم گیلری دیکھ رہی ہو۔ کہتے ہیں کہ یہ گیلری اسی زمانے کی ہے۔
ان کے مالک نے مجھے بتایا تھا کہ وان گو اسی گیلری میں بیٹھ کر ایڈا سے محبت کی
کرتا تھا۔"

سمیرا نے بڑے اشتیاق سے گیلری پر نگاہ ڈالی۔ اس خیال سے نہیں کہ وان
کی محبوبہ بیٹھا کرتی تھی بلکہ اس خیال سے کہ وہاں وان گو بیٹھا کرتا تھا۔ باتیں کیا کر
تھا۔ اپنا مٹی کا پرانا پائپ بھر کے پیا کرتا تھا۔ وہ ضرور گیلری میں سے جھانک کر
بیٹھے ہوئے اس زمانے کے' آج سے سو برس پہلے کے آدمیوں اور عورتوں کو بھی د
ہو گا۔ وہ گرانڈیل ڈاکیہ بھی ضرور اسی ریستوران میں آکر بیٹھتا ہو گا جس کی وان
نے پینٹنگ بنائی تھی۔ کیسے برش کے اسٹروک لگاتا تھا وہ دیوان ڈچ پینٹر ـــــ
نے اسے اذیتوں' ذلتوں اور فاقوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ اور وہ کیا کچھ نہ دنیا کو دے
کیا اس زمانے میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں تھا جس کو معلوم ہوتا کہ یہ شخص
آتشیں جذبات رکھنے والا پینٹر آگے چل کر دنیا کے عظیم ترین پینٹروں میں شما
جائے گا؟ شاید ایک آدمی تھا اور وہ تھا وان گو کا چھوٹا بھائی تھیو۔ مگر تھیو کے وسا
محدود تھے وہ اگرچہ پیرس کی ایک آرٹ گیلری کا نگراں تھا مگر اس کے پاس اتنا ا
نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی' عظیم پینٹر وان گو کی تصویروں کی نمائش لگوا سکے۔ ا
اپنے بھائی وان گو سے بڑی محبت تھی۔ وہ ہر موقع پر روپے پیسوں سے اس کی
کرتا۔ اس کا بڑا خیال رکھتا۔ وان گو کو تو کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ اس
پاس کبھی کبھی کھانے پینے کے لئے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ ایک بار جب وا
کوئلے کی کانوں والے ایک دور افتادہ گاؤں کی تنگ و تاریک اور سرد کوٹھری
تھا اور دن کے وقت کوئلہ چننے والیوں کے چارکول اسکیچ بناتا رہتا تھا تو تھیو پیر
اس کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا کہ بھائی کم خوراک ملنے کی وجہ سے کمزور ہو
تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر وان گو کے سامنے آنسوؤں کو باہر نہ آ
اس نے بھائی کی چارکول ڈرائنگ دیکھی تو لکیروں کی طاقت' جذبے کی شد
اسٹروک کی بلا خیزی دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ پیرس کی آرٹ گیل
یہ اسکیچ اور تصویریں نہیں پہنچ سکتیں کیونکہ آرٹ گیلری پر اس زمانے کی ار
اور فیشن ایبل کمرشل مصوری کرنے والوں کی اجارہ داری تھی جن میں
آج کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ وان گو کے بھائی نے قصبے سے چینی کے دو پیا
چینک' کافی اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں لا کر دیں اور بوجھل دل لئے اپنے

ہو گیا۔ سمیرا نے اس لڑکی کی داستان بھی پڑھ رکھی تھی جس کے ساتھ وان گو
کرتا تھا۔ اس کا نام ایڈا تھا۔ وان گو کو اس لڑکی سے کوئی محبت وغیرہ نہیں تھی۔
گو کو اگر دنیا میں کسی شے سے محبت تھی تو وہ صرف پینٹنگ تھی۔ ایڈا بھی وان گو
کوئی عشق نہیں کرتی تھی۔ وہ ریستوران کی خادمہ تھی۔ اسے وان گو کے لمبے
کان بہت پسند تھے۔ جب وان گو وہاں آکر بیٹھتا تو وہ اس کے پاس آ جاتی اور
ے اس کے کانوں کی لٹکتی ہوئی لوؤں کو ہلانے لگتی۔ وان گو اسے کبوتری کہا کرتا
ایک روز لڑکی نے وان گو کے کانوں کی کچھ زیادہ ہی تعریف کر دی۔ دوسرے روز
گو ریستوران میں آیا تو اس نے ایک کان کے گرد بڑا تولیہ تہہ کر کے لپیٹ رکھا
ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ اس نے وہ پیکٹ اپنی کبوتری کو پیش کرتے ہوئے کہا۔
میں تمہارے لئے ایک تحفہ لایا ہوں۔ لڑکی نے خوشی خوشی پیکٹ کھولا تو اس کی
ل گئی۔ پیکٹ میں وان گو کا کٹا ہوا کان پڑا تھا۔ وان گو نے اپنی ایک تصویر اسی
میں بنائی ہے کہ اس کے کٹے ہوئے کان کے گرد بھائی سفید تولیہ لپٹا ہوا ہے۔
سو برس پہلے کے کلاسیکی فرانس کی باتوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ روڈولف نے اس
ہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سمیرا نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا۔ "میرا خیال ہے اب چلنا
ئے۔"

روڈولف نے بڑی شائستگی سے کہا۔ "اگر مجھ سے گستاخی ہوئی ہو تو میں معافی
ہوں لیکن میں چاہوں گا کہ ہم تھوڑی دیر اور بیٹھے رہیں۔"
روڈولف کے مہذب اور شرافت آمیز لہجے میں سمیرا کو متاثر کیا۔ وہ رک گئی۔
لف نے مزید کافی کا آرڈر دیا اور سولہویں صدی عیسوی کے اطالوی اور ہسپانوی
ملا کی باتیں کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے ایک خواہش کا اظہار کیا۔ "
میں تمہاری ایک تصویر پینٹ کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گی؟"
نے ہنس کر کہا۔ "مجھ میں ایسی کون سی بات ہے؟"
روڈولف شاید اسی جملے کے انتظار میں تھا۔ اس کو موقع مل گیا اور وہ سمیرا کی
اور چہرے کے مشرقی نقوش کی تعریف کرنے لگا۔ سمیرا کچھ شرما بھی رہی تھی اور
ے اپنے حسن کی تعریف سن کر خوش بھی ہو رہی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ شادی

سے پہلے کبھی سلمان بھی اس انداز میں اس کے حسن کی تعریف کیا کرتا تھا۔ مگر اب وہ اس سے دور دور رہتا تھا اور محض پرانے زمانے کے جذبات کو یاد رکھنے کی خاطر کبھی کبھی اس کی تعریف میں ایک آدھ جملہ کہہ دیتا تھا۔ سمیرا چاہتی تھی کہ سلمان اب بھی اس کے ساتھ ایسی ہی باتیں کیا کرے۔ روڈولف کے منہ سے اپنے حسن کی تعریف سمیرا کو اجنبی سی لگ رہی تھی اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک صحیح بات غلط مقام پر کہی جا رہی ہے۔ اس کے پیچھے وہ مشرقی روایات کارفرما تھیں جو ہمارے خون کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں اور ہم چاہیں بھی تو ان کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتے۔

روڈولف سمیرا کی تصویر بنانے پر برابر اصرار کئے جا رہا تھا۔ سمیرا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "نہیں موسیو روڈولف مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ آئی ایم سوری۔" اور وہ چلنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ روڈولف نے بیرے کو اشارہ کیا اور خود بھی کرسی پیچھے کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر تیسرے پہر کی دھوپ ماند پڑنے لگی تھی۔ سیب اور انگور کے باغوں کی طرف سے نیم گرم ہوا آ رہی تھی۔ وہ ریستوران سے نکل کر پھر فٹ پاتھ پر چلنے لگے۔ روڈولف کل دوپہر کے لنچ کے لئے بھی سمیرا سے وقت مانگ رہا تھا۔ مگر سمیرا نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ سلمان وہاں نہیں ہے۔ انکار کر دیا اور کہا وہ کل گھر پر ہی رہنا چاہتی ہے۔ روڈولف سمیرا کو اس کے پہاڑی مکان کی ٹیرس کے زینے پر چھوڑ کر چلا گیا۔ ہنری ٹیرس کے باغیچے میں گلابوں کی فالتو شاخیں چھانٹ رہا تھا۔ اس نے سمیرا کی طرف دیکھا اور پائپ منہ سے الگ کرتے ہوئے بولا۔ "چائے کس وقت لاؤں؟"

"ایک گھنٹے بعد" یہ کہہ کر سمیرا کمرے میں آ گئی۔ میز کے گلدان میں گلاب کی کلیاں سجی ہوئی تھیں۔ یہ گلدستہ روڈولف لایا تھا۔ سمیرا کو یاقوت کا خیال آ گیا۔ کبھی وہ اس کے لئے سفید گلابی اور سرخ گلابوں کی کلیوں کے گلدستے لایا کرتا تھا۔ سمیرا کا ایک دم دل بھر آیا۔ اسے یاقوت کی باتیں' اس کی پراسرار خوشبو محبت کرنے کا دھیما دھیما کلاسیکی انداز' اس کی وفا شعاری۔ سب کچھ یاد آ گیا۔ اس وقت ٹیلی فون کی گھنٹی نہ بج اٹھتی تو سمیرا سسکیاں بھر کر رونے والی تھی۔

اٹھایا اور نتاشا کی آواز فوراً پہچان لی۔

"سلمان کا کوئی خط یا فون آیا۔"

"بالکل نہیں۔" سمیرا نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے

اس قسم کی جذباتی باتیں شروع شروع میں ہو جایا کرتی ہیں۔"

"مگر ابھی ہماری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور اس نے اس قسم کا رویہ

ہے۔"

"سمیرا! تم کتابی عورت ہو۔ بنیادی طور پر آرٹسٹ ہو۔ تمہیں دنیاداری کا کچھ

ں ہے۔ بس تم چپ رہو۔ تھوڑا صبر کرو سب ٹھیک ہو جائے گا وہ خود تمہیں

ے گا اور کہے گا کہ میں واپس آ رہا ہوں۔"

نتاشا کی باتوں نے سمیرا کو ایک بار پھر حوصلہ دیا۔ اس نے سوچا اس وقت یہی سہیلی ہے جو اس کی ڈھارس بندھا رہی ہے جس وقت سمیرا فون پر نتاشا سے کر رہی تھی اس وقت مکان سے تھوڑی دور سامنے والے کھیتوں میں درخت کے ایک آدمی چھوٹی سی دوربین آنکھوں سے لگائے اسے مسلسل تک رہا تھا۔ یہ مادام جوزیفائین کی طرف سے بھیجا گیا جاسوس تھا جو سمیرا کی نقل و حرکت کی ی پر مامور تھا ان لوگوں نے سلمان کو صرف آج شام تک کی مہلت دی تھی۔

شام ہوئی تو لوپن اپنے دو آدمیوں کے ساتھ تہہ خانے میں آ گیا۔ سلمان دونوں ال میں اپنے آپ کو لپیٹے پلنگ کے کونے میں سمٹا بیٹھا تھا۔ لوپن نے آتے ہی "موسیو! تمہاری مہلت کا وقت ختم ہو گیا ہے۔"

اسٹول پر بیٹھتے ہوئے اس نے جیب سے نوٹ بک اور پنسل نکال لی اور کہا مجھے ا آدمی کا نام اور ایڈریس لکھوا دو جس کے پاس تم نے واشنگٹن میں مال رکھوایا ہے۔

سلمان نے ایک بار پھر یہی کہا کہ میں نے کسی کو کچھ نہیں دیا۔ مال ایئرپورٹ ی اٹیچی میں سے غائب ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیسے غائب ہو گیا۔ لوپن ے گھور کر سلمان کو دیکھا۔ نوٹ بک جیب میں رکھی اور خاموشی سے باہر نکل آیا۔ ہرے دروازے پر قفل ڈال دیا گیا۔

پندرہ بیس منٹ بعد اسمگلر ایجنٹ ہنری اپنی سرغنہ مادام جوزیفائین کے سجائے ڈرائنگ روم میں آتش دان کے پاس بیٹھا مادام کو بتا رہا تھا کہ سلمان کچھ نہیں بتا رہا۔ اب ہمیں اپنا آخری حربہ استعمال کرنا ہو گا۔ مادام سگریٹ ہولڈر میں سگریٹ سلگائے بیٹھی بڑے غور سے ہنری کی باتیں سن رہی تھی۔ جب ہنری نے اپنی بات ختم کر لی تو اس نے ہولڈر میں سے سگریٹ نکال کر آتش دان میں پھینکا اور بولی

"ٹھیک ہے اب ویسے ہی کرو جیسا میں نے تمہیں کہا تھا۔"

"ایسا ہی ہو گا مادام!"

وہ رات پیرس کی سرد ترین رات تھی ہلکی ہلکی برف باری شروع ہو گئی تھی رات گرتی برف میں ایک سیاہ مرسڈیز ایئرپورٹ کے احاطے میں آ کر رکی۔ اس میں سے سیاہ اوورکوٹ اور سیاہ فیلٹ میں ملبوس مادام کا خاص ایجنٹ لوپن اپنے دو پیشہ ساتھیوں کے ہمراہ کار سے نکلا اور یہ لوگ ایئرپورٹ کی لابی میں داخل ہو گئے۔ تیز تیز قدموں سے چل رہے تھے۔ ان کی سیٹیں ایک طیارے میں بک ہو چکی تھیں جسے قصبہ آرلس سے پچاس میل پیچھے ایک شہر جانا اور پھر وہیں سے واپس پیرس آ تھا۔ سمیرا نے رات کے دس بجے تھوڑا سا کھانا کھایا اور بوڑھے ہنری سے کہا کہ صبح دیر سے اٹھے گی اسی رات سمیرا دیر تک جاگ کر پڑھنا لکھنا چاہتی تھی بوڑھا برتن وغیرہ سمیٹ کر چل دیا۔

سمیرا نے منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے تبدیل کئے اور بستر پر لیٹ کر پڑھنے لگی۔ میں برف باری نہیں ہوتی تھی یہاں کا موسم سردیوں میں بھی خوشگوار رہتا تھا شروع دسمبر میں رات کو ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ سمیرا نے بیڈروم کی کھڑکیاں بند کر تھیں اور دو کمبل جوڑ کر اوڑھے ہوئے تھے کچھ دیر تک وہ مطالعہ کرتی رہی پھر کی دراز میں سے سیاہ جلد والی ڈائری نکالی اور اس میں اپنے احساسات درج لگی۔ کبھی کبھار ہی وہ ڈائری لکھا کرتی تھی وہ بھی اس طرح کہ کسی کا نام وغیرہ میں نہیں لکھتی تھی۔ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ بھی نہیں ملتا تھا بس اپنے کیفیات کو دوسرے کی زبان سے بیان کرتی چلی جاتی۔ یوں اس کے اپنے دل کا بو ہو جاتا تھا۔ وہ اپنے خیالات میں گم ہو کر ڈائری لکھنے میں محو رہی۔ اسے

اس نہ تھا۔ لکھتے لکھتے اس پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ ایک دو بار قلم اس کے ہاتھ نکل گیا۔ تب اس نے سوچا کہ اب سو جانا چاہئے۔ اس نے ٹیبل لیمپ کو جلتے ہی ہنے دیا اور ڈائری قلم وغیرہ دراز میں بند کر کے کمبل اوپر کر کے لیٹ گئی۔ اس کی ھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بھی پوری طرح ئی نہیں تھی کہ اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں اسے کمرے میں یاقوت کی شبو آئی پہلے تو اس نے سمجھا کہ یہ اس کا وہم ہے مگر جب اس نے دو تین بار انس لیا تو خوشبو برابر آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یاقوت! کیا یہ تم ہو؟ مجھ سے بات کرو۔

تم کس بات پر ناراض ہو گئے ہو۔

کیا تمہیں مجھ اب پہلی سی محبت نہیں رہی؟"

سمیرا کی آواز بھرا گئی۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی جیسے اپنے آپ سے ہمکلام ہو۔ یاقوت کی خوشبو آہستہ آہستہ اس سے دور ہونے لگی۔ اچانک باہر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی زمین پر زور سے گر پڑا ہو۔ سمیرا دوڑ کر دروازے پر آئی۔ دروازہ کھول کر باہر دیکھا تو اسے میٹریس کی روشنی میں برآمدے میں ایک بھاری بھرکم سرخ چہرے والا آدمی فرش پر گرا ہوا نظر آیا۔ اس کی گردن ایک طرف کو مڑی ہوئی تھی ایک دم سے اس کا آدمی جھاڑیوں میں سے نکل کر ٹیرس کی سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ دوڑتے دوڑتے وہ زمین سے دس پندرہ فٹ اوپر کو اچھلا اور پھر سر کے بل بڑی زور سے پتھروں پر گرا اور وہیں بے حس و حرکت ہو کر پڑا رہا۔ سمیرا دھڑکتے دل کے ساتھ یہ دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یاقوت کی خوشبو کیوں آئی تھی۔ یہ لوگ برے ارادے سے وہاں آئے تھے اور یاقوت نے عین وقت پر آ کر سمیرا کی عزت اور اس کی جان کو بچا لیا تھا۔ پھر ٹیرس کے اوپر والی لاش آپ سے آپ لڑھک کر دور چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی جھاڑیوں کے پتھروں پر پڑی کی لاش بھی خود بخود لڑھکتی ہوئی دوسری لاش کے اوپر جا گری اور اور پھر دونوں سمیرا کی نظروں سے غائب ہو گئیں جیسے کوئی اسے اٹھا کر لے گیا ہو۔ اس کے ہی یاقوت کی پراسرار خوشبو بھی غائب ہو گئی۔ سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے کھڑکی بند کر دی اور پلنگ پر آکر دیر تک سسکیاں بھر کر بچوں کی طرح روتی رہی۔

صبح ہوئی تو لوگ دریا کے کنارے جمع تھے۔ ان کے درمیان دو آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں جو پانی بھر جانے سے پھولی ہوئی تھیں شور سن کر سمیرا بھی وہاں گئی اس نے بھاری بھرکم مونچھوں والے آدمی کو پہچان لیا۔ دوسری لاش بھی اسی آدمی کی تھی جو رات جھاڑیوں میں سے نکل کر بھاگا تھا۔ یہ دونوں مادام جوزیفائین کے بھیجے ہوئے قاتل غنڈے تھے جو سمیرا کو اغوا کر کے اس کے پاس لے جانے والے تھے تاکہ اس پر تشدد کر کے سلمان کو اصل بتانے پر مجبور کیا جائے۔ اتنے میں وہاں پولیس آگئی اور دونوں لاشوں کو ایمبولینس میں ڈال کر لے گئی۔ ان کے ساتھ ایک تیسرا آدمی بھی آیا تھا جو رات کو پیچھے گاڑی میں بیٹھا رہا تھا۔ جب ان لوگوں نے دیر کر دی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اسے سمیرا کے مکان کا علم نہیں تھا۔ اس نے ایک ریستوران پہنچ میں لوپن کو فون کیا کہ وہ لوگ پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں لوپن نے اسے برا بھلا کہا اور حکم دیا کہ وہ گاڑی میں ہی بیٹھا رہے اور ادھر ادھر مت جائے۔ وہ لوگ آجائیں گے۔ یہ تیسرا غنڈہ ساری رات گاڑی میں انتظار کرتا رہا صبح ہوئی تو قصبے میں شور مچ گیا کہ دریا میں سے دو لاشیں برآمد ہوئی ہیں۔ یہ تیسرا آدمی دوڑ کر جائے واردات پر گیا اس نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں پہچان لیں۔ وہ ان لاشوں کے بارے میں ٹیلیفون پر لوپن کو نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ وہیں سے گاڑی لے کر واپس روانہ ہو گیا قریبی شہر میں آکر اس نے ٹیلیفون آفس کے بوتھ میں جا کر لوپن کو فون کر کے بتایا معاملہ خراب ہو گیا ہے میں یہاں کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں واپس آ رہا ہوں۔ پیرس کر اس نے مادام کے اسمگلر ایجنٹ لوپن کو ساری حقیقت بیان کر دی۔ "کیا تم نے ان کی لاشیں دیکھی تھیں؟"

"صرف میں نے ہی نہیں بلکہ قصبے کے سارے لوگوں نے لاشوں کو دیکھا پولیس ان لاشوں کو ساتھ لے گئی وہ ابھی تک مردہ خانے میں پڑی ہوں گی۔ مادام کہہ کر ان لاشوں کو وہیں ضائع کرا دو کہیں ہم پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے"

لوپن نے ایک طمانچہ اس کے منہ پر مارا اور چلا کر کہا۔ "خاموش رہو اپنی مونچھوں والا منہ بند رکھو۔"

لوپن وہاں سے سیدھا مادام جوزیفائین کے پاس گیا اسے بتایا کہ وہاں کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ اپنے دونوں آدمی دریا میں گر کر مر گئے ہیں لاشیں آرلس قصبے کی پولیس کے قبضے میں ہیں مادام جوزیفائین نے بے نیازی سے کہا۔ "لاشیں پولیس کے پاس ہی رہنے دو۔ وہ لاشوں سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کر سکتے۔ تم ایسا کرو کہ آج رات چار آدمیوں کو بھیج دو اس عورت کو اغوا کر کے یہاں لایا جانا بہت ضروری ہے۔ وہ سلمان کی بیوی ہے جب تک سلمان کے سامنے ہم اس پر تشدد نہیں کریں گے وہ کبھی اصل حقیقت نہیں بتائے گا۔"

مادام کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ وہ سلمان کو بڑا بھولا بھالا سمجھتی تھی اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اندر سے اس قدر عیار نکلے گا کہ نہ صرف پکڑے جانے پر امریکی کسٹم والوں کو جل دے گا بلکہ کروڑوں روپے کی ہیروئن بھی ہضم کر لی۔ وہ ہر حالت میں سلمان سے یہ معلوم کروانا چاہتی تھی کہ اس نے مال امریکہ میں کس کے ہاں فروخت کیا ہے اور رقم کہاں ہے۔ مادام لاکھوں ڈالر کا نقصان برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

لوپن نے حق نمک ادا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مادام! آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں خود آدمی لے کر جاؤں گا۔ اس بدمعاش کی بیوی کو' وہ جہاں بھی ہو گی جس حالت میں بھی ہو گی' اٹھا کر آپ کے قدموں میں لا کر پیش کر دوں گا۔"

ابھی یہ جملہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ چھت کے ساتھ لٹکا ہوا قیمتی فانوس یوں لرزنے لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو مادام اور لوپن نے اسے حیرت سے دیکھا۔ مادام قدم دو قدم پیچھے ہٹ گئی لوپن نے بے اختیار کہا۔ "زلزلہ ہے مادام۔"

مادام نے ادھر ادھر دیکھا اور بولی۔ "مگر کمرے کی دوسری کوئی شے نہیں ہل رہی۔"

لوپن نے میز پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ میز میں کسی قسم کی کوئی لرزش بھی نہیں تھی کھڑکی کی ریشمی رسی بھی کوئی حرکت نہیں کر رہی تھی۔ فانوس ایک بار زور سے لرز کر ساکن ہو گیا۔ مادام نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے تم جاؤ اور جس

طرح بھی ہو سلمان کی بیوی کو اٹھا کر میرے پاس لے آؤ وہ اسی طرح کرے گا۔" لوپن تعظیم بجا لا کر چلا گیا۔ مادام کو ٹیکس کلکٹر کے آفس میں ایک ضروری کام سے جانا تھا۔ اس گاڑی نکلوا وہاں چل دی وہاں اسے ناز و نخرے دکھانے اور اپنا کام کرواتے دوپہر ہو گئی واپس آ کر وہ اپنے معذور خاوند کی بظاہر تیمارداری کرنے اس کے چھوٹے سے کمرے میں آ گئی۔ بوڑھا نیم مردہ حالت میں پڑا تھا اور ایک خادمہ اس کے منہ میں چمچ کی مدد سے سوپ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مادام نے نیم مردہ خاوند اور خادمہ کو برا بھلا کہا اور ڈائننگ روم میں آ کر کھانا کھایا اور اپنے بیڈ روم میں آرام کرنے لیٹ گئی۔

ابھی اسے لیٹے پانچ سات منٹ ہی ہوئے تھے کہ خادمہ نے دروازے پر دستک دی۔ "کیا بات ہے؟" مادام نے غصے میں چلا کر کہا۔ خادمہ کی آواز آئی۔ "مادام موسیو لوپن آئے ہیں۔"

مادام جلدی سے پلنگ پر سے اٹھ بیٹھی۔ اس نے خود جا کر دروازہ کھولا۔ سامنے لوپن کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ اندر آ گیا۔ مادام نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ بڑے فاتحانہ انداز میں بولا۔ "ہم اس عورت کو اغواء کر کے لے آئے ہیں مادام!"

"کہاں ہے وہ؟"

مادام نے خوش ہو کر پوچھا۔ لوپن نے کہا۔ "فارم ہاؤس والے تہہ خانے میں بند ہے۔ آپ ابھی چلئے میرے ساتھ۔ تھوڑی دیر بعد ہم سلمان کو بھی وہاں لے آئیں گے سارا ڈرامہ آپ کے سامنے ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم باہر جا کر بیٹھو۔ میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔"

مادام سلمان کی بیوی کو ایک نظر سے دیکھ کر اپنی تسلی کرنا چاہتی تھی کہ لوگوں نے ٹھیک عورت کو اغوا کیا ہے۔ دوسرے وہ یہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ عورت کو اس کے سامنے تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ مادام کی ایذا پرستانہ ذہنیت ایک رخ تھا۔ اس نے خود بھی سلمان کی بیوی کو اذیت دینے کے دو چار ہولناک طریقے سوچ رکھے تھے۔ وہ جلدی جلدی تیار ہوئی۔ لوپن کو ساتھ لیا اور گاڑی بیٹھ کر اپنے فارم ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئی۔ گاڑی خود لوپن چلا رہا تھا۔ ما فارم ہاؤس پیرس شہر سے باہر کوئی پچاس میل کے فاصلے پر دریا سے ہٹ کر واق

ں کا فارم تھا۔ یہ سب کچھ محض ایک دکھاوا تھا اصل میں یہ ناجائز کاروبار کا تھا اور لوپن کی نگرانی میں یہاں ہانگ کانگ سے آیا ہوا مال اسٹاک کرنے کے ، اور امریکہ اسمگل کیا جاتا تھا۔

پن نے فارم ہاؤس کے عقبی گودام کی طرف لے جا کر گاڑی دیوار کے ساتھ دی۔ باہر نکل کر لوپن نے مادام کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ مادام نے ے برآمدے کی طرف آتے ہوئے لوپن سے پوچھا۔ "پولیس کو تو پتہ نہیں

بالکل نہیں مادام۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پولیس کو خبر ہو جاتی۔ ہم نے اتنی رازداری اور تیزی سے کیا کہ قصبے میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی مان کی بیوی کو گاڑی میں بند کر کے یہاں لے آئے۔"

مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

شکریہ مادام!"

ک زینہ نیچے تہہ خانے میں جاتا تھا۔ مادام زینہ اتر کر دروازے کے پاس آئی نے جلدی سے بڑھ کر دروازے کا تالا کھول دیا۔ مادام کمرے میں داخل ہوئی تو ر کا سانس اوپر ہی رہ گیا۔ اس پر جیسے اچانک بجلی سی گر پڑی تہہ خانے میں پر لوپن اس حالت میں بندھا پڑا تھا کہ منہ پر ٹیپ لگی تھی اور ہاتھ پاؤں ے جکڑے ہوئے تھے۔ مادام نے دہشت زدہ ہو کر پیچھے دیکھا۔ لوپن اس کے زے کے پاس کھڑا مسکرا رہا تھا۔ طنزیہ انداز میں بولا۔ "ہاں مادام! یہ میں ہی

ام کو چکر سا آیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

مادام کو جب ہوش آیا تو اس کے سر پر سورج چمک رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر بیٹھی۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو حیرت میں ڈوب کر رہ گئی۔ اس کے سامنے سمندر پھیلا ہوا تھا جس کی لہریں دور سے چلتی ہوئی ساحل تک آتیں اور پھر واپس جاتیں۔ اس کے پیچھے سنسان جنگل تھا اور ساحل کے ساتھ بھورے رنگ کی چٹانیں زمین سے کئی فٹ باہر نکلی ہوئی تھیں۔ "مائی گاڈ! یہ میں کہاں سے کہاں ہوں؟"

مادام اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ کوئی ویران سا جزیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس طاری تھا۔ وہ بوجھل قدموں کے ساتھ درختوں کی طرف آئی۔ یہ عجیب و غ کے درخت تھے جن کے پتوں پر لمبے لمبے کانٹے نکلے ہوئے تھے اور اوپر بلندی شاخوں نے چھتریاں سی بنائی ہوئی تھیں۔ درختوں کے درمیان کئی فٹ اونچی ج گھاس سمندر کی ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ اسے اتنی گھنی گھاس میں جاتے ہو رہا تھا۔ مجھے یہاں کون لے کر آیا ہے۔ میں تو بے ہوش ہو گئی تھی۔ لو پاس کھڑا تھا اور دوسرا لوپن کرسی پر بندھا ہوا تھا۔ میری آنکھیں کیسے دھو ہیں دونوں لوپن ہی تھے۔ بالکل ہو بہو لوپن تھے مگر ایک آدمی کے دو آدمی ہیں۔ مائی گاڈ! یہ سب کیا ہے؟ مادام درختوں کے کنارے کھڑی انہی خ خیالوں میں الجھی ہوئی تھی کہ ایک طرف سے کاغذ کا صفحہ ہوا کے ساتھ ا اور اس کے پاؤں کے پاس آ کر رک گیا۔

مادام کو کاغذ پر تحریر دکھائی دی۔ اس نے جلدی سے کاغذ اٹھایا اور پڑھنے لگی۔ کاغذ پر فرانسیسی زبان میں لکھا تھا۔ "مادام! یہ ویران جزیرہ تمام بحری اور فضائی کمپنیوں کے راستوں سے سینکڑوں میل ہٹ کر سمندر میں ایک ایسی جگہ پر ہے جس کے اوپر سے اور جس کے ساحل سے سینکڑوں میل دور تک آج تک کبھی کوئی بحری جہاز اور طیارہ نہیں گزرا۔ اب چونکہ تمہیں اور تمہارے ساتھ لوپن کو بقیہ زندگی اسی ویران جزیرے میں بسر کرنی ہے اس لئے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ادھر سے کوئی بحری جہاز اور ہوائی جہاز نہیں گزرتا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ دنیا کے کسی نقشے پر نہیں ہے۔ جزیرے کے جنوب میں ایک بلند چوکور چٹان ہے۔ اس کے اندر ایک قدرتی غار ہے۔ اس غار میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ ہزاروں سال سے بہہ رہا ہے۔ یہیں سے تمہیں پینے کو پانی مل جایا کرے گا۔ تمہارے کھانے کے واسطے یہ درخت اپنے تنوں میں سے ایک خاص قسم کی میٹھی گوند باہر نکالتے رہتے ہیں۔ یہ تمہیں پیرس کی سویٹ ڈشوں کی یاد دلایا کرے گی۔ اس کے سوا یہاں تمہیں کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ جزیرے پر کبھی کسی پرندے کا بھی گزر نہیں ہوتا۔ یہاں خرگوش اور چوہے بھی نہیں ہیں۔ اگر کچھ عرصے بعد تم نے اس زندگی سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا ارادہ کیا تو تمہیں سمندر میں ڈوب کر مرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہاں کے سانپ اس سلسلے میں تمہاری مدد کو ہر وقت حاضر ملیں گے۔ کیونکہ یہ جزیرہ زہریلے قسم کے سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ آخری جملہ لکھتے ہوئے صرف یہی کہوں گا کہ تم لوگوں نے نہ جانے کتنے بے گناہ لوگوں کا مستقبل تباہ کیا ہے۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو قتل کیا ہے اور ان کے خاندان برباد کئے ہیں۔ کاش میں تمہیں اس سے زیادہ ہولناک سزا دے سکتا۔"

تحریر پڑھ کر مادام کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ وہ وہیں ریت کی ڈھیری پر بیٹھ گئی۔ اچانک اسے کسی مرد کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ دہشت کے مارے مادام کی بھی چیخ نکل گئی۔ اس نے دیکھا کہ لوپن بے تحاشا دوڑتا چلا آ رہا ہے۔ "سانپ! سانپ!"

مادام بھی سمندر کی طرف دوڑ پڑی۔ دونوں آگے پیچھے ایک چٹان پر چڑھ گئے اور ہانپتے ہوئے ایک دوسرے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگے۔

"مادام! تم؟"

"ہاں لوپن!"

"یہ سب کیا ہے مادام؟"

وہ خوف کے مارے نیچے اور دائیں بائیں دیکھ رہے تھے۔ نیچے ایک سبز رنگ کا موٹا سانپ اپنا پھن اوپر اٹھائے انہیں دیکھتے ہوئے پھنکاریں مار رہا تھا۔ مادام نے کاغذ لوپن کی طرف بڑھایا اور اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "میں تباہ ہو گئی ہوں۔ میں تباہ ہو گئی ہوں۔"

لوپن نے خط پڑھا تو اس کی آنکھیں دہشت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ نیچے سانپ ابھی تک پھن اٹھائے ان کی طرف دیکھ کر پھنکار رہا تھا۔ جب سانپ وہاں سے ہٹا تو ان دونوں کی جان میں جان آئی۔ لوپن نے بتایا کہ جزیرے کی دوسری جانب اس نے کتنے ہی سانپ دیکھے ہیں۔

"لوپن! یہ سب کچھ مجھے کوئی طلسم لگ رہا ہے۔" پھر اس نے ساری بات بیان کی کہ کس طرح کوئی شخص اس کی شکل میں آکر اسے فارم ہاؤس لے گیا جہاں وہ پہلے ہی سے رسیوں میں جکڑا موجود تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص تمہاری ہو بہو شکل بنا کر آ جائے؟ میں نے غور سے دیکھا تھا۔ وہ بالکل تم ہی تھے۔"

لوپن نے کہا۔ "مادام! وہ میں کیسے ہو سکتا تھا؟ میں تو آپ سے اجازت لے کر سیدھا اپنے گھر گیا۔ لباس تبدیل کر کے ٹیلیفون کر کے فلائٹ میں سیٹیں بک کروانے والا تھا کہ مجھے چکر آیا اور بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو فارم ہاؤس کے تہ خانے میں بندھا پڑا تھا اور آپ کے ساتھ میرا ہم شکل اندر آیا تو میں دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔"

مادام نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیچے دیکھا۔ "سانپ نیچے نہیں ہے۔ چلو نیچے چل کر بیٹھتے ہیں اور یہاں سے فرار کی کوئی ترکیب سوچتے ہیں۔ یہ ماڈرن سائنس کا زمانہ ہے۔ کوئی نہ کوئی جہاز اس جزیرے کے قریب سے ضرور گزرتا ہو گا۔"

وہ چٹان سے اتر کر ساحل سمندر کی ریت پر بیٹھ گئے۔ یہاں موسم گرم

نے کہا۔ "اس گرم موسم سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ٹراپیکل جزیرہ ہے۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ یہ کون آدمی تھا جس نے میرا روپ بدلا اور پھر ہمیں اتنی دور اس ویران جزیرے میں بھی پھینک گیا۔"

مادام کہنے لگی۔ "مجھے تو یہ سلمان کوئی جادوگر لگتا ہے یا پھر اس کے پاس کوئی طلسم ضرور ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" لوپن بولا۔

"ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایئرپورٹ پر کسٹم والوں کی آنکھوں کے سامنے اٹیچی کیس میں سے ہیروئن غائب کر دے۔ مجھے ہنری نے واشنگٹن سے فون پر بتایا تھا کہ اس نے دوربین لگا رکھی تھی اور اس نے اپنی آنکھوں سے کسٹم انسپکٹر کو اس میں انگلی ڈال کر ہیروئن چکھتے دیکھا تھا۔"

"سوال یہ ہے کہ اگر سلمان کے پاس اتنا طاقتور طلسم موجود ہے تو پھر اس نے اٹیچی کیس وصول کرتے ہوئے مجھے کیوں نہ بتا دیا کہ اس میں تو ہیروئن ہے یا پھر اسے کیا ضرورت تھی کہ ہنری کو ساتھ لئے ڈاؤن ٹاؤن میں فرضی اسمگلر کا مکان پھرے؟"

لوپن سر کھجانے لگا۔ "میری تو عقل جواب دے گئی ہے مادام۔"

مادام نے کہا۔ "خیر یہ باتیں تو بعد میں سوچتے رہیں گے پہلے یہ بتاؤ کہ یہاں سے فرار کس طرح ہوا جائے؟"

"خدا جانے یہ کون سا سمندر ہے۔ کون سا جزیرہ ہے۔" لوپن جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ "میں تو جزیرے کی دوسری طرف بے ہوش پڑا تھا۔ ویسے مادام یہ سارا جزیرہ ...ہے اور جیسے بد شکل درخت یہاں پر ہیں میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ یہ کوئی ...سمندر نہیں ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ ہم جنوبی ایشیا کے کسی جزیرے میں ...ہیں۔"

"یہ رام کہانی کیا لے بیٹھے ہو۔" مادام نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر لوپن کو ...مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہاں سے ہم کیسے نجات حاصل کر سکتے ہیں؟"

لوپن نے اٹھ کر دور حد نگاہ تک سمندر پر ایک نگاہ ڈالی پھر پلٹ کر جزیرے

کے درختوں کی طرف دیکھا۔ ٹہلتا ہوا تھوڑی دور گیا۔ پھر مادام کے پاس آ کر بیٹھ
اور جیب سے سگار نکال کر سلگایا۔ "میرے پاس صرف یہ ایک ہی سگار رہ گیا ہے۔"

"تمہیں سگار کی پڑی ہے۔ میں کہتی ہوں کہ ہم یہاں کھائیں گے کیا؟ ج
شخص نے بھی یہ تحریر کیا ہے اس کے مطابق اب ہمیں ان درختوں کی گوند پر گزا
کرنا پڑے گا۔"

لوپن نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس شخص کی ایسی کی تیسی مادام —— وا
ہوتا ہے ہمیں یہاں جلا وطن کرنے والا تم فکر نہ کرو۔ کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور ہ
دماغ میں آ جائے گی اور پھر ہمیں سب سے پہلے یہاں آگ جلا کر دھواں کرنا
تاکہ اگر کوئی جہاز ہمارے اوپر سے یا کوئی بحری جہاز ہمارے قریب سے گزرے ت
شور مچا کر یا دھواں پھیلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر سکیں۔" انہوں نے اس
خشک گھاس اور گری پڑی لکڑیاں جمع کر کے ایک جگہ آگ روشن کر دی۔ مادا
کہا۔ "مجھے تو بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ مگر میں وہ گوند نہیں کھاؤں گی۔ میں
نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر مادام رونے لگی۔ لوپن نے اسے حوصلہ دیا اور بولا۔
چوکور چٹان کے غار میں ہو گا مگر ہمارے پاس تو کوئی برتن بھی نہیں ہے۔"

جب پیاس نے مادام کو بہت زیادہ تنگ کیا تو وہ لوپن کو ساتھ لے کر سا
ساتھ ساتھ چلتی جنوب میں واقع چوکور چٹان کے پاس آ گئی۔ یہ چٹان زمین
بلند تھی اور اوپر سے بالکل سپاٹ تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد انہیں اندر
راستہ مل گیا۔ مادام اندر جاتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ "اندر ضرور سانپ ہوں
شخص ہمارا دشمن ہے۔ وہ ہمیں ہلاک کرنا چاہتا ہے۔"

لوپن نے غار کے کھلے منہ کے ساتھ کان لگایا تو اسے اندر سے پانی
آواز سنائی دی۔ "مادام! اندر پانی موجود ہے۔" وہ گرتے پڑتے غار میں
گئے۔ ایک جگہ غار کی چھت پر سے پانی کی دھار نیچے گر رہی تھی۔ لوپن
اور بولا۔ "پانی میٹھا ہے۔"

دونوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور غار سے باہر نکل آئے۔ باہر نکلتے ہی
سات سانپوں نے خیر مقدم کیا۔ مادام چیخ مار کر لوپن سے لپٹ گئی۔ لوپن

پر پتھر مارے تو سانپ ادھر ادھر بھاگ گئے۔ "وہ بدبخت ٹھیک کہتا تھا۔"

"کون؟" مادام نے پوچھا۔

"وہی جس نے یہ ذلیل خط لکھا ہے اور جو ہمیں یہاں پھینک گیا ہے مگر سوال
یہ پیدا ہوتا ہے مادام کہ وہ شخص ہمیں یہاں کیسے لے کر آیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ
نہیں ہو سکتا۔ آج کل جادو ٹونہ کہاں چلتا ہے بھلا؟ یہ خلائی شٹل کا زمانہ ہے۔"

مادام نے مردہ لہجے میں کہا۔ "مگر یہ سب کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔"

وہ بے بسی کے عالم میں سمندر کی طرف چل پڑی۔ لوپن ہاتھوں میں پتھر لئے
پیچھے چل رہا تھا کہ راستے میں کسی طرف سے کوئی سانپ نہ نکل آئے۔ دن ڈھلنے
مادام اور لوپن سمندر کے کنارے پتھروں پر سر جھکائے بیٹھے گہری سوچ میں گم

"لوپن! جزیرے کے اندر جا کر دیکھ۔ وہاں ضرور کوئی پھلدار درخت ہو گا اب
مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔"

"بھوک تو مجھے بھی لگی ہے مادام۔ میرا خیال ہے درخت کی گوند کو آزما کر دیکھنا
ہے۔" اتنا کہہ کر لوپن اٹھ کر تھوڑے فاصلے پر ایک درخت کے پاس گیا۔ اس کے
جھک کر دیکھا۔ واقعی اس کے تنے میں سے سنہری رنگ کی گوند نکل کر انڈے
شکل میں جمع ہو رہی تھی۔ اس نے تھوڑی سی گوند لے کر چکھی۔ وہ میٹھی تھی اور
ذائقہ بھی خوشگوار تھا۔ وہ گوند کے تین چار انڈے اتار کر مادام کے پاس لے
آیا۔

"مادام! یہ سچ مچ میٹھی اور مزے دار ہے۔ لو تم بھی کھا کر دیکھو۔"

پہلے تو مادام کسی صورت اسے ہاتھ لگانے کو تیار نہ ہوئی مگر جب لوپن کو بڑے
مزے لے کر کھاتے دیکھا تو اس نے بھی تھوڑی سی گوند لے کر چکھی۔ اسے بھی
اچھی لگی۔ گوند کے انڈے کھانے سے ان کی بھوک مٹ گئی۔ مادام بولی۔ "اب
کیا پھر ہمیں اس غار میں جانا پڑے گا جہاں سانپ ہماری جان لینے کے واسطے پھر
رہے ہیں؟"

لوپن نے کہا۔ "مادام! تم یہیں بیٹھو۔ میں درخت کے چوڑے پتوں کو جوڑ کر

دونا' سا بنا لیتا ہوں۔ خود غار میں جا کر پانی پی لوں گا اور تمہارے لئے دونے میں پانی بھر لاؤں گا۔"

مادام نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہیں لوپن مجھے اکیلے میں ڈر لگے گا میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

وہ ایک بار پھر غار کی طرف گئے مگر وہاں سبز رنگ کے سانپوں کو پھنکارتے دیکھ تو سر پر پاؤں رکھ کر واپس بھاگ آئے۔ دن ڈھل گیا' سورج سمندر میں غروب ہو گیا جزیرے پر اندھیرا چھا گیا' درختوں پر کسی پرندے کی آواز تک پیدا نہیں ہو رہی تھی درخت یوں ساکت تھے جیسے پتھر بن گئے ہوں' سمندر کی طرف سے جو ہوا چل رہی تھی وہ بھی بند ہو گئی تھی' مادام نے کہا۔ "اب کیا کریں رات کہاں بسر کریں گے مجھے تو ابھی سے جزیرے پر بھوت اترتے محسوس ہو رہے ہیں۔"

لوپن نے ایک چٹان کی طرف غور سے دیکھا جو ساحل سمندر پر آدھی پانی میں ڈوبی ہوئی تھی وہ کہنے لگا۔ "میرا خیال ہمیں اس چٹان پر رات بسر کرنی چاہئے اس کے اردگرد پانی ہے وہاں تک سانپ نہیں پہنچ سکیں گے۔"

مادام نے جھنجلا کر کہا۔ "تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ سانپ پانی میں نہیں تیرتے؟ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس جزیرے کے سانپ ہوا میں بھی اڑ سکتے ہیں۔"

لوپن بولا۔ "تو پھر اس سے زیادہ محفوظ جگہ مجھے اس جزیرے میں اور کوئی نہیں آتی درختوں کی شاخیں زمین سے اتنی اونچی ہیں کہ ہم رسوں کی مدد سے بھی ان پر نہیں چڑھ سکتے۔"

جوں جوں رات گہری ہو رہی تھی جزیرے کی خاموشی میں ایک ہولناک ڈر کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا' مادام کو سخت ڈر لگ رہا تھا مگر وہ بے بس تھی ناچار لوپن کے ساتھ چٹان کی طرف چل پڑی' گھٹنے گھٹنے پانی میں سے گزر کر وہ چٹان کے اوپر آ گئے لوپن نے یہاں پڑے پتھر وغیرہ صاف کر کے مادام کے سونے کے لئے جگہ بنائی ڈرتے ڈرتے کہا۔ "مادام! یہ آپ کا بستر ہے میں چٹان کی دوسری طرف جاؤں گا۔" مادام کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر روئے مگر جانتی تھی کہ رونے سے حاصل نہیں ہو گا' آسمان پر ستارے چمکنے لگے لوپن مادام کے سامنے بیٹھ گیا

ار بجھا کر رکھا ہوا تھا اسے جلایا اور لائٹر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس میں گیس بھی تھوڑی رہ گئی ہے۔" پھر اس جانب دیکھا جہاں انہوں نے گھاس وغیرہ اکٹھی کر آگ کا دھواں کر رکھا تھا وہاں بھی آگ بجھ رہی تھی دھواں ہلکا پڑ گیا تو لوپن بولا۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں چٹان پر آگ جلا لینی چاہئے اور اس آگ کو بجھنے نہیں دینا ہئے میں ابھی گھاس' پتے اور سوکھی لکڑیاں لے کر آتا ہوں۔"

مادام نے اسے بہت روکا کہ صبح دیکھا جائے گا رات کا وقت ہے اندھیرے میں پوں کا خطرہ ہے مگر لوپن چٹان سے اتر گیا اس نے درختوں کے نیچے جا کر سوکھی اس خشک جھاڑیوں کے علاوہ ایک گرے ہوئے سوکھے درخت کا بڑا تنا بھی کاندھے اٹھا لیا چٹان پر آ کر اسے پھینکا تو اس کا سانس پھول رہا تھا۔ "یہ درخت کا تنا کافی دیر جلتا رہے گا۔"

پھر اس نے درخت کے ٹکڑے کے اوپر گھاس پھوس سوکھے پتے اور جھاڑیاں یں اور لائٹر سے آگ روشن کر دی' دیکھتے دیکھتے گھاس اور سوکھا جھاڑ جھنکار جل وہاں اردگرد روشنی ہو گئی لوپن بولا۔ "اس کا یہ فائدہ بھی ہو گا کہ آگ کی وجہ کوئی درندہ وغیرہ بھی ادھر نہیں آئے گا اور ایک طرح سے یہ لائٹ ہاؤس کا کام دے گا۔"

سمندر ہوا میں نمی تھی جس کی وجہ سے ہلکی ہلکی خنکی ہو گئی تھی مادام نے وہ پہنا تھا جس لباس میں وہ لوپن' نقلی لوپن کے ساتھ فارم ہاؤس گئی تھی چونکہ میں سردیوں کا موسم تھا اس لئے یہ لباس گرم تھا دن کے وقت مادام نے گرم اتار رکھا تھا اب خنکی محسوس ہوئی تو اسے اپنے جسم کے گرد لپیٹا لیا۔ لوپن بھی ٹ پہنے ہوئے تھا اس نے رین کوٹ کے کالر چڑھا لئے تھے کہنے لگا۔ "مادام! ت لگے ہے کہ ہم یہاں درختوں کی گوند پر زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکیں کچھ وقت نکال بھی لیا تو سانپ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اب یہی ایک گی ہے کہ کوئی تجارتی یا کوئی جنگی جہاز ادھر سے گزرے اور ہم اسے ریڈ طرح دھوئیں کا سگنل دیں اور اگر ہماری قسمت اچھی ہوئی تو وہ ہماری مدد کو ے ہمارے سر کے اوپر سے جو بھی طیارہ گزرے گا وہ اتنی بلندی پر ہو گا کہ

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم اسے دکھائی دیں۔"

مادام آگ کے سامنے سمٹ کر بیٹھی خاموشی سے لوپن کی باتیں سن رہی تھی
اس وقت اسے یہ شخص زہر لگ رہا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے وہ اس مصیبت میں
پھنسی تھی اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ مار مار کر لوپن کا بھرکس نکال دے مگر وہ ایسا نہیں
کر سکتی تھی ایک قسم کے تحفظ کا احساس بھی تھا کہ ایک مرد اس کے ساتھ ہے ہو سکتا
ہے یہ ذات شریف اسے اس مصیبت سے باہر نکال دے اگرچہ اسے لوپن سے کسی
قسم کی جواں مردی اور ہمت کی توقع نہیں تھی اس قسم کے جذبے پیرس کی رنگینیوں
نے اس کی زندگی سے ختم کر دیئے تھے اب وہ کسی کی اولاد کو قتل کر سکتا تھا اس کا
خون کروا سکتا تھا اسے کسی بھیانک مصیبت میں ڈال سکتا تھا مگر خود کسی کو مصیبت سے
نہیں نکال سکتا تھا اس نے بیزاری سے لوپن کی طرف دیکھا اور بولی۔ "مجھے نہیں
امید کہ ادھر سے کسی بحری کمپنی کا تجارتی جہاز یا کوئی جنگی جہاز گزرے اور اگر گزرے
بھی تو یہاں کیا لینے آئے گا یہ گوند کے انڈے لینے؟"

لوپن سگار کے چھ سات کش لینے کے بعد اسے ایک بار پھر سنبھال کر جیب میں
رکھ لیا اچانک انہیں دور سمندر میں روشنیاں جھلملاتی نظر آئیں' مادام جلدی سے
کھڑی ہوئی۔ "یہ ضروری کسی بحری جہاز کی کشتیاں ہیں خدا نے ہماری دعائیں
لیں۔"

"ہاں! ان کا جہازن یہاں سے دور ہو گا۔ شاید وہ یہاں کچھ لینے آ رہے ہیں
ہمیں آگ کو زیادہ روشن کر دینا چاہیے۔"

اور لوپن نے درخت کے تنے کو ایک طرف سے ہلا ہلا کر آگ کو مزید بڑھا
روشنیاں قریب آئیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشعلیں ہیں مادام نے مشکوک انداز میں
"مگر جہاز کے ملاحوں نے مشعلیں کیوں جلا رکھی ہیں ان کے پاس تو ٹارچیں
چاہئیں۔"

لوپن بڑے غور سے سمندر کے اندھیرے میں قریب آتی مشعلوں کو دیکھ
پھر اسے مشعلوں کی روشنی میں کچھ عجیب سے ڈراؤنے چہرے نظر آئے
حلق خوف سے خشک ہو گیا وہ فوراً" سمجھ گیا کہ یہ جنگلی لوگ ہیں اور آگ جلا

طرف آ گئے ہیں۔ جب اس نے اپنے اس خیال کا اظہار مادام سے کیا تو وہ
ے مارے کانپنے لگی۔ "کہیں یہ آدم خور جنگلی نہ ہوں۔"

لوپن نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"
کشتیاں مزید قریب آ گئی تھیں اب انہیں جنگلی لوگوں کے رنگے ہوئے چہرے
علوں کی روشنی میں ان کے سیاہ جسم صاف نظر آ رہے ہیں وہ چلاتے ہوئے
ے چپو چلاتے ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے مادام نے کپکپاتی ہوئی آواز میں
ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

اور وہ دونوں تیزی سے چٹان سے اترے گھٹنے گھٹنے پانی میں سے گزرتے
ے کے درختوں کی طرف دوڑ پڑے اتنی دیر میں جنگلی لوگ انتہائی برق رفتاری
ی کشتیوں کو لے کر ساحل پر پہنچ گئے انہوں نے دونوں یعنی مادام اور لوپن کو
ں کی طرف دوڑتے دیکھ لیا تھا وہ نیزے لہراتے عجیب عجیب قسم کی آوازیں
ان دونوں کے پیچھے دوڑے ابھی لوپن اور مادام درختوں کے درمیان پہنچے ہی
جنگلیوں نے انہیں گھیرے میں لے کر پکڑ لیا' مادام کی چیخ نکل گئی' لوپن بھی گھبرا
ں وقت اسے خیال آیا کہ کاش اس کے پاس پستول ہوتا وہ پستول جس سے وہ کئی
ں کا خون کر چکا تھا جنگلیوں کی شکلیں بڑی ڈراؤنی تھیں جسم نیم عریاں تھے صرف
ے ساتھ گھاس کی جھالریں بندھی ہوئی تھیں چہرے پر عجیب و غریب رنگوں کی
مشعلوں کی روشنی میں چمک رہی تھیں وہ دونوں کو پکڑ کر اس چٹان کے پاس
ئے جس پر آگ ابھی تک روشن تھی۔ وہ آپس میں تیز تیز آوازوں میں کسی
ی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مادام اور لوپن کے ہاتھ پاؤں
ں سے باندھ ڈالے لوپن نے اشاروں' کنایوں اور اپنی زبان میں انہیں بہت
کہ ہم لوگ بے گناہ ہیں ہم شہروں کے رہنے والے ہیں ہمارا جہاز تباہ ہو گیا تھا
م بڑی مشکل سے تیر کر یہاں پہنچے ہیں مگر ان کی کوئی سن ہی نہیں رہا تھا' جنگلی
توں میں اور اپنے کام میں لگے ہوئے تھے دیکھتے دیکھتے انہوں نے ساحل پر ایک
دائرہ سا بنا کر مشعلیں وہاں گاڑ دیں ان میں ایک ہٹا کٹا جنگلی ان کا سردار تھا اور

وہی انہیں تمام ہدایات دے رہا تھا۔ مادام پر لرزہ طاری تھا اس نے روتے ہوئے کہا
"لوپن! یہ ہمارے ساتھ کیا کرنے والے ہیں؟"

لوپن نے اپنے دل میں کہا وہی جو ہم آج تک دوسرے لوگوں کے ساتھ کرتے رہے' میڈم مگر یہ بات اس نے مادام سے نہیں کہی سردار کے حکم سے چار آدمی لاؤ کر چٹان پر گئے اور وہاں سے جلتا ہوا درخت کا تنا اٹھا کر لے آئے یہ جلتا ہوا تنا ریت میں چھوٹا سا گڑھا کھود کر رکھ دیا گیا اس کے اوپر مزید لکڑیاں ڈالی گئیں آگ تیزی سے بھڑک اٹھی' سردار نے ہاتھ کا اشارہ کیا دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے لوپن کو بازوؤں سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے آگ کے پاس لے آئے لوپن سمجھ گیا کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے وہ ہاتھ پاؤں چلانے اور عجیب بے ڈھنگی آوازیں نکال کر جنگلی سردار سے رحم کی بھیک مانگنے لگا' مادام کا چہرہ زرد ہو چکا تھا وہ جانتی تھی کہ لوپن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور یہی کچھ اس کے بعد اس کے ساتھ بھی پیش آنے والا تھا گڑھے میں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے' سردار پر اور کسی بھی دوسرے جنگلی پر لوپن کی آہ و فریاد کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا ایک جنگلی لوہے کی سلاخیں لے کر لوپن کے قریب آ کر بیٹھ گیا ایک جنگلی ہاتھ میں چھرا پکڑے اس کے سر پر آ کھڑا ہو گیا مادام تھر تھر کانپ رہی تھی لوپن کی آواز نہیں نکل رہی تھی' دائیں بائیں سر مارنے لگا دہشت اور موت کے خوف سے اس کی آنکھیں جیسے ا
رہی تھیں۔

سردار نے اشارہ کیا یہ موت کا اشارہ تھا دیکھتے دیکھتے لوپن کے جسم کے دس ٹکڑے کر دیئے گئے پھر ان ٹکڑوں کو لوہے کی سلاخوں پر چڑھا کر آگ پر رکھ دیا مادام نے آنکھیں بند کر لی تھیں اس کے خشک ہونٹ تھر تھرا رہے تھے سردار نے دوسرا اشارہ کیا دو جنگلی مادام کی طرف دوڑے۔ مادام کے ہاتھ کھول دیئے گئے اسے بازوؤں سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے سردار کے پاس لے آئے۔ سردار نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اپنے ساتھ پتھر پر بٹھا لیا اور اس کی طرف دیکھ کر اپنے میڑھے زرد دانت نکال کر ہنسنے لگا۔ مادام کی جان بخشی ہو گئی تھی۔ سردار نے بطور اپنی بیوی کے پسند کر لیا تھا۔ اب اس کی ایک نئی زندگی شروع ہونے والی

ایسی تاریک اور وحشی زندگی جس میں اس کی دوسری نسل نے آدم خور بننا تھا۔ آدم خور وحشیوں نے وہیں ضیافت اڑائی اور پھر کشتیوں میں بیٹھ کر اپنے جزیرے کی روانہ ہو گئے۔ کشتیوں میں مشعلیں روشن تھیں۔ سردار نے مادام کو اپنے ار رکھا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کی طرف دیکھ کر دانت نکال رہا تھا۔

اب ہم ان جنگلی آدم خوروں کے ماحول سے نکل کر پیرس شہر کے شہری اور آدم خوروں کی طرف چلتے ہیں۔ مادام کے حکم سے سلمان کو لوپن نے شہر کے ران گودام کے تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا۔ رات کو سلمان اس ٹھنڈے تہہ یں دو کمبل اوڑھ کر ٹھٹھرتے ہوئے سونے کی کوشش کرتا رہا۔ رات کے پچھلے ر کہیں اس کی ذرا سی دیر کو آنکھ لگی۔ سردی لگنے سے اس کی آنکھ کھلی تو نکل آیا تھا۔ دوپہر تک سلمان وہاں تہہ خانے میں سردی میں سکڑ کر پڑا رہا۔ پھر آدمی آیا اور اسے بلیک کافی کا مگ اور تھوڑی ڈبل روٹی دے گیا۔ ڈبل روٹی کے گرم کافی پینے سے سلمان کی جان میں جان آئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مادام نے حکم دیا تھا کہ سلمان کی بیوی سمیرا کو دوسری بار اغواء کرنے کی کوشش کی اور پھر وہ ڈرامہ وقوع پزیر ہوا جس پر شاید ہی کوئی یقین کرے۔ دن ڈھل رہا تھا مان کو محسوس ہوا کہ اس پر غنودگی چھا رہی ہے۔ پہلے روز ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ مجھا کہ شاید بھوک اور سردی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ اس لئے بہتیرا جاگتے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو رہی تھیں۔ پھر اس کا سر ایک جھک گیا اور وہ سو گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو گرم کمرے کی فضا میں ریشمی کمبل کے کو کر وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے فلیٹ کے بیڈ کو نہ پہچانتا۔ اس نے کمبل پرے پھینکا اور ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ دن ڈھل چکا باہر اور سڑک کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسے ہو گیا؟ اس کے ہونٹوں پر اپنے آپ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا۔ "یاقوت بھائی تمہارا شکریہ۔"

اس نے اٹھ کر اسی وقت سمیرا کو فون کر دیا۔ سمیرا کچن میں ہنری کے لئے

ہوئے آلوؤں کو نیم گرم پانی سے دھو رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ تولیے
ہاتھ پونچھتی ٹیلیفون کی طرف بھاگی۔

"ہیلو۔" اس کا خیال تھا کہ نتاشا کا فون ہو گا۔ دوسری طرف سے سلمان
آواز آئی۔ "سمیرا میں سلمان بول رہا ہوں۔"

سمیرا نے خفگی کے انداز میں کہا۔ "تو پھر میں کیا کروں؟ امریکہ میں تمہیں
یاد کیسے آ گئی؟"

سلمان نے کہا۔ "سمیرا میں امریکہ میں نہیں ہوں میں پیرس میں ہوں اور
صاحب کے فلیٹ سے بول رہا ہوں۔"

سمیرا کو خوشی ضرور ہوئی تھی کہ سلمان امریکہ سے واپس آ گیا ہے مگر وہ
سے ناراض بھی تھی کہنے لگی۔ "ظاہر ہے تم اکیلے نہیں ہو گے۔"

سلمان کی آواز آئی۔ "خدا کے لئے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو سمیرا۔"

"تمہیں سمجھنے کے بعد ہی ایسا کہہ رہی ہوں۔"

سلمان نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں ابھی تمہاری طرف
ہو رہا ہوں۔ فلائٹ نہ ملی تو بس میں آ جاؤں گا خدا حافظ۔" سمیرا ٹیلیفون کا
رکھتے ہوئے مسکرا دی اسے سلمان کے امریکہ سے واپس آ جانے کی بڑی خوشی
اسے یقین تھا کہ یہ اس کی محبت ہی تھی جو سلمان کو امریکہ سے کھینچ کر اس کے
واپس لے آئی وہ لپک کر کچن میں آئی۔ آلوؤں کو ویسے ہی تسلے میں رہنے دیا فرج
سے مرغی کا پیکٹ نکال کر اسے گرم پانی کی دھار کے نیچے رکھ دیا پھر عقبی کھڑکی
کھول کر ہنری کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہنری آ گیا۔ سمیرا نے اسے بتا
سلمان امریکہ سے واپس پہنچ چکا ہے اور گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں یہاں پہنچ جائے گا
ہنری خوش ہوا ساتھ ہی حیران ہو کر بولا۔ "مادام! تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں
امریکہ گیا ہوا تھا؟"

اب سمیرا کو یاد آیا کہ واقعی اس نے سلمان کے امریکہ جانے کے بار
ہنری کو بالکل نہیں بتایا تھا۔ فرط جذبات میں وہ بھول ہی گئی تھی کہ ہنری سے
کا ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا کہنے لگی۔ "اصل میں وہ ایک ہفتے کے لئے ہی گیا تھا

بتائی۔"

سلمان دو گھنٹے کے بعد سمیرا کے پاس بیٹھا تھا سمیرا نے ابھی اس سے بالکل
پوچھا تھا کہ وہ امریکہ کیا کرنے گیا تھا اور اب اچانک کیوں واپس آ گیا ہے سلمان
بھی اسے زیادہ تفصیل سے کچھ نہ بتایا تھا۔ رات کا کھانا انہوں نے مل کر کھایا پھر
وہ بیڈ روم میں آئے تو سلمان نے سمیرا کو اپنے پاس بٹھا لیا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ
لے لیا اور بولا۔ "مجھے تمہارے آگے ایک اعتراف کرنا ہے سمیرا اور میں یہ
راف اس یقین کے ساتھ کروں گا کہ تم مجھے معاف کر دو گی کیونکہ یہ بات تم بھی
طرح سے جانتی ہو کہ میں نے دنیا میں صرف تم سے ہی محبت کی ہے۔"

سمیرا خاموش تھی مگر وہ یہ سننے کو بے تاب تھی کہ سلمان اس کے آگے کس
کا اعتراف کرنے والا ہے۔ سلمان ابھی تک تمہید باندھ رہا تھا۔ سمیرا نے بات
ئے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتا دو کہ تم کس بات کا اعتراف کرنا چاہتے ہو؟"

سمیرا کو یہی خیال تھا کہ وہ ایما کی بات کرے گا سلمان نے سگریٹ ایش ٹرے
بجھایا اور سمیرا کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تم سے کچھ
چھپاؤں گا وہ باتیں بھی تمہیں بتا دوں گا جو مرد' خاص طور پر شادی شدہ مرد اپنی
یوں کو کبھی نہیں بتاتے ------"

اور پھر سلمان نے کھلے ذہن اور صاف دلی سے سمیرا کو شروع سے لے کر آخر
ایما سے اپنے رومانس اور مادام جوزیفائین کے ساتھ اپنے تعلقات اور اس دوران
رے ہوئے تمام ہولناک واقعات بتا دیئے تب سمیرا کو گزری ہوئی وہ رات یاد آ گئی
دو بدمعاش اسے اغواء کرنے کی نیت سے آئے تھے اور عین وقت پر یاقوت نے
اسے بچا لیا تھا اور ان دونوں جرائم پیشہ غنڈوں کو جہنم رسید کیا تھا اسنے بھی
سلمان کو ساری بات بیان کر دی مگر ساتھ یہ بھی کہا۔ "سلمان میرے دل میں یہ کبھی
خیال ہی نہیں تھا کہ تم کسی دوسری عورت کے لئے اتنے دیوانے ہو جاؤ گے۔"

سلمان کہنے لگا۔ "ایما کے معاملے میں تم اسے میری کمزوری کہہ سکتی ہو میں
ضرور بھٹک گیا تھا مگر جہاں تک مادام جوزیفائین کا تعلق ہے وہاں مجھے تمہارا اور
ہونے والے بچوں کا مستقبل کا زیادہ خیال تھا۔"

سمیرا نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "جن لوگوں کو اپنے بچوں کے مستقبل کا خیال ہوتا ہے کیا وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں بھلا؟"

"بس مجھ ایک موقع ملا تھا سوچا امریکہ میں ایک نئی زندگی شروع کریں گے پر تو تمہیں بھی وہاں بلا رہا تھا۔"

سمیرا خاموش رہی سلمان کہنے لگا۔ "ویسے سمیرا! یاقوت اگر اس موقع پر پہنچ میرے اٹیچی کیس میں سے ہیروئن نہ غائب کرتا تو اس وقت میں کسی امریکی جیل میں ہوتا میرا سارا کیریئر تباہ ہونے والا تھا۔"

سمیرا کا دل یاقوت کی محبت اور اس کے لئے احسان بھرے جذبات سے لبریز گیا اس نے آنکھیں بند کرلیں اور کہا۔ "یہ اس کا ہم دونوں پر احسان ہے سلمان!"

"کیوں نہیں سمیرا۔ مگر تم نے یاقوت کے بارے میں مجھے کبھی تفصیل سے نہیں بتایا۔"

سمیرا نے سانس بھر کر کہا۔ "مجھے خود اس کے بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں ہے جتنا معلوم تھا اتنا تمہیں بتا دیا ہے لیکن ان باتوں کو ہمیں بھول جانا چا میں چاہتی ہوں اب جتنی جلدی ہو سکے ہمیں واپس پاکستان پہنچ کر اپنی شادی زندگی کا باقاعدہ ایک پلاننگ کے ساتھ آغاز کرنا ہوگا۔"

"کیوں نہیں میں تو خود اس ماحول سے اکتا گیا ہوں اب میرا یہاں ذرا بھ نہیں لگتا صبح ہی میں خواجہ صاحب کو فون کر کے کہوں گا کہ وہ دو ایک دن میں فلائٹ پر ہماری پاکستان کے لئے سیٹیں بک کرا دیں۔"

سمیرا کو یوں لگا جیسے اس کے سینے پر سے کسی نے بہت بڑا بوجھ ہٹا دیا ہو سوچ کر اس کا دل بھر آیا کہ اس خوشگوار انقلاب میں بھی یاقوت نے بڑا اہم کر کیا تھا اگر وہ واشنگٹن کی ایئرپورٹ پر سلمان کی مدد نہ کرتا تو واقعی میری زندگی ہو گئی تھی سلمان قید ہونے سے کبھی نہیں بچ سکتا تھا وہ نصیحت بھی نہیں بھو اس کے بعد یاقوت نے اسے قاتل قسم کے پیشہ ور غنڈوں کے حملے سے بچ انہیں ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا یہ وہ احساسات تھے جنہیں سمیرا کبھی نہیں بھلا اس نے اپنے دل میں یاقوت کو یاد کرتے ہوئے صرف ایک ہی جملہ بڑے

کہا۔ "یاقوت! کیا تم اب مجھے کبھی نظر نہیں آؤ گے؟" ہو سکتا ہے سمیرا کے دل گہرائیوں سے نکلے ہوئے محبت کے اس جملے کو یاقوت نے سن لیا ہو ہو سکتا ہے کے دل پر بھی چوٹ لگی ہو اس کا دل بھی سمیرا کی یاد میں اس کے پاس آکر بیٹھنے سے باتیں کرنے کے لئے تڑپ کر رہ گیا ہو مگر سمیرا کو یاقوت کی ایک لمحے کے لئے خوشبو نہیں آئی۔

یاقوت ان دونوں کے درمیان نہیں تھا۔

اگلے روز سلمان نے خواجہ صاحب کو پیرس فون کیا اور کہا کہ انہوں نے پیرس کی سیر و سیاحت کرلی ہے اب وہ واپس اپنے وطن جانا چاہتے ہیں خواجہ صاحب نے کہا۔ "جیسے تمہاری مرضی میں کل کی فلائٹ میں ہی دو سیٹیں کنفرم کروا دیتا ہوں یہ مشکل کام نہیں ہے۔"

سلمان نے کہا۔ "اتنی جلدی نہیں کل تک تو ہم پیرس ہی پہنچ سکیں گے آپ بعد کی بکنگ کرا لیجئے گا۔"

سمیرا سلمان کے قریب ہی کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں کافی کی پیالی تھی سلمان ریسیور رکھا تو سمیرا نے پوچھا۔ "کیا کہہ رہے تھے خواجہ صاحب؟"

سلمان نے ساری بات بتائی اور کہا۔ "دو دن بعد ٹھیک رہے گا کیا خیال ہے میرا مطلب ہے کہ کل شام تک تو ہم پیرس پہنچ کر کچھ شاپنگ وغیرہ ہی کر سکیں"

"تو کیا تمہارا ارادہ یہاں آج رات ٹھہرنے کا ہے؟" سمیرا کے اس سوال پر اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "پہلے تھا اب نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ کی جو مرضی بیگم کے غلام کی مرضی۔" اور وہ ہنس پڑا سمیرا نے کافی کی پیالی سلمان کے ہاتھ تھمائی اور مسکرا کر کچن کی طرف چل دی۔

سمیرا اسی روز قصبے آرلس سے پیرس کی طرف روانہ ہو جانا چاہتی تھی مگر اس خوشگوار موسم والے قصبے میں ایک دن اور ایک رات ضرور گزارنا چاہتا تھا کے اعصاب مختلف قسم کے اذیت ناک تجربات سے گزرنے کے بعد شل ہو چکے انہیں کھلی قصباتی فضا میں سکون پہنچانا چاہتا تھا۔ سمیرا گھر سے باہر نہیں جانا

چاہتی تھی مگر سلمان اسے مجبور کر کے قصبے کے ریستوران میں کھانا کھانے لے گیا سمیرا کو یہ بھی خیال تھا کہ وہاں اگر روڈولف سے آمنا سامنا ہو گیا تو فرانسیسی مزاج سے مجبور ہو کر اس سے ضرور بے تکلف ہونے کی کوشش کرے گا اور سمیرا کو یہ بات بالکل پسند نہیں تھی خاص طور پر جبکہ سلمان بھی اس کے ساتھ ہو جس بات سے ڈرتی تھی وہی بات ہوئی انہیں ریستوران میں بیٹھے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ روڈولف ریستوران میں داخل ہوا اس نے دروازے میں سے ہی سمیرا کو دیکھ لیا تو

وہ سیدھا سمیرا کی میز کی طرف آیا اور جھک کر سمیرا کی تعظیم کیا اور سلمان سے ہاتھ ملایا۔ فرنچ میں سمیرا سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اگر میں غلط نہیں سمجھا تو یہ تمہارا خوش قسمت خاوند ہے۔"

اتنی فرانسیسی زبان اب سلمان ابھی سمجھنے لگا تھا۔ اس نے اس دراز قد بھورے گھنگریالے بالوں والے پینٹر ٹائپ آدمی کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ سمیرا روڈولف کا آنا اچھا نہیں لگا تھا مگر وہ خواہ مخواہ سلمان کو کسی شک میں مبتلا نہیں چاہتی تھی اس نے سلمان سے روڈولف کا تعارف کروایا اور کہا۔ "مسٹر روڈولف مشہور مصور پال گوگیں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ایک عرصے سے ان کا خاندان پیرس میں آباد ہے۔"

سلمان کے دل میں روڈولف کے بارے میں ذرا سا بھی شک پیدا نہ ہوا وہاں اس قسم کی مجلسوں میں پینٹروں سے تعارف ہوتے ہی رہتے تھے اور یہ کوئی بات نہیں تھی سلمان نے روڈولف کو کھانے میں شریک ہونے کے لئے کہا تو روڈولف بولا۔ "شکریہ موسیو! پھر کبھی سہی۔"

جاتے ہوئے جو روڈولف نے جھک کر سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو سلمان یہ اچھا نہ لگا اس کے خیال میں سمیرا کو روڈولف کو اس کی اجازت نہیں دینا چاہئے سمیرا نے سلمان کو چہرے کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ اسے روڈولف کا ہاتھ تھامنا نہیں لگا تھا سمیرا نے وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں نہیں میں ایک روز دوپہر کو سیب کے باغ میں تصویر بنا رہی تھی کہ یہ شخص میری رنگ دیکھ کر آ گیا تھا اور ان کی تعریف کرنے لگا اس نے بتایا کہ میں بھی

نے اسے کبھی لفٹ نہیں دی۔"

"مگر وہ تو تم سے کافی بے تکلفی کا اظہار کر رہا تھا۔"

سمیرا کو سلمان کی یہ بات کافی ناگوار گزری اس نے ترش ہو کر کہا۔ "تو کیا را خیال ہے کہ میں اس شخص سے محبت کرنے لگی ہوں؟" سلمان نے سگریٹ جلا کہا۔ "اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

سمیرا کے بدن میں جیسے شعلہ سا بھڑک اٹھا۔ اس شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ کی وفاداری اور پارسائی پر شک کرے جبکہ یہ شخص خود پیرس اور امریکہ میں ری عورتوں کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھاتا رہا ہے مگر سمیرا نے ضبط کیا صرف اتنا ا۔ "سلمان! آئندہ کبھی ایسی بات نہ کہنا میں تم سے اور صرف تم سے محبت کرتی ں اور میری تمام وفاداریاں اور محبتیں صرف تمہارے اور تمہارے لئے ہیں۔"

مگر سلمان ایک روایتی مرد تھا۔ مشرقی مرد تھا ایک غیر مرد نے اس کی بیوی کا لے عام ہاتھ تھاما تھا وہ اسے کیسے فراموش کر سکتا تھا اس میں اتنی جرات تو نہیں تھی ہیں روڈولف کو گولی مار کر ہلاک کر دیتا وہ صرف اتنا ہی کر سکتا تھا کہ سارا غصہ کمزور مشرقی عورت پر اپنی وفا شعار بیوی پر نکالے اس کے دل میں روڈولف کے رے میں شک پیدا ہو چکا تھا اور مرد کو عورت پر شک ہو جائے تو پھر اسے مٹانا اتنا سان نہیں ہوتا روڈولف کونے والی میز پر بیٹھا تھا اور سمیرا کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا ا سلمان بھڑک کر اٹھا اور یہ کہہ کر غصے میں باہر نکل گیا۔ "بہتر ہے کہ تم روڈولف کے ساتھ ہی کھانا کھاؤ۔"

سمیرا نے جلدی سے پرس میں سے پیسے نکال کر کھانے کا بل ادا کیا اور سلمان
کے پیچھے تیز تیز قدموں سے گئی۔ باہر آئی تو پارکنگ میں ان کی گاڑی نہیں تھی۔
سلمان گاڑی میں بیٹھ کر جا چکا تھا۔ خنک رات دھندلے آسمان پر ستاروں کا زیو
سجائے جیسے ساکت ہو کر کھڑی تھی۔ سمیرا ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گی۔ اسے روڈولف
سخت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے اس کا ہاتھ کیوں تھاما؟ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگی
اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کیوں نہ لیا۔ سلمان آخر ایک روایتی مشرقی مرد ہے اور اس
خاوند بھی ہے۔ وہ اگر روڈولف کی یہ حرکت برداشت نہیں کر سکا تو اس میں اس
کوئی قصور نہیں۔ ہمارے ماحول میں اس قسم کی باتوں سے مردوں کے دل میں ہزا
قسم کے شکوک پیدا ہو جاتے ہیں ہماری ریت روایت ہی ایسی ہے۔
سمیرا یہی سوچتی پیدل ہی اپنے مکان کی طرف جا رہی تھی۔ اس کی ایک جا
کچھ فاصلے پر دریا بہہ رہا تھا۔ جدھر سے مرطوب ہوا آ رہی تھی وہ ایک ٹیلے کا
گھومی تو اسے دور اپنے مکان کی روشنی نظر آئی۔ صرف کچن اور بیڈروم کی بتیاں
رہی تھیں۔ سمیرا تھکے تھکے قدم اٹھاتی ٹیرس کی پتھریلی سیڑھیاں چڑھ کر برآمد
آ گئی۔ گاڑی نیچے ایک جانب سائبان کے نیچے کھڑی تھی۔ سلمان گھر آ چکا تھا
پہلے کچن میں آئی بوڑھا ہنری کافی بنا رہا تھا اس نے سمیرا کی طرف دیکھ کر آہستہ
کندھے ہلائے بولا ”موسیو بیڈروم میں ہیں پی رہے ہیں۔ میں کافی بنا کر لے
ہوں۔“

سمیرا نے آگے بڑھ کر ہنری سے ٹی کوزی لے لی اور کہا۔ ”ہنری! تم جا کر
لو۔“ سمیرا نے ٹرے میں رکھی کافی کی چینک پر ٹی کوزی جمائی اور ڈرائنگ
ں سے گزرتی ہوئی بیڈروم کے دروازے پر آ کر رک گئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا
ر روشنی ہو رہی تھی سمیرا نے خدا سے دعا مانگی اور کہنی سے دروازے کو ذرا
ل کر بیڈروم میں داخل ہو گئی۔ اس نے سلمان کو دیکھا کہ جوتوں سمیت پلنگ
ں پھیلائے نیم دراز ہے۔ ایک ہاتھ میں بھرا ہوا گلاس ہے۔ دوسرے ہاتھ میں
سلگ رہا ہے۔ چہرے کی سرخی اور آنکھوں کی دھندلاہٹ بتا رہی تھی کہ اس
ڑے وقت میں زیادہ چڑھا لی ہے۔ سمیرا نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور سلمان
ے دیکھا۔ سلمان بھی اس کو گھورے جا رہا تھا۔
”سلمان! آئی ایم سوری! مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے روڈولف کو اتنی اجازت
ی چاہئے تھی لیکن یقین کرو۔۔۔۔۔!“
سلمان نے چیخ کر کہا۔
”شٹ اپ۔“ پھر اس طرح زبان اپنے منہ کے اندر پھیرنے لگا جیسے اس نے
ڑوی چیز نگل لی ہو۔ سمیرا اگرچہ سلمان کی نشے کی حالتوں سے واقف تھی مگر آج
کچھ زیادہ ہی چڑھی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ سلمان کو اس حالت میں نہیں دیکھنا
تی جبکہ یہ سب کچھ محض اس کی حماقت کی وجہ سے ہوا تھا وہ کافی بنانے لگی۔
”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے سلمان قسم لے لو تمہارے مقابلے میں‘ میں نے
س کوئی اہمیت نہیں دی۔ تم مجھے ایسی عورت سمجھتے ہو؟؟“
اصل میں سمیرا کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے وہ کافی کی پیالی
جوں ہی پلنگ کے پاس گئی سلمان نے زور سے ہاتھ مار کر پیالی دور پھینک دیا
ر کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ تھوڑی سی گرم کافی سمیرا کے ہاتھ پر گری مگر وہ
جلدی سے پیچھے ہٹ کر کہا۔ ”ہوش میں آؤ سلمان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟؟“
پنے زور میں پلنگ سے اٹھا مگر گر پڑا۔ سمیرا اسے سنبھالنے لگی تو سلمان نے
دھکا دے کر گرا دیا۔ سمیرا کو غصہ آ گیا۔ وہ سلمان کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑنا
ی مگر سلمان کی حالت دیکھ کر رک گئی۔ وہ لڑکھڑا بھی رہا تھا اور واہی تباہی بھی

بکے جا رہا تھا اسے سلمان پر بھی رحم آیا وہ اسے بستر پر لٹانے کی کوشش کرنے لگی سلمان کے ہاتھ سے گلاس گر چکا تھا سگریٹ ابھی تک اس کی انگلیوں میں تھا سلمان کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اسے پلنگ کی طرف لے جانے لگی تو سلمان نے ا بالوں سے پکڑ کر دھکا دیا۔ پھر اس کو مارنے لگا۔ سمیرا اٹھ کر دروازے کی طر دوڑی۔ سلمان نے پھلوں کی پلیٹ میں سے چھری اٹھالی سمیرا کی چیخ نکل گئی۔ سلما اس کے پیچھے دوڑا مگر گر پڑا میز کو پکڑ کر اٹھا اور غصے میں بولا۔ "زندہ نہیں رہنا چا تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں جاؤ اپنے یار کے پاس جاؤ۔ میں اس کو بھی قتل دوں گا اس کو بھی قتل کر دوں گا------"

وہ کبھی انگریزی، کبھی اردو اور کبھی پنجابی میں چیختے جا رہا تھا۔ سمیرا اتنی دیر بیڈروم سے بھاگ کر ڈرائنگ روم میں سے ہوتی ہوئی مکان کے برآمدے میں تھی۔ سلمان چھری اٹھائے اس کے پیچھے ڈگمگاتا چلا آ رہا تھا۔ سمیرا باغیچے میں بوڑھے ہنری کے کوارٹر میں آ کر گھس گئی۔ ہنری جاگ رہا تھا۔ وہ بیڈروم ساری دہشت ناک آوازیں سن رہا تھا وہ پلنگ سے اٹھ بیٹھا سمیرا نے فرانسیس کہا۔ "وہ مجھے قتل کرنے آ رہا ہے۔"

ہنری نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا سلمان برآمدے کی روشنی میں پاگلوں کی طرح سمیرا کو آوازیں دیتا رہا۔ انگریزی میں اسے گالیاں اور دھمکیاں آہا۔ ہنری نے سمیرا کی طرف پلٹ کر کہا۔ "مادام! تم آرام سے بیٹھو میں ا سنبھالتا ہوں۔"

ہنری باہر نکل گیا سلمان مدہوشی کی حالت میں برآمدے کی آرام کرسی تھا۔ چھری اس کے ہاتھ سے گر چکی تھی آنکھیں بند تھیں ہنری اس کے قر سلمان بڑبڑا رہا تھا۔ وہ پنجابی میں کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نشے نے حواس کو اب پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ہنری نے سہارا دے کر کرسی پر سے اٹھایا اور آہستہ آہستہ چلاتا اندر بیڈروم میں لے جا کر بستر پر کمبل اوپر ڈالا اور دروازے کو باہر سے چٹخنی لگا دی۔

سمیرا بوڑھا ہنری کے کوارٹر میں پرانے صوفے کے کونے میں دونوں

چھپائے اپنی بد قسمتیوں پر آنسو بہا رہی تھی۔

بوڑھا ہنری کمرے میں داخل ہوا تو سمیرا کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔ ہنری میز پر سے پائپ اٹھا کر سلگایا اور بڑے شفقت آمیز لہجے میں فرانسیسی میں کہنے لگا۔ ی بی! تم اپنے آپ کو کیوں رلاتی ہو؟ سب ٹھیک ہو جائے گا میں جانتا ہوں تم مشرقی عورتیں اتنی آسانی سے شادی کا رشتہ نہیں توڑا کرتیں۔ اس لئے تو میں رہا ہوں کہ حوصلہ رکھو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ اس نے زیادہ پی لی ہے میں نے سلا دیا ہے تم بھی جا کر آرام کرو۔"

بوڑھے ہنری کی باتوں سے سمیرا کو تھوڑا سا حوصلہ ہوا اس نے جیب سے نکال کر اپنے آنسو پونچھے اور ہنری کا شکریہ ادا کر کے کوارٹر سے باہر چلی گئی۔

ڈرائنگ روم کی بتی جل رہی تھی اس نے آہستہ سے دروازہ بند کر کے اندر چٹخنی لگائی پھر بتی بجھا دی بیڈروم کے بند دروازے کے نیچے سے روشنی نکل رہی یرا نے بند کواڑ کے ساتھ کان لگائے اندر سے سلمان کے خراٹوں کی آواز آ ہی اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہیں پلنگ پر پڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اگلے دن سمیرا تو جلدی اٹھ بیٹھی مگر سلمان دیر تک سویا رہا۔ سمیرا بار بار م میں جا کر دیکھ آتی۔ سلمان بے سدھ پڑا سو رہا تھا اس نے بیڈروم کی ساری ا کو سلیقے سے لگا دیا تھا اور سلمان کے واسطے گریپ فروٹ کا جوس اور ناشتے کا بھی بالکل تیار رکھا تھا۔ کافی دن چڑھ آیا جب سلمان نے کروٹ بدلی اور پھر کھول کر دیکھا۔ سمیرا کھڑکی کے پاس والی میز پر گلابوں کی سفید کلیاں سجا رہی ں نے سلمان کو کروٹ بدلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ پہلے تو اس سے نظریں چراتا رہا پھر آنکھیں بند کر کے دوسری طرف کروٹ لے را کو اس خیال سے بڑی تسکین ہوئی کہ سلمان کو اپنے اس سلوک پر ندامت ہو رہی ہے جو رات اس نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ وہ پلنگ پر بیٹھ کر سلمان ں کو آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔ "پہلے کافی پیو گے یا گریپ فروٹ کا جوس لا

سلمان کو بھی حوصلہ ہوا کہ سمیرا نے اسے معاف کر دیا ہے حقیقت میں اسے

کچھ یاد نہیں تھا کہ رات اس نے سمیرا کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا صرف خواب کی طرح یاد آ رہا تھا کہ اس نے اسے دھکا دیا اور پھر اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچا تھا۔ وہ دل میں بڑا نادم تھا اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمیرا سے محبت کرتا تھا وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہا سمیرا اس کے بالوں کو سہلاتی رہی۔ اسے بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے آپ کو ملامت بھی کرتا۔ وہ چاہتا تھا کہ سمیرا اسے برا بھلا کہے۔ مگر سمیرا الٹا اسے پیار کر رہی تھی سلمان کے دل میں سمیرا کی محبت اور عزت بڑھ گئی اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو خوب گالیاں دیں اور فیصلہ کر لیا کہ اب وہ کبھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا سمیرا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ سلمان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس سے معافی مانگنی شروع کر دی۔

"مجھے معاف کر دو سمیرا مجھے کچھ یاد نہیں مجھے رات کیا ہو گیا تھا مگر خدا کے لئے تم بھی دوبارہ کبھی ایسی بات نہ ہونے دینا۔ آخر وہ کون لگتا ہے تمہارا؟ نہیں ! میری جان تمہیں اس کمینے کو کبھی اتنی اجازت نہیں دینی چاہئے تھی کہ وہ میرے سامنے تمہارا ہاتھ——"

سمیرا کچھ کہنے لگی تو سلمان نے اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ " وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ٹھیک ہے تم مجھے معاف کر دو۔ میں بھی اس وا بھول جاتا ہوں۔"

سمیرا نے پہلے ہی سلمان کو معاف کر دیا تھا اگر ایسی بات نہ ہوتی تو وہ کبھی کے لئے پھلوں کا جوس تیار نہ کرتی کبھی بیڈروم میں نہ جاتی۔ وہ جانتی تھی کہ کے مقابلے میں مردوں کا اپنا ایک پرائیڈ ہوتا ہے جس کو مجروح ہوتا وہ نہیں دیکھ

سمیرا نے مسکراتے ہوئے سر کو آہستہ سے ہلا کر کہا۔ "میں تو بھول چکی ہوں۔"

سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر دونوں نے وہیں بیٹھ کر ناشتہ کیا ابھی تک ناشتہ نہیں کیا بوڑھے ہنری کو بھی ان کی صلح پر بڑی خوشی ہوئی دوسری بار کافی لینے کچن میں آئی تو وہ پائپ کا دھواں چھوڑتے ہوئے مسکرا کر میں نے کہا تھا نا——— سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور وہ بڑا خوش خوش کیتلی میں گرم پانی انڈیلنے لگا اب سمیرا اس قصبے سے نکل تی تھی ان کا پروگرام رات کے وقت نکلنے کا تھا مگر سمیرا اصرار کرنے لگی کہ ہم رکی چائے پی کر چل پڑیں گے۔ سلمان کا دل بھی یہاں سے بیزار ہو گیا تھا چنانچہ نے پیرس میں خواجہ صاحب کو فون کر دیا کہ ہم چار بجے سہ پہر یہاں سے روانہ ہے ہیں۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے گھر پر اکٹھے کھایا پھر تھوڑی دیر آرام کیا سہ پہر ئے کے دوران ہنری نے ان کا تھوڑا بہت سامان جو تھا وہ گاڑی میں رکھ دیا تھا ے چار بجے وہ قصبہ آرلس سے چل پڑے۔ سمیرا خود گاڑی چلا رہی تھی۔ پیرس پہنچتے انہیں رات ہو گئی۔ پیرس میں ہلکی ہلکی برف گر رہی تھی۔ وہ سیدھے اپنے ر آ گئے وہاں سے خواجہ صاحب کو گھر پر فون کر کے بتا دیا کہ ہم پیرس پہنچ گئے ہرانے ان سے جہاز کی سیٹوں کے بارے میں پوچھا۔ خواجہ صاحب کہنے لگے۔ " خراب ہے کل شاید کوئی سیٹ نہ مل سکے میرا خیال ہے پرسوں ضرور کسی نہ کسی میں سیٹیں کنفرم ہو جائیں گی۔"

میرا کہنے لگی۔ "میں اور سلمان کل صبح آپ کے آفس آئیں گے وہاں پوری ے گے۔ آپ کتنے بجے آفس آ جاتے ہیں؟" خواجہ صاحب بولے۔ "موسم ہے دس گیارہ بجے تک ہی اسٹاف کے آدمی آتے ہیں تم لوگ میرے مکان پر ں آ جاتے؟"

او کے۔ یہ ٹھیک رہے گا۔ میں اور سلمان کل دن کے دس بجے آپ کے پہنچ جائیں گے خدا حافظ انکل۔"

میرا نے ریسیور رکھ دیا دوسری طرف ایک اور آدمی نے بھی ریسیور آہستہ سے اس آدمی کا نام آئزک تھا وہ اینگلو انڈین تھا۔ برصغیر میں پیدا ہوا تھا اور بمبئی سال رہ چکا تھا۔ ایک عرصے سے وہ پیرس میں مقیم تھا اور مادام جوزیفائین کے جرائم پیشہ گروہ کے ساتھ وابستہ تھا لوپن اور مادام کی گمشدگی یا اغواء اپنے تھیوں کے قتل کے بعد یہ بدمعاش آئزک ہی اب پیرس کے گروہ کا سربراہ تھا ساتھیوں کی تباہی کا ذمہ دار سلمان ہی کو سمجھتا تھا پیرس میں جب سلمان پر رہا تھا تو آئزک وہاں موجود تھا اس لئے وہ سلمان کی شکل و صورت اور اب

اس کی بیوی سمیرا کی شکل سے بھی واقف تھا اس نے ہی لوپن کے اشارے پر اپنے آدمیوں کو سمیرا کو اغواء کروانے کے واسطے آرلس بھیجا تھا ان آدمیوں میں آئزک کا چھوٹا بھائی بھی تھا جس کو ہلاک کر دیا گیا تھا اور جس کی لاش بھی دریا کنارے پڑی ہوئی لاشوں میں شامل تھی آئزک کو اس کا شدید صدمہ تھا اس کا خیال تھا کہ آرلس کے قصبے میں جہاں سلمان اپنی بیوی کے ساتھ مقیم ہے وہاں ان کا کوئی بڑا گروپ ہے جو ان کی حفاظت کر رہا ہے اور جس نے ان کے آدمیوں کو قتل بھی کر ڈالا ہے چنانچہ وہ اس انتظار میں تھا کہ یہ دونوں میاں بیوی کب آرلس سے پیرس پہنچتے ہیں اس نے ان دونوں کے پیرس پہنچنے پر ان کے قتل کا بڑا خوفناک منصوبہ تیار کر رکھا تھا وہ خود سمیرا اور سلمان کے پیرس والے فلیٹ کو اپنی خاص گاڑی میں بیٹھ کر دن میں ایک دو بار آ کر دیکھ جاتا تھا ایک رات وہ اپنی گاڑی میں وہاں آیا تو سمیرا سلمان کے فلیٹ کی بتیاں جل رہی تھیں اس نے فوراً گاڑی پارکنگ لاٹ میں لا کر کھڑی کی اور ڈیش بورڈ کھول کر اس کے اندر ایک بڑے طاقتور ریسیور کا بٹن اون کر کے اور کے ساتھ جڑا ہوا چھوٹا سا ایئر پلگ اپنے کان میں لگا لیا یہ ایک ایسا جدید ترین آلہ تھا کہ خاص ڈگری پر سیٹ کی ہوئی سوئی کی جانب فلیٹ میں اگر وائرلیس' کارڈ لیس فون یا ٹیلیفون پر کوئی بات کرتا تو اسے سنا جا سکتا تھا آئزک کے کان میں سمیرا کی آواز اس وقت وہ خواجہ صاحب سے اگلے روز صبح دس بجے ان کے مکان پر آنے کا طے رہی تھی جب سمیرا نے ریسیور رکھ دیا تو آئزک نے بھی ایئر پلگ کان سے نکال ریسور کے ساتھ لگایا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اس طرف آ گیا جہاں بلڈنگ مستقل رہائش رکھنے والوں کی گاڑیاں قطاروں میں لگی ہوئی تھیں آئزک گاڑی کو دھیمی رفتار کے ساتھ ان گاڑیوں کے سامنے سے گزار رہا تھا اسے سمیرا اور سلمان گاڑی کی تلاش تھی اسے معلوم تھا کہ یہ گاڑی ایئر کمپنی کی پیرس برانچ کے منیجر ان کو دے رکھی ہے آئزک نے لوپن کے ہمراہ دو بار اس گاڑی کو دیکھ رکھا تھا اسے سمیرا سلمان کی گاڑی نظر آ گئی۔

گاڑی پارکنگ کے کونے میں دو گاڑیاں چھوڑ کر کھڑی تھی۔ آئزک گاڑی کو نکال کر بڑی سڑک پر ڈال دیا وہ تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا اپنے فلیٹ

یہاں اس کا ایک جرائم پیشہ ساتھی جیکو پہلے سے موجود اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔

ہوا؟" اس نے آئزک کے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔ آئزک نے رین اتار کر صوفے پر پھینکا الماری میں سے ایک اٹیچی کیس نکال کر گھٹنوں پر رکھا بولا۔ "کل دن کے دس بجے کی ڈیڈ لائن ہے۔"

"او کے" جیکو نے اپنی انگلی سر کے قریب لا کر کہا اور کافی بنا کر لے آیا اس آئزک نے اٹیچی کیس میں سے ایک طاقتور ٹائم بم نکال کر اسے اچھی طرح کر لیا تھا۔ یہ بم لوہے کے ایک چھوٹے گول ڈبے کی شکل میں تھا اور اس قدر تھا کہ بہت زبردست تباہی پھیلا سکتا تھا آئزک نے بم کافی ٹیبل پر رکھ دیا کافی کا اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا وہ مسلسل بم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیکو نے پوچھا۔ "ان گاڑی دیکھ لی ہے نا؟"

"ہوں۔" آئزک نے کافی کا مگ میز پر نکالنے کے بعد جیب سے سگار نکال کر ا۔

"گاڑی کم از کم صبح ہونے تک تو پارکنگ میں ہی کھڑی رہے گی۔"

جیکو صوفے کے اوپر سے ہو کر آئزک کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور جھک کر ئے سے آہنی ڈبے کو دیکھنے لگا۔ "وقت پر بلاسٹ ہو جائے گا نا؟"

آئزک مسکرایا۔ "تم مجھے کیا کوئی اناڑی سمجھتے ہو جیکو؟ کیا تمہیں یاد نہیں ڈانسر ام گلوریا کی گاڑی کس قدر خوفناک دھماکے سے پھٹی تھی؟ اس کے علاوہ میں نے گاڑی میں یہ بم لگایا اس کے پرزے بھی بعد میں نہیں مل سکے۔"

"ویری گڈ۔" جیکو خوش ہوا۔

آئزک کے چہرے پر سنجیدگی اور انتقامی کیفیت تھی کہنے لگا۔ "جیکو! مجھے مادام لپن کے علاوہ اپنے بھائی کے خون کا بھی ان لوگوں سے بدلہ لینا ہے میں اپنی کھوں کے سامنے ان کے جسموں کے پرزے اڑتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا تم بھی وہاں موجود ہو گے؟"

جیکو نے تھوڑی تشویش کا اظہار کیا آئزک نے اس کی طرف دیکھا۔ "میں ن کی موت کے وقت اس کے سامنے موجود ہونا چاہتا ہوں مگر فکر نہ کرو میں

پارکنگ سے دور سڑک پر فٹ پاتھ کے ساتھ گاڑی لگا کر اندر بیٹھا ہوں گا کیا تم یہ خونی ڈرامہ دیکھنے میرے ساتھ چلو گے؟"

جیکو اس سے پہلے بھی کئی خونی ڈرامے دیکھ چکا تھا کہنے لگا۔ "ضرور چلوں گا مگر موسیو بم کا بلاسٹ ہونا یقینی ہونا چاہئے۔"

آئزک نے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تم یہ کام مجھ تک ہی رہنے دو۔ اب اس بارے میں کوئی سوال کیا تو تمہارے دانت توڑ دوں گا۔"

"او کے او کے موسیو آئزک!" جیکو نے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا

آئزک جھک کر بم کی پالش کی ہوئی چکنی سطح پر آہستہ آہستہ انگلی پھیرنے لگا۔ "بس گاڑی کی چابی گھمانے کی دیر ہو گی کہ پھر دھماکہ آگ کے شعلے۔ شعلے ہی شعلے۔ میرے بھائی کے قاتلوں کے جسم راکھ بن کر بکھر جائیں گے۔"

آئزک کے چہرے پر سنگدلانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اس نے جیکو سے کہا "یہ بم ہمیں صبح ہونے سے پہلے پہلے لگا دینا ہو گا؟"

"وہاں پارکنگ میں کوئی گارڈ نہیں ہوتا کیا؟" جیکو نے پوچھا۔

"نہیں۔" آئزک نے اطمینان سے کہا۔ "میں نے ساری تسلی کر لی ہے ا لوگوں نے پارکنگ میں کوئی گارڈ وغیرہ نہیں رکھا ہے۔"

"تب تو ہم اسی وقت جا کر یہ کام کر سکتے ہیں۔"

آئزک نے کلائی آگے بڑھا کر وقت دیکھا۔ "ابھی ہمیں کچھ دیر انتظار چاہئے رات کے ایک بجے تک وہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں پھر خاموشی چھا ہے۔" دونوں جرائم پیشہ دوست بیٹھے کھاتے پیتے اور ٹی وی پر ڈانس میوزک وغیرہ پروگرام دیکھتے رہے۔ جب رات گہری ہو گئی تو آئزک نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ جیکو۔ تیاری پکڑو۔"

انہیں کون سی تیاری کرنی تھی جیکو نے فوم کی جیکٹ پہن کر اس کا ہیٹ جما لیا آئزک نے رین کوٹ پہنا بم کو پلاسٹک کے لفافے میں بند کر کے رین کو جیب میں رکھا ایک پلاس ایک پیچ کس دوسری جیب میں ڈالا تاروں کا چھوٹا بھی ساتھ ہی تھا۔ دونوں جلدی جلدی فلیٹ سے نکل کر اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ

ن کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے سڑکوں پر برف کی ہلکی سفید تہہ چڑھ گئی گرنا بند ہو چکی تھی اور سڑکوں پر گاڑیوں کے آنے جانے سے سیاہ لکیریں پڑ ے

ہوں نے سمیرا کے فلیٹ والی عمارت کے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے ایک پر ڈالی وہاں روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ آئزک نے مسکرا کر کہا۔ "دونوں سو انہیں معلوم ہی نہیں کہ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہے۔"

زک گاڑی کو آہستہ آہستہ چلاتا پارکنگ میں دوسرے سرے پر لے گیا۔ کچھ اڑی کے اندر ہی بیٹھے رہے آئزک نے جیکو کو گاڑی کے اندر سگریٹ وغیرہ منع کر دیا۔ "کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے کہ گاڑی میں کوئی موجود ہے۔"

یکو کی نظریں قریب ہی گاڑیوں کی قطار پر لگی تھیں "ان کی گاڑی کون سی

آئزک نے بجھا ہوا سگار منہ میں ایک طرف سے دوسری طرف لے جاتے ۔ "تم بس خاموشی سے بیٹھے رہو جیکو۔"

یکو اپنی گرم جیکٹ میں مزید سمٹ گیا گاڑی کا ہیٹر بند ہو گیا تھا اور باہر کی یخ ہستہ آہستہ گاڑی کے اندر سرایت کر رہی تھی۔ آئزک کی آنکھیں اس ر لگی ہوئی تھیں جو بلڈنگ کی لابی میں شیشوں کے پیچھے روشنی میں کھڑے رہے تھے۔ آدمی نے عورت کو الوداع کہا۔ رین کوٹ پہنا اور ہاتھ ہلا کر لابی نکل آیا عورت شیشے کے ساتھ لگی اسے جاتا دیکھنے لگی۔ وہ کوٹ کے کالر اوپر تیز قدموں سے چل کر پارکنگ میں آیا اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر گھسا ند کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے پارکنگ لاٹ سے باہر نکل گئی۔ اس دوران لٹ کے ذریعے اوپر جا چکی تھی اب لابی بھی خالی تھی اور پارکنگ کے علاقے کا یخ بستہ خاموشی چھا گئی تھی۔ آئزک نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی ڈیش بورڈ پلاسٹک کا وہ لفافہ نکالا جس میں چھوٹے سائز کا طاقتور بم پڑا تھا۔

"تم گاڑی میں ہی بیٹھے رہو۔" یہ کہہ کر آئزک دروازہ کھول کر بڑے اطمینان نکلا اور رین کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چلتا فٹ پاتھ کی جانب سمیرا

سلمان کی گاڑی کے پاس آ کر رک گیا۔ اس کے پاس گاڑی کی چابی موجود تھی بڑے سکون کے ساتھ اس نے چابی لگا کر دروازہ کھولا اور گاڑی کے اندر ڈرائیونگ سیٹ بیٹھ گیا۔ اسے گاڑی کے اندر بیٹھنے کی ضرورت نہیں تھی مگر کسی دیکھنے والے پر وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ یہ اس کی اپنی گاڑی ہے اور اس کے انجن میں کوئی نقص ہو ہے۔ اندر بیٹھے بیٹھے اس نے تیز نگاہوں سے باہر کا جائزہ لیا اور پھر دروازہ کھول باہر نکل آیا۔ اس نے دروازے کو دوبارہ لاک کر دیا تھا آگے آ کر گاڑی کے بونٹ اوپر اٹھا دیا اور انجن پر یوں جھک گیا جیسے اس کا نقص دور کرنے کی کوشش کر رہا بم پہلے ہی اس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اسے معلوم تھا کہ اب اسے کیا ہے۔ بم کہاں پر لگانا ہے۔ ٹھیک جگہ پر بم رکھ کر اس نے اس کے تاروں کو انجن خاص تاروں سے جوڑا۔ ایک جگہ سیاہ ٹیپ لگائی مسکراتے ہوئے بم کو ہاتھ سے تھپتھپایا۔ بونٹ بند کر کے یوں اداکاری کی جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ پھر ادھر ادھر اور تیز تیز قدم اٹھاتا لابی کی طرف چل دیا۔ جیکو کی نظریں برابر آئزک کا تعاقب رہی تھیں۔

"یہ لابی میں کیا کرنے گیا ہے؟" جیکو نے اپنے آپ سے سوال کیا آئزک لابی میں لگے ٹیلی فون کے چار چھ غلط سلط نمبر گھما کر یوں ہی ریسیور اپنے کان سے لیا۔ پھر ہونٹوں کو سکیڑتے ہوئے ریسیور لٹکا دیا اور شیشے کا دروازہ کھول کر لابی سے آیا تیز تیز قدموں سے چل کر وہ اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور بولا۔ "سب ہے۔"

سب کام ٹھیک طرح سے انجام پا گیا تھا آئزک کو اطمینان تھا اب صرف کی چابی گھمانے کی دیر تھی ایک طرح سے اس نے سمیرا اور سلمان سے اپنے موت کا بدلہ لے لیا تھا اب کوئی معجزہ ہی انہیں موت سے بچا سکتا تھا۔ دونوں اسمگلر اپنے فلیٹ پر آ گئے۔ آئزک نے تھوڑی سی برانڈی پی اور صوفے پر اوڑھ کر لیٹ گیا جیکو اپنے لئے کافی بنا رہا تھا آئزک نے اسے آواز دے کر کہا ہمیں نو بجے سے پہلے وہاں پہنچ جانا ہو گا۔"

صبح آئزک کی آنکھ کھلی تو اس نے سب سے پہلے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے

تھے اور دوسرے صوفے پر جیکو پڑا ابھی تک خراٹے لے رہا تھا آئزک اٹھا لات مار کر جیکو کو اٹھایا اور کہا۔ "اٹھو اٹھو۔ ساڑھے آٹھ تو ہمیں یہیں بج ہے۔"

پورے سوا نو بجے وہ دونوں گاڑی لے کر اپارٹمنٹ بلڈنگ میں اس جگہ پہنچ ہاں تھوڑی دیر بعد ان کے حساب کے مطابق سمیرا اور سلمان کی گاڑی میں دھماکہ ہونے والا تھا اور ان کے جسموں کے پرخچے اڑنے والے تھے اس دفعہ نے گاڑی پارکنگ میں کھڑی کرنے کی بجائے وہاں سے تھوڑی دور ذرا اونچائی ڑک گزرتی تھی وہاں درختوں کے نیچے ایک طرف کر کے کھڑی کر دی تھی۔ وہ ے بھری تھرماس اور سینڈوچز کے لفافے ساتھ لے کر آئے تھے۔ آئزک کا غا کہ سمیرا نے ٹریول ایجنسی کے منیجر کو دس بجے آنے کا کہا ہے اس لئے وہ فلیٹ وا نو ساڑھے نو بجے کے قریب نکلیں گے۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے ند درختوں کے اوپر تک جھک آئی تھی برف نہیں گر رہی تھی مگر سردی شدید دونوں اونی سویٹروں اور گرم کپڑوں میں کسے کسائے خوب سمٹ کر گاڑی میں ینڈوچز کھاتے ہوئے گرم گرم کافی بھی پی رہے تھے۔

یہ جگہ ایسی تھی کہ وہاں سے انہیں قطار میں لگی سمیرا سلمان کی گاڑی بڑی نظر آ رہی تھی اچانک ان کی گاڑی کا بونٹ اپنے آپ اوپر اٹھ گیا۔ دونوں نے کر بونٹ کو آسمان کی طرف منہ کئے دیکھا۔ "تم نے اسے اچھی طرح بند نہیں کیا آئزک نے غصے میں جیکو سے پوچھا۔

جیکو بادل نخواستہ گاڑی سے نکلا۔ دستانے والے ہاتھوں کو رگڑتا آگے بڑھا اور اسے بونٹ کو گرا کر اسے اچھی طرح سے بند کیا اور گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ " ے ٹھیک طرح سے بند کیا تھا اب یہ گاڑی ختم ہو چکی ہے موسیو آئزک۔ اسے ں پھینک دو۔"

آئزک نے نیا سگار سلگا لیا تھا اس کی نظریں لابی کے شیشوں والے دروازے پر ئی تھیں۔ اس نے جیکو کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی کی بند فضا میں سگار پھیل گئی جیکو نے اپنے والی کھڑکی کا شیشہ ذرا سا نیچے کر دیا۔ اس نے گھڑی پر

نگاہ ڈال کر کہا۔ "ساڑھے نو بج گئے ہیں میرا خیال ہے موت کے مسافر دس بجے نیچے اتریں گے۔"

آئزک نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں برابر لابی کے دروازے پر ل تھیں جہاں سے عورتیں اور آدمی گرم کپڑوں میں ٹھنسے ٹھنسائے باہر نکل نکل کر ا گاڑیوں کی طرف جاتے گاڑی اسٹارٹ کر کے انجن کو کچھ دیر گرم ہونے دیتے ا گاڑی نکال کر اپنے اپنے کام کی طرف چل دیتے۔ آئزک بے چین ہو رہا تھا جب د بجنے میں پانچ منٹ باقی رہ گئے تو اس سے بے چینی برداشت نہ ہوئی کوٹ کے کا اٹھائے اور جیکو سے کہا۔ "تم اندر ہی بیٹھو۔ میں پتہ کر کے آتا ہوں کہیں وہ پہلے نہیں نکل گئے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا میزبان اپنی گاڑی لے کر آ گیا ہو
آئزک دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور منہ میں سگار دبائے دونوں ہاتھ کوٹ کی جی میں دیئے ہیٹ کے چھجے کو آنکھوں کے اوپر جھکائے قدم قدم چلتا لابی کی طرف آ جیکو نے آئزک کے جانے کے بعد گاڑی کا دروازہ بند کر لیا تھا اور بغلوں میں دیئے شیشے میں سے باہر دیکھ رہا تھا اس نے شیشہ چڑھا دیا تھا۔ کیونکہ باہر سے تلوا کاٹ کرنے والی سرد برفیلی ہوا اندر آ رہی تھی۔

آئزک لابی میں ٹیلیفون کے پاس آ گیا اس نے جیب سے چھوٹی سی نوٹ نکالی اور سمیرا سلمان کے فلیٹ کا نمبر تلاش کرنے لگا۔ ایک جگہ ان کا ٹیلیفون ہوا تھا۔ وہ نمبر گھمانے ہی والا تھا کہ لفٹ کا دروازہ کھلا اور سمیرا اور سلمان ہاتھو ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے باہر نکلے۔ آئزک نے جلدی سے اپنا رخ دیوار کی کر لیا۔ اس نے دونوں کو دیکھ لیا تھا مگر سمیرا اور سلمان نے اسے نہیں دیکھ سلمان آئزک کو پہچانتا تھا۔ آئزک نے تہہ خانے میں اس پر تشدد کیا تھا۔ دوا کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ آئزک نے جلدی سے ریسیور ٹیلیفون پر ر سگار منہ سے نکال کر انگلیوں میں تھاما اور شیشے کے دروازے کی طرف بڑھا میں وہ اپنی چھوٹی نوٹ بک ٹیلیفون کے ساتھ لگے چھوٹے سے لکڑی کے کاؤ بھول آیا تھا۔ لابی سے نکل کر وہ ایک طرف ہو کر سمیرا اور سلمان کو ذرا فا سے اپنی گاڑی کی طرف جاتے دیکھنے لگا۔ دوسری طرف اوپر سڑک کے کنار

ھر جیکو بھی گاڑی میں بیٹھا اضطرابی عالم میں آئزک کا انتظار کر رہا تھا کہ اس یائی جوڑے یعنی سمیرا اور سلمان کو بلڈنگ کی لابی سے نکل کر پارکنگ کی آتے دیکھا ساتھ ہی اس نے آئزک کو دیکھا کہ کچھ فاصلے پر وہ بھی چلا آ رہا تھا مجھ گیا کہ یہی سمیرا اور سلمان ہیں اس نے پہلے انہیں نہیں دیکھا تھا اور جب یہ اس گاڑی کی طرف آئے جس میں آئزک نے بم لگا رکھا تھا تو اسے یقین ہو گیا وہ بدقسمت عورت اور مرد ہیں جن کو ابھی چند سیکنڈ بعد گاڑی کے ساتھ ہی ے پھٹ کر فضا میں پرزے پرزے ہو کر بکھر جانا ہے۔ اس کے دل کی حرکت گئی۔ آئزک لابی کے گملوں والے راستے کی ایک جانب لیمپ پوسٹ کے پاس آنکھیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔ سلمان نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ اندر بیٹھ گئی۔ سلمان نے دروازہ بند کیا پھر اوپر سے ہو کر دوسرے دروازے کی آیا اسے کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر بیلٹ کاندھے پر لگائی چابی پہلے ہی کے ہاتھ میں تھی۔ آئزک کا دل لابی کے باہر کھڑے اور جیکو کا دل اوپر سڑک پر اڑی میں بیٹھے دھڑکنے لگا۔ جیکو نے غیر ارادی طور پر اپنا چہرہ کھڑکی سے ذرا نیچے یا۔ آئزک نے بھی غیر شعوری طور پر اپنا ہاتھ چہرے کے آگے کر لیا۔ مگر وہ ن کو دیکھ رہا تھا۔ سلمان نے چابی لگا کر گھمائی۔ آئزک کا دل جیسے ایک سیکنڈ کے ھہر سا گیا جیکو نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ سلمان کی گاڑی کا انجن ٹ ہو گیا اور گرر گرر کر رہا تھا۔ سلمان اسے گرم کر رہا تھا۔ جیکو نے چہرہ اوپر کھڑکی کے شیشے میں سے باہر دیکھا۔ آئزک کا ہاتھ بھی عالم حیرت میں آہستہ ہرے سے نیچے آ گیا۔ وہ بھنویں سکیڑے حیرانی سے سلمان کی گاڑی کو دیکھ رہا ک کا انجن چل رہا تھا اور جو بالکل صحیح سلامت تھے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ کوئی کہ نہیں ہوا تھا۔ کسی کے جسم کے پرزے نہیں اڑے تھے۔

"ضرور بم کا کوئی تار نکل کر گر پڑا ہے۔"

آئزک نے سوچا اور جلدی جلدی دوسری طرف سے ہو کر اوپر سڑک پر نکل یکو نے اسے آتا دیکھا تو فوراً ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھول دیا۔

"یہ کیا ہو گیا؟ بم کہاں لگایا تھا؟"

آئزک نے جیکو کو غصے میں گالی دی اور خاموش رہنے کو کہا اور سیٹ پر بیٹھتے ہی زور سے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارا۔ سمیرا اور سلمان کی گاڑی ذرا نیچے احاطے کی سڑک پر ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ آئزک غصے میں پھنکارا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میں نے خود بم صحیح جگہ پر لگایا تھا۔"

اس نے چابی نکالنے کے لئے رین کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ٹھٹھک سا گیا۔ "میں اپنی نوٹ بک ٹیلیفون کے پاس بھول آیا۔ تم یہیں ٹھہرو۔"

آئزک باہر نکل آیا۔ دو چار قدم چلنے کے بعد رکا۔ جیب سے کار کی چابی نکالی۔ گاڑی کے پاس آکر کھڑکی میں سے چابی جیکو کی طرف پھینکی اور کرختگی سے کہا۔ "تم گاڑی لے کر لابی کی طرف آؤ۔ میں وہیں کھڑا ہوں گا۔"

"او کے موسیو او کے۔"

جیکو نے چابی سنبھالی اور وہیں سے دوسری سیٹ پر سے کھسکنے کی بجائے وہ باہر نکل آیا تاکہ دوسرے دروازے سے داخل ہو کر باقاعدہ کار کے مالک کی طرح بڑی شان سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے۔ آئزک منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا اپنے آپ کو کوستا اس سے بم لگانے میں آخر کہاں غلطی ہو گئی' لابی کی طرف چلا جا رہا تھا۔ پندرہ بیس قدم آگے جا کر اپارٹمنٹ بلڈنگ کے احاطے کی طرف صاف ستھری سڑک کی طرف مڑ گیا۔ اس سڑک کی برف بلڈنگ والے خود اپنے آدمیوں سے صاف کرواتے تھے۔

ابھی وہ سڑک پر ہی آیا تھا کہ ایک خوفناک دھماکا ہوا۔ ہوا کے زبردست تھپیڑے نے آئزک کو دھکا دے کر گرا دیا۔ وہ کنارے کی گھاس پر جا کر گرا۔ وہ بھونچکا ہو گیا۔ جلدی سے اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ ذرا اوپر سڑک پر جہاں اس کی گاڑی تھی وہاں آگ کے سرخ اور زرد شعلے آتش فشاں کی طرح بلند ہو رہے تھے ان شعلوں نے اوپر درخت کو بھی آگ لگا دی تھی۔ اس کی گاڑی اس کے ساتھی جیکو کے ساتھ دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور گاڑی کے کچھ ٹکڑے سڑک پر دور دور تک پڑے تھے۔

آئزک کا منہ کھلا تھا۔ آنکھیں ساکت تھیں اور وہ پتھر کا بت بنا اپنی جا گاڑی کے شعلوں کو تک رہا تھا جس کے اندر یقیناً" جیکو کی لاش کے ٹکڑے

تھے۔ اتنے میں ایک پولیس کی گاڑی بھی شور مچاتی ہوئی آکر رک گئی۔ جلتی ی کی وجہ سے سڑک پر جو ٹریفک رک گئی تھی پولیس لوگوں کو ہٹا کر اسے بحال ی کوشش میں لگ گئی۔ آئزک نے اپنا ہیٹ سر پر جمایا۔ رین کوٹ پر لگی گیلی کو ہاتھ سے جھاڑا۔ کالر ٹھیک طرح سے جمائے اور حیران پریشان وہاں سے گیا۔ یہ کار لوپن کی تھی اس کی رجسٹریشن بھی لوپن کے نام سے ہوئی تھی۔ اس گاڑی کو اپنا ظاہر کر کے خواہ مخواہ کسی مصیبت میں نہیں پڑنا چاہتا تھا جبکہ انشورنس کی رقم کسی صورت میں بھی اسے نہیں مل سکتی تھی وہ اپنی نوٹ بکس لابی کی طرف مڑ گیا۔ بم تو اس نے سلمان کی گاڑی میں لگایا تھا۔ پھر اس کی اپنی میں دھماکا کیسے ہو گیا؟ وہاں بم کس نے لگا دیا تھا؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں تھی۔ اس لئے کہ یہ ہماری دنیا سے ماوراء کی بات تھی۔ ہم اس دنیا میں رہنے اس دنیا کے غلام' آدھی زندگی گہری نیند سو کر بسر کرنے والے انسان اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ہاں اگر سمیرا کو معلوم ہو جاتا کہ کسی دشمن نے جو ی گاڑی میں لگایا تھا وہ خود دشمن کی گاڑی میں پہنچ کر پھٹ گیا تو وہ فوراً" سمجھ کہ ایسا کیوں ہوا ہے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایسا اس کا دوست' اس سے محبت والا اس کا پہلا اور شاید آخری محبوب یاقوت ہی کر سکتا تھا مگر سمیرا کو تو کچھ ہی نہیں تھا وہ تو ہیٹر والی گاڑی میں سلمان کے ساتھ خواجہ صاحب کے رت باغیچے والے ایک منزلہ کاٹیج فلیٹ کے گیٹ پر پہنچ چکی تھی۔

خواجہ صاحب ان کا انتظار ہی کر رہے تھے سب سے پہلے ان سے پوچھا کہ ہنی کیسا رہا؟ وہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ سلمان اور سمیرا نے ان کا ادا کیا۔

"ارے بھئی میں تو وہاں کبھی کبھی ہی جاتا ہوں۔ آپ لوگوں نے میرے مکان کو باد کیا وہاں کچھ روز چہل پہل رہی۔ شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہئے آپ کا۔"

میرا نے پاکستان کے لئے اپنی سیٹوں کی کنفرمیشن کے بارے میں پوچھا تو خواجہ ب نے فوراً" ڈائری نکال کر سامنے رکھی اور بال پوائنٹ سے ایک جگہ نشان ے ہوئے بولے۔ "ویو آر لکی۔ واقعی تم لوگ جیسا چاہتے تھے تو ویسا ہی انتظام ہو گیا

ہے۔"

سمیرا بڑی خوش ہوئی۔ وہ اب ایک دن بھی فرانس میں رکنا نہیں چاہتی تھی۔ سلمان نے پوچھا۔ "کیا کوئی ڈائریکٹ فلائٹ مل گئی ہے۔"

"ایسا ہی سمجھو۔ بات یہ ہے کہ ایس اے ایس والوں کے ایک جہاز اور ایک سرکاری ڈیلی گیشن لے کر ہانگ کانگ ضروری جانا تھا۔ سمیرا جانتی ہے کہ ہم ٹریول ایجنسی والوں کا آپس والوں کا ایک دوسرے سے بڑا گہرا رابطہ ہوتا ہے۔ مجھے پتہ چلا کہ ایس اے ایس والوں کی ایک فلائٹ پیرس سے ہو کر سیدھی وایا کراچی ہانگ کانگ جا رہی ہے تو میں نے ان سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ جہاز میں دو آدمیوں کی گنجائش پیدا کی جا سکتی ہے۔ بس میں نے فوراً اپنا پورا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے تم لوگوں کے لئے اس جہاز میں دو سیٹیں کنفرم کروا دیں اور تمہارے ٹکٹ بھی تیار کر دیئے ہیں۔"

خواجہ صاحب نے میز کی دراز میں سے پیرس سے کراچی تک کے دو ہوائی ٹکٹ اور ان دونوں کے پاسپورٹ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔ "اب تو میری بیٹی سمیرا بہت خوش ہو گی۔ بھئی یہ اپنے وطن کے لئے زیادہ اداس ہو گئی تھی۔ اداس تو ہم بھی ہیں مگر کیا کریں نوکری کا معاملہ ہے۔"

سمیرا اور سلمان دونوں کو ٹکٹ دیکھ کر خوشی ہوئی کیونکہ اب سلمان کا بھی پیرس سے جی بھر گیا تھا۔ اس رنگینیوں سے بھرے ہوئے شہر میں اس نے خوشی کم تکلیفیں زیادہ دیکھی تھیں۔

"یہ کس وقت کی فلائٹ ہے۔" سمیرا نے ٹکٹ کے ورق الٹتے ہوئے پوچھا۔

"آج رات ساڑھے بارہ بجے جہاز اورلی ایئرپورٹ سے ٹیک آف کر جائے گا۔ اب تم لوگ یہیں میرے پاس ٹھہرو واپس فلیٹ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

دونوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنا سامان لینے فلیٹ پر گئے اور پھر خواجہ صاحب کے ہاں واپس آ گئے۔ شام تک وہ پیرس شہر کی مضافات کی سیر کرتے رہے۔ رات کو انہوں نے خواجہ صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔ پونے بارہ بجے وہ ایئرپورٹ پر آ گئے۔ سمیرا بڑی خوش تھی کہ وہ پاکستان اپنے گھر واپس

سلمان کو بھی پیرس چھوڑنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ خواجہ صاحب نے بڑی محبت اور شفقت سے انہیں رخصت کیا۔ ٹھیک وقت پر جہاز پیرس کے ایئرپورٹ سے ٹیک آف کر گیا۔ سمیرا نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ سلمان کا پہلے سے زیادہ خیال رکھے گی۔ اس کا دنیا میں سوائے سلمان کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اس سے پیار بھی کرتی تھی۔ جہاز کراچی پہنچا تو خوب دھوپ چمک رہی تھی۔ پاکستان کے روشن چمکیلے دن کو دیکھ کر سمیرا اور سلمان بچوں کی طرح خوش ہو رہے تھے دونوں شیشے میں سے کراچی کی عمارتوں اور ٹرمینل کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے کوئی غریب الوطن ایک مدت بعد اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے در و دیوار کو دیکھتا ہے۔ سلمان کے گھر والے اسلام آباد کے ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ سب نے سلمان کو گلے لگایا۔ سمیرا کو پیار کیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ رات سمیرا نے سلمان کے ماں باپ کے ہاں بسر کی۔ دوسرے روز وہ اپنے پہاڑی مکان پر پہنچی تو نوری اور اس کے باپ نے خوشی خوشی اس کا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے گھر کو صاف ستھرا رکھا تھا۔ سلمان بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ اپنے مکان کے درختوں اور پھولوں کو دیکھ کر سمیرا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

جس رات سلمان اور سمیرا پیرس روانہ ہوئے اس سے اگلے روز بدنام جرائم پیشہ لوپن کا ساتھی آئزک بھی ایک جہاز میں سوار ہو کر انڈیا کی طرف پرواز کر گیا۔ اس نے سمیرا اور سلمان کے گھر اور دفتر کا پورا ایڈریس معلوم کر لیا تھا۔ آئزک کو پہلے بمبئی میں اپنے ایک ساتھی اسمگلر کے ہاں جانا تھا اور اس کے بعد پاکستان پہنچ کر سمیرا اور سلمان سے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینا تھا۔ آئزک کا خون انتقام کی آگ میں کھول رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس بار وہ اپنے بھائی اور جیکو کے قاتل سمیرا اور سلمان کو ہلاک کئے بغیر فرانس واپس نہیں آئے گا۔

بمبئی آئزک کے لئے کوئی نیا شہر نہیں تھا۔

بمبئی میں اس نے اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ گزارا تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ آئزک کا اب بھی رابطہ تھا اور یورپ میں منشیات کی اسمگلنگ انہی کے ذریعے ہوتی تھی گوند ترپاٹھی اس گروہ کا سرغنہ تھا اور آئزک سے اس کے دیرینہ تعلقات تھے۔ ترپاٹھی کا بھارت حکومت کے حساس اداروں میں بھی بڑا اثر و رسوخ تھا۔ لوگوں کو دکھانے کے واسطے اس نے ایکسپورٹ امپورٹ اور مارکیٹنگ کا کاروبار کھول رکھا تھا لیکن حقیقت میں وہ ہانگ کانگ سے منشیات اسمگل کروا کے آگے پیرس میں مادام جوزیفا ئمین کے گینگ تک پہنچاتا تھا۔ بمبئی شہر کے ایک پر فضا علاقے میں سمندر کے کنارے ایک عالیشان بنگلے میں اکیلا رہتا تھا۔ آئزک نے اسے ٹیلی گرام دے دیا تھا۔ چنانچہ آئزک جب بمبئی کے ایئرپورٹ پر اترا تو ترپاٹھی اپنے ٹراپیکل سوٹ میں ملبوس اس کے خیر مقدم کے لئے موجود تھا۔ دونوں جرائم پیشہ بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملے۔ آئزک نے ترپاٹھی کی نئے ماڈل کی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ شہر کافی بدل گیا ہے۔"

ترپاٹھی گاڑی کھلی سڑک پر لے آیا اور بولا۔ "تم بہت دنوں بعد یہاں آئے ہو؟"

"کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ تم لوگ جو یہاں موجود ہو۔" آئزک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

شام کی چائے دونوں نے بنگلے کے ٹیرس پر بیٹھ کر پی جہاں سامنے کھلے سمندر میں غروب آفتاب کا منظر بڑا دلکش تھا۔ موسم پیرس کے مقابلے میں نیم گرم اور بے حد خوشگوار تھا۔ ترپاٹھی نے آئزک سے اچانک بمبئی آنے کی وجہ دریافت کی تو آئزک نے ساری روداد اسے بیان کر دی ترپاٹھی بڑا حیران ہوا۔ اسے مادام کی گمشدگی اور آئزک کے بھائی کی موت کا بھی افسوس ہوا برہم ہو کر بولا۔ "تم نے ان دونوں میاں بیوی کو اب تک زندہ کیسے چھوڑ دیا ہے؟"

آئزک سگریٹ بجھاتے ہوئے بولا۔ "ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے ہی یہاں آیا ہوں۔ اس سلسلے میں تمہاری مدد کی اشد ضرورت ہے۔"

"میں حاضر ہوں۔" ترپاٹھی نے بازو کھول کر جواب دیا۔

آئزک کہنے لگا۔ "بات یہ ہے کہ سلمان اور سمیرا پاکستان میں ہیں وہاں ہمارا لنک نہیں ہے تم جانتے ہو کہ ہمارا سارا مال ہانگ کانگ کے رستے آتا ہے پاکستان میں ویسے بھی انسداد منشیات کے قانون بڑے سخت ہیں مگر میں ان دونوں کو ہر قیمت میں قتل کرنا چاہتا ہوں مجھے بتاؤ تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

ترپاٹھی نے آئزک کا ہاتھ دبایا اور بولا۔ "مائی ڈیئر آئزک! یہ کوئی مشکل کام ہے تمہارے پاس ان دونوں کی تصویریں ہیں؟"

آئزک نے بٹوے میں سے سلمان اور سمیرا کی اکٹھی اتری ہوئی ایک تصویر ترپاٹھی کو دی۔ "تصویر کے پیچھے ان کے شہر اور دفتر کا ایڈریس بھی لکھا ہوا ہے یہ دونوں ٹریول ایجنسی میں کام کرتے ہیں۔"

ترپاٹھی نے تصویر اپنے بٹوے میں رکھ لی اور چٹکی بجا کر بولا۔ "نو پرابلم مائی ڈیئر پرابلم۔ بس سمجھ لو کہ تمہارے بھائی کا بدلہ لے لیا گیا ہے ایک ہفتے کے بعد ال پر میں تمہیں ان دونوں کی لاشوں کی تصویر دکھاؤں گا۔"

آئزک بڑا خوش ہوا کہنے لگا۔ "ترپاٹھی! مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

"تمہاری خدمت مائی ڈیئر! تمہاری خدمت! ہر وقت تمہاری خدمت اور پھر جس نے تمہارے بھائی کا خون کیا ہے اس سے بدلہ لینا ترپاٹھی اپنا فرض سمجھتا ہے۔"

"مگر۔" آئزک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "مگر تم یہ سب کچھ کس کے ذریعے کراؤ

گے؟"

"گوکل۔" ترپاٹھی نے بھنویں اوپر اٹھالیں۔ "گوکل مائی ڈیئر گوکل اس سے پہلے کئی لوگوں کو میرے اشارے پر ٹھکانے لگا چکا ہے۔ وہ پاکستان کے اسی علاقے کا رہنے والا ہے جہاں یہ دونوں میاں بیوی رہتے ہیں وہ وہاں ایک دو بار ہو آیا ہے۔"

آئزک کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔ ترپاٹھی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے خود گوکل کے ساتھ پاکستان جانا ہو گا۔"

ترپاٹھی کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا کہنے لگا۔ "آئزک! اس میں کچھ مشکلات پیش آسکتی ہیں۔"

"کس قسم کی مشکلات؟" آئزک نے پوچھا۔

"پاکستان کا بارڈر کراس کرنے کی مشکلات یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

آئزک نے کہا۔ "مگر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ گوکل کے ساتھ خود جاؤں گا۔"

ترپاٹھی چپ ہو گیا پھر بولا۔ "تو پھر گوکل کو تمہارے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے گوکل تمہیں ضروری باتیں بتا دے گا تم خود چلے جاؤ۔"

"ٹھیک ہے مگر مسئلہ وہی بارڈر کراس کرنے کا ہے۔"

ترپاٹھی نے اس کے جواب میں کہا۔ "اس کا بھی ایک طریقہ ہے۔ یہاں سے ہندو یاتریوں کی ایک ٹیم پاکستان میں اپنے مندروں کی یاترا کو جانے والی ہے میں اس میں تمہارا نام لکھوا دیتا ہوں۔ تم یاتری بن کر جاؤ۔ یہ ٹیم وہاں پندرہ دن ٹھہرے گی اس دوران تم اپنا کام کر سکتے ہو۔"

اس پروگرام کو آئزک نے پسند کیا ترپاٹھی اثر و رسوخ والا آدمی تھا۔ اس نے دو دنوں کے اندر اندر آئزک کا شام سندر کے نام سے جعلی پاسپورٹ بنوا کر یاتریوں کی فہرست میں اس کا نام بھی لکھوا دیا اس کے علاوہ آئزک کو پاکستان کے ایک شہر میں کالو نامی ایک جرائم پیشہ اسمگلر کا حلیہ اور پتہ بھی دیا اور اس کے نام ایک خط بھی لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص ہمارا خاص آدمی ہے اسے جس چیز کی ضرورت ہو اس کی مدد کرو۔ آئزک کو اور کیا چاہئے تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

چنانچہ ایک روز وہ ہندو یاتریوں کی جماعت میں شامل ہو کر پاکستان کی

ہو گیا۔ کراچی پہنچ کر وہ بڑی عیاری کے ساتھ یاتریوں کی جماعت سے الگ ہو گیا اور سلمان کے شہر کی طرف نکل گیا۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس کا قیام پاکستان میں محدود تھا اور وہ یاتریوں کی جماعت سے الگ رہ کر بارڈر نہیں کر سکتا تھا۔ جس شہر میں سمیرا کا ٹریول ایجنسی والا آفس تھا آئزک نے اسی شہر کے ایک ہوٹل میں کمرہ لے لیا اور سب سے پہلے اس بات کی تصدیق کے لئے کہ سمیرا اسی آفس میں کام کرتی ہے یا نہیں وہ سمیرا کو اپنی شکل نہیں دکھا سکتا تھا وہ اسے پہچانتی تھی۔ اگرچہ آئزک نے تھوڑا حلیہ یوں بدل رکھا تھا کہ اپنی فرانسیسی طرز پر تھوڑی سی بڑھا لی تھی لیکن اس کے باوجود سمیرا اسے پہچان سکتی تھی۔

آئزک اس وقت سمیرا کے آفس کے باہر پہنچا جب عام طور پر دفتروں میں چھٹی ہوتی ہے وہ ایک طرف کونے میں کھڑا ہو گیا۔ آفس ٹائم ختم ہو گیا تھا اور دفتر میں سے لوگ نکل نکل کر گھروں کو جا رہے تھے۔ آئزک کی تیز نظریں ٹریول ایجنسی کے دروازے پر لگی تھیں اچانک اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دروازہ کھلتے ہی اندر سے سمیرا نکلی اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھی۔ آئزک نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اور چند قدم چلنے کے بعد اس ٹیکسی میں بیٹھ گیا جسے اسمگلر کالیا کا ایک آدمی چلا رہا تھا اور ڈرائیور سے کہا۔ "گاڑی کا پیچھا کرو۔ مگر کافی فاصلے پر رہنا۔"

کالیا اسمگلر کا ڈرائیور اس قسم کی باتوں کا عادی تھا اس نے اپنی گاڑی سمیرا کی گاڑی کے پیچھے ڈال دی اور ایک مناسب فاصلے پر رکھی۔ سمیرا وہاں سے ایک اسٹور پر گئی وہاں سے سلمان کو لیا اور اپنے پہاڑی بنگلے کی طرف چل پڑی آئزک نے سلمان کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ وہ بڑا مطمئن تھا اسے اپنے بھائی کے دونوں قاتل مل گئے تھے سمیرا اور سلمان کا وہ پہاڑی بنگلہ بھی دیکھ آیا جہاں دونوں رہ رہے تھے۔ واپسی پر وہ ہوٹل میں اترنے کی بجائے سیدھا اسمگلر کالیا کے کوارٹر میں آگیا۔ یہ کوارٹر شہر سے تھوڑی دور ایک خشک برساتی نالے کے پاس دھریک کے درختوں کے ایک جھنڈ میں سب سے الگ تھلگ واقع تھا۔ کالیا یہاں محض دکھاوے کے لئے سائیکلوں کی مرمت کا کام کرتا تھا کوارٹر کے باہر ایک طرف دو تین پرانی سائیکلیں کھڑی تھیں۔

درخت کی ایک شاخ پر کچھ پرانے ٹائر بھی لٹک رہے تھے۔ جس کی وجہ سے وہاں
تک پولیس کی نظروں سے بچا ہوا تھا اس کی ایک پرانی ٹیکسی بھی تھی جسے اس کا ملازم
آدمی چلاتا تھا۔ آئزک کو کالیا کے کوارٹر میں اتارنے کے بعد ڈرائیور ٹیکسی لے کر چلا
گیا۔ کالیا نے آئزک کو آتے دیکھ لیا تھا وہ اسے کوارٹر میں لے گیا آئزک نے کہا۔
میں نے اپنے دشمن اور اس کی بیوی کو دیکھ لیا ہے۔"

کالیا گلاس میں مشروب ڈال رہا تھا۔ "اب تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے آئزک کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ آئزک اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں آج رات ان دونوں کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" کالیا نے گلاس آئزک کی طرف بڑھا دیا۔

"مجھے تمہاری گاڑی اور ریوالور چاہئے۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں۔" کالیا نے کہا۔

آئزک نے سوچا کہ کالیا کے ساتھ جانا ٹھیک رہے گا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی یہاں کا باشندہ ہے۔ معاملے کو سنبھال لے گا۔ کالیا نے اپنا ایک نوکر بھیج کر منگوا لی یہ وہی ٹیکسی تھی جس پر بیٹھ کر آئزک وہاں آیا تھا۔

جب رات گہری ہو گئی تو وہ دونوں گاڑی لے کر سلمان سمیرا کے بنگلے کی چل پڑے۔ گاڑی کالیا کا ڈرائیور چلا رہا تھا اس وقت سمیرا اور سلمان بیڈروم رہے تھے۔ سلیمان اور اس کی بیٹی نوری بھی کچن کے ساتھ والی کوٹھری میں تھے۔ رات سرد اور خاموش تھی۔ پہاڑی علاقے میں رات کو ویسے ہی سناٹا ہے۔ آئزک نے گاڑی سلمان کے بنگلے سے تھوڑی دور ایک طرف کھڑی اس نے ریوالور کو ٹارچ کی روشنی میں چیک کیا اسے جیب میں ڈالا اور کالیا تم اسی جگہ ٹھہرو گے میں ان کا کام تمام کر کے یہیں آؤں گا۔ فائر کی آواز اسٹارٹ کر دینا۔"

کالیا نے آہستہ سے کہا۔ "ایک بار پھر سوچ لو۔ میرا خیال ہے مجھے ساتھ چلنا چاہئے۔"

"نہیں نہیں دوست۔" آئزک نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "یہ کا

ں گا۔"

آئزک گاڑی سے نکلا اور سڑک کے کنارے اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں کے ساتھ ہوا سمیرا کے بنگلے کے باہر آ گیا گیٹ کی بجائے اس نے دوسری جانب سے پانچ نچی پتھر کی دیوار پار کی اور باغیچے کی باڑ کے پاس بیٹھ کر غور سے برآمدے کی یکھنے لگا۔ برآمدے میں ہی بتی جل رہی تھی باقی کمروں میں اندھیرا تھا۔ وہ ے قدم اٹھاتا برآمدے کی دوسری جانب آ گیا۔ یہاں اس نے ستاروں کی ہلکی شنی میں باتھ روم کا عقبی دروازہ پہچان لیا۔ یہ بیڈروم کا باتھ ہی ہو سکتا تھا اس وچا اور جیکٹ کی جیب سے لوہے کی ایک پتلی سی سلاخ نکال لی۔ آئزک ہر قسم لے کھولنے میں ماہر تھا۔ باتھ روم میں ولایتی تالے میں اس نے سلاخ ڈال کر بڑی مہارت سے تین چار بار گھمایا تالا کھل گیا سلاخ جیب میں رکھنے کے بعد نے انتہائی احتیاط سے دروازے کو کھول دیا اور باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

ہاں اندھیرا تھا۔ روشندان میں سے تاروں کی دھیمی دھیمی روشنی میں وہ اس کی طرف بڑھا جو بیڈروم میں کھلتا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ یہ دروازہ بھی طرف سے مقفل ہو گا۔ اس نے اپنی تسلی کے لئے اس کا گول دستہ ذرا سا دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ آئزک نے یہاں بھی سلاخ نکال کر تالے اخ میں ڈالی اور اسے آہستہ آہستہ گھمانے لگا۔ یہ دروازہ یوں آسانی سے کھل دوسری طرف کسی نے خود ہی کھول دیا ہو۔ آئزک کو ایک لمحے کے لئے ہوا جیسے کسی نے دوسری طرف سے دروازے کو تھوڑا سا اپنی طرف کھینچا ہے ریوالور نکال لیا بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی بیڈروم میں داخل ہوتے ہی اس نے شن کر دی۔

ٹارچ کی روشنی میں اسے پلنگ خالی نظر آیا۔ وہ روشنی ادھر ادھر ڈال کر دیکھنے را اور سلمان بیڈروم میں نہیں تھے وہ بیڈروم کے دروازے کی طرف بڑھا اس تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں ہی سو گئے ہوں۔ مگر ڈرائنگ کی خالی تھا وہ سائیڈ روم کی طرف بڑھا تو اسے باغیچے میں سے کسی مرد اور کے ہلکے قہقہوں اور باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں ایک لمحے کے لئے

ساکت ہو گیا۔ یہ سمیرا اور سلمان کی آوازیں تھیں۔ وہ باغیچے میں اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ یہ سوچ کر آئزک تیزی سے سائیڈ روم کے عقبی دروازے سے باہر آ گیا۔ یہاں کسی نے دیوار کے ساتھ لگی بتی پہلے سے روشن کر دی تھی آئزک نے روشنی میں سمیرا اور سلمان کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھاس پر ٹہل رہے تھے۔

آئزک نے ریوالور والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور پہلے سلمان کا نشانہ لیا اس نے ٹریگر دبا دیا مگر ریوالور جام ہو چکا تھا ٹریگر اپنی جگہ پر جما رہا آئزک نے پریشان ہو کر ریوالور کو ایک دو جھٹکے دیئے اور دوبارہ فائر کرنے کی کوشش کی مگر ریوالور پھر بھی نہ چلا۔ اتنے میں سلمان نے آئزک کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا۔ ”آئزک تمہارا ریوالور نہیں چلے گا۔“

آئزک ایک قدم پیچھے ہٹا اور پھر بنگلے کی دیوار کی طرف دوڑا۔ وہ کالیا کے پاس جا کر اس سے دوسرا ریوالور لینا چاہتا تھا کالیا نے اسے دوڑ کر آتے دیکھا تو گاڑی سے باہر نکل آیا۔ ”کیا بات ہے؟“

آئزک نے ہانپتے ہوئے قریب آ کر کہا۔ ”ریوالور جام ہو گیا ہے اپنا پستول دو۔“

کالیا نے اپنا پستول آئزک کو دے دیا جوں ہی آئزک گھوما سامنے سے سمیرا سلمان ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بے فکری سے چلے آ رہے تھے۔ کالیا نے خنجر نکال ٹیکسی ڈرائیور بھی اپنا پستول نکال کر گاڑی سے باہر آ گیا سلمان قریب آ گیا اس سمیرا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”سمیرا! تم نے انہیں پہچانا نہیں؟ یہ آئزک ہے نے ہمیں پیرس میں ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی تھی اب یہ ہمیں ہلاک کر کامیاب کوشش کرنے یہاں آیا ہے۔“

کالیا نے غصے میں آئزک سے کہا۔ ”دشمن تمہارے سامنے ہے فائر کیوں کرتے؟“

آئزک نے اوپر تلے تین چار فائر کر دیئے ایک گولی سلمان کو اور ایک گو کو لگی۔ مگر وہ اپنی جگہ پر کھڑے رہے اسی طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالے سلمان ”سمیرا! میرے خیال نے ان کی گولیاں نشانے پر نہیں لگیں۔ ہمیں ان کے قر

ئے۔“ اور وہ دونوں ٹیکسی کی طرف بڑھے اس وقت کالیا نے لپک کر اپنے رے پستول لے لیا اور دھڑا دھڑ فائر کیا آئزک نے بھی ریوالور کی باقی گولیاں یں۔ سلمان اور سمیرا صرف چند قدم کے فاصلے پر ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑے گولیاں سب کے سامنے ساری کی ساری انہیں لگی تھیں مگر وہ اسی طرح کھڑے رہے تھے اب آئزک اور کالیا پر دہشت طاری ہونے لگی تھی وہ بھاگ کر ٹیکسی م گئے۔

گاڑی نکال کر لے جاؤ جلدی کرو۔“ کالیا نے ڈرائیور سے چلا کر کہا۔ ڈرائیور ہی انجن اسٹارٹ کیا ایک دھماکا ہوا اور گاڑی آگ کے شعلوں میں لپٹ کر جلنے لگی۔

ماکے کی آواز نے سمیرا اور سلمان کو جگا دیا۔

باہر کوئی دھماکہ ہوا ہے۔“ سلمان نے لحاف ہٹا کر کہا۔

یا اللہ خیر۔“

یرا یہ کہتی بستر سے اٹھ کر سلمان کے ساتھ کھڑکی کی طرف گئی انہوں نے تو شیشے میں سے باہر سڑک پر ایک جانب آگ کے شعلے اٹھتے نظر آئے۔ ”

ی جل رہی ہے۔“

لیمان چچا اور نوری بھی کوٹھری سے نکل آئے تھے۔ ”بیگم صاحب آگ لگ

“

لمان اور سمیرا گیٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ شعلے ایک گاڑی سے اٹھ ، جو بڑی تیزی سے جل رہے تھے۔ ”خدا خیر کرے اس میں ضرور آدمی ہوں لمان یہ کہہ کر بنگلے کی طرف دوڑا کہ میں پولیس کو فون کرتا ہوں مگر جب ئی تو گاڑی جل کر سیاہ ہو چکی تھی اس میں جلے ہوئے تین انسانی پنجر ملے نے ضروری کاروائی کی اور گاڑی مع انسانی پنجروں کے وہاں سے ہٹا لی گئی۔

روز اخباروں میں ایک چھوٹی سی خبر چھپی کہ پہاڑی سڑک پر شہر سے دور ی میں آگ لگ گئی اور تین انسان جل کر مر گئے جن کی شناخت نہیں ہو سکی ور سمیرا اس روز دفتر جاتے ہوئے بھی جلنے والی گاڑی اور اس کے نامعلوم

مسافروں کے بارے میں باتیں کرتے رہے اس کے بعد وہ سب کچھ بھول گئے۔

اب ان دونوں کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا محبت کی شادی کا دور۔ لذتوں کی انتہا بلندیوں کو چھوتا ہوا۔ اذیتوں کے پاتال میں لے جاتا ہوا بہاروں کے پھول کھلاتا اور خزاں کے راستوں کی خاک اڑاتا اور بڑا خوش نصیب دور۔ بڑا بدنصیب دور۔ ان دونوں کے دشمن ختم ہو گئے تھے اب وہ خود ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ یاقوت ان کے باہر کے دشمن کا ہاتھ توڑ سکتا تھا۔ لیکن جو دشمن ان کے اندر سے حملہ کر رہا تھا اسے روکنا اس کی طاقت سے باہر تھا۔ ماں باپ کی پسند شادیاں' محبت اور نفرت کے دو پہیوں پر پھر بھی چلتی چلی جاتی ہیں۔ بزرگوں کے چہ سامنے آ جاتے ہیں۔ خاندانوں کی نیک نامی اور بدنامی کا خیال ہوتا ہے لیکن اپنی مر سے' محض محبت کے سیلاب میں بہہ کر کی ہوئی شادیوں میں جب محبت کی تہہ رینگنے والی بیزاری اور اکتاہٹ کے سانپ اوپر آتے ہیں تو پھر صرف ایک دوسر کے چہرے ہی سامنے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے نشانے ہی سامنے ہوتے ہیں ان نشانوں پر حملے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر یہ شادیاں چلتی بھی ہیں تو اس چلتی ہیں جس طرح گیلے پٹاخوں کی لڑی کے پٹاخے چلتے ہیں کبھی کوئی آواز آ گئی گئی۔ ورنہ ایک طویل خاموشی۔ سرد' گیلی اور ویران خاموشی ——! اور اس خا کے قبرستان میں' میاں بیوی' ایک دوسرے کی آغوش میں یوں پڑے ہوتے ہیں مردہ جسم لحد کی آغوش میں —— ہاں ایک بات ضرور ہے محبت کی شادی میں بہار کا موسم آتا ہے تو پھر اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بہار نہیں کر سکتی۔ محبت کی دراصل شیر کی ایک دن کی زندگی ہے لیکن اس میں سو سال کے پچھتاوں ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے۔ محبت کی شادی ایک ایسی انوکھی جنگ ہے جس میں فریق شکست کھا جاتے ہیں اور دونوں میں سے کوئی فریق اپنی شکست تسلیم نہیں اس میں اگر نجات کا کوئی راستہ ہے تو یہی ہے کہ کوئی ایک فریق اپنی شکست لے۔ کوئی ایک فریق' اپنے آپ کو دوسرے فریق کی خوشیوں اور مسرتوں پر کر دے۔ وہ اگر خوش ہو تو صرف اس لئے خوش ہو کہ اس کا محبوب خوش۔ ہو تو صرف اس لئے کہ اس کا محبوب دکھی ہے۔ مگر یہ کون کر سکتا ہے؟ اگر

ال کرتا ہے۔

چنانچہ مرد کے اندر جتنی عورت ہوتی ہے اتنا ہی وہ کسی عورت سے پابند وفا اور عورت کے اندر جتنا مرد ہوتا ہے اتنی ہی وہ بے وفا ہوتی ہے۔ خالص بے وفائی اور ہرجائی پن عورت کے قریب سے بھی ہو کر نہیں گزرتے۔ وفا' اور ماتا یہ وہ خالص جذبے ہیں کہ جن کا دیوتا بھی عورت سے درس لیتے ہیں کھتے ہیں سمیرا بھی ان ہی خالص جذبوں کی امانت دار تھی۔ مگر سلمان کی نگاہیں ے دل کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں اس کے پاس وہ پیمانہ ہی نہیں تھا۔ ے سمیرا کی بے لوث محبت کا وہ اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس کے اندر تھوڑی سی بھی نہیں تھی کہ جس کی مدد سے وہ سمیرا کے بلند کردار کی خوشبو تک پہنچ وہ کالج کا ایک نارمل صحت مند لڑکا تھا جس کو سمیرا پسند آ گئی تھی اور اس نے ے شادی کر لی تھی سلمان کے لئے یہ ایک پسند اور ناپسند کا معاملہ تھا جبکہ سمیرا لئے یہ پوری زندگی اور اس کی آنے والی نسلوں کی پوری زندگیوں کا معاملہ تھا۔ اس حقیقت کو غیر شعوری طور پر محسوس کر رہے تھے۔ دونوں میں سے کسی ا بھی اس حقیقت کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دوسرے سے ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے الجھنا شروع ہو گئے تھے۔ خود سمیرا کو بھی ی طرف سے دیئے گئے کشادہ دلی اور جذب کے بے بہا انعام و اکرام کی خبر تھی وہ ایک ایسے مہربند صندوق کے قفل کی طرح تھی کہ جسے معلوم ہی نہیں تھا ل کے اندر کیسے کیسے لعل و گوہر بھرے پڑے ہیں۔ قدرت ہمارے یوم پیدائش پر ا برتھ ڈے کے کئی تحفے عطا کرتی ہے۔ ان میں سے ہم صرف ساری زندگی میں ا ہی کھولتے ہیں باقی کے بند کے بند ڈبے ہم اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جاتے کیا جانیں ان میں کچھ خزانے نہیں تھے کیا جانیں وہ ہمارے کیا کیا کام ے——!

میرا نے اپنے آپ کو سلمان کی محبت اور اس کی خوشنودی کے لئے وقف کر لہ سلمان کو ایک دوسری ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ایک اچھی ملازمت مل گئی تھی۔ وں صبح کو تیار ہو کر ایک ساتھ پہاڑی بنگلے سے دفتر کی طرف روانہ ہوتے سلمان

اپنی گاڑی اپنے آفس کے گیراج ہی میں چھوڑ آتا۔ دفتر کے اوقات میں کہیں جانا ہوتا تو گاڑی لے کر کہیں چلا جاتا۔ دفتر سے گھر وہ سمیرا کی گاڑی ہی میں آتا سمیرا اپنے آفس ٹائم کے بعد سلمان کے دفتر پہنچ جاتی۔ جہاں سے وہ کبھی کبھی ہاؤس جا کر کافی پیتے اور پھر گھر کی طرف روانہ ہو جاتے۔ سمیرا اب بھی کافی ہاؤس میں بیٹھ کر سلمان کے ساتھ اسی گرم جوشی اور شوق کے ساتھ کافی پیتی جبکہ سلمان کو اب اس میں اب کوئی خاص دلکشی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جب تک کافی ختم نہ ہوتی وہ خوب جم کر بیٹھا رہتا کافی پینے کے بعد وہ فورا" بیرے کو بل لانے کا اشارہ کر دیتا جبکہ شادی سے پہلے بیرا اگر بھولے سے میز کی طرف آ جاتا تو سلمان اسے ایک اور کافی لانے کا آرڈر دے دیتا تھا۔ مگر اب وہ بات نہیں رہی تھی سمیرا کو وہ ماحول اب بھی بڑا خوبصورت لگتا تھا اس کی خوبصورت یادیں وابستہ تھیں اور عورت خوبصورت یادوں سے بڑی محبت کرتی ہے۔

سلمان کے معمولات میں ایک تبدیلی یہ بھی آئی تھی کہ وہ اپنی شامیں اب زیادہ تر دوستوں کے ساتھ بسر کرنے لگا تھا جس روز اسے اپنے دوستوں کی محفل میں ہوتا تو وہ سمیرا سے کہہ دیتا کہ میں رات دیر سے گھر آؤں گا اور جب وہ رات دیر سے گھر آتا تو اکثر نشے میں ہوتا اور سلیمان چچا اور سمیرا کو اسے سنبھالنا پڑتا۔ سمیرا نے ایک بار دبی زبان میں سلمان کو منع بھی کیا کہ وہ ایسے دوستوں کی محفل میں نہ کرے مگر سلمان ہمیشہ سنی ان سنی کر دیتا تھا۔

اسی دوران نتاشا کینیڈا سے پاکستان آئی تو وہ سیدھی سمیرا سے ملنے اس بنگلے پر پہنچ گئی۔ دونوں سہیلیاں گلے لگ کر ملیں بڑی خوش ہوئیں' ایک دوسرے مل کر۔ نتاشا سمیرا اور سلمان کے لئے کچھ تحفے بھی لائی تھی نتاشا جب اپنی گاڑی کر سمیرا کے بنگلے پر پہنچی تو سمیرا دفتر سے واپس آ چکی تھی۔ اس نے بتایا کہ سلمان ایک کام تھا تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔ شام کی چائے دونوں سہیلیوں نے برآمدے میں بیٹھ کر پی۔ بہار کا موسم تھا۔ باغیچے میں پھول کھل رہے تھے۔ بڑی خوشگوار ہوائیں چل رہی تھیں نتاشا نے سلمان کے بارے میں پوچھا کہ اس کی محبت میں تو نہیں آیا؟ سمیرا نے ہنس کر کہا' "بالکل نہیں۔ فرق کیوں آنے لگا۔ ہم تو اب

ح ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔"

نتاشا نے پیرس کی لڑکی ایما کے بارے میں دریافت کیا "اس کم بخت کا تو کوئی نہیں آتا یہاں؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سلمان تو اس کا کبھی ذکر نہیں کرتا۔"

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

جہاں سمیرا اور نتاشا بیٹھی چائے پی رہی تھیں وہاں سے کونے کی طرف درختوں بیچ یاقوت کا پراسرار اسٹور روم یا ویران کمرہ تھوڑا سا نظر آ رہا تھا۔ نتاشا کا اس دھیان گیا تو اس نے یاقوت کے بارے میں بھی سوال کر ڈالا۔

"کیا یاقوت پھر کبھی نہیں آیا؟"

سمیرا کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا ٹھنڈا ہاتھ بڑی محبت سے اپنے گرم ہاتھوں لے لیا ہو۔ اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں دیکھے تو ایک مدت ہو گئی۔"

نتاشا خود یاقوت کے ذکر کو طول نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس نے موضوع بدلتے سلمان کے گھر والوں کا ذکر چھیڑ دیا کہ ان کا سلوک کیا ہے۔ سمیرا نے جواب نے اتنا کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ کبھی کسی نے ہمارے معاملات میں دخل نہیں نتاشا نے پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جب میاں بیوی خوش ہیں تو گھر والوں کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہے؟"

نتاشا نے سر کو سمیرا کی طرف تھوڑا سا آگے کر کے پوچھا۔ "سلمان پیتا پلاتا تو ہے اب؟"

سمیرا نے ایک بار اثبات میں اور ایک بار نفی میں سر ہلایا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ میں جواب دو۔"

سمیرا مسکرا کر بولی۔ "کبھی کبھی یہ بلا اسے پلا دی جاتی ہے' بس دوست پلا دیتے

"تم اسے منع کیوں نہیں کرتیں؟"

"ایک دو بار منع کر کے دیکھ چکی ہوں کوئی اثر نہیں ہوا۔"

نتاشا چپ سی ہو گئی۔ پھر برہمی کے ساتھ کہنے لگی۔ "یہ بلا تو اس ملک
بالکل ختم کر دینی چاہئے۔ سب خباثتوں کی یہی ایک جڑ ہے۔"

سمیرا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنی پیالی میں مزید تھوڑی سی چائے بناتی رہی ا
دل میں خداوند کریم سے یہی دعا مانگتی رہی کہ کم از کم آج سلمان اس حالت میں
آئے کہ اسے پکڑ کر گاڑی سے باہر نکالنا پڑے۔ چائے ختم کرنے کے بعد دو
سہیلیاں کھانا وغیرہ پکانے میں مصروف ہو گئیں۔ نوری بھی ان کا ہاتھ بٹا رہی تھ
نتاشا نے کوفتے تیار کر رکھے تھے اور انہیں خود ہی بھون رہی تھی۔

شام ہو گئی۔ بنگلے کی بتیاں جلا دی گئیں۔ موسم میں خنکی آنے لگی۔
وغیرہ تیار ہو گیا تھا۔ نوری نے چاول بھی دم کر دیئے تھے۔ سمیرا اور نتاشا کمرے
بیٹھی تصویروں کا البم دیکھ رہی تھیں اور ہنس ہنس کر باتیں بھی کر رہی تھیں۔
جانتی تھی کہ سلمان دیر سے آئے گا اور ممکن ہے کہ وہ اس حالت میں آئے کہ
کے سامنے اسے شرمسار ہونا پڑے۔ نتاشا نے گھڑی کی طرف نگاہ ڈال کر کہا۔ "
سلمان کو اب تک آ جانا چاہئے تھا کہیں وہ باہر کھانا تو نہیں کھا رہا آج؟"

سمیرا کو موقع مل گیا۔ جلدی سے بولی۔ "کچھ کہہ نہیں سکتی۔ ہو سکتا
آج کھانا باہر ہی کھائے اس کا ایک دوست کراچی سے آیا ہوا ہے اس کے پاس
تھا۔"

"تمہیں اسے اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہئے۔" نتاشا نے شوخی سے کہا۔
ادھر ادھر ہو گیا تو کیا کرو گی-----" پھر خود ہی کہنے لگی۔ "ارے نہیں۔ سلما
تو بڑے اچھے ہیں اور تم سے تو بہت ہی پیار کرتے ہیں ٹھیک ہے نا؟"

"ہوں۔" سمیرا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

نتاشا نے سمیرا کے چہرے کو غور سے نہیں دیکھا تھا ورنہ اسے اس
کے پیچھے غم کے سائے ضرور لہراتے نظر آ جاتے عجیب اتفاق ہوا کہ سلمان
جلدی واپس آ گیا ابھی رات کے ساڑھے آٹھ ہی بجے ہوں گے کہ گیٹ
گاڑی نے ہارن دیا۔ سلیمان چچا دوڑتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا۔

"سلمان بھائی آ گئے ہیں میرا خیال ہے۔" یہ کہہ کر نتاشا کھڑی ہو گئی

ں سے پہلے کمرے کے دروازے سے نکل کر گیٹ کا رخ کر چکی تھی۔ اس کا
نے والی شرمندگی کے خیال سے ڈوب سا رہا تھا مگر جب اس نے سلمان کو گیراج
ڑی کھڑی کرنے کے بعد خود ہی باہر نکلتے دیکھا تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ وہ
ش ہو کر اس کے پاس گئی۔ سلمان پھولوں کا بڑا گلدستہ لایا تھا۔ "سمیرا مائی
! یہ تمہارے لئے ہے۔"

سمیرا نے آگے بڑھ کر گلدستہ تھاما تو اسے سلمان کے منہ سے وہی بو آئی۔ اس
ضرور تھی مگر اتنی نہیں کہ اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو۔ سمیرا نے کہا۔ "نتاشا
ئی ہے خدا کے لئے اس کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دینا۔"

"ونڈر فل! نتاشا از اے گریٹ لیڈی!"

سلمان تیز تیز قدموں سے کمرے کی طرف بڑھا۔ نتاشا برآمدے میں آ گئی۔
نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔

"تمہارے پاکستان پہنچنے کی خبر تو ہمیں مل گئی تھی۔ سمیرا نے مجھے فون پر بتا دیا
ر اتنی جلدی تم سے ملاقات ہو گی یہ معلوم نہ تھا۔ چائے پی؟ کافی؟ کھانا تو نہیں
سمیرا بھئی ہم اکٹھے کھانا کھائیں گے۔"

نتاشا نے سمیرا کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ وہ جس ملک سے آئی تھی وہاں وہ اس
کے منظر دیکھتی ہی رہتی تھی۔ اس کے لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی مگر وہ
ی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی سب سے پیاری سہیلی کا خاوند اس بری شے کی
ت میں گرفتار ہو جائے کیونکہ یہ شے گھروں کو اجاڑ دیتی ہے۔ سمیرا کو اس وجہ سے
ڑا سا اطمینان تھا کہ سلمان کی حالت خراب نہیں تھی۔ ہاں' وہ چہک ضرور رہا تھا
ضرورت سے زیادہ خوش ہو رہا تھا اور بات بات پر قہقہہ لگا رہا تھا۔ سمیرا کو یہی ڈر
کہ کہیں وہ اس حالت میں زبان سے کوئی ایسی ویسی بات نہ نکال دے۔ وہ جلدی
کافی بنا کر لے آئی کہ کافی پینے سے سلمان کے نشے میں تو کوئی کمی آئے۔ سلمان
بھی پی رہا تھا اور نتاشا سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ اس نے کرسی کھینچ کر نتاشا
قریب کر لی۔

کھانے کی میز پر بھی سلمان کی یہی کیفیت رہی۔ اس نے کپڑے بھی نہیں بدلے

تھے۔ سمیرا نے گلابوں کا گلدستہ کارنس پر سجا دیا تھا۔ سلمان وہاں سے گلدان اٹھا کر کھانے کی میز پر لے آیا۔

"پھولوں کی صحیح جگہ تو یہ ہے۔ جہاں نتاشا ایسی خوبصورت لڑکی بیٹھی ہو۔"

نتاشا شرما گئی۔ اسے سلمان کے منہ سے اپنی تعریف اچھی بھی لگی اور بری بھی۔ سمیرا تو شرم کے مارے پانی پانی ہو گئی۔ اس نے سلمان کی کہنی ذرا سی کھینچ کر کچھ خیال کرو۔ سلمان نے سمیرا کو جھڑک دیا۔ "ڈونٹ پش می سمیرا۔"

کھانا ختم ہوا تو سلمان ٹائی کھولتا ہوا اٹھا۔ اس کا چہرہ پسینے میں شرابور تھا۔ قمیض پر شوربے کے دھبے صاف نظر آ رہے تھے۔ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "گڈ نائٹ لیڈیز!" اور بیڈروم کی طرف جاتے ہوئے ذرا سا لڑکھڑایا پھر فوراً ہی سنبھل گیا۔ سمیرا اور نتاشا کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بیڈروم میں داخل ہو گیا اس کے جانے کے بعد سمیرا نے نتاشا سے کہا۔ "میں اسے بستر پر لٹا کر آتی ہوں۔"

نتاشا ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر صوفے پر جا بیٹھی اور بیزاری سے ایک فیشن میگزین کے ورق الٹنے لگی۔ سمیرا بیڈروم میں گئی تو سلمان کو دیکھا کہ پلنگ پر جوتوں سمیت مدہوش پڑا ہے کوٹ اس نے ضرور اتار کر صوفے پر پھینک دیا تھا۔ سمیرا اس کے جوتے اتارنے لگی۔ سلمان نے پہلو بدل لیا۔ سمیرا نے اس کے جوتے اتار کر پلنگ کے نیچے رکھ دیئے۔ اس کے اوپر کمبل ڈالا اور کھڑکی بند کر کے روشن دان کھول دیا کوٹ صوفے پر پڑا تھا۔ سمیرا نے کوٹ اٹھایا اور اسے ہینگر میں لگانے لگی۔ کوٹ کی ایک جیب نیچے کو جھکی ہوئی تھی سمیرا نے ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ اس میں شیشے کا ایک چھوٹا گلاس پڑا تھا سمیرا نے گلاس باہر نکالا تو اس کے ساتھ ہی ایک رنگ کا لکیر تہہ کیا ہوا کاغذ بھی باہر آ گیا۔ سمیرا نے کاغذ کو کھولا تو اس پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا

"میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ مگر تم میری محبت حاصل نہیں کر سکتے ہو کیونکہ تمہاری ایک بیوی بھی ہے۔ کل اسی جگہ ملوں گی آؤ گے نا؟"

سمیرا کا دل بوجھل سا ہو گیا۔ وہ یہ تحریر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ یہ تحریر نہیں پڑھنا چاہتی تھی مگر یہ تحریر اس نے پڑھ لی تھی۔ دیکھ لی تھی اور اب وہ ے دیکھ رہی تھی جیسے اس کے اعتماد اس کی وفا شعاری اور اس کی محبت کا مذاق

، جیسے کہہ رہی ہو تم کس محبت کے گیت گا رہی ہو؟ تم کس دنیا میں رہ رہی ھو میری طرف غور سے دیکھو۔ میں تین سطروں کی تحریر ہوں اور میں نے محبت کی سات منزلہ داستان سرائے ایک سیکنڈ میں منہدم کر کے رکھ دی ہے۔

سمیرا نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ رقعہ واپس سلمان کی کوٹ کی جیب میں رکھ کوٹ الماری میں لٹکا دیا۔ ایک بار پہلے بھی اس نے ایسے ہی کیا تھا۔ جب کی جیب سے ایما کا رقعہ نکلا تھا۔ اس دفعہ اگلے روز سمیرا نے سلمان کا پیچھا بھی اور وہ پیرس کے اس تھرڈ کلاس ریستوران میں پہنچ گئی تھی جہاں ایما سلمان کا ر کر رہی تھی مگر اب سمیرا ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی خط سے صاف ظاہر تھا کہ کل اس لڑکی سے ملنے جائے گا سمیرا اپنے دل میں ایک چبھن ضرور محسوس کر رہی اپنے دل کی ٹیس کو اس نے اپنے صبر کی آغوش میں لے لیا تھا۔

دوسرے دن سلمان ٹھیک وقت پر اٹھ بیٹھا۔ سمیرا اسی کے لئے چائے لے کر وہ الماری کے پاس کھڑا اپنے کوٹ کی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ سمیرا کے آ جانے پر نے کوٹ الماری میں لٹکا دیا۔ "آئی ایم سوری سمیرا مگر میرا خیال ہے میں نے ایسی رکت نہیں کی ہو گی۔"

"کچھ نہیں۔ ٹھیک ہے۔ چائے پی لو۔ میں تیار ہونے لگی ہوں۔ نوری نے لگا دیا۔"

سمیرا یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔ نتاشا بھی اس روز سمیرا کے ساتھ ہی اس کے دفتر ۔ سلمان اپنی گاڑی میں دفتر گیا تھا سمیرا نے نتاشا کو بالکل نہ بتایا کہ سلمان کی ے کسی لڑکی کا رقعہ نکلا ہے جس سے وہ چوری چھپے ملتا ہے اور آج شام بھی ے ملنے والا ہے اس میں سمیرا کی سبکی پہلو بھی نکلتا تھا اور سلمان کا کردار بھی ہوتا تھا مگر اس کا دل بوجھل اور اداس تھا۔ جب وہ خیال کرتی کہ آج سلمان کسی عورت سے ملنے جا رہا ہے۔ سمیرا کا حلق کڑوا ہو جاتا اور دفتر کا کام کرتے وہ غم زدہ سی ہو جاتی۔ نتاشا کچھ دیر کے لئے اپنی ایک رشتے دار عورت کے گئی تھی جہاں وہ اپنی فیملی کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔

دفتر میں سارا دن سمیرا اکھڑی اکھڑی سی رہی۔ بار بار اس کی آنکھوں کے

سانے ایک منظر آ جاتا کہ سلمان ایک عورت کے ساتھ کافی ہاؤس میں بیٹھا اسی طرح
پیار و محبت کی باتیں کر رہا ہے جس طرح کبھی وہ سمیرا سے کیا کرتا تھا۔ اس کے دل
میں کبھی ایک شعلہ سا بھڑکتا اور اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ کبھی دل برف کی طرح ٹھنڈا
پڑ جاتا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کبھی اسے خیال آتا کہ
اس نے غلط فیصلہ کیا ہے۔ اسے میدان جنگ میں آ کر اپنے دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ
کرنا چاہئے۔ کبھی سوچتی کہ کہیں ایسا کرنے سے اس کا چھوٹا سا گھر تباہ و برباد نہ ہو
جائے۔ ہر طرف آگ نہ بھڑک اٹھے۔ اسی ادھیڑ بن میں دفتر کا ٹائم ختم ہو گیا۔ ناہ
نے اسے فون پر بتا دیا تھا کہ وہ آج رات اس کے ہاں نہیں آئے گی سمیرا نے سلما
کو فون کیا تو اس نے بہانہ بنا دیا کہ آفس میں ایک میٹنگ میں شریک ہونے کے لئ
جا رہا ہے۔ دل پر پتھر رکھ کر وہ اکیلی ہی دفتر سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

رات کے گیارہ بجے تک سلمان گھر نہ آیا تو سمیرا کو پریشانی ہوئی۔ اس نے کا
فون نمبر بھی نہیں دیا تھا۔ وہ اکیلی بیڈ روم میں اداس بیٹھی کتاب پڑھنے کی کوشش
رہی تھی کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔ "مس
سلمان ہیں؟"

"میں بول رہی ہوں۔" سمیرا نے جواب دیا۔

"تمہارا خاوند نیشنل پارک کے گیٹ کے پاس پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر لے جاؤ
ساتھ ہی ٹیلیفون بند ہو گیا۔

میرا نے اسی وقت گاڑی نکالی نوری سے کہا کہ صاحب کی گاڑی خراب ہو گئی
انہیں لینے شہر جا رہی ہوں اور شہر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ذہن پریشان تھا۔
ح کے خیال آ رہے تھے۔ دل بوجھل تھا۔ سلمان نے اسے سکھ نہیں دیا تھا۔
کے ساتھ محبت بھری زندگی بسر کرنا چاہتی تھی ایسی زندگی جس میں محبت کے
ی تعبیر ہو مگر خود سلمان اس کی راہ میں دیوار بن گیا تھا۔ وہ دوسری عورتوں
، بنیاد محبت کی پینگیں بڑھا کر سمیرا کی خوشیوں بھری زندگی کی راہ میں دکھ کے
د رہا تھا سمیرا بڑی تیز گاڑی چلا رہی تھی وہ جلد از جلد سلمان کے پاس پہنچنا
ی۔ خدا جانے وہ کس حال میں ہو۔ فون کرنے والی وہی عورت ہو گی جس کا
یرا کو سلمان کی جیب سے ملا تھا اسے پارک کے گیٹ پر کیوں پھینک دیا گیا
یا وہ زیادہ نشے میں ہو گا؟ سمیرا یہی کچھ سوچ رہی تھی کہ اس کی گاڑی نیم
ڑک سے نکل کر شہر کے ہائی وے پر آ گئی۔

اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ ہائی وے پر بھاری ٹریفک چل
ی۔ ایک چوراہے سے سمیرا نے گاڑی نیشنل پارک کی طرف ڈال دی۔ یہ علاقہ
کے وقت خالی خالی تھا۔ پارک کے گیٹ کی بتیاں جل رہی تھیں۔ سمیرا نے
پارک کے گیٹ کے قریب کھڑی کی۔ تیزی سے باہر نکلی اور پریشان نگاہوں سے
ر دیکھنے لگی۔ پارک کا گیٹ بند تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ سمیرا کو ایک طرف
ا کے نیچے نیم اندھیرے میں کوئی شخص گھاس پر پڑا نظر آیا۔ وہ دوڑ کر اس کے

پاس گئی۔ وہ سلمان ہی تھا اس کی قمیض پتلون سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ کوٹ ایک طرف پڑا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے وہ بے ہوش تھا۔ سمیرا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ دوڑ کر گاڑی کو درختوں کے پاس لے آئی۔ اس نے بڑی مشکل سے سلمان کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا۔ سلمان کے منہ سے الکوحل کی تیز بو آ رہی تھی۔ سمیرا نے گاڑی کے دروازوں کو لاک کیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کیا اور گھر کی طرف چل پڑی۔ سارا راستہ وہ یہی سوچتی رہی کہ وہ کس قسم کی زندگی چھوڑ کر سلمان کے پاس آئی تھی اور اب کس قسم کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ اسے سلمان سے ملنے سے پہلے والی اپنی زندگی یاد آنے لگی جب اس کی زندگی کے آسمان پر یاقوت کا چاند چمک رہا تھا۔ یاقوت کی محبت چاندنی ہی کی طرح تھی جسے وہ دیکھ تو سکتی تھی مگر چھو نہیں سکتی تھی۔ یہ ایسی محبت کی چاندنی تھی جو اس کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو جاتی۔ اس چاندنی کا کوئی جسم نہیں تھا جسم سمیرا کی مجبوری تھی پھر یاقوت کی محبت کا چاند آہستہ آہستہ ہٹتا چلا گیا چاندنی اسی طرح چمکتی رہی مگر چاند غائب ہو گیا یاقوت کے گم شدہ پیار کی چاندنی میں سمیرا نے سلمان کو اپنے قریب آتے دیکھا۔ سمیرا کو یوں لگا جیسے اسے اس کا کھویا ہوا چاند مل گیا ہے۔

گاڑی کے بریک چیخ اٹھے۔ کوئی جانور بڑی تیزی سے سڑک پر نکل گیا۔ سمیرا نے ایک دم بریک لگا کر گاڑی روکی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے گردن گھما کر پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے سلمان کو دیکھا سلمان اسی حالت میں بے ہوش پڑا تھا سمیرا کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ گاڑی نیم پہاڑی اندھیری سڑک پر آگے چل پڑی۔ مکان کے گیٹ پر پہنچ کر سمیرا نے گاڑی آہستہ سے ایک طرف روک دی۔ گاڑی کی بتیاں اس نے پہلے ہی بجھا دی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ نوری سلمان کو اس حالت میں دیکھے۔ باہر نکل کر سمیرا نے گیٹ کو آہستہ سے کھول دیا۔ پھر وہ گاڑی کو اسٹارٹ کر کے اسے اندر گیراج میں لے آئی۔ نوری جلدی سے کچن والے کوارٹر سے نکل کر آ گئی۔ وہ اپنی بیگم صاحبہ کے انتظار میں جاگ رہی تھی ان دونوں نے مل کر بے ہوش سلمان کو سنبھالا اور اندر کمرے میں لے آئیں۔

"کافی بنا کر لے آؤ۔"

نوری باہر نکل گئی سلمان بستر پر مدہوش پڑا تھا۔ سمیرا نے اس کے بوٹ اتار دیے۔ ٹائی بھی کھول دی تھی۔ کوٹ کی جیبوں کو دیکھا۔ وہاں معمول کی چیزوں کے کچھ نہیں تھا۔ نوری کافی بنا کر لے آئی۔ سمیرا کا خیال تھا کہ وہ سلمان کو کسی طرح تھوڑا بہت ہوش میں لا کر دو تین گھونٹ پلائے گی تاکہ طبیعت بحال ہو وہ ایسا نہ کر سکی۔ سلمان اسی طرح بے ہوش پڑا تھا سمیرا نے نوری سے کہا۔

"کافی واپس لے جاؤ۔"

"کسی ڈاکٹر کو بلا لیں بیگم صاحبہ۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب تھوڑی دیر بعد خود ہی جاگ جائیں گے۔ آرام کرو۔"

نوری چھوٹی طشتری میں کافی کی پیالی اٹھائے کمرے سے نکل گئی۔ ساری رات نے سخت بے چینی اور بے آرامی میں گزاری۔ وہ بار بار اٹھ کر سلمان کو دیکھتی بے سدھ ہو کر پڑا تھا۔ رات گزر گئی سمیرا کو آفس بھی جانا تھا وہ جلدی جلدی نے لگی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ سلمان کی گاڑی کہاں ہے۔ وہ تیار ہو روم میں گئی سلمان نے پہلو بدل لیا تھا مگر وہ ہوش میں نہیں تھا۔ گہری نیند سو ۔ سمیرا نے نوری کو کچھ ہدایات دیں۔ اسے بتایا کہ اگر کسی کا فون آئے تو وہ ے کہ صاحب اور بیگم صاحبہ دفتر گئی ہوئی ہیں۔ دفتر پہنچتے ہی اس نے سلمان ں میں فون کیا اور اس کے باس کو بتایا کہ سلمان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ ز نہیں آ سکے گا۔ اس کے بعد سمیرا نے نتاشا کو فون کر کے کہا کہ وہ لنچ ٹائم پر لے آفس ضرور آئے۔ نتاشا نے پوچھا خیریت تو ہے نا؟ تمہاری آواز کچھ اداس ی لگ رہی ہے مجھے؟

"سب ٹھیک ہے تم آؤ گی تو بتاؤں گی۔" یہ کہہ کر سمیرا نے ٹیلیفون بند کر دیا ر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ دو گھنٹے بعد اس نے گھر فون کیا۔ گھنٹی بجتی پھر نوری نے اٹھا کر بات کی۔ سمیرا نے سلمان کے بارے میں پوچھا نوری نے صاحب نہا رہے ہیں۔ بالکل ٹھیک ہیں۔"

سمیرا نے کہا۔

"انہیں کہنا کہ مجھے دفتر فون کر لیں۔"

"ٹھیک ہے بیگم جی۔"

پندرہ بیس منٹ بعد سلمان کا فون آ گیا۔ سمیرا نے اس کی آواز سنی تو خدا
شکر ادا کیا۔

"آئی ایم سوری سمیرا۔ رات کچھ۔ بس کچھ ایسی ہی بات ہو گئی تھی۔"

سمیرا نے اس سے کوئی سوال نہ کیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھ
ہو گئی۔ میں بڑی پریشانی کے عالم میں تمہیں چھوڑ کر آئی تھی۔ میں نے تمہارے د
فون کر دیا ہے کہ تم آج دفتر نہیں آؤ گے۔"

"اچھا کیا۔ میرا سر ابھی تک بھاری ہے۔"

"او کے سلمان۔ میں جلد گھر آؤں گی۔ تم کہیں مت جانا۔ نوری سے
تمہیں سوپ بنا دے گی۔ ناشتہ کر لیا ہے تم نے؟"

"آئی لو یو سمیرا۔ مجھے معاف کر دو۔"

"او کے سلمان۔ بائی"

سمیرا نے فون بند کر دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان دونوں کی اور خاص ط
سلمان کی اس حالت کی باتیں ایکسچینج والے سنیں۔ لنچ کے وقت نتاشا بھی آ گئی۔ د
سہیلیاں آفس کینٹین میں جا کر بیٹھ گئیں۔ وہیں انہوں نے لنچ کیا اور باتیں
رہیں۔ سمیرا نے نتاشا کو سب کچھ بتا دیا تھا وہی اس کی پیاری اور ہم راز سہیلی
اس سے کچھ نہیں چھپانا چاہتی تھی نتاشا نے کوئی زیادہ تشویش کا اظہار نہ کیا۔
ٹھیک ہو جائے گا سمیرا۔ مرد کو موقع مل جائے تو وہ یہی کچھ کرتا ہے۔"

مگر سمیرا نے فکر مند ہو کر کہا۔ "مگر مجھے ڈر ہے کہیں وہ عورت سلمان
سے چھین کر نہ لے جائے۔"

نتاشا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ ایسا نہیں کرے گی
مجھے اس کا جو رقعہ پڑھوایا ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ اگر تمہاری بیوی نہ
تم میری محبت حاصل کر سکتے تھے۔"

را نے کہا۔ "تو پھر وہ یوں اس کی زندگی برباد کیوں کر رہی ہے؟ اسے پارک
پری کی حالت میں کیوں پھینک گئی تھی؟"

نہیں یقین ہے کہ یہ اسی عورت کا ٹیلیفون تھا جس کا یہ رقعہ ہے۔"

شا کے اس سوال پر سمیرا ایک لمحے کے لئے خاموش ہو گئی پھر بولی۔ "
ن عورت ہو سکتی ہے؟"

ئی بھی دوسری عورت ہو سکتی ہے؟" نتاشا نے کہا۔

را نے سر تھام لیا۔ "خدا کے لئے ایسا نہ کہو نتاشا۔ میں اتنے دکھ درد
ہیں کر سکوں گی۔"

شا نے سمیرا کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ حالات بہت جلد
ائیں گے۔"

شا کی باتوں سے سمیرا کا ڈگمگاتا ہوا اعتماد پھر سے بحال ہو گیا تھا سمیرا کو اپنی
ین تو تھا مگر سلمان پر بھروسہ نہیں تھا کہ وہ اس کی راہوں میں کانٹے نہیں
ا۔

شا اگلے روز آنے کا کہہ کر چلی گئی۔ سمیرا کھوئے کھوئے سے دل کے ساتھ
صروف ہو گئی۔

ان اسی وقت کھانا کھانے کے بعد مکان کے برآمدے میں آرام کرسی پر نیم
پڑھ رہا تھا کہ کمرے سے ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز آئی۔ اخبار ایک طرف
ان دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کا سر ابھی تک بوجھل تھا۔ اس کا ارادہ
ار پڑھنے کے بعد وہ شام تک آرام کرے گا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اسے
یہ سمیرا کا فون ہے وہ اس کی صحت کے بارے میں پریشان تھی۔ "ہیلو مائی
ان کے اس جملے پر دوسری طرف سے کسی دوسری عورت کی آواز آئی۔

نہیں کیسے معلوم تھا کہ یہ میں ہوں؟"

ان تھوڑا سا چونکا۔ یہ سمیرا نہیں بلکہ رحیلہ بول رہی تھی' وہ فوراً" سنبھل
ا ایم سوری رحیلہ' رات میں کچھ زیادہ ہی بہک گیا تھا' مگر مجھے میرے گھر
نچایا۔"

دوسری طرف سے رحیلہ کی آواز آئی۔ "تو یہ مجھے بھی معلوم نہیں ڈیئر تم ہوش میں نہیں تھے، میں ذرا سی دیر کو اپنے کمرے میں گئی جب واپس آئی تو تم غائب تھے میں نے نوکر سے پوچھا کہنے لگا صاحب باہر نکل گئے ہیں میں تمہارے پیچھے دوڑی مگر کہیں بھی نظر نہیں آئے، تمہاری گاڑی کوٹھی کے گیراج میں کھڑی تھی میں تو اس وقت سے پریشان ہوں اب تمہیں فون کیا کہ معلوم کروں کہ تم گھر پہنچے کہ نہیں۔"

سلمان بولا۔ "گھر تو میری بیوی سمیرا لے کر آئی تھی مگر مجھے یہ علم نہیں کہ یہ تمہاری کوٹھی سے نکلنے کے بعد میں اپنی بیوی کے پاس کیسے پہنچا۔"

سمیرا نے نوری کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ سلمان کو شہر کے ایک پارک کے گیٹ سے اٹھا کر لائی ہے، چنانچہ صبح جب سلمان نے نوری سے دریافت کیا کہ سمیرا رات اسے کہاں سے لے کر آئی تھی تو نوری نے یہی جواب دیا کہ بیگم صاحبہ نے تو یہی بتایا تھا کہ صاحب کسی دعوت میں تھے جہاں ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ رحیلہ نے اس بارے میں زیادہ استفسار نہ کیا کیونکہ یہ رحیلہ ہی تھی جس نے اپنے بظاہر نوکر مگر حقیقت میں پرانے ساتھی اور ہم راز جمال کی مدد سے مدہوش سلمان کو نیشنل پارک کے باہر پھکوا دیا تھا اور پھر خود ہی سمیرا کو فون کیا تھا کہ اپنے خاوند کو نیشنل پارک گیٹ پر سے اٹھا کر لے جاؤ۔ ٹیلیفون پر سلمان ایک بار پھر معذرت کرنے لگا۔ "آئی ایم سوری رحیلہ میری وجہ سے ضرور بدمزگی ہوئی ہو گی۔"

رحیلہ نے مسکرا کر کہا۔ "ایسا تو کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے، مجھے تو تمہیں صحت مند پا کر خوشی ہوئی ہے کہو آج کس وقت آؤ گے۔"

سلمان بولا۔ "دن کو ہی آؤں گا، جس طرح پہلے آیا کرتا تھا، رات کو تو نہیں رہتا آج شاید نہ آ سکوں کل ضرور آؤں گا۔"

"میرا تحفہ مت بھولنا۔" رحیلہ کی ہنسی کی آواز آئی۔

سلمان نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ "کبھی بھول سکتا ہوں؟"

"بائی ڈارلنگ، کل ملاقات ہو گی۔"

"بائی بائی۔" رحیلہ نے فون بند کر دیا۔ سلمان کے چہرے پر کچھ اس فاتحانہ مسکراہٹ تھی جو کسی جرنیل کے چہرے پر قلعہ فتح کرنے کے بعد آ جاتی

یہ معلوم نہیں تھا کہ اپنی جانب سے اس نے جو قلعہ فتح کیا ہے اس کی ہر
پیچھے دشمن چھپا بیٹھا ہے۔

یرا دفتر سے جلدی واپس آ گئی۔ اسے سلمان کی فکر تھی آتے ہی وہ سلمان کی
ں میں لگ گئی۔ سلمان کو سمیرا سے نفرت نہیں تھی۔ وہ اس سے بھی محبت
اسے اپنے آگے پیچھے پھرتا دیکھ کر سلمان کی انا کو بڑی تسکین پہنچ رہی تھی
اس کے لئے سہ پہر کی چائے بنا کر لائی۔ "میں نے دفتر میں بالکل چائے نہیں
تھا کہ تمہارے ساتھ ہی چائے پیوں گی۔"

لمان کا ضمیر اسے پریشان کر رہا تھا۔ خدا جانے وہ اسے کہاں سے اٹھا کر رات
ہو گی۔ اس نے سمیرا کا ہاتھ تھام لیا۔ "میری جان! مجھے معاف کر دو۔"

یرا کے دل سے گلے شکوؤں کا سارا غبار دھل گیا محبت کے ایک میٹھے بول
کے دل کو نرم کر دیا تھا یہ عورت کی کمزوری بھی ہے اور اس کی سب سے
ت بھی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا یہ نیچر کا کوئی کرشمہ ہے؟ سلمان پر بھی
ر ہوا۔ سمیرا نے اس کی اتنی بڑی لغزش کو معاف کر دیا تھا سلمان پر اس کا بڑا
وہ سمیرا سے یہ پوچھتے ہوئے گھبرا رہا تھا کہ اس نے اسے کہاں سے اٹھایا تھا۔
بھی فیصلہ کر رکھا تھا کہ جو اندوہناک واقعہ گزر چکا ہے اس کے بارے میں
ے کچھ نہیں پوچھے گی، کوئی تذکرہ نہیں کرے گی، پوچھنے کا فائدہ بھی نہیں تھا
لہ وہ کسی غیر عورت کے مکان پر تھا جہاں وہ ہوش میں نہیں رہا تھا اور اسے
ہر پھینک دیا گیا تھا۔ سمیرا کو دکھ تھا کہ اس کے خاوند کے ساتھ ایسا توہین آمیز
یا گیا تھا، مگر اس میں اس کے خاوند کا اپنا قصور تھا۔ سمیرا ان افسوسناک
لو دہرانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر سلمان کو محبت کے دائرے میں
فا کہ شاید محبت کی روشنی اسے اندھیرے میں راستہ دکھا دے اور وہ دوبارہ نہ
ب سمیرا نے بھی کوئی بات نہ کی تو سلمان بھی چپ رہا۔ بس اتنا ہی کہا کہ
ستوں کی محفل میں حد سے آگے بڑھ گیا اور پھر کہیں گر پڑا تھا۔ سمیرا نظریں
ائی بناتے ہوئے مسکراتی رہی اور بار بار کہتی گئی۔ "تم سلامت رہو مجھے اور
ما چاہئے۔" سلمان کو پچھتاوا ہی ہو رہا تھا اور شرمندگی بھی ہو رہی تھی مگر وہ

ساتھ ہی ساتھ پچھتاوے اور شرمندگی کے احساس کو بھولتا بھی جا رہا تھا۔ یہ بھی مرد کی ایک کمزوری ہے یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ ہی ہے۔ اس کو رحیلہ پر فون سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد آ رہا تھا اس نے اپنے دل میں کہا ہاں کل دن کے وقت ہی رحیلہ کے ہاں جانا ٹھیک رہے گا۔ دفتر سے جلدی نکل جاؤں گا۔ آدھی چھٹی لے لوں گا۔ میرا فون کر دوں گا کہ ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے جا رہا ہوں شام کو ذرا دیر سے پہنچوں گا سمیرا اس کے سامنے بیٹھی کافی بنا کر اسے پیش کر رہی تھی۔

"شکریہ ڈیئر۔" سلمان نے کافی کی پیالی سمیرا کے ہاتھ سے لے لی۔ سلمان نے سمیرا کو بتایا کہ اس کی گاڑی دفتر کے گیراج میں ہی ہے۔ سمیرا کہنے لگی۔ "واپسی گاڑی لے کر میری طرف آ جانا۔"

سلمان نے سوچا کہ سمیرا کو ابھی بتا دینا چاہئے کہنے لگا۔ "ڈارلنگ! میں چا ہوں کہ اپنے ڈاکٹر سے چیک اپ کروا ہی لوں' دفتر ٹائم کے بعد اس کے پاس جاؤں تم گھر آ جانا میں شام تک پہنچ جاؤں گا۔"

سمیرا کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش رہی۔ وہ اتنی جلدی سلمان کے اعتماد پر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سلمان سمجھ گیا کہ اس کی بیوی کیا سوچ رہی ہے' مسکرا کر "نہیں میری جان' جو تم سوچ رہی ہو وہ بات اب کبھی نہیں ہو گی۔ میں نے آج تمام بری عادتیں چھوڑ دی ہیں۔"

سمیرا نے سلمان کی طرف محبت بھری نگاہ ڈالی' اس نگاہ کی محبت کو' اس کی ماما کو ایک لاکھ سلمان مل کر بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ سمیرا نے کہا۔ "مجھے بھروسہ ہے۔" سمیرا نے سلمان کے بستر کو پھر سے درست کیا اور ٹی وی لگا دیا اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا۔ سمیرا کافی کے برتن خود اٹھا کر کچن کی طرف چل دی رحیلہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اس عورت کی شہرت اچھی نہیں تھا اس کا اسے طلاق دے کر خود لندن جا کر آباد ہو گیا تھا۔ رحیلہ کو طلاق کے بعد خاوند کی کوٹھی مل گئی تھی اولاد کے ہاں کوئی نہیں تھی وہ ابھی جوان تھی اس کے ماں با رشتہ داروں کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں سلمان نے رحیلہ سے پوچھا بھی نہیں تھا رحیلہ کے ساتھ صرف ایک ادھیڑ عمر گرانڈیل

ہی کوٹھی میں رہتا تھا جس کے پاس لائسنس یافتہ بندوق اور ایک پستول بھی ل وہ ہروقت گلے میں ڈالے رکھتا تھا ایک طرح سے وہ رحیلہ کا باڈی گارڈ تھا ے ہاں اکثر بااثر لوگوں کا آنا جانا تھا۔ ان میں کاروباری لوگوں کی تعداد زیادہ ں کی کوٹھی چونکہ شہر سے ایک الگ تھلگ مقام پر واقع تھی اس لئے وہ تنقیدی نظروں سے محفوظ تھی۔ رحیلہ کے پاس اپنی ایک ٹویوٹا گاڑی تھی وہ ٹھی کی چار دیواری کے اندر بے آباد جگہوں پر ہی سگریٹ پیتی تھی۔ ہفتے میں بار اس کے ہاں رات کو محفل جمتی۔ رات گئے تک احباب بیٹھے تاش وغیرہ تے اور پھر باری باری ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے گاڑیوں میں بیٹھ کر اپنے روں کو چل دیتے رحیلہ ایک بار سلمان کے دفتر میں کسی کام سے آئی تو اس ان کی طرف خاص انداز میں مسکرا کر دیکھ اور سلمان اس کی زلف گرہ گیر کا گیا۔ سلمان کو رحیلہ کی ضرورت سے زیادہ کیا ہوا میک اپ' چہرے کے بے ثرات اور ہونٹوں کے بائیں کنارے والا تل بہت اچھا لگا تھا۔ رحیلہ نے خوشبو ا قیامت خیز لگائی ہوئی تھی۔ رحیلہ میز پر جھک کر سلمان سے کچھ پوچھ رہی تھی مان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خوشبوؤں کی لہروں کے ساتھ ان دیکھے امیں پرواز کر رہا ہے۔ رحیلہ کو سلمان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن جب اس کے آگے پیچھے پھرنے لگا تو ایک روز رحیلہ نے اپنے باڈی گارڈ اور ہم راز ہدایت کی کہ وہ سلمان کے بارے میں تحقیقات کر کے بتائے کہ یہ کس کام آ ے۔ جمال نے اگلے ہی روز سلمان کے بارے میں پوری معلومات حاصل کر لیں اکر رحیلہ کو بتایا۔

"سلمان شادی شدہ ہے اپنی بیوی کے ساتھ شہر سے دور ایک پہاڑی بنگلے میں ہے۔"

"وہ بنگلہ کس کی ملکیت ہے؟" رحیلہ نے پوچھا۔

مال نے جواب دیا۔ "بنگلہ سلمان کی بیوی سمیرا کا ہے مگر اس نے اپنے خاوند کر دیا ہے کوٹھی کے ساتھ چار کنال کی زمین بھی ہے۔"

"مالیت کتنی ہو گی۔" رحیلہ نے جمال کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

جمال نے تھوڑا سوچ کر بتایا۔ "اس وقت بنگلے اور اس کے ساتھ والی زمین کی مالیت چالیس پچاس لاکھ کے قریب ہو گی۔ شہر کی آبادی اس علاقے کی طرف بڑھ رہی ہے۔"

رحیلہ نے سگریٹ سلگا لیا کہنے لگی۔ "ٹھیک ہے بہت جلد یہ بنگلہ اور اس کے ساتھ والی زمین ہماری ملکیت بن جائے گی۔"

جمال ہنسنے لگا وہ جانتا تھا کہ اس کی مالکہ کیا سوچ رہی ہے۔ اس روز سے رحیلہ نے سلمان پر لطف و عنایات کی بارش کر دی۔ لیکن جب ایک رات سلمان نشے میں دھت ہو گیا تو رحیلہ نے جمال کی مدد سے اسے اٹھا کر نیشنل پارک کے باہر پھنکوا دیا رحیلہ جو کھیل کھیل رہی تھی وہ سلمان کی سمجھ میں کبھی نہیں آ سکتا تھا۔ رحیلہ اس قسم کی عورت تھی جو بلڈنگیں اور حویلیاں اور زمینیں ہڑپ کر جاتی ہیں پورے دریا پی جاتی ہیں اور ان کے ہونٹ خشک رہتے ہیں اس وقت رحیلہ کو سلمان ایسے شکار کی اشد ضرورت تھی۔ اس کے ہاں جن با اثر امیر کبیر لوگوں کا آنا جانا تھا وہ ایسے لوگ نہیں تھے کہ جن کو آسانی سے زیر دام لایا جا سکتا وہ رحیلہ پر صرف اتنا ہی خرچ کرتے تھے جس سے اس عورت کا پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ گزارہ چل رہا تھا مگر رحیلہ کسی ایسے شکار کی تلاش میں تھی جو اسے ان چالاک سرمایہ دار عیاش لوگوں سے نجات دے اور وہ اپنی مرضی کی زندگی بسر کر سکے۔ جمال کی زبانی جب اسے سلمان کے بارے میں امید افزا معلومات مہیا ہوئیں تو اس نے اپنی توجہ سلمان کی طرف مبذول کر دی مگر وہ ایک تجربہ کار عورت تھی۔ وہ مردوں اور خاص طور پر اپنے پاس آنے والے مردوں کی نفسیات سے پوری طرح واقف تھی وہ سلمان کے بارے میں کم اس شک میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ اسے شکار کرنے والی ہے یہی وجہ تھی اسی رات رحیلہ نے سلمان کو نشے کی حالت میں باہر پھنکوا دیا تھا اور دوسرے سلمان کو یہ کہا کہ وہ ڈگمگاتے قدموں سے اس کے روکنے کے باوجود بنگلے سے نکل تھا۔ دوسری طرف سلمان ایک ایسا جذباتی آدمی تھا جو اس قسم کی عورتوں کے دا بڑی آسانی سے پھنس جاتے ہیں اور ان کے لطف و کرم پر اپنے اندر ایک مرا بھی محسوس کرتے ہیں۔

اس روز وعدے کے مطابق سلمان نے دفتر سے آدھی چھٹی کر لی اور گاڑی رحیلہ کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ وہ اس کے انتظار میں تھی اس نے جمال کو ہدایت کر ی کہ اپنی نگرانی میں بریانی پکوائے۔ پھل فروٹ پہلے سے میز پر ٹوکری میں بھرا رحیلہ نے بڑے بھڑکیلے کلر کا لباس پہن رکھا تھا۔ زبردست میک اپ کیا ہوا خوشبو لگائی ہوئی تھی جو سلمان کو پسند تھی۔ سلمان کے آتے ہی وہ اس کی ں معروف ہو گئی۔ کمرے کا ماحول اس نے بڑا خواب آلود کر رکھا تھا وہ سلمان انگی کے ساتھ گلہ شکوہ کرنے لگی۔ "میں تو ذرا کچن میں گئی تھی واپس تم غائب تھے۔ جمال نے کہا کہ سلمان صاحب باہر گئے ہیں ہم تمہارے پیچھے مگر تم تو جیسے غائب ہو گئے تھے۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟ گھر کیسے پہنچے؟ تمہارا ہت اترا ہوا ہے لگتا ہے تمہاری بیوی تمہارا کوئی خیال نہیں رکھتی۔"

سلمان کو سمیرا کے بارے میں رحیلہ کا یہ جملہ بالکل اچھا نہ لگا تھا لیکن اس میں ی جرات بھی نہ تھی کہ وہ رحیلہ ایسی عورت کے سامنے اپنی بیوی کی تعریف ا اپنی بیوی کے بارے میں اس قسم کی بات کہنے سے روک سکتا۔ وہ بے ی طرح مسکرانے لگا بس اتنا ہی کہہ سکا۔ "نہیں نہیں وہ تو خیال رکھتی ہے۔"

رحیلہ اپنے خوشبو دار ریشمی لباس سے سلمان کے ماتھے پر آیا ہوا خیالی پسینہ وئے بولی۔ "اگر وہ خیال رکھتی تو تمہارا چہرہ اتنا کیوں اترا ہوا ہوتا؟ تم میرے ، اس حالت میں کیوں چلے گئے تھے؟ جاؤ میں تم سے نہیں بولتی کیا تمہیں نہیں تھا کہ مجھے کتنا دکھ ہو گا میں تو ساری رات سو نہیں سکی یہی خیال آتا رہا جانے تم کہاں پڑے ہو گے؟ تمہارے گھر فون بھی نہیں کر سکتی تھی تم نے جو کہا ہے۔"

سلمان بڑا خوش تھا پھولا نہیں سما رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "ہاں کوئی بڑا ضروری پیغام ب فون کر لیا کرو ورنہ بالکل نہیں۔"

"کیا تم اپنی بیوی سے ڈرتے ہو؟"

"ایسی بات نہیں۔" سلمان بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے ای طرح تم سے محبت کرتے رہنا چاہتا ہوں۔"

رحیلہ نے اندھیرے میں تیر چلا دیا۔ "تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"
سلمان نے چونک کر دیکھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس کے جملے میں حیرت تھی اور استفسار کا انداز بھی تھا جیسے جاننا چاہتا ہو کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے رحیلہ پہلا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ وہ دوسرا تیر ابھی نہیں چلانا چاہتی تھی اسے رحیلہ خاص موقع کے واسطے بچا کر رکھ لیا تھا منہ اٹھا کر کہنے لگی۔ "نہ سہی میں کی کو تھوڑے ہی کرتی ہوں۔" اس نے سلمان کے دل میں ایک خواہش ایک خیال پیدا کر دیا تھا کہ وہ اس سے شادی کر سکتا ہے سلمان کا ذہن شادی کے بارے میں مہیا کرنے لگا سلمان نے جلدی سے اپنے خیالات کو جھٹک دیا۔ جتنی شدت سے کے دل میں رحیلہ سے شادی کرنے کی خواہش بیدار ہوئی تھی اتنی ہی شدت اسے سمیرا کے ساتھ اپنی محبت اور وابستگی بھی محسوس ہونے لگی گویا اس کے کے دونوں پلڑے ہم وزن تھے۔ یہ بھی قدرت کی ایک ستم ظریفی ہے کہ انسان ایک انتہائی جذبہ اس کے مخالف انتہائی جذبے سے متوازن کیا جاتا ہے یہ انسان کردار کی خوبی ہے کہ وہ نقصان وہ انتہائی جذبے پر حاوی ہو جاتا ہے مگر سلمان معاملہ الٹ تھا۔ ابھی اس پر دونوں جذبے سوار تھے۔ وہ سمیرا کے ساتھ بے نہیں کرنا چاہتا تھا اور رحیلہ سے بھی دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔

شام کا اندھیرا ہوتے ہی رحیلہ کے دوسرے ملنے جلنے والوں کی آمد شروع رحیلہ کے سلمان کو اپنے خاص کمرے میں ہی رکھا اور کسی کو نہ بتایا کہ سلمان کوٹھی میں موجود ہے۔ سلمان نے یہ عقلمندی ضرور کی کہ اس روز ناؤ نوش سے کیا اس لئے سمیرا کا خیال تھا وہ اس کے دل کو مزید دکھ نہیں پہنچانا چاہتا تھا رحیلہ اصرار کے باوجود سلمان نے وہاں کھانا بھی نہ کھایا اور اگلے روز آنے کا کہہ سے چل دیا۔

رات آٹھ بجے کے قریب وہ گھر پہنچ گیا۔ سمیرا اس وقت ٹیلیفون پر باتیں کر رہی تھی اس نے نتاشا کو سلمان کے نئے اسکینڈل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اپنی بات کو صرف اس کے پینے پلانے تک ہی محدود رکھا اس نے سلمان کی گاڑی کے ہارن کی آواز سنی تو اس کا دل خوشی سے دھڑک

ان آ گیا ہے میں پھر فون کروں گی۔"
"میں نے ہارن کی آواز سن لی ہے بائی بائی۔" دوسری طرف سے نتاشا نے ی ہو کر کہا اور سمیرا نے فون بند کر دیا۔ وہ گیٹ کی طرف دوڑی۔ نوری نے گیٹ ل دیا تھا اور سلمان کی گیراج میں گاڑی لگا رہا تھا۔
"ہیلو ڈیئر! مجھے دیر تو نہیں ہو گئی؟ کچھ دوستوں سے ضروری ملنا تھا۔" سلمان گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے کہا سمیرا اس کے قریب آ گئی' "مجھے ڈر ہی لگا رہا' کہیں ج بھی تم دیر نہ کر دو۔"
"اب ایسا کبھی نہیں ہو گا سمیرا------ یقین کرو۔"
دونوں محبت کرنے والے' دونوں میاں بیوی' دونوں محبت کے محاذ پر ایک رے سے جنگ کرنے والے سپاہی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مکان کے برآمدے کی ف چل دیئے۔
اسی رات کو' جب رحیلہ کی کوٹھی' اس کے دوستوں سے خالی ہو گئی اور وہ ے ہمراز محافظ اور دوست جمال کے ساتھ اکیلی رہ گئی تو اس نے خادمہ کو چائے نے کو کہا اور جمال کے ساتھ مشورہ کرنے لگی کہ سلمان کی کوٹھی اور بنگلے پر کیسے دی سے جلدی قبضہ کیا جا سکتا ہے؟ جمال نے کہا۔ "رحیلہ بی بی! تم لاکھ سوچتی رہو میرے دماغ میں تو ایک ہی ترکیب آتی ہے۔"
"وہ کیا؟" رحیلہ نے پوچھا۔
"اس کی بیوی کو قتل کر دو۔ یہ کام میں کر دوں گا بس۔ سارا معاملہ ٹھیک ہو ئے گا پھر تم اس سے شادی کر کے اس کی جائیداد پر قبضہ کر سکتی ہو۔"
خادمہ اندر چائے لا رہی تھی۔ رحیلہ نے جمال کو اشارے سے خاموش رہنے کو ہا۔ خادمہ چلی گئی تو رحیلہ کہنے لگی۔ "تم موٹے دماغ کے آدمی ہو جو آدمی شکر ھانے سے مر سکتا ہے اسے زہر دینے کی کیا ضرورت ہے؟"
جمال اپنی موٹی گردن سہلانے لگا۔ رحیلہ چائے بنانے لگی اس کا ذہن بہت کچھ وچ رہا تھا وہ اپنے آپ کو قتل کے کیس میں ملوث نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر تیس یس لاکھ کی جائیداد کے لئے کسی آدمی کا قتل اور پھانسی کا خطرہ مول لینا اسے گوارا

بھی نہیں تھا اس نے جمال سے پوچھا۔ "ان کی شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہیں معلوم ہے جمال؟"

"میری اطلاع کے مطابق چار سال ہو گئے ہیں۔"

"اور ابھی تک ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔" رحیلہ نے چائے کی پیالی ہونٹوں کے قریب لاتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ جمال اس کی طرف دیکھنے لگا۔ رحیلہ بولی۔ "سلمان اولاد کی خاطر دوسری شادی کر سکتا ہے وہ سمیرا کو طلاق دے سکتا ہے۔"

جمال نے پستول کی پیٹی اپنی توند کے اوپر چڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور اگر سمیرا نے اسے دوسری شادی کی اجازت نہ دی تو پھر؟ پھر کیا کرو گی؟ اور بفرض محال سمیرا نے اجازت دے بھی دی تو وہ جائیداد میں برابر کی حقدار ہو گی۔" رحیلہ کا ذہن الجھ سا گیا جمال نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔ "اس کا ایک ہی حل ہے سلمان کی بیوی کو ختم کر دیا جائے۔"

رحیلہ نے جمال کو جھڑک دیا۔ "خاموش رہو مجھے سوچنے دو۔"

رحیلہ سلمان کی جائیداد پر قبضہ ضرور سمجھتی تھی مگر وہ اس تھوڑی سی جائیداد کی خاطر قتل کے مقدمے میں ملوث ہونے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی وہ سانپ ضرو مارنا چاہتی تھی مگر یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ لاٹھی ٹوٹ جائے۔ جمال بے چینی سے با بار پستول کی پیٹی اوپر چڑھا رہا تھا اسے اس جائیداد میں سے ملنے والے اپنے حصے کی فکر تھی۔

رحیلہ نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ "تم بار بار پستول مت نکالو۔ جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ۔" جمال بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس رات رحیلہ اپنے بستر پر لیٹی دیر تک سوچتی رہی۔ آخر ایک ترکیب اس کے عیار ذہن میں آ گئی وہ حیران ہوئی کہ اس ترکیب کا خیال اسے پہلے کیوں نہ آیا۔

اگلے روز سلمان دن کے وقت اس سے ملنے آیا تو رحیلہ نے الماری سے ایک بڑا سا پیکٹ نکال کر اس کے آگے رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔"

سلمان کو بڑی خوشی اور فخر محسوس ہوا۔ "اس میں کیا ہے؟ تم نے اتنی تکلی

کی؟"

رحیلہ نے سلمان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لئے کچھ خریدتی ہوں تو ی خوشی ہوتی ہے کیا تم مجھے اس خوشی سے محروم کرنا چاہتے ہو؟"

"ہرگز نہیں رحیلہ ــــ مگر ــــ میرا مطلب ہے کہ۔"

رحیلہ نے سلمان کے ہاتھوں پر انگلی رکھ دی۔ "بس! میں کچھ نہیں سنوں گی۔ کھول کر دیکھو، تمہیں میرا تحفہ ضرور پسند آئے گا۔"

پکٹ میں سلمان کے لئے گرم سوٹ کا کپڑا، ایک ٹائی، دو شوخ رنگ کی قمیض پرفیوم کی بڑی شیشی تھی۔ سلمان کچھ شرمساری سی محسوس کرتے ہوئے بولا۔ لہ! میں نے کبھی تمہیں کوئی تحفہ نہیں دیا اور تم نے میری خاطر ــــ"

رحیلہ نے جذباتی ہو کر کہا۔ "سلمان! میرے لئے تم ہی سب سے بڑا اور قیمتی ہو۔ جب تم مجھے مل گئے ہو میرے ہو گئے تو پھر مجھے کسی تحفے کی بھلا کیا ضرورت

اس کے بعد سے رحیلہ نے انتہائی عیاری سے کام لیتے ہوئے سلمان پر اپنی کی انتہا کر دی جب وہ اسے ملنے آتا تو دروازے پر ہی اسے جمال ملتا اور کہتا۔ نا بابو! تم نے ہماری مالکن پر نہ جانے کیا جادو کر دیا ہے اس کی ساری دلچسپیاں کر رہ گئی ہیں جب تک تم نہیں آتے وہ گھر میں اداس بیٹھی رہتی ہے۔" سلمان میں داخل ہوتا تو رحیلہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتی۔ "تم اتنی دیر کیوں لگاتے ان؟ تمہیں میرا ذرا بھی خیال نہیں ہے ــــ"

سلمان کے ساتھ رحیلہ سے زیادہ محبت کرنے والی سمیرا موجود تھی مگر سمیرا کی خاموش محبت تھی۔ حقیقی اور گہری محبت تھی جبکہ رحیلہ کی محبت ناچتی گاتی بولتی تھی ایک بلیک اینڈ وائٹ محبت تھی اور دوسری ٹیکنی کلر محبت تھی۔ یہ کیسے ہو کہ سلمان ایسا دل پھینک جذباتی اور نمائش پسند آدمی رحیلہ کی شور مچاتی، گاتی ٹیکنی کلر محبت سے متاثر نہ ہوتا مگر ایک بات پر وہ کبھی کبھی ضرور حیران بھی ہوتا یلہ کی بظاہر شدید محبت سے متاثر بھی ہوتا۔ وہ بات یہ تھی کہ اتنی شدت سے اظہار کرنے کے باوجود رحیلہ نے کبھی شادی کی بات نہیں کی تھی۔ سلمان کے

دل میں رحیلہ کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی وہ سوچتا کہ رحیلہ کو اس کا کتنا خیال ہے، جانتی ہے کہ سلمان پہلے سے شادی شدہ ہے وہ اس کی شادی شدہ زندگی کو درہم بر نہیں کرنا چاہتی لیکن آخر وہ وقت بھی آگیا جب رحیلہ نے سلمان کی گھریلو زندگی کے قلعے پر پہلا گولہ چلایا۔ اس روز سلمان دوپہر کو رحیلہ کے ہاں آیا تو وہ بڑی خوش نظر رہی تھی وہ سلمان کو اپنے کمرے میں لے گئی اسے صوفے پر سامنے بٹھا دیا اور اس ہاتھ اپنے رخسار کے ساتھ لگا کر بولی۔ "تمہیں ایک خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔" سلمان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "ضرور سناؤ مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

رحیلہ نے کہا۔ "میں تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔" رحیلہ کے رخ کے ساتھ لگا ہوا سلمان کا ہاتھ سرد پڑ گیا۔

سلمان نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس طرح کی صورتحال بھی پیش آ سکتی ب رحیلہ نے اس بات کا انکشاف کیا تو سلمان ایک پل کے لئے جیسے ساکت ہو پڑھا لکھا نوجوان تھا شہر کا رہنے والا تھا اسے پتہ تھا کہ اس قسم کے حالات میں خطرناک مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور رحیلہ سے ۔ "کیا تمہیں یقین ہے؟"

رحیلہ مسکرائی۔ "مجھے یقین بھی ہے اور خوشی بھی ہے۔"

سلمان اکھڑی اکھڑی نظروں سے رحیلہ کو دیکھ رہا تھا وہ یقین اور بے یقینی کی میں تھا کبھی اسے خیال آتا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کبھی سوچتا کہ ہو سکتا ہے رحیلہ رہی ہو۔ سلمان چھت کی طرف دیکھنے لگا اس کے ذہن میں خیالات کا اس قدر ہو گیا تھا کہ وہ گھبرا گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے رحیلہ سے شادی کرنی پڑے گر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اگر اس نے ایسا کیا تو سمیرا کی زندگی تباہ و برباد ہو کر رہ گی ممکن ہے وہ سلمان کو کچھ نہ کہے مگر یہ غم ایک ناسور بن کر اس کی زندگی کو ائی میں بدل دے گا وہ سمیرا کے ساتھ یہ ظلم کبھی نہیں کر سکتا تھا اب اسے ہوا کہ ایک شادی شدہ آدمی جب کسی غیر عورت سے دوستانہ تعلقات استوار ہے تو اس کا نتیجہ ایک بھیانک شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اور پھر اس کا خمیازہ نے والی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے یہ سلمان کی سادہ دلی اور اس کے مزاج کی شرافت تھی کہ وہ اس طرح کی باتیں سوچ رہا تھا ایک بات طے تھی کہ وہ

رحیلہ سے شادی نہیں کر سکتا تھا وہ کسی لیڈی ڈاکٹر سے رحیلہ کا باقاعدہ چیک اپ کرانا چاہتا تھا جب اس نے یہ بات کی تو رحیلہ نے کہا۔ "اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو بے شک مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔"

سلمان نے رحیلہ سے کہا۔ "نہیں نہیں رحیلہ! ایسی بات نہیں ہے اگر تم نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

رحیلہ اپنے جھوٹ پر جعلی ہی سہی ایک بار مہر تصدیق ضرور ثبت کرانا چاہتی تھی اس نے سلمان کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا اور اب اس کے سارے راستے بند کر رہی تھی اپنی ہی طرح کی ایک جعلی لیڈی ڈاکٹر سے رحیلہ نے پہلے ہی ساز باز کر لی تھی وہ کہنے لگی۔ "نہیں سلمان! ہم آج ہی لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلیں گے تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے میں ابھی اسے فون کرتی ہوں۔"

سلمان اسے منع کرنے لگا مگر رحیلہ نے ذرا سی بھی تاخیر نہ کی اسے ڈر تھا کہ سلمان خود کسی لیڈی ڈاکٹر کا نام تجویز نہ کر دے ایسی صورت میں رحیلہ کا بھانڈا پھو جاتا اس نے اپنی دوست نقلی لیڈی ڈاکٹر کو فون کر دیا اور کہا کہ وہ ابھی چیک اپ ک لئے اپنے خاوند کے ساتھ آ رہی ہے۔ خاوند کے نام پر سلمان چونکا پھر اس نے پریشا کے ساتھ سر جھکا لیا رحیلہ نے ٹیلیفون بند کرتے ہوئے کہا۔ "چلو ڈیئر' لیڈی ڈاکٹر ا وقت کلینک میں موجود ہے وہ ہمارا انتظار کر رہی ہے میں چاہتی ہوں کہ ایک با تمہارے سامنے ساری بات ہو جائے تاکہ تمہارے دل میں اگر ذرا سا بھی شک ہے وہ بھی دور ہو جائے۔" لیڈی ڈاکٹر اگرچہ غیر سند یافتہ تھی مگر اس نے اپنے کلینک باہر اپنے نام کے ساتھ اتنی ڈگریاں لکھ رکھی تھیں کہ پڑھنے والا ایک بار تو چکرا رحیلہ نے اس سے سلمان کا تعارف اپنا شوہر کہہ کر ہی کروایا لیڈی ڈاکٹر ادھیڑ عم عورت تھی اس نے سفید کوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں اسٹیتھو اسکوپ لٹکایا ہوا وہ رحیلہ کو دوسرے کمرے میں لے گئی تھوڑی دیر بعد اسٹیتھو اسکوپ کانوں سے ا کرتی ہوئی کمرے سے باہر آئی اور سلمان کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔ "مبارک آپ باپ بننے والے ہیں۔"

سلمان نے زبردستی مسکراتے ہوئے لیڈی ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور گاڑی

رحیلہ کی کوٹھی میں آ گیا وہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی اب اسے اپنے گھر واپس ا کیونکہ سہ پہر کا وقت ہو گیا تھا جب وہ رحیلہ سے جدا ہونے لگا تو اس عیار ی نے کمال کی اداکاری کرتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لئے اور سسکیاں لینے سلمان کے دل پر بڑا اثر ہوا اس نے رحیلہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اس نے کی کون سی بات ہے رحیلہ۔"

رحیلہ رومال سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔ "لگتا ہے آپ پریشان ہو گئے ہیں ہے میں آپ کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاؤں گی۔ میں آپ کی امانت لے کر کسی کنویں میں کود جاؤں گی میری قسمت ہی ایسی ہے۔"

سلمان ایک بیوقوف جذباتی مرد کی طرح اسے تسلیاں دینے لگا اور جذبات میں آ بھی کہہ گیا کہ میں تمہیں کبھی اپنے سے جدا نہیں کروں گا ایسا کبھی نہیں ہو گا تم فکر رہو۔ رحیلہ یہی بات اس کی زبان سے کہلوانا چاہتی تھی اس کی اداکاری بڑی ب رہی تھی۔

سلمان اپنی گاڑی میں بیٹھا گھر جا رہا تھا اس کا ذہن پریشان خیالات میں الجھا ہوا بار بار خود کو کوس رہا تھا کہ اس نے رحیلہ سے یہ کیوں کہا کہ وہ اس سے کبھی یں ہو گا بیوقوف جذباتی آدمیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے وہ جذبات میں آ کر بات کہہ جاتے ہیں اور بعد میں پچھتانے لگتے ہیں ان کے ساتھ المیہ یہ ہوتا ہے ب وہ بات کہہ رہے ہوتے ہیں تو بڑے سچے ہوتے ہیں اور جب اس بات پر ہے ہوتے ہیں تب بھی سچے ہوتے ہیں۔ سلمان بھی اسی المیے کا شکار تھا سارا ہ اسی الجھن میں مبتلا رہا وہ رحیلہ سے شادی نہیں کر سکتا تھا اس کے لئے ی تھا کہ آنے والی مصیبت سے کسی طرح نجات حاصل کی جائے اس نے رحیلہ ں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ایسا کرنے پر تیار نہیں ہے وہ بڑی خوش تھی اور ہے کہ اب اس سے باقاعدہ نکاح پڑھوانا چاہے گی تاکہ بچے کو معاشرہ میں ایک مقام حاصل ہو سکے یہ وہ بات تھی جس کے لئے سلمان تیار نہیں تھا اپنے نیم بنگلے کے گیٹ پر پہنچ کر سلمان نے مخصوص انداز میں ہارن دیا ایک طرف سے لاڑتی ہوئی آئی سلمان کو سمیرا کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا وہ برآمدے والی کھڑکی

میں کھڑی گیٹ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلا رہی تھی سلمان نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رحیلہ کو مجبور کرے گا جو مصیبت اس کے سر پر سوار ہو گئی ہے اس سے نجات حاصل کرے
سلمان کے وقت پر دفتر سے گھر آنے پر سمیرا بڑی خوش تھی وہ خود چائے بنا کر لائی۔

"میں نے چائے نہیں پی تھی میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم آج دیر نہیں کرو گے۔"
سلمان کے چہرے سے سمیرا نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان ہے جب اس نے وجہ پوچھی تو سلمان نے ہنس کر کہا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہو گیا بھلا؟"
سمیرا چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔ "مجھے تم سے محبت ہے نا اس لئے تمہارے چہرے سے تمہارے دل کا حال پڑھ لیتی ہوں۔"
سلمان نے اپنے دل میں کہا بھلا ایسی محبت کرنے والی بیوی مجھے کہاں ملے گی؟ میں نے اگر اس کے سر پر دوسری عورت لا کر بٹھا دی تو اس کا اعصابی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا یہ کبھی زندہ نہیں بچے گی نہیں نہیں۔ میں کل ہی رحیلہ کے پاس جاؤں گا اور اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔
دوسرے روز سلمان دفتر سے دو گھنٹے پہلے ہی کسی کام کا بہانہ بنا کر نکل آیا اس نے رحیلہ کو فون کر دیا تھا وہ اپنے ناز و انداز کے تمام ہتھیاروں کے ساتھ مسلح ہو کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جمال کو بھی باہر بھیج دیا تھا خود پلنگ پر اس طرح لیٹی تھی جیسے زیر علاج ہو۔ نوکرانی نے ہی دروازہ کھولا سلمان نے اندر آ کر رحیلہ کو پلنگ پر لیٹے دیکھا تو فکرمند ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ بخار ہے کیا؟"
رحیلہ نے خاص انداز میں شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "تم مردوں کو کیا معلوم کہ جب عورت ماں بننے والی ہوتی ہے تو اسے اپنے بچے کا اور اپنا کتنا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"
سلمان صوفے پر خاموشی سے بیٹھ گیا وہ سوچ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے رحیلہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے ایک انگریزی رسالے میں سے کسی بچے کی تصویر کاٹ کر اپنی ڈائری میں رکھ چھوڑی تھی ڈائری سرہانے کے نیچے سے نکال کر بچے کی تصویر سلمان کو دکھاتے ہوئے بولی۔ "تم دیکھ لینا ہمارا بچہ اس سے بھی زیادہ

ت ہو گا۔"
سلمان نے تصویر کو ایک نظر دیکھا جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سلگایا اور اپنے اعصاب کو مضبوط بنانے کے بعد بولا۔ "رحیلہ! میں تم سے ضروری بات کرنے آیا ہوں۔" اور جب سلمان نے اسے بتایا کہ اس مصیبت ات حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ اس سے شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں رحیلہ کو تعجب نہیں ہوا۔ وہ جانتی تھی کہ سلمان یہی کہے گا لیکن وہ ایک سوچی سکیم کے مطابق چل رہی تھی اس نے چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا اور آہستہ سسکیاں لے کر رونے لگی سلمان نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھے کر دو رحیلہ میں دوسری شادی نہیں کر سکتا کاش تم سمیرا سے پہلے مجھے ملی پھر یہ صورتحال کبھی پیدا نہیں ہوتی۔"
رحیلہ نے غصہ ظاہر کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ایسی بات تھی تو میری زندگی برباد نہیں کرنی چاہئے تھی۔"
"مجھے معاف کر دو رحیلہ! میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔" سلمان بار بار ت طلب کرنے لگا۔ رحیلہ نے جھنجلا کر رسالے سے کاٹی ہوئی تصویر پھاڑ ڈالی ا "ٹھیک ہے میں تمہیں شادی کرنے پر مجبور نہیں کروں گی۔ بلکہ اپنی زندگی کا تمہ کر لوں گی۔"
سلمان نے رحیلہ کا بازو تھام کر کہا۔ "خدا کے لئے جذبات سے کام نہ لو ے دل سے سوچو اگر میں تم سے شادی کر سکتا تو ضرور کر لیتا میری جگہ پر آ کر رحیلہ میں مجبور ہوں۔"
"کیوں ـــــ؟" رحیلہ نے تڑپ کر کہا۔ "تم دوسری شادی کر سکتے ہو کیا تمہیں اس کی اجازت نہیں دے گی تم اس لئے پریشان ہو؟"
"ایسی بات نہیں ہے رحیلہ۔" سلمان نے بے بسی سے جواب دیا۔ "پھر کیا ئی ہے؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے؟ خدا نے تمہیں ایک بچہ عطا کیا ہے بڑی نعمت ہوتی ہے تم شادی کے اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی اس نعمت محروم تھے اور جب خدا نے تمہیں اس نعمت سے سرفراز کیا تو تم مجھ پر اور اپنے

ہونے والی اولاد پر ظلم کرنا چاہتے ہو ایک بات میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں اگر تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو یاد رکھو میں تمہارے بچے سمیت کنویں میں کود کر خودکشی کر لوں گی اور اس خون ناحق کی ذمہ داری تم پر ہو گی میں حشر کے دن تمہارا دامن پکڑ کر تم سے پوچھوں گی کہ تم نے مجھ پر اور میرے بچے پر یہ ظلم کیا تھا؟ اس وقت تم کیا کرو گے؟"

سلمان کانپ گیا وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا ذہن انتہائی پریشان کن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا وہ زندگی کے ایک ایسے مقام پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ جہاں نہ آگے جانے کا راستہ تھا نہ پیچھے جانے کی کوئی راہ تھی رحیلہ اسے گوشہ چشم سے دیکھ رہی تھی اور جھوٹ موٹ کے آنسو بھی بہا رہی تھی پھر وہ پلنگ سے اٹھی اور ستم زدہ مشرقی عورتوں کی طرح سلمان کے پاؤں کو پکڑ لیا اور آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔ "خدا کے لئے تم پریشان نہ ہو سلمان۔ میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی اگر تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے تو بے شک مت کرو میں تمہیں کوئی الزام نہیں دوں گی میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گی میں خودکشی بھی نہیں کروں گی میں تمہاری نشانی کو لے کر اس دنیا سے دور------ بہت دور------ چلی جاؤں گی اور پھر کبھی تمہیں اپنا منہ نہیں دکھاؤں گی۔"

رحیلہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے پلنگ پر گر پڑی سلمان پہلے ہی جذباتی نوجوان تھا ان حالات میں اس کے جذبات میں بھی ہیجان سا آ گیا جلدی سے رحیلہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں تمہاری زندگی تباہ نہیں کروں گا میں اپنے بچے کو باپ کی شفقت سے محروم نہیں ہونے دوں گا۔ میں تم سے شادی کروں گا۔"

رحیلہ نے سر اٹھا کر سلمان کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر فتح کی خوشی تھی۔

"ہاں رحیلہ!" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

رحیلہ نے خوش ہو کر کہا۔ "سلمان! تم واقعی ایک مرد ہو بہادر مرد"

وہ سلمان کی بہادری کی تعریف کر کے اسے اپنے فیصلے پر قائم رکھنا اور فیصلے کو

رنا چاہتی تھی وہ سلمان سے بے پناہ محبت کا اظہار کرنے لگی بار بار اس کے یلے اور جرات مندانہ موقف کی تعریف کرتی رہی۔

یں جانتی تھی سلمان کہ تم ایک دلیر آدمی ہو تم کبھی مجھے بے بسی کی حالت ے آلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہا نہیں چھوڑو گے۔"

مان اپنی تعریف پر خوش بھی ہو رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے ں طریقے سے عملدرآمد کر سکتا ہے رحیلہ نے لائٹر جلا کر سلمان کا سگریٹ کنے لگی۔ "تمہیں اب پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم خاموشی کر لیں گے کسی کو نہیں بتائیں گے میں اسی مکان میں تمہاری بیوی بن کر ۔"

حیلہ نے جو اسکیم سوچ رکھی تھی اسی کے مطابق بتدریج قدم اٹھا رہی تھی رمند ہو کر بولا۔ "لیکن سمیرا سے اجازت لینی ضروری ہے رحیلہ اس کی ے بغیر میری دوسری شادی غیر قانونی ہو جائے گی۔"

حیلہ اپنا چہرہ سلمان کے کاندھے کے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔ "تو پھر اس سے لے لو تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ سمیرا کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔"

لمان نے گہرا سانس بھرا۔ "اعتراض تو اسے ضرور ہو گا مگر وہ میری محبت کی خاموش ہو جائے گی کچھ نہیں کہے گی لیکن------"

لیکن کیا؟" رحیلہ کو تشویش سی ہوئی۔

یہ غم اس کی جان لے لے گا۔"

حیلہ نے بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔ "تم عورتوں کو نہیں جانتے عورتیں ما ہیں اور پھر میں سمیرا کے ساتھ بڑی محبت سے رہوں گی میں اس کی بھی روں گی اسے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

ٹھیک ہے۔" سلمان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں اس سے اجازت لے ا تم سے قانون کے مطابق شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

ل روز رحیلہ نے اپنا سارا پیار سلمان پر صرف کر دیا سلمان پر اس پیار کا ہوا اور وہ بڑے عزم کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گیا وہ اپنے ضمیر کو کسی

ہونے والی اولاد پر ظلم کرنا چاہتے ہو ایک بات میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں اگر تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو یاد رکھو میں تمہارے بچے سمیت کنویں میں کود کر خودکشی کر لوں گی اور اس خون ناحق کی ذمہ داری تم پر ہو گی میں حشر کے دن تمہارا دامن پکڑ کر تم سے پوچھوں گی کہ تم نے مجھ پر اور میرے بچے پر یہ ظلم کیا تھا؟ اس وقت تم کیا کرو گے؟"

سلمان کانپ گیا وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا ذہن انتہائی پریشان کن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا وہ زندگی کے ایک ایسے مقام پر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ جہاں نہ آگے جانے کا راستہ تھا نہ پیچھے جانے کی کوئی راہ تھی رحیلہ اسے گوشہ چشم سے دیکھ رہی تھی اور جھوٹ موٹ کے آنسو بھی بہا رہی تھی پھر وہ پلنگ سے اٹھی اور ستم زدہ مشرقی عورتوں کی طرح سلمان کے پاؤں کو پکڑ لیا اور آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔ "خدا کے لئے تم پریشان نہ ہو سلمان۔ میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی اگر تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتے تو بے شک مت کرو میں تمہیں کوئی الزام نہیں دوں گی میں کسی کو کچھ نہیں کہوں گی میں خودکشی بھی نہیں کروں گی میں تمہاری نشانی کو لے کر اس دنیا سے دور ---- بہت دور ---- چلی جاؤں گی اور پھر کبھی تمہیں اپنا منہ نہیں دکھاؤں گی۔"

رحیلہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے پلنگ پر گر پڑی سلمان پہلے ہی جذباتی نوجوان تھا ان حالات میں اس کے جذبات میں بھی ہیجان سا آ گیا جلدی سے رحیلہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں تمہاری زندگی تباہ نہیں کروں گا میں اپنے بچے کو باپ کی شفقت سے محروم نہیں ہونے دوں گا۔ میں تم سے شادی کروں گا۔"

رحیلہ نے سر اٹھا کر سلمان کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر فتح کی خوشی تھی۔

"ہاں رحیلہ!" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

رحیلہ نے خوش ہو کر کہا۔ "سلمان! تم واقعی ایک مرد ہو بہادر مرد۔"

وہ سلمان کی بہادری کی تعریف کر کے اسے اپنے فیصلے پر قائم رکھنا اور فیصلے کو

کرنا چاہتی تھی وہ سلمان سے بے پناہ محبت کا اظہار کرنے لگی بار بار اس کے فیصلے اور جرات مندانہ موقف کی تعریف کرتی رہی۔

"میں جانتی تھی سلمان کہ تم ایک دلیر آدمی ہو تم کبھی مجھے بے بسی کی حالت کے آلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہا نہیں چھوڑو گے۔"

سلمان اپنی تعریف پر خوش بھی ہو رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے کس طریقے سے عملدرآمد کر سکتا ہے رحیلہ نے لائٹر جلا کر سلمان کا سگریٹ ر کرنے لگی۔ "تمہیں اب پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم خاموشی دی کر لیں گے کسی کو نہیں بتائیں گے میں اسی مکان میں تمہاری بیوی بن کر ی۔"

رحیلہ نے جو اسکیم سوچ رکھی تھی اسی کے مطابق بتدریج قدم اٹھا رہی تھی فکرمند ہو کر بولا۔ "لیکن سمیرا سے اجازت لینی ضروری ہے رحیلہ اس کی کے بغیر میری دوسری شادی غیر قانونی ہو جائے گی۔"

رحیلہ اپنا چہرہ سلمان کے کاندھے کے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔ "تو پھر اس سے لے لو تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ سمیرا کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔"

سلمان نے گہرا سانس بھرا۔ "اعتراض تو اسے ضرور ہو گا مگر وہ میری محبت کی خاموش ہو جائے گی کچھ نہیں کہے گی لیکن ----"

"لیکن کیا؟" رحیلہ کو تشویش سی ہوئی۔

"یہ غم اس کی جان لے لے گا۔"

رحیلہ نے بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔ "تم عورتوں کو نہیں جانتے عورتیں تی ہیں اور پھر میں سمیرا کے ساتھ بڑی محبت سے رہوں گی میں اس کی بھی کروں گی اسے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" سلمان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں اس سے اجازت لے ں تم سے قانون کے مطابق شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس روز رحیلہ نے اپنا سارا پیار سلمان پر صرف کر دیا سلمان پر اس پیار کا ر ہوا اور وہ بڑے عزم کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو گیا وہ اپنے ضمیر کو کسی

طرح سے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا ہمارے دین نے ہمیں چار شادیوں کی اجازت دے رکھی تھی بشرطیکہ ہم عدل کر سکیں۔ میں تو صرف دوسری شادی ہی کر رہا ہوں اور وہ بھی محض اس لئے کہ میں رحیلہ اور اپنے بچے کو موت کے منہ سے بچانا چاہتا ہوں میں سمیرا کے حقوق بھی پوری ذمہ داری سے ادا کروں گا مجھے اس سے بھی محبت ہے اس محبت میں ذرا سی بھی کمی واقع نہیں ہونے دوں گا آخر لوگ دوسری شادی کرتے ہیں یہ کوئی ناجائز بات نہیں ہے بلکہ اب میرا فرض بن گیا ہے کہ میں رحیلہ کو معاشرے میں اس کا جائز حق دوں۔

اس کا خیال تھا کہ وہ جاتے ہی سمیرا سے ساری بات کرے مگر وہ ایسا نہ کر سکا رات کو بھی اسی نے دو ایک بار حرف مدعا زبان پر لانے کی کوشش کی مگر ہر بار وہ رک سا جاتا دوسرے دن دفتر سے اس نے رحیلہ کو فون کیا اور اس سے دو ایک دن کی مہلت مانگی رحیلہ کے پاس اس وقت جمال بھی بیٹھا ہوا تھا رحیلہ جمال سے بھی زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار عورت تھی وہ جانتی تھی کہ لوہا گرم ہے اگر اس وقت چوٹ نہ لگائی تو معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا اس نے فون پر سلمان سے کہا۔ "تم جیسے چاہو ویسے ہی کرو میں تمہارے راستے کی رکاوٹ نہیں ہوں سلمان میں تو تمہاری غلام ہوں تم دو دن چھوڑ کر دس دن کی مہلت لے لو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن آج دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھانا میں تمہارے لئے اپنے ہاتھ سے آلو مٹر پکا رہی ہوں تمہیں یہ پسند ہیں نا؟"

سلمان انکار نہ کر سکا رحیلہ نے فون بند کیا تو جمال جھنجلا کر بولا۔ "تم اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلا رہی ہو اب اسے مہلت مت دو' بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔"

رحیلہ نے جمال کو ڈانٹ دیا۔ "تم چپ رہو میں جانتی ہوں کس وقت مجھے کیا کرنا ہے میں جو کچھ کر رہی ہوں ٹھیک کر رہی ہوں۔ تم نوکرانی کے ساتھ مل کر بہترین آلو مٹر کی ڈش تیار کرو اور جب سلمان کی گاڑی آئے تو یہاں سے دفع ہو جانا۔"

جمال ہاتھ سے اپنا سر جھاڑتا ہوا اٹھا اور بڑبڑ کرتا کچن کی طرف چلا گیا۔

ایک بجے دوپہر کو سلمان بھی آ گیا رحیلہ نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور بڑی محبت سے اپنے کمرے میں لے گئی۔ "میں صبح پھر لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی

نے ہدایت کی ہے کہ میں احتیاط سے کام لوں کوئی وزنی چیز نہ اٹھاؤں' زیادہ یوں پر نہ چڑھوں اس نے مجھے گولیاں لکھ کر دی تھیں میں نے منگوا لی ہیں۔"

سلمان صوفے پر سر پیچھے لٹکائے یوں پڑا تھا جیسے کوئی بازی گر خطرناک کرتب نے سے پہلے آرام کر رہا ہو اپنی توانائی ایک مرکز پر جمع کر رہا ہو۔ رحیلہ اس کے یں انگلی سے کنگھی کرتے ہوئے بولی۔ "اب تمہیں خوش رکھنا ہر حال میں ی اور سمیرا کی خدمت کرنا ہی میری زندگی کا واحد مقصد رہ گیا ہے۔"

سمیرا کے نام پر سلمان نے آنکھیں کھول دیں وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"رات میں سمیرا سے کوئی بات نہیں کر سکا بس وہ ----- میرا مطلب ہے کہ بار کوشش کی مگر پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔"

رحیلہ کو دل میں کچھ تشویش ہوئی یہ اس کے ڈرامے کا کلائی میکس تھا نقطہ ج پر تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس موقع پر سلمان کی طرف سے کوئی تاخیر ہو اس اپنا سر سلمان کے کاندھے سے لگا دیا۔

"مجھے اس بات کا بڑا دکھ ہے سلمان کہ میری وجہ سے تم اس پریشانی میں مبتلا ہو پھر میں سوچتی ہوں کہ اگر تمہارا ہونے والا بچہ باپ کی شفقت سے محروم ہو گیا شرے میں وہ کوئی باعزت مقام حاصل نہ کر سکے گا اگر لڑکا ہوا تو میں اسے باپ کا نہ دے سکوں گی ہو سکتا ہے وہ میرے ہاتھ سے نکل جائے اور اس کی زندگی کے ی ایام کسی جیل میں گزریں اگر لڑکی ہوئی تو وہ مجھ سے بڑی ہو کر پوچھے گی کہ کا باپ کون تھا؟ اس کی سہیلیاں بھی اس سے یہی سوال کریں گی اور نہ وہ اس کا ب دے سکوں گی، وہ دلبرداشتہ ہو کر کوئی بھی قدم اٹھا سکتی ہے ہو سکتا ہے کہ یہ ی اسے گناہ کی دنیا میں لے -----"

سلمان نے جلدی سے رحیلہ کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "آگے کچھ نہ کہنا میں ب جانتا ہوں مجھے ایک ایک بات کا احساس ہے میں صرف تم سے دو دن کی مہلت ا ہوں سمیرا کے ساتھ میں نے اتنا عرصہ گزارا ہے میں تم سے صرف کل کا دن ا ہوں پرسوں میں اس کو فیصلے سے ضرور آگاہ کر دوں گا یہ میری آنے والی نسل کے ستقبل کا سوال ہے۔"

یہ جملہ کہہ کر دراصل سلمان اپنے ضمیر کو مطمئن کر رہا تھا اس کے پا
دوسری شادی کے حق میں دو جواز' دو مردہ لاشیں ایسی تھیں کہ جن کے ٹکڑے کر
وہ اپنے ضمیر کے مگرمچھ کے منہ میں ڈالتا جا رہا تھا ایک تو یہ ہزاروں مرد دوسری شا
کرتے ہیں اور دوسرا جواز یہ تھا کہ سمیرا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی حقیقت
تھی کہ یہ اسے اس کے گناہ کی سزا مل رہی تھی وہ اپنے گناہ کے پیدا کردہ عذاب
مبتلا تھا ایک غلطی اس سے سرزد ہو گئی تھی اب وہ اس سے بھی بڑی غلطی کر کے
غلطی کی تلافی کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

سلمان نے رحیلہ سے دو دن کی مہلت لی تھی مگر اس نے اس روز سمیرا
بات کرنے کا فیصلہ کر لیا شام کا اندھیرا ہونے سے پہلے سلمان گھر پہنچ گیا پہلے ا
ارادہ تھا کہ وہ شام کی چائے پر بات کرے گا اس نے خاص طور پر چائے لیموں
درختوں کے پاس لگوائی مگر اس کا حوصلہ نہ ہوا جب وہ سوچتا کہ سمیرا پر کیا اثر ہو
رک جاتا تب اس نے رات کے کھانے پر بات کرنے کا فیصلہ کیا مگر کھانے پر بھی
ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اصل بات اس کی زبان پر نہ آ سکی۔ دوسرے روز بھی
اسی ادھیڑ بن اور الجھن کا شکار رہا دو بار رحیلہ کا فون بھی آیا کہ دفتر سے نکل
میرے پاس آ جانا تمہارے بغیر میرا دل بڑا اداس ہے وہ ایسی ہوشیار عورت تھی
اس نے سلمان سے پوچھا تک نہیں کہ شادی کی بات سمیرا سے کی ہے یا نہیں؟
سلمان سے محبت کا اظہار ہی کرتی رہی سلمان دفتر سے فارغ ہو کر اپنے گھر ہی چلا
وہ دل میں پختہ عزم لے کر گیا تھا کہ جاتے ہی سمیرا سے دوسری شادی کا ذکر کر
مگر سمیرا کی بھولی بھالی اور حالات کے دکھ اٹھائی ہوئی شکل دیکھ کر وہ چپ رہا رات
بھی وہ پوری طرح نہ سو سکا۔

صبح بیدار ہوا تو سلمان اپنے دل میں ایک اور ہی فیصلہ کر چکا تھا دفتر پہنچ
اس نے رحیلہ کو فون کر دیا۔ "میں دوپہر کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔"
رحیلہ سمجھ گئی کہ سلمان نے سمیرا سے شادی کی اجازت لے لی ہے اس
جمال کو دو مرغیاں روسٹ کرنے اور مارکیٹ سے روغنی نان لانے کی ہدایت کی
خود تیار ہونے لگی جمال کو اس نے بتا دیا تھا۔

"مجھے یقین ہے جمال! سلمان کی بیوی نے اسے دوسری شادی کی اجازت دے
دی ہے۔"
جمال صوفے پر دونوں پاؤں رکھ کر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا رحیلہ نے سنگھار میز
کے آئینے میں سے اس پر نگاہ ڈالی اور ڈانٹ کر کہا۔ "یہ تم کس طرح صوفے پر بیٹھے

جمال نے پاؤں نیچے کر لئے کہنے لگا۔ "فرض کر لیا سلمان تم سے شادی کر لیتا
سوال یہ ہے کہ یہ شادی کب تک چلنی چاہئے میرا مطلب ہے کہ ہمارا ٹارگٹ
کی وہ جائیداد ہے جو اس نے سلمان کے نام لکھ رکھی ہے۔"
رحیلہ بالوں میں کنگھی پھیر رہی تھی مسکرا کر بولی۔ "تمہارا کیا خیال ہے مجھے یہ
معلوم نہیں ہے؟ ہمیں شادی کے بعد صرف چھ ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک سال
صبر کرنا ہو گا۔"
"اس کے بعد کیا کرو گی؟" جمال نے پوچھا۔
رحیلہ نے پلٹ کر جمال پر نظریں جما دیں اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک آ
گئی۔ "اس کے بعد جو کرنا ہو گا' تم کرو گے جو میں کہوں گی جیسے میں کہوں گی تم
ویسے ہی کرو گے سمجھ گئے۔"
رحیلہ کا انداز تحکمانہ تھا جمال کو یقین تھا کہ اس سودے میں اسے کم از کم
لاکھ روپیہ یکمشت مل جائے گا وہ رحیلہ کے پاس رہ کر کھلا خرچ کرتا تھا مگر رحیلہ
نے یکمشت اتنی رقم کبھی نہیں دی تھی۔ جمال نے دل میں طے کر لیا تھا کہ وہ یہ
لے کر رحیلہ سے الگ ہو جائے گا اور ہانگ کانگ جا کر اسمگلنگ کا کاروبار شروع
کرے گا جہاں اس کا ایک پرانا ساتھی بھی یہی کام کر رہا تھا یہی وجہ تھی کہ جمال کو
ڈانٹ بھی لیتی تھی اور وہ کچھ نہیں کہتا تھا جب رحیلہ نے یہ جملہ کہا کہ آگے
کام تم کو ہی کرنا ہو گا تو وہ سمجھ گیا کہ رحیلہ اس سے کیا کروانے کا ارادہ رکھتی
سلمان کی بیوی کا خون تھا کیونکہ سلمان کی پہلی بیوی کی موجودگی میں وہ اس کی
پر قبضہ نہیں کر سکتی تھی جمال کے سامنے لاکھ روپے کی رقم تھی جسے اس نے
آپ دل میں بڑھا کر دو لاکھ روپے کر لیا تھا اس نے سوچ لیا کہ اگر اسے سمیرا کا

خون کرنے کو کہا گیا تو وہ رحیلہ سے دو لاکھ روپے کا سودا طے کرے گا اور ایک ایڈوانس لے لے گا۔ "کہنے لگا ٹھیک ہے تم جیسے چاہو گی ویسے ہی ہو گا۔"

رحیلہ آئینے کی طرف منہ کر کے کنگھی کرنے لگی۔ "جاؤ اب مرغیاں لا کر نگرانی میں بنواؤ ایک بجے تک سلمان آ جائے گا۔"

سلمان ایک بجے سے بہت پہلے دفتر سے چھٹی کر کے آ گیا' رحیلہ نے اس اپنا بہترین لباس پہن رکھا تھا اور پورا میک اپ کئے ہوئے تھی۔ سلمان کو وہ معم سے زیادہ خوبصورت لگی وہ یہ سمجھا کہ شاید اس نے کہیں باہر جانے کا پروگرام بنا ہے جب اس نے پوچھا تو رحیلہ نے بڑی دلربائی کے ساتھ اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ یہ سب کچھ تمہاری خوشی کے لئے کیا ہے میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے ہمیشہ اسی طر پیار کرتے ہو جس طرح میں تم سے پیار کرتی ہوں۔"

سلمان سنگھار میز کے سامنے جا کر بالوں میں کنگھی کرنے لگا بیڈروم کی فضا ملکی خوشبوؤں سے لبریز تھی' رحیلہ کی جدید فیشن کی قمیض کا گریبان کافی فراخ تھ قمیض اس نے جان بوجھ کر پہنی تھی' سادہ مزاج مگر شدید جذبات رکھنے والے سلم کو رحیلہ نے ایسے ہی حربوں سے اپنا مفتوح بنایا ہوا تھا' وہ اس کے پاس صوفے پر گئی۔ سلمان کو محسوس ہوا کہ وہ خوشبوؤں اور رنگوں کی جنت میں آ گیا ہے' رحیلہ سلمان کے آتے ہی محسوس کر لیا تھا کہ وہ کسی خیال میں الجھا ہوا ہے وہ جانتی تھی ک یہ کیا خیال ہے' اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ سلمان نے اپنی بیوی سے دوسری شادی بات یا تو بالکل نہیں کی اور اگر کی ہے تو اس کی بیوی نے اسے دوسری شادی اجازت نہیں دی۔ مرد جس قلعے میں رہتا ہے اس کی دیواریں بڑی کمزور ہوتی عورت ایک ایسی حملہ آور ہے جو اس قلعے میں داخل ہونے کے تمام خفیہ راستوں سے قدرتی طور پر واقف ہوتی ہے اور رحیلہ تو ایک پیشہ ور تجربہ کار حملہ آور تھ قلعے کو تو پہلے ہی فتح کر چکی تھی اب صرف تخت و تاج پر قبضہ کرنا باقی تھا رحیلہ لئے یہ کوئی اتنی بڑی جنگ نہیں۔ تھی کیونکہ دشمن نے ایک بھی فائر نہیں کیا تھا ہتھیار ڈال دیئے تھے وہ سلمان کو اپنی خاص ادائیں دکھانے لگی پر ایسے بن گئی ایک دم کسی خیال سے غمزدہ ہو گئی ہو۔ جذبات کی ایک تیز رفتار موج سلمان کو

ا کر لے گئی وہ رحیلہ کو غمزدہ دیکھ کر پریشان ہو گیا اسے سوائے رحیلہ کے کسی شے کا خیال نہ رہا یہ ایک مرد کی شان بھی ہوتی ہے کہ وہ عورت کو غمزدہ دیکھ کی مدد کرنے کو بے قرار ہو جائے لیکن یہی مرد کی سب سے بڑی کمزوری بھی اس وقت سلمان بھی دنیا کا سب سے بڑا بہادر اور دنیا کا سب سے کمزور ترین تھا' محبتوں کے فیصلے ایک لمحے کے فیصلے ہوتے ہیں محبتوں میں طویل منصوبہ نہیں ہوتیں ایک لمحے کے فیصلے میں آدمی زندگی کی سب سے بلند ترین چوٹی پر ا ہے اور ایک لمحے کے فیصلے میں وہ زندگی کی تاریک ترین گھاٹی میں جا گرتا لمان ابھی زندگی کی بلند ترین چوٹی پر چڑھ رہا تھا اس نے رحیلہ کو غمزدہ دیکھا تو کی ایک منہ زور لہر کی زد میں آ کر اس نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا وہ جانتا تھا زم وہ یہی سمجھتا تھا کہ رحیلہ یہ سوچ کر غمزدہ ہے کہ سمیرا نے اسے دوسری کی اجازت نہیں دی ہو گی سلمان نے رحیلہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا زدہ چہرہ اپنی طرف کر لیا رحیلہ اس وقت بھی سلمان کے قلعے کی باقی ماندہ ں پر پے در پے حملے کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے سلمان تڑپ "تم کیوں پریشان ہوتی ہو' کیا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں؟"

سلمان کا دل بول رہا تھا رحیلہ کے کان صرف سن رہے تھے اور دماغ کا کمپیوٹر ی کی پروگرامنگ کر رہا تھا سچائی کس کے پاس تھی؟ نفع کس میں تھا؟ کون سچ بول ا؟ کون جھوٹ بول رہا تھا؟ اس سے شاید یہ دونوں بے خبر تھے رحیلہ دماغ سے لے رہی تھی وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے سلمان کا صرف دل رہا تھا جذبات کام کر رہے تھے اور جذبات کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ سچ کیا ہے اور کیا ہے۔

رحیلہ نے ٹشو پیپر بڑی نزاکت کے ساتھ اپنی آنکھوں سے باری باری لگائے آنسو خشک کر رہی ہو پھر آواز کو دردناک بناتے ہوئے بولی۔ "سلمان مجھے معاف نا میری وجہ سے تمہیں بڑی پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے میں اس دنیا سے بڑی دور اؤں گی تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔"

اور اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ سلمان نے اپنی پوری مردانہ شان سے

کہا۔ ”رحیلہ! میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا میں تم سے شادی کروں گا میری
بیوی چاہے اس کی اجازت دے چاہے نہ دے۔“

رحیلہ نے چہرہ اٹھا کر نقلی آنسوؤں والی آنکھوں سے سلمان کو دیکھا۔ ”نہیں سلمان! تم میرے لئے اپنی بیوی کو دکھی مت کرو میں تم دونوں کے درمیان دیوار نہیں بننا چاہتی۔“ رحیلہ نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں پر عمل کرتے ہوئے جو تیر چلایا تھا اس کا نشانہ چوک بھی سکتا تھا اس جملے کا سلمان پر یہ اثر بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کی زندگی کے بارے میں سوچنے لگتا مگر سلمان کے دماغ پر اس وقت جذبات حکمرانی تھی اس وقت مرد کے قلعہ پر عورت اور صرف عورت کا پرچم لہرا رہا تھا سلمان نے بے چین ہو کر کہا۔ ”مجھے سمیرا سے اجازت طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

رحیلہ کے جسم میں اطمینان کی ایک لہر دوڑ گئی۔

”ہاں رحیلہ! میں سمیرا کو ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا ہم خفیہ طور پر شادی کریں گے جب شادی ہو جائے گی تو اس کے بعد میں سمیرا سے اجازت نامہ لکھوا لوں گا اس کی فکر نہ کرو اس وقت ہو سکتا ہے وہ مجھے دوسری شادی کی اجازت دینے میں و پیش سے کام لے مگر جب ہماری شادی ہو جائے گی اور میں ایک بچے کا باپ بن ہوں گا تب وہ ہتھیار ڈال دے گی۔“

رحیلہ کا دماغ اس دوران بڑی تیزی سے بڑے اہم مسائل پر غور کر رہا سلمان کہہ رہا تھا۔

”لیکن مشکل یہ پیدا ہو گی کہ پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر میں دوسری شادی کیسے کر سکوں گا؟“

رحیلہ نے بڑے یقین سے کہا۔ ”سرتاج! تم یہ کام مجھ پر چھوڑ دو میں تمہاری خاطر یہ مشکل حل کرنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔“

رحیلہ کو معلوم ہو چکا تھا اور یہ بات خود سلمان نے ترنگ میں آ کر بتائی تھی کہ سمیرا نے بنگلہ اور اس سے ملحقہ ساری زمین اس کے نام کر دی ہے صرف ایک دستاویز پر اس کے دستخط ہونے باقی ہیں جس کے بغیر وہ اس جائیداد

ت کرنے کا مجاز نہیں ہے اور یہ نقطہ سمیرا کی سہیلی نتاشا نے سمیرا کو سمجھایا تھا ۔ سمیرا ایسا نہیں سوچتی تھی مگر نتاشا کے اصرار پر اس نے منتقلی جائیداد کی خاص ز پر دستخط نہیں کئے تھے سلمان سے شادی کر لینے کے بعد رحیلہ سلمان پر اپنے ، والے بچے کے مستقبل کو وجہ بنا کر دباؤ ڈال سکتی تھی اور جائیداد کی آخری ز بھی سمیرا کے دستخط حاصل کر سکتی تھی صرف اس ایک دستخط کو حاصل کرنے لئے رحیلہ نے سارا ڈرامہ رچایا تھا اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ سلمان ائیداد جائز طریقے سے حاصل کرے تاکہ بعد میں جب وہ سلمان کو چھوڑ دے تو ر کوئی قانونی گرفت نہ ہو سکے وہ پہلے ہی اپنی زندگی میں بڑی قانون شکنیاں کر چکی اور اب اس کی خواہش تھی کہ چند لاکھ روپے کسی طرح حاصل کرے اور کسی ے ملک میں جا کر چین کی زندگی بسر کرے اگرچہ رحیلہ اسے ایک جائز عمل تھی مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ اس طرح وہ ایک ہنستے بستے گھر کو آگ لگا رہی ہے یک وفا شعار نیک بیوی کی زندگی ہمیشہ کے لئے برباد کر رہی ہے وہ دنیا کے قانون ر ساتھ دے رہی تھی مگر قدرت کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ رہی تھی اسے نہیں تھا کہ انسان کے بنائے ہوئے قانون کو توڑ کر آدمی اس کی پاداش میں سزا ر واپس بھی آ سکتا ہے اور کبھی کبھی تو سزا سے بھی بچ جاتا ہے مگر یہ ناممکن ہے سان قدرت کے قانون کو توڑ کر سزا سے بچ جائے یا سزا کاٹ کر واپس آ جائے ے قانون کو توڑنے کی سزا تو انسان کو قیامت تک بھگتنا پڑتی ہے۔

وہ دن رحیلہ کی زندگی میں خوشی کی ایک ایسی خبر لے کر آیا تھا جس کو سننے کے دیر سے منتظر تھی سلمان نے سمیرا سے اجازت لئے بغیر اس سے شادی کا فیصلہ تھا رحیلہ کا با اثر مگر سماج دشمن لوگوں کے ساتھ رابطہ تھا، گہرا رابطہ تھا وہ یہ حل کر سکتی تھی وہ سمیرا کے جعلی دستخطوں سے ایک جعلی اجازت نامہ بھی تیار کتی تھی سمیرا کے دستخط حاصل کرنا اس کے لئے کوئی دقت طلب بات نہیں تھی یہ کچا کام نہیں کرنا چاہتی تھی وہ سمیرا کے اصلی دستخطوں والا اجازت نامہ حاصل کے حق میں تھی اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ جس طرح اور جیسے ممکن ہو گا کے ساتھ شادی کرے گی اس کے بعد وہ سلمان کو مجبور کر کے اس پر دباؤ ڈال

کر سمیرا سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور اگر اس نے شادی ا
اجازت نامہ بھی نہ دیا تو کوئی بات نہیں وہ اس سے جائیداد کی منتقلی کی آخری دستاویز پر
اس کے دستخط ضرور کروا کر رہے گی تاکہ جو کھیل اس نے رچایا ہے اس کا آخری
پردہ گرا دیا جائے اور وہ سلمان کی جائیداد فروخت کروانے کے بعد خود سلمان سے پیچھا
چھڑا کر اکیلی کسی دوسرے ملک میں جا کر عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکے بڑا سوچا
سمجھا بظاہر سیدھا سادہ پروگرام تھا رحیلہ اس سے زیادہ گھناؤنے سماجی جرائم کا ارتکاب
کر چکی تھی اس کے نزدیک یہ کوئی جرم ہی نہیں تھا سلمان ایک احمق قسم کا جذبات
پرست آدمی تھا اس کی بیوی گائے تھی جو صرف خاوند کے پیچھے چلنا جانتی تھی ایک
طرح سے رحیلہ اپنی سازش میں کامیاب ہو چکی تھی خاکہ تیار ہو چکا تھا صرف اس
خاکے میں ایک دو جگہوں پر رنگ بھرنے ہی باقی تھے۔

رحیلہ کے پاس اب زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا وہ دن قریب آ رہے تھے جب
ہونے والے جعلی بچے کے آثار کو نمودار ہونا تھا کچھ وقت کے لئے وہ تھوڑا ا
ڈھونگ رچا سکتی تھی مگر اس سے آگے نہیں اس نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر کوئ
مجبوری سامنے آ گئی تو وہ سیڑھیوں سے گرنے کا بہانہ بنا کر اگلے نقلی بچے تک کے ل
زمین ہموار کر لے گی کیونکہ اسکی لیڈی ڈاکٹر نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ بچے کی ما
کبھی نہیں بن سکے گی لیکن رحیلہ اپنی اسکیم کو اتنا زیادہ وقت نہیں دینا چاہتی تھی جب
سلمان چلا گیا تو رحیلہ جمال کے ساتھ کافی دیر بیٹھی معاملے پر گفتگو کرتی رہی اس
کے معاملات میں جمال کا تجربہ بڑا کام آتا تھا آخر وہ ایک فیصلے پر پہنچ گئے رحیلہ
اپنے خاص الخاص جرائم پیشہ آدمیوں کی خدمات حاصل کیں انہیں معزز آدمیوں
لباس پہنا کر گھر پر بلوا لیا ایک آدمی نے نقلی نکاح خواں کا بھیس بدل رکھا تھا اور
نکاح رجسٹر بھی نقلی تھا سلمان کا ان لوگوں سے تعارف کرایا گیا رحیلہ نے اسے ا
طرف لے جا کر یقین دلایا کہ یہ لوگ میرے ابا مرحوم کے دوستوں میں سے ہیں
میں نے ان سے وعدہ لے لیا ہے کہ وہ کم از کم ایک برس تک ہماری شادی کا
اپنے تک ہی رکھیں گے۔

اسی روز سلمان کا رحیلہ سے نکاح ہو گیا جو نقلی تھا مگر اس کی ساری کا

ح جیسی تھی دوسرے روز سلمان رحیلہ کے گھر سے ہی اپنے دفتر گیا سمیرا کو
یہ کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی دفتری کام سے شہر سے باہر جا رہا ہے کل دوپہر کے
پہنچے گا اس روز شام کو سلمان سمیرا کے پاس آیا تو وہ اس سے نظریں چرا رہا تھا
ی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سمیرا سے بڑی محبت جتانے لگا خود اس
چائے بنائی باغ میں سے پھول توڑ کر اس کے جوڑے میں لگایا سمیرا بڑی خوش
ا بات ہے سلمان؟ اتنی محبت کہاں سے آ گئی؟"
لمان اس کے قریب گیا۔ "سمیرا میں تو ہمیشہ ہی تم سے محبت کرتا رہا ہوں۔"
یرا کو سلمان کے کپڑوں سے ایک غیر مانوس سی خوشبو آئی۔ "یہ تم نے کون
لگا رکھی ہے؟ یہ تو عورتوں کی خوشبو ہے؟"
لمان نے مسکرا کر کہا۔ "یہ میری پیاری بیوی' میری محبوبہ سمیرا کی خوشبو

یرا ہنس دی مگر اس کا دل بجھ سا گیا یہ خوشبو کسی دوسری عورت کی لگائی ہوئی
ں۔

یہ دوسری عورت کون ہو سکتی ہے جس کی خوشبو سلمان اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا؟ سمیرا کے ذہن میں اسی عورت کا خیال آیا جس کا خط سلمان کی کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا اور جس کا ایک بار ٹیلیفون بھی آیا تھا۔ عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے، مگر یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ جس مرد سے وہ محبت کرتی ہے اور جو اس کا جیون ساتھی ہے اس پر کوئی دوسری عورت اپنا حق جتائے۔ اگر وہ ایسا کرتی ہے تو وہ کوئی آسمانی مخلوق ہے۔ نارمل عورت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ سمیرا نے اب تک سلمان کی اس قسم کی جذباتی بے راہ روی کو اس لئے بھی گوارا کیا ہوا تھا کہ اس قسم کی عارضی اور آوارہ جذباتی وابستگیوں کو گھر سے باہر چھوڑ آتا تھا۔ مگر اب نہ صرف یہ کہ وہ رات گھر سے باہر رہا تھا بلکہ ایک غیر عورت کی خوشبو بھی اپنے ساتھ گھر آیا تھا۔ یہ سمیرا کی حق تلفی تھی۔ اس کے دل میں بغاوت کا جذبہ ضرور تھا۔ مگر جذبہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں کھولتا اور پھر سو جاتا تھا۔ اس قدرتی جذبے کو سمیرا کی ضرورت سے زیادہ حاصل کی ہوئی تعلیم نے نیم بے ہوش کر رکھا تھا۔ سمیرا کے دل میں جب بھی اپنے جائز حقوق کے تحفظ کا خیال آتا اس کی اعلیٰ تعلیم اس جذبے کے خلاف ایک ہزار ایک جواز مہیا کر دیتی اور سمیرا کو دوسروں کی خاطر اپنے حقوق کی قربانی دے دینے سے بڑا سکون ملتا۔ ایک طرح سے سمیرا کو اس قربانی کا چسکا پڑ گیا تھا۔

اس وقت بھی سمیرا اس قسم کی جذباتی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس کا خاوند، زبردست محبت بھی جتاتا تھا، جو سمیرا کی محبت کا دم بھرتا تھا، کسی دوسری عورت کے

تھا۔ سمیرا کو احتجاج کرنا چاہئے تھا۔ اسے سلمان کا گریبان پکڑ کر پوچھنا چاہئے اس کی حق تلفی کیوں کر رہا ہے؟ سمیرا کے دل میں یہ قدرتی جذبہ پوری اور غیظ و غضب کے ساتھ بیدار بھی ہوا مگر اس کے ساتھ اس کے دل میں اپنے آپ کو قربان کر دینے کا جذبہ بھی ابھر آیا اور سمیرا نے اپنے پہلے جذبے کے منہ میں تھوڑی سی افیون ڈال کر اسے ایک بار پھر سلا دیا۔ سمیرا کو یاد ایک بار جب وہ دسویں جماعت میں پڑھتی تھی تو ایک بار اپنے انکل کے کی جیل دیکھنے گئی تھی۔ جیل میں پھانسی کی کوٹھری بھی تھی۔ اس کوٹھری میں ایک جوان عورت کو دیکھا تھا جس کی شکل صورت خانہ بدوش عورتوں جیسی وارڈن نے انہیں بتایا کہ اس عورت نے اپنے خاوند کو قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ نکلا تھا۔ عدالت نے اس عورت کو موت کی سزا سنا دی تھی۔ انکل نے اس سے پوچھا تھا۔ "کیا تمہیں اپنے خاوند کو قتل کرنے کا افسوس ہے؟"

خانہ بدوش عورت نے کہا تھا۔ "نہیں۔ اگر وہ ایک بار پھر زندہ ہو کر میرے آجائے تو میں اسے دوبارہ قتل کر دوں گی۔"

سمیرا کو اس خانہ بدوش عورت کی شکل آج بھی یاد تھی۔ وہ سانولے رنگ اور نا نقش کی خوبصورت عورت تھی۔ وہ اگر چاہتی اپنے خاوند کی بے وفائی پر اف کر سکتی تھی۔ مگر وہ ایک خانہ بدوش عورت تھی۔ صحراؤں کی آزاد قدرتی پروان چڑھی۔ عورت ----- اس نے خلیل جبران، روسو اور ورڈزورتھ ا تھا۔ اس کے قدرتی جذبوں کو غیر قدرتی تعلیم کا نشہ نہیں لگا تھا۔ اس کے ڑا میں آگ برساتے سورج کی طرح آتش ناک تھے۔ اس خانہ بدوش عورت سے سمیرا کے نازک احساسات کا آبگینہ لرزنے لگا۔ اس زلزلہ پیما آلے کی ا کی سوئی زمین کے نیچے پیدا ہونے والی ہلکی سی سرزش پر بھی ہننے لگتی ہے۔ جذبہ قدرتی ہے کون سا جذبہ غیر قدرتی سمیرا نے اس بحث کو آخری بار اپنے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سلمان کی محبت اور اپنے اء کے واسطے اپنے تمام جذبوں کی قربانی دے دے گی۔ سلمان کو کچھ نہیں اسی فیصلے سے سمیرا کو گھر سے سکون کا احساس ہوا۔ اس بار اس نے اپنے

قدرتی جذبوں کو نشے کی زیادہ خوراک دے دی تھی۔

سلمان اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ رحیلہ کے ساتھ اس کا نکاح شرعی ہ
ہے اور ساری کاروائی جعلی ہے۔ وہ تو رحیلہ کو اپنی جائز دوسری بیوی ہی سمجھ رہا تھا
اس کے سامنے اس نکاح کو قانونی حیثیت دینے کے لئے صرف ایک ہی مرحلہ باقی
کہ کسی طرح وہ سمیرا سے دوسری شادی کی اجازت حاصل کر لے۔ سلمان نے
سوچ رکھا تھا کہ جب ایک بار سمیرا اسے دوسری شادی کی اجازت دے دے گی تو
اس پر یہ راز ظاہر کر دے گا۔ سلمان کے پاس دوسری شادی کا ایک ہی جواز تھا
قدرت نے اسے خود مہیا کر دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ سمیرا کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھ
سلمان اسے کئی ڈاکٹروں کو دکھا چکا تھا۔ تقریباً" سبھی ڈاکٹروں نے اولاد کے سلسلہ
سمیرا کو کوئی امید نہیں دلائی تھی۔ جبکہ ایک ڈاکٹر نے تو سلمان کو صاف کہہ دیا تھ
اس کی بیوی کے کسی طریقے سے بھی اولاد نہیں ہو سکے گی۔ سلمان اب ہفتے میں ا
دو راتیں ضرور گھر سے باہر رہتا۔ سمیرا پوچھتی تو وہ کبھی کوئی اور کبھی کوئی بہانہ
دیتا۔ سمیرا کو معلوم تھا کہ وہ کہاں جاتا ہے مگر یہ بات اس کے وہم و گمان میں
نہیں تھی کہ سلمان نے کسی دوسری عورت سے بیاہ کر لیا ہے۔

دوسری طرف سے رحیلہ کے ہاں بھی اولاد کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ڈاکٹروں
بہت پہلے اسے یہ بات بتا دی تھی کہ وہ بانجھ ہے۔ ماں بننے کا تو رحیلہ نے
سلمان کو پھانسنے کا ایک بہانہ بنایا تھا۔ کچھ وقت تک تو رحیلہ اس بہانے کو نبھا
تھی۔ اس کے بعد نہیں۔ جمال نے رحیلہ کو مشورہ دیا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ
کے ذریعے سمیرا کی جائیداد کی آخری دستاویز پر اس کے دستخط کروا لے۔ اگر ب
پھوٹ گیا تو سارے کئے کرائے پر پانی پر جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ ہمیں جیل کی
ہوا کھانی پڑ جائے۔

رحیلہ خود وار کرنے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ ایک رات اس نے سلمان
بڑی محبت جتانے کے بعد کہا۔ "دیکھو نا۔ تمہاری پہلی بیوی کے ہاں تو کسی او
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں ماشاء اللہ کئی اولادیں ہوں گی۔ ہمیں ان
مستقبل کو بھی بنانا سنوارنا ہے۔ تمہارے پاس جو تھوڑی بہت جائیداد ہے وہ ہم د

سی کام کی نہیں۔ آخر وہ ہماری اولاد کے ہی کام آئے گی۔ میں چاہتی ہوں کہ
را سے کاغذات پر اس کے وہ دستخط بھی کروا لو جو باقی رہ گئے ہیں۔ زندگی کا کچھ
ہیں اور ماشاء اللہ تم ایک بچے کے تو باپ بننے ہی والے ہو۔ یہ سب کچھ ہماری
کا ہی حق ہے۔"

سلمان نے سگریٹ ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر جان من!
ے لئے ضروری ہے کہ پہلے میں سمیرا سے دوسری شادی کی اجازت حاصل کر
اس کے بعد دستخط بھی کروا لوں گا۔ وہ بے چاری گائے ہے۔ کوئی اعتراض نہیں
گی۔"

رحیلہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ سلمان اپنی بیوی سے دوسری شادی
ازت لیتا ہے یا نہیں۔ اس کا تو سلمان کے ساتھ نکاح ہی فرضی تھا اسے تو
لاکھوں کی اس زمین اور بنگلے سے دلچسپی تھی جو سمیرا کے محض ایک دستخط کر
سے حاصل ہو سکتی تھی۔ اس نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میری
بات یاد رکھو۔ جب سمیرا کو معلوم ہو گیا کہ تم نے مجھ سے شادی کر لی ہے تو وہ
دوسری شادی کی اجازت تو دے دے گی مگر جائیداد کے کاغذات پر اپنے دستخط
نہیں کرے گی کیونکہ اسے معلوم ہو گا کہ اب یہ جائیداد تمہاری دوسری بیوی
اد کے کام آئے گی۔"

سلمان سوچ میں پڑ گیا۔ رحیلہ کا یہ تیر بھی ٹھیک نشانے پر جا کر لگا تھا۔ سلمان
چا کہ واقعی اگر وہ مر گیا تو یہ تھوڑی بہت جائیداد واپس سمیرا کے پاس چلی جائے
میرا کے بانجھ ہونے کا تو سلمان کو یقین ہو چکا تھا۔ رحیلہ کے مزید کان بھرے تو
سمیرا سے دستاویز پر اس کے آخری دستخط جو رہ گئے تھے وہ بھی کروانے پر تیار
۔ اس نے رحیلہ سے ایک ہفتے کی مہلت مانگی۔ اس دوران سلمان نے سمیرا سے
کروا لئے۔ اب وہ سمیرا کی کشادہ کوٹھی اور کوٹھی کے ساتھ ملحقہ زمین کا اکیلا
تھا۔ رحیلہ کو اس نے کاغذات لا کر دکھائے تو سمیرا کے دستخط دیکھ کر اس کی
کا ٹھکانہ نہ رہا۔ سلمان نے یہ کاغذات رحیلہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "اسے سنبھال کر
ا میں رکھ لو۔ یہ ہماری اولاد کا حق ہے کسی روز میں اسے بینک میں رکھوا دوں

گا۔"

رحیلہ نے اپنے دل میں کہا۔ وہ وقت کبھی نہیں آنے دوں گی۔ اب ر
دوسری مہم شروع ہو گئی۔ یہ مہم سلمان پر یہ دباؤ ڈالنے کی تھی کہ وہ یہ جائیدا
کے نام منتقل کر دے۔ یہاں پر جمال نے ایک نکتہ اٹھایا۔ "اس کی کیا ضرور
پاگل عورت۔ یوں خواہ مخواہ سلمان کو شک پڑے گا کہ تم اس کی جائداد پر ق
چاہتی ہو۔"

"تو پھر اور کیا کریں۔"

جمال نے سگریٹ کا کش لگایا اور نتھنوں سے دھواں نکالتے ہوئے بولا۔
کہو کہ یہ جائیداد بیچ کر ہم شہر میں اپنا عالیشان بنگلہ بناتے ہیں۔ ساتھ ہی ایک چ
مارکیٹ بھی بنوا لیں گے جو ہمارے بچوں کے نام ہو گی۔"

رحیلہ کو یہ نکتہ پسند آیا۔ اب اس بات سے اسے کوئی دلچسپی نہیں
سلمان سمیرا سے دوسری شادی کی اجازت لیتا ہے یا نہیں۔ اس نے سلمان کو ا
پر قائل کرنے کی مہم شروع کر دی کہ پہاڑی بنگلے اور اس سے ملحقہ زمین کو
کر کے شہر میں اپنا الگ بنگلہ اور ایک چھوٹی سی مارکیٹ بنائی جائے جو ہماری ا
لئے ہمارا سب سے بڑا ترکہ ہو گا۔ جو منصوبہ جمال اور رحیلہ نے تیار کیا تھا
کہ جیسے ہی جائیداد فروخت ہو گی اور اس کی رقم گھر آئے گی وہ دونوں یہ رقم
فرار ہو جائیں گے۔ مگر سلمان ابھی جائیداد فروخت کرنے پر تیار نہیں تھا۔ جب
بہانے سے رحیلہ نے ایک رات سلمان سے اس موضوع پر بات کی تو اس نے
"نہیں رحیلہ! ایسا کرنے سے سمیرا اس پہاڑی مکان سے محروم ہو
جس کے ساتھ اس کی بڑی یادیں وابستہ ہیں۔"

رحیلہ کو سخت غصہ آیا۔ اس کو کیا معلوم یادیں کیا ہوتی ہیں۔ غصے کو
ظاہر نہ ہونے دیا بڑی لگاوٹ اور سمیرا کے ساتھ ہمدردی جتاتے ہوئے بولی۔
"ہم سمیرا بہن کو اپنے پاس رکھیں گے۔ اس کے لئے اپنی کشادہ کوٹھ
کمرے الگ بنوا دیں گے۔ وہ اپنی یادوں کے ساتھ وہاں آرام سے رہ سکے گی۔
سلمان مسکرا دیا۔ "تم بڑی بھولی ہو رحیلہ! اس کی یادیں تو اس پہاڑ

ے ساتھ جڑی ہوئی ہیں وہ بنگلہ اس سے چھن گیا تو سمیرا کے پاس ذہنی طور پر
رہنے کے لئے کیا باقی رہ جائے گا۔"

رحیلہ نے تنک کر کہا۔ "مگر ہمیں اپنے بچوں کا بھی تو مستقبل بنانا ہے انہیں
تعلیم دلوانی ہے۔ وہ شہر میں رہ کر بہتر سے بہتر اسکول کالج میں داخل ہو سکیں
آخر اس کرائے کی کوٹھی میں ہم کب تک پڑے رہیں گے۔"

سلمان کا ذہن زیادہ دور تک نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ حالات کو اپنے سامنے دیکھتا
بلہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی زندگی کے سارے فیصلے جذباتی فیصلے تھے ان
ں کی وجہ سے اسے فائدہ بھی پہنچا مگر نقصان زیادہ اٹھانا پڑا تھا۔ فائدہ جذباتی اعتبار
اور نقصان دنیاوی اعتبار سے۔ یہاں بھی جذبات میں آ کر اور رحیلہ کی محبت کی
ے متاثر ہو کر سلمان نے جائیداد فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"مگر ابھی یہ بات سمیرا کو بالکل نہیں بتاؤں گا یہ میں اس پر اس وقت ظاہر
وں گا جب وہ مجھے دوسری شادی کے واسطے اجازت نامہ لکھ کر دے چکی ہو گی۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔تم فکر نہ کرو۔ یہ بات اس گھر سے باہر نہیں جائے گی؟"

دوسرے دن سلمان دفتر گیا تو رحیلہ نے جمال کو یہ خوشخبری سنائی۔ جمال کا چہرہ
ے سرخ ہو گیا چٹکی سے سگریٹ کی راکھ جھاڑے اور بولا۔ "اس وقت لوہا گرم
۔ چوٹ لگا دینی چاہئے۔"

رحیلہ نے کہا۔ "تم کسی پراپرٹی ڈیلر سے بات کرو۔ مگر آدمی اپنے اعتماد والا ہونا
ہئے اس خبر کی بھنک بھی سمیرا کو نہ پہنچے۔"

جمال نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔ "تم فکر ہی نہ کرو میری جان! بس اب یہ
ہو کہ یہاں سے دولت لے کر پہلے شارجہ جانا ہے یا دبئی۔"

رحیلہ نے بھی سگریٹ سلگا لیا کہنے لگی۔ "ساری رقم عرب امارات کے کسی
میں جمع کراؤں گی۔ میرا دل ہے پہلے شارجہ جانے کا ہے وہاں سے پھر یورپ کے
ی ملک میں نکل جائیں گے۔"

جمال خوشی خوشی اٹھا اور یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا کہ میں ابھی اپنے
ب خاص پراپرٹی ڈیلر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ رحیلہ نے اس رات سلمان سے محبت

کے والہانہ اظہار کے ساتھ جائیداد کے کاغذ لے کر اپنی لوہے کی الماری میں سنبھال کر رکھ لئے۔ وہ جائیداد کو فروخت کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہو گئی دوسری طرف سیمرا زمانے کے دکھ جھیلنے کے لئے ایک بار پھر اکیلی رہ گئی۔ نتاشا اپنے اہل خانہ کے ساتھ کینیڈا واپس جا چکی تھی۔ سلمان ہفتے میں تین دن رحیلہ کے ہاں بسر کرتا تھا۔ سیمرا نے ہتھیار ڈال دیئے تھے وہ ایثار اور قربانی کے عمل سے بہت آگے نکل چکی تھی۔ اسے اب سوئے محبت کے کچھ یاد بھی نہیں تھا۔ وہ یاقوت سے محبت کرتی تھی جو اسے اکیلا چھوڑ کر نہ جانے ماضی کی کون سی دیواروں میں کھو چکا تھا۔ یاقوت کی محبت کے خلاء کو سلمان نے پر کر دیا تا۔ اب وہ بھی سیمرا سے کنارہ کش ہو رہا تھا مگر یہ کی محبت ہجر و وصال کی کشمکش سے آزاد ہو چکی تھی۔ سلمان تیسرے روز بھی گھر آتا وہ اسے دیکھ کر خوش ہو جاتی اس سے کبھی نہ پوچھتی کہ وہ کہاں تھا؟ کس کے پاس تھا؟ جب وہ چلا جاتا تو اس کی یاد کو اپنا ساتھی بنا لیتی اور محبت کے بیتے ہوئے گز خوشی کے لمحوں کی یاد میں گم ہو جاتی یہ بڑی عجیب منزل تھی۔ بڑا عجیب مقام تھا سیمرا کو کسی وقت محسوس ہوتا کہ وہ اپنے وجود سے بھی آگے نکل گئی ہے یاقوت۔ بھی، سلمان سے بھی آگے نکل گئی ہے۔

سلمان نے جب دیکھا کہ سیمرا نے اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیا۔ اور وہ اس کی کسی زیادتی پر کوئی احتجاج نہیں کرتی بلکہ پہلے سے زیادہ خدمت گزار گئی ہے تو اس نے سیمرا پر اپنی دوسری شادی کا راز کھول دیا۔ سیمرا کو ایک دھچکا لگا۔ یہ ایک قدرتی بات تھی وہ سلمان کا منہ تکتی رہ گئی۔ سلمان نے اسے قائل کر کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے گھر والوں نے مجبور کر دیا تھا سیمرا! وہ میری اولا دیکھنا چاہتے تھے وہ چاہتے ہیں نسل آگے چلے اور تمہارے ــــــ"

سیمرا نے سلمان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ٹھیک ہے سلمان تمہارے باپ نے جو کچھ کہا تم نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا اگر تمہاری خوشی، تمہارے گھر والوں خوشی اسی میں ہے تو میں بھی اسی میں خوش ہوں تم اگر چاہو تو اپنی دوسری بیوی دوسرے گھر میں رکھ سکتے ہو۔ چاہو تو اسے یہاں لے آؤ مجھ سے جو ہو سکا اس خدمت کروں گی۔"

سلمان سیمرا کی اس قربانی پر حیران رہ گیا اسے سیمرا کی جانب سے تھوڑی بہت ت کی توقع ضرور تھی۔ مگر سیمرا نے اسے کچھ بھی نہیں کہا تھا بلکہ رحیلہ کو اپنے بلا رہی تھی۔ تب سلمان کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ رحیلہ سے شادی کر کے اس نے سیمرا کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی؟ مگر کیا کروں سیمرا کے ہاں کوئی اولاد ہو رہی اور رحیلہ میرے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جس سلمان کو اپنے موقف پر دوبارہ لا کھڑا کیا تھا۔ اس نے ایک سفید کاغذ الماری میں نکال کر سیمرا کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ ایک رسمی سی کاروائی پوری کرنی ضروری ہے۔ یہاں دو سطروں میں مجھے ری شادی کا اجازت نامہ لکھ دو۔"

سیمرا قلم نکال کر لکھنے لگی تو سلمان نے کاغذ پیچھے کھینچ لیا۔ "سیمرا! میں اب بھی سے اسی طرح محبت کرتا ہوں۔ اگر تم دل سے راضی نہیں ہو تو میں دوسری شادی کروں گا۔ میں اپنے گھر والوں کو بھی چھوڑ دوں گا۔"

سیمرا نے سلمان کی طرف ایک پل کے لئے دیکھا اور کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا۔

"تمہارے ماں باپ کو تمہاری اولاد کی تمنا ہے خدا ان کی تمنا پوری کرے۔ تمہیں دوسری شادی کی اجازت دیتی ہوں۔"

سیمرا نے کاغذ پر اجازت نامہ لکھ کر نیچے اپنے دستخط کر دیئے سلمان کے سارے ئلے بڑی آسانی سے حل ہو گئے تھے۔ اس نے اطمینان کے ساتھ کاغذ تہہ کر کے پنے بریف کیس میں رکھ لیا اور سیمرا سے کہنے لگا۔ "تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کس ے شادی کر رہا ہوں۔"

سیمرا نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "اس بات کی میرے نزدیک کوئی اہمیت ں رہی۔ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

دوسرے دن سلمان دفتر سے فارغ ہو کر سیدھا رحیلہ کی کوٹھی کی طرف چل ا۔ اس نے دفتر میں اسے فون بھی نہیں کیا تھا وہ یہ خوش خبری اسے اچانک سنانا اہتا تھا۔ دوسری شادی کا اجازت نامہ سلمان کے بریف کیس میں تھا وہ انتہائی خوشگوار

موڈ میں گاڑی لئے رحیلہ کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اب رحیلہ کے ساتھ اس کے نکاح کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ کم از کم وہ یہی سمجھ رہا تھا۔ ابھی رحیلہ کی کوٹھی کوئی ایک فرلانگ دور ہو گی کہ سلمان کی گاڑی نے آگے چلنے سے انکار کر دیا۔ اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی اس نے گاڑی بڑی مشکل سے سڑک کے کنارے ایک طرف کھڑی کر دی اسے گاڑی کے انجن کی زیادہ سمجھ نہیں تھی۔ اس کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا۔ وہ اڑ کر رحیلہ کے پاس پہنچنا اور اسے یہ خوش خبری سنانا چاہتا تھا کہ سمیرا نے دوسری شادی کی اجازت لکھ کر دے دی ہے۔

سامنے ایک میڈیکل اسٹور تھا اس نے اسٹور کے مالک کو راضی کر لیا کہ وہ کچھ دیر تک اس کی گاڑی کی نگہبانی کرے گا سلمان وہاں سے پیدل ہی روانہ ہو گیا۔

رحیلہ کی کوٹھی کا گیٹ تھوڑا سا کھلا تھا۔ موسم گرم تھا اگرچہ دھوپ ڈھل چکی تھی مگر ہوا میں تپش تھی برآمدے کی بڑی چق گری ہوئی تھی۔ سلمان برآمدے میں گیا۔ ڈرائنگ روم کا ایئر کنڈیشنڈ چل رہا تھا۔ بند کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے وہ دروازے کی طرف بڑھا تو اسے اندر سے رحیلہ کے بلند قہقہے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ کسی مرد نے بھی قہقہہ لگایا۔ یہ جمال تھا۔ سلمان نے اس کی آواز پہچان لی تھی وہ دروازہ کھولنے ہی لگا کہ جمال کے ایک جملے پر اس کے قدم وہیں رک گئے وہ کہہ رہا تھا۔ "میری جان! سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ پراپرٹی ڈیلر نے رقم بینک سے نکلوا کر اپنے پاس رکھ لی ہے میں نے اسے کہا تھا تاکہ ہم کیش لیں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" رحیلہ کی آواز آئی۔

"بس اب اس الو کو ساتھ لے کر پراپرٹی ڈیلر کے ہاں چلنا ہے یہ کام آج ہو جانا چاہئے اس نے سارے کاغذات تیار کروا رکھے ہیں۔"

رحیلہ کی آواز آئی۔ "وہ الو آنے ہی والا ہو گا اس کے دفتر کا ٹائم ختم ہو چکا ہے۔ آج اس نے فون بھی نہیں کیا۔"

جمال نے کہا۔ "اس سودے میں سے میں اپنا ایک لاکھ روپیہ الگ لوں گا ہاں۔"

رحیلہ نے اسے گالی دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے کب انکار کیا ہے پہلے پراپرٹی تو

لینے دو۔"

"تم الو کو فون تو کرو شاید ابھی دفتر میں ہی ہو۔"

اس کے بعد اندر سے ٹیلیفون کا ڈائیل گھمانے کی ہلکی آواز آنے لگی۔ پہلے تو ان کو یوں لگا کہ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل سکے گا اس کے اپنے پاؤں من من اری محسوس ہونے لگے آسمانی بجلی کی ایک لہر اس کے اندر سے ہو کر نکل گئی تھی ر وہ اپنی جگہ پر پتھر کی طرح ساکت ہو گیا تھا۔ پھر وہ تیزی سے واپس مڑا۔ بڑی یاط سے قدم اٹھاتا برآمدے کی چق اٹھا کر باہر لان میں آیا اور دوسری طرف سے ہوا کوٹھی سے نکل گیا۔ جو کچھ اس نے رحیلہ اور جمال کی زبانی سنا تھا اس پر ے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتا تھا کہ رحیلہ اس ے ساتھ دھوکا کر رہی ہے اور یہ شادی اس نے محض سمیرا کی کوٹھی اور زمین پر قبضہ انے کے لئے کی ہے۔ وہ خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس نے جائیداد رحیلہ کے نام ل نہیں کی تھی ابھی وہی اس کا مالک تھا اور اس کی رضامندی اور موجودگی کے بغیر یلہ جائیداد فروخت نہیں کر سکتی تھی۔ سلمان کو یہ بھی اطمینان ہوا کہ دوسری شادی اجازت نامہ بھی ابھی تک اسی کے پاس تھا۔ اسے بچے کا خیال آنے لگا۔ اس نے کہہ کر خیال اپنے دل سے نکال دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ وہی اس بچے کا باپ ہو ر پھر رحیلہ ایک فراڈ عورت ثابت ہو چکی تھی ہو سکتا ہے اس نے بچے کا ڈھونگ چایا ہو۔ بڑی جلدی سلمان کی کایا پلٹ گئی تھی یہ بھی اس کے جذباتی ہونے کا ایک بت تھا۔ سمیرا کی عظمت کردار کا احساس سلمان کے دل میں بھرپور انداز میں ابھر یا۔

میڈیکل اسٹور پر آ کر سلمان نے سمیرا کو فون کیا وہ بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔ وہ فون پر ہی سمیرا سے اظہار محبت کرنے لگا۔ اسٹور کے مالک نے کن انکھیوں سے سلمان کی طرف دیکھا۔ سلمان نے اس کی تسلی کے لئے سمیرا کو دوبارہ بیگم کہہ کر پکارا تو اسٹور مالک زیر لب مسکرایا۔

"گاڑی خراب ہو گئی ہے میں ٹیکسی لے کر آ رہا ہوں تم دفتر سے گھر کس وقت پہنچیں؟"

سمیرا نے کہا۔ "آج میں دفتر نہیں گئی تھی تم ٹیکسی لے کر مت آنا میں گاڑی لے کر آ جاتی ہوں۔"

سلمان نے جواب دیا۔ "ہرگز نہیں تم آرام کرو میں دفتر کی گاڑی لے کر آجاتا ہوں بائی بائی آئی لو یو سمیرا۔"

سمیرا نے ریسیور رکھا تو سوچ میں پڑ گئی کوئی خوشگوا انقلاب ضرور نمودار ہوا تھا کیا وہ اپنی دوسری شادی کی اجازت حاصل کر لینے کی وجہ سے اتنا خوش ہے؟ سمیرا کا دل بوجھل سا ہو گیا۔ اس نے نوری کو بلا کر کہا۔ "صاحب آج کھانا گھر پر ہی کھائیں گے۔"

"اچھا بی بی جی۔" نوری کو خوشی ہوئی کہ صاحب آج باہر نہیں رہیں گے کھانا گھر پر ہی آ کر کھائیں گے۔ سمیرا خوش ہوتی تو نوری بھی خوش ہو جاتی۔ سمیرا کو بجھا بجھا دیکھتی تو اس کا دل بھی بجھ جاتا۔

سلمان ٹیکسی میں آیا اس نے آتے ہی کہا۔ "مجھے معاف کر دینا سمیرا میں نے تمہیں بڑے دکھ پہنچائے ہیں شرمسار ہوں۔"

سمیرا کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ سلمان کے اندر یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی ہے۔ سلمان نے لباس بھی تبدیل نہ کیا وہ سمیرا کو لے کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا اور شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی بیان کر ڈالی۔ سمیرا نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ سلمان اپنی تمام محبتوں کے ساتھ اس کے پاس واپس آ گیا تھا۔ سلمان نے جیب سے دوسری شادی کا اجازت نامہ نکال کر سمیرا کے سامنے جلا کر آتش دان میں پھینک دیا پھر سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر جذباتی انداز میں کہنے لگا۔ "اب ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گی۔ میں سیدھی راہ سے بھٹک گیا تھا۔ قدرت اور تمہاری محبت اور تمہاری وفا نے مجھے تباہی سے بچا لیا۔ اگر اتفاق سے میں راحیلہ اور جمال کی گفتگو نہ سن لیتا تو میں ایک ایسے تاریک گڑھے میں گرنے والا تھا جہاں سے میں ساری زندگی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔"

سلمان نے سمیرا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ بقول رحیلہ وہ ایک بچے کا باپ بننے والا

یونکہ اس بارے میں خود سلمان کو شبہ تھا کہ رحیلہ نے جھوٹ بولا ہے اور پر قبضہ جمانے کے لئے ڈھونگ رچایا ہے۔

"تم نے یہ بنگلہ اور اس کے ساتھ والی زمین جو میرے نام کر دی ہے اس کے رحیلہ کے پاس ہیں مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہیں کیونکہ رحیلہ اکیلی جائیداد کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ جائیداد میرے نام ہے اور اسے صرف میں ہی کر سکتا ہوں۔ سمیرا میں بڑا گناہ گار ہوں۔ میں تمہارا گناہ گار ہوں مگر میں پاس واپس آگیا ہوں مجھے معاف کر دینا۔"

سلمان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سمیرا کا دل بھی بھر آیا۔ اصل میں سمیرا کا ان کی محبت سے نہیں محبت کی محبت سے بھر آیا تھا۔ سلمان کی واپسی نہ سلمان تھی اور نہ سمیرا کی فتح تھی۔ یہ اس جذبہ محبت کی فتح تھی جسے کے رنگ میں نگ چکی تھی۔ اسے خوشی اس بات کی تھی کہ اس کا گھر تباہ ہونے سے بچ گیا مان کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے اگرچہ جائیداد والا کاغذ رحیلہ کے کسی کام نہیں آ ن پھر بھی مجھے اس سے یہ کاغذ واپس لے آنا چاہیے۔ تمہارا کیا خیال ہے

سمیرا نے سلمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو ہر حال میں تمہارے ساتھ

اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ سلمان نے سمیرا سے کہا۔ "ضرور رحیلہ کا فون ہو

اس نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے جمال کی آواز آئی۔ "جناب یہ سلمان کا گھر ہی ہے نا؟"

"میں بول رہا ہوں۔"

"سر! میں جمال ہوں۔ رحیلہ بی بی بڑی پریشان ہیں آپ آئے نہیں آج۔"

"آئی ایم سوری جمال۔ انہیں کہو کہ میں صبح آؤں گا۔ کل دفتر نہیں جاؤں

"آپ رحیلہ بی بی سے خود بات کر لیں۔"

"نہیں نہیں جمال۔ اس وقت میں مہمانوں میں بیٹھا ہوں میں صبح دس بجے
پہلے پہنچ جاؤں گا۔ او کے۔"

اور سلمان نے ریسیور رکھ دیا پھر گہرا سانس بھر کر بولا۔ "یہ جمال تھا' رحیل
ایجنٹ' جرائم پیشہ جمال۔"

سمیرا نے کچھ فکرمند ہو کر کہا۔ "میرا تو خیال ہے کہ تم وہاں اب بالکل
جاؤ۔ جب قانونی طور پر وہ تمہاری بیوی بھی نہیں ہے اس معاملے کو یہیں ختم کر
"۔ سلمان بچے کے بارے میں پوری تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "
سمیرا۔ میری جان! میں نہیں چاہتا کہ جائیداد کا کاغذ اس فراڈ عورت کے پاس ر
تم فکر نہ کرو میں کل کاغذ اس سے لے آؤں گا۔"

اگلے دن سلمان نے دفتر سے چھٹی کر لی وہ صبح ساڑھے نو بجے ہی رحیلہ
ہاں پہنچ گیا۔ جمال نے سلمان کو ٹیکسی سے اترتے دیکھا تو رحیلہ کو اطلاع دی۔ ر
اسی وقت سر پر پٹی باندھ کر لیٹ گئی۔ سلمان آیا تو بڑی کمزور آواز میں بولی۔ "
مرے یا جیے۔ تمہیں اس سے کیا۔"

سلمان اس عیار عورت کے ڈھونگ سے واقف ہو چکا تھا۔ مگر اب اسے
ڈھونگ رچانا تھا۔ فوراً" رحیلہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اس کا سر دباتے ہوئے
محبت اور فکرمندی سے بولا۔ "کیا ہوا میری جان؟ سر میں درد ہے؟ میں ابھی ڈاک
بلاتا ہوں۔"

رحیلہ نے سلمان کا ہاتھ تھام لیا آنکھوں میں زبردستی محبت کا گداز پیدا کر
کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے تم آ گئے ہو میں بالکل ٹھ
ہو جاؤں گی۔"

سلمان نے غور سے رحیلہ کا جائزہ لیا۔ دو مہینے گزر گئے تھے۔ ایسے کوئی آ
نظر نہیں آ رہے تھے کہ رحیلہ ماں بننے والی ہو۔ پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ رحیلہ کو
ایک جاننے والی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جا کر پورا چیک اپ کروائے تاکہ اصل
واضح ہو سکے۔ اسے معلوم تھا کہ اگر رحیلہ نے بچے کا ڈھونگ رچایا ہے تو وہ اس
ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانے پر کبھی تیار نہیں ہو گی۔ مگر اس لیے سلمان

ا کاغذ حاصل کرنے آیا تھا۔ رحیلہ نے شادی کی اجازت کے بارے میں بات
ر دی۔ سلمان نے اس کے ہاتھ کو بڑے پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم
فکر نہ کرو۔ ایک ہفتے کے اندر اندر میں سمیرا سے اجازت نامہ حاصل کر لوں
نے پورا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔"

س حقیقت کا بھی سلمان کو احساس تھا کہ رحیلہ جائیداد کا کاغذ اتنی آسانی سے
ں دے گی۔ وہ رحیلہ سے پیار بھری باتیں بھی کر رہا تھا اور سوچ بھی رہا تھا کہ
ا کاغذ کیونکر حاصل کیا جائے۔ اس نے کن انکھیوں سے کونے میں کھڑی لوہے
ی کی طرف دیکھا۔ کاغذ اسی الماری میں رحیلہ نے اس کے سامنے رکھا تھا۔
ی چابی رحیلہ ہمیشہ اپنے پرس میں رکھتی تھی۔ سلمان نے فیصلہ کر لیا کہ وہ
ے کاغذ کی بات کر کے خواہ مخواہ شک میں ڈالے گا اور اس کاغذ کو الماری میں
ں کر لے جائے گا۔ وہ رحیلہ کا بڑی آہستگی کے ساتھ سر دبا رہا تھا اور اس کے
طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو اس کے سرہانے پلنگ کی دوسری طرف پڑا تھا۔ جمال
یں نہیں تھا۔ خادمہ کچن میں ترکاری وغیرہ بنا رہی تھی۔

سلمان نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "رحیلہ! آج بڑا جی چاہتا ہے کہ تمہارے
ائی ہوئی چائے پیئوں مگر تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میں نے صبر کر لیا
رحیلہ کو ابھی سلمان کی بہت ضرورت تھی اور پھر وہ بیمار بھی نہیں تھی یہ سنتے
ھ بیٹھی۔ "میں ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

سلمان اسے بادل نخواستہ روکتا ہی رہ گیا اور رحیلہ بادل نخواستہ سلمان کی خاطر
انے چل دی۔ جوں ہی وہ دروازے سے باہر نکلی سلمان نے اس کا پرس کھول
ں کا رنگ نکالا الماری کے پاس جا کر چابیاں لگانے لگا ایک چابی نے تالا کھول
، دراز کی ایک فائل میں وہ کاغذ پڑا تھا جس کی سلمان کو تلاش تھی اس نے
تہ کر کے پتلون کی عقبی جیب میں ڈال لیا۔ الماری بند کر کے تالا لگایا اور
ں میں رکھ کر الگ ہی ہوا تھا کہ جمال اندر آ گیا۔ سلمان جلدی سے سرہانے
کرنے لگا۔ جمال کو محسوس ہوا کہ سلمان کچھ کر رہا تھا اور محض اسے دیکھ کر
لیک کرنے لگا ہے۔ مگر بظاہر اسے وہاں کوئی بھی شے بدلی ہوئی نظر نہیں آ رہی

تھی۔ سلمان پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔ "تمہاری نوکرانی کپڑے ٹھیک طرح سے صاف نہ
کرتی۔ سرہانے کا غلاف کتنا گندا ہو رہا ہے۔"

جمال بولا۔ "سر یہ تو رحیلہ بی بی دھوبی سے دھلواتی ہیں۔"

"وہ بھی نکما ہے۔" اور سلمان صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

جمال نے کہا۔ "رحیلہ بی بی نے پوچھا ہے آپ ساتھ کیا کھانا پسند کریں گے۔

"ارے نہیں بھائی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسے کہو میں صرف ا
کے ہاتھ کی بنی ہوئی ایک پیالی چائے ہی پیوں گا کتنا خیال ہے رحیلہ کو میرا۔۔۔۔"

جمال نے واپس مڑتے ہوئے دل میں کہا۔ یہ تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جا
گا۔ جمال کے چلے جانے پر سلمان نے ہاتھ سے پتلون کی عقبی جیب کا بٹن بند کر
اب وہ وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا مگر رحیلہ چائے بنا رہی تھی اور پھر وہ بچے
بارے میں پوری تسلی کرنا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس بات کے بظا
کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ سلمان اس لیڈی ڈاکٹر کا نام اور اس کے کلینک
واقف تھا جس نے رحیلہ کا چیک اپ کرنے کے بعد اولاد ہونے کی تصدیق کی تو
سلمان یہ بھی جانتا تھا کہ یہ لیڈی ڈاکٹر یقیناً رحیلہ اور جمال کے ساتھ ملی ہوئی
اور باقاعدہ سند یافتہ یا لیڈی ڈاکٹر نہیں ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی ذریعے
اس لیڈی ڈاکٹر سے اصل حالات معلوم کرنے کی کوشش کرے گا۔ اتنے میں رح
خود چائے لے کر آ گئی۔

"تم نے بڑی زحمت کی رحیلہ۔ اب تم آرام کرو میں خود چائے بناؤں گا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ کے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے۔" یہ کہہ
رحیلہ چائے بنانے لگی۔

"کل میں نے آپ کا بڑا انتظار کیا۔"

سلمان جلدی سے بولا۔ "کیا بتاؤں رحیلہ۔ وہ اچانک گاڑی خراب ہو گئی پھر
سے سمیرا کا ٹیلیفون آ گیا کہ پنڈی سے مہمان آئے ہوئے ہیں جلدی گھر پہنچ جا
اس چکر میں تمہیں فون بھی نہ کر سکا۔ آئی ایم سوری رحیلہ۔ اسی لئے میں آج
صبح تمہارے پاس آ گیا ہوں۔"

حیلہ نے دل میں کہا تم آؤ چاہے نہ آؤ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ یہ بتاؤ
جازت نامہ حاصل کیا ہے یا نہیں؟ سلمان رحیلہ کو چائے کی پیالی میں بڑی
چمچہ ہلاتے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ چائے پیتے ہی وہ اچانک کوئی کام
کا بہانہ بنا کر وہاں سے کھسک جائے گا۔

یلہ نے مسکراتے ہوئے سلمان کو چائے پیش کی۔ سلمان نے اس سے زیادہ
ہوئے چائے کا شکریہ ادا کیا۔ رحیلہ بیماری کا بہانہ نبھاتے ہوئے پلنگ پر ٹیک
ئی اور ادھر ادھر کی دو ایک باتوں کے بعد شادی کے اجازت نامے پر آ گئی۔
چائے کے دو گھونٹ بھرنے کے بعد پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس
کسی قسم کا تردد مت کرو رحیلہ یہ میرا کام ہے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے
ں کام کو کیسے بھلا سکتا ہوں۔ بس میں موقع کی تلاش میں ہوں' زیادہ سے
ار دن اور لگیں گے اس سے زیادہ نہیں۔"

مان نے سگریٹ سلگایا باہر سڑک پر سے کسی گاڑی کے گزرنے کی آواز آئی
اب وہاں سخت کوفت محسوس ہو رہی تھی اسے راز کے کھل جانے کا خطرہ
ں نے بڑی مشکل سے چائے ختم کی اور پھر اچانک کہنے لگا۔ "ارے آج تو
رڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ ہے میں تو بھول ہی گیا تھا۔"

ھی مت جاؤ سلمان کچھ دیر تو میرے پاسم بیٹھو"

لمان نے آہستہ سے رحیلہ کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "میٹنگ کے وقت میرا
رہنا بڑا ضروری ہے رحیلہ ورنہ میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر کبھی نہ
یٹنگ ختم ہوتے ہی آ جاؤں گا۔"

حیلہ نے کہا۔ "تمہارے پاس گاڑی نہیں ہے جمال تمہیں میری گاڑی میں
آئے گا۔"

ں کی ضرورت نہیں' میں ٹیکسی میں چلا جاؤں گا۔ نو پرابلم۔۔۔۔!"

لمان نے خدا حافظ کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکل گیا۔ اس کے
رحیلہ اٹھ کر بیٹھ گئی سر پر بندھی ہوئی پٹی اتار کر پرے پھینکی اور جمال کو
آواز دی جمال نے کچن میں سے سلمان کو کوٹھی سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا

تھا وہ اسی وقت رحیلہ کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اسے رحیلہ کی آ
سنائی دی اس نے کمرے میں داخلہ ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ کیوں چلا گیا؟"

"کہہ رہا تھا کہ کوئی میٹنگ ہے۔" رحیلہ نے بے نیازی سے کہا اور سنگھار
کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے بال سنوارنے لگی جمال بستر پر سرہانے کے پاس ر
رحیلہ کے پرس کی طرف دیکھ رہا تھا رحیلہ نے مڑ کر کہا۔ "اپنے پراپرٹی ڈیلر کے
ابھی جاؤ اسے کہو کہ ہمیں دو لاکھ کم دے دے مگر رقم آج ہی مل جانی چاہئے نہیں
میں خود کسی دوسرے آدمی سے بات کرتی ہوں۔"

اس سودے میں جمال کو خفیہ طور پر ایک لاکھ روپے کمیشن ملنے والا تھا و
بولا۔ "تمہیں کسی سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میرا آدمی بڑے بھرو
ہے اور لاکھوں کا لین دین کرتا ہے میں ابھی جا کر بات کرتا ہوں وہ شام تک ہمیں
پے منٹ کر دے گا۔" پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"رحیلہ مجھے شک ہے۔"

"مجھ پر------؟" رحیلہ نے تنک کر پوچھا۔

"نہیں------ تم پر نہیں۔"

"تو پھر کس پر شک ہے کیا شک ہے؟ بولتے کیوں نہیں؟"

رحیلہ نے جمال کو ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔ جمال پر اعتماد لہجے میں بولا۔ "مجھے
کمینے پر شک ہے۔"

"سلمان پر؟" رحیلہ نے بھنویں اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"تم یہ بتاؤ کاغذ تم نے کہاں رکھا ہے؟"

"الماری میں؟"

"اس کی چابی کہاں ہے؟"

"میرے پرس میں------ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

جمال الماری کے قریب آ گیا۔ "الماری کھول کر دیکھو ذرا کاغذ موجود ہے کہ
رحیلہ نے اب کوئی سوال نہ کیا جلدی سے پرس میں سے چابیوں کا رنگ
چابی لگا کر الماری کھولی تیزی سے نچلا دراز آدھے سے زیادہ باہر نکالا اور فائل کھو

الٹنے لگی اس کا رنگ اڑ گیا فائل میں جائیداد والا کاغذ نہیں تھا وہ فائل لے
پر آ گئی جلدی جلدی ایک ایک کر کے کاغذوں کو دیکھنے لگی۔ جمال غصے میں
"میرا شک ٹھیک نکلا کمینہ کاغذ نکال کر لے گیا؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کو ہم پر کیسے شک ہوا؟"

رحیلہ نے اٹھ کر الماری کی ساری درازوں کی کئی بار تلاشی لی مگر کاغذ وہاں
ملا ایک دراز میں پستول رکھا تھا رحیلہ نے پستول نکال کر کھولا وہ بھرا ہوا تھا
کو اس نے جمال کی طرف اچھالا اور پھنکارتے ہوئے بولی۔ "وہ دفتر گیا ہے کاغذ
اس کے پاس ہی ہو گا کاغذ واپس لے کر آؤ چاہے اسے قتل ہی کیوں نہ کرنا
"

جمال کے اپنے خوابوں کے محل دھڑام سے گر پڑے تھے اور کسی کو قتل کرنا
کے لئے معمولی بات تھی اس نے پستول اٹھا کر صدری کی جیب میں رکھا اور
سے نکل گیا۔

جمال نے چوک میں آ کر ایک خالی ٹیکسی پکڑی او۔ سلمان کے دفتر کی جانہ
روانہ ہوا۔ رحیلہ نے اسے بتا دیا تھا کہ سلمان اپنے دفتر گیا ہے بھرا ہوا پستول جہ
نے قمیض کے اندر پہنی ہوئی صدری میں چھپا رکھا تھا۔ اس میں اب کوئی شبہ نہ
رہا تھا کہ جائیداد کا کاغذ سلمان کے پاس ہے جسے وہ رحیلہ کے بیڈ روم کی الماری۔
چرا کر لے گیا ہے جمال کو فراڈ کے اس سودے میں سے دو لاکھ روپے کا فائدہ ہ
والا تھا۔ اتنی بڑی رقم یکمشت اسے کبھی نہیں ملی تھی اس نے بڑے پروگرام بنا
ہوئے تھے خوابوں کے بڑے محل تعمیر کر رکھے تھے رقم مل جانے کے بعد اس کا ار
رحیلہ سے قطع تعلق کر کے ہانگ کانگ کی طرف نکل جانے کا ارادہ تھا جہاں اس۔
دو ایک واقف کار پہلے ہی سے اسمگلنگ کا دھندہ کر رہے تھے۔ جب اسے خوابوں۔
محل ریت کا ڈھیر بنتے نظر آئے تو وہ غضب ناک ہو گیا وہ سلمان کی جان لے کر!
اس سے وہ کاغذات واپس لینا چاہتا تھا جس کی وجہ سے اسے کم از کم دو لاکھ رو۔
ضرور ملنے والے تھے اس کے جرائم پیشہ فراڈ پراپرٹی ڈیلر دوست نے اسے کہہ دیا
کہ اگر کسی طرح وہ سلمان کے نام کی گئی پراپرٹی والا کاغذ لے آئے تو وہ اسے دو لا
روپے اسی وقت ادا کر دے گا باقی وہ سلمان کی خانہ پری خود کر لے گا۔ یوں جمال۔
رحیلہ کو بھی اس ڈرامے سے نکال باہر کیا تھا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب اسے
ہو گیا کہ کاغذ سلمان ہی لے گیا ہے تو جمال کی ذہنی کیفیت کیا ہو گی سلمان تو جہ
سے اس کے سارے سنہری خواب چھین کر لے گیا تھا پستول اس لئے جمال نے ا

ہ لیا تھا تاکہ اگر صورتحال سنگین ہو جائے تو وہ گولی چلا دے اور گولی بھی اس
ئے کہ سلمان صرف زخمی ہو۔
یکسی جمال نے باہر ہی کھڑی رکھی۔ وہ سلمان کے دفتر کی طرف بڑھا اس دفتر
ہ تین بار پہلے بھی آ چکا تھا اسکیم اس کی یہ تھی کہ وہ سلمان کے سامنے نہیں
بلکہ چپڑاسی کو یہ پیغام دے کر سلمان کے پاس بھجوائے گا کہ اس کا ایک رشتے
سے بڑی ضروری بات کرنے کے لئے باہر کھڑا ہے اور پھر جوں ہی سلمان
سے باہر نکلے گا جمال اسے قابو کر کے پستول کی نوک پر کاغذ حاصل کرنے کی
کرے گا۔ اگر جمال نے مزاحمت کی تو وہ اس کی ٹانگوں پو گولیاں چلا دے گا' یا
حالات ہوئے ویسے ہی کرے گا۔ جمال نے دیکھا کہ سلمان کے کمرے کے باہر
پڑاسی اسٹول پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا جمال اس چپڑاسی سے پہلے کبھی نہیں ملا
نے چپڑاسی کو اشارے سے بلایا اور کہا کہ سلمان صاحب کو جا کر پیغام دو کہ ان
ا پرانا دوست ایک بڑی ضروری بات کرنے باہر آیا ہے چپڑاسی نے کہا۔ "مگر
صاحب تو چھٹی پر ہیں وہ آج دفتر نہیں آئے۔"
جمال کا حلق کڑوا ہو گیا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آج چھٹی پر ہیں؟"
"ہاں جی!" چپڑاسی بولا۔ "ان کی چھٹی کی درخواست تو کل ہی آ گئی تھی۔"
جمال سخت غصے کی حالت میں دل ہی دل میں سلمان کو گالیاں دیتا دفتر کے
سے نکل کر ٹیکسی کی طرف آ گیا وہ ٹیکسی میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے
ا مانوس آواز آئی۔ "جمالے ----- !"
جمال نے پلٹ کر دیکھا تو خوش بھی ہوا اور حیران بھی ہوا سامنے اس کا یار غار
رف شادا بوسکی کی شلوار قمیض میں ملبوس انگلیوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہنے
سا کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا پھر بازو پھیلا کر جمال کی طرف بڑا۔ "پہچانا
یں شادا ہوں۔"
جمال اپنے پرانے دوست اور جرائم پیشہ ساتھی ارشاد کے گلے لگ گیا۔ "
میں تمہیں کیسے نہیں پہچانوں گا تم ایک ہی تو میرے یار ہو کراچی سے کب

"بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری خاطر مجھے صبح کی فلائٹ پر یہاں آنا پڑا۔"

"وہ کیوں؟ خیریت تو ہے؟" جمال نے پوچھا۔

ارشاد نے جمال کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "کسی جگہ بیٹھ کر تمہیں سارا قصہ سناتا ہوں یہاں سے نکل چلو۔"

جمال عجیب کشمکش میں تھا کہ ارشاد اسے کیا قصہ سنانے والا ہے پھر سوچا کہ ضرور اس کو کاروبار میں کوئی نقصان ہو گیا ہو گا اور وہ اس سے مالی امداد لینے آیا ہو گا یا اس کے ساتھ مل کر نئے سرے سے اسمگلنگ کا کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہو گا۔ وہ ایک ریستوران میں آ کر کونے کی میز پر بیٹھ گئے جمال نے ٹھنڈے مشروب کا آرڈر دیا اور ارشد سے کہا۔ "بتاؤ تو کیا بات ہے؟"

ارشاد نے جمال کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "جمالے! تم اپنے یار کو کہاں کہاں یاد کرو گے پیارے اگر اس وقت میں نہ ہوتا تو تم مارے گئے تھے۔"

"کیا مطلب ہے بات کھل کر بتاؤ۔"

جمال نے ارشاد کی طرف آنکھیں سکیڑ کر دیکھا ارشاد نے سگریٹ سلگا کر ایک گہرا کش لیا اور دھواں چھوڑتے ہوئے بولا۔ "ہم بڑی دیر بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہیں تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں نے کراچی میں جائیداد کی خرید و فروخت اور کرنسی کا دھندا شروع کر رکھا ہے۔"

جمال بے چین تھا وہ سلمان کے گھر جا کر اب واردات کرنے والا تھا اس کا خیال تھا کہ ارشاد اسے کوئی بڑی راز کی بات کہنے والا ہو گا مگر جب اس نے تمہید باندھنی شروع کی تو جمال نے ارشاد کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ "اصل بات بتاؤ شادے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

ارشاد ہنس کر بولا۔ "جمالے! میں تمہیں جو بات بتانے والا ہوں بلکہ جو بات بتانے کے لئے کراچی سے یہاں آیا ہوں جب سنو گے تو میرے پیر پکڑ لو گے۔"

جمال پریشان سا ہو گیا یہ کیا کہنے آیا ہے اس نے دل میں سوچا اس نے ارشاد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ "اصل بات بتاؤ شادے۔" جمال نے ارشاد کی طرف گھورتے ہوئے کہا ارشاد سگریٹ کا کش لگا کر بولا۔ "ٹھیک ہے تو پھر سنو رحیلہ نام کی ایک عورت

ست ہے نا۔"

اں۔" جمال نے کہا۔

شاد بولا۔ "تو پھر وہ تمہاری دوست نہیں ہے تمہاری دشمن ہے وہ تم سے تمہیں اندھیرے میں رکھ کر میرے ساتھ کسی پہاڑی بنگلے اور اس سے ملحقہ فروخت کا مجھ سے معاملہ طے کر چکی ہے کل رات کی فلائٹ سے وہ جائیداد ت لے کر میرے پاس کراچی آنے والی ہے جہاں سے وہ مجھ سے ساری رقم رنسی میں وصول کرنے کے بعد شارجہ چلی جائے گی میں نے اس کے کاغذات کروا لئے تھے کہ اچانک مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ تم اس کے ساتھ رہ رہے ہو تمہیں اطلاع دیئے بغیر یہ سب کچھ کر رہی ہے پس میں نے پہلی فلائٹ پکڑی ری تلاش میں یہاں آ گیا رحیلہ کے پاس پہنچا تو بہانے سے تمہارا پوچھا معلوم م اس طرف کسی سے ملنے آئے ہو خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے اب کہو کیا ؟"

جمال کا تو خون کھول اٹھا رحیلہ جس قسم کی عورت تھی اس سے یہ توقع کی جا لیکن وہ اس چھوٹے سے سودے میں بھی جمال کو پس پشت ڈال دے گی اس کو امید نہیں تھی مگر ارشاد پر بھی اسے زیادہ بھروسہ نہیں تھا وہ اسے بھی جانتا نے پوچھا۔ "تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ کیا تم نے جائیداد کا مختار نامہ ہے۔" یہ سوال جمال نے اس لئے کیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ جائیداد کے کاغذات ار نامہ تو سلمان اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ ارشاد نے بڑے سکون کے ساتھ مشروب کا گھونٹ بھرا اور بولا۔ "اس کا ثبوت تمہیں رحیلہ کے بیڈروم میں ے گا۔"

"کیا مطلب----؟"

"مطلب یہ ہے کہ ابھی رحیلہ کے بیڈروم میں جاؤ اس پلنگ کا گدا اٹھاؤ ے کی جانب تمہیں جائیداد کا مختار نامہ مل جائے اس سے بڑا ثبوت اور کیا مانگتے ا مختار نامہ لے کر رحیلہ کل رات اس شہر اور تمہیں چھوڑ کر کراچی آنے والی ہاں وہ مجھ سے غیر ملکی کرنسی میں رقم وصول کرے گی اور شارجہ پرواز کر جائے

گی۔"

جمال اٹھ کھڑا ہوا۔ "ارشاد! تم اسی جگہ بیٹھنا میں ابھی آتا ہوں تمہیں م قسم، یہاں سے ہلنا مت۔"

ارشاد نے مسکرا کر کہا۔ "میری جان! میں تو تمہارا یار ہوں میں اسی جگہ ہوں جاؤ جا کر اپنی تسلی کر لو۔"

جمال تیزی سے ریستوران سے باہر نکل آیا سامنے سے ایک خالی رکشا جا آیا اسے ہاتھ دے کر روکا اس میں بیٹھا اور رحیلہ کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔

رحیلہ اس وقت نہانے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھی ناخنوں پر نیل پالش رہی تھی جمال کو اندر آتے دیکھا تو اٹھ کھڑی ہوئی؟ کیا ہوا؟ وہ ملا؟

جمال جواب دینے کی بجائے سیدھا بیڈروم میں گھس گیا رحیلہ بھی اس پیچھے پیچھے بیڈروم میں آ گئی جمال نے بستر کی چادر کھینچ کر پرے پھینکی پھر گدا اٹھا دوسری طرف کیا نیچے سمیرا کی جائیداد کا سلمان کے نام لکھا ہوا مختار نامہ پڑا تھا اس کھول کر دیکھا یہ وہی کاغذ تھا جس کی تلاش میں وہ سلمان کے دفتر گیا تھا اس نے خو آلودہ نظر سے آنکھوں مڑ کر رحیلہ کی طرف دیکھا۔

"مکار عورت! یہ کاغذ تم نے یہاں چھپا رکھا ہے اور مجھے کہتی تھی کہ سلما چرا کر لے گیا ہے مجھے دھوکا دے کر کراچی بھاگ رہی تھی۔"

کاغذ کو دیکھ کر جتنی حیرت جمال کو ہوئی تھی اس سے دس گنا زیادہ حیرت رح کو ہوئی تھی۔ "جمال! کیا کہہ رہے ہو مجھے نہیں معلوم یہ کاغذ یہاں کیسے آ گیا۔"

جمال نے اسے گالی دے کر کہا۔ "ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

جمال کا دماغ گھوم گیا اس کا ہاتھ اپنے آپ قمیض کے اندر صدری کی جیب میں گیا پھر بجلی سی رحیلہ کی آنکھوں کے سامنے لہرائی پستول کے فائر کے دو دھما ہوئے اور رحیلہ قالین پر خون میں لت پت تڑپ رہی تھی۔ جمال نے کاغذ صدری جیب میں ڈالا۔ پستول کو دوسری جیب میں ڈالا اور دوڑ کر بیڈروم میں سے باہر نکل نوکرانی فائر کی آواز سن کر کچن سے نکل رہی تھی اس نے جمال کو بھاگتے ہوئے کو سے باہر نکلتے دیکھا تو بیڈروم کی طرف دوڑی۔

سڑک پر آ کر جمال نے اپنے حواس کو درست کیا اور تیز تیز قدموں سے چلنے آگے جا کر اسے ایک رکشا مل گیا وہ سیدھا ریستوران میں پہنچا جہاں وہ اپنے شادے کو چھوڑ گیا تھا اور جس کو یہ کاغذ دے کر اب وہ دو چار لاکھ ہی کی رقم پاکستان سے نکل جانا چاہتا تھا ریستوران میں چند ایک گاہک بیٹھے تھے کونے والی تھی شادا وہاں نہیں تھا جمال نے چاروں طرف دیکھا وہ اسے کہیں بھی نظر یا اس نے دبلے پتلے بیرے کو بلایا جس نے انہیں ٹھنڈا مشروب لا کر دیا تھا۔

"میرا دوست جو یہاں بیٹھا تھا وہ کہاں چلا گیا؟"

بیرے نے خالی میز کی طرف دیکھا اور کہا۔ "یہ میز تو اسی وقت سے خالی ہے ے آپ مشروب پی کر اور بل ادا کر کے گئے ہیں۔"

جمال بولا۔ "مگر میرے ساتھ میرا ایک دوست بھی تھا ہم دونوں یہاں اس میز تھے تم نے ہمیں ٹھنڈی سوڈا واٹر کی بوتلیں لا کر دی تھیں۔"

پھر جمال نے بیرے کو ارشاد عرف شادا کا حلیہ بتایا بیرا بڑے پراعتماد لہجے میں "جناب! آپ یہاں اکیلے آئے تھے آ کر سیدھا کونے والی میز پر جا کر بیٹھ گئے تھے پ نے ٹھنڈے مشروب کا آرڈر دیا کچھ دیر بیٹھنے کے بعد آپ بل ادا کر کے چلے ئے بے شک کاؤنٹر کلرک سے پوچھ لیں وہ اس وقت سے یہیں ہے۔"

جمال سامنے کاؤنٹر پر چلا گیا اور کاؤنٹر کلرک سے کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے ے ہوٹل کے بیرے کا دماغ خراب ہو گیا ہے میں تھوڑی دیر پہلے یہاں اپنے ن کے ساتھ آیا تھا ہم کونے والی میز پر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے تھے ہم نے ٹھنڈا ب بھی پیا تھا میں ایک ضروری کام سے ذرا باہر گیا تھا اور اپنے دوست کو اسی جگہ رہنے کا کہہ گیا تھا میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا دوست کوئی پیغام تو چھوڑ گیا اور یہ بیرا کہتا ہے کہ میں یہاں اکیلا آیا تھا۔"

کاؤنٹر کلرک بولا۔ "سر! اس بات کی تو میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود کو ریستوران میں اکیلے داخل ہوتے دیکھا تھا آپ سیدھا کونے والی میز پر جا کر گئے تھے اور آپ نے کولڈ ڈرنکس کا آرڈر دیا تھا اس وقت ریستوران میں زیادہ نہیں تھا اسی وجہ سے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کونے والی میز پر سارا وقت

اکیلے ہی بیٹھے رہے تھے آپ کا کوئی دوست نہیں آیا تھا۔"

جمال کا سر چکرا سا گیا وہ کونے والی میز پر جا کر بیٹھ گیا اس نے بیرے کو پانی کا گلاس لانے کو کہا اسے یاد آگیا کہ ارشاد نے وہاں بیٹھ کر دو سگریٹ پیے تھے اس نے جھک کر ایش ٹرے کو غور سے دیکھا ایش ٹرے چمک رہا تھا بالکل خالی تھا اس کے اندر کوئی بجھا ہوا سگریٹ نہیں تھا۔ بیرا پانی کا گلاس لے کر آیا تو جمال نے ایش ٹرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ ایش ٹرے کس نے صاف کیا تھا؟"

بیرے نے جواب میں کہا۔ "یہ صبح سے صاف پڑا ہے سر! اتفاق سے اس میز پر کوئی سگریٹ پینے والا گاہک آکر صبح سے نہیں بیٹھا۔"

جمال نے کہا۔ "مگر ارشاد نے یہاں بیٹھ کر دو سگریٹ پیے تھے اور میری آنکھوں کے سامنے اس نے دونوں سگریٹ اسی ایش ٹرے میں بجھا کر پھینکے تھے۔"

بیرے نے کوئی جواب نہ دیا اور گلاس میز پر رکھ کر واپس چلا گیا کاؤنٹر کے پاس جا کر کاؤنٹر کلرک سے آہستہ سے کہا۔ "سر! یہ کوئی پاگل لگتا ہے پہلے بھی یہ اسی ٹیبل پر آکر بیٹھا تھا اور اکیلا تھا اور اپنے آپ سے باتیں کرتا رہا تھا۔"

کاؤنٹر کلرک نے کہا۔ "میں اس کی نگرانی کرتا ہوں تم اوپر منیجر صاحب کو جا کر خبردار کر دو کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

بیرا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر منیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا جمال نے کیا گڑبڑ کرنی تھی اصل گڑبڑ تو اس کے دماغ میں ہو رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک آدمی کے ساتھ تھوڑی دیر پہلے وہ سب کے سامنے ریستوران میں بیٹھا کولڈ ڈرنکس پی رہا تھا باتیں کر رہا تھا وہ اس آدمی کو میز پر چھوڑ کر باہر جاتا ہے تھوڑی دیر بعد واپس آتا ہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ وہ ریستوران میں کسی آدمی کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا وہ اکیلا ریستوران میں داخل ہوا تھا اکیلا ہی کونے والی میز پر بیٹھا تھا۔

ریستوران کے دروازے سے پولیس کا ایک سپاہی داخل ہوا جمال کا رنگ خوف کے مارے زرد ہو گیا وہ رحیلہ کا خون کر کے آیا تھا پولیس ضرور اس کی تلاش میں وہاں پہنچ گئی ہے وہ جلدی سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا کچھ دیر بعد باہر نکلا تو سپاہی وہاں نہیں تھا۔ کاؤنٹر کلرک کے پاس آکر اس نے پوچھا کہ سپاہی کیا کرنے آیا

نے بتایا کہ وہ کسی چوہدری صاحب کا پوچھ رہا تھا جمال نے دروازے میں کال کر باہر دیکھا جب اسے کوئی سپاہی نظر نہیں آیا تو جلدی جلدی ریستوران یاں اتر کر فٹ پاتھ پر ایک طرف چل پڑا جمال نے سوچا کہ اس کے سامنے ہی راستہ رہ گیا ہے وہ جائیداد کے کاغذ اپنے اسی واقف کار پراپرٹی ڈیلر کے ردے جو اسی شہر میں جائیدادوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا تھا اور جو اقف کار بھی تھا اور جس نے اس سے جائیداد اونے پونے خریدنے اور اسے روپے الگ کمیشن دینے کا وعدہ بھی کیا تھا یہ شخص جعلی کاروبار بھی کرتا تھا م پیشہ بھی رہ چکا تھا جمال کو یہ خطرہ بھی تھا کہ نوکرانی نے پولیس کو اطلاع کر ل پولیس نے کوٹھی میں پہنچ کر رحیلہ کی لاش اپنے قبضے میں کر کے جمال کی روع کر دی ہو گی وہ ایک ٹیکسی میں سوار ہوا اور سیدھا اپنے جرائم پیشہ واقف رٹی ڈیلر کے پاس پہنچ گیا۔

یہ جرائم پیشہ ڈیلر ایماندار پراپرٹی ڈیلروں کے کاروبار پر ایک بدنما داغ تھا وہ ٹے کے کیبن میں بیٹھا کسی کو فون کر رہا تھا جمال کو دیکھ کر مسکرایا اور ہاتھ کے ے بیٹھنے کو کہا جمال کرسی پر بیٹھ گیا وہ بے چین تھا بار بار بازار کی طرف کہیں پولیس تو نہیں آ گئی ڈیلر نے ریسیور رکھ دیا اور جمال کی طرف دیکھ کر ے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہاں بھائی جمال! کام ہو گیا۔"

"ہاں ـــــ" جمال نے صدری میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "کاغذ میں لے ں ایسا کرو تم مجھے میری کمیشن ابھی دے دو ایک لاکھ میں سے پچاس ہزار ہی و باقی میں پھر لے لوں گا۔"

"ارے کاغذ تو دکھاؤ یار ـــــ" ڈیلر بولا۔

جمال صدری کی جیبیں ٹٹولنے لگا اس نے سامنے والی جیب میں کاغذ رکھا تھا مگر وہاں نہیں تھا وہ پریشان ہو گیا۔ "کہاں چلا گیا؟" وہ بولا "میں نے اسی جیب میں ا کر رکھا تھا۔"

جمال نے کتنی بار صدری کی جیبوں کو ٹٹول کر الٹ پلٹ کر دیکھا مگر سلمان کے طوں والا سمیرا کی جائیداد کا مختار نامہ اسے نہ مل سکا ڈیلر نے ہنس کر کہا۔ "

جمالے! گھر جا کر دیکھو کہیں کسی الماری میں تو نہیں چھوڑ آئے؟"

جمال بدحواس سا ہو رہا تھا ذہن میں خلجان مچا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے کیا ہو رہا ہے؟ پستول اس کی صدری میں موجود تھا مگر وہ کاغذ غائب تھا جس کی خاطر اس نے ایک عورت کا خون کر دیا تھا بازار میں سے پولیس کی ایک جیپ کو گزرتے دیکھا تو جمال کا جسم سرد پڑ گیا مگر جرائم پیشہ آدمی تھا فوراً" اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ "گھر جا کر دیکھتا ہوں شاید الماری میں ہی رہ گیا ہے کاغذ۔۔۔۔۔"

جمال سڑک پر آتے ہی ایک طرف تیز تیز قدموں سے چل پڑا وہ بار بار اپنی جیبوں کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہا تھا کہاں چلا گیا کاغذ؟ میں نے اسی جیب میں رکھا تھا کہیں رحیلہ کے بیڈروم میں ہی نہ گر پڑا ہو؟ مگر وہاں تو پولیس آ چکی ہو گی تفتیش ہو رہی ہو گی۔ ہو سکتا ہے پولیس لاش لے کر جا چکی ہو اور کاغذ وہیں کہیں پلنگ کے نیچے ہی پڑا رہ گیا ہو اس پر کسی کی نظر نہ پڑی ہو جمال کا ذہن اسے طرح طرح سے گمراہ کر رہا تھا۔ مجھے اندھیرا ہونے کا انتظار کرنا چاہئے کوٹھی میں سوائے نوکرانی کے اور تو کوئی بھی نہیں ہو گا میں بڑی آسانی سے ساری کوٹھی کی تلاشی لے سکوں گا جمال کو یقین ہو گیا کہ کاغذ رحیلہ کے بیڈروم میں ہی کہیں رہ گیا ہو گا۔

اس وقت دوپہر ہو چکی تھی۔ موسم گرما تھا۔ اسے شام تک کہیں چھپے رہنا تھا۔ وہ اس شہر کے چپے چپے سے واقف تھا اسے جرائم پیشہ لوگوں کے اڈے کا بھی علم تھا مگر وہ وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ بازار میں زیادہ دیر تک لوگوں کی نظروں میں رہنا اس کے لئے انتہائی خطرناک تھا۔ اس کے پاس ڈیڑھ دو سو کے قریب روپے موجود تھے۔ اس نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ڈرائیور کو دریا کی طرف چلنے کو کہا۔ دوپہر کے وقت دریا کا علاقہ سنسان ہوتا ہے۔ دریا کے پل کے ایک طرف کافی پہلے جمال نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ یہاں دریا کے کنارے کنارے روڈ تک درختوں کا ذخیرہ تھا۔ اسی ذخیرے میں خانہ بدوشوں کی کچھ جھونپڑیاں بھی تھیں۔ جمال ان سے دور رہ کر درختوں میں سے گزرتا دریا کے کنارے ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ دھوپ چمک رہی تھی یہاں ہوا میں خنکی تھی۔

اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ تمباکو کے کڑوے کش نے اس کے کافی تسکین پہنچائی۔ پستول صدری کی جیب میں بھی تھا۔ پہلے اس کو خیال آیا ستول کو دریا میں پھینک دے پھر یہ سوچ کر اس خیال پر عمل نہ کیا کہ پستول کی سی بھی وقت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس نے دل میں طے کر لیا کہ اگر بیڈروم شی کے بعد بھی اسے کاغذ نہ ملا تو وہ رات دو بجے والی پسنجر ٹرین میں بیٹھ کر کی طرف نکل جائے گا اور وہاں سے پھر کسی دوسرے ملک کی طرف فرار ہونے ش کرے گا۔ اسے بھوک کا احساس ہونے لگا۔ صبح اس نے ناشتہ بھی ہلکا ہی کیا یہاں کھانے کو کچھ بھی نہیں مل سکتا تھا۔ آلو قلچے وغیرہ کی دکانیں دریا کے پل ف تھیں اور وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ کوئی بات نہیں شام کا اندھیرا ہی کوٹھی میں جاؤں گا اور کاغذ مل گیا تو وہیں کچن میں گھس کر کچھ کھا پی لوں گا۔ یال ہے نوکرانی وہاں ضرور موجود ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس نے مجھے رحیلہ کا خون کے بعد وہاں سے نکلتے نہ دیکھا ہو مگر دو فائر ہوئے تھے۔ ان کی آواز سن کر وہ کچن سے نکل آئی ہو گی۔ چلو۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ جمال اسی قسم کے ت میں گم دریا کنارے پاؤں پھیلائے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ معدہ خالی ہونے کی ے تمباکو اس کے اعصاب کو بڑا سکون دے رہا تھا۔ گرمیوں کی دوپہر بڑی آہستہ گزر رہی تھی۔ جمال اٹھ کر درختوں میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ خانہ بدوشوں کی ڑیاں کافی فاصلے پر تھیں۔ وہ اس طرف جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک کشتی دریا سے گزری۔ اس میں نوجوان لڑکے بیٹھے تھے جو کسی کالج کے لڑکے معلوم ہو رہے ۔ جمال غیر شعوری طور پر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا۔ کشتی آگے نکل گئی تو وہ ت کے پاس ہی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔ کشتی آگے نکل گئی تو وہ درخت کے ہی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور اپنے محدود جرائم پیشہ دماغ کے ساتھ جو سوچ تھا سوچنے لگا۔ دھوپ میں کافی گرم تھی۔ دریا کی طرف سے جو ہوا آتی وہ کبھی ی اور کبھی گرم ہوتی تھی۔

جمال سے بھوک اب برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کوئی پھل کی چھابڑی والا بھی نہیں تھا۔ کافی دور پل کے قریب نیچے دریا کے

کنارے پر خربوزوں کا ڈھیر ضرور لگا ہوا تھا۔ کچھ لوگ دور سے خربوزے کھاتے نظر آ رہے تھے۔ جمال اٹھ کر درختوں میں سڑک کی جانب چلنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ سڑک کے پاس اسے کوئی نہ کوئی چھابڑی والا ضرور مل جائے گا۔ ابھی سڑک دور تھی اور وہ ٹاہلی کے درختوں میں ہی تھا کہ اسے خانہ بدوش کے جھونپڑوں کی طرف ایک چھابڑی والا دکھائی دیا۔ ایک خانہ بدوش بچی اس کے پاس کھڑی تھی۔ چھابڑی والے نے کاغذ پر چنے ڈال کر لڑکی کو دیئے اور وہ چنے کھاتی جھونپڑیوں کی طرف چلی گئی۔ چھابڑی والا چھابڑی اٹھا کر سر پر رکھنے والا تھا کہ جمال اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ آدمی **قلچے** چھولے والا تھا۔ جمال نے اسے روک لیا۔ اس سے دو **قلچے** اور چنے لئے اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگا۔ کھاتے ہوئے جمال بڑی ہوشیاری سے دائیں بائیں بھی دیکھا جاتا تھا۔ سارا علاقہ سنسان تھا۔ چھابڑی والا اپنے چہرے کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولا۔" آج بڑی گرمی ہے۔"

جمال نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جلدی جلدی کھا پی کر وہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ چھابڑی والا سگریٹ نکال کر پینے لگا۔ "چنے اور لے لو۔"

جمال نے پیالے میں مزید چنے ڈلوائے اور جلدی جلدی کھانے لگا۔

"بے شک آرام سے کھاؤ۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔" چھابڑی والے نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔ جمال نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اسے بے چینی لگی ہوئی تھی۔ وہ زیادہ دیر چھابڑی والے کے پاس نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک قلچہ اور لیا اور چنے اس کے اوپر ڈال لئے۔ جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر چھابڑی والے کو دیا۔ اس نے پانچ روپے واپس کر دیئے۔ جمال اسے دس روپے دیتے ہی وہاں سے کھسک جانا چاہتا تھا مگر پھر یہ سوچ کر وہیں رکا رہا کہ چھابڑی والے کو شک نہ ہو کہ یہ شخص پانچ روپے چھوڑ کر کیوں چلا گیا ہے؟

جمال واپس درختوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کھانے لگا۔ پھر اس نے دریا کے کنارے بیٹھ کر ہاتھ سے پانی کو صاف کر کے پانی پیا۔ وہ درختوں کے پاس واپس آ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر خانہ بدوشوں کی جھونپڑیوں کی طرف پڑی۔ وہاں اس کو دو چار وردی پوش سپاہی نظر آئے۔ جمال گھبرا کر دریا کی طرف مڑا۔ پل کی طرف سے بھی

ن سپاہی اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ گھبرا گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ کسی ں کی مخبری کر دی ہے اور پولیس اس کو گرفتار کرنے وہاں پہنچ گئی ہے۔ ذخیرے ، نکل کر سڑک کی طرف جانا بھی خطرناک ہو سکتا تھا کیونکہ ممکن ہے اس طرف ی پولیس نے ناکہ بندی کر رکھی ہو۔ دریا میں چھلانگ لگانے سے بھی وہ پکڑا جا

اسے اور تو کچھ نہ سوجھا۔ ایک گھنا درخت بائیں جانب اپنی بلند اور گنجان ، پھیلائے کھڑا تھا۔ جمال بڑی تیزی سے درخت پر چڑھ گیا اور کافی اوپر جا کر اپ کو اس کی گھنی شاخوں میں چھپا لیا۔ اس کے کان نیچے آوازوں پر لگے تھے۔ ازیں ان سپاہیوں کی آپس میں باتیں کرنے کی تھیں جو دریا کے ساتھ ساتھ ، آہستہ چلتے اب اس درخت کے متوازی آ گئے تھے جس کی شاخوں میں جمال بیٹھا تھا۔ سپاہیوں کی باتیں جمال کو صاف سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ سپاہی وہاں گئے۔ جمال نے شاخوں کی ٹہنیاں ذرا سی ہٹا کر انہیں دیکھا۔ سپاہی درختوں کے ے کی طرف آ رہے تھے۔ جمال کا دل زور سے دھڑکا۔ اب وہ پکڑا جائے گا۔ وں کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کسی درخت میں چھپا ہوا ہے۔ تینوں سپاہی درختوں چھاؤں میں آ کر ٹھہر گئے۔ وہ سگریٹ پی رہے تھے۔ ان کی نگاہیں خانہ بدوشوں کی پڑیوں کی طرف تھیں۔ ان میں سے ایک سپاہی کہنے لگا۔ "آخر وہ جائے گا کہاں؟ ے علاقے کی ناکہ بندی ہو گئی ہے۔"

جمال کا اوپر کا سانس اوپر رہ گیا۔ یہ لوگ اسی کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ ، اس کا بچنا محال ہے۔ پولیس درختوں کو بھی ضرور دیکھے گی۔ اتنے میں وہ سپاہی بھی ر کو آنے لگے جو خانہ بدوشوں کی جھونپڑیوں کی طرف دکھائی دیتے تھے۔ ان میں ، ایک نے دور ہی سے آواز دی۔ "اوئے میاں خان! آ گئے ہو تم لوگ!"

اس طرف کے سپاہیوں میں سے ایک نے بلند آواز میں جواب دیا۔ "آ گئے ا حوالدار جی! آپ بھی آ جاؤ۔ مفرور کا کچھ پتہ نہیں چلا؟"

"یہیں کہیں چھپا ہو گا۔ جائے گا کہاں؟"

دوسری طرف سے سپاہی نے جواب دیا۔ جمال نے سوچا کہ اب تقدیر میں لکھا

ہو گا تو بچ سکوں گا ورنہ بظاہر میں پکڑا جا چکا ہوں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے پھانسی کا پھندا لہرانے لگا۔

سپاہی قریب آکر ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ جمال بڑی آہستہ آہستہ سانس لے رہا تھا۔ یہ سپاہی اس درخت سے چند قدم کے فاصلے پر ہی کھڑے تھے جس کی شاخوں میں جمال چھپا ہوا تھا۔

"اب کیا حکم ہے حوالدار جی؟"

"اوئے خانہ بدوش کیا کہتے ہیں؟"

"وہ تو تھانے پہنچ کر ہی کچھ بولیں گے۔ دو آدمیوں کو تھانے بھجوا دیا ہے۔"

"پل کی طرف تو کچھ نہیں ہے ہم دیکھ آئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے جموں والی کھوئی پر چل کر دیکھتے ہیں اپنا ایک بندہ وہاں پہلے سے موجود ہے۔"

"جموں والی کھوئی کون سی دور ہے۔ شاہ جی وہ سامنے دریا پار ہی تو ہے۔"

"دو پارٹیاں بنا لیتے ہیں۔ ایک پارٹی پل کی طرف سے آئے اور ہم دریا کی طرف جاتے ہیں۔"

"جو حکم شاہ جی!"

وہیں سے سپاہی دو پارٹیوں میں بٹ گئے۔ ایک دریا کے پل کی طرف اور دوسری دریا کے گھاٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ سپاہیوں کے چلے جانے کے بعد بھی جمال دیر تک درخت میں چھپا رہا۔ اسے شک تھا کہ سپاہی اپنے پیچھے ضرور کوئی مخبر چھوڑ گئے ہوں گے۔ پولیس اکثر ایسا کیا کرتی ہے۔ ابھی تک یہ بات جمال پر پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی کہ پولیس پارٹی کس کی تلاش میں ہے۔ مگر پچانوے فیصد اس کا یہی خیال تھا کہ پولیس اسی کو ڈھونڈ رہی ہے۔ جب کافی دیر گزر گئی تو جمال درخت سے اتر آیا۔ نیچے اترتے ہی وہ درخت کے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا اور کھلی آنکھوں سے ذخیرے کے درختوں میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کوئی مخبر یہیں کسی درخت کے پیچھے چھپا بیٹھا ہو۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ جمال کو ایک بار پھر خیال آیا کہ وہ آلہ قتل یعنی پستول کو وہیں پھینک دے۔ مگر یہ سوچ کر اس خیال کو

ر سکا کہ ہو سکتا ہے اس کی ضرورت پڑ جائے۔ آخر اسے اپنی جان بھی تو بچانی

سورج ڈھلنا شروع ہو گیا دھوپ کا رنگ بادامی ہونے لگا۔ جمال اندھیرا ہو
ے پہلے ذخیرے کے درختوں سے نہیں نکلنا چاہتا تھا۔ اتنا اس نے ضرور کیا کہ
بدل ڈالا اور درختوں کے نیچے نیچے چلتا جنوب کی طرف جدھر سڑک تھی ایک
پ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی خوش قسمتی سمجھ رہا تھا کہ پولیس پارٹی کی اس پر نظر
ی۔ ورنہ اس وقت اسے ہتھکڑی لگی ہوتی اور پولیس اسے تھانے لے جا رہی
جب سورج غروب ہو گیا اور ذخیرے میں اندھیرا اترنے لگا تو جمال اٹھا اور
ی طرف چلنے لگا۔ سڑک پر ٹریفک چل رہی تھی۔ جمال نے ایک جگہ سے
ر کی اور سڑک کی دوسری طرف جو ڈھلان تھی وہ اتر کر کھیتوں میں آگیا۔ یہ
ی چوک تک چلے گئے تھے جہاں سے رحیلہ کی کوٹھی کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔
میں بھی اندھیرا چھا رہا تھا۔ یہ اندھیرا جمال کے لئے پردے کا کام کر رہا تھا اور
پردے کی اوٹ میں جتنا تیز چل سکتا تھا چلا جا رہا تھا۔
رحیلہ کی کوٹھی والی چھوٹی سڑک پر آکر جمال ایک جگہ رک گیا اور پاپولر کے
ے کے پیچھے سے کوٹھی کے گیٹ کے پاس کھمبے پر روشن بتی کو تکنے لگا۔ اس کی
میں گیٹ اسے بند نظر آیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر جمال کو معلوم تھا کہ یہاں
ایک عورت قتل ہوئی ہے اور قاتل پکڑا نہیں گیا چنانچہ گیٹ کے آس پاس
کا کوئی نہ کوئی مخبر کسی نہ کسی جگہ ضرور چھپ کر بیٹھا ہو گا۔ جمال کو اس کی
ے اپنے آپ کو بچانا تھا۔ اس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہ گیٹ کی طرف سے
میں جانے کی بجائے پچھلی دیوار کو پھلانگ کر کوٹھی میں داخل ہو۔
وہ سڑک چھوڑ کر کوٹھیوں کی طرف آگیا۔ ان کے درمیان چھوٹا سا راستہ
ی کوٹھی کے پچھواڑے تک چلا گیا تھا۔ یہاں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ اندھیرا
۔ جمال نے اپنا ہاتھ صدری کی اس جیب میں ڈال رکھا تھا جس میں پستول تھا۔
ی کوٹھی پر اندھیرا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ عقبی باغیچے کی بتی بجھی ہوئی
یہ جمال کے حق میں بڑی اچھی بات تھی۔ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ چلتا کوٹھی کی

پچھلی دیوار کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ یہاں اندھیرا زیادہ نہیں تھا۔ کچھ فاصلے پر سامنے والی کوٹھی کی بھی بتی کی روشنی وہاں تک پہنچ رہی تھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ آس پاس کوئی شخص نہیں ہے تو وہ اٹھا اور اچک کر دیوار پر چڑھ گیا وہاں سے فوراً ہی اس نے دیوار کی دوسری طرف باغیچے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ باغیچے سے ہوتا ہوا وہ کچن کی طرف آیا۔ کچن کی بتی بجھی ہوئی تھی۔ برآمدے میں بھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ یہ عقبی برآمدہ تھا۔ یہاں ایک راستہ اسٹور روم سے ہوتا ہوا رحیلہ کے بیڈروم میں جاتا تھا۔ جمال کا خیال تھا کہ اسٹور روم کا دروازہ اندر سے بند ہو گا۔ اسے بند بھی ہونا چاہئے تھا۔ مگر جب اس نے دروازے کو ذرا سا دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ اسٹور روم میں اندھیرا نہیں تھا۔ بیڈروم کی روشنی چھوٹے سے روشندان میں سے اندر آ رہی تھی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ بیڈروم میں روشنی کیوں ہو رہی ہے۔

اسٹور روم کا دوسرا دروازہ بھی ذرا سا دھکیلنے پر کھل گیا۔ بیڈروم روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ بستر بڑے سلیقے سے لگا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ کچھ گھبرایا کہ کہیں پولیس کی یہ کوئی سازش نہ ہو لیکن وہ بیڈروم کی تلاشی لئے بغیر وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ روشنی بھی ہو رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر بستر کی چادر ہٹا دی۔ نیچے کاغذ نظر نہ آیا تو گدا بھی ہٹا دیا۔ کاغذ وہاں بھی نہیں تھا۔ پھر وہ قالین پر جھک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ یہ دیکھ کر چونک سا گیا کہ قالین پر جہاں اس نے اپنی آنکھوں سے رحیلہ کو گرتے اور خون میں لت پت دیکھا تھا وہاں خون کا ہلکا سا نشان تک نہیں تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا لاش لے جانے کے بعد پولیس نے خون کے دھبے صاف کروا دیئے تھے مگر پولیس کو اس کی کیا ضرورت تھی؟

جمال نے جھک کر قالین کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ بتی جل رہی تھی۔ روشن میں قالین بالکل صاف تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا۔ اس پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح کاغذ مل جائے جو اس کے خیال میں وہیں کہیں گر گیا تھا۔ وہ الماری کی طرف بڑھا۔ حالانکہ اسے یاد تھا کہ اس نے خود گدا ہٹا کر تہہ کر کے رکھا ہوا کاغذ اٹھایا تھا۔ مگر وہ پاگل سا ہو گیا تھا۔ دیوانہ وار کھویا ہوا کاغذ ان جگہوں پر بھی تلاش کر رہا تھا جہاں اس کے ملنے کی بالکل امید نہیں تھی۔ الماری کھول کر وہ درازوں کو

لینے لگا۔ وہاں وہی پرانی چیزیں پڑی تھیں۔ صرف وہ فائل نہیں تھی جس میں پنے کاغذات وغیرہ رکھا کرتی تھیں۔ جمال سمجھ گیا کہ فائل پولیس اپنے ساتھ ہو گی۔ وہ الماری کے بڑے خانے میں رکھے ہوئے رحیلہ کے ریشمی کپڑوں میں ال کر کاغذ تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کہ اسے اپنے پیچھے رحیلہ کی ائی دی۔

جمال کا بدن برف کی طرح منجمد سا ہو گیا۔ اس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ ر کر دیکھ سکتا۔ وہی آواز پھر آئی۔ "جمال! کیا ڈھونڈ رہے ہو؟"

جمال کو جیسے بجلی کا ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا جس رحیلہ کے بدن ں نے خود پستول کی دو گولیاں پیوست کی تھیں وہ بستر کے پاس کھڑی تھی۔ اس نے پر پٹیاں بندھی تھیں اور وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ جمال پر تہ طاری ہو گیا۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

رحیلہ تو مر چکی تھی۔ اس کے سینے میں دو گولیاں لگی تھیں۔ وہ خون میں لت
پت تھی۔ جمال نے خود اس کے دل پر ہاتھ لگا کر دیکھا تھا۔ اس کا سانس رکا ہوا تھا۔
پھر یہ کیسے زندہ ہو کر آ گئی؟ اسے پٹیاں کس نے باندھی ہیں؟ کیا اسے پولیس ہسپتال
لے گئی تھی؟ کیا یہ ابھی زندہ ہے؟ جمال کا دماغ بڑی تیزی سے یہ باتیں سوچ رہا تھا۔
ایک سیکنڈ میں ہزاروں خیال اس کے دماغ میں سے گذر گئے۔ رحیلہ پلنگ پر بیٹھ گئی
وہ مسلسل جمال کو تک رہی تھی۔ بڑی اپنائیت سے کہنے لگی۔ "جو کچھ تم نے کیا غلط
فہمی میں کیا۔ مختار نامہ میں نے گدے کے نیچے نہیں رکھا تھا۔ میرا تو سارا معاملہ تیرے
ساتھ تھا جمال۔ میں تو اب بھی صرف تجھے ہی اپنا سچا ہمدرد اور دوست سمجھتی ہوں۔"

جمال نے محسوس کیا کہ رحیلہ کی آواز میں کسی قسم کی کوئی نقاہت نہیں تھی
اس کا چہرہ ضرور زرد تھا شاید زخموں سے خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔
جمال نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "مگر تم تو....."

رحیلہ نے جمال کا ہاتھ تھام کر اسے پلنگ پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ جمال کو رحیلہ کا
ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈا لگا۔ اس کے سینے پر بندھی ہوئی پٹیوں میں سے زخموں پر
ہوئی دوائی کی بو آ رہی تھی۔ "نہیں جمال ... میری جان ... میں مری نہیں تھی۔ میں
زندہ تھی۔ نوکرانی نے اسی وقت ڈاکٹر کو بلا لیا یہ ہمارا وہی خاص سرجن ڈاکٹر ہے جسے
تم بھی جانتے ہو۔ اس نے اسی جگہ میرے جسم سے دونوں گولیاں نکال ڈالیں۔ پھر

پٹی کر دی۔ اس نے مجھے کئی انجکشن لگائے۔ مجھے ہوش آگیا تھا۔ میں نے
لہ یہ حملہ میرے اور جمال کے ایک مشترکہ دشمن نے مجھ پر کیا ہے۔ کیا
ہیں یقین نہیں آرہا؟"

ر وہ.....وہ مختار نامہ یہیں کہیں گرا تھا میں اسی کی تلاش میں آیا ہوں۔"

یلہ مسکرا دی۔ "جمال اگر تم پہلے مجھے کہہ دیتے تو میں شروع ہی میں
ہارے حوالے کر دیتی۔ تم مجھے دولت سے بڑھ کر عزیز ہو۔ تم ہی میری
ت ہو۔ تم خود گواہ ہو میں کبھی تمہارے بغیر رہی ہوں؟ اب میں تمہیں بتاتی
رے آپریشن کے بعد جب ڈاکٹر مجھے اس کمرے میں لایا تھا تو مجھے مختار نامہ مل
ہ پلنگ کے نیچے پڑا تھا۔"

لہاں ہے وہ؟" جمال نے پوچھا۔

ڈاکٹر کے پاس۔" رحیلہ نے کہا۔ "میں نے اس خیال سے کہ مختار نامہ پھر
نہ ہو جائے اسے ڈاکٹر کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اسے اپنے پاس سنبھال کر
ڈاکٹر قریشی کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

مال ڈاکٹر قریشی سے واقف تھا۔ وہ بھی ایک طرح سے نقلی ڈاکٹر ہی تھا۔ اس
میں نہ آیا کہ رحیلہ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟ یہ سب کچھ کیسے
مگر چونکہ اس کا دماغ موٹا تھا اور اس وقت اس کے سر پر جائیداد کا مختار نامہ
اس لئے وہ ان باتوں پر غور کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے
اپنے قبضے میں کرنا چاہتا تھا۔

"مگر تم تو زخمی حالت میں ہو۔ میرے ساتھ کیسے چلو گی؟"

رحیلہ نے جمال کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ "میری جان! میں اگر مر
ں گی تو تمہاری خاطر ایک بار پھر جی اٹھوں گی۔ گاڑی تم چلانا میں تمہارے
ٹھوں گی۔"

جمال کو رحیلہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ اس نے تو دل میں یہ فیصلہ بھی
تھا کہ جونہی مختار نامہ اس کے ہاتھ میں آجائے گا وہ رحیلہ کی زندگی کا چراغ گل
ے گا۔ وہ اسے زندہ چھوڑ کر اپنے اوپر کوئی نئی مصیبت نازل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

رحیلہ نے اپنا ایک بازو جمال کے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ "انجکشن کی وجہ سے مجھے بڑا فائدہ ہے مگر چلنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔"

جمال اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم وہیں بیٹھو۔ میں خود ڈاکٹر کے پاس جا کر کاغذ لے لیتا ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر رحیلہ کی عدم موجودگی میں کاغذ اس کے حوالے نہیں کرے گا۔ اسے رحیلہ کا بازو اپنے کندھے پر ایک بوجھ محسوس ہو رہا تھا مگر جمال کی مجبوری تھی۔ وہ اسے سہارا دے کر کوٹھی کے گیراج میں لے آیا۔ یہاں رحیلہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ جمال نے نوکرانی کا پوچھا۔ کیونکہ اسے کچن کا بند دروازہ بڑا ویران لگ رہا تھا۔ رحیلہ نے کہا۔ "وہ میرے لئے دوا لینے گئی ہوئی ہے۔ ہمارے واپس آنے تک وہ بھی آچکی ہوگی۔ ہم اکٹھے بیٹھ کر چائے پئیں گے۔ پھر تم کاغذ لیکر جہاں جی چاہے چلے جانا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تم خوش رہو۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔"

جمال بے پروائی سے رحیلہ کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے ڈاکٹر کے پاس پہنچا جائے۔ اس سے کاغذ وصول کیا جائے اور پھر رحیلہ جائے جہنم میں۔ موٹی عقل کا ان پڑھ اور خود غرض لالچی آدمی تھا۔ وہ حالات و واقعات کو حقائق کے پس منظر میں لا کر ان کا تجزیہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لئے یہی سب کچھ تھا کہ رحیلہ زندہ ہے اور تھوڑی دیر بعد اسے لاکھوں کی جائیداد والا مختار نامہ مل جائے گا جس کے عوض وہ اپنے خاص پراپرٹی ڈیلر سے رقم وصول کرکے کراچی اور پھر وہاں سے کسی دوسرے ملک نکل جائے گا۔ وہ گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رحیلہ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی کوٹھی کے احاطے سے نکال کر سڑک پر ڈال دی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ڈاکٹر کہاں پر رہتا ہے۔ گاڑی کو مختلف سڑکوں پر سے گذارتا ہوا ایک خاص سڑک پر لے آیا جو ریلوے پھاٹک پار کرکے مذکورہ ڈاکٹر کی کوٹھی کی طرف چلی گئی تھی۔

اس وقت رات کا پہلا پہر گذر رہا تھا۔ سڑک کنارے بتیاں روشن تھیں۔ ٹریفک معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ ان کی گاڑی ریولے پھاٹک کے قریب پہنچی تو گاڑی آنے والی تھی۔ پھاٹک بند ہو رہا تھا۔ رحیلہ نے کہا۔ "گاڑی نکال کر لے

ک ابھی پوری طرح بند نہیں ہوا۔"

ل بھی جلدی میں تھا۔ اس نے بریک لگانے کی بجائے گاڑی کی رفتار تیز کر بند ہونے ہی والا تھا کہ جمال نے تیزی سے گاڑی نکال دی۔ پھاٹک والا ی رہ گیا۔ آگے جمال کی موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ گاڑی عین ئن کے اوپر جا کر رک گئی۔ انجن اپنے آپ بند ہوگیا۔ جمال نے انجن رنے کی کوشش کی۔ انجن ـ بند ہوگیا تھا جیسے پڑول ختم ہوگیا ہو۔ جمال رکہا۔ "اسے کیا ہوگیا ہے"

یلہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں دور ریلوے لائن پر جمی تھیں جہاں پریس ٹرین تیزی سے چلی آرہی تھی۔ پھاٹک کی دونوں جانب لوگوں نے شور لوگ دوڑ کر آئے۔ وہ گاڑی کو دھکا لگانے لگے مگر گاڑی کو جیسے ریلوے لائن یا تھا۔ جمال دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگا مگر دروازہ بھی نہیں کھل رہا تھا۔ اس یشے کو اتارنا چاہا شیشے نے بھی نیچے اترنے سے انکار کردیا۔

"اپنی طرف کا دروازہ کھولو رحیلہ۔ ٹرین آرہی ہے۔ پیچھے ہٹو ... پیچھے ہٹو"

ے دروازہ کھولنے میں لگے تھے۔ جمال اندر سے دروازے کے شیشے کو کے ا۔ نہ دروازہ کھل رہا تھا نہ کھڑکی کے شیشے نیچے اتر رہے تھے۔ ٹرین قریب آ ۔ انجن ڈرائیور بار بار وسل دے رہا تھا۔ اس نے فل بریکیں لگا دیں۔ انجن چیخ اٹھا۔ جمال تڑپ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر گیا۔ پچھلے دروازے بھی کھڑکیوں کے شیشے بھی جامد ہو چکے تھے۔

"یہ کیا ہوگیا ہے؟" جمال چیخ اٹھا۔ رحیلہ کے چہرے پر بے رحمانہ مسکراہٹ ل نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہارے ساتھ جو ہونا چاہئے تھا وہ ہو رہا

کتے رکتے گاڑی کے قریب آگئی تھی اور پھر انجن رحیلہ کی گاڑی کے پرخچے یک دھماکے کی آواز کے ساتھ آگے نکل گیا۔ اور تھوڑی دور جا کر رک گیا کے ٹکڑے ٹرین کی دونوں جانب بکھرے پڑے تھے۔ ان میں جمال کی لاش کے ی تھے۔ لوگ دہشت زدہ آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن رحیلہ کو

کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا جو ریلوے لائن پر اس حالت میں کھڑی تھی کہ ٹرین ؍
ڈبے اس کے اوپر سے گزر چکے تھے مگر اس کا ایک بال تک بیکا نہیں ہوا تھا۔
خراس تک نہیں آئی تھی۔ ریلوے کا انجن اور دو ڈبے اس کے اوپر سے یوں گز
تھے جیسے ہوا کا جھونکا گزرتا ہے۔ بلکہ ہوا کا جھونکا بھی رحیلہ کو پریشان نہیں کر
تھا۔ اس لئے کہ وہ زندہ نہیں تھی۔ وہ مرچکی تھی۔ وہ اسی وقت مرگئی تھی جب
نے اس پر دو گولیاں چلائی تھیں۔ اس کی لاش تو پوسٹ مارٹم کے بعد بے گو
لاوارثی کی حالت میں اسپتال کے مردہ خانے میں پڑی تھی۔ یہ رحیلہ کی روح تھی
کو اس کے اعمال کا بوجھ زمین کی فضاؤں میں ہی در بدر بھٹکا رہا تھا۔ انتقام کی
تھی' ناتمام حسرتوں کے انگارے تھے جو رحیلہ کی روح کو جلا رہے تھے۔ جمال سے
نے انتقام لے لیا تھا۔ اب اس نے سلمان سے بدلہ لینا تھا۔ جس کی وجہ سے اس
حسرتیں ناتمام رہ گئی تھیں۔ جس کی وجہ سے رحیلہ کو خاک و خون میں تڑپایا گیا
مگر وہ جانتی تھی کہ سلمان سے انتقام لینے کے لئے اسے اونچی چٹانوں کا وہ حصا
کرنا ہو گا جو سمیرا کے خیر خواہ اور سمیرا کے سچے عاشق یاقوت نے اس کے گرد
رکھا ہے۔ جب تک رحیلہ زندہ تھی' وہ یاقوت کی ماورائی طاقتوں کا ادراک کرنے
نا اہل تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ یہ سب کچھ اتفاقات کی وجہ سے ہوتا رہا ہ
جوں ہی اس کی روح مادی جسم سے آزاد ہوئی اس پر کئی دروازے کھل گئے۔ وا
دروازوں کے اندر داخل تو نہیں ہو سکتی تھی مگر ان کے اندر جو عوامل مصروف
تھے جو راز چھپے ہوئے تھے انہیں وہ واضح طور پر دیکھ رہی تھی۔ اسے علم ہو گیا
یاقوت سمیرا کی ازدواجی خوشیوں کی حفاظت کر رہا ہے اور وہ اس طرح حفاظت ک
ہے کہ وہ انہیں قدرتی آفات سے تو نہیں بچا سکتا ہے مگر اس کے سوا کسی
نقصان وہ سمیرا کو نہیں پہنچنے دیتا وہ سلمان کی بھی اسی لئے حفاظت کر رہا ہے کہ ا
نقصان پہنچا تو سمیرا کا گھر اجڑ جائے گا' سمیرا کو نقصان پہنچے گا مگر رحیلہ یہ بھی جان
تھی کہ ان عوامل پر یاقوت کا اختیار بھی ایک خاص حد تک ہے اس کے آگے وا
مجبور ہے یعنی یاقوت کو سلمان اور سمیرا کی مرضی' ان کی قوت ارادی میں کوئی ا
نہیں تھا اگر سلمان اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا چلاتا ہے یا خودکشی کے واسطے اپنے او

؟ یا ریل گاڑی کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے تو یاقوت اسے نہیں بچا سکے گا
ر یہ بھی انکشاف ہو گیا تھا کہ وہ یاقوت سے مختلف ماورائی قوتوں کی حامل ہے
وجہ یہ تھی کہ اپنے جسم سے اس کا رشتہ پوری طرح سے ٹوٹ چکا تھا جبکہ
ی روح کا رشتہ ابھی اس کے جسم سے برقرار تھا وہ سینکڑوں برس سے اپنی
چی محبت' اپنی منزل کی کھوج میں تھا اس کی پوری موت اس وقت واقع ہو گی
چی محبت کرنے والی کو حاصل کر چکا ہو گا جب وہ اسے اپنی موت کے بعد بھی
ے گی اگرچہ مادی حسرتوں اور ناکام خواہشوں کی وجہ سے رحیلہ کے دوزخ کی
یں یاقوت سے زیادہ شدت تھی لیکن سچی محبت کی تلاش کا جو نور یاقوت کی
ی شخصیت میں جاری و ساری تھا اور اسی نور نے یاقوت کو جو قوت عطا کر رکھی
ہ ایک زبردست ماورائی طاقت تھی اور رحیلہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ
حقیقت سے بھی باخبر تھی کہ اگر وہ غیر مادی حالت میں بھی یاقوت کے سامنے آ گئی
ے فوراً" خبر ہو جائے گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اسے پہچان لے گا ان تمام
یوں اور مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے رحیلہ کو کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا تھا کہ
پر چلتے ہوئے وہ سلمان کے نشیمن کو جلا کر راکھ کر دے اور اپنی روح کی آتش
م کو بجھائے۔

یہ ساری باتیں رحیلہ کی بوجھل گناہ گار روح نے پہلے ہی سے سوچ رکھی تھیں
ا کی لاش کے ٹکڑے ریلوے لائن پر خوفزدہ لوگوں کے درمیان چھوڑ کر رحیلہ کی
ح وہاں سے غائب ہو گئی وہ شہر کے دریا کنارے والے چھوٹے سے جنگل میں آ گئی'
ت گہری ہو چکی تھی یہاں درختوں کے ذخیروں میں سناٹا چھا رہا تھا رحیلہ کی روح ان
رختوں کے اندھیرے میں ساری رات بے چینی سے بھٹکتی رہی صبح ہونے سے ذرا
لے اس کے ذہن میں سلمان سے بدلہ لینے کی ایک ترکیب آ گئی یہ ترکیب ایسی تھی
ہ جس پر عمل کرتے ہوئے رحیلہ معاملے کی ساری کاروائی کو یاقوت کی ماورائی قوتوں
ے پوشیدہ رکھ سکتی تھی اس میں اس کے یاقوت کے سامنے آنے کا سوال پیدا ہی
ہں ہوتا تھا رحیلہ کی آتش انتقام سے جلتی ہوئی روح نے جوش غضب میں اپنے
پ کو اوپر اچھالا اور وہ درختوں کی گھنی شاخوں میں سے تیر کی طرح نکلتی ہوئی تاروں

بھرے آسمان کی وسعتوں میں غائب ہو گئی۔

جس زمانے کا اس کہانی میں ذکر ہو رہا ہے اس زمانے میں فلمی گلیمر کی دنیا ایک عورت نوجوانوں کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی یہ عورت نہ صرف اپنے حسن جمال میں یکتا تھی بلکہ فلمی دنیا کی ٹاپ کی ہیروئن تھی' نوجوان اس کی ایک جھلک دیکھنے کو اُمڈ پڑتے تھے اس کا نام سلومی تھا سلومی کو قدرت نے بڑا حسن عطا کیا تھا ابھی اس کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی وہ عالم شباب میں تھی کہ اپنی پہلی فلم میں ہیروئن کردار ادا کرنے کے بعد صف اول کی اداکارہ بن گئی اس کے بعد اس کی ہر فلم ہٹ ہونے لگی ہر طرف سلومی کا شہرہ ہونے لگا اس کا نام فلم کی کامیابی کی ضمانت بن گیا سلومی دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں میں کھیلنے لگی پہلے وہ شہر کے ایک خاص علاقے میں رہتی تھی اب اس نے شہر کے جدید ترین فیشن ایبل علاقے میں اپنی وسیع و عریض عالی شان کوٹھی بنا لی تھی جہاں وہ پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ رہ رہی تھی اس کوٹھی میں زندگی کی ہر وہ آسائش جو ایک نوجوان تصور کر سکتا ہے موجود تھی سلومی یہاں اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی جو اپنے زمانے کی مشہور ڈانسر رہ چکی تھی لائسنس یافتہ اسلحہ بردار محافظوں کا ایک پورا دستہ تھا جو کوٹھی کے اندر باہر ہر وقت موجود رہتا تھا جب سلومی اسٹوڈیوز یا محض اپنا شوق پورا کرنے کی خاطر شاپنگ کرنے شہر کے سب سے فیشن ایبل اور مہنگے ترین شاپنگ سینٹر میں جاتی تو دو محافظ بندوقیں لئے اس کے ساتھ ہوتے تھے' ایک ادھیڑ عمر کا سیکرٹری سلومی کے سارے کاروباری معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا دو وکیل سلومی کے انکم ٹیکس کے مسائل کو سلجھانے یا انہیں مزید الجھانے کے لئے موجود تھے سلومی نے ایک خاص قسم کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ گانا اور ڈانس اسے بچپن ہی سے سکھانا شروع کر دیا گیا تھا لیکن نہ وہ پوری طرح ڈانس سیکھ سکی تھی اور نہ ہی اسے گانا ہی آیا تھا اپنے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی ماں اسے فلمی دنیا میں لے گئی جہاں دو ایک سال دھکے کھانے کے بعد آخر سلومی کا ستارہ بام عروج پر چمک اٹھا اور اس ستارے نے باقی ساری فلمی اداکاراؤں کے ستاروں کی چمک دمک کو ماند کر دیا سلومی پڑھی لکھی بھی نہیں تھی صرف اردو لکھ پڑھ سکتی تھی اس کا اصلی نام بھی کچھ اور تھا اپنے ابتدائی ماحول اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے

فکر و تخیل کی دنیا بے حد محدود تھی فکر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کا الف لیلوی کہانیوں کے روایتی ماحول سے آگے نہیں جا سکا تھا وہ سوچتی کہ نے کبھی کسی لڑکے سے محبت کی تو وہ الف لیلیٰ کا شہزادہ ہو گا اس کی آنکھیں ی بال سنہری ہوں گے وہ بہادر شہزادوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر اسے سیر کرائے گا سلومی نے سوچ رکھا تھا کہ وہ کسی ایسے ہی اپنے آئیڈیل سے محبت کرے گی چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہو جب میں اس سے محبت تو وہ غریب کہاں رہے گا شادی کا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ شادی نہیں ی تھی اس کا دل کسی ایسے نوجوان سے محبت کرنے کو ضرور چاہتا تھا جو اس کا د اس کا پسندیدہ محبوب ہو۔

لمان سے اپنی المناک موت کا بدلہ لینے کے واسطے رحیلہ کی روح نے سلومی معمول استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا وہ کسی دوسرے کے جسم میں حلول کر کے ، کی ماورائی قوتوں سے مخفی رہ سکتی تھی اور سلومی کا جسم اس سفلی عمل کے بن معمول تھا رحیلہ کی روح نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ وہ سلومی کے جسم میں جانے کے بعد اس کے خیالات اور جذبات پر صرف اس وقت تک ہی اثر گی جب تک سلومی سلمان کے روبرو رہے گی اس کے بعد وہ سلومی کے جسم ، گی ضرور مگر اس کے خیالات اور ذہن پر اثر انداز نہیں ہو گی۔ سلومی اپنے کے کام اسی طرح کرے گی جس طرح وہ روز کرتی رہتی ہے لیکن جب وہ کے سامنے جائے گی تو وہ اسے نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والا اپنا آئیڈیل ظر آئے گا یہ رحیلہ کی روح کا کرشمہ ہو گا کہ وہ سلمان کو ایسا ہی بنا کر دکھائے ہی سلومی سلمان سے الگ ہو گی رحیلہ کی روح اس کے ذہن کو اپنے اثر سے دے گی اور اسی حالت میں اگر سلمان اس کے سامنے آ جائے گا تو وہ اسے گی بھی نہیں یہ بڑا نازک اور محتاط کام تھا مگر یاقوت کی ماورائی طاقتوں سے تے ہوئے سلمان پر بھرپور وار کرنے کا یہی ایک طریقہ باقی رہ گیا تھا کیونکہ اسی سے سلمان اپنی مرضی اور اپنے ارادے کے ساتھ سلومی کی طرف آئے گا اور لی روح جانتی تھی کہ جہاں سلمان کی اپنی مرضی کا دخل ہو گا وہاں یاقوت کی

ماورائی قوت کبھی دخل نہیں دے گی۔

رحیلہ کی روح سیدھی سلومی کے بنگلے پر پہنچ گئی اس وقت سلومی گہری نیند
رہی تھی وہ رات بھر فلم کی شوٹنگ میں مصروف رہی تھی اور اسے تقریباً" آدھا
سونا تھا رحیلہ کی روح وہاں سے پرواز کر کے سمیرا کی پہاڑ والی کوٹھی میں آ گئی۔
اس نے جو منظر دیکھا اس نے رحیلہ کی روح کو آگ کے انگاروں پر لٹا دیا اس
چاہا کہ وہ اس گھر کو آگ لگا دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی کسی بھی وقت یاقوت
ماورائی طاقت کے ساتھ وہاں رونما ہو کر رحیلہ کی روح کو پاتال کی گہرائیوں میں
سکتا تھا کیونکہ یاقوت کی محبت وفا پرستی اور ایثار کے اعلیٰ ترین جذبوں کی نمائندہ
تھی ایسی نیک روح کے سامنے بد روحیں بھی بے بس ہو جاتی ہیں جس طرح
کے سامنے اندھیرا کبھی نہیں ٹھہر سکتا اسی طرح نیک روحوں کے سامنے بدروحیں
کبھی نہیں ٹھہر سکتیں چنانچہ رحیلہ کی بدروح خاموشی سے ایک پرسکون گھر کا محبت
منظر دیکھتی رہی اور جلتی رہی منظر یہ تھا کہ دفتر جانے سے پہلے سمیرا اور سلمان
میاں بیوی تیار ہو کر لان میں بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے
مسکرا کر باتیں کر رہے تھے رحیلہ کے قتل کی خبر انہوں نے اخبار میں پڑھ لی تھی
سمیرا اس پر افسوس کا اظہار کر رہی تھی کہ رحیلہ نے نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے
بجائے برائی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے المناک انجام کو پہنچی۔

"وہ چاہتی تو شریفانہ زندگی بسر کر سکتی تھی یوں وہ ایک محبت کرنے والے
کی بیوی اور اپنے بچوں کی محبت کرنے والی ماں ہوتی۔"

سلمان نے چائے کا آخری گھونٹ پی کر پیالی میز پر رکھی اور یہ کہہ کر اٹھ
اللہ اسے معاف کرے آدمی بھٹک جاتا ہے پھر خدا ہی اسے سیدھے راستے پر ڈال
ہے۔"

سمیرا نے نوری کو آواز دے کر کہا۔ "برتن لے جاؤ نوری ہم دفتر جا
ہیں۔" رحیلہ کی روح نے غصے اور حسد میں جل بھن کر دل میں کہا۔ "میں تو تم
ایسا بدلہ لوں گی کہ ساری زندگی روتی رہو گی۔"

سمیرا اور سلمان گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل دیئے۔ سلمان ا کی گاڑی

نہیں ہوئی تھی اور وہ سمیرا کی گاڑی میں جا رہا تھا۔ رحیلہ کی بدروح وہاں سے
غائب ہو گئی تھی۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں یاقوت کی روح یا اس کی ماورائی قوتیں
کے برے عزائم سے باخبر نہ ہو جائیں۔

حسین و جمیل نامور اداکارہ سلومی دن کے دو بجے سو کر اٹھی۔ سلومی کی خاص
رانی جوس لے کر بیڈروم میں آئی سلومی نے بالوں کو سمیٹتے ہوئے رانی سے
ا۔ "سیکرٹری سے پتہ کر کے بتاؤ آج شوٹنگ کا پروگرام کیا ہے؟"

رانی نے سلومر کی چھوٹی سی تپائی بستر پر ہی سلومی کے آگے رکھ دی اور تازہ
ں کے جوس کا جاپانی گلاس اور ٹشو پیپر بکس بھی ساتھ ہی رکھ دیا۔ کہنے لگی۔ "
ل اسٹوڈیو میں رات کی شوٹنگ ہے سلومی جی۔ اس نے مجھے بتا دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔"

رانی بیڈروم سے چلی گئی۔ ایئرکنڈیشن چل رہا تھا۔ باہر ماہ جون کی گرمی پڑ رہی
۔ مگر سلومی کے بیڈروم میں کوہ مری کی ٹھنڈک تھی۔ سلومی جوس کا گلاس پی کر
ھار میز کے آئینے کے سامنے جا کر بیٹھ گئی اور چہرہ آئینے کے قریب لے جا کر اپنے
ں رخسار پر ابھرے ہوئے چھوٹے سے کیل کو دیکھنے لگی۔ رات اس نے اس پر
ائی بھی لگائی تھی۔ وہ اس کے بارے میں فکرمند تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ آج اپنی
ی ڈاکٹر کو دوبارہ گھر بلا کر دکھائے گی۔ اس کے چہرے کے حسن میں معمولی سا بھی
ق نہیں پڑنا چاہئے۔

رحیلہ کی روح اس وقت سلومی کے بیڈروم میں موجود تھی۔ اس نے سن لیا کہ
ج رات امپریل اسٹوڈیو میں شوٹنگ ہے۔ وہاں سے وہ غائب ہو کر سیدھی سلمان
کے آفس میں آ گئی۔ یہاں معمول کے مطابق دفتری کام ہو رہا تھا۔ سلمان کسی نئے
شتہار کا ڈیزائن بنا رہا تھا۔ اس کے پاس ہی اس کا دوست جمشید بیٹھا آرٹ پیپر پر
انگریزی کے الفاظ میں رنگ بھرنے میں مصروف تھا۔ دونوں دوست کام کرتے ہوئے
آپس میں کبھی کبھی کوئی بات بھی کر لیتے تھے۔ رحیلہ کی روح نے جمشید کے ذہن میں
ایک خیال ڈال دیا۔ جمشید کام کرتے کرتے بولا۔ "سلمان! یار آج امپریل اسٹوڈیو میں
فلم کی شوٹنگ دیکھنے جائے۔"

"چھوڑو یار۔ خواہ مخواہ وقت ضائع ہو گا۔" سلمان نے اس بے پروائی سے کہا۔

جمشید اصرار کرنے لگا۔ "میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ اگر سلومی کی شوٹنگ ہوئی تو بڑا مزا رہے گا۔ وہ بڑی زبردست ڈانسر ہے۔ اسٹوڈیو کا منیجر میرا دوست ہے۔"

اسی وقت جمشید نے امپریل اسٹوڈیو فون کر دیا۔ اسٹوڈیو منیجر اسے مل گیا۔ جمشید کو جب معلوم ہوا کہ آج سلومی کے ڈانس کے سین فلمبند ہوں گے تو جمشید نے کہہ دیا۔ "میں اور میرا دوست سلمان آ رہے ہیں۔" جمشید نے فون بند کیا تو سلمان کی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس دوران رحیلہ کی روح سلمان پر بھی اپنا اثر ڈال چکی تھی۔ وہ بولا۔ "ہاں یار سلومی تو غضب کا ڈانس کرتی ہے چلو پھر آج اسٹوڈیو میں شوٹنگ ہی دیکھی جائے۔ میں سمیرا کو فون کر دیتا ہوں۔"

اسی وقت سلمان نے سمیرا کو اس کے آفس فون کر دیا کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ اسٹوڈیو میں شوٹنگ دیکھنے جا رہا ہے رات دیر سے آئے گا۔ سمیرا نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس لئے کہ رحیلہ اب اس دنیا میں نہیں رہی تھی اور سلمان شوٹنگ کا بہانہ بنا کر رحیلہ کے پاس ہی جا سکتا تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ "دیر نہ کرنا۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"میری جان! شوٹنگ تو ساری رات ہوتی ہے۔ مگر تم فکر نہ کرو۔ میں بارہ ایک بجے واپس آ جاؤں گا۔"

"ٹیکسی مت لینا۔"

"میں جمشید کی گاڑی لے لوں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

جب پروگرام طے ہو گیا تو رحیلہ کی روح وہاں سے چلی گئی۔ وہ زیادہ دیر اپنی حقیقی حالت میں سلمان یا سمیرا دونوں کے پاس رہنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ کیونکہ یہ دو انسان ایسے تھے کہ یاقوت کسی بھی وقت اپنی ماورائی طاقتوں کے ساتھ ان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے وہاں پہنچ سکتا تھا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک روح کے لئے بارونق شہر اور کشادہ آسمان کی وسعتوں میں وقت گزارنا ایک دلچسپ مشغلہ ہوتا ہو گا۔ ایک روح ہوا میں تیرتی ہوئی جس طرف چاہے نکل سکتی ہے۔ وہ سارے شہر میں اور آسمان کی وسعتوں میں سیریں کر سکتی

مگر کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسا کرتے ہوئے روح ایک بوجھ محسوس کرتی ہے۔
اتنی لطیف ہوتی ہے کہ ہوا اور روشنی بھی اس کے مقابلے میں بھاری ہوتی
اپنے عارضی جسم سے الگ ہونے کے بعد اس کا قدرتی رجحان یہی ہوتا ہے کہ
دنیا کے بوجھل ماحول سے نکل جائے جس طرح انسان کا دھویں میں دم گھٹنے
ہے اسی طرح روح کو بھی مکانوں، عمارتوں اور فضا میں پھیلے ہوئے مادی ذرات
ول میں گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ ایسی حالت اور کیفیت ایک
ہ پرست انسان کی روح کو ہوتی ہے۔ نیک آدمی کی روح جب چاہے دنیا کے
میں آ سکتی ہے اور جب تک چاہے بڑے سکون کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ اس کی
بتائی گئی ہے کہ نیک روحوں کے اعمال اور دنیا میں کی گئی نیکیاں اس کے
دکے ماحول کو مادی اثرات کو زائل کر کے اسے اسی کی طرح لطیف بنا دیتی ہیں
روح کو یہاں بھی کوئی وقت محسوس نہیں ہوتی۔ رحیلہ کی روح ایک مادہ پرست
نسانیت کی اعلیٰ قدروں سے محبت کرنے کی بجائے فانی چیزوں سے محبت کرنے والی
ن کی روح تھی جو ایک انسان کا خون بھی کر چکی تھی۔ ایسی روح اپنے گناہوں کی
ے بوجھل ہو جاتی ہے۔ گناہوں کا بوجھ اسے بے چین اور بوجھل رکھتا ہے اور
روح اس غبارے کی طرح ایک خاص بلندی تک ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی ہے جس
لیس بھر کر اس کے ساتھ تھوڑا سا بوجھ بھی باندھ دیا گیا ہو۔ یہ میں نے ایک
ب میں پڑھا تھا کہ ایسا ہوتا ہے۔ حقیقت کا علم صرف خدا کی ذات کو ہے۔ میں تو
کرداروں کو بطور علامت استعمال کرتے ہوئے انسان کی اچھائیوں برائیوں اور اس
کمزوریوں کو بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ انسان پر یہ حقیقت واضح ہو سکے
انسان کی نجات نیکی کے کاموں اور پاکیزہ زندگی گزارنے میں ہے۔ برائی کے کام
برے خیالات انسان کو جہنم کی آگ کی طرف لے جاتے ہیں۔

رحیلہ کی روح بھی اپنے اعمال کی وجہ سے ایک بری روح تھی۔ وہ نہ صرف
زندگی میں کئے گئے برے اعمال کی سزا بھگت رہی تھی بلکہ مزید ایسے برے عمل کر
تھی جس کی سزا اسے حشر کے روز ملنے والی تھی۔ اس کی روح کی حالت اس
ے کی مانند تھی جس کے پر کیچڑ اور گندے ڈیزل آئل میں لت پت ہو گئے ہوں

اور جو تھوڑا اوپر اڑنے کے بعد بار بار زمین پر گر پڑتا ہو۔ ایک بے چینی' اضطراب اور خون آلود حسرتوں کا مسلسل احساس اس کی روح کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ وہ سلمان کے آفس سے پرواز کر کے شہر میں ادھر ادھر بھٹکتی پھر رہی تھی۔ اسے رات کا انتظا تھا۔ جب سلمان کو اپنے دوست جمشید کے ساتھ فلم اسٹوڈیو میں شوٹنگ دیکھنے جانا تھا اور سلومی نے اسے دیکھنا تھا۔ فضا میں پھیلے ہوئے کروڑوں' اربوں' کھربوں خاکی ذرا رحیلہ کی گناہ گار روح کو زخمی کر رہے تھے۔ اسے اذیت دے رہے تھے۔ کیونکہ رحیا کی گناہ گار روح کے اندر وہ مادہ وہ مادی ذرات' ابھی تک موجود تھے جو مادی اذیت قبول کرتے تھے۔ یہ اس کے غیر قدرتی اعمال اور گناہوں کا نتیجہ تھا۔

رحیلہ کی روح شہر کے مضافات میں آگئی۔ یہاں اسے ایک کنواں نظر آیا۔ ا کنویں کے اندر گہرائی میں اتر گئی اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ وقت کو گزرنا ہی تھا۔ دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی۔ سلمان اور جمشید دفتر م اپنی ڈیوٹی ختم کر کے نکلے اور گاڑی میں بیٹھ کر فلم اسٹوڈیو کی طرف چل پڑے۔ اسٹوڈیو کے گیٹ پر جمشید نے اپنے دوست اسٹوڈیو منیجر کا حوالہ دیا۔ اس کا دیا ہوا کا دکھایا تو چوکیدار نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔ جمشید سلمان کو لے اپنے دوست منیجر کے کمرے میں آگیا۔ سلمان کا اس سے تعارف کروایا۔ اسٹوڈیو منیجر نے سرسری نظر سلمان پر ڈالی اور کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت میں بہ مصروف ہوں۔ آپ فلور نمبر چار پر ایک گھنٹے بعد چلے جائیں۔ میرا کارڈ گیٹ پر د دیں۔"

منیجر کمرے سے نکل گیا۔ اس کی سرد مہری کے رویے سے ظاہر تھا کہ اس جمشید اور سلمان کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ جمشید کھسیانا ہو کر کہنے لگا۔ "یہ لوگ بہ بڑے مصروف ہوتے ہیں اور پھر آج تو سلومی کی شوٹنگ ہے۔ آؤ کینٹین میں بیٹھ چائے پیتے ہیں۔"

کچھ دیر تو وہ اسٹوڈیو کینٹین میں بیٹھے رہے۔ وہاں سلمان نے کچھ ایسے ادا دیکھے جنہیں وہ فلموں میں دیکھ چکا تھا۔ جمشید نے دو ایک اداکاروں کو سلام بھی کیا کا جواب ان اداکاروں نے اس طرح سے دیا جیسے وہ جمشید کو پہچانتے نہ ہوں کوشش

ہوں یا انہوں نے جمشید کو نہ پہچانا ہو۔ جمشید نے سلمان کو رازداری سے بتایا۔ ب ایکٹر لوگ میرے بڑے یار ہیں اکثر میرے گھر آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن نتے ہو میں بھی دفتر میں کتنا مصروف رہتا ہوں۔ کافی عرصے بعد اسٹوڈیو کا چکر لگتا "

سلمان کو فلم اسٹوڈیو کے بناوٹی ماحول نے متاثر نہ کیا تھا۔ لیکن چونکہ وہ جمشید ساتھ آگیا تھا اس لئے اب وہ شوٹنگ دیکھ کر ہی واپس جانا چاہتا تھا۔ ایک گھنٹے بعد وہ فلور نمبر چار کے دروازے پر آ گئے۔ یہاں بھی چوکیدار موجود تھا۔ جمشید اسے منیجر کا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "قریشی صاحب اپنے بڑے مہربان ہیں۔ ہم تو ان عوت پر ہی اسٹوڈیو آتے ہیں۔"

چوکیدار نے بڑے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ فلور پر کسی کلب کا سیٹ لگا ہاں سلومی کا ڈانس فلمایا جانا تھا۔ بڑا زبردست آرائشی سیٹ تھا۔ خوب روشنیاں ہی تھیں۔ سیٹ کی مزید آرائش کی جا رہی تھی۔ لائٹس درست کی جا رہی تھیں۔ طرف سلومی کے ساتھ رقص کرنے والی ڈانسر لڑکیاں زرق برق لباس پہنے فل اپ کئے بیٹھی تھیں۔ جمشید نے سلمان سے کہا۔ "ابھی سلومی نہیں آئی۔ بس آ ے گی۔ کمال کا ڈانس کرتی ہے۔ بھئی اتنی بڑی آرٹسٹ ہے۔ آؤ وہاں کھڑے ہوتے ۔"

ان کے لئے وہاں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پہلے سے کچھ لوگ ایک طرف ٹوں کے پیچھے کھڑے تھے یہ بھی خاص سفارشوں سے سلومی کے ڈانس کی شوٹنگ نے آئے ہوئے تھے۔ فلور پر صرف ایک ہی صوفہ تھا جس پر فلم کا ڈائریکٹر اور کچھ رے لوگ بیٹھے تھے۔ ڈائریکٹر کے ہاتھ میں اسکرپٹ تھا۔ وہ اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ایات دے رہا تھا۔ کیمرہ مین کلب والے سینٹ کے کاؤنٹر پر بوتلوں اور شیشے کے اسوں کو خاص ترتیب سے رکھوانے میں مصروف تھا۔ جمشید اور سلمان بھی موٹے ٹے تاروں سے اپنے پاؤں بچاتے ہوئے ایک بڑی لائٹ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ لمان کو بڑا عجیب سا لگ رہا تا۔ جمشید بولا۔ "سلومی کا ڈانس ہو تو ہرا ایرا غیرا سیٹ پر ں آ سکتا۔ صرف خاص خاص آدمیوں کو ہی اجازت ملتی ہے۔ دیکھ لو ہمارے علاوہ

دو چار آدمی ہی باہر کے ہیں۔" پھر پیچھے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ "منیجر آ جائے تو اس سے کہہ کر تمہارے لئے کرسی منگوا لوں گا۔"

سلمان نے کہا۔ "نہیں نہیں جمشید بھائی۔ کرسی کی ضرورت نہیں ہے۔ بس ٹھیک ہے۔ تھوڑا سا ڈانس دیکھ کر چلیں جائیں گے۔"

جمشید بولا۔ "پاگل ہو گئے ہو۔ سلومی کا ڈانس روز روز دیکھنے کو نہیں ملتا۔ سارا ڈانس دیکھ کر جائیں گے۔"

قریب ہی لکڑی کا ایک ٹوٹا ہوا کھوکھا پڑا تھا جس پر کسی نے چائے کی چینک اور ایک خالی پیالہ رکھ دیا تھا۔ سلمان اس پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں تو تھک گیا ہوں یار۔ پتہ نہیں ڈانس کب شروع ہو گا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ جب فلم لگتی تو سینما ہال میں سلومی کا ڈانس دیکھ لیتے۔"

جمشید نے سلمان کے کندھے کو دباتے ہوئے ہنس کر کہا۔ "یار سلمان! ہم تو خوش قسمت ہیں کہ اتنی بڑی آرٹسٹ کا زندہ ناچ دیکھیں گے۔ زندہ ڈانس کی تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"مگر یہ زندہ ڈانس شروع کب ہو گا؟" سلمان نے بیزاری سے کہا۔ جمشید نے اسے حوصلہ دیا۔ "گھبراؤ نہیں۔ بڑی ہیروئن دیر لگا کر ہی آتی ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں خود تمہیں گھر چھوڑ آؤں گا۔ یا پھر تم میری گاڑی لے جانا۔"

کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد کسی نے اونچی آواز میں اعلان کیا۔ "میڈم آ گئی ہیں۔"

سب لوگ گیٹ کی طرف دوڑے۔ ان میں ڈانس ڈائریکٹر کیمرہ مین اور فلم ڈائریکٹر اور پروڈیوسر بھی تھا۔ جمشید نے کہنی مار کر کہا۔ "آ گئی ہے سلومی۔"

سلمان کو اتنی بے تابی نہیں تھی سلومی کو دیکھنے کی۔ جتنی بے تابی کا اظہار وہاں جمشید سمیت سبھی لوگ کر رہے تھے۔ وہ لکڑی کے کھوکھے پر ہی بیٹھا گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ سلومی فل میک اپ کے ساتھ ڈانسروں والا انتہائی بھڑکیلا لباس زیب تن کئے چلی آ رہی تھی۔ ڈائریکٹر' پروڈیوسر' کیمرہ مین' ڈانس ڈائریکٹر اور سلومی کی والدہ اس کا ایک باڈی گارڈ۔ یہ سب اس کو اپنے حصار میں لئے چلے آ رہے تھے۔ ڈائریکٹر نے آتے ہی چلا کر کہا۔ "فل لائٹس۔"

فلور کی تمام بتیاں باری باری روشن کر دی گئیں۔ اصل میں ڈائریکٹر اور یوسر نامور اداکارہ سلومی کو کلب کے سیٹ کا پورا گلیمر دکھانا چاہتے تھے۔ سلومی را رہی تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ جمشید ایک عجیب از خود رفتگی کے عالم میں اس طرف دیکھ رہا تھا۔

"یار سلمان! یہ واقعی بڑی خوبصورت ایکٹریس ہے اور ابھی تو بالکل جوان ے۔"

سلمان بھی سلومی کو دیکھ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بڑی حسین ۔ چہرہ چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ گلے میں ہار تھا جس کے جواہرات کرنیں بکھیر ہے تھے۔ چہرے پر ایک تمکنت اور غرور تھا۔ گردن ایک انداز دلربائی سے ایک ف کو اٹھی ہوئی تھی۔ ڈائریکٹر سیٹ کی طرف اشارہ کر کے سلومی کو کچھ سمجھا رہا ۔ سلومی کے باڈی گارڈ نے چاندی کے ڈاٹ والی تھرمس سے ٹھنڈا مشروب سنہری اس میں ڈال کر سلومی کو دیا۔ وہ بڑی نزاکت سے گلاس کو تھوڑی دیر بعد ٹوں سے لگا کر مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ پینے لگی۔ رحیلہ کی روح بھی ل وقت وہاں موجود تھی اور کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ سلمان کو بھی کھ رہی تھی۔ سلومی نے گلاس اپنے باڈی گارڈ کے حوالے کیا اور بڑے ناز و انداز ے صوفے سے اٹھ کر اٹھلاتی ہوئی فلور کی طرف بڑھی۔ ڈانس ڈائریکٹر جلدی سے ر کے درمیان آ کر سلومی کو رقص کے توڑے اور نرت بھاؤ سمجھانے لگا۔

سلومی کی میک اپ درست رکھنے والی عورت بار بار ٹشو پیپر لے کر سلومی کے س جاتی اور اس کے ماتھے پر آئے ہوئے پسینے کے ننھے منے موتی جذب کرتی۔ یہ ر اگرچہ ایئر کنڈیشنڈ تھا مگر بڑی بڑی لائٹوں کی وجہ سے فضا گرم ہو رہی تھی۔ کیمرہ ن کیمرے کو ٹرالی پر رکھے درست زاویے پر لا رہا تھا۔ ساؤنڈ ٹریک پر ڈانس کا گانا نے لگا۔ فلور پر اس گانے کا بڑا شور مچ گیا۔ سلمان نے کہا۔ "اس کی آواز بڑی اونچی ہے۔"

جمشید ہنس کر بولا۔ "تمہیں پتہ نہیں ہے نا اسی لئے تمہیں شور لگ رہا ہے۔ ل کی آواز ایسی ہی ہوتی ہے۔"

ڈانس کا ایک شاٹ فلمبند کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ ... ور میرے
جگہیں بدلی جانے لگیں۔ سلمان بور ہو رہا تھا۔ جمشید سلومی کا زبردست مداح تھا۔ ساری رات شوٹنگ دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ سلمان کا دل لگانے کی کوشش کر رہا تھا
رحیلہ کی روح اس صوفے کے قریب ہی کھڑی تھی جس پر سلومی بیٹھی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ روح سوچ رہی تھی کہ سلومی اور سلمان کا آمنا سامنا کس طرح سے کرایا جائے۔ وہ سلمان کے قریب آنے یا اس کے جسم میں حلول کرنے سے کتراتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ سلمان اور سیرا کے گرد عام طور پر یاقوت ماورائی طاقتوں کا حصار ہوتا ہے اور اگر یاقوت کو اس کے منصوبے کا علم ہو گیا تو رحیلہ کی روح کے مقابلے پر آ جائے گا اور پھر رحیلہ کی کامیابی مشکوک ہو جائے گی رحیلہ کی روح یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ مگر سلمان نے خود ہی اس کا مسئلہ حل کر دیا۔ ایسا ہوا کہ جمشید نے سلمان کی دلچسپی برقرار رکھنے کے لئے کہا۔ "سلومی کا آٹوگراف لیتے ہیں۔"

سلمان نے بے نیازی سے کہا۔ "تم جاؤ میں یہیں بیٹھتا ہوں۔"

"تم بے شک آٹوگراف نہ لینا۔ مگر میرے ساتھ تو چلو۔"

جمشید نے زبردستی سلمان کو راضی کر لیا۔ جمشید اس مقصد کے لئے آٹوگراف بک ساتھ ہی لے کر آیا تھا۔ جس وقت وہ سلمان کے ساتھ سلومی صوفے کے قریب آیا خادمہ آئینہ تھامے سلومی کے سامنے بیٹھی تھی اور سلومی دیکھتے ہوئے اپنے رخساروں پر پف لگا رہی تھی۔ رحیلہ کی روح نے سلمان کو کے پاس آتے دیکھا تو خوش ہو گئی۔ جمشید نے آگے بڑھ کر بڑی شائستگی سے آٹوگراف بک اور قلم پیش کرتے ہوئے کہا۔ "میڈم آٹوگرام پلیز۔"

عین اس وقت رحیلہ کی روح بھی اپنی جگہ سے پھسل کر سلومی کے قریب اور اس کے جسم میں حلول کر گئی۔ سلومی نے مسکراتے ہوئے آٹوگراف دیا اور اس کی نگاہ جمشید کے پیچھے کھڑی سلمان پر پڑ گئی۔ اب ساری کارگزاری رحیلہ کی کی تھی۔ وہ جو دکھانا چاہتی تھی سلومی وہی دیکھ رہی تھی۔ اسے سلمان اپنے اور خوابوں کے شہزادے کے روپ میں دکھائی دیا۔ گورا رنگ' چوڑے شانے' بال اور نیلی آنکھیں----- سلومی بے خودی کے عالم میں سلمان کو دیکھنے لگی۔

سلومی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ سلمان کی شکل میں وہ اپنے خوابوں کا اپنا آئیڈیل دیکھ رہی تھی۔ گورے رنگ اور چوڑے شانوں والا نوجوان جس کی ں نیلی تھیں۔ بال سنہرے اور گھنے تھے۔ سلمان نے بھی محسوس کیا کہ سلومی طرف غور کر رہی تھی۔ وہ جمشید کے پیچھے ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سلومی کو آٹوگراف دے رہی تھی۔ بلکہ وہ دیکھ رہی تھی جو رحیلہ کی روح سلومی کے ں حلول کرنے کے بعد اسے دکھا رہی تھی۔ اس وقت سلومی کے دیکھنے' سوچنے لوس کرنے کی صلاحیتوں پر مکمل طور پر رحیلہ کی روح کا قبضہ تھا۔ رحیلہ کی اس لمحے پوری طرح سلومی کے دل و دماغ پر مسلط تھی۔ اس لمحے رحیلہ کی روح تھی اور سلومی اس کی معمول تھی۔ وہاں پر موجود فلم ڈائریکٹر' سلومی کی تجربہ کار ار ڈانسر ڈائریکٹر نے بھی محسوس کیا کہ سلومی ایک معمولی شکل و صورت کے ن پر زیادہ توجہ صرف کر رہی ہے۔ انہیں وہ سلمان نظر نہیں آ رہا تھا جو سلومی کو ائے رہا تھا اور رحیلہ کی روح اسے دکھا رہی تھی۔

سلومی نے سلمان پر سے اپنی نظریں ہٹا لیں اور جمشید کو آٹوگراف دیا۔ جمشید ا کر کے پیچھے ہٹا اور سلمان بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ سلومی کی نظریں سلمان کا رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ اس کے خوابوں کا شہزادہ ایک طرف ہو کر اپنے کے ساتھ چپ چاپ کھڑا ہے اور جمشید اسے خوش ہو کر سلومی کا آٹوگراف ہے۔ رحیلہ کی روح اپنی پوری طاقت صرف کر رہی تھی۔ سیٹ تیار ہو گیا۔

لائٹیں اپنی اپنی جگہ پر لگا دی گئیں۔ ڈانس ڈائریکٹر نے فلم ڈائریکٹر کو اشارہ کیا۔ کے ڈائریکٹر نے سلومی کو بڑے ادب سے کہا کہ میڈم اب ڈانس کا اگلا سین کریں گے۔ ساؤنڈ ٹریک پر گانے کی دھن بج رہی تھی۔ سلومی پر رحیلہ کی روح تھی۔ اس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلا کر کہا۔ "یہ کیا شور مچا رکھا بند کرو اسے۔" ڈائریکٹر نے فوراً اشارہ کیا۔ ساؤنڈ ٹریک بند کر دیا گیا وہاں ایک کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پہلے کبھی ایسی بات نہ ہوئی تھی۔ سلومی نے کتنی ہی فلموں ڈانس کے سین کئے تھے اور کبھی ساؤنڈ ٹریک پر لگے ہوئے گانے کے شور کی ش نہیں کی تھی۔ یہ شور تو ڈانس کی شوٹنگ کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ سلومی کی ماں فکرمند ہو کر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا بات ہے بیٹی؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

فلم ڈائریکٹر، میک اپ کروانے والی عورت، ڈانس ڈائریکٹر اور سیٹ پر دو لوگ بھی حیرانی سے سلومی کی طرف دیکھنے لگے۔ سلومی کے حواس پر اس وقت کی روح کا مکمل قبضہ تھا۔ وہ اپنے حواس میں ہی تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی ایک کو پہچان رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ اس کی ماں ہے۔ یہ فلم کا پروڈیوسر یہ ڈائریکٹر ہے اور ڈانس کا سیٹ لگا ہے اور وہ ملک کی مشہور و معروف اداکارہ ہے۔ یہ سب کچھ سلومی کو اپنے آئیڈیل اپنے خوابوں کے شہزادے کے مقابلے میں ہیچ رہا تھا۔ ساؤنڈ ٹریک بند ہو چکا تھا۔ لائٹیں بجھا دی گئی تھیں۔ صرف معمو روشنیاں ہو رہی تھیں۔ سلومی نے آہستہ سے اپنی ماں کا ہاتھ پیچھے جھٹک دیا اور "مجھے کچھ نہیں ہوا۔ میں ٹھیک ہوں۔"

اگر سلومی نارمل حالت میں ہوتی تو اس کے حواس پر رحیلہ کی روح م ہوتی اور وہ اپنے کسی آئیڈیل کو دیکھتی اور اسے دل سے پسند کرتی تو وہ یقیناً عاشقانہ جذبات کو اپنے قابو میں رکھتی۔ اپنے دل کی کیفیات کو جذبات کے اظہا کبھی ظاہر نہ ہونے دیتی۔ بڑی پیشہ ورانہ رکھ رکھاؤ سے کام لیتی۔ مگر اس وق اپنے آپ میں نہیں تھی۔ جو اس کے دل میں گزر رہی تھی وہ بالکل ویسی ہی شک اور شدت کے ساتھ اس کی شخصیت کے اظہار کا حصہ بن چکی تھی۔ وہ ا

نے پر سے اٹھی اور سیدھی سلمان کی طرف چل پڑی۔ سلومی کو یوں محسوس ہو رہا کہ اگر اس لمحے اس کے خوابوں کا شہزادہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو پھر وہ ساری زندگی دوبارہ نہ دیکھ سکے گی۔ جمشید نے سلومی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کچھ گھبرا سا گیا۔ سمجھا کہ شاید وہ آٹوگراف بک پر کچھ مزید لکھنے کے لئے آ رہی ۔ سلمان اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ سلومی سیدھی سلمان کے پاس آ کر رک گئی۔ سلمان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ جمشید کے چہرے پر حیرت طاری تھی۔ لومی نے سلمان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے مجھے۔ یا تم تھوڑی دیر کے لئے میرے ساتھ آؤ گے؟ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں؟"

سلمان کی حالت ایسی تھی کہ جیسے کسی نے اس پر اچانک ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ س کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی بڑی ایکٹریس اس کے ساتھ اچانک ایسی باتیں یوں کرنے لگی ہے۔ جمشید کو سلمان پر رشک آ رہا تھا وہ جلدی سے بولا۔ "کیوں ہیں میڈم۔" پھر سلمان سے کہا۔

"میڈم تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔ تم ضرور ان کے ساتھ جاؤ۔"

سلمان کے دل پر اس خیال کا ضرور اثر تھا کہ ملک کی ایک نامور اداکارہ نے اسے اتنی اہمیت دی ہے کہ سب کے سامنے اور سب کو عالم حیرت میں ڈال کر خود چل کر اس کے پاس آئی ہے اور اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت بھی دے رہی ہے۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "ضرور میڈم ضرور۔"

"میرے ساتھ آؤ۔"

سلومی سلمان کا ہاتھ تھامے اسٹوڈیو کے فلور کے دروازے کی طرف بڑھی۔ سب بت بنے اس کو دیکھ رہے تھے کہ اتنی بڑی آرٹسٹ کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ ایک غی معروف نوجوان کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ سیٹ چھوڑ کر جا رہی ہے۔ سلومی نے فلم کے ڈائریکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں۔ شوٹنگ پیک اپ کر دو۔"

سلومی کی ماں بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ اپنی سرکش اور مغرور بیٹی کے مزاج سے واقف تھی۔ خاموش ہو کر رہ گئی۔ ڈائریکٹر نے ہاتھ اٹھا کر

شوٹنگ پیک اپ کرنے کا اعلان کر دیا۔ جمشید وہیں کیمرے کے قریب کھڑا تھا۔ پھر بھی وہ سلمان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا شاید سلوی اس پر بھی مہربان ہو جائے اور اسے بھی اپنے ساتھ ہی رکھے۔ فلور کے باہر آ کر سلوی نے گردن گھما کر جمشید کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تمہیں ہمارے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

جمشید شرمسار سا ہو کر وہیں رک گیا۔ سلوی کے ڈرائیور اور باڈی گارڈ نے جو کار کے ساتھ آیا جایا کرتا تھا' سلوی کو آتے دیکھا تو دونوں گاڑی کی طرف دوڑے۔ سلوی نے ان دونوں کو ہاتھ کے اشارے سے وہیں روک دیا۔

"تم ممی کو دوسری گاڑی میں لے جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گی۔"

سلمان کو انتہائی فخر محسوس بھی ہو رہا تھا اور اس پر ایک حیرت بھی طاری تھی کہ اتنی بڑی اداکارہ اس پر اچانک اتنی مہربان کیسے ہو گئی ہے؟ اسے محسوس ہوا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے یا پھر سلوی کو شاید اس پر کسی دوسرے کا دھوکا ہوا ہے۔ اپنی عالی شان گاڑی میں سلوی نے سلمان کو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے کی دعوت دی اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "پلیز! انکار نہ کرنا۔"

سلمان پر بھی جیسے ایک طلسم سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک کر رہ گئے۔ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ وہ خاموشی سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے سلوی کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ باہر کھڑے سب لوگ تعجب اور رشک آلود نظروں سے سلمان کو دیکھ رہے تھے۔

سلوی نے بڑی آہستگی سے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسٹوڈیو کے احاطے سے نکال کر باہر سڑک پر آ گئی۔ سلمان نے سوال کرنا چاہا مگر آواز نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ سلوی نے گاڑی ایک کشادہ سڑک پر ڈال دی۔ گاڑی کا ایئر کنڈیشنر آن کر دیا۔ گاڑی کی بند فضا میں بڑے قیمتی پرفیوم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سلوی نے ایک نظر سلمان پر ڈالی اور بڑی محبت بھری آواز میں کہنے لگی۔

"میں تم سے معذرت ضرور چاہوں گی کہ تمہارے دوست سے الگ کر کے لے آئی ہوں لیکن میں---- میرا مطلب ہے کہ میں نہیں چاہتی کہ تم مجھ سے باتیں کئے بغیر چلے جاؤ۔"

سلمان نے اتنی دیر میں اپنے حواس کو پوری طرح سے اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا۔ اب اسے سلوی کی حیثیت کے ساتھ اپنی سماجی حیثیت اور شخصی وقار کا بھی احساس ہونے لگا تھا لیکن چونکہ وہ زیادہ پڑھا لکھا اور سمیرا کی ٹائپ کا دانشور نہیں تھا اس کے کردار میں وہ گہرائی اور وزن نہیں تھا جو فلسفہ' ادب اور تہذیبوں کی تاریخ کا مطالعہ انسان کو عطا کرتا ہے اس لئے وہ اس اعزاز پر پھولا نہیں سما رہا تھا جو سلوی جیسی اتنی بڑی اداکارہ نے اسے دیا تھا۔ اس نے پوچھ ہی لیا۔ "آپ مجھ سے کیا باتیں کرنا چاہتی ہیں؟"

سلوی نے نیم باز آنکھوں سے سلمان کی طرف ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور پھر سامنے سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے گہرا سانس بھر کر بولی۔ "وہ باتیں کرنا چاہتی ہوں جو میں نے آج تک کسی سے نہیں کیں۔ جن باتوں کو کرنے کے لئے میں ایک ایسے مرد کی تلاش میں تھی جو میرا آئیڈیل ہو۔ اب تم ضرور سمجھ گئے ہو گے تم سے جو باتیں کرنی ہیں' وہ میں ہوٹل میں بیٹھ کر کروں گی۔"

سلمان کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے زمین سے اٹھا کر کسی بلند ترین عمارت کی سب سے اوپر والی گیلری میں بٹھا دیا ہے۔ کیا واقعی وہ سلوی کا آئیڈیل مرد ہے؟ کیا یہ کرامت بھی ہو سکتی ہے؟ سلمان کے جذبات میں ایک ہیجان سا بپا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا اس پر کبھی اسے یقین آ جاتا اور کبھی محسوس ہوتا کہ وہ کوئی حسین خواب دیکھ رہا تھا۔ سیاہ مرسڈیز کار فراٹے بھرتی روشن سڑک پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔

فائیو اسٹار ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑیوں کی قطاریں لگی تھیں۔ سلوی اپنی گاڑی کو پیچھے لے گئی۔ یہاں اس نے ہوٹل والوں سے کہہ کر اپنے لئے ایک الگ جگہ لے رکھی تھی تاکہ وہ اپنے مداحوں کی یلغار سے محفوظ رہ سکے گاڑی کے اندر روشنی نہیں تھی۔ ہوٹل ایک خالص اور جدید ترین مغربی قسم کا تھا جہاں لوگ بھی کم ہوتے تھے اور ماحول بھی پرسکون تھا۔ سلوی گاڑی کھڑی کر کے سلمان کے ساتھ باہر نکلی تو ڈیوٹی گارڈ نے اسے پہچان کر سلام کیا۔ ایک ملازم ٹھنڈے مشروبات کا کریٹ اٹھائے کچن کی طرف جا رہا تھا وہ سلوی کو دیکھ کر وہیں رک گیا اور جب تک سلوی سلمان کے ساتھ عقبی دروازے میں داخل نہ ہوئی وہ وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ ہوٹل کی دوسری منزل

میں پچھلی طرف ایک خاموش پرسکون گیلری بنی ہوئی تھی جہاں قسم قسم کے آرائشی پودوں کے گملوں میں موسمی پھول بہار دکھا رہے تھے۔ یہاں دو چار روشنیاں لگی تھیں انہیں شیڈ سے ڈھک دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کشادہ گیلری میں ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا تھا اور بڑا رومانوی ماحول بن گیا تھا۔ سلومی کبھی کبھی جب اس کا دل سب مصروفیات سے الگ ہو کر سکون کی تلاش میں ہوتا تو وہ یہاں آ کر کچھ وقت گزارتی۔ گیلری میں لوگ بہت کم آ کر بیٹھتے تھے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ باہر کی فضا کمروں کی ایئرکنڈیشنڈ فضا کے مقابلے میں گرم ہوتی۔ دوسرے رات کے وقت یہاں مچھر وغیرہ بھی آ جاتے تھے۔ خاص بیرے نے فوراً ایک بے آواز پیڈسٹل فین لا کر تھوڑے فاصلے پر اس طرح لگا دیا کہ مچھر نہ آئیں اور ہوا بھی آتی رہے۔ سلومی کے ماتھے پر آئے ہوئے بال پنکھے کی ہوا میں آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ بیرا ٹھنڈا مشروب لے آیا۔ سلومی نے سلمان سے کہا۔ "تم سگریٹ ضرور پیتے ہو گے۔"

"ہاں۔ میرے پاس ہیں۔" سلمان نے جلدی سے سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔ سلومی مسکرائی۔

"مجھے معلوم تھا جو میرا آئیڈیل مرد ہو گا وہ سگریٹ ضرور پیتا ہو گا۔ مجھے سگریٹوں کی خوشبو بڑی پسند ہے۔"

سلمان اب مکمل طور پر سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ اس نامور اداکارہ کو اس پر کسی دوسرے شخص کا گمان ہو رہا ہے۔ وہ اس غلط فہمی کو دور کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے کہا۔

"محترمہ! میں اس حقیقت کی وضاحت ضرور سمجھتا ہوں کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شاید آپ کو مجھ پر کسی دوسرے نوجوان کا دھوکا ہو رہا ہے۔ میرا نام سلمان ہے۔ میں شہر کی ایک فرم میں معمولی ملازمت کرتا ہوں شادی شدہ ہوں اور اپنے دوست کے مجبور کرنے پر فلم کی شوٹنگ دیکھنے چلا آیا تھا۔"

سلومی پر ان جملوں نے کوئی اثر نہ کیا۔ اثر ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے اعصاب پر تو رحیلہ کی روح سوار تھی۔ سلومی نے سلمان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ کہنے لگی۔

"میں بھی ایک بات تمہیں مختصر لفظوں میں صاف صاف بیان کر دینا چاہتی
مجھے تم جیسے نوجوان کی تلاش تھی۔ تم جو کچھ بھی ہو، میرے آئیڈیل نوجوان
ے خوابوں کے مرد ہو۔ میں خواب دیکھا کرتی تھی کہ ایک سنہری بالوں نیلی
چوڑے شانوں والا نوجوان گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان سے اتر کر آتا ہے اور
ں ایک پرفضا باغ میں بیٹھ کر محبت کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ نوجوان خواب ٹوٹ
کے بعد مجھ سے بچھڑ جاتا۔ وہ مجھے کبھی حقیقی زندگی میں نہیں ملا تھا۔ اس دنیا
ی نگاہیں اسے ڈھونڈتی رہیں۔ مگر وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا لیکن آج-----
میری مسرتوں اور خوشیوں کا اندازہ نہیں کر سکتے جب میری نگاہوں سے اپنے
، اپنے خوابوں کے شہزادے کو دن کی روشنی میں، حقیقت کی دنیا میں بھی تلاش
اور وہ تم ہو۔ جس کا نام سلمان ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو، جس کے خاوند بھی ہو،
ہو، میں تمہیں چاہتی تھی، چاہتی ہوں اور زندگی کے آخری لمحوں تک بلکہ
کے بعد بھی تمہیں چاہتی رہوں گی اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں سب کے سامنے
اپنے ساتھ یہاں نہ لے آتی۔ میں وہ عورت ہوں جس کی ایک نگاہ کے لئے
ترستے ہیں۔ سینکڑوں، ہزاروں، کروڑ پتی، ارب پتی، مجھ سے شادی کرنے کو بے
ہیں۔ وہ میری ایک نظر التفات پر اپنی ساری دولت لٹانے کو تیار ہیں۔ مگر میں
بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ اگر اب بھی تمہیں میری محبت
وفا پر یقین نہ آئے تو پھر مجھے بتاؤ میں تمہیں اپنی محبت کا یقین دلانے کے لئے کیا
ں؟"

سلمان کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جو کچھ سن رہا تھا اسے خواب
نیا کی باتیں لگ رہی تھیں۔ جیسے الف لیلیٰ کی کہانی میں ایک فقیر کو ایک دن کے
بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔ مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ سلومی اپنے پورے ہوش و حواس کے
باتیں کر رہی تھی۔ اس نے کوئی نشہ بھی نہیں کر رکھا تھا۔ اسے نشہ کرنے کی
رت بھی کیا تھی۔ سوسائٹی میں اس کی جیسی بھی ہو ایک بڑی اہم حیثیت تھی۔ اگر
ا شک تھا تو سلمان کو صرف اپنے ہوش و حواس پر شک تھا کہ کہیں وہ جاگتے میں
ی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ سلومی اس وقت

اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی وہ جو کچھ کہہ رہی تھی۔ جو کچھ بول رہی تھی وہ اس کے اپنے دل کی ترجمانی نہیں تھی۔ اس کے اپنے جذبات کا اظہار نہیں تھا۔ وہ رحیلہ کی روح کے قبضے میں تھی یہ ساری باتیں رحیلہ کی روح سلومی کی زبان سے ادا کر رہی تھی۔ صرف اس مقصد کے واسطے کہ سلمان سیدھے راستے سے بھٹک کر ایک ایسے پر خطر راستے پر نکل آئے جو تباہی کے تاریک غاروں میں جا رہا ہو اور اس کی شادی شدہ زندگی اس کی اپنی مرضی' اس کے اپنے ارادے کے ساتھ برباد ہو کر رہ جائے اور یاقوت اس المیے میں کوئی دخل نہ دے سکے۔ سلمان سے اپنی موت اور اپنے مذموم مقاصد کی ناکامی کا انتقام لینے کا یہی ایک طریقہ رحیلہ کی روح کے پاس رہ گیا تھا اور وہ بڑی ثابت قدمی اور پوری احتیاط کے ساتھ اس پر عمل کر رہی تھی۔

سلمان اب بڑی سنجیدگی اور غور سے سلومی کی باتیں سن رہا تھا۔ اپنے جذبات کے بے باکانہ اظہار میں جیسے جیسے سلومی کھلتی جا رہی تھی سلمان کے دل کی ہیجانی کیفیت بھی دور ہو رہی تھی۔ سلومی اسے کوئی پاگل عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی۔ وہ کوئی معمولی عورت بھی نہیں تھی ایسی عورت بھی نہیں تھی کہ جو محبت کے لئے ترس رہی ہو جسے محبت کرنے والا کوئی نہ مل رہا ہو۔ ایسی بات نہیں تھی۔ اس کے ایک اشارے پر سینکڑوں عشاق اس کے قدموں پر اپنا دل نچھاور کرنے کو تیار تھے۔ تو پھر کیا بات ہے؟ سلمان سوچ رہا تھا۔ اس نے سلمان کو اپنا آئیڈیل کیوں چنا؟ کیا واقعی وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ ہے؟

سلومی کہہ رہی تھی۔ "میں تم سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتی کہ تم مجھ سے ملتے رہو۔ تمہارے شادی شدہ ہونے سے میری محبت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ میں خود بھی نہیں چاہتی کہ اپنے آئیڈیل سے شادی کروں۔ میں جانتی ہوں کہ شادی کے بعد محبت مرجاتی ہے۔ محبت زندہ نہیں رہتی۔ میں تمہاری شادی شدہ زندگی میں کبھی دخل انداز نہیں ہوں گی۔ مجھے تمہاری بیوی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ جس طرح زندگی بسر کر رہے ہو بسر کرتے جاؤ۔ میں تم دونوں کے درمیان آنا کبھی پسند نہیں کروں گی۔ میری محبت ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ میں تمہیں اسی طرح پیار کرتی رہوں گی جس طرح خواب میں تم سے پیار کرتی

رہی ہوں۔ بس تم سے صرف اتنا چاہوں گی کہ تم ہم سے ملنے آیا کرو۔ میں تمہیں اپنا ایک خاص ٹیلیفون نمبر لکھ دوں گی۔ مجھے بھی تم اپنا فون نمبر دے دو۔ جب میں فون کر دوں تم آ جایا کرو۔ صرف اس محبت کا خیال کر کے جو مجھے تم سے ہے اور جب تم مجھ سے ملنا چاہو تو مجھے فون کر دیا کرو۔"

سلمان نے دل میں سوچا کہ اگر اس رومانس کا علم سمیرا کو ہو گیا تو اسے بڑا دکھ ہو گا۔ میں اسے لاکھ سمجھاؤں وہ اسے تسلیم نہیں کرے گی کہ میں سلومی کے خوابوں کا شہزادہ ہوں اور وہ مجھے اپنا آئیڈیل سمجھنے لگی ہے۔ خواہ مخواہ میں کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں لیکن اتنی مشہور عورت کے ساتھ محبت کے رومانس کی اہمیت کو بھی سلمان نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ سمیرا کو بے حد چاہتا تھا اور اس کی جذباتی پریشانی کا باعث بننا اسے کبھی گوارا نہیں تھا۔ وہ عجیب جذباتی کشمکش میں مبتلا ہو چکا تھا۔ سلومی کہہ رہی تھی۔

"ایک بات کا ذکر کرنا بڑا ضروری ہے سلمان! میں ایک مشہور عورت ہوں۔ فیشن اور فلم کی دنیا میں میرا بڑا نمایاں مقام ہے۔ لوگ تمہیں میرے ساتھ دیکھیں گے تو کوئی اخباروں میں اسکینڈل ضرور بنے گا۔ مجھے اس اسکینڈل کی کوئی پروا نہیں۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ وہ محبت جو میرے ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ مگر تم شادی شدہ زندگی بسر کر رہے ہو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس قسم کے اسکینڈل سے تمہاری گھریلو زندگی درہم برہم ہو سکتی ہے تو تم مجھے چھپ کر بھی مل سکتے ہو۔ مجھے تمہاری خوشی اور تمہاری خوشنودی سب سے زیادہ عزیز ہے میں تمہاری ازدواجی زندگی کو تباہ نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن تم مل گئے ہو تو اب تم سے دور بھی نہیں رہ سکتی۔ اس بارے میں تم کیا سوچتے ہو؟"

سلمان نے سانس بھرنے کے بعد سگریٹ سلگایا تو سلومی سرور کے عالم میں بولی۔ "تمہارے سگریٹ کی خوشبو سب سے الگ اور سب سے نرالی ہے۔"

سلمان کہنے لگا۔ "میڈم! میری تو ابھی تک سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے کیسے اتنی محبت کرنے لگیں۔ میں تو ------"

سلومی نے اپنا ہاتھ سلمان کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ سلمان کو خواب انگیز خوشبو

محسوس ہوئی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تم مجھے کبھی میڈم کہہ کر مت پکارنا۔ میڈم کہنے والے دوسرے بہت ہیں۔ تم مجھے میرا نام لے کر بلاؤ اور دوسری بات یہ ہے کہ میں تم سے اتنی محبت کیوں کرنے لگی ہوں تو اس کی وضاحت میں تمہارے سامنے کر چکی ہوں کہ تم میرے خوابوں کے آئیڈیل نوجوان ہو میں صرف تم سے ہی محبت کر سکتی تھی۔ صرف تم ہی میرے دل کی دنیا میں قدم رکھ سکتے تھے۔ تمہارے سوا کسی دوسرے شخص میں اتنی طاقت اور صلاحیت نہیں کہ وہ سلومی کی محبت حاصل کر سکے۔ کیا تم خوش نہیں ہو سلمان؟"

سلمان جلدی سے بولا۔ "کیوں نہیں۔ میں تو اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ تم نے مجھے اپنے دل میں جگہ دی۔ اس سے بڑھ کر کسی نوجوان کی اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے۔ لیکن سلومی! یہاں میں اتنا کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تم میرے جن بالوں کو سنہری کہہ رہی ہو وہ سنہری نہیں بلکہ کالے ہیں۔ تم میری جن آنکھوں کو نیلی کہہ رہی ہو۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ میری آنکھیں نیلی نہیں بلکہ کالی ہیں۔"

سلومی مسکرائی۔ "اس طرح ---- کہنے سے نیلی آنکھیں کالی اور سنہری بال سیاہ نہیں ہو جائیں گے۔"

سلمان نے جلدی سے کہا۔ "سلومی! میں تمہیں یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ نہ میری آنکھیں نیلی ہیں نہ بال سنہری ہیں۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو بے شک اس بیرے سے پوچھ لو جو ادھر آ رہا ہے۔"

سلومی سلمان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ "تم یہ چاہتے ہو کہ میں بیرے سے کہوں کہ میرے محبوب کو میری آنکھوں سے دیکھو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے اور پھر سورج کو دیکھ کر ستاروں کے وجود کو کون جھٹلائے گا۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ "سلمان! شاید تم احساس کمتری کا شکار ہو۔ ایسا ہرگز مت سوچنا۔ اس طرح میری محبت اور میری محبت کے وقار کو ٹھیس پہنچے گی اور یہ میں کبھی نہیں چاہوں گی۔ میں تمہیں اسی طرح پیار کرتی ہوں جس طرح شہزادیاں شہزادوں سے پیار کیا کرتی

تم بھی ایک شہزادے ہو۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ تم کسی بادشاہ کے محل میں
ہیں ہوئے مگر میں تمہیں شہزادہ سمجھتی ہوں-----"

سلومی محبت کی لہروں پر بہتی چلی جا رہی تھی بلکہ رحیلہ کی روح سے اسے اپنی
کے مطابق بہائے لئے جا رہی تھی اور سلمان سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں
، وہ اپنی زندگی کے نازک موڑ پر آن پہنچا ہے؟ اس قسم کی مشہور و معروف اور
ترین نوجوان عورت کی طرف سے محبت کا یہ والہانہ اظہار اس کی زندگی میں
خوفناک انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔ کہیں قدرت اس کے ساتھ کوئی ستم
نہ مذاق تو نہیں کر رہی؟ پھر ایسا کیوں ہے کہ اسے میری سیاہ آنکھیں نیلی اور سیاہ
نہری نظر آ رہے ہیں؟ سلمان کے لئے یہ سب کچھ ایک حسین معمہ تھا جس کا
سے نہیں مل رہا تھا اور اپنے دل کی گہرائیوں کے اندر وہ اس معمے کو حل کرنا بھی
، چاہتا تھا۔ اگر ملک کی ایک نامور اور حسین ترین اداکارہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو
ں پر فریفتہ ہو گئی ہے تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور اعزاز کم از کم سلمان ایسے
ن کے لئے اور کوئی نہیں تھا۔

سلومی نے کھانا منگوا لیا۔ دونوں نے مل کر کھانا کھایا اور باتیں بھی کرتے رہے
ن نے اب اظہار حیرت کا رویہ ترک کر دیا تھا۔ اس نے سلومی کی حسین ترین غلط
اور اس کی محبت کو قبول کر لیا تھا۔ بلکہ اب اس کے دل میں یہ اندیشہ بھی پیدا
ے لگا تھا کہ کہیں محبت کا یہ خواب ٹوٹ نہ جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک روز
ی کی آنکھ کھل جائے اور اس پر اس حقیقت کا انکشاف ہو کہ سلمان کی آنکھیں
نیلی اور بال واقعی سنہری نہیں ہیں۔ اس نے دل میں سوچا کہ ملک کی اس مشہور
فلمی ہیروئن سے جب تک رومان چلتا ہے چلتا رہنا چاہئے جب اس کے دوستوں
معلوم ہو گا کہ سلومی اس سے محبت کرتی ہے۔ سلومی اسے فون کرتی ہے اور وہ
ں کے ساتھ ہوٹلوں میں کھانا کھاتا ہے اور اس کی مرسیڈیز گاڑی میں اس کے
یر کرتا ہے اور جب اخباروں میں سلومی کے ساتھ اس کی تصویریں چھپیں گی
سلومی اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ کہے گی تو وہ سلمان کی قسمت پر کس قدر رشک
لا گے۔

یہ محبت کی بڑی نچلی سطح کی پرواز تھی۔ سلمان اس سے بلند ہو کر پرواز کر نہیں سکتا تھا۔

رحیلہ کی روح اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے تباہی کی بنیاد ڈال دی تھی۔ ایک ہنستے بستے گھر کی خوشیوں کو درہم برہم کرنے کا بیج اس نے بو دیا اور اس بیج کی بوائی رحیلہ کی روح نے خود سلمان کے ہاتھوں سے کرائی تھی تا یاقوت کی مدد کا راستہ بند ہو جائے۔ کیونکہ یاقوت سلمان اور سمیرا کو کسی باہر دشمن سے تو بچا سکتا تھا لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک بھی خود اپنا دشمن بن جائے وہ اس کے ارادوں میں دخل انداز ہونے کا مجاز نہیں تھا۔ اس حقیقت سے رحیلہ روح باخبر تھی اور اس کو مدنظر رکھ کر اس نے یہ سارا خطرناک کھیل رچایا تھا ورنہ ایک منٹ میں سلمان کو ہلاک کر کے اس سے اپنی موت کا بدلہ لے سکتی تھی مگر ایسا نہیں کر سکتی تھی وہ جانتی تھی کہ جوں ہی اس نے سلمان اور سمیرا دونوں میں سے کسی ایک کو ہلاک کرنے کے لئے قدم اٹھایا یاقوت کی ماورائی طاقتیں فوراً ان حفاظت کے واسطے آن موجود ہوں گی اور پھر ممکن ہے کہ رحیلہ کی روح بھی کس روحانی عذاب میں پھنس جائے۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے جب سلمیٰ اور سلمان ہوٹل کی گیلر سے اتر کر گاڑی میں آ کر بیٹھے۔ سلمیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سلمان سے کہا۔ "میرا ڈرائیور تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئے گا۔ میں تمہیں خود گھر چھوڑ آتی رات کے وقت اتنی دور سے اکیلی واپس آتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے۔"

سلمان کہنے لگا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے میڈم۔ جمشید میرا دوست مجھے چھ آئے گا۔"

سلمیٰ نے گاڑی کے انجن کو بند کر دیا۔ گردن کو ذرا سا خم دے کر سلمان طرف دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "وعدہ کرو کہ تم مجھے آئ کبھی میڈم نہیں کہو گے۔"

سلمان نے احمقانہ انداز میں سر کو ذرا سا جھکاتے ہوئے کہا۔ "وعدہ۔"

سلمیٰ مسکرا دی۔ قیمتی گاڑی کا انجن آہستہ سے غرایا اور گاڑی ہوٹل

سے باہر نکل گئی۔ رات گہری ہو جانے کی وجہ سے شہر کے متمول علاقے کی سڑکیں خالی تھیں۔ سلمیٰ راستے میں بھی بڑی دلربائی سے سلمان سے باتیں رہی۔ اس کا بنگلہ آ گیا۔ یہ بڑی عالیشان دو منزلہ عمارت تھی۔ جس کے لان میں وارے سے رنگ برنگی روشنیوں میں پانی اچھل اچھل کر گر رہا تھا۔ چوکیدار نے کی گاڑی کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے فوراً" گیٹ کھول دیا۔ سلمیٰ نے یوکلپٹس کے درختوں کے نیچے کھڑی کر دی۔ اس کا گارڈ اور خاص ڈرائیور ج کی طرف سے نکل کر آ گئے۔ قریب ہی تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سلمیٰ نے لتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "صاحب کو گھر چھوڑ آؤ۔"

سلمان گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ سلمیٰ کھڑکی پر جھک گئی۔ "او کے-----"

وہ مسکرا رہی تھی۔ رحیلہ کی روح مسکرا رہی تھی اور دل میں کہہ رہی تھی تجھ اپنے قتل کا ایسا بدلہ لوں گی کہ تمہارا حمایتی یاقوت بھی دیکھتا رہ جائے گا۔ سلمیٰ پیچھے ہٹ کر ہاتھ ہلایا۔ ڈرائیور اگلی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد مرسیڈیز گاڑی کا انجن ٹ کر کے گیئر لگا چکا تھا۔ سلمان نے بھی کھڑکی سے ہاتھ نکال کر ہلایا۔ گاڑی نہ ہو گئی۔ کوٹھی سے نکلنے کے بعد کشادہ سڑک پر آ کر ڈرائیور نے سلمان سے ا۔ "صاحب! کہاں جانا ہو گا۔" سلمان نے اسے اپنی منزل بتائی تو ڈرائیور کی یں ذرا سی اوپر ہو کر جلدی سے نیچے ہو گئیں۔ گاڑی کے اندر سلمان کو انجن کی ہلکی ہلکی غنودگی طاری کر دینے والی آواز آ رہی تھی۔ ایئرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ گاڑی خاص رفتار سے دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ ڈرائیور نے پوچھا "سر آپ اخبار میں کرتے ہیں؟"

سلمیٰ نے سلمان کو ہدایت کی تھی کہ وہ ڈرائیور سے زیادہ بات نہ کرے۔ ان نے آہستہ سے ہاں کہا اور چپ ہو گیا۔ تجربہ کار ڈرائیور نے مزید کریدنے کی شش کی تو سلمان نے خاموشی اختیار کر لی۔ ڈرائیور کو مزید کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ وہ اپنی سرکش مغرور طبیعت والی مالک کے غصیلے مزاج سے واقف تھا۔ اتنا وہ ا تھا کہ یہ کوئی بڑی خاص شخصیت ہے جس کے لئے سلمیٰ نے شوٹنگ پیک اپ دی اور اس کے ساتھ چل دی۔

سلمان سارا رستہ یہی سوچتا رہا کہ کہیں اس نے جاگتے میں کوئی حسین خواب تو نہیں دیکھا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے حسین اور سب سے حیرت انگیز حادثہ تھا۔ اپنی طرف سے تو اسے سمیرا کو ظاہر ہے کچھ بھی نہیں بتانا تھا مگر جیسا کہ سلومی نے کہا تھا یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ جب لوگوں میں اس کے سلومی کے ساتھ اسکینڈل کی باتیں شروع ہو گئیں اور اخباروں' رسالوں میں تصویریں بھی آنے لگیں تو پھر تو سمیرا کو علم ہو جائے گا۔ تب وہ اپنا بچاؤ کس طرح کرے گا۔ ایک لمحے کے لئے سلمان پریشان ہو گیا۔ پھر اس نے ایک شان بے نیازی سے گردن اٹھا کر باہر سڑک کی روشنیوں کو دیکھا اور دل میں کہا۔ جب سمیرا کا گھر محفوظ رہے گا۔ جب اس کی ازدواجی زندگی درہم برہم نہیں ہو گی تو پھر اسے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں سلومی کا بھی دل نہیں توڑ سکتا۔ سلومی ملک کی اتنی مشہور' اتنی نامور اداکار ہے۔ وہ کوئی معمولی عورت نہیں ہے اور پھر وہ اس پر دل و جان سے فدا ہو چکی ہے۔ اس کی محبت کو میں کیسے ٹھکرا سکتا ہوں؟ میں سلومی سے کوئی شادی تو نہیں کرنے جا رہا۔ میں سمیرا کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہماری ازدواجی زندگی پر سلومی کی محبت کا بالکل اثر نہیں پڑے گا۔ سلومی نے خود بھی مجھے یہی کہا ہے۔ خود مجھ سے شادی کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ تو ایک طرح کی دوستی ہو گی۔ اب اگر مجھ میں اسے اپنا آئیڈیل' اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر آ رہا ہے تو میں اس میں میری نیت کا قصور نہیں۔ یہ تو بلکہ میرے لئے ایک خوش قسمتی اور ملک گیر شہرت حاصل کرنے کا موقع ہے۔ یہ عزت تو قدرت مجھے خود عطا کر رہی ہے سلمان کے دل میں ایسے ہی خیالات آتے رہے اور گاڑی اس نیم پہاڑی سڑک پر پہنچ گئی جو ان کے پہاڑی مکان کے سامنے سے گزرتی تھی۔

سمیرا جاگ رہی تھی بیڈروم کی بتی جلتی دیکھ کر سلمان کی آنکھوں کے سامنے سمیرا کا چہرہ آ گیا جس کو مسلسل دیکھتے رہنے سے سلمان کے لئے اب اس میں پہلے جیسی کشش نہیں رہی تھی۔ محبت کی والہانہ گرم جوشیوں کے دن بیت چکے تھے اور اب صرف ان گزرے ہوئے دنوں کی یادوں کی روشنی زندگی کا سفر طے کیا جا رہا تھا۔ سلمان نے سمیرا کے چہرے سے سلومی کے چہرے کا موازنہ کیا تو اسے احساس ہوا کہ

حسین مہارانی کے محل سے نکل کر ایک گرد آلود پرانی لائبریری میں داخل ہو رہا ہے۔

سمیرا نے گاڑی کے رکنے' دروازہ کھلنے اور دروازہ بند ہونے کی آواز سن لی تھی۔ وہ اس وقت پلنگ پر لیٹی کتاب پڑھ رہی تھی۔ آواز سنتے ہی اس نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور بالوں کو گردن پر ربن سے باندھتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ نیچے شہر میں موسم گرم تھا مگر یہاں تھوڑی بلندی پر موسم راتوں کو عام طور پر خنک ہو جاتا تھا۔ گیٹ نوری نے کھولا تھا۔ سلمان کو برآمدے میں آتے دیکھ کر سمیرا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا خاوند خیر خیریت سے گھر واپس آ گیا تھا۔ سمیرا کے دل میں سلمان کی محبت ذرا بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ پہلے وہ اس کا محبوب تھا اور اب وہ محبوب ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا خاوند' زندگی کے سفر میں اس کا ساتھی بھی تھا۔

"جمشید تمہیں چھوڑنے آیا تھا۔" سمیرا نے یوں ہی پوچھ لیا۔ سلمان ڈرائنگ روم میں آتے ہی ٹائی اتارنے لگا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ سمیرا کو سلمان کا چہرہ معمول سے زیادہ بشاش نظر آیا۔ سلمان کا چہرہ سلومی کی محبت پر فتح حاصل کرنے کے خیال سے چمک رہا تھا۔

"ہاں۔ جمشید چھوڑ کر گیا ہے۔"

"کھانا لگا دوں؟" سمیرا نے سلمان کی ٹائی اور کوٹ کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں بھئی۔ کھانا میں نے کھا لیا تھا۔"

"شوٹنگ کیسی رہی؟"

"بڑا مزہ آیا۔ سلومی کا ڈانس تھا۔"

"وہ تو بڑی اچھی ڈانسر ہے۔"

"اداکارہ بھی تو بہت بڑی ہے۔" سلمان نے صوفے پر سے اٹھ کر بیڈروم کی طرف جانے سے پہلے کپڑے بدلے اور بستر پر لیٹتے ہوئے سمیرا کو بتی بجھا دینے کا کہا۔ سمیرا نے بتی بجھا دی اور خاموشی سے وہ بھی پلنگ پر لیٹ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ سلمان اس سے باتیں کرے گا مگر وہ پہلو بدل کر یوں لیٹا جیسے لیٹتے ہی سو جانا چاہتا ہو۔ سمیرا نے بھی پہلو بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ یہی سمجھی کہ سلمان تھکا ہوا ہے۔

جلدی نیند آ گئی ہے۔ لیکن ایسی بات نہیں تھی۔ سلمان کی آنکھیں ضرور بند تھی مگر وہ جاگ رہا تھا اور شروع سے لے کر آخری سلومی سے اپنی حیرت انگیز ملاقات کے سارے واقعات کو پھر سے اپنے ذہن میں دہرا رہا تھا۔ وہ سلومی کے حسین چہرے کو اپنے اوپر جھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر ناز کر رہا تھا کہ اتنی بڑی ایکٹریس اس کی بے دام غلام بن گئی ہے۔ اس رات سلمان دیر تک آنکھیں بند کئے جاگتا رہا۔

دوسرے روز وہ دفتر پہنچا تو اس کا دوست جمشید بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ سلمان کو دیکھتے ہی وہ کرسی چھوڑ کر اس طرف بڑھا اور بغل میں ہاتھ ڈالے اسے ایک طرف لے گیا۔ "سلمان! سلومی کے ساتھ کہاں گئے تھے؟ خدا کی قسم تمہاری قسمت پر جس قدر رشک کروں کم ہے۔ اتنی بڑی ایکٹریس اور سب کے سامنے وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اپنے ساتھ لے گئی۔ کہاں گئے تھے۔"

سلمان نے بڑے فخر سے گردن اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہم ہوٹل گئے تھے۔ میں نے کھانا بھی سلومی کے ساتھ ہی کھایا۔"

پھر اسے خیال آ گیا کہ ابھی یہ باتیں سمیرا تک نہیں پہنچنی چاہئیں ابھی تو سلومی کے ساتھ اس کی محبت کا آغاز ہی ہوا ہے ابھی اسی سفر میں بڑے دلکش مقامات آنے والے ہیں۔ اس نے جمشید کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "وعدہ کرو کہ تم یہ بات کسی سے نہیں کرو گے کہ میں نے ہوٹل میں سلومی کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

جمشید کہنے لگا۔ "مگر سلمان ایسی باتیں کہاں چھپ سکتی ہیں۔ سلومی ملک کی مشہور اداکارہ ہے۔ فلمی پریس والے تو اس کے اسکینڈل کی تلاش میں لگے رہتے ہوں گے۔ تم دیکھ لینا کسی نہ کسی اخبار میں یہ خبر ضرور چھپ جائے گی پھر کیا کرو گے؟ بھابی کو کیا کہو گے؟"

سلمان چپ سا ہو گیا۔ پھر سر کو ایک طرف جھٹک دیا۔ "کوئی بات نہیں یار۔ پریس میں خبر چھپے گی تو دیکھا جائے گا فی الحال تم کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔"

"مگر یار بتاؤ تو سہی یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ سلومی ایک دم سے تم پر کیسے فریفتہ ہو گئی۔ تم تو کبھی اسٹوڈیو بھی نہیں گئے۔"

سلمان نے اصل بات جمشید کو نہ بتائی۔ وہ اسے بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ صرف

"ایسی کوئی بات نہیں ہے یار۔ بات اصل میں یہ ہے کہ سلومی ایک شخص ی کرنا چاہتی ہے وہ شخص میرا بھی دوست ہے اور کسی گھریلو وجہ سے وہ سلومی دی نہیں کر سکتا۔ سلومی اسے چاہتی ہے بس اسی سلسلے میں وہ مجھ سے کچھ ا چاہتی تھی۔ مجھے وہ ہوٹل میں لے گئی اور وہیں ہم نے کھانا بھی کھایا۔"

"مگر تم نے پہلے تو کبھی مجھ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔"

سلمان نے بے نیازی سے کہا۔ "اب یہ بات تو میں تمہیں نہیں بتا سکتا نا' بس نی زبان کو بند رکھنا۔"

سلمان اپنی میز پر آ کر معمول کے دفتری کام میں مصروف ہو گیا۔ مگر آج دفتر میں اس کا ذرا سا بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ سلومی کی محبت کے مقابلے میں تر کا کام بڑا گھٹیا لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دفتر کے ہر آدمی سے بلند ترین کر رہا تھا۔

دوسری طرف سے سلومی جب اپنے بنگلے کے پورچ میں سلمان کو الوداع کہہ کر مرے کی طرف بڑھی تو اس کی ماں اپنے کمرے میں جاگ رہی تھی۔ وہ اپنی بیٹی ب کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کا سارا راج پاٹھ سلومی ہی کے دم قدم سے تھا۔ ہی سلومی مغرور مزاج کی لڑکی تھی۔ مگر اس کی ماں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ یٹی جو سونے کی کان تھی کسی ایرے غیرے کی محبت کے چکر میں پھنس کر اس شادی کر بیٹھے اور اس کی ساری زندگی کی کمائی اس سے ہمیشہ کے لئے چھن ۔ وہ اپنے کمرے سے اٹھ کر سلومی کے کمرے میں آ گئی۔ سلومی اس وقت میز کے سامنے بیٹھی چہرے کا میک اپ رگڑ رگڑ کر صاف کر رہی تھی۔ ماں کے بستر کی چادر کو ٹھیک کرنے لگی۔ پھر محض دریافت کرنے کے انداز میں بیٹی پوچھا۔ "وہ کون تھا پتر؟" سلومی کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ "کون ماں؟"

ماں نے کہا۔ "وہی پتر جس کے ساتھ شوٹنگ پیک اپ کروانے کے بعد گاڑی ٹھ کر گئی تھیں؟" سلومی نے گردن موڑ کر حیرت سے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ "ہہ رہی ہو ماں؟ میں نے کب شوٹنگ پیک اپ کروائی تھی؟ میں کب کس کے گاڑی میں بیٹھ کر گئی تھی؟"

ماں اپنی بیٹی کا منہ تکنے لگی۔

جب سلومی نے اپنی ماں سے یہ کہا کہ اس نے تو رات فلم اسٹوڈیو میں کوئی شوٹنگ پیک اپ نہیں کروائی اور وہ کسی لڑکے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر کہیں نہیں گئی تو سلومی کی ماں، بیٹی کا منہ تکنے لگی لیکن اس سے پہلے رحیلہ کی بدروح نے سلومی کا وہ جملہ سن لیا تھا جب اس نے ماں سے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا کہہ رہی ہو ماں؟ میں کب کسی لڑکے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گئی تھی؟"

دراصل رحیلہ کی روح تھوڑی دیر کے لئے محض ذرا آزادی کے ساتھ چلنے پھرنے کی خاطر سلومی کے جسم سے نکل کر اس کے بنگلے کی فضاؤں میں تیرنے لگی تھی اور اس کے نتیجے میں سلومی اپنی اصلی حالت میں واپس آ گئی تھی اور سلمان کو بھول چکی تھی۔ اس وقت سلومی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس نے سلمان نام کے ایک نوجوان سے زبردست محبت کا اظہار کیا تھا اور شہر کے عالی شان ہوٹل میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا تھا۔ رحیلہ کی روح اپنا منصوبہ خاک میں ملتا دیکھ کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ لپک کر آئی اور سلومی کے جسم میں حلول کر گئی۔ اس وقت سلومی کی ماں حیرانی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"بیٹی! کیا تمہیں یاد نہیں؟ تم سب کے سامنے ایک اجنبی لڑکے کے ساتھ شوٹنگ پیک اپ کروا کر گاڑی میں چلی گئی تھیں پھر آدھی رات کو واپس آ کر تم نے اس لڑکے کو اپنی گاڑی میں ہی ڈرائیور کے ساتھ گھر بھجوایا تھا۔"

سلومی کے اندر رحیلہ کی روح داخل ہو چکی تھی۔ چنانچہ اب سلومی کی آواز

یلہ کی بدروح بول رہی تھی۔ اس نے تیز لہجے میں ماں سے کہا۔ "ہاں ہاں میں
ے کے ساتھ گئی تھی۔ میں نے شوٹنگ پیک اپ کروائی تھی۔ میں اس لڑکے
بت کرتی ہوں۔ مجھے محبت چاہئے میں کوئی نوٹ چھاپنے والی مشین نہیں ہوں۔
غور سے سن لو ماں۔ آئندہ مجھ سے اس لڑکے کے بارے میں کوئی بات کی تو
ہیں واپس شہر کے پرانے مکان میں بھیج دوں گی۔"

سلومی کی ماں کو اس کے اصلی مقام پر واپس لانے کے لئے اتنی سرزنش ہی کافی
وہ سلومی کی دست نگر تھی۔ اس کی وجہ سے عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی
فوراً" ہی بھیگی بلی بن گئی اور کہا۔ "بیٹی میں تو تیرے ہی بھلے کے لئے کہہ رہی
" سلومی نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی بچی نہیں ہوں۔ اپنا برا بھلا خوب
ہوں اور پھر کیا مجھے محبت کرنے کا حق نہیں ہے؟"

سلومی کی ماں آگے بول ہی نہیں سکتی تھی۔ جتنا وہ بول سکتی تھی بول چکی تھی۔
پر رحیلہ کی روح قابض تھی اور سلمان پر سلومی کے عشق کا نشہ سوار تھا۔
تو اپنے آپ میں نہیں وہ تو رحیلہ کی بدروح کے اشاروں پر چل رہی تھی۔ جو
کی روح سوچتی وہی سلومی سوچتی تھی۔ جو بات وہ اس کی زبان سے کہلوانا چاہتی
ات سلومی کی زبان سے ادا ہوتی تھی۔ لیکن سلمان کے ہوش و حواس کے اس
میں تھے۔ مگر سلومی کے والہانہ اظہار محبت نے اس کے پاؤں زمین سے اوپر اٹھا
تھے۔ اس کی حالت ایک ایسے ذمے دار شریف آدمی کی تھی جس کو بے خبری
کی نے شراب پلا دی ہو اور وہ ہر قدم پر لڑکھڑا رہا ہو اور ہر قدم پر سنبھلنے کی
ش کر رہا ہو۔ اپنی بیوی سمیرا کو تو سلومی کے بارے میں کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا
ہوتا تھا۔ اگرچہ سلمان کے دل میں کئی بار یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بڑی شان
ساتھ سمیرا کو بتا دے کہ ملک کی سب سے بڑی اداکارہ سلومی اس پر مرمٹی ہے۔
ے دیوانہ وار پیار کرنے لگی ہے اور رات اس نے سلومی کے ساتھ ہوٹل میں
بھی کھایا تھا مگر یہ سوچ کر اس نے یہ خیال ذہن سے نکال دیا کہ سمیرا کو
بت دھچکا لگے گا۔ دفتر میں اپنے دوست جمشید کو اس نے ضرور ہدایت کر دی تھی
یہ بات آگے کسی کو نہ بتائے مگر اس قسم کے اسکینڈل کبھی نہیں چھپے رہتے۔

سلمان ابھی اپنے آفس ہی میں تھا کہ سلومی کا فون آ گیا۔ رحیلہ کی بدروح اپنے مذموم منصوبے کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی تھی تاکہ اس کے اندر انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی وہ ٹھنڈی پڑ جائے۔ ٹیلی فون سلمان کی میز پر رکھا ہوتا تھا۔ اس نے فائل پر کچھ لکھتے ہوئے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دفتری لہجے میں اپنی کمپنی کا نام لے کر "ہیلو" کہا تو دوسری طرف سے سلومی کی شیریں محبت بھری آواز سنائی دی۔ "میری محبت کے مالک! میری زندگی کے ساتھی؟ میں تمہاری سلومی بول رہی ہوں۔"

سلمان کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا۔ اس نے ریسیور کان کے ساتھ مزید دبا لیا اور نظریں گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔ سامنے والی میز پر جمشید بیٹھا سلمان کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ سلمان نے جمشید کو دیکھ کر آہستہ سے ایک آنکھ جھپکائی۔ جمشید کا سینہ رشک بھرے جذبات سے بھر گیا۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ سلمان کو تک رہا تھا جو مسکرا مسکرا کر بات کر رہا تھا۔

"گاڑی بھیجنے کی کیا ضرورت ہے سلومی جی! میں اپنی گاڑی میں آ جاؤں گا۔"

سلمان یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی اور سلومی کی محبت کا اس کے دفتر میں کسی کو پتہ چلے مگر وہ آفس کے ایک آدمی کو یہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ ملک کی مایہ ناز ایکٹریس اس سے محبت کرتی ہے اور اب اسے ایک شاندار ہوٹل میں چائے کے لئے اپنی مرسڈیز بھیج کر بلا رہی ہے۔ سلومی کے نام پر دائیں بائیں میزوں پر کام کرتے دو تین آدمیوں نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔

سلمان فون پر کہہ رہا تھا۔ "سلومی جی! اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو گاڑی بھیج دیجئے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔"

سلمان نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ گردن فخریہ انداز میں اوپر کو اٹھی ہوئی تھی۔ پھر فوراً ہی اسے خیال آیا کہ آفس کے ساتھی اسے دیکھ رہے ہیں اور غیر شعوری طور پر یا شعوری طور پر اس نے فون پر سلومی کا جو نام لیا تھا وہ انہوں نے سن لیا ہے۔ وہ اس حسین راز کو فاش بھی کرنا چاہتا تھا اور چھپانا بھی چاہتا تھا۔ وہ جلدی سے گردن نہوڑا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ سامنے والی میز پر

ے نہ رہا گیا۔ وہ ایک فائل اٹھا کر کوئی مشورہ لینے کے بہانے سلمان کی میز پر فائل اس کے سامنے کھول کر رکھی اور جھک کر دھیمی آواز میں بولا۔

"یار بڑے خوش بخت ہو۔ کہاں جا رہے ہو اس وقت؟"

سلمان نے اس سے بھی زیادہ دھیمے لہجے میں کہا۔ "آہستہ بولو یار کوئی سن لے "

جمشید فائل پر لگے ایک ٹائپ شدہ خط پر انگلی رکھتے ہوئے مزید جھک کر بولا۔ " بھی مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔"

سلمان نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے یار۔ ابھی یہ فائل ریکارڈ رکھ دو۔"

جمشید نے فائل اٹھا لی اور دل ہی دل میں سلمان پر رشک بلکہ حسد کرتا اپنی میز طرف چل دیا۔ اس وقت دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ سلومی نے سلمان کو ہوٹل جانے کے لئے بلایا تھا۔ سلمان کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔ اس نے اپنے سے ایک گھنٹہ پہلے دفتر سے چھٹی کر جانے کی اجازت مانگی تو باس کا منہ بن گیا نے چشمہ اتارتے ہوئے کہا۔ "سلمان صاحب! آپ لے گئے تو آپ کا کام کون ے گا؟"

"سر! میں نے اپنا کام ختم کر لیا ہے۔"

"لیکن مزید کام بھی آ سکتا ہے۔"

"سر! مجبوری ہے۔ مجھے اپنی بیگم کے لئے اسپتال جا کر نسخہ بنوانا ہے۔"

"او کے۔" باس نے گہرا سانس بھر کر کہا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ خود ہ دار آدمی ہیں۔ کچھ دنوں سے آپ دفتر کو پورا وقت نہیں دے رہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے سر' شکریہ۔"

یہ کہہ کر سلمان تیزی سے باس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا۔ میں تمہاری نوکری کو کیا سمجھتا ہوں۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔ کیا میں تمہاری چند زار روپے کی نوکری پر بیٹھا ہوں میں تمہارے دفتر کے دوسرے کلرکوں کی طرح کا ادمی نہیں ہوں۔ میں ان سب سے بلند ترین شخصیت کا مالک ہوں۔ تمہیں اگر پتہ

چل جائے کہ کس عظیم شخصیت کی مرسڈیز گاڑی مجھے لینے تمہارے دفتر کے باہر آ رہی ہے تو تم ابھی کرسی سے نیچے گر پڑو۔ میں تمہاری دو ٹکے کی نوکری کو کیا سمجھتا ہوں۔ اپنے دل میں ہی مکالمے دہراتا ہوا سلمان واپس اپنی ٹیبل پر آیا۔ کاغذات کو سمیٹ کر دراز میں بند کرنے لگا۔ جمشید اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب سلمان باہر جا رہا تھا تو جمشید بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سلمان نے اسے بالکل نہ روکا۔ وہ چاہتا تھا کہ جمشید اسے سلومی کی مرسڈیز گاڑی میں جاتے دیکھے۔ وہ دفتر کے احاطے میں ایک طرف کھڑے ہو گئے جمشید نے پرشوق انداز میں کہا۔ "مرسڈیز گاڑی ہے نا سلومی کی؟ وہی گاڑی آ رہی ہو گی۔"

"ہاں!" سلمان نے جواب دیا۔ "یار، مرسڈیز ہے انجن بند بھی ہو تو ایئرکنڈیشنر چل رہا ہوتا ہے۔ آج گرمی بھی زیادہ ہے۔"

جمشید نے سلمان کا کندھا دباتے ہوئے کہا۔ "یار گرمی تو ہم غریبوں کے لئے ہے تم تو ایئرکنڈیشنر گاڑی میں بیٹھ کر جاؤ گے اور ایئرکنڈیشنر ہوٹل میں بیٹھ کر سلومی کے ساتھ ٹھنڈے جوس پیو گے۔"

سلمان فخریہ انداز میں مسکراتا رہا۔ اس کی نگاہیں دفتر کے احاطے کے گیٹ پر لگی تھیں۔ جمشید کہہ رہا تھا۔

"سلمان! یار کسی روز ہمارا بھی سلومی جی سے پورا تعارف کرا دو۔ پکا وعدہ کرو۔"

"فکر نہ کرو جمشید! تمہیں سلومی کے ساتھ کھانا کھلاؤں گا۔"

"سچ۔" جمشید نے پرجوش آواز میں خوش ہو کر کہا۔

"بالکل سچ۔" سلمان نے جمشید کو تسلی دی۔ عین اس وقت سلومی کی سیاہ مرسڈیز گاڑی دفتر کے احاطے میں داخل ہوئی۔ "گاڑی آ گئی۔ میں جا رہا ہوں گھر سے اگر میرا فون آیا تو کہہ دینا کہ میں دفتر کے کام سے ہیڈ کوارٹر گیا ہوا ہوں شاید وہاں دیر ہو جائے۔"

جمشید نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "فکر ہی نہ کرو کوئی۔ میں سب سنبھال لوں گا تم جاؤ۔ ڈرائیور گاڑی سے باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

سلمان تیز تیز قدموں سے چلتا مرسڈیز میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے چابی گھمائی۔ لی آواز کے ساتھ غرایا اور پھر گاڑی آفس کے احاطے سے باہر نکل آئی۔ وہاں ے کچھ لوگ کھڑے بڑے تعجب سے گاڑی کو باہر نکلتا دیکھ رہے تھے۔ ان میں یک نے جمشید سے پوچھا۔ "یہ کیا چکر ہے جمشید؟ لگتا ہے سلمان کو کہیں سے زانہ مل گیا ہے۔"

جمشید نے کوئی جواب نہ دیا۔ مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ سلومی کے ٹی روم میں بیٹھی سلمان کا انتظار کر رہی تھی۔ جوں ہی اس نے چوڑے ، سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والے سلمان کو (جیسا کہ وہ اس کو رحیلہ کی ج دکھا رہی تھی) دیکھا خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ ٹی روم میں ہلکا ہلکا اندھیرا ہوا تھا۔ ہوٹل کے باہر سخت گرمی تھی مگر یہاں فضا میں ٹھنڈک تھی۔ ٹی روم روانٹک اندھیرے میں کہیں کہیں چند ایک شرفاء قسم کے لوگ بیٹھے ٹھنڈے ت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان میں سے دو ایک نے اس نیم اندھیرے لک کی مشہور ایکٹریس سلومی کو پہچان لیا مگر انہوں نے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی

"تم آ گئے سلمان۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آج میں تم سے ایک بات کرنا ہوں، بڑی ضروری بات۔ جس کے بارے میں، میں نے پہلے کبھی نہیں سوچا

سلمان نے بڑا فخر محسوس کیا کہ سلومی اس کو اپنی زندگی کے کسی اہم ترین راز شریک کرنے والی ہے۔ اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔ "ایسی کون سی بات ائی ڈیئر۔ تم کہو تو ——" سلومی نے بڑی ہلکی اور ٹھنڈی پرفیوم لگا رکھی تھی۔ کا حسین چہرہ بڑا تر و تازہ تھا اور ٹی روم کی دھندلی فضا میں بادلوں کے پیچھے نظر والے چاند کی طرح لگ رہا تھا۔ سلومی نے اطمینان سے ایک گہرا سانس لیا اور آگے کو جھک کر بڑی رومانٹک آواز میں سلمان کو مخاطب ہوئی۔ "سلمان! اب حقیقت کا ذکر کرنے اور اسے دہرانے کی ضرورت نہیں رہی کہ تم میری زندگی کے یل ہو۔ تم میری زندگی کے پہلے اور آخری مرد ہو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی

مجھے دوبارہ نہیں ملے گی۔ میرا دماغ اتنا اونچا نہیں ہے کہ میں مرنے کے بعد بھی
سے ملنے کے بارے مین سوچ سکوں۔ میں تمہیں اس چھوٹی سی دکھوں بھری زندگی م
اپنے ہاتھ سے کھو دینا نہیں چاہتی۔ میں تم سے شادی کر کے بھی اس محبت کا گلا نہی
دبانا چاہتی جو مجھے تم سے ہے اور جس کے سہارے میں اپنی ساری زندگی بسر کرنا چاہ
ہوں۔ میرا جس ماحول سے تعلق ہے اور رہا ہے وہاں شادیوں کا ویسے بھی رواج نہی
ہے۔"

سلمان بڑے غور سے سلومی کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ کچھ کچھ سمجھ گیا کہ سلو
اس سے کیا چاہتی ہے۔ مگر وہ خاموش تھا۔ سلومی کہہ رہی تھی۔

"ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم دونوں یہاں سے کہی
دور---- بہت دور چلے جاتے ہیں۔ میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں۔ میر
ہزاروں ڈالر باہر کے بینکوں میں جمع ہیں۔ ہم دونوں چپکے سے کسی کو بتائے بغیر ا
ملک سے فرار ہو جائیں گے اور کسی دور دراز ملک میں جا کر اپنی مرضی کے مطابق
اپنی خوشیوں اور امنگوں کے ساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ کیا تم اس سفر م
میرا ساتھ دو گے سلمان! پلیز انکار نہ کرنا۔ یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے م
تم سے اپنی محبت کی خاطر ایسا کہہ رہی ہوں۔"

سلمان کو یہ زندگی کی خوبصورت ترین پیشکش محسوس ہوئی۔ اس پیشکش کو قبو
کرنے میں جو رکاوٹ محسوس ہو سکتی تھی وہ سلومی نے خود ہی دور کر دی تھی اور کہ
دیا تھا کہ ہم شادی نہیں کریں گے۔ دو محبت کرنے والوں کی طرح کسی دوسرے ملک
میں جا کر محبت بھری زندگی بسر کریں گے۔ سلمان کو اس سے بڑھ کر عیش اور کہا
نصیب ہو سکتا تھا۔ وہ بڑے آرام سے سمیرا کو دفتر سے کسی دوسرے ملک کے دور
کا کہہ کر جا سکتا تھا۔ وہ دفتر کے ٹور کا بہانہ نہیں کرتا تب بھی سلومی کے ساتھ فرا
ہونے کے بعد سمیرا کو خط لکھ کر بتا سکتا تھا کہ ایک ضروری کام سے اچانک باہر جانا
گیا ہے۔ جلدی واپس آ جاؤں گا۔ مگر سوال یہ تھا کہ اس کے ساتھ ہی سلومی بھی ش
سے بھاگ رہی تھی۔ وہ ایک مشہور عورت تھی۔ فوراً" اسکینڈل کی خبر اخباروں م
چھپ جائے گی کہ سلومی اس نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی ہے جس کے ساتھ وہ

ے ایک بڑے ہوٹل میں دیکھی جا رہی تھی۔ اس مسئلے کا کوئی حل سلمان کی سمجھ
نہیں آ رہا تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ جو اس کی اور سمیرا کی زندگی کے لئے خاص
پریشانی کا باعث بن سکتا تھا وہ اپنے آپ حل ہو گیا تھا بلکہ سلومی نے خود ہی یہ
کر حل کر دیا تھا کہ وہ شادی نہیں کریں گے۔ اس صورت میں سلمان ہر وقت
پوزیشن میں ہو گا کہ وہ جی بھر جانے کے بعد سلومی کو کسی بھی جگہ چھوڑ کر واپس
وطن آ جائے مگر اس کے سلومی کے ساتھ بھاگنے کی خبر چھپ گئی تو سمیرا کو سخت
ہو گا۔ سلمان نے اس پریشان کن مسئلے کا سلومی سے کوئی ذکر نہ کیا۔ وہ خود ہی
گی۔

"میں نہیں چاہتی کہ ہمارے یہاں سے بھاگنے کا اسکینڈل بنے۔ میں نے اس کا
بھی سوچ لیا ہے۔ میں ایک فلمی اخبار کے نمائندے کو بیان دوں گی کہ میں بیمار
اور چیک اپ کے بعد کچھ وقت کے لئے آرام کرنے کی غرض سے سوئٹزرلینڈ جا
ہوں----" میں پہلے یہاں سے نکل جاؤں گی۔ گھر والوں کو بھی یہی کہوں گی۔
گھر والوں کی پروا بھی نہیں ہے۔ وہ خود بدنامی سے بچنے کے لئے میرے فرار کی خبر
ہر ممکن طریقے سے چھپائیں گے۔ اب ایسا ہو گا کہ میں اس شہر سے پہلے فرار ہوں
اور کراچی پہنچ کر شہر سے دور اپنی ایک خاص سہیلی زمرد کے بنگلے پر ٹھہروں گی وہ
راز دار سہیلی ہے۔ وہ کلب ڈانسر ہے اور اپنے ساحل سمندر والے پرسکون بنگلے
اکیلی رہتی ہے۔ اسے میں سب کچھ بتا دوں گی۔ تمہیں اس بنگلے کا ایڈریس دے
گی تم میرے جانے کے دو دن بعد کوئی معقول بہانہ بنا کر یہاں سے روانہ ہو جاؤ
اور مجھے زمرد کے بنگلے پر آ کر ملو گے۔ اس دوران میں نے تمہارے پاسپورٹ اور
پاسپورٹ پر امریکہ کے ویزے لگوا رکھے ہوں گے۔ میرا ارادہ امریکہ کے ہوائی
لینڈ کے کسی جزیرے میں جا کر آباد ہونے کا ہے۔ پہلے ہم وہاں کچھ روز ہوٹل میں
کریں گے۔ اس کے بعد وہاں پر مقیم اپنے ایک واقف وکیل کی مدد سے گرین
حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہاں ہم اپنے آپ کو شادی شدہ ظاہر کریں
کچھ ہزار ڈالر خرچ کرنے کے بعد ہمیں غیر قانونی طریقے سے گرین کارڈ نہ سہی
پر کچھ سال تک رہنے کی اجازت مل جائے گی۔ بہر حال وہاں پہنچ کر سب کچھ ہو

جائے گا۔ یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔ وہاں کے بینک میں میرے ہزاروں ڈالر جمع ہیں۔ ڈالر دے کر وہاں سب کام کروایا جا سکتا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ اب کیا کہتے ہو؟ کیا تم میری محبت کی تکمیل میں میرا ساتھ دو گے؟ کیونکہ تمہارے بغیر میری زندگی کا یہ مشن مکمل نہیں ہو سکتا۔" اس دوران سلمان بھی سارا منصوبہ ذہن میں تیار کر چکا تھا۔ محض دکھاوے کی خاطر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

سلومی نے کہا۔ "انکار نہ کرنا میری جان! تم نے انکار کر دیا تو میرے لئے زندگی ایک بیکار شے ہو جائے گی' پھر میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں رہے گا اور بہت ممکن ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔"

سلمان جلدی سے مصنوعی فکر کے انداز سے جیسے چونک پڑا۔ اس نے سلومی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"سلومی! میری جان! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں۔ اگر میں تمہاری زندگی کی منزل ہوں' میں تمہارا آئیڈیل ہوں تو یقین کرو تم بھی میری زندگی کی روشنی ہو۔ میں بھی تمہیں دیکھ کر زندہ ہوں۔ اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور میری محبت کی کامرانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ مجھے تم ہمیشہ کے لئے مل جاؤ۔ ہم دونوں دنیا والوں سے دور------ ان کی حاسدانہ نظروں سے دور------ وسیع سمندروں کے درمیان ایک خاموش بہشت ایسے جزیرے پر جا کر آباد ہو جائیں اور باقی ساری زندگی ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گزار دیں۔ میری جان! میں تیار ہوں۔ بالکل تیار ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔ میں بھی تمہارے جانے کے دو دن بعد یہاں سے چل پڑوں گا اور ایسا بہانہ بناؤں گا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکے گا کہ ہم دونوں شہر سے بھاگے ہیں۔"

سلومی کا چہرہ' رحیلہ کی بدروح کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ سلمان جتنی بلندی پر اپنی مرضی کے ساتھ چڑھ سکتا ہے چڑھتا جائے تاکہ جب وہاں سے نیچے گرے تو اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے اور تب یاقوت بھی اسے نہ بچا سکے۔ وہ جانتی تھی کہ یاقوت ان دونوں یعنی سمیرا اور سلمان کے خاندان' ان کی ازدواجی زندگی کی بہتری کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے لیکن صرف ایک بات اس کے اختیار میں نہیں

ر وہ یہ کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی ارادے میں دخل نہیں دے یہاں وہ مجبور ہے اور یاقوت کی اسی کمزوری اور مجبوری سے فائدہ اٹھا۔ کے رحیلہ کی بدروح نے انتقام کا یہ خونی منصوبہ تیار کیا تھا۔ سلمان کے ہاں کہہ وہ بڑی خوش تھی۔

سلومی نے پرس کھولا۔ بڑی محتاط نظروں سے اپنے گرد و پیش دیکھا۔ بیرا کے گلاس وغیرہ ٹرے میں ڈال کر لے جا چکا تھا۔ سلومی نے پرس میں سے ں گڈی نکال کر آہستہ سے سلمان کی طرف میز پر کھسکا دی۔ "یہ دس ہزار تم اپنے پاس رکھ لو۔ یہ تمہاری یہاں سے کراچی تک کے ہوائی ٹکٹ اور ، ضروری اخراجات کے لئے ہیں۔ خدا کے لئے برا نہ منانا۔ انہیں واپس نہ یہ ہم دونوں کے مستقبل کا سوال ہے۔"

سلمان کچھ دیر میز پر پڑی نئے نوٹوں کی گڈی کو دیکھتا رہا۔ وہ اسے جلدی سے جیب میں رکھ لینا چاہتا تھا مگر یہ سوچ کر چپ تھا کہ سلومی کیا کہے گی۔ جب نے کہا کہ خدا کے لئے انہیں واپس نہ کرنا تو اس نے بظاہر بڑی بے دلی سے ں گڈی اٹھا کر ٹھنڈی جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ دی۔

"سلومی! میری جان! مجھے صرف تمہاری محبت' تمہاری رفاقت' تمہارے خلوص رت ہے۔ اس کے مقابلے میں ان نوٹوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

سلومی نے اپنا خوبصورت سر ایک بڑے انداز سے جھکا کر کہا۔ "میں جانتی ہوں میں جانتی ہوں تمہیں صرف مجھ سے محبت ہے۔ تمہیں میری دولت سے کوئی نہیں ہے۔ لیکن یہ کوئی دولت بھی نہیں ہے۔ دس ہزار کوئی دولت نہیں ہوتی یہ روپے تمہارے ضروری اخراجات کے واسطے ہیں۔ تم اپنا پاسپورٹ کل اسی لے کر یہاں آ جانا۔ مصلحت کے طور پر میں تمہیں گاڑی نہیں بھیجوں گی۔ میں چادر اوڑھ کر ٹیکسی میں سوار ہو کر یہاں آؤں گی۔ کل ہم سارا پروگرام طے گے کہ مجھے کس روز یہاں سے چلنا ہو گا اور تمہیں کس روز کون سی فلائٹ گی۔"

سلمان کی جیکٹ کی وہ جیب اس ایئر کنڈیشنڈ فضا میں بھی بڑی گرم ہو رہی تھی

جس میں دس ہزار روپے کے نوٹوں کی گڈی اس نے رکھی ہوئی تھی۔ اس روز بھی سلومی احتیاط سے کام لیتے ہوئے خود پہلے نکل گئی۔ سلمان اس کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد ہوٹل کے عقبی دروازے سے نکلا۔ اسے اپنی زندگی ایک رنگین خواب کی شکل اختیار کرتی نظر آنے لگی تھی۔ وہ سلومی کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ وہ سمیرا کو کبھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یہی اس کی سب سے بڑی منافقت تھی۔ وہ سلومی کے ساتھ زندگی کے کچھ مہینے عیش میں بسر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے طے کر رکھا تھا کہ وہ ہوائی آئی لینڈ میں کچھ عرصہ سلومی کے ساتھ زندگی کے حسین ترین خوابوں کی تکمیل کرے گا اور جب اس کا دل بھر جائے گا تو جس طرح سمیرا کو چھوڑ کر سلومی کے ساتھ چلا گیا تھا اسی طرح ایک روز سلومی کو چھوڑ کر سمیرا کے پاس واپس آ جائے گا۔ وہ عیش پرست آدمی نہیں تھا۔ وہ جھوٹا اور منافق تماش بین تھا۔ ایسے لوگ شریفانہ محبتوں کی لذتوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔ سلومی پہلے خود ہوٹل سے نکلی، اس کے بعد سلمان ٹیکسی لے کر دفتر آ گیا جہاں سے اس نے اپنی گاڑی نکالی اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے اندر ایک عجیب تھرل سا محسوس کر رہا تھا۔ کبھی اسے محسوس ہوتا کہ جنت ارضی کا دروازہ کھل رہا ہے جس میں دنیا کی ساری لذتیں ساری مسرتیں اس کا انتظار کر رہی ہیں۔ کسی وقت اسے لگتا کہ وہ ایک گہری کھائی میں گرنے والا ہے۔ اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے اس کے ہاتھ کبھی ٹھنڈے ہو جاتے اور کبھی ان میں زندگی کا گرم خون دوڑنے لگتا۔ وہ اپنے آپ کو سمجھانے لگا۔ سلمان پیارے۔ زندگی میں ایسے سنہری موقعے بار بار نہیں آیا کرتے۔ قدرت تمہیں زمین سے اٹھا کر تخت بٹھا رہی ہے۔ تمہیں ان عیش پرستیوں کی دعوت دے رہی ہے جن کا تم ساری زندگی تصور ہی کر سکتے ہو اور پھر اس میں نقصان بھی کوئی نہیں۔ تم سمیرا کا گھر نہیں اجاڑ رہے۔ تم سلومی سے شادی نہیں کر رہے۔ اس سنہری موقعے سے جتنا لطف اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ اس کے بعد لوٹ کر واپس اپنے گھر آ جانا۔ سمیرا کے پاس آ جانا۔ سلومی کا بھی اس میں کیا بگڑے گا۔ وہ بھی اپنے فلمی گلیمر کی دنیا میں واپس آ جائے گی۔

وہ گھر پہنچا تو سمیرا نے بتایا کہ اس نے دفتر فون کیا تھا۔ جمشید نے بتایا تھا کہ ہیڈ کوارٹر گئے ہوئے ہو۔ سلمان بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ سمیرا کھانے لگوانے لگی۔

"کیا بات ہے تم بڑے خوش ہو۔ کیا دفتر میں ترقی مل گئی ہے؟"

"بس ایسا ہی سمجھ لو۔ اگلے مہینے شاید میرا گریڈ بڑھ جائے۔"

دوسرے روز سلمان گھر سے دفتر کی طرف چلا تو پاسپورٹ اس کی جیب میں ب تین بجے سہ پہر وہ جمشید کو یہ کہہ کر ذرا خیال رکھنا، باس پوچھے تو کہنا کہ تک گیا ہے، اس ہوٹل کی طرف چلا گیا جہاں اس کے سپنوں کی رانی اسے ے بہشت کی سیر کرانے والی سلومی آنے والی تھی۔ وہ ہوٹل کے ٹی روم کے یں آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا اور سلومی کا انتظار کرنے لگا۔ یوں ہی اس کے دل ات پیدا ہونے لگے کہ کہیں سلومی نے اس کے ساتھ مذاق تو نہیں کیا؟ ایک ے مسلسل پریشان کرتی رہتی تھی۔ سلومی اس کی آنکھوں کو نیلا اور بالوں کو لہ کر ان کی تعریف کرتی تھی جبکہ سلمان کی آنکھیں کالی اور بال بھی سیاہ تھے۔ نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ سلومی کو اس کی آنکھوں اور بالوں کے بارے میں وہم ہو ہے۔ یا پھر کوئی ایسی بات ہو گئی ہے کہ اسے اس کے بال سنہرے اور آنکھیں نیلی دیتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ انسان کی نظر کبھی کبھی رح کا دھوکا بھی کھا جاتی ہے۔ وہ یہ سوچتے ہوئے ڈرتا تھا کہ سلومی پر کسی نے دو کر رکھا ہے۔ یا وہ کسی آسیب کے زیر اثر ہے۔ کیونکہ اس طرح اس طلسم ٹ جانے کا خطرہ موجود تھا۔ جس کونے میں وہ بیٹھا تھا وہاں ٹھنڈا ٹھنڈا نیم اندھیرا سلمان کی نگاہیں بار بار ٹی روم کے دروازے کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اسے آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ سلومی نہیں آئی تھی۔ سلمان کو بے چینی سی لگ گئی۔ کہیں ب کچھ واقعی ایک طلسم تو نہیں تھا جو ختم ہو گیا ہے؟ یہ طلسم ہی ہو سکتا ہے۔

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے سلومی ٹی روم میں داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ اس یاہ چادر میں اپنا جسم لپیٹ رکھا تھا۔ سر کو بھی چادر میں چھپایا ہوا تھا۔

وہ کرسی پر سے تھوڑا سا اٹھا۔ سلومی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے دیر ہو گئی میری جان ——— ٹیکسی نہیں مل رہی تھی۔ پھر مجھے گھر سے دور جا کر کوئی سواری لینی تھی۔ تم پاسپورٹ لائے ہو؟"

"ہاں ———" سلمان نے پاسپورٹ نکال کر سلومی کے سامنے رکھ دیا۔ اچانک

سلمان کے ذہن میں خیال آیا کہ اس نے دس ہزار روپے کہاں رکھے تھے؟ ہاں۔ اسے یاد آ گیا۔ دس ہزار روپے کے نوٹوں کی گڈی سلمان نے سمیرا سے چھپا کر اپنی الماری کے سب سے نچلے خانے میں کپڑوں کے نیچے رکھی تھی۔ الماری کی چابی اس کی پتلون کی پچھلی پاکٹ میں تھی۔ سلمان نے سگریٹ تلاش کرنے کے بہانے پتلون کی پچھلی پاکٹ میں دو انگلیاں ڈال کر چابی کو محسوس کیا اور پھر جیکٹ کی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال لیا۔ سلوی دھندلی سی روشنی میں پاسپورٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سلمان کا پاسپورٹ اپنے پرس میں رکھ لیا۔

"بس ٹھیک ہے۔ تم اس شہر سے نکل چلنے کی تیاریاں شروع کر دو۔" پھر سلوی نے سلمان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ سلمان کیا تمہیں میرے ساتھ چلنے پر افسوس تو نہیں ہے؟ کیا تم میری خاطر واقعی اپنی بیوی چھوڑ دو گے؟"

سلمان نے اپنے دل میں کہا۔ کون احمق تمہاری خاطر سمیرا کو چھوڑ رہا ہے مسئلہ تو اس وقت پیدا ہو سکتا تھا جب تم مجھے اپنے ساتھ شادی کیلئے کہتیں۔ تم نے خود مجھ سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑا چلایا ہے۔ مقصد تمہارا بھی زندگی کے مزا اڑانا ہے۔ مقصد میرا بھی یہی ہے۔ جب تمہارا جی بھر جائے گا مجھے چھوڑ دو گی۔ جب میں تم سے بیزار ہو جاؤں گا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ چھوڑو نہ چھوڑو لیکن میں ایک نہ ایک ضرور تمہیں چھوڑ دوں گا۔ یہ سب کچھ سلمان اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے فوراً" دل پر ہاتھ رکھ لیا اور بولا۔ سلوی! میری زندگی کی مہارانی! میرے سپنوں کی شہزادی! یہ کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا کہ میں نے دل پر جبر کر کے یہ فیصلہ کیا ہے۔ نہیں میری جان ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ تمہاری محبت مجھے دنیاوی معاملات سے اٹھا کر ایک ایسے مقام پر لے گئی ہے جہاں مجھے تمہارے سوا' تمہاری محبت کے سوا ہر شے ہیچ محسوس ہو رہی ہے۔ ایک سمیرا کیا میں تمہاری خاطر ایک ہزار سمیراؤں کو چھوڑ سکتا ہوں۔"

یہ بہت زبردست مکالمہ تھا۔ سلوی مکالموں کی دنیا کی رہنے والی تھی۔ اس ان کا بڑا اثر ہوا تھا۔ اثر کیا ہونا تھا اس کے اندر تو رحیلہ کی بدروح سب کچھ سلگ

کہلوا رہی تھی۔ سلمان اگرچہ خودغرضی کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن کسی وقت اس کے میں یہ خیال ضرور آ جاتا تھا کہ اگر وہ سلوی کو چھوڑ کر واپس آ گیا تو یہ اس کی لی کا بدقسمت ترین فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب تک سلوی اس کی محبت میں ار ہے وہ زندگی کی مسرتوں اور لذتوں کی انتہائی بلند فضاؤں میں پرواز کر سکتا ہے۔ سلوی اس سے بیزار نہیں ہوئی تو اسے بھی سلوی کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ زندگی بار ملی ہے۔ اس میں یہ سنہری موقع بھی اسے پھر کبھی نہیں ملے گا۔ سمیرا اسے یہ یاں کبھی نہیں دے سکتی۔ اگر وہ ہوائی لینڈ کی طلسمی فضاؤں میں پہنچنے کے بعد ں کے دل میں ان حسین لمحات کو مستقل حیثیت کا خیال آ جائے اور وہ اس سے ں کرنے کی خواہش کا اظہار کر بیٹھے تو سلمان کو شادی کر لینی چاہئے۔ وہ سمیرا کو بھی ن نہیں دے گا۔ وہ اسے ماہوار خرچہ بھیجتا رہے گا۔ وہ اس سے ملنے بھی آ جایا ے گا۔ سلوی اس سے اتنی محبت کرتی ہے وہ کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔

سلوی اس سے محبت بھری باتیں کرنے لگی۔ وہ ٹھنڈا مشروب بھی پیتے رہے باتیں بھی کرتے رہے۔ سلوی کہنے لگی۔ "تم اس کی فکر کیوں کرتے ہو؟ میرا اتنا و رسوخ ہے کہ میں ایک گھنٹے میں تمہارے اور اپنے پاسپورٹ پر امریکہ کا ویزا لگوا ں گی۔ یہ تمہارا پاسپورٹ اب میرے پاس ہی رہے گا۔ کراچی پہنچو گے تو تمہیں دوں گی۔ اب میں تمہیں اپنا سارا پروگرام بتاتی ہوں۔"

پروگرام یہ طے ہوا کہ تین دن بعد سلوی میڈیکل چیک اپ کا بیان دینے کے راچی روانہ ہو جائے گی۔ وہاں وہ اپنی سہیلی زمرد کے ساحل سمندر والے بنگلے ٹھہر جائے گی اور سلمان کا انتظار کرے گی۔ سلمان کو سلوی کی روانگی کے تین دن فتری دورے کا بہانہ بنا کر کراچی کی فلائٹ پکڑنی ہو گی۔ وہ زمرد کے بنگلے پر آ کر ی کو ملے گا۔ وہاں سے وہ دو روز قیام کے بعد نیویارک روانہ ہو جائیں گے جہاں ہوائی آئی لینڈ چل دیں گے۔

"اب میں جاتی ہوں۔ تم میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد یہاں سے نکلنا۔"

سلوی چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سلمان بھی ہوٹل سے نکل آیا رحیلہ نے سلوی ل میں خیال ڈالا کہ وہ سلمان کو اس کی بیوی سے چھین رہی ہے اس کو چاہئے کہ

اس کا کچھ ازالہ بھی کر دے۔ سلمان کو کم از کم ایک لاکھ روپے دے دے جو وہ اپنی بیوی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دے جسے سلمان کے چلے جانے کے بعد وہ کیش کرا سکے۔ سلومی کے پاس روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی اس نے اگلے ہی دن بنک جا کر اپنے ایک خاص اکاؤنٹ سے ایک لاکھ روپے نکلوا کر پلاسٹک کے لفافے میں ڈالے اور سلمان کو فون کر کے شہر کے ایک پارک میں بلا لیا۔ سلمان ٹیلی فون سنتے ہی گاڑی نکال کر پارک میں پہنچ گیا۔ سلومی وہاں اپنی گاڑی میں بیٹھی تھی۔

"خیریت تو ہے نا؟" سلمان نے گاڑی کی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ سلومی خود گاڑی ڈرائیو کر کے آئی تھی اور وہ کالی چادر میں لپٹی ہوئی تھی سلومی نے اپنے دل کی بات سلمان کو بیان کر دی اور پھر پلاسٹک کا لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک لاکھ روپے ہیں میں چاہتی ہوں کہ اسے تم اپنی بیوی کے حساب میں جمع کرا دو۔ یا تم جس طرح مناسب سمجھو کرو بہرحال یہ روپے تمہاری بیوی کی امانت ہیں اب میں جاتی ہوں پرسوں فون کروں گی۔"

سلمان ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ پلاسٹک کے لفافے میں لپٹے ہوئے ایک لاکھ روپے کے ہزار ہزار کے نوٹ اس کے ہاتھوں میں تھے اور وہ سلومی کی مرسڈیز کو سڑک کے موڑ پر مڑتے دیکھ رہا تھا رحیلہ کی بدروح کا سلمان پر ایک اور بڑا شدید حملہ تھا جسے سلمان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ ایک لاکھ روپے مل جانے پر بڑا خوش تھا۔ اس روپے کو سمیرا کے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کی اسے کوئی ضرورت نہیں تھی اسے تو ایک دن سلومی کو چھوڑ کر واپس آ ہی جانا تھا یہ روپیہ اس کا اپنا اس کی ملکیت تھا۔ جب تک سلمان نے پلاسٹک کا نوٹوں والا لفافہ گھر میں پہنچنے کے بعد غسل خانے والی الماری کے نیچے لکڑی کا تختہ اکھاڑ کر اس کے اندر سنبھال کر رکھ نہیں دیا وہ بے چین ہی رہا۔ نوٹوں والا تھیلا اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ الماری کے نیچے لکڑی کا تختہ نکال کر زمین میں چھپا دیا تھا اور اوپر تختے کو اس احتیاط سے برابر کر دیا تھا کہ کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے نیچے ایک لاکھ روپے کے نوٹ دبے ہوئے ہیں۔ دس ہزار روپے سلمان نے الگ اپنی الماری کے نچلے خانے میں چھپا رکھے تھے اتنی بڑی رقم اس کے پاس زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی۔

دو دن بعد سلومی نے فون پر سلمان کو بتایا کہ میں شام کی فلائٹ سے کراچی جا
ں اور زمرد کے ہاں ٹھہروں گی تم تین دن بعد وہاں پہنچ جانا باقی باتیں زمرد کے
ہوں گی۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ او کے خدا حافظ۔ سلمان پر ایک ہیجانی سی
طاری ہو گئی مگر یہ حالت زیادہ دیر تک نہ رہی اس نے کسی کو کچھ نہ بتایا کچھ
کپڑے وغیرہ خریدے اور کراچی کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ لے کر ایک دن بعد کی
ی ریزرو کروا لی جس روز اسے سمیرا کو بتائے بغیر گھر سے فرار ہونا تھا اس روز
چین تھا اور کچھ گھبراہٹ بھی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک دوست کے
کر تھوڑی سی برانڈی پی لی۔ برانڈی پینے سے اس کی طبیعت کچھ سنبھل گئی۔
واپس سمیرا کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اپنے اسی دوست کے گھر اس نے اپنا
پڑوں والا سوٹ کیس رکھا ہوا تھا اور اسے دفتر سے ایک ماہ کی چھٹی کی
ت بھی لکھ کر دے دی تھی۔ شام ساڑھے سات بجے کی فلائٹ تھی سلمان چھ
ی ایئرپورٹ پر پہنچ گیا۔ ایئرپورٹ کی روشنیاں اسے آنے والے خوبصورت
دنوں کی روشنیاں لگ رہی تھیں شراب نے اسے ذہنی طور بھی دلیر بنا دیا تھا
کے خیال کو اس نے اپنے ذہن سے نکال دیا تھا وہ صرف سلومی اور سلومی کے
ے جانے والے حسین ترین لحات کے تصور میں گم تھا۔ ٹھیک وقت پر جہاز
آف کر گیا۔ کراچی میں زمرد کے بنگلے کا ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر سلومی نے اسے
رکھا تھا۔ اس نے کراچی ایئرپورٹ سے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا زمرد کے بنگلے پر
چا۔ سمندر کے کنارے عالیشان بنگلہ تھا اس نے ٹیکسی چھوڑ دی گیٹ بند تھا
نے کال بیل کا بٹن دبا دیا تھا۔

جس وقت سلمان کراچی میں زمرد کے بنگلے پر پہنچا تھا تو اس وقت بنگلے کے ڈرائنگ روم میں اس ڈرامے کا پردہ گر چکا تھا جسے رحیلہ کی بدروح نے سلمان سے بدلہ لینے کے لئے شروع کیا تھا۔ سلومی کی سہیلی زمرد سلومی کے آنے پر بڑی مسرور تھی اور دونوں سہیلیاں ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ سلومی نے زمرد کو بھی یہی بتایا تھا کہ وہ میڈیکل چیک اپ کے لئے یورپ جا رہی ہے اور وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد گھڑی دیکھ لیتی تھی۔ اسے سلمان کا انتظار تھا۔ اس لئے کہ رحیلہ کی بدروح ابھی تک سلومی کے جسم کے اندر تھی اور سلومی کے اعصاب کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھی۔

سلمان ابھی زمرد کے بنگلے سے کوئی چھ سات میل کے فاصلے پر ہو گا کہ رحیلہ کی بدروح سلومی کے جسم سے الگ ہو گئی۔ جوں ہی وہ سلومی کے جسم سے الگ ہوئی سلومی اپنے ہوش و حواس میں آ گئی۔ اپنی صحیح کیفیات میں واپس آتے ہی سب سے پہلے سلومی نے زمرد کی طرف دیکھا۔ پھر ڈرائنگ روم کے در و دیوار کو حیرت سے تکنے لگی۔

"میں کہاں ہوں زمرد؟ یہ تو تمہارا بنگلہ ہے۔"

زمرد نے پہلے تو کوئی خیال نہ کیا۔ یہی سمجھی کہ سلومی شاید اپنے کسی فلم سین کا مکالمہ بول رہی ہے۔ وہ ہنس دی۔ "بڑا اچھا ڈائیلاگ بولتی ہو تم سلومی، لوگ یوں ہی تم پر نہیں مرتے۔ تم ٹی وی دیکھو میں کھانا لگواتی ہوں۔"

سلومی نے زمرد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "زمرد! خدا کے لئے جاؤ نہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ہاں کیسے آ گئی ہوں؟"

زمرد اٹھتے اٹھتے وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔ اسے شک ہوا کہ شاید سلومی کسی ی دباؤ کا شکار ہے۔ کہنے لگی۔ "میری جان تمہیں میرے پاس کراچی آئے دو دن ئے ہیں۔ تم میڈیکل چیک اپ کے لئے یورپ جا رہی ہو۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟" سلومی کے ہونٹ کھلے تھے۔

"کس نے کہنا تھا تم نے خود ہی تو بتایا تھا۔"

سلومی اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی۔ پردہ ہٹا کر کھڑکی کے شیشے میں سے ساحل ر پر بنے ہوئے فلیٹوں کی جگمگاتی روشنیاں دیکھیں اور سر پکڑ کر وہیں صوفے پر ئی۔ زمرد جلدی سے اس کے پاس آ کر اس کا سر دبانے لگی۔ "خیر تو ہے سلومی۔ بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ میں ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔"

سلومی نے زمرد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "نہیں نہیں زمرد۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر تم یہ بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ ابھی تو تم ہنس ہنس کر بول رہی ں اور کہہ رہی تھیں کہ میں یورپ پہنچتے ہی تمہارے لئے بڑے تحفے خرید کر بھیجوں ۔"

سلومی پر گھبراہٹ سی طاری تھی۔ "پانی پلا دو مجھے پلیز۔"

زمرد تیزی سے اٹھی اور فرج میں سے پانی کی بوتل نکال کر لے آئی۔ سلومی کو اس میں پانی ڈال دیا۔ سلومی نے دو تین گھونٹ پئے اور زمرد کی طرف دیکھتے ہوئے ا۔ "زمرد! مجھے بتاؤ میں کب یہاں آئی تھی اور میں نے تم سے کیا کیا باتیں کی یں۔"

زمرد نے سلومی کے کراچی ایئرپورٹ پر پہنچنے اور اسے اپنے ساتھ گاڑی میں لے کر بنگلے پر پہنچنے اور پھر دو دن کے سارے اہم واقعات بیان کر دیئے سلومی بڑے ر سے زمرد کے ایک ایک لفظ کو سنتی رہی۔ جب زمرد چپ ہو گئی تو سلومی نے جو الم حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی، کہا۔ "زمرد! یقین کرو مجھے کچھ بھی یاد نہیں کہ میں اپنے ر سے کب جہاز میں سوار ہوئی۔ کب یہاں کراچی تمہارے پاس پہنچی۔ میں یہ بھی

نہیں جانتی کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ میں نے کبھی میڈیکل چیک اپ کا سوچا بھی نہیں۔ یہ سب کیا ہے زمرد؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پلیز' لاہور ممی سے بات کراؤ۔۔۔۔۔۔"

زمرد ٹیلیفون کی طرف بڑھی تو کمرے یں کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔ "میں شیرو کو بھجواتی ہوں۔"

شیرو زمرد کا ٹارزن نما باڈی گارڈ تھا۔ زمرد نے اسے آواز دے کر کہا کہ باہر جا کر دیکھو کون آیا ہے شیرو پہلوانوں کی چال چلتا گیٹ پر آیا تو سامنے سلمان کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟" شیرو نے پوچھا۔ "کس سے ملنا ہے؟"

سلمان نے کہا۔ "مجھے مس سلومی سے ملنا ہے۔ انہوں نے مجھے یہاں بلایا تھا۔"

"کہاں سے آئے ہو۔" شیرو نے سلمان کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ سلمان نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "بھئی تم اندر جا کر مس سلومی کو اطلاع کر دو کہ سلمان آیا ہے اسلام آباد سے۔ پھر وہ خود مجھے لینے باہر آ جائیں گی۔" شیرو نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ لڑکا سلومی کے فلم یونٹ کا آدمی ہو ورنہ اتنے اعتماد سے کبھی بات نہ کرتا۔ پھر بھی اس نے سلمان کو اندر آنے کی اجازت نہ دی اور کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ میں اندر جا کر اطلاع کرتا ہوں۔"

شیرو نے اندر جا کر سلومی سے کہا۔ "بی بی کوئی سلمان صاحب اسلام آباد سے آئے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

زمرد کو فون پر اسلام آباد کی لائن نہیں مل رہی تھی۔ سلومی نے حیرت سے شیرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں کسی سلمان کو نہیں جانتی۔ یہ کون ہے؟"

زمرد نے ریسیور رکھ دیا۔ عجب صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ زمرد نے شیرو سے کہا۔ "جاؤ اسے کہو کہ یہاں کوئی سلومی نہیں رہتی جاؤ۔"

شیرو بھالو کی طرح گردن ہلاتا کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا تو سلمان سامنے چلا آ رہا تھا۔ اسے تو پورا یقین تھا کہ سلومی اسے دیکھتے ہی کمرے سے باہر نکل آئے گی اور اس کا والہانہ استقبال کرے گی۔ ایسی بات نہ ہوتی تو وہ کبھی زمرد کی

ٹھی کے اندر قدم بھی نہیں رکھتا۔ مگر سلمان کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ جوں ہی رو نے اسے بڑی بے تکلفی سے برآمدے کی طرف بڑھتے دیکھا تو جھپٹ کر اسے ردن سے پکڑ لیا اور غصے سے بولا۔ "اوئے تو اندر کیوں آ گیا اے اوئے؟"

سلمان نے بھی غصے کے ساتھ جواب دیا۔ "پیچھے ہٹو۔ تم مجھے جانتے نہیں کہ ں کون ہوں جاؤ مس سلومی کو خبر کرو کہ سلمان آیا ہے۔"

اس دوران زمرد اور سلومی شیرو کی آواز سن کر برآمدے میں آ گئی تھیں۔ سلمان نے سلومی کو دیکھا تو کھسیانا سا ہو کر قمیض کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔ "کوئی بات نہیں سلومی۔ یہ بے چارہ مجھے جانتا ہی نہیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

سلومی کو سخت غصہ آیا کہ یہ کون ہے جو اس کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے بات کر رہا ہے۔ اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "کون ہو تم؟ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" سلمان کو اپنے کانوں میں ایسی کڑک سنائی دی جیسے قریب ہی بجلی گری ہو۔ اس کو اپنے پاؤں من من بھاری محسوس ہوئے۔ اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سلومی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک عجیب سی احمقانہ ہزیمت خوردہ مسکراہٹ اپنے چہرے پر طاری کرتے ہوئے بولا۔ "میں۔۔۔۔۔۔ سلمان ہوں سلومی۔ تمہارے خوابوں کا شہزادہ۔۔۔۔۔۔ کیا بات ہے۔ تم مجھے۔۔۔۔۔۔"

سلومی نے سلمان کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔ چہرہ غضبناک ہو گیا۔ آواز اس سے زیادہ غضبناک ہو گئی۔ "بکواس بند کرو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ شیرو۔ اسے دھکے دے ک یہاں سے نکال دو۔"

شیرو کو اللہ دے۔ وہ تو اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سلمان پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ پھر اسے اٹھایا اور کوٹھی کے گیٹ سے باہر جھاڑیوں میں پھینک دیا۔

"اگر پھر ادھر کا رخ کیا تو زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔" یہ کہہ کر شیرو صوفے ک جھاڑتا ہوا گیٹ بند کر کے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ سلمان کو کافی چوٹیں آئی تھیں۔ شیرو کے گھونسے اسے بائیں جبڑے پر لگے تھے جو شدید درد کر رہا تھا۔ اس کی بائیں طرف کی پسلیاں بھی دکھ رہی تھیں۔ اگر وہ جھاڑیوں میں نہ گرتا تو یقیناً" اس کی کو

نہیں جانتی کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں۔ میں نے کبھی میڈیکل چیک اپ کا سوچا بھی نہیں۔ یہ سب کیا ہے زمرد؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پلیز' لاہور ممی سے بات کراؤ۔۔۔۔۔"

زمرد ٹیلیفون کی طرف بڑھی تو کمرے میں کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔ "میں شیرو کو بھجواتی ہوں۔"

شیرو زمرد کا ٹارزن نما باڈی گارڈ تھا۔ زمرد نے اسے آواز دے کر کہا کہ باہر جا کر دیکھو کون آیا ہے شیرو پہلوانوں کی چال چلتا گیٹ پر آیا تو سامنے سلمان کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟" شیرو نے پوچھا۔ "کس سے ملنا ہے؟"

سلمان نے کہا۔ "مجھے مس سلومی سے ملنا ہے۔ انہوں نے مجھے یہاں بلایا تھا۔"

"کہاں سے آئے ہو۔" شیرو نے سلمان کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ سلمان نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "بھئی تم اندر جا کر مس سلومی کو اطلاع کر دو کہ سلمان آیا ہے اسلام آباد سے۔ پھر وہ خود مجھے لینے باہر آ جائیں گی۔" شیرو نے سوچا کہ ہو سکتا ہے یہ لڑکا سلومی کے فلم یونٹ کا آدمی ہو ورنہ اتنے اعتماد سے کبھی بات نہ کرتا۔ پھر بھی اس نے سلمان کو اندر آنے کی اجازت نہ دی اور کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ میں اندر جا کر اطلاع کرتا ہوں۔"

شیرو نے اندر جا کر سلومی سے کہا۔ "بی بی کوئی سلمان صاحب اسلام آباد سے آئے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

زمرد کو فون پر اسلام آباد کی لائن نہیں مل رہی تھی۔ سلومی نے حیرت سے شیرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں کسی سلمان کو نہیں جانتی۔ یہ کون ہے؟"

زمرد نے ریسیور رکھ دیا۔ عجب صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ زمرد نے شیرو سے کہا۔ "جاؤ اسے کہو کہ یہاں کوئی سلومی نہیں رہتی جاؤ۔"

شیرو بھالو کی طرح گردن ہلاتا کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا تو سلمان سامنے چلا آ رہا تھا۔ اسے تو پورا یقین تھا کہ سلومی اسے دیکھتے ہی کمرے سے باہر نکل آئے گی اور اس کا والہانہ استقبال کرے گی۔ ایسی بات نہ ہوتی تو وہ کبھی زمرد کی

ی کے اندر قدم بھی نہیں رکھتا۔ مگر سلمان کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ جوں ہی
نے اسے بڑی بے تکلفی سے برآمدے کی طرف بڑھتے دیکھا تو جھپٹ کر اسے
ن سے پکڑ لیا اور غصے سے بولا۔ "اوئے تو اندر کیوں آگیا اے اوئے؟"
سلمان نے بھی غصے کے ساتھ جواب دیا۔ "پیچھے ہٹو۔ تم مجھے جانتے نہیں کہ
کون ہوں جاؤ مس سلومی کو خبر کرو کہ سلمان آیا ہے۔"

اس دوران زمرد اور سلومی شیرو کی آواز سن کر برآمدے میں آ گئی تھیں۔
ان نے سلومی کو دیکھا تو کھسیانا سا ہو کر قمیض کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔ "کوئی
ت نہیں سلومی۔ یہ بے چارہ مجھے جانتا ہی نہیں۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

سلومی کو سخت غصہ آیا کہ یہ کون ہے جو اس کے ساتھ اتنی بے تکلفی سے
ت کر رہا ہے۔ اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔ "کون ہو تم؟ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟"
لمان کو اپنے کانوں میں ایسی کڑک سنائی دی جیسے قریب ہی بجلی گری ہو۔ اس کو اپنے
پاؤں من من بھاری محسوس ہوئے۔ اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ
پھٹی پھٹی آنکھوں سے سلومی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک عجیب سی احمقانہ ہزیمت خوردہ
مسکراہٹ اپنے چہرے پر طاری کرتے ہوئے بولا۔ "میں۔۔۔۔۔ سلمان ہوں سلومی۔
تمہارے خوابوں کا شہزادہ۔۔۔۔۔ کیا بات ہے۔ تم مجھے۔۔۔۔۔"

سلومی نے سلمان کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔ چہرہ غضبناک ہو گیا۔ آواز اس سے زیادہ غضبناک ہو گئی۔ "بکواس بند کرو۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ شیرو۔ اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔"

شیرو کو اللہ دے۔ وہ تو اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سلمان پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ پھر اسے اٹھایا اور کوٹھی کے گیٹ سے باہر جھاڑیوں میں پھینک دیا۔

"اگر پھر ادھر کا رخ کیا تو زندہ واپس نہیں جاؤ گے۔" یہ کہہ کر شیرو صوفے کو جھاڑتا ہوا گیٹ بند کر کے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔ سلمان کو کافی چوٹیں آئی تھیں۔ شیرو کے گھونسے اسے بائیں جبڑے پر لگے تھے جو شدید درد کر رہا تھا۔ اس کی بائیں طرف کی پسلیاں بھی دکھ رہی تھیں۔ اگر وہ جھاڑیوں میں نہ گرتا تو یقیناً" اس کی کوئی

نہ کوئی ہڈی ٹوٹ گئی ہوتی۔ دراصل سلمان اس قدر حیرت زدہ تھا کہ اس میں جوابی حملہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ ادھر شیرو نے بھی اچانک حملہ کر دیا تھا۔ سلمان ابھی تک جھاڑیوں میں بیٹھا اپنے دکھتے ہوئے اعضاء کو سہلا رہا تھا اور کوٹھی کی روشنیوں کی طرف بار بار دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟ کیوں ہوا؟ سلویٰ نے اسے پہچاننے سے انکار کیوں کر دیا؟ کیا یہ کوئی طلسم تھا جو اچانک ٹوٹ گیا۔ ایک اسکوٹر سوار اس کو غور سے دیکھتا ہوا گزر گیا۔ سلمان کو شدید ہزیمت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کو جیسے آسمان سے زمین پر گرا دیا گیا تھا۔ وہ کپڑے درست کرتا ہوا اٹھا گیٹ کی دیوار کے ساتھ رکھا ہوا اپنا چھوٹا اٹیچی کیس اٹھایا اور لنگڑا کر چلتا کوٹھیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ بڑی سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ رحیلہ کی بد روح کوٹھی کے گیٹ کے اوپر فضا میں معلق یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کی جھلسی ہوئی روح کی آگ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سلمان کی فیملی کا زوال شروع ہو گیا ہے۔ وہ غائب ہو گئی۔ سلمان کو جس قدر ذلت پہنچانی اس کے بس میں تھی اس نے پہنچا دی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ منظر سر سے پاؤں تک بدل چکا ہے۔ سلمان کی روح کو اس نے وہ زخم لگا دیا ہے جو اس کی شخصیت کی موت اور اس کی گھریلو زندگی کی تباہی کا باعث ہو گا۔

سلمان کو اس قدر ذلت محسوس ہو رہی تھی کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی جا کر یا تو سلویٰ اور اس کے سارے حمایتی لوگوں کو گولی سے اڑا دے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اپنے آپ کو کسی تیز رفتار گاڑی کے آگے ڈال کر خودکشی کر لے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کی زبردست رسوائی ہوئی تھی۔ اس کو سلویٰ کے سامنے ذلیل کیا گیا تھا۔ اس کا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ زبان احساس ذلت سے بار بار سوکھ رہی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ بڑی سڑک پر آ گیا۔ یہ کراچی کی کوئی سڑک تھی جس کا نام اسے کو معلوم نہیں تھا۔ وہ ایک جگہ اٹیچی کیس رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی ایک آنکھ پر نیل پڑا تھا اور وہ سوج گئی تھی۔ سڑک پر بجلی کے کھمبے روشن تھے۔ گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ایک خالی ٹیکسی اس کے پاس آ کر رک گئی۔ سلمان رومال سے اپنی سوجی ہوئی آنکھ کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "ایئرپورٹ پہنچا دو گے بھائی؟"

ٹیکسی والے نے سہارا دے کر سلمان کو ٹیکسی میں بٹھایا۔ "بھائی صاحب آپ کو ہسپتال جانا چاہئے کسی گٹر میں گر گئے تھے کیا؟"

سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "ایئرپورٹ چھوڑ آؤ بھائی۔"

ٹیکسی ایئرپورٹ کی سڑک پر دوڑنے لگی۔ ایئرپورٹ کے قریب ہی ایک ہوٹل ...ک میڈیکل اسٹور کھلا تھا۔ سلمان نے ڈسپنسری سے سوجی ہوئی آنکھ پر دوا لگوائی ...ٹل میں کمرہ لے لیا۔ اس نے گرم دودھ منگوا کر پیا۔ گرم دودھ اسے سخت کڑوا ...ساری رات وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو دنیا ...یا اور کم ترین آدمی سمجھ رہا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات کے سوا ...بج رہے تھے۔

سلمان کمرے سے نکل کر نیچے ہوٹل کی لابی میں آ گیا۔ کمرے میں ٹیلیفون ...تھا۔ کاؤنٹر پر آ کر اس نے کلرک سے کہا کہ مجھے اسلام آباد ایک ضروری فون ...ہے۔ کاؤنٹر کلرک نے سلمان کی سوجی ہوئی آنکھ پر بندھی ہوئی پٹی دیکھی تو فون ...کر دیا۔ سلمان نے گھر کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بجنے لگی۔ آنسو سلمان کی آنکھوں کے ...جمع ہونے لگے۔ سمیرا کی آواز آئی۔ "ہیلو!"

سلمان کا گلا رندھ گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ بول نہیں سکے گا۔ حلق میں ...اڑ رہی تھی۔ اس نے اپنی ساری قوتوں کو جمع کرتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا۔ ...سلمان بول ــــــــ"

وہ فقرہ پورا نہ کر سکا اور کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ کیا کوئی ان ...ؤں کی قیمت دے سکتا ہے؟ اگر لعل و گہر بھی اس وقت سلمان کی آنکھوں سے ...تے تو قدر و منزلت میں وہ آنسوؤں سے کم تر ہوتے۔

"سلمان۔ تم کہاں سے بول رہے ہو۔" سمیرا کی آواز میں بے چینی، اضطراب ...بت تھی۔ سلمان کی آواز بار بار گلو گیر ہو رہی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے صرف ...کہہ سکا۔ "میں کراچی سے بول رہا ہوں صبح آ جاؤں گا۔"

"ہیلو ــــــ ہیلو ــــــ"

شور میں سمیرا کی آواز بھی دب گئی۔ سلمان نے ریسیور رکھ دیا اور رومال سے

سوجی ہوئی آنکھ کو ہلانے کے بہانے آنسو پونچھنے لگا۔ اس نے جیب سے ایک بڑا نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ "میرے بل میں سے کال کے پیسے کاٹ لیجئے گا۔"

رات کے پچھلے پہر جا کر کہیں سلمان کی آنکھ لگی۔ وہ بمشکل ایک گھنٹہ سویا ہو گا۔ جسم جگہ جگہ سے دکھ رہا تھا۔ آنکھ کی سوجن بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ خدا خدا کر کے دن کی روشنی ہوئی۔ سلمان نے خالی ایک پیالی چائے پی اور ہوٹل سے نکل کر پی آئی اے کے آفس میں آ گیا۔ رات گئے کی پرواز میں اسے چانس پر ایک سیٹ مل گئی۔ سارا دن انتہائی ذہنی اذیت میں کمرے میں پڑے پڑے گزار دیا۔ وہ رات پڑتے ہی ایئرپورٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ کسی ایک جگہ زیادہ دیر بیٹھنے سے اسے وحشت ہو رہی تھی۔ اس کی سیٹ کنفرم ہو گئی۔ جہاز رات گئے کراچی سے پرواز کر گیا۔

رات ڈھل رہی تھی جب سلمان اپنے شہر کے ایئرپورٹ سے باہر نکلا۔ اس نے ٹیکسی لی اور اپنے پہاڑی والے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت وہ ٹیکسی سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتا مکان کے گیٹ کی طرف آیا تو سلیمان چچا نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے اٹیچی کیس لے لیا اور اسے سہارا دیتے ہوئے اپنی بیٹی نوری کو سہارا دیا۔ "بیگم صاحبہ کو خبر کرو بیٹے۔ صاحب آ گئے ہیں۔"

سمیرا نے سلمان کی حالت دیکھی تو روتے ہوئے اپنے خاوند سے لپٹ گئی۔ "یہ کیا ہو گیا ہے؟" باقی ساری رات سلمان بستر پر درد سے کراہتا رہا اور سمیرا اس کے جسم کی ٹکور کرتی رہی۔ صبح ہوتے ہی ڈاکٹر بھی آ گیا۔ اس نے سلمان کو دو انجکشن لگائے۔ سلمان کو نیند آنے لگی۔

"چوٹیں اتنی مہلک نہیں ہیں۔ کسی کھڈ میں گر پڑے تھے کیا؟"

"ہاں ڈاکٹر ۔۔۔۔۔"

دوسرے دن سہ پہر کے قریب سلمان کی حالت قدرے سنبھلی۔ سلمان نے سمیرا کو کچھ نہ بتایا کہ اس کے ساتھ کیا المیہ گزرا ہے۔ اس المیے کے دہرانے میں اسے اپنی مزید ذلت و رسوائی محسوس ہو رہی تھی۔ سمیرا کے آنسو دیکھ کر سلمان کو غصہ آ گیا۔ "تم کس لئے رو رہی ہو؟"

سلمان کی اونچی آواز نوری اور اس کے باپ سلیمان نے باورچی خانے میں

ی۔ سمیرا پلنگ پر سلمان کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ سلمان نے ہاتھ سے اسے ے دھکیل دیا۔ "چلی جاؤ یہاں سے۔ میں تم لوگوں کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔"

بعض لوگ حادثات زمانہ سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ بعض لوگوں پر ان حادثات کا منفی اثر ہوتا ہے اور وہ غلط راستے پر چل نکلتے ہیں۔ ایسے لوگ یا تو بہت زیادہ جذباتی ہوتے ہیں اور یا منتقم مزاج ہوتے ہیں۔ سلمان میں منفی اور مثبت دونوں جذبے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ کبھی وہ دل میں خدا کا شکر ادا کرتا کہ اس کا گھر تباہ ہونے سے بچ گیا اور کبھی اس کا خون دہکتے لاوے کی طرح کھولنے لگتا اور وہ تصور میں دیکھتا کہ وہ سلومی کے سارے خاندان کو مشین گن سے اڑا رہا ہے۔ متضاد جذبات کی شوریدہ سر موجیں جتنی طاقتور تھیں اتنی مضبوط وہ چٹان نہیں تھی جس کے ساتھ یہ موجیں ٹکرا رہی تھیں۔ سلمان ٹکڑے ٹکڑے ہونا شروع ہو گیا۔ سمیرا نے اس کے دفتر فون کر کے اس کی علالت کی وجہ سے چھٹی کا ذکر کیا تو اس کے باس نے بتایا کہ سلمان کی تو پہلے ہی ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست آ چکی تھی۔ سمیرا کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ کیا ڈرامہ تھا جس کا انجام اتنا دردانگیز ہوا ہے۔ اس نے سلمان کی علالت کی وجہ سے خود بھی دفتر سے ایک ہفتے کی چھٹی لے لی تھی۔ وہ دن رات سلمان کی خدمت میں لگی رہتی۔ مگر سلمان اسے جھڑکتا رہتا۔ سمیرا جتنا اس سے محبت اور ہمدردی کا اظہار کرتی سلمان اتنا ہی برافروختہ ہو جاتا اور اس پر برسنے لگتا۔ سمیرا کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سلمان کے ساتھ کس قسم کا حادثہ گزر گیا ہے۔

ایک روز سمیرا سلمان کے واسطے کچھ کیپسول لینے شہر آئی تو اس نے سلمان کے آفس فون کر کے اس کے دوست جمشید سے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب اس نے جمشید کو سلمان کی حالت بتائی تو وہ حیران ہو کر بولا۔ "بھابی مجھے تو کچھ خبر نہیں کہ اس کے ساتھ کہاں حادثہ ہوا ہے۔ دفتر میں تو اس کی ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست ہی آئی تھی۔"

سمیرا نے پوچھا۔ "مگر وہ کراچی کیا لینے گئے تھے؟" تب جمشید نے سمیرا کو سلومی کے اسکینڈل کے بارے میں تھوڑا بہت بتایا اور کہا۔ "مگر بھابی سلمان بالکل سیریس نہیں تھا اور میرا خیال ہے کہ اس معاملے کا موجودہ حادثے سے کوئی تعلق بھی نہیں

ہے۔"

سمیرا نے درد انگیز احساس کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سلمان کی طبیعت، اس کے مزاج کے اس پہلو سے واقف تھی۔ اس نے اپنے دل پر ایک اور پتھر رکھ لیا اور چپ ہو گئی۔ سمیرا کے شہر جانے کے بعد سلمان بستر سے اٹھا اور سیدھا غسل خانے میں اس الماری کے پاس آ گیا جس کے نچلے خانے میں نیچے اس نے سلوی کے دیئے ہوئے ایک لاکھ روپے کے نوٹ پلاسٹک کے تھیلے میں لپیٹ کر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے جلدی جلدی تختہ اکھاڑا۔ مگر نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ سلمان کے ذہن کو ایک اور دھچکا پہنچانے کے لئے رحیلہ کی بدروح نے نوٹوں والا تھیلا پہلے ہی غائب کر دیا تھا۔ سلمان پاگلوں کی طرح الماری کے دوسرے خانوں کی چیزیں نکال نکال کر باہر پھینکنے لگا۔ مگر روپے وہاں ہوتے تو اسے ملتے۔

سمیرا شہر سے دوا لے کر واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ سلمان انتہائی غصے کی حالت میں نوری اور سلیمان پر برس رہا ہے اور دونوں سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے ہیں۔

"کیا بات ہوئی ہے سلمان؟"

سلمان سمیرا پر بھی برس پڑا۔ "میرا ایک لاکھ روپیہ چوری ہو گیا ہے۔ میں پولیس کو بلا رہا ہوں۔ یہ دونوں چور ہیں۔ انہوں نے میرا روپیہ چرایا ہے۔"

سمیرا نے نوری اور اس کے باپ کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور خود سلمان کے پاس آ کر نرمی سے بولی۔ "تم لیٹ جاؤ۔ آرام کرو۔"

سلمان نے سمیرا کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ اسے بھی گالیاں دینے لگا۔ سمیرا سر پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

سمیرا کے لئے دکھوں اور اذیتوں کا ایک نیا دروازہ کھل چکا تھا۔ سلمان خود اپنے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کے بدن کی چوٹیں تو ٹھیک ہو گئی تھیں مگر اس کے ضمیر پر ذلت و رسوائی کے جو گہرے زخم لگے تھے ان کے گھاؤ روز بروز گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ایک روز وہ سلوی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ سلوی اسٹوڈیو گئی ہوئی تھی۔ وہ اسٹوڈیو پہنچ گیا۔ کسی نے اسے اندر نہ جانے دیا۔ وہ اسٹوڈیو کے گیٹ کے سامنے ایک درخت

یچے بیٹھ گیا۔ کافی دیر گزر جانے کے بعد جب سلوی اپنی مرسڈیز میں سوار اسٹوڈیو اہر نکلی تو سلمان اس کی گاڑی کے سامنے آ گیا۔ سلوی نے اسے دیکھا تو ڈرائیور ہا۔ "یہ کون پاگل ہے؟"

ڈرائیور نے سلمان کو بچانے کے لئے بریک لگا دیا۔ سلمان دوڑ کر کھڑکی کے آیا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ اس نے سلوی کو دیکھا اور بولا۔ "سلوی میں ہوں۔"

سلوی اب اسے کیسے پہچان سکتی تھی۔ پہلے محبت کا جو ڈرامہ کھیلا گیا تھا وہ تو کی بدروح کا مرہون منت تھا۔ رحیلہ کی بدروح سلمان کو تباہی کے غار میں کر جا چکی تھی۔ اب سلوی سلمان کو کیسے پہچان لیتی؟ وہ اسے بھی اپنے دوسرے وں کی طرح سمجھ رہی تھی جو اس کی محبت میں دیوانے ہو رہے تھے اور کبھی کبھی دیوانہ اس کی گاڑی بھی روک لیتا تھا۔ سلوی نے ڈرائیور کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ " بریک کیوں لگایا۔ گاڑی نکالو۔ یہ گاڑی پر پتھر مارنے لگے گا۔ تب یہاں سے ہلو

ڈرائیو تیزی سے گاڑی نکال کر لے گیا۔ سلمان اس سیاہ رنگ کی مرسڈیز کو گم ہوتے دیکھتا رہ گیا جس گاڑی میں وہ سلوی کے ساتھ لگ کر بیٹھا ہوتا تھا ی اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کرتی تھی۔ "سلمان! تم میرے کے شہزادے ہو۔۔۔۔۔"

سلمان کی آنکھوں کے آگے اچانک اندھیرے کا پردہ سا گر پڑا۔ وہ لڑکھڑایا۔ پردہ م ہٹ گیا۔ اسے لوگ نظر آ رہے تھے۔ کچھ ہنس رہے تھے۔ کچھ اس کو گھور ر دیکھ رہے تھے۔ اسٹوڈیو کا چوکیدار قریب آیا۔ اس نے سلمان کو ایک طرف ے کر کہا۔ "یہاں سے جاؤ۔ چلے جاؤ گاڑیوں کا راستہ نہ روکو۔"

سلمان بغلوں میں ہاتھ دیئے چلتا سڑک پر آ گیا۔ تیز دھوپ تھی۔ لو چل رہی سلمان پیدل چل رہا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور ہو گیا۔ وہ کافی دور تک چلتا چلا گیا۔ یسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ سڑک پر سے ایک ٹرک زور سے ہارن بجاتا گزرا تو کو جیسے ہوش آ گیا۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور اسے اپنے گھر کی طرف چلنے کو

کہا۔ اس سے اگلے روز وہ سلومی کی کوٹھی پہنچ گیا۔ مگر وہاں گیٹ پر جانے کی بجا۔ ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا اور سلومی کی گاڑی کا نکلنے یا باہر سے آنے کا انتظار کر۔ لگا۔ اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ سلومی اپنے بنگلے میں ہی تھی اور شوٹنگ جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ کوٹھی کا گیٹ بند تھا۔ سلمان کی نظریں کوٹھی ک برآمدے اور لان کو تک رہی تھیں کہ شاید کہیں سلومی کی ایک جھلک نظر آ جائے اتفاق سے سلومی کسی کام کی وجہ سے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی تو سلما سے نہ رہا گیا۔ وہ بے اختیار ہو کر دوڑا۔ کوٹھی کے گیٹ کو پھلانگتا ہوا سلومی کے پا پہنچ گیا اور وہی مکالمے بولنے شروع کر دیئے جو اس سے پہلے وہ سلومی کی گاڑی کے سامنے کھڑے ہو کر بول چکا تھا۔ سلومی چیخ مار کر اندر کو بھاگی۔ اس کی چیخ سن کر نو وغیرہ دوڑے۔ سلمان گھبرا کر گیٹ کی طرف بھاگا۔ ایک سیکنڈ میں گیٹ پر چڑھا دوسری طرف چھلانگ لگائی اور سڑک کے درختوں میں دوڑتا ہوا دور نکل گیا۔ اس سانس پھول گیا تھا۔ وہ ایک کھمبے کے پاس کھڑے ہو کر ہانپنے لگا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھ تھا۔ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں آیا تھا۔

اپنے گھر جانے کی بجائے سلمان اپنے ایک پرانے دوست کے ہاں پہنچ گ وہاں اس نے ایک مدت کے بعد پھر شراب پی اور نشے میں سلومی کی باتیں کرنے لگ پہلے اس کے ساتھ اپنی محبت کی داستان کو دہرایا۔ پھر اسے گالیاں بکنی شروع کر دیں اس کا دوست یہی سمجھا کہ سلمان کو چڑھ گئی ہے اس لئے اس قسم کی باتیں کر ہے۔ وہ رات گئے گھر پہنچا تو سمیرا کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اب ایسا ہو سلمان دن کو گھر سے نکل جاتا اور رات کو گھر واپس آتا تو پیئے ہوئے ہوتا اور و تباہی بک رہا ہوتا۔ سمیرا اسے سنبھالتی پھرتی۔ اس کے کپڑے بدلتی۔ اسے بستر پر ا اور جب تک وہ بول بول کر گالیاں دے دے کر نہ سو جاتا وہ جاگتی رہتی۔ وہ نماز کر خدا کے حضور سجدے میں سر ڈال دیتی اور رو رو کر دعائیں مانگتی کہ سلمان حالت سنبھل جائے۔ وہ سیدھی راہ پر آ جائے۔ ایک روز وہ کوٹھی کے عقبی پر اسٹور روم کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ کبھی یہاں آتے ہی اسے یاقوت کی خ پراسرار خوشبو آیا کرتی تھی۔ مگر اب وہ خوشبو ایک عرصہ ہوا اس کی زندگی

ہو چکی تھی۔ یاقوت بھی اسے شاید بھول چکا ہو گا۔ سمیرا نے اسٹور روم کے ازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم نے بھی مجھے بھلا دیا یاقوت؟ کیا تمہارے بھی کے دعوے غلط تھے؟ کم از کم تمہیں تو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ تم تو دنیا کے جیسے نہیں تھے ـــــــ"

سمیرا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور روتی روتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بند کر لیا۔ اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا اور دیر تک منہ چھپائے آنسو بہاتی رہی۔ یقین ہو چکا تھا کہ وہ دنیا میں تنہا رہ گئی ہے۔ سلمان کی حالت نیم پاگلوں ایسی ہو ں۔ اس نے دفتر جانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ سمیرا کا اپنا بھی دفتر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ان کو گھر میں اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس کی ایک ہی سہیلی تھی۔ نتاشا۔ دفعہ ایسی کینیڈا گئی تھی کہ نہ وہاں سے کوئی خط لکھا تھا اور نہ اس کا کوئی فون تھا۔ سمیرا دیر تک بستر پر پڑی آنسو بہاتی رہی۔ جب اس کے دل کا غبار کچھ ہلکا چانک اسے یاقوت کی وہی پراسرار خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"یاقوت! تم آخر آ گئے۔ تم تک میرے دل کی فریاد پہنچ گی۔ خدا کے واسطے گھر کو تباہی سے بچا لو۔"

کھڑکی پر گرا ہوا پردہ ایسے ہلا جیسے کوئی اس کے پیچھے موجود ہو۔ سمیرا دوڑ کر کے پاس گئی۔ اس نے پردہ ہٹا دیا۔ باہر آسمان پر سرمئی رنگ کے بادل چھانے ے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس ہوا میں یاقوت کی خوشبو تھی۔ سمیرا باغ بے تاب نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں ایک جگہ پر رک ۔ اس کا چہرہ وفور عقیدت سے دمک اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ لوکاٹ کے درخت یچے یاقوت کھڑا ہے اور اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے وہی ہلکے براؤن رنگ کا تھری وٹ پہن رکھا ہے۔ بال بڑے سلیقے سے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر اس کا چہرہ اداس چہرے پر ایک اداسی کی کیفیت ہے۔ جبکہ پہلے یاقوت جب بھی آتا تھا اس کے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ ہوتی تھی۔ سمیرا نے وہیں سے اسے آواز دی۔

"یاقوت! چلے نہیں جانا۔ میں آ رہی ہوں۔ پلیز چلے نہیں جانا۔"

سمیرا وہیں کھڑکی میں سے باغ میں اتر گئی۔ جب وہ لوکاٹ کے درخت کے

قریب پہنچی تو یاقوت وہاں پر نہیں تھا۔ ہاں اس کی خوشبو ضرور فضا میں تھی۔ سمیرا نے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔ "یاقوت! تم میرے محسن میرے دوست میرے غم خوار ہوا۔ اس وقت مجھ پر بڑی بھاری مصیبت آن پڑی ہے۔ کیا تم میری مدد نہیں کرو گے؟"

یاقوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمیرا کو یقین تھا کہ یاقوت وہاں پر موجود ہے۔ مگر وہ خاموش ہے۔

"میں جانتی ہوں یاقوت تم اس درخت کے پاس کھڑے ہو۔ تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ میرا گھر تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ کیا تم میری مدد نہیں کرو گے؟ اگر کبھی' زندگی کے کسی لمحے میں تم نے مجھ سے پیار کیا ہے تو اس وقت میرا ہاتھ تھام لو مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" بجائے اس کے کہ یاقوت کوئی بات کرتا۔ کوئی جواب دیتا۔ اس کی خوشبو آہستہ آہستہ غائب ہونے لگی۔ سمیرا کا دل بھر آیا۔ اس نے بے اختیار ہو کر یوں فضا میں ہاتھ پھیلا دیا جیسے یاقوت کی خوشبو کو' یاقوت کی جدا ہوتی خوشبو کو پکڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"میرا ہاتھ تھام لو۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو یاقوت۔ پلیز! واپس نہ جانا۔ اتنی مدت بعد تم مجھے ملے ہو۔ واپس نہ جانا۔۔۔۔۔۔"

یاقوت کی خوشبو فضا میں سے غائب ہو گئی۔ فضا یاقوت کی خوشبو سے خالی ہو گئی۔ سمیرا نے انتہائی مایوسی کے عالم میں اپنا سر لوکاٹ کے درخت کے تنے سے لگا دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی گھاس پر گرنے لگے۔ اسے گھاس پر ایک کاغذ دکھائی دیا۔ اس پر نیلے رنگ سے کوئی تحریر لکھی ہوئی تھی۔ سمیرا نے جلدی سے کاغذ اٹھایا اور پڑھنے لگی۔ یہ یاقوت کی تحریر تھی۔ وہ اس تحریر کو وہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

"تمہیں اگر کوئی دوسرا شخص زہر دینے لگے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ سکتا ہوں' لیکن اگر تم اپنی مرضی سے' اپنے ارادے سے زہر کھاؤ گی تو میں تمہیں نہیں روک سکوں گا' میں یہاں مجبور ہوں۔۔۔۔۔ اور تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہارا خاوند بچہ ہے۔۔۔۔۔ کیا وہ عقل سے بیگانہ ہے؟ کیا وہ پاگل ہے؟ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔

ی بات ہوتی تو میں ضرور دخل دیتا' وہ نیکی اور بدی کے معاملات سے آگاہ ہے۔
رت نے اسے پورا اختیار دے رکھا ہے۔ میں دخل دینے والا کون ہوتا ہوں اور
یں اپنے گھر کی تباہی کا منظر اس لئے نظر آ رہا ہے کہ تمہاری نگاہ اس گھر سے آگے
ہیں دیکھ سکتی یہ تمہاری مجبوری ہے۔ اس گھر کے آگے کیا ہے؟ ان دکھوں' اذیتوں
، بعد کیا ہے؟ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ اگر بتا بھی دوں تو تم اسے نہیں سمجھو
ا۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے محبت نہیں رہی؟ ایک وقت آئے گا جب تم محبت
حقیقی شکل دیکھو گی۔ میں تو اسی لمحے کا' اسی گھڑی کا انتظار کر رہا ہوں۔ آج سے
ں' کل سے نہیں' بلکہ سینکڑوں برسوں سے انتظار کر رہا ہوں۔ اب جب وہ لمحہ
ب آ گیا ہے۔ جب میری منزل مجھے سامنے نظر آ رہی ہے تو تم چاہتی ہو کہ میں
رت خداوندی میں دخل دے کر ہمیشہ کے لئے رحمت خداوندی سے محروم ہو جاؤں؟
ر تمہیں حقائق کا علم ہوتا تو تم مجھ سے ایسی باتیں نہ کرتیں۔ مگر تمہیں علم نہیں
' بہت جلد علم ہو جائے گا' جب یہ محبت جو تمہیں اپنے ہرجائی اور دکھ پہنچانے
لے خاوند سے ہے تمہیں اذیتوں کی بھٹی میں پگھلا کر سونا بنا دے گی۔ کندن بنا دے
۔ تمہیں اس مقام پر پہنچا دے گی جہاں تمہارے پاؤں کی گرد اس کندن' اس سونے
، زیادہ لطیف زیادہ قیمتی ہو گی۔ ایک بات یاد رکھنا میں تم سے محبت کرتا
ا۔۔۔۔۔ تم کبھی میرے جسم کا آدھا تھیں۔ اب میری روح کے وہ نورانی اجزاء ہو
مجھ سے الگ ہو کر تمہارے جسم کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ تمہیں کیا
وم۔۔۔۔۔ تمہیں کیا معلوم۔۔۔۔۔"

سمیرا نے تین بار یاقوت کی نیلی تحریر کو پڑھا۔۔۔۔۔ وہ چوتھی بار پڑھ رہی تھی
تحریر غائب ہونے لگی۔ وہ جو لفظ پڑھ لیتی وہ غائب ہو جاتا۔ آخرت میں وہ کاغذ بھی
ا کے ہاتھ سے غائب ہو گیا جس پر یاقوت کی تحریر تھی۔

یاقوت کی باتوں سے بھی سمیرا کے دل کا غم' اس کا دکھ کم نہ ہو سکا۔ یاقوت کو
معلوم۔۔۔۔۔ یاقوت کو کیا معلوم۔۔۔۔۔ وہ کچھ نہیں جانتا۔ وہ میری طرح
ت پوست کا ہوتا۔۔۔۔۔ میری طرح ایک عورت ہوتا۔۔۔۔۔ میری طرح اس پر
ں کا پہاڑ ٹوٹتا' اسے پتہ چلتا کہ غائب رہ کر دکھوں میں مبتلا زمانے کی مصیبتیں سہنے

زندہ انسانوں کے غم و آلام کا نظارہ کرنے اور خود ان کی جگہ آ کر دکھ جھیلنے میں کہا فرق ہے۔ سمیرا کا دل یاقوت کی طرف سے اکھڑ سا گیا۔ اس نے درخت کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ٹھیک ہے۔۔۔۔ تم اپنی دنیا اور اپنی دنیا کا علم اپنے پاس رکھو۔ میرے پاس میری دنیا اور میری دنیا کا علم رہنے دو۔ تم میری مدد نہیں کرتے تو پھر کیا ہوا۔۔۔۔ میں اس دنیا میں اکیلی نہیں ہوں۔۔۔۔ خدا میرے ساتھ ہے۔۔۔۔ میں اپنے حالات کا مقابلہ کروں گی۔۔۔۔ میں انہیں بہتر بنانے کے لئے برائی کی طاقتوں سے لڑتی رہوں گی۔۔۔۔ آخری وقت تک لڑتی رہوں گی۔"

سمیرا ایک نئے عزم کی طاقت اور روشنی کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے اپنے اندر اتنی طاقت محسوس ہو رہی تھی کہ لگتا تھا وہ ساری دنیا کے دکھوں اور مصیبتوں کا اکیلی مقابلہ کر سکتی تھی۔ سلمان کو جو زبردست جذباتی دھچکا لگا تھا وہ اس کے بعد اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا۔ وہ اگر صرف محبت کا آدمی ہوتا تو شاید سنبھل جاتا مگر وہ دنیاوی جاہ و حشمت کا آدمی تھا' وہ دنیا کی بادشاہت کا پجاری تھا۔ چنانچہ جب اسے دنیا کی ایک دن کی بادشاہت کے بعد تخت سے اتار کر گلیوں میں پھینک دیا گیا تو وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا۔ ایسے میں دو ہی راستے اس کے سامنے تھے۔۔۔۔ کہ خودکشی کر کے مر جائے یا اپنے آپ کو آہستہ آہستہ قریب آنے والی موت کے حوالے کر دے۔ سلمان نے اپنی جبلت سے مجبور ہو کر دوسرا راستہ چن لیا اور اپنے آپ کو شراب کے حوالے کر دیا۔ موت نے اسے اس کنویئر بیلٹ پر ڈال دیا جو موت کی تاریک سرنگ کی طرح چلتی جا رہی تھی۔

سمیرا ایک ایسی جنگ لڑنے لگی جس میں اس کا مقابلہ دشمنوں سے کم اور دوستوں سے زیادہ تھا۔ اس پر سب سے زیادہ حملے سلمان کی طرف سے آ رہے تھے اور وہ ان حملوں کا اس طرح مقابلہ کر رہی تھی کہ سلمان کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سلمان نے اپنی موت کا محاذ کھول رکھا تھا۔ وہ موت کا شکار بن گیا تھا اور موت اسے لمحہ بہ لمحہ اپنی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔ اس کا دفتر جانا بند ہو گیا تھا۔ سمیرا میڈیکل بنیادوں پر دفتر سے اس کی چھٹی لئے جا رہی تھی۔ مگر اس کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سلمان کو نہ اپنے دفتر کی خبر تھی نہ اپنے مستقبل کی' نہ اپنے شخصی وقار کی اور نہ سمیرا

ندگی کا کوئی خیال رہا تھا۔ وہ دن چڑھے عالم بے خودی میں گھر سے نکل جاتا اور گئے نشے میں لڑکھڑاتا گھر واپس آتا۔ پھر وہ راتوں کو بھی غائب رہنے لگا۔ سمیرا اسطے اذیتوں کا ایک نیا باب کھل گیا۔ وہ عورت ذات تھی۔ اپنے شرابی خاوند کو ں کہاں کہاں تلاش کرتی۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ سلمان کو جگہ جگہ تی۔ اس کے دوستوں کے پاس جا کر اس کا پتہ چلانے کی کوشش کرتی۔ کچھ روز ن کے دوست سمیرا کے ساتھ اس کی تلاش میں شامل ہوتے رہے۔ پھر وہ بھی ہ کش ہو گئے۔ یہی زمانے کا دستور ہے۔ کون مصیبت میں کسی کا اتنی دور تک دیتا ہے۔ ہر انسان اپنی کسی نہ کسی مصیبت کو ساتھ لے کر چل رہا ہے۔ وہ اپنے توں کی مصیبت میں تھوڑی دور تک ہی ان کا ساتھ دے سکتا ہے۔ ہر انسان کی مجبوری ہے۔ ایک الگ اپنی مصیبت ہے۔

سمیرا زندگی کے میدان جنگ میں اکیلی رہ گئی تھی۔ مگر اس نے ہتھیار نہیں ے۔ وہ حالات کا مقابلہ کرتی چلی گئی' ہر محاذ پر شکست کھاتی چلی گئی۔ ایک بار ایسا کہ سلمان دو تین راتیں گزرنے کے بعد بھی گھر نہ آیا۔ سمیرا نے جگہ جگہ معلوم ۔ سلمان کہیں نہیں تھا۔ وہ گاڑی لے کر شہر میں نکل کھڑی ہوئی۔ سارا دن شہر کے وں' سڑکوں' ندی نالوں' ریلوے' پلوں' کھیتوں اور پارکوں میں تلاش کرتی پھری۔ ے سلمان کہیں دکھائی نہ دیا۔ سمیرا نے ایک جگہ سے سلمان کے دفتر اس کے ت جمشید کو فون کیا اور کہا کہ فوراً" چلے آؤ۔ جمشید کو تمام حالات کا بخوبی علم تھا۔ مجھ گیا کہ سلمان کسی جگہ خراب حالت میں پڑا ہے۔ اس نے دفتر سے چھٹی لی اور اں سے سمیرا نے فون کیا تھا وہاں پہنچ گیا۔ یہ پوسٹ آفس کا احاطہ تھا۔ سمیرا گاڑی ا اداس بیٹھی تھی۔ جمشید کو آتا دیکھ کر وہ گاڑی سے باہر نکل آئی۔

"دو راتوں سے سلمان گھر نہیں آیا۔ میں صبح سے شہر بھر میں اسے تلاش کرتی رہی ہوں۔"

"وہ اپنے ماں باپ کے گھر تو نہیں چلا گیا؟"

"وہ لوگ تو مکان خالی کر کے ایک برس ہوا دبئی جا چکے ہیں۔ وہاں جا کر وہ کیا رے گا۔"

"پھر بھی بھابی! اسے وہاں دیکھ لینا چاہیے۔"

جمشید گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سمیرا نے گاڑی سلمان کے پرانے مکان والے محلے کی طرف ڈال دی۔ گاڑی گلی کے باہر کھڑی کر کے سمیرا اور جمشید سلمان کے آبائی مکان کے پاس آ کر رک گئے۔ مکان پر تالا پڑا تھا۔ محلے داروں نے بتایا کہ سلمان تو کبھی ادھر نہیں آیا۔ سمیرا سر جھکائے واپس چل پڑی۔ جمشید بھی چپ چپ سا اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اسے اپنے دوست کے الم ناک انجام کا بڑا دکھ تھا۔ وہ سوچتا کہ کاش میں اسے اس روز فلم کی شوٹنگ دیکھنے کی دعوت نہ دیتا۔ مگر یہ تو قسمت میں لکھا تھا۔ سلمان کو بھی عقل سے کام لینا چاہیے تھا۔ اس طرح تو کوئی اپنی زندگی تباہ نہیں کرتا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سمیرا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "جمشید بھائی! تمہیں کہاں چھوڑ دوں؟ میں تو اب واپس گھر جاؤں گی۔"

جمشید بولا۔ "دفتر چھوڑ دیں بھابی!"

جمشید کو اس کے آفس کے گیٹ پر چھوڑنے کے بعد سمیرا نے گاڑی کا رخ یوں ہی ریلوے اسٹیشن کی طرف کر دیا۔ وہ گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ سلمان کو ساری رات تلاش کرنا چاہتی تھی۔ یہ اس نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس کا دل صرف ایک بار سوچ کر دھک سے رہ جاتا تھا کہ کہیں کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو گئی ہو----- اور وہ دل میں سلمان کی زندگی کی دعائیں مانگنے لگتی۔ اس وقت دن ڈھلنے لگا تھا۔ دھوپ کا رنگ بادامی ہو رہا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر کافی رش تھا۔ سمیرا گاڑی ریلوے پل کی طرف لے آئی۔ پل عبور کیا۔ دوسری طرف ایک جانب چھوٹا سا تالاب تھا۔ سمیرا نے وہاں کچھ لوگوں کو مجمع کی صورت میں کھڑے دیکھا تو گاڑی قریب جا کر روک دی ایک لڑکا مجمع سے نکل کر گاڑی کے قریب سے گزرا تو سمیرا نے اس سے پوچھا۔ "یہاں کیا بات ہوئی ہے بیٹے؟"

لڑکے نے کہا۔ "کوئی شرابی بے ہوش پڑا ہے۔"

سمیرا کا دل ایک دم جیسے ڈوب سا گیا۔ وہ مجمع کی طرف دوڑی۔

لوگ سمیرا کو آتے دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔
سمیرا کو جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ سلمان تالاب کے کنارے نشے میں دھت بے
ڑا تھا۔ سمیرا اسے اٹھانے لگی تو دو آدمی اس کی مدد کو آ گئے۔ انہوں نے سلمان
ڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ سمیرا نے ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ گاڑی اسٹارٹ
ر اپنے مکان کی طرف چل پڑی۔ اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس کے
گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلمان سے اس نے جو محبت کی تھی اس کا انجام اتنا
ہو گا۔ مکان پر آ کر اس نے سلمان کو بستر پر لٹا دیا۔ اس کے گندے کپڑے
کیے۔ تولیہ ٹھنڈے پانی میں بھگو کر اس کا سر اور منہ صاف کیا۔ نوری اور
ا بھی اپنے مالک کی یہ حالت دیکھ کر پریشان تھے۔ سلمان کو کوئی ہوش نہیں تھا۔
کے ڈر سے سمیرا نے ڈاکٹر کو بھی نہ بلایا۔ سلمان کے منہ سے شراب کے بھبکے
ہے تھے۔ آرام سے لیٹے رہنا ہی سلمان کا علاج تھا۔ رات کے دس بجے کے بعد
ن کو ذرا سا ہوش آیا اور اس نے پہلو بدل کر سمیرا کو پکارا۔ سمیرا اس کے پاس
ی پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ سلمان کی آواز سنی تو دل بھر آیا۔ اس کے بال
تے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔
"میں تمہارے پاس ہوں سلمان فکر نہ کرو تم اپنے گھر میں ہو۔"
سلمان نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی مگر وہ انہیں نہ کھول سکا۔ نوری اور
ا بھی ابھی تک جاگ رہے تھے۔ سمیرا نے نوری کو آواز دے کر کہا کہ گرم کافی

بنا کر لے آئے۔

سمیرا نے سلمان سے باتیں کرنی شروع کر دیں مگر سلمان پر بے ہوشی غالب تھی۔ وہ بے سدھ پڑا تھا۔ سمیرا نے بڑی کوشش کی کہ اسے تھوڑی سی کافی پلائے مگر سلمان کی گردن اونچی نہیں ہو رہی تھی۔ سمیرا نے ساری رات کرسی پر کبھی کتاب پڑھنے اور کبھی اونگھتے ہوئے گزار دی۔ دن چڑھ آیا۔ سلمان نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ سمیرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سب ٹھیک ہے سلمان۔ تم گھر میں ہو۔"

سلمان نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اوپر اٹھا کر تکئے کا سہارا لیتے ہوئے پوچھا۔ "میں کہاں تھا؟"

سمیرا اس کے سر کو بڑی محبت سے دبانے لگی اور بولی۔ "تمہیں ایک ٹیکسی والا چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے تم نے تھوڑی زیادہ پی لی ہو گی۔ کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

سمیرا نے جان بوجھ کر سلمان کو نہیں بتایا تھا کہ وہ ریلوے پل کے پاس بے ہوش پڑا تھا۔ وہ اس کے شخصی وقار کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ انا نام کی اب کوئی چیز سلمان کے پاس نہیں رہی۔ سلمان اتنا ضرور سمجھ گیا کہ سمیرا جھوٹ بول رہی ہے اور اب اسے شرمندگی سے بچانے کے لئے ایسا کہہ رہی ہے۔ گرم کافی کے دو تین گھونٹ پینے کے بعد سلمان پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ ام الخبائث کا سویا ہوا جن دوبارہ بیدار ہو گیا۔ سلمان نے غصیلی آواز میں پہلے سمیرا اور پھر سلو کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ سمیرا اسے سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی۔

سمیرا کے لئے اب یہی کام رہ گیا تھا کہ سلمان نشے میں دھت ہو کر گھر آئے اسے برا بھلا کہے۔ برتن توڑے اور وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کرتی رہے کھیل ہو گیا تھا۔ یاقوت کے بعد سلمان نے بھی سمیرا کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ کسی وقت بھی ہوش میں نہیں ہوتا تھا۔ شراب اس کی صحت کو برباد کرنے لگی۔ جب شراب کے لئے پیسے نہ ہوتے تو سلمان کہیں سے ہیروئن لے کر پی لیتا۔ اس ہلاکت خیز نشے نے رہی کسر بھی پوری کر دی۔ سلمان اب کئی کئی دن گھر نہ آتا۔ سمیرا اسے شہر کے بڑ

میں تلاش کرتی پھرتی۔ وہ کبھی کسی نالی میں گرا ہوا اور کبھی کسی باغ میں بے پڑا ملتا۔ سمیرا کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ جمشید نے مشورہ

"بھابی! میرا کہنا مانیں۔ سلمان کو اسپتال میں داخل کرا دیں۔"

سمیرا نے ایک روز سلمان کو بے ہوشی کی حالت میں سڑک پر سے اٹھایا اور ں لے گئی۔ اسپتال میں سلمان کا باقاعدہ علاج شروع ہو گیا مگر ہیروئن نے اس جسم کو ہی نہیں اس کے دماغ کو بھی کھوکھلا کر دیا تھا۔ جب اسپتال میں اس کا نشہ نہ ہوتا تو اس پر دورے پڑنے لگے۔ وہ اپنا سر دیوار سے ٹکراتا، اسپتال کا عملہ بڑی مشکل سے بستر پر ڈالتا مگر سلمان ان کے ہاتھ سے بھی نکل چکا تھا چنانچہ رات موقع پا کر وہ اسپتال سے فرار ہو گیا۔ اس کے بعد سلمان کا کئی دنوں تک پتہ چل سکا۔ جمشید بھی کسی وقت سمیرا کے ساتھ ہو جاتا۔ اسے بھی اپنے دوست حالت پر رحم آتا تھا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سمیرا عورت ذات تھی۔ اپنے ی خاوند کی تلاش میں کہاں تک جاتی۔ وہ دوسرے شہر جا نہیں سکتی تھی۔ اس کے پے دفتر میں اس کی بڑی بدنامی ہو رہی تھی۔ اوپر سے لوگ اس سے ہمدردی کرتے پیٹھ پیچھے ہر قسم کے اسکینڈل بناتے۔ کوئی کہتا کہ سلمان کی اس حالت کی ذمہ دار ں کی بیوی ہے۔ طرح طرح کی باتیں بنائی جاتیں۔ سمیرا تک یہ باتیں پہنچتیں تو وہ افسوس کر رہ جاتی۔

سلمان کے دوستوں میں صرف جمشید ایک ایسا آدمی تھا جس کو سمیرا سے ہمدردی تھی مگر وہ بھی ایک خاص حد تک سمیرا کا ساتھ دے سکتا تھا۔ ایک روز جمشید کو پاکستان کے ایک شہر سے ٹیلیفون آیا کہ سلمان یہاں پر موجود ہے تم آ کر اسے لے جاؤ۔ یہ فون جمشید اور سلمان کے ایک مشترکہ دوست نے کیا تھا جس کو جمشید نے خط لکھ کر سلمان کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور تاکید کر رکھی تھی کہ اگر سلمان وہاں کہیں نظر آئے تو اس کی اطلاع کر دے۔

جمشید نے اسی وقت ٹیلیفون پر سمیرا کو خبر دی۔ سمیرا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ سلمان زندہ تھا۔ اس نے جمشید سے کہا۔

"جمشید بھائی! میں اکیلی اس شہر نہیں جا سکتی۔ مجھ پر یہ عنایت کرو کہ میرے ساتھ چلو۔"

جمشید کیسے انکار کر سکتا تھا۔ وہ ایک شریف النفس نوجوان تھا اور سلمان کی فیملی کو تباہی سے بچانا چاہتا تھا۔ اس نے دوسرے شہر میں فون کر کے اپنے دوست کو جس کا نام امجد علی تھا' اطلاع کر دی کہ ہم کل پہنچ رہے ہیں۔ دوسرے دن صبح کی گاڑی پکڑ کر سمیرا اور جمشید روانہ ہو گئے۔ دو گھنٹے بعد وہ اس شہر پہنچ گئے جہاں سلمان کو دیکھا گیا تھا۔ امجد علی اسٹیشن پر آیا ہوا تھا۔ وہ سمیرا اور جمشید کو اپنے گھر لے گیا۔ سمیرا نے کہا۔

"بھائی! ہمیں جلدی سے سلمان کے پاس لے چلو۔ وہ یہاں کہاں پر ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟"

امجد علی نے سمیرا کو حوصلہ دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بہن جی آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ ٹھیک ہے۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ یہ نشے کی عادت ہی ایسی ہوتی ہے۔ آدمی اگر نہ سنبھلے تو گڑبڑ ہو جاتی ہے۔"

امجد علی نے تانگہ کرایا۔ سمیرا اور جمشید کو ساتھ بٹھایا اور شہر سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ایک مزار تھا' وہاں پہنچ گیا۔ مزار کے احاطے میں جھنڈیاں لگی تھیں۔ ڈھول بج رہا تھا۔ امجد علی نے تانگے سے اترتے ہوئے کہا۔

"جمشید بھائی نے جب مجھے فون پر سلمان کے غائب ہونے کی اطلاع دی تو میں نے اس کی تلاش شروع کر دی۔ یہ اتنا بڑا شہر نہیں ہے۔ میں نے سارا شہر دیکھ لیا تو سوچا کہ اس مزار پر دیکھ لیتا ہے۔ یہاں مجھے سلمان مل گیا مگر اس نے مجھے بالکل نہیں پہچانا۔"

وہ تینوں مزار کے احاطے میں داخل ہو گئے۔ یہاں ایک آدمی مزار کے پاس کھڑا ڈھول بجا رہا تھا۔ دس بارہ آدمی اور بچے بھی کھڑے تھے۔ ان کے درمیان سلمان ڈھول کی تھاپ پر رقص کر رہا تھا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ داڑھی بڑھ آئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ جسم پر گندے چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ گلے میں موٹے منکوں والی چھ سات مالائیں پڑی تھیں اور وہ دونوں بازو اوپر اٹھائے' گردن ایک طرف

ائے جیسے عالم بے خودی میں محو رقص تھا۔ سمیرا کا دل ڈوب سا گیا۔ جمشید بچوں کو ر ادھر ہٹاتا سلمان کے سامنے آ گیا۔

"سلمان! گھر چلو۔ سمیرا بھابی بھی تمہیں لینے آئی ہیں۔"

سلمان نے جیسے کچھ نہیں سنا تھا۔ وہ اپنی دھن میں اسی طرح دھمال ڈال رہا ۔ امجد علی نے ڈھول والے کو اشارہ کیا کہ ڈھول بجانا بند کر دے۔ ڈھول کی آواز ہو گئی۔ سلمان بدستور دھمال ڈال رہا تھا۔ سمیرا بت بنی اداس کھڑی اپنے خاوند' پنے محبوب کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے تو اب آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ جمشید نے مان کو بازو سے پکڑ لیا۔

"سلمان! ہوش کرو۔ چلو گھر چلو۔"

سلمان کے پاؤں تھم گئے۔ اس نے لال لال آنکھوں سے جمشید کو گھور کر کہا۔

"کون ہو تم جو ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال رہے ہو؟"

امجد علی بھی اب جمشید کے پاس آ گیا۔ سمیرا اپنے ڈوبتے دل کو سنبھالے چند م کے فاصلے پر کھڑی رہی۔ جمشید نے کہا۔

"میں جمشید ہوں۔"

"کون جمشید؟" سلمان نے جلالی آواز میں پوچھا۔

جمشید نے کہا۔ "وہ دیکھو۔ سمیرا بھابی کھڑی ہیں۔"

"کون سمیرا بھابی؟"

سلمان نے اسی جلالی انداز میں پوچھا اور پھر ڈھولکی کی طرف دیکھ کر گرج دار آواز میں کہا۔

"ڈھول بجاؤ۔ میرا مرشد مجھے بلا رہا ہے۔ ڈھول بجاؤ۔ نہیں تو میرا مرشد تمہیں خاک کر دے گا۔"

ڈھولکی ڈر گیا اور پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ ڈھول بجانے لگا۔ سلمان نے دونوں بازو اٹھا کر ایک نعرہ مستانہ لگایا اور ڈھول کی تال پر رقص کرتے ہوئے اپنی بھدی آواز میں گانا بھی شروع کر دیا۔

میرا پیا گھر آیا۔
اج پیا گھر آیا
میرا پیا گھر آیا

سمیرا کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ وہ روتی ہوئی سلمان کے پاس گئی اور ہاتھ باندھ کر بولی۔ "سلمان! مجھے معاف کر دو۔ مجھ پر رحم کرو۔ خدا کے لئے گھر چلو۔"

سلمان اب رقص کرتے ہوئے چٹکیاں بھی بجانے لگا تھا۔ بڑا خوش ہو رہا تھا۔ ہنس ہنس کر گائے جا رہا تھا۔ ناچے جا رہا تھا۔

میرا پیا گھر آیا
اج پیا گھر آیا

سمیرا نے اسے ذرا سا جھنجھوڑا تو سلمان نے اسے پرے دھکا دے دیا۔ وہ گر پڑی۔ جمشید نے کہا۔

"بھابی آپ آگے نہ آئیں۔ ہم جو ہیں۔"

وہاں ایک تماشا بن گیا۔ ادھر ادھر سے بھی لوگ آ کر اس تماشے سے بڑے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ اس فیشن ایبل کپڑوں والی عورت کا مالک ملنگ ہو گیا ہے اور وہ اسے واپس گھر لے جانے آئی ہے۔ جمشید اور امجد علی کسی نہ کسی طرح سلمان کو سنبھالتے ہوئے تانگے تک لے آئے۔ اب ڈھول نہیں بج رہا تھا مگر سلمان چٹکی بجا کر ملنگوں کی طرح رقص کرنے کی کوشش کر رہا تھا پھر وہ اسی طرح رقص کرتا تانگے کی پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ امجد علی' جمشید اور سوگوار سمیرا بھی تانگے میں بیٹھ گئے اور تانگہ امجد علی کے گھر کی طرف چل پڑا۔ سلمان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بڑبڑا رہا تھا۔ امجد علی نے جمشید سے کہا۔

"اب آپ لوگ ٹرین میں نہ جائیں۔ یہاں میرے ایک دوست کی ویگن ہے۔ میں وہ لے آؤں گا۔ آپ لوگ ویگن میں جائیں۔"

سمیرا اگلی سیٹ پر سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ تانگہ امجد علی کے مکان کے

ر پہنچ کر رک گیا۔ سلمان نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اسے مکان کے دیوان نے میں لا کر پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ سمیرا اس کے پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کا سر نے اور خدا سے اس کی صحت یابی کے لئے دعا مانگنے لگی۔ سلمان کی صحت بے حد اب ہو گئی تھی۔ خدا جانے وہ کچھ کھاتا بھی تھا یا نہیں۔ وہ بہت دبلا ہو گیا تھا۔ نگ بھی سیاہ پڑنے لگا تھا۔ اس کی حالت سمیرا سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ پتہ نہیں اس نے کون سا نشہ کر رکھا تھا کہ اس کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ آنکھیں نہیں ل رہی تھیں۔ امجد علی ویگن کا بندوبست کرنے چلا گیا تھا۔ جمشید بھی سلمان کے یب ہی مونڈھے پر بیٹھا تھا اور سمیرا کو حوصلہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ امجد ویگن لے کر آ گیا۔ اندر آ کر کہنے لگا۔

"ویگن لے آیا ہوں۔ اب آپ لوگ کھانا کھا لیں۔"

سمیرا نے کہا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔ ہمیں اجازت دیں اب۔"

امجد علی بولا۔ "بھابی! آپ اتنا پریشان نہ ہوں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آج ل تو نشہ کرنے والوں کا بڑا کامیاب علاج ہو جاتا ہے اور پھر آپ کے شہر میں تو اس ا باقاعدہ اسپتال بھی ہے اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ چلئے کھانا کھا لیں۔"

سمیرا سلمان کو واپس لے جانے پر بضد رہی۔ جمشید بھی کہنے لگا۔ "میرا بھی کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا امجد بس اب اجازت دو۔ گھر پہنچ کر کچھ کھا پی لیں گے۔ لمان کو پہلے اسپتال پہنچانا ضروری ہے۔"

جمشید اور سمیرا جب سلمان کو لے کر اپنے شہر پہنچے تو دوپہر ڈھل رہی تھی۔ لمان اسی طرح بے سدھ پڑا تھا۔ وہ ویگن کو سیدھا اسی اسپتال میں لے آئے جہاں لمان کو داخل کیا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسی وقت سلمان کو اسٹریچر پر ڈالا اور الگ کمرے میں لے جا کر بستر پر لٹا دیا۔ سمیرا نے بتایا کہ سلمان صبح سے بھوکا ہے۔ اس نے کچھ نہیں کھایا ہو گا۔ ڈاکٹر نے سلمان کو گلوکوز لگا دیا اور سمیرا سے کہا۔

"اب آپ جا کر آرام کریں۔ آپ کا مریض محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔"

جمشید تو سمیرا سے اجازت لے کر اپنے گھر چلا گیا مگر سمیرا واپس نہ گئی۔

"میں یہیں رہوں گی ڈاکٹر۔ پلیز مجھے اس کی اجازت دے دیں۔"

ڈاکٹر نے اجازت دے دی۔

دوسرے روز سلمان کو ہوش آیا تو نشے کی طلب میں اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ رگیں اکڑنے لگی تھیں۔ سمیرا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ سلمان ہوش میں آ گیا تھا۔ وہ اس سے پیار محبت کی باتیں کرنے لگی۔ سلمان کو سمیرا کا چہرہ کبھی بہت بڑا اور کبھی بہت چھوٹا سا دکھائی دیتا۔ سمیرا کی آواز اسے دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی پھر یہ آواز سلمان کے اندر جو شور بپا تھا' میں گم ہو جاتی اور اسے ایک عورت کے ہونٹ ہلتے نظر آتے جو اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ سلمان کا شعور اسے بتا رہا تھا کہ یہ سمیرا ہے۔ اس کی بیوی ہے مگر اس سے آگے اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا کہ اس کی بیوی' سمیرا پر اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔ کچھ ذمے داریاں بھی ہیں۔ اسپتال کے اس چھوٹے سے سفید دیواروں والے کمرے میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سلمان نے گردن موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی بند تھی۔ سلمان نے اشارے سے سمیرا کو کھڑکی کھولنے کے لئے کہا۔ سلمان نے اشارے سے سمیرا کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ کھڑکی ہرگز نہ کھولے۔ ویسے بھی کمرے میں کولر لگا ہوا تھا اور گرمی بالکل نہیں تھی۔

"کھڑکی کھولنے سے باہر کی گرم لو اندر آنے لگے گی سلمان۔ اسے بند ہی رہنے دو۔"

سلمان کا خشک حلق کڑوا ہونے لگا۔ سمیرا نے چمچ کی مدد سے سلمان کو سیب کا جوس تھوڑا سا پلایا مگر سلمان کو تو ہیروئن کی طلب تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سلومی کے ساتھ گزارے ہوئے محبت بھرے خواب کے مناظر پھر سے ابھرنے لگے تھے۔ سلمان ان مناظر سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور صرف ہیروئن پینے سے ہی یہ مناظر غائب ہو جاتے تھے۔ اسپتال کے کمرے میں اسے ہیروئن نہیں مل سکتی تھی۔ شہر میں جہاں یہ نشہ اسے مل سکتا تھا سلمان اس جگہ سے آگاہ تھا۔

سارا دن سلمان بے چین رہا۔ ڈاکٹر دوبارہ اسے دیکھنے آیا اور سکون آور ادویات دینے لگا۔ دوپہر کو سمیرا نے سلمان کو زبردستی تھوڑا سا شوربہ بھی ڈبل روٹی کے ساتھ کھلایا۔ سلمان کو اتنی عقل تھی کہ وہ اپنی بے چینی کو کسی طرح بھی ظاہر نہ

نے دے۔ وہ کمزور آواز میں کبھی کبھی سمیرا سے بات بھی کر لیتا۔ اس سے اپنی ادتیوں کی معافی بھی مانگتا۔ یہ سب کچھ وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کر رہا ا۔ نشے کی طلب نے بلکہ نشے کی غلامی نے سلمان کو اپنی اور صرف اپنی ذات میں گم ر دیا تھا۔ اسے اپنے سوا کسی کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ جب شام ہو گئی تو سلمان نے نقاہت زدہ آواز میں سمیرا سے کہا کہ مجھے بازار سے نارنگیاں لا دو۔ میرا دل نارنگی ھانے کو چاہتا ہے۔ سمیرا تو اس کے حکم کی منتظر تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو بھی اپنے انے کی اطلاع نہ دی۔ سمیرا کے جانے کے فوراً بعد سلمان اپنے آپ کو سنبھال کر لگ سے اٹھا۔ کھڑکی کھولی۔ باہر دیکھا۔

سورج ڈوب چکا تھا۔ ہلکا ہلکا شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ کھڑکی کے باہر اسپتال کے لان میں ایک بچہ کھیل رہا تھا۔ سلمان کھڑکی سے اتر گیا۔ وہ جتنا تیز چل سکتا تھا یز چلتے ہوئے لان میں سے نکل کر اسپتال کے عقبی گیٹ سے ہوتا ہوا بازار میں آ گیا ور اس طرف چلنے لگا جدھر سے اپنے مطلب کا نشہ مل سکتا تھا۔

سمیرا نارنگیاں لے کر کمرے میں واپس آئی تو سلمان کا پلنگ خالی تھا۔ وہ سمجھی سلمان باتھ روم میں ہو گا مگر باتھ روم خالی تھا۔ سمیرا دوڑ کر برآمدے میں آ گئی۔ سامنے سے ڈاکٹر چلا آ رہا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب! سلمان کو تو نہیں دیکھا۔"

ڈاکٹر وہیں رک گیا۔

"سمیرا بی بی! آپ کہیں چلی گئی تھیں کیا؟"

جب سمیرا نے بتایا کہ سلمان نے نارنگیوں کی فرمائش کی تھی اور وہ بازار چلی گئی تھی تو ڈاکٹر نے افسوسناک لہجے میں کہا۔ "بی بی! یہ آپ کی غلطی تھی۔ آپ کے میاں اب یہاں واپس نہیں آئیں گے۔"

ڈاکٹر یہ کہہ کر چل دیا۔

سمیرا خالی کمرے میں واپس آ کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اب اس نے دیکھا کہ کمرے کی کھڑکی کھلی پڑی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی۔ باہر لان کے سبزے پر شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی اور میز پر پڑے ٹیلیفون کو اٹھایا۔ پلنگ پر

بیٹھ گئی اور جمشید کے گھر کا نمبر ملایا۔ وہ جانتی تھی کہ جمشید دفتر سے سیدھا گھر ہی جاتا ہے۔ جمشید مل گیا۔ سمیرا نے اسے صورتحال سے آگاہ کیا تو جمشید نے جواب میں کہا۔

"بھابی! آپ یہیں رہیں۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد جمشید پہنچ گیا۔ سمیرا نے گھبرا کر پوچھا۔ "جمشید بھائی! کہیں وہ بھٹک نہ جائیں۔ ان کے ساتھ کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔"

جمشید کہنے لگا۔ "بھابی! آپ یہیں بیٹھیں۔ میں اسے ایک دو جگہوں پر دیکھ کر آتا ہوں۔ وہ زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔"

سمیرا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تو جمشید اس کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ جانتا تھا کہ اب وقت گزر گیا ہے۔ پانی سر کے اوپر سے گزر چکا ہے۔ مگر اپنے دوست کی بیوی کی خاطر جمشید کو ہر تکلیف گوارا تھا۔ اسپتال سے نکل کر جمشید نے شہر کے جرائم پیشہ اڈوں پر سلمان کی تلاش شروع کر دی۔ کافی دیر بعد وہ اکیلا واپس آیا تو سمیرا کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔

"کچھ پتہ چلا؟" سمیرا نے بے تابی سے پوچھا۔

سلمان نے نفی میں سر کو ہلایا اور بولا۔ "میں آپ کو گھر چھوڑ آتا ہوں۔ میں ایک بار پھر اس کی تلاش میں نکلوں گا کچھ ٹھکانے ایسے ہیں جو شہر سے دور ہیں آپ فکر نہ کریں۔ میں سلمان کو جہاں بھی ہوا ڈھونڈ نکالوں گا۔"

سمیرا پر انتہائی مایوسی کا عالم طاری تھا۔ غم و آلام نے اس کی صحت کو بھی شدید متاثر کیا تھا۔ دبلی ہو گئی تھی۔ رخساروں کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ سر کے بالوں میں سفیدی جھلکنے لگی تھی۔ وہ کس کی خاطر اپنے بالوں میں خضاب لگاتی۔ جس نے اس کے سیاہ چمکیلے بالوں کو دیکھ کر خوش ہونا تھا اسے تو خود اپنا ہوش نہیں تھا۔ سمیرا نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ "میرے پاس گاڑی ہے بھائی۔ میں چلی جاؤں گی۔"

"رات ہو گئی ہے۔ میں نہیں چاہتا آپ اکیلی سفر کریں۔"

"اب مجھے کیا ہو گا۔ کچھ نہیں۔ سب ختم ہو گیا۔ سب کچھ ختم ہو گیا——"

اور سمیرا سسکیاں بھر کر رونے لگی۔

پھر وہ اکیلی گھر واپس آ گئی۔ جمشید اپنے دوست کی تلاش میں شہر سے باہر والے

فیہ اڈوں کی طرف نکل گیا۔ رات کے بارہ بج گئے۔ سمیرا پلنگ پر ٹیک لگائے بیٹھی نڈی آہیں بھر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کو کتاب پڑھنے کی کوشش کرتی پھر اسے ایک لرف رکھ دیتی۔ ٹیلیفون اس کے پاس ہی میز پر پڑا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار ٹیلیفون ی طرف اٹھ جاتیں۔ اسے جمشید کے ٹیلی فون کا انتظار تھا۔ رات کا ایک بج گیا۔ یرا نے محض اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے تھوڑا بہت کھانا کھا لیا تھا۔ نوری اس کے پاس بیٹھنا چاہتی تھی مگر سمیرا نے اسے بھیج دیا تھا۔

"تم میرے ساتھ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتی ہو جاؤ جا کر آرام کرو۔ مجھے تو جاگنا ی ہے۔"

رات کا سوا بج رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بول اٹھی۔ سمیرا کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے جمشید کی آواز آئی۔

"بھابی! میں جمشید بول رہا ہوں۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو سکتا تھا میں نے اسے تلاش کیا۔ میرا خیال ہے وہ کسی دوسرے شہر نکل گیا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں کل پھر دفتر سے چھٹی لے کر اسے ڈھونڈنے نکلوں گا۔ وہ ضرور مل جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں——"

سلمان ایک ہفتے کی سرتوڑ تلاش کے بعد جمشید کو ملا۔ شہر سے پچاس ساٹھ میل دور دریا پار ایک دور افتادہ گاؤں کے قبرستان میں پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مردہ ہی قبر سے باہر آ گیا ہے۔ سمیرا اسے گھر لے آئی۔ اب وہ اسے کسی اسپتال میں نہیں لے جانا چاہتی تھی۔ اس نے گھر پر ہی اس کا علاج شروع کر دیا۔ شہر سے ایک ڈاکٹر روزانہ آتا۔ ڈاکٹر جو دوائی لکھتا سمیرا فوراً منگوا لیتی مگر سلمان کی حالت روز بروز خراب ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر نے سمیرا کو مشورہ دیا کہ مریض کو اسپتال میں داخل کرا دینا چاہئے۔ سمیرا نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ سلمان کہیں اسپتال سے بھاگ نہ جائے۔ اکٹر نے کہا۔ "مریض کو اگر بھاگنا ہوتا تو یہاں سے بھی بھاگ جاتا۔ اس میں بھاگنے کی سکت نہیں ہے۔ اس کا علاج اسپتال میں ہی ہو سکتا ہے۔"

جمشید نے بھی سمیرا کو یہی مشورہ دیا۔ چنانچہ ایک روز انہوں نے سلمان کو جو

ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا گاڑی میں لٹایا اور شہر کے سب سے جدید ترین ہسپتال میں الگ کمرہ لے کر داخل کرا دیا۔ سمیرا نے سلمان کے علاج کے لئے اپنی کوٹھی سے ساتھ والی زمین فروخت کر ڈالی۔ سمیرا اپنی زندگی بھی سلمان پر نچھاور کر سکتی تھی۔ مرد شاید ہی کبھی اس حقیقت سے آگاہ ہو سکے کہ عورت محبت میں آ کر کیا کچھ نہیں کر سکتی۔ اصل میں محبت کرنا صرف عورت ہی جانتی ہے۔ مرد کی محبت عورت کی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اسی دوران کینیڈا سے نتاشا کی خالہ کا ایک روز فون آ گیا۔ اس نے یہ اندوہناک خبر سنائی کہ نتاشا کار کے حادثے میں شدید زخمی ہو گئی ہے۔ اسپتال میں پڑی ہے۔ دو روز سے بے ہوش ہے۔ سمیرا کے لئے یہ ایک الگ صدمہ تھا۔ اس کا دل صدمے اٹھا اٹھا کر جیسے پتھر کا بن گیا تھا۔ مگر نہیں------ عورت کا دل کبھی پتھر نہیں بنتا۔ وہ پتھر بن ہی نہیں سکتا۔ سمیرا اپنے نازک اور محبت بھرے دل پر یہ سارے صدمے سہ رہی تھی۔ اس کی زبان پر اب حرف شکایت بھی کبھی نہیں آیا تھا۔ صدمے اس کے دل کو گداز کرتے چلے جا رہے تھے۔ سلمان کی روز بروز بگڑتی ہوئی حالت اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ راتوں کو خدا کے حضور سجدے میں گر کر دعائیں مانگتی۔ دن کو سلمان کی تیمارداری میں لگی رہتی۔ دفتر اس سے چھوٹ گیا تھا۔ کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے کچھ کھا لے تو کھا لے۔ سلمان کو گلوکوز بھی لگا تھا اور ڈرپ کے ذریعے سوپ وغیرہ بھی دیا جا رہا تھا۔ وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ بول بھی نہیں سکتا تھا آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ پتھر بن گئی تھیں۔ پتھر کی طرح ایک طرف تکتی رہتی تھیں۔

جمشید دن میں ایک بار اس کی خبر پوچھنے ضرور آتا۔ پھر وہ ایک روز چھوڑ کر آنے لگا اور پھر صرف ٹیلیفون پر سلمان کا حال پوچھ لیتا اور سمیرا کو صبر کی تلقین کر دیتا صرف نوری اور اس کا باپ سلیمان ہی سمیرا کے پاس ہوتے تھے جو سلمان کے ساتھ ساتھ سمیرا کا خیال بھی رکھتے تھے۔ سلمان کے خاندان والوں کو دبئی میں اپنے بیٹے کی شدید علالت کی خبر پہنچی تو وہ فوراً پہنچ گئے۔ سلمان کی حالت دیکھی تو انہوں نے بین ڈالنے شروع کر دیئے۔ اپنے بیٹے کی اس حالت کا ذمے دار انہوں نے سمیرا ہی کو

ٹھہرایا۔ وہ سب کے سامنے سمیرا کو کوسنے لگے۔ اسے چڑیل کہا' ڈائن کہا۔ جو ان کے بچے کو کھا گئی تھی۔ سمیرا نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ خاموش رہی سب کی سنتی اور تنہائی میں روتی۔ کوٹھی کے عقبی ویران کمرے میں جا کر اس نے کئی بار یاقوت کو پکارا۔ یاقوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ یاقوت وہاں موجود تھا مگر وہ سمیرا کو کیا جواب دیتا؟ وہ کیسے اس کو جھوٹی تسلیاں دیتا۔ جس طرح کہ دنیا والے دیا کرتے ہیں۔ اسے تو حقیقت کا علم تھا۔ وہ قدرت خداوندی کی مرضی میں کیسے دخل دے سکتا تھا۔ اگر وہ گوشت پوست کا عام دنیا دار انسان ہوتا تو اس میں بھی وہی کمزوریاں ہوتیں جو دوسرے انسانوں میں ہوتی ہیں مگر وہ تو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق تھی۔ ایک ایسی دنیا کی مخلوق کو جس دنیا میں کوئی ایک بار جاتا ہے تو پھر اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔

پھر ایسا ہوا کہ ایک رات سلمان نے آنکھیں کھول کر نوری کو دیکھا جو اس کے پاؤں گیلے کپڑے سے صاف کر رہی تھی۔ نوری خوشی سے دیوانی سی ہو کر سمیرا کی طرف بھاگی جو کچن میں سلمان کے لئے سوپ تیار کر رہی تھی۔

"بی بی جی! سلمان بابو میرے طرف دیکھ کر مسکرائے ہیں۔"

ایک ہفتے سے سلمان بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ بات کرنی تو بڑی دور کی بات تھی۔ وہ آنکھیں بھی نہیں کھول سکتا تھا۔ یہ خوش خبری سن کر سمیرا بیڈروم کی طرف دوڑی۔ سلمان تکیے پر ذرا اوپر ہو کر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سمیرا کو دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ سمیرا اس کے قریب آ گئی۔ "یا اللہ! تیرا شکر ہے۔"

سلمان کا جسم لرز رہا تھا۔ سمیرا ڈاکٹر کو فون کرنے لگی۔ سلمان نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور بولا۔

"کسی کو فون نہ کرو۔"

سلمان کی آواز میں ایک نئی طاقت اور نئی توانائی تھی۔ سمیرا کو یقین ہو گیا کہ خدا نے اس کی فریاد سن لی ہے۔ اس نے نوری سے کہا۔

"سوپ لے آؤ۔ جلدی سے۔"

سمیرا سلمان کے قریب ہو کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس نے سلمان کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے بالوں کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "اللہ نے بڑا کرم کر دیا

ہے سلمان۔ تم اب بالکل اچھے ہو جاؤ گے۔ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں نے تمہارے لئے سوپ بنایا ہے۔ پیؤ گے نا؟"

اس نے سلمان کو بالکل نہ بتایا کہ یہ ساری خوراک اس کو ایک نالی کے ذریعے دی جا رہی تھی۔ سلمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ جیسے باغ سے جاتے جاتے بہار نے مڑ کر دیکھ لیا ہو۔ سلمان نے سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ سمیرا کو سلمان کے سینے کی ہڈیوں کی سختی محسوس ہوئی۔

"پریشان نہ ہو سمیرا۔ میری جان۔ اب میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

نوری سوپ لے آئی تھی۔ سمیرا اسے چمچ سے سوپ پلانے لگی تو سلمان نے پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اس کی اب کیا ضرورت ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں خود پیئوں گا۔"

اس نے سوپ کی پیالی ہاتھوں میں تھام لی اور ایک ایک گھونٹ کر کے پینے لگا۔ سمیرا بڑی خوش تھی۔ نوری بھی بڑی خوش تھی۔ دروازے کے پاس ایک طرف کھڑا نوری کا باپ سلیمان بھی بڑا خوش تھا۔ سلمان نے سارا سوپ پی لیا اور خالی پیالی سمیرا کی طرف بڑھا کر کہا۔

"دیکھا۔ میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ صرف کمزوری باقی رہ گئی ہے۔ وہ بھی دو ایک دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔"

پھر اس نے اپنی پسلیوں کے نیچے پیٹ میں لگی ہوئی ربڑ کی نالی کو دیکھ کر پوچھا۔

"یہ کیوں لگائی ہوئی ہے سمیرا؟" سمیرا نے جلدی سے کہا۔ "یہ گلوکوز کے لئے ہے۔ ڈاکٹر نے لگائی ہے۔ ویسے کبھی کبھی تمہیں اس کے ذریعے خوراک بھی دی جاتی تھی۔ مگر اب اس کی کیا ضرورت ہے۔ ڈاکٹر آئے گا تو اسے کہوں گی یہ نالی اتار دے۔"

"میں اتار دیتا ہوں۔"

سلمان نلکی کھینچنے لگا تو سمیرا نے اسے روک دیا۔

"چھوٹی سی نلکی تو ہے سلمان۔ میں ڈاکٹر کو فون کر کے بلاتی ہوں۔ وہ خود اسے نکال کر ایڈجسٹ کر دے گا۔ تم ایسا نہ کرو۔"

سلمان نے سمیرا کو ایک بار پھر فون کرنے سے روک دیا۔

"ڈاکٹر کو ابھی مت بلاؤ سمیرا۔ وہ جب آئے گا تو اسے ایڈجسٹ کر دے گا۔ تم بری ایک بات سنو۔"

"کہو پلیز!"

سمیرا سلمان کے قریب ہو گئی۔ اس کا سوکھا کمزور ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگی۔

"سمیرا! مجھے کافی ہاؤس لے چلو۔"

سلمان کی زبان سے اس خواہش کے اظہار پر سمیرا کو بڑی خوشی بھی ہوئی اور حیرانی بھی ہوئی۔ اس نے بے اختیار ہو کر کہا۔ "کیوں نہیں سلمان! ہم ضرور کافی ہاؤس جائیں گے۔ میں تمہیں خود لے کر کافی ہاؤس جاؤں گی۔"

سلمان بولا۔ "میں ابھی کافی ہاؤس جانا چاہتا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کافی ہاؤس جا کر مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

سمیرا دیکھ رہی تھی کہ سلمان کو قدرت نے نئی زندگی عطا کر دی ہے۔ اس میں نئی توانائی آ رہی ہے۔ وہ صحت یاب ہونے لگا ہے۔ اس کی خواہش کیسے پوری نہ کرتی۔ مگر اس کی کوٹھی سے شہر کے کافی ہاؤس تک کا راستہ طویل تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہو جائے۔ جب اس نے اس خدشے کا اظہار کیا تو سلمان نے ذرا آگے بڑھ کر سمیرا کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ سمیرا کو اپنی محبتوں کا پہلا زمانہ یاد آ گیا۔

"سمیرا! میں تمہارے ساتھ اپنی محبت کا نیا سفر شروع کرنا چاہتا ہوں۔ میں کافی ہاؤس میں تمہارے ساتھ بیٹھ کر کافی پینا چاہتا ہوں۔ ابھی ------ اسی وقت ------ کیا تم میرے ساتھ کافی ہاؤس نہیں چلو گی؟"

سمیرا نے اسی وقت کوشش کر کے سلمان کو کپڑے تبدیل کروائے۔ گیلے تولئے سے اس کے چہرے کو پونچھا۔ اس کے بال سنوارے۔ سلمان اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے واقعی جیسے نئی زندگی مل گئی تھی۔ سمیرا اور نوری نے سلمان کو سہارا دے کر کار تک لے جانے کی کوشش کی تو سلمان نے انہیں منع کر دیا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے سمیرا۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ خود چل کر جاؤں گا۔"

اور وہ خود چل کر گاڑی تک گیا۔ سمیرا نے اسے اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھایا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ سلمان کو خدا نے صحت عطا کر دی تھی۔ وہ بڑی احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ گاڑی پہاڑی فضاؤں سے نکل کر شہر کے میدانی علاقے میں پہنچی تو گاڑی کی فضا گرم ہو گئی۔ سمیرا نے کار کا ایئرکنڈیشنر اون کر دیا۔

دن کا وقت تھا۔ شہر میں بڑی رونق تھی۔ دھوپ نکلی ہی تھی۔ لو بھی چل رہی تھی۔ سمیرا کو یہی فکر لگی تھی کہ کافی ہاؤس ایئرکنڈیشنڈ نہیں ہے۔ کہیں سلمان کی طبیعت وہاں خراب نہ ہو جائے۔ مگر ٹھنڈی گاڑی سے نکلنے کے بعد غیر متوقع طور پر سلمان نے گرم لو میں گہرا سانس بھرا اور بولا۔ "سمیرا! تمہیں یاد ہے وہ ایسی ہی گرم دوپہریں ہوا کرتی تھیں جب ہم شادی سے پہلے یہاں آیا کرتے تھے۔"

سمیرا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے۔ اس نے سلمان کا بازو تھام لیا۔ اسے محبت کا وہ زمانہ یاد آگیا جب ہر طرف بہار ہی بہار تھی۔ کبھی خیال نہ آیا تھا کہ اس چمن میں خزاں بھی آئے گی۔ پھول مرجھا جائیں گے۔ پتے زرد ہو کر گرتے چلے جائیں گے۔ چہرے بدل جائیں گے۔ منظر بدل جائیں گے۔ اس زمانے میں جب سلمان بہترین سوٹ پہنے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ کافی ہاؤس کی گیلری میں داخل ہوتا تو بہار کی ساری شادابیاں اور حسن اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ آج وہ نیم مردہ حالت میں سامنے کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس کا سرخ و سفید رنگ نسواری پڑ گیا ہے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔ چہرے پر موت کے سائے پھیل رہے ہیں۔ سمیرا پھر بھی سلمان سے پیار کرتی تھی۔ اس نے کہا۔

"ہاں سلمان! مجھے وہ سارے خوبصورت دن یاد ہیں۔ وہ دن میری زندگی کی قیمتی یادیں ہیں۔ میں انہیں کیسے بھلا سکتی ہوں۔"

سمیرا کو ایسے لگا جیسے سلمان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی ہو۔ بیرا کافی لے کر آگیا۔ سمیرا کافی بنانے لگی۔ اس نے سلمان کی پیالی میں دودھ زیادہ ڈالنا چاہا

ن نے اسے روک دیا۔

"دودھ کم ڈالو۔ میں تلخ کافی ہی پیوں گا۔"

"تو پھر تھوڑی کریم ڈالے دیتی ہوں۔"

سمیرا نے سلمان کی کافی میں کریم ڈال دی۔ سلمان مسکرانے کی کوشش کر رہا

"تمہیں میرا کتنا خیال ہے سمیرا۔"

سمیرا کا دل ہل گیا۔ اگر میں سلمان کا خیال نہ کروں تو پھر کس کا خیال کروں؟ یں سوائے سلمان کے میرا کون ہے؟ وہ دل میں سوچنے لگی۔ سلمان نے کافی کا ہلکا ھونٹ لے کر پیالی میز پر رکھ دی۔ وہ سمیرا کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ سمیرا کو بڑا ب سا لگا۔ وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ سلمان نے اپنا کمزور ہاتھ جیب میں ڈال کر سگریٹ یکٹ نکال لیا۔

"میرا دل سگریٹ پینے کو چاہتا ہے۔ میں کبھی یہاں تمہارے پاس بیٹھ کر یٹ پیا کرتا تھا۔"

"ڈاکٹروں نے تمہیں سگریٹ پینے سے منع کیا ہے۔"

سلمان نے بے نیازی سے ہاتھ کو ذرا سا جھٹک کر کہا۔ "اب منع کرنے سے کیا دہ ہو گا۔"

سلمان نے سگریٹ لگا کر ایک کش لگایا اور تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کر ا۔ پھر سمیرا کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا کہ سمیرا کو لگا جیسے وہ آخری بار اسے دیکھ ہو۔

"مجھے معاف کر دینا سمیرا۔ میں نے تمہیں بڑے دکھ دیئے ہیں۔ مجھے معاف کر ا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو سلمان۔ تم نے مجھے کبھی کوئی دکھ نہیں پہنچایا۔ میں تو تمہارے ساتھ خوش ہی رہی ہوں۔ تم نے تو مجھے بڑی سیریں کرائی ہیں۔ یاد ہے پیرس کے ریستورانوں میں بیٹھ کر کافی پیا کرتے تھے۔ پیرس کی سڑکوں پر بارش میں ما کرتے تھے ——"

سمیرا بول رہی تھی اور سلمان کو جیسے نیند آنے لگی تھی کسی وقت اسے سمیرا کی آواز بڑے قریب سے اور کسی وقت بڑی دور سے سنائی دیتی۔ ایک بار اسے اونگھ سی آ گئی۔

"نیند آ رہی ہے سلمان؟ چلو گھر چلتے ہیں گھر چل کر آرام کرنا۔ تم تھک گئے ہو گے۔"

سلمان نے ہاتھ کے اشارے سے سمیرا کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ سمیرا بیٹھ گئی۔ سلمان کی نگاہیں سمیرا کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اسے سمیرا کا چہرہ کالے سیا دھوئیں میں گم ہوتا محسوس ہوا۔ وہ بت بنا کرسی پر بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر سمیرا کا چہرہ غائب تھا۔ سگریٹ اس کے ہاتھ سے گر پڑا پھر اس کا ہاتھ بھی نیچے گر پڑا اور گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

سمیرا چیخ مار کر سلمان کی طرف بڑھی۔

مگر وہاں اب کیا رکھا تھا۔ سلمان مر چکا تھا۔

سمیرا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے دھکا دے کر گہرے کھڈ میں گرا دیا ۔ اسے کچھ یاد نہیں کہ کافی ہاؤس میں کس نے فون کیا۔ کب ایک ڈاکٹر آیا اور اس ے سلمان کو دیکھ کر کب اس کی موت کی تصدیق کی اور پھر وہ کون لوگ تھے جو ان کی لاش ایمبولینس میں ڈال کر اس کے ساتھ پہاڑی بنگلے تک آئے۔ سلمان کی ں گھر پہنچی تو نوری اور اس کا باپ سکتے میں آ گئے۔ ہر کوئی سلمان کی موت کی ذمہ ی سمیرا پر ڈال رہا تھا۔ سلمان کی بہن اور ماں تو بین کرتے ہوئے سمیرا کا نام لے اسے کوستی رہی۔ سمیرا کیا جواب دیتی۔ کس کی خاطر جواب دیتی اس کا تو سب کچھ گیا تھا۔

سلمان کے گھر والے اس کی لاش کو شہر والے قبرستان میں دفنانے کے لئے لے ے۔ سمیرا لاش کے ساتھ گئی۔ شہر والے گھر میں پہنچنے کے بعد سلمان کی والدہ اور ن اور دوسرے رشتے داروں نے پھر آہ و بکا کی اور سمیرا کو کوسنے لگے۔ سمیرا سر ائے ایک طرف بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔ اس نے کسی کی بات کا جواب نہ دیا۔ اگرچہ ن لوگوں کے کوسنے اس کے سینے کو چھلنی کر رہے تھے۔ مگر وہاں اس سے ہمدردی رنے والا کون تھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔

سمیرا اپنے پہاڑی والے بنگلہ میں واپس آ گئی۔ ایک ہفتے تک سلمان کے ملنے لے افسوس کرنے آتے رہے۔ پھر ان کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ سمیرا نے نوکری پہلے

ہی چھوڑ دی تھی۔ کبھی کبھار جو گاڑی لے کر سلمان کے لئے دوائیاں لینے شہر جاتی تھی اب وہ جانا بھی نہ رہا۔ اس کی ایک ہی سہیلی' ایک ہی دوست تھی۔ نتاشا جو خود ایک حادثے میں شدید زخمی ہونے کے بعد مانٹریال کے ہسپتال میں پڑی تھی۔ اسے اپنا کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ سلمان کی موت پر سمیرا سے کیسے اظہار افسوس کرتی۔ اسے ایک بات کا یقین تھا کہ یاقوت اس سے اظہار ہمدردی کے لئے ضرور آئے گا۔ مگر وہ نہ آیا۔ دو مہینے گزر گئے۔ یاقوت آیا نہ کسی طرف سے اس کی کبھی خوشبو ہی آئی۔ سمیرا نے اپنے آپ کو پہاڑی بنگلے کی چار دیواری میں بند کر لیا۔ اس نے ایک بار پر پینٹنگ شروع کر دی۔ وہ سارا سارا دن مکان کی دوسری منزل والے اسٹوڈیو میں تصویریں بناتی رہتی۔ کبھی کبھی رات کا کھانا بھی وہیں منگوا لیتی اور رات گئے تک ایزل پر لگے کسی کینوس پر برش کے اسٹروک لگاتی رہتی۔ پینٹنگ سے جی گھبراتا تو لٹریچر پڑھنا شروع کر دیتی۔ اس کے پلنگ کے پاس قالین پر ہر وقت کتابیں پڑی رہتیں۔ نوری اس کا حد دھیان رکھتی۔ وہ پہلے سے زیادہ اپنی مالکن کی دیکھ بھال میں لگی رہتی۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ سلمان کی موت کا صدمہ سمیرا کے دل گداز ماضی کی ایک اندوہناک با بن کر رہ گیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سمیرا کو اپنے ماضی کے بعض جذبا فیصلے سنگین غلطیاں محسوس ہونے لگی تھیں۔ مگر مگر وہ سوچتی کہ جذبات بھی زندگی ایک حصہ ہوتے ہیں۔ جذباتی فیصلے کرنے ہی پڑتے ہیں۔ جذبات کے بغیر تو زندگی ایک خشک دریا کی طرح ہو جاتی ہے۔

لیکن بعض جذباتی فیصلوں پر دماغ سے بھی مشورے لے لینا چاہئے۔

وہ سوچتی سلمان سے شادی کرتے وقت مجھے دل کے علاوہ دماغ سے بھی کچھ سو لینا چاہئے تھا۔ کیوں کہ یہ زندگی بھر کے فیصلے ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے م عورت بار بار شادی نہیں کیا کرتی۔ بلکہ جس یورپی معاشرے میں عورت بڑی آسا سے طلاق دے دیتی ہے اور بار بار شادیاں کر سکتی ہے وہاں بھی ایک عورت شاد کے بارے میں جذباتی فیصلے نہیں کرتی۔ بلکہ بڑی سوچ سمجھ کر شادی کا فیصلہ کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم بڑے جذباتی لوگ ہیں۔ لڑائیاں بھی اکثر اوقات جذبا میں آکر کرتے ہیں اور صلح بھی جذبات میں آکر کرتے ہیں۔ کسی کو مانتے ہیں تو جذبا

ں آکر اسے سر پر چڑھا لیتے ہیں اور جب نہیں مانتے تو اس کا نام بھی سننا گوارا نہیں رتے۔ ہم میں سے بہت کم لوگ اعتدال کے راستے پر چلتے ہیں۔ اور جو لوگ اس استے پر چلتے ہیں عام طور پر انہیں بھی جوانی گزر جانے کے بعد یہ راستہ ہاتھ آتا ہے بلن۔ یہ تو شروع ہی سے ہوتا چلا آیا ہے اور نہ جانے کب تک ہوتا چلا جائے گا۔ یک وقت آتا ہے کہ معاشرے میں زیادہ سے زیادہ لوگ معتدل مزاج بن جاتے ہیں ر ایک وقت آتا ہے کہ ایسے لوگ کہیں کہیں ہی ملتے ہیں انسان کی بعض کمزوریاں ں کے ساتھ ساتھ عمر کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں۔ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس ی کمزوریاں جوان اور طاقتور رہتی ہیں۔ ان کمزوریوں سے انسان کو صرف خدا ہی نفوظ رکھتا ہے۔ ایک عام آدمی کا بس نہیں چلتا۔

وقت کا عمل ایک ایسا عمل ہے جس سے ہم سب واقف ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے صدموں کی شدت میں کمی آتی چلی جاتی ہے اور وہ غمگین یادوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ خدا کسی کو اولاد کا غم نہ دکھائے۔ کیونکہ یہی ایک ایسا غم ہے' ایسا زخم ہے جس کو بعض حالات میں وقت کا مرہم بھی مندمل نہیں کر سکتا۔ باقی عبتوں کی خوشیاں جذباتی خوشیاں ہوتی ہیں اور محبتوں کے صدمے بھی جذباتی صدمے وتے ہیں اور جیسے جیسے وقت گزرتا ہے ان کے احساس میں بھی کمی آتی جاتی ہے۔ لکہ کبھی کبھی کوئی ایسا لمحہ بھی آجاتا ہے جب انسان کو اپنی اس قسم کی جذباتی باتوں پر نود ہنسی آنے لگتی ہے۔

سلمان کی موت کا غم بھی سمیرا کے دل سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتا چلا گیا۔ سلمان کی محبت کے ساتھ اسے وہ دکھ بھی یاد آنے لگے جو اس نے سمیرا کو یے تھے۔ وہ زخم بھی یاد آنے لگے جو سلمان نے سمیرا کے دل پر لگائے تھے۔ یوں سمیرا کے نفسیات میں ایک طرح سے توازن سا قائم ہو گیا اب جب اسے سلمان کی محبتیں یاد آتیں تو ساتھ ہی وہ دکھ بھی یاد آجاتے جو اس نے سلمان کے ساتھ رہ کر اٹھائے تھے۔ اور جب کبھی اسے سلمان کا ناروا سلوک یاد آتا تو ساتھ ہی اس کا محبت بھرا سلوک بھی یاد آجاتا۔ یہ نفرت اور محبت کے درمیان کا مقام ہے اور یہاں رہ کر آدمی نہ دوسرے سے پوری طرح محبت کر سکتا ہے نہ پوری طرح نفرت کر سکتا ہے۔

جو کوئی مرد اس مقام پر آجاتا ہے وہ عورت کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو کوئی عورت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے وہ مرد کی محبت سے محروم ہو جاتی ہے۔ سلمان کا خیال محبت اور نفرت کی بلندیوں سے نیچے کھسکتا ہوا اسی مرکزی مقام پر آگیا تھا اور سمیرا کے لئے اب سلمان کا خیال مسلسل اذیت کا باعث نہیں رہا تھا۔ جب کبھی سلمان کا کوئی پرانا خط نکل آتا۔ یا اس کی کہیں کوئی گروپ فوٹو نظر آجاتی یا کبھی اس کا کوئی دوست یا رشتے دار سمیرا سے ملنے آجاتا تو سمیرا کو تھوڑی دیر کے لئے سلمان کی یاد آتی۔ وہ محبتوں اور اذیتوں کے گزرے ہوئے دن یاد کر کے تھوڑی دیر کے لئے افسردہ ضرور ہو جاتی لیکن پھر اپنی نارمل حالت پر آجاتی۔

عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اگر کسی کی یاد شدت اختیار کر رہی تھی تو وہ یاقوت کی یاد تھی۔ یاقوت کا خیال اب سمیرا کو پہلے سے زیادہ آنے لگا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ سمیرا کی یہ پہلی محبت تھی۔ یا شاید اس لئے کہ سمیرا کو یاقوت کے ساتھ اس مادی دنیا میں زندگی گزارنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ وہ محبت ہے جو ابھی تک خواب و خیال کی دنیا میں ہی رہی تھی۔ جس پر حقیقت کی دنیا کی تیز دھوپ ابھی نہیں پڑی تھی۔ شاید اس لئے کہ سمیرا نے زندگی میں اگر کسی کو اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا تو وہ صرف یاقوت تھا۔ اگر وہ یاقوت کے ساتھ شادی کر سکتی تو سلمان اس کی زندگی میں کبھی شامل نہ ہو سکتا تھا۔ اس مادی تقاضوں والی دنیا میں رہ کر سمیرا ایک روح کے ساتھ محبت تو کر سکتی تھی مگر شادی نہیں کر سکتی تھی اور شادی ضروری تھی۔ شادی سمیرا کی مجبوری تھی۔ اس محبت کی مجبوری تھی جو سمیرا کے جسم میں سرایت کر چکی تھی جس نے سمیرا کے جسم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے جسم کے ساتھ کسی ماورائی شے کو نہ پوری محبت دے سکتی تھی اور نہ ماورائی شے سے پوری محبت حاصل کر سکتی تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ سمیرا اس غیرفانی محبت کے لے کر اپنے جسم کی قید سے آزاد ہو جائے۔ لیکن وہ ابھی تک جسم کی قید میں تھی۔

یاقوت کا خیال ایک بار پھر سمیرا کے دل و دماغ پر چھانے لگا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ جیسے کبھی اس نے ایک دریا پار کیا تھا اور صحراؤں میں بھٹکتی ریگ زاروں کی خاک چھانتی اس مقام پر آگئی ہے جہاں وہی بچھڑا ہوا دریا ایک موڑ گھوم کر پھر

اس کے سامنے آگیا ہے۔ دریا کا وہی سرسبز کنارہ تھا۔ وہی اس کے پانی کی ٹھنڈی خوشبودار ہوائیں تھیں۔ سمیرا کو یاقوت کی محبت بھری یادوں نے جیسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ مکان کے اسٹوڈیو میں دن بھر یاقوت کی خیالی تصویریں بناتی رہتی۔ دن میں ایک بار عقبی اسٹور میں بھی جاتی کہ شاید وہاں کبھی اسے یاقوت کی خوشبو آجائے۔ مگر ایسا واقعہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یاقوت کی خوشبو اسے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ وہ موسم بہار کی شام کو لوکاٹ اور آلوچے کے درخت کے پاس بیٹھ کر چائے پیتی اور یاقوت کو یاد کرتی۔ خیال ہی خیال میں اس سے باتیں کرتی۔ کبھی کبھی دھیمی آواز میں اس کا نام لے کر پکارتی۔

"یاقوت۔ تم کہاں چلے گئے ہو؟"

مگر جواب میں وہی گہری خاموشی چھائی رہتی۔ سلمان کی بیماری کے دوران صرف ایک بار اس نے اپنی جھلک دکھائی تھی وہ بھی دور سے۔ جب سمیرا اس کے قریب آئی تو وہ جا چکا تھا۔ سلمان کے انتقال کے بعد سمیرا پر یہ حیرت انگیز حقیقت کھلی کہ وہ اصل میں یاقوت ہی سے محبت کرتی تھی۔ سلمان اس محبت کی بازگشت تھی۔ یاقوت کے غائب ہو جانے اور ایک مدت تک اپنی شکل نہ دکھانے کے بعد سمیرا کو زندگی میں ایک خلا محسوس ہونے لگا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب سلمان اس کی زندگی میں آیا اور اس نے وہ خلا پر کر دیا۔ سمیرا کا خیال تھا کہ اب وہ یاقوت کو بھول چکی ہے۔ مگر ایسی بات نہیں تھی۔ یاقوت کی محبت کا نقش بڑا گہرا تھا۔ یہ سمیرا کی پہلی محبت تھی۔ محبت کا وہ مقام تھا جہاں سے محبت شروع ہوتی تھی۔ جہاں سے محبت کے سارے دریا ساری ندیاں نکلتی تھیں اور اپنے اپنے مزاج کے مطابق اپنے اپنے علاقوں کی طرف بہنا شروع ہو جاتی تھیں۔ سمیرا کو تب یہ احساس ہی نہیں تھا کہ کتنا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ آگیا ہے۔ اس کا ایک ہاتھ حقیقی محبت نے ضرور تھام رکھا تھا مگر وہ خود دنیاوی محبتوں کی اذیتوں' لالچوں اور خود غرضیوں اور عذابوں کے کانٹوں بھرے جنگل سے گزر رہی تھی۔ سلمان کی وفات کے ساتھ ہی اس دشوار گزار دنیاوی محبت کا سفر ختم ہوا تو سمیرا کو محسوس ہونے لگا کہ وہ کسی دلدل سے نکل کر باہر آگئی ہے۔

سمیرا رات کو پلنگ پر لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی ہوتی تو اچانک اس کا خیال یاقوت

کی طرف چلا جاتا۔ وہ آہستہ آہستہ سانس اندر کو کھینچتی کہ شاید یاقوت کی خوشبو آجائے۔ کبھی رات کو اٹھ کر ویران اسٹور روم کی طرف آجاتی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں اس نے پہلی بار یاقوت کو دیکھا تھا اس کی خوشبو کو اپنے ہونٹوں کے قریب محسوس کیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اسٹور روم اسی طرح ویران اور تاریک تھا۔ وہ ادھ کھلے دروازے میں کھڑی تاریکی میں یاقوت کی چمکیلی آنکھوں کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کرتی۔ کسی وقت اس کو آواز بھی دیتی۔ اس کا نام لے کر اسے پکارتی۔ پھر اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں اور وہ تھکے تھکے سے قدم اٹھاتی واپس بیڈ روم میں آجاتی۔

قدرت نے عورت کے دل کو محبت کا گہرا سمندر بنایا ہے۔ عورت کی محبت کی گہرائی تک کسی مرد کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ وہ عورت کی محبت کو کبھی شروع سے آخر تک نہیں جان سکتا۔ وہ صرف عورت کی محبت کے ایک ہی چہرے ایک ہی شکل سے واقف ہے۔ اور اس شکل کو بھی تھوڑی دیر تک دیکھتا ہے اور اکتا جاتا ہے۔ عورت محبت کے سفر میں کہاں تک جاتی ہے' کن کن دشوار گزار مراحل سے گزرتی ہے اور خاوند کی محبت سے لے کر اولاد اور ماں باپ کی محبت تک کتنے روپ بدلتی ہے؟ اس کا اندازہ شاید ہی کسی مرد کو ہوا ہو۔ عورت محبت میں کیا کیا کچھ قربان کر سکتی ہے؟ اس کا حساب کتاب بھی کبھی کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔ مرد تو عورت کے ساتھ تھوڑی دور تک ہی چلتا ہے۔ وہ عورت کی محبت کے چھوٹے چھوٹے گلی کوچوں کی ہی سیر کر کے تھک جاتا ہے۔ جب کوئی مرد حوصلہ کر کے عورت کی محبت کے گلی کوچوں سے نکل کر محبت کے ہائی وے تک آنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ محبت کی وسعت اور بیکرانیاں دیکھ کر ششدر ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ عورت کی محبت کو کبھی ماں' کبھی بہن' کبھی بیوی اور کبھی بیٹی اور کبھی صرف محبت کرنے والی عورت کے روپ میں قربانیوں اور ایثار کی سربلندیوں کو چھوتے دیکھتا ہے اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ بیوی خاوند سے محبت نہ بھی کرتی ہو اور صرف اس کی خدمت ہی کرتی ہو تو وہ خاوند اس عورت کا احسان ہزار بار پیدا ہو کر بھی نہیں چکا سکتا۔ عورت چاہے سان فرانسسکو کے کسی کلب کی ڈانسر ہو یا پاکستان کے کسی دیہات کی غریب محنت کش لڑکی ہو' وہ ہر جگہ مظلوم ہے۔ اس پر مرد ہر جگہ ظلم کرتا ہے۔ ہر جگہ اس کا حق مارا جاتا

ہے۔ ہر جگہ اس پر جبر و ستم کیا جاتا ہے۔ میں نے نیویارک اور پیرس کے قحبہ خانوں میں رہنے والی عورتوں کو نیک زندگی گزارنے کی خواہش میں روتے دیکھا ہے۔ یورپ میں اپنی مرضی سے آزاد زندگی بسر کرنے والی عورت کو بھی میں نے جنگل میں بھٹکنے والی اس ہرنی کی طرح خوف زدہ پایا ہے جس کو احساس ہو گیا ہو کہ شیر کہیں اس کے آس پاس ہی ہے۔ یہ ترقیاں یہ آزادیاں' یہ اونچی پروازیں' یہ سب فراڈ ہے۔ نہ مرد اندر سے بدلا ہے نہ عورت کے اندر کوئی تبدیلی آئی ہے۔ دونوں ابھی تک اسی طرح ہیں جس طرح آج سے دو تین لاکھ سال پہلے جنگل میں رہا کرتے تھے۔ باہر سے مرد حقوق نسواں پر دھواں دار تقریریں کرتا ہے۔ اقوام متحدہ میں میز پر مکے مار مار کر عورت کی آزادی اور خود مختاری کے حق میں بولتا ہے مگر جوں ہی موقع ملتا ہے عورت کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے میں لے جاتا ہے۔

سمیرا نے اپنی شادی شدہ زندگی میں کیا کیا عذاب نہیں جھیلے تھے۔ کیسی کیسی تکلیفیں اور اذیتیں نہیں اٹھائی تھیں۔ اس ایک مرد نے تھوڑی سی محبت کی خوشی کے بدلے اسے ایک ہزار ایک مردوں کے عذاب دیئے تھے۔ پھر بھی سمیرا کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائی تھی۔ شروع میں اس نے تھوڑا احتجاج کیا' اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یہ آواز بھی خاموش ہو گئی۔

ایک رات اپنا بڑا خیال آیا۔ وہ رو پڑی۔ کیسے کیسے خواب اس نے دیکھے تھے۔ کتنے خوبصورت منظر تھے جب اس نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آنسو ابھی خشک نہیں ہوئے تھے کہ اسے نیند آگئی۔ پھر اس نے ایک خواب دیکھا۔ خواب میں دیکھا کہ وہ ایک پہاڑی راستے پر اکیلی چلی جا رہی ہے۔ کالے کالے بادل اس کے سر کے بڑے قریب سے ہو کر گزر رہے ہیں۔ خشک سی ہوا چل رہی ہے۔ جس کچی پگ ڈنڈی پر وہ چلی جا رہی ہے وہ ایک بہت بڑے قلعے کے گیٹ پر جا کر ختم ہو گئی۔ قلعے کا پھاٹک بند تھا۔ سمیرا کو قلعے کے اندر سے ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جیسے لوگ رو رہے ہوں۔ آہ و بکا کر رہے ہوں۔ غصے میں چلا رہے ہوں۔ ایسی آوازیں بھی سنائی دیں جیسے کوئی سخت اذیت میں کسی کو مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ سمیرا

خواب میں سوچنے لگی کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ یہ سب کچھ خواب میں ہو رہا ہے۔ مگر یہ کون لوگ تھے جو اونچی فصیل والے پرانے قلعے کے اندر آہ و زاری کر رہے تھے؟ سمیرا کو کچھ خوف محسوس ہوا۔ وہ ڈر کر پھاٹک سے پیچھے ہٹی تو کسی نے اس کے کندھے پر بڑی نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک آواز سنی۔ پھر اس نے ایک خوشبو محسوس کی۔ اس نے آواز پہچان لی۔ خوشبو نے اسے بتا دیا کہ وہ کون ہے مگر سمیرا اس شخص کا نام بھول گئی جس کی یہ خوشبو تھی۔ جس نے اس کے کندھے پر اپنا محبت بھرا ہاتھ رکھا تھا۔ جس نے اسے اس کا نام لے کر کہا تھا۔

"مت گھبراؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں لوگوں کو اپنی لگائی ہوئی آگ میں جلتے دکھاتا ہوں۔"

سمیرا نے بہت یاد کرنے کی کوشش کی مگر اسے اس شخص کا نام یاد نہ آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ نام یاد نہ آنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑا اس شخص کے ہاتھوں کی نرمی اور آواز کی پر سکوں محبت میں اس کا نام تحلیل ہو گیا تھا۔ گویا اس شخص کا نام سمیرا کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا وہ خوش تھی۔ بڑی خوش تھی۔ اس نے اجنبی دوست کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ اسے اجنبی دوست کی شکل دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ شکل نظر نہ آنے پر پریشان بھی نہ ہوئی۔ ایک گہرے بے انتہا سکون کی کیفیت اس کے سارے جسم پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ خواب میں ہی سوچنے لگی کہ میں کسی ایسے مقام پر آ گئی ہوں جہاں کسی چیز کا کوئی نام نہیں ہے۔ جہاں کسی چیز کی کوئی شکل نہیں ہے۔ یہ نام کے تجویز کئے جانے اور شکل کے وجود آنے سے پہلے کی حالت ہے۔ یا نام کے ختم ہو جانے اور وجود کے فنا ہو جانے کے بعد کی حالت ہے۔ یا ان دونوں حالتوں کے درمیان کی حالت ہے۔ سمیرا کو لگ رہا تھا کہ وہ ان ساری باتوں کی تہہ تک پہنچ چکی ہے۔ وہ سب کچھ جان گئی ہے۔ وہ سب کچھ سمجھ رہی ہے۔ مگر قلعے کے اندر سے جو چیخیں، آہیں اور ہچکیاں بلند ہو رہی تھیں جو آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں ان کا قصہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اجنبی دوست سمیرا کو لے کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ پھاٹک کے دیو ہیکل لوہے کے کواڑ بند تھے مگر وہ دونوں ان بند کواڑوں کے درمیان سے گزر گئے۔ پھر جیسے ایک

سیاہ بادل نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس بادل میں کبھی اس کا جسم گرم ہو جاتا اور کبھی اسے سردی محسوس لگتی۔ اجنبی دوست نے بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا وہ اس کے ساتھ ایسے چل رہی تھی جیسے ہوا میں چل رہی ہو۔ بادلوں کی سیاہی دور ہوتی گئی۔ صرف ہلکی ہلکی دھند باقی رہ گئی۔ وہ زمین کی ڈھلان اتر رہی تھی۔ آہ و بکا کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ اپنی بائیں جانب اس نے ایک گڑھا دیکھا۔ اس میں ایک آدمی کو دیکھا کہ ایک بہت بڑے ترازو کے سامنے کھڑا ہے۔ ترازو کے دونوں پلڑوں میں آگ کے انگارے دہک رہے ہیں۔ وہ دوڑ کر ایک پلڑے کے انگاروں پر بیٹھ جاتا ہے۔ آگ میں اس کا جسم جلنے لگتا ہے تو وہ درد سے چلاتا ہے۔ مگر ترازو کا پلڑا اسے نہیں چھوڑتا۔ جب انگاروں کی آگ اس کے جسم کے خون سے بجھ جاتی ہے تو وہ شخص چلاتا ہوا دوسرے پلڑے کے انگاروں پر جا کر بیٹھ جاتا ہے اور درد سے بلبلانا شروع کرتا ہے۔ جب اس پلڑے کی آگ بجھ جاتی ہے تو نیچے اتر کر دوسرے پلڑے کی طرف بھاگتا ہے جس کے انگارے ایک بار پھر پوری تابکاری کے ساتھ دہک رہے ہوتے ہیں۔ وہ لپک کر ان انگاروں پر بیٹھتا ہے اور درد سے چیخنے لگتا ہے۔ سمیرا کے کان میں اجنبی دوست کی آواز آئی۔ "یہ چیزوں کے پورے پیسے لے کر چیزیں کم تول کر دیتا تھا۔"

سمیرا ڈر کے آگے بڑھتی ہے۔ آگے ایک اور گڑھا نظر آتا ہے۔ اس گڑھے میں ایک آدمی گردن تک زمین میں دھنسا ہوا ہے۔ دو سانپ اس کی گردن سے لپٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے پھن اٹھا رکھے ہیں اور باری باری اس آدمی کی زبان پر ڈس رہے ہیں۔ اجنبی دوست نے کہا۔

"یہ وہ شخص ہے جو غیبت کرتا ہے۔"

اتنے میں ایک جانب سے اندوہناک چیخ کی آواز بلند ہوتی ہے سمیرا اس طرف گئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ گڑھے کے اندر ایک آدمی شاندار تخت پر بیٹھا ہے۔ ایک حبشی غلام طشت میں شربت کا پیالہ لئے کھڑا ہے۔ آدمی بڑا خوش ہو کر شربت پیتا ہے۔ پھر حبشی تلوار نکال لیتا ہے۔ آدمی کی چیخ نکل جاتی ہے۔ حبشی اس کی گردن اڑا دیتا ہے۔ سر دھڑ سے جدا ہو جاتا ہے۔ جلاد سر کو دوبارہ دھڑ پر لگا دیتا ہے۔

"یہ آدمی لوگوں کو نقلی چیز اصلی کہہ کر فروخت کرتا تھا۔ چیزوں میں ملاوٹ کرتا تھا۔"

اس سے اگلی خندق میں ایک آدمی کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کا جسم شعلوں میں لپٹا ہوا ہے اور وہ آہ و بکا کرتا ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہے۔ جیسے جیسے دوڑتا ہے آگ کے شعلوں میں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے۔

"یہ دنیا میں رشوت خور تھا۔ رشوت لئے بغیر کسی کا جائز کام بھی نہیں کرتا تھا۔"

پھر اسے ایک اندھا کنواں دکھایا گیا جس میں برف سے زیادہ سرد دلدل تھی اور اس میں کچھ لوگ ابھر ابھر کر ڈوب رہے تھے اور سرد آہیں بھر رہے تھے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا اور اس کے رسولؐ کے کے احکامات سے روگردانی کی۔

اس کنویں سے آگے ٹھنڈی تاریکی کا حلقہ شروع ہوتا تھا۔ سمیرا کے قدموں میں آگے چلنے کی سکت نہ رہی۔ وہ خوف زدہ تھی۔ اس کا بدن خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا یہ دوزخ ہے؟"

وہی آواز اسے سنائی دی۔

"یہ علم صرف خدا کی ذات کو ہے۔ ہو سکتا ہے دوزخ کا عذاب اس کے آگے شروع ہوتا ہو کیا تم ڈر رہی ہو؟"

"ہاں۔ ہاں۔ خدا مجھے معاف کرے۔ خدا مجھے معاف کرے............"

اور جب سمیرا کی آنکھ کھلی تو یہی توبہ استغفار کا ورد اس کی زبان پر تھا۔ اس پر رقت طاری تھی اور آنکھوں سے آنسو رواں تھا۔ اس خواب نے سمیرا کی زندگی پر گہرا اثر کیا۔ پہلے بھی وہ کوئی غیر مذہبی عورت نہیں تھی۔ خواب میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اسے ایک حقیقت سمجھتی تھی اور اس حقیقت نے اس کی نفسیات کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ خالق کائنات کی تخلیقات سے پہلے بھی اسے محبت تھی۔ اب وہ ان تخلیقات کے پیچھے ایک ایسا عمل کار فرما دیکھ رہی تھی جو ہر گھڑی' ہر زماں اپنے ہر فعل کا جواب دہ تھا۔ سمیرا کا دل پہلے سے زیادہ گداز ہو گیا۔ آنکھوں کے سامنے کچھ اور منظر کھل گئے۔ اپنے پہاڑی بنگلے سے ملحقہ تھوڑی بہت جو زمین تھی

ور جسے اس نے سلمان کے نام کر رکھا تھا' وہ زمین سمیرا نے فروخت کر دی اور اس ی ساری رقم شہر کے ایسے ادارے کو دے دی جو بے سہارا بچوں کی پرورش اور نگہداشت کرتا تھا۔ نوری اور اس کے باپ کے واسطے سمیرا نے کوٹھی کے عقبی حاطے میں سرونٹ کوارٹر تڑوا کر تین کمروں والا ایک مکمل پورشن بنوا دیا۔ اپنے وکیل کو گھر بلوا کر سمیرا نے وصیت بھی لکھوا دی۔ اس نے وصیت میں لکھوایا کہ اس کی فات کے بعد کوٹھی کا آدھا حصہ جس میں نوری کا مکان بھی آجاتا ہے نوری کو دے یا جائے۔ باقی آدھے پورشن کو سمیرا نے شہر کے ایک مشہور دینی ادارے کے نام کر یا۔ اس کے بعد سمیرا نے بینک میں جمع شدہ اپنی کل رقم کا جائزہ لیا۔ پھر اس نے حساب لگا کر دیکھا کہ اگر وہ بے حد فراخ دلی سے بھی روپیہ خرچ کرے تو وہ اس رقم سے کم از کم چالیس سال کی زندگی بڑی آسانی سے گزار سکتی ہے۔ اب اس نے اپنی عمر کا جائزہ لیا۔ اس حساب سے وہ زیادہ سے زیادہ بیس بائیس برس تک زندہ رہ سکتی تھی۔ اسے کچھ عارضے بھی لاحق ہو گئے تھے جن کے لئے وہ مسلسل گولیاں کھاتی رہتی تھی۔

ایک سال بعد اس نے نوری کے لئے اچھا سا لڑکا دیکھ کر شادی کر دی۔ نوری کا گھر آباد ہو گیا۔ اس کا خاوند بڑا شرمیلا سا دیہاتی نوجوان تھا۔ وہ گاؤں میں کسی ٹرانسپورٹ کمپنی میں کلینر تھا۔ اسے ڈرائیونگ آتی تھی۔ سمیرا نے تھوڑی سی مزید ٹریننگ دے کر اسے اپنا ڈرائیور رکھ لیا۔ اس کا نام عباد علی تھا۔ عباد علی بڑا ایماندار اور محنتی لڑکا تھا۔ اس نے بہت جلد ساری کوٹھی کی دیکھ بھال کا کام بھی سنبھال لیا تھااور اپنے سسر سلیمان کو برآمدے میں چارپائی ڈال دی اور اس کی بھی خدمت کرنے لگا۔ نوری بڑی خوش تھی۔ سب سے زیادہ خوشی سمیرا کو تھی۔ نوری کا گھر آباد ہو گیا تھا۔ سال بعد اللہ نے اسے چاند سالڑکا عطا کر دیا۔ نوری کے گھر میں رونق لگ گئی۔ سمیرا نے دونوں میاں بیوی کی تنخواہ میں دوگنا اضافہ کر دیا۔ گھر میں کھانے پینے کو سب کچھ تھا۔ نوری کے کنبے کو کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ نوری اب پہلے سے زیادہ سمیرا کا خیال رکھتی۔ وہ وقت پر اسے کھانا' چائے اور رات کو دودھ کا گلاس دیتی۔ رات کو دودھ کا ایک گلاس پینا سمیرا نے اپنی عادت بنا لی تھی۔ دودھ کو وہ ایک پاکیزہ خوراک

اور خدا کا نور سمجھتی تھی۔ چار بجے وہ چائے پیتی۔ کھانے کے بعد تھوڑی سی کافی پیتی اور رات کو سونے سے پہلے دودھ کا گلاس ضرور پی لیتی۔

سیمرا کی زندگی کا اب معمول یہ تھا کہ وہ منہ اندھیرے اٹھتی۔ وضو کرتی۔ کلام پاک کی تلاوت کے بعد صبح کی نماز پڑھتی اتنی دیر میں صبح ہو جاتی۔ اپنے کمرے میں ہی ناشتہ کرتی۔ موسم خوشگوار ہوتا تو آلوچے اور لوکاٹ کے درختوں کے پاس بیٹھ کر ناشتہ کرتی۔ اس کے بعد دوسری منزل پر واقع اپنے اسٹوڈیو میں آجاتی اور دوپہر تک کسی نہ کسی کینوس پر کام کرتی رہتی۔ دوپہر کا کھانا نیچے آکر کھاتی۔ کھانے کے بعد تھوڑا آرام کرتی۔ تیسرے پہر کی چائے کبھی اکیلے کبھی نوری کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے پیتی۔ رات کو صرف ایک دو سینڈوچز بنوا کر کھالیتی اور کافی پینے کے بعد رات گیارہ بجے تک مطالعہ کرتی رہتی۔ جب نیند آنے لگتی تو دودھ کا گلاس پی کر سو جاتی۔

یہ تو اس کے معمولات تھے لیکن عمل اس کے ذہن میں بھی چل رہا تھا۔ یہ یادوں، پچھتاوؤں حزن و ملال اور بیتے ہوئے خوشی کے دنوں کا عمل تھا۔ ان کی یادوں کا عمل تھا۔ ان یادوں کے حصار میں اس نے اپنے آپ کو بند کر لیا باہر کی دنیا سے اس کا رابطہ محض ریڈیو اور ٹیلی وژن کی خبروں کی حد تک تھا۔ ٹیلیوژن پر وہ سوائے خبروں کے بلیٹن کے اور کچھ نہیں دیکھتی تھی۔ اس کے اپنے ذہن کے اندر ایک ٹیلیوژن لگا ہوا تھا جس کے اسکرین پر اس کی گزری ہوئی زندگی کی یادوں کی فلم چلتی رہتی تھی۔ پھر اس نے مارکیٹ سے ایک بڑی خوبصورت قیمتی کاپی خریدی اور اس پر ڈائری لکھنی شروع کر دی۔ ایک دن اس نے لکھا۔

"میں اتنے بڑے مکان میں اکیلی ہوں۔ برف باری کے موسم میں مکان کی چھتوں پر برف جم جاتی ہے۔ یہاں کبھی کوئی مجھ سے ملنے نہیں آتا۔ سلمان مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا ہے۔ شاید میں اسے یاد بھی نہیں رہی۔ اندھیری راتوں میں خاموشی سے گرنے والی شبنم کو کون یاد رکھتا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں بالکل اکیلی ہوں اور گمنام سمندروں میں ابھری ہوئی کسی چٹان کی طرح سب سے الگ، سب سے جدا، میری سنگین پیشانی پر منجمد تنہائیوں کی مہر لگی ہے۔ کبھی کوئی پرندہ گیت گاتا میرے اوپر سے نہیں گزرا۔ کبھی کوئی جہاز اپنے پیارے وطن کو واپس جاتے مسافروں کو لے کر میرے

ندر میں سے نہیں گزرتا۔ تنہائی کے بیکراں سمندر میں صرف میں ہوں اور مجھ سے راتی موجیں ہیں۔ میں تنہائی کے اس جزیرے میں عمر بھر کے لئے جلا وطن کر دی گئی وں۔ غروب آفتاب کے بعد جب میں چیڑ کے درختوں سے نکل کر اپنے پہاڑی بنگلے ے گیٹ کی طرف بڑھتی ہوں تو یہ مجھے ایک پرانے آسیب زدہ قلعے کی طرح لگتا ہے س کی گرد آلود غلام گردشوں اور تاریک کمروں میں شکستہ دل شہزادیوں کی روحیں نڈلاتی پھر رہی ہوں۔ یہ ویران مکان جو مجھے کبھی اتنا پیارا تھا کہ میں اس سے کبھی دا نہیں ہوتی تھی۔ شہر میں کبھی کوئی رات اس کے بغیر نہیں گزارتی تھی۔ جہاں کبھی روشنیوں اور مہمانوں کے قہقہوں اور نازک اندام عورتوں کے ریشمی ملبوسات کی وشبوؤں میں میری سالگرہ منائی جاتی تھی۔ آج اس مکان پر کسی شکست خوردہ قلعے کا گمان ہوتا ہے۔ وہ روشن اور گرم دن، وہ محبت بھرے دن، کہاں کھو گئے؟ آہ! موم بتی بجھ جاتی ہے تو اس کا شعلہ کہاں کھو جاتا ہے؟ کبھی اس گھر کے آسمان کی رات روشن ستاروں سے چمکا کرتی تھی۔ ایک ایک کر کے سارے ستارے ٹوٹ گئے۔ سارے ستارے اپنے پیچھے راکھ کی لکیریں چھوڑے بجھتے چلے گئے۔ کیا گزرے ہوئے دن پھر کبھی مجھ سے ملنے نہیں آئیں گے؟ میں نے تو ان دنوں کے ساتھ کبھی سرد مہری کا سلوک نہیں کیا تھا۔ میں نے ہر طلوع ہوتے دن کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا تھا اور مسکراہٹوں کے ساتھ اسے الوداع کہا تھا۔ پھر وہ مجھ سے ناراض کیوں ہو گئے؟ اگر انہیں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آنا تھا تو پھر مجھے یہاں اکیلا کیوں چھوڑ گئے؟ مجھے بھی اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟ اب میں ان کی تلاش میں کیسے گھر سے نکلوں؟"

میرے دن کا سورج غروب ہو رہا ہے۔

اب اگر میں ان روشن دنوں کی تلاش میں نکلی تو مجھے راستے میں رات ہو جائے گی۔ کیا وہ دن بھی کبھی آئے گا۔ جب میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی دیکھوں گی کہ گیٹ میں سے یاقوت میری طرف چلا آرہا ہے۔ اس کا ایک ہاتھ واسکٹ کی جیب میں ہے اور دوسرے ہاتھ میں چاندی کے ہولڈر ہیں۔ سگریٹ سلگ رہا ہے اور اس کی آنکھوں میں غروب آفتاب کی روشنی ہے۔ شاید ایسا اب کبھی نہیں ہو گا۔ شاید وہ دن میری قسمت میں نہیں لکھا گا جس دن کا سورج مجھے یاقوت کے سینے پر سر رکھ کر

آنسو بہاتے دیکھے گا۔ جانے وہ دنیا کے کس ملک میں ہے۔ تاریخ کے کس زمانے میں ہے۔ کسی وقت جی چاہتا ہے کہ اس کے نام گزرتی یادوں کے ہاتھ ایک خط لکھوں اور کہوں۔

میرے لیموں کے پیڑ سفید خوشبودار شگوفوں سے بھر گئے ہیں۔ راتیں گرم ہو گئی ہیں اور چاند بڑی دیر بعد طلوع ہوتا ہے۔

میں ان خوشبودار اندھیروں میں تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ زندگی کی آخری منزل باقی رہ گئی ہے۔

زندگی کا آخری دریا باقی رہ گیا ہے۔ میرا ہاتھ تھام کر مجھے یہ دریا بھی پار کرا دو۔

لیکن میں نہیں جانتی یاقوت کہاں ہے۔ شاید موسم بھی ان بادلوں سے واقف نہیں جن میں یاقوت کا گھر ہے۔ کیا ہوا کے ساتھ اڑتے ہوئے زرد پتے پر محبت کا پیغام لکھ دینے سے خط یاقوت کو مل جائے گا؟ تنہائی کی خاموش لہریں دبے پاؤں میرے پاس آتی ہیں اور مجھے طرح طرح کے خواب دکھا کر چپ چاپ واپس چلی جاتی ہیں۔ تنہائی یہ ہیجانی سمندر جب بالکل ساکن ہوتا ہے تو کوئی ان دیکھا مہربان ہاتھ میری پیشانی کو بڑی محبت سے چھوتا ہے اور پھر مجھے اپنے ارد گرد خوشبوؤں بھری سرگوشیاں سی سنائی دیتی ہیں۔ جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ 'سمیرا' زرد چہرے اداس آنکھوں والی سمیرا' میرے پاس آجاؤ' ہم بادلوں کے رتھ پر سوار ہو کر کہکشاں کی شاہراہوں پر سفر کرتے ہیں۔ ہمارے پاس آجاؤ..........

لیکن میری سہیلیو! میں تمہارے پاس کیسے آؤں۔ اگر میرے پیچھے وہ میری محبت کا پہلا سورج طلوع ہو گیا تو مجھے گھر میں نہ پا کر وہ غروب ہو جائے گا اور پھر شاید میں ابد تک اس کی صورت نہ دیکھ سکوں گی۔ میری آنکھیں ابھی یاقوت کا انتظار کر سکتی ہیں ابھی میری آنکھوں میں اپنے محبوب کو دیکھنے کے لئے روشنی کی کرن باقی ہے۔ ابھی دن پوری طرح نہیں ڈوبا۔ ابھی دن کا کچھ حصہ باقی ہے۔ ابھی ڈوبتی شام نے دن کی روشنی کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ ہاں۔ اگر جب سورج غروب ہو گیا اور رات ہو گئی اور رات نے اپنے تاریک پردے گرا دیے تو پھر اس مکان کی کھڑکی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گی اور جنگلی گلاب کی بیلیں اسے اپنے اندر چھپا لیں گی۔ پھر میں اپنے

رے کی تمام موم بتیاں گل کر دوں گی اور نرگس کے مرجھائے ہوئے پھول اپنے ڑے میں سجا کر رات کے بے نور راستوں پر نرمی سے قدم رکھتی تمہارے پاس پہنچ ؤں گی اور تمہارے ساتھ آسمانی رتھ میں سوار ہو کر کہکشاؤں کے غبار میں گم ہو ں گی۔

اجنبی دیس کے شہزادے! وقت تمہارے صبا رفتار شاہی گھوڑے سے بھی زیادہ ز دوڑتا ہے۔ نہ میں اس کی باگ سنبھال سکتی ہوں نہ تم اس پر ہاتھ ڈال سکتے ہو۔ وت! میری اولین محبت میری حنا میں ڈوبی ہوئی خوشبودار انگلیاں ساز کے تاروں پر پنے نغمے کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں اور میں تمہیں تاریک سمندروں کے نوحے سنا ہی ہوں۔ یاقوت! اس وقت اگر تم میرے ساتھ کھڑکی سے باہر آکر آسمان کی طرف یکھو تو تمہارا چہرہ سنہری ہو جائے۔ گہرے نیلے آسمان پر سنہرے بادلوں کی خوبصورت نہری پریاں محو خرام ہیں۔ کوئی جھک کر دنیا کے کسی باغ کو دیکھ رہی ہے۔ کوئی نہزادیوں کی طرح تخت پر نیم دراز ہے۔ کوئی رنگین دھنک کی کمان میں الجھا ہوا اپنا سنہری آنچل چھڑا رہی ہے۔ اگر تم میرے پاس ہوتے تو ہم بھی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کے ان سنہری منظروں میں گم ہو جاتے۔

کاش یہ حقیقت تمہیں معلوم ہو جاتی کہ تم میرے لئے وہ لطیف ترین خوشبو ہو جو دنیا کے بلند ترین پہاڑ کی وادیوں کے جنگل میں کھلے ہوئے رتنا کلی پھول کے دل سے طلوع ہو کر میرے پاس آتی ہے..........

میری کھڑکی سے باہر چنار کے درختوں کے پیچھے سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا ہے۔ شام گہری ہو کر نیچے ہی نیچے گرتی جا رہی ہے اور میں سوچ رہی ہوں کہ میری رات کیسے بسر ہو گی؟ صبح بیدار ہونے کے بعد میں کسے دیکھوں گی؟ جب تم میرے پاس ہوتے تھے تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے بہار کی پھولوں بھری چادر کسی نے میرے اوپر ڈال دی ہے۔ جیسے میں تمہارے ساتھ کشتی میں بیٹھی پر سکون نیلے سمندروں میں بہتی چلی جا رہی ہوں..........

یاقوت! خزاں کا زرد پتا جب اپنی ڈالی سے ٹوٹ کر گر پڑتا ہے تو پھر وہ خزاں کی ہواؤں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ خزاں کی ہوائیں مجھے بھی اپنے ساتھ اڑا کر لے

جائیں گی۔ کہاں؟ کس دیس میں؟ کچھ معلوم نہیں۔ زندگی کی رات ڈھل رہی ہے۔

کبھی بیٹھے بیٹھے یوں لگتا ہے جیسے تم میرے قریب ہو۔ میں ہاتھ بڑھا کر تمہارے چہرے کو، تمہارے سنہری بالوں کو چھونا چاہتی ہوں اور یہ سب کچھ غائب ہو جاتا ہے۔

یہ کتنی دل میں شگاف ڈالنے والی محرومی ہے۔ عمارت چاہے کتنی پرانی کیوں نہ ہو جائے۔ لیکن اسے کھنڈر بننے کے لئے بھی ایک روح فرسا جدوجہد ایک اذیت ناک زوال کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ میں بھی جس عمارت میں بیٹھی یہ ڈائری لکھ رہی ہوں اس کے زوال کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ ایک دن اسی کھنڈر میں دفن ہو جاؤں گی......... میں آلوچے کے پھولوں بھرے درخت کے پاس بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں اور تم اپنے سینے میں ہزاروں برس کی محبتوں کا راز چھپائے نہ جانے کن وادیوں میں کھو چکے ہو۔ تم میرے دل کا حال نہیں سمجھ سکتے تم میرے دل کے دکھ درد کو نہیں جان سکتے۔ تمہیں کیا معلوم کہ میرے دل میں تمہاری محبت نے کہاں کہاں زخم لگائے ہیں...............

یاقوت! اگر تم اپنی ماورائی دنیا سے نکل کر میرے پاس آجاؤ تو ہم اس دنیا کی اس جنت ارضی کی وسعتوں میں نکل جائیں۔ ہم برف پوش پہاڑوں کے دامن میں سرسبز وادیوں میں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھومیں۔ جہاں برف پگھلنے کے بعد خوبانی کے درختوں پر گلابی پھول روشن ہوں۔ جنگلی ہواؤں کے جھونکے سیب اور ناشپاتی سے بھرے ہوئے درختوں کو چوم کر گزر رہے ہوں۔ آج مجھے وہ کشمیری گیت یاد آرہا ہے جو تم نے مجھے ایک بار سنایا تھا۔

آرول کے پھولوں میں تلاش کروں گی۔
خوبانی کے باغ میں تلاش کروں گی۔
زعفران کے کھیتوں میں تلاش کروں گی.............

یاقوت! آج خوبانی کے درختوں اور زعفران کے کھیتوں والا کشمیر آگ کے شعلوں میں جل رہا ہے۔ کشمیر کا بچہ بچہ آزادی کے لئے اپنے خون کے، اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہا ہے۔ آج کشمیر کی وادی خون اگلتی ہے۔ آگ اگلتی ہے۔ جنت ارضی کا یہ خطہ انڈین فوجوں کی ہولناک درندگی کا شکار ہے۔ وہ کونسا ظلم ہے جو

کشمیری اپنی مرضی سے، اپنے دین کے اصولوں پر چل کر زندہ رہنے کا اپنا پیدائشی حق مانگتے ہیں.......... یاقوت! جب اس طرف خیال جاتا ہے تو میں اپنے سارے دکھ ساری اذیتیں بھول جاتی ہوں اور پھر یہی دل چاہتا ہے کہ کسی طرح کشمیری مجاہدوں کے ساتھ شانہ بشانہ آزادی کشمیر کی جنگ لڑوں اور فتح کی منزل تک پہنچنے تک یہ جنگ لڑتی رہوں۔ مگر کیا کروں۔ زمین نے میرے پاؤں جکڑ رکھے ہیں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ رہی ہیں۔ تم نے ایک بار مجھے کہا تھا۔ سمیرا! ہمیشہ نیکی اور سچائی کے راستے پر چلنے کی کوشش کرنا۔ صرف یہی ایک عمل ایسا ہے جو اس عارضی زندگی کے ختم ہو جانے کے بعد تمہارے کام آئے گا۔ وہاں میں بھی تمہارے کام نہ آسکوں گا جو تم سے اتنی محبت کرتا ہوں۔ ہاں یاقوت! میں ہمیشہ اسی راستے پر چلنے کی کوشش کروں گی۔ انسان اپنے برے اعمال کی آگ میں کس طرح جلتا ہے۔ اس کی ایک جھلک میں نے دیکھ لی ہے۔ کاش یہ سب کچھ میں دوسروں کو بھی دکھا سکوں! میں خدا کے حضور سجدے میں گر کر اس سے نیکی اور سچائی کی بھیک مانگتی ہوں۔ اس لئے کہ خالق کائنات ہی انسان کو نیکی اور سچائی کا راستہ دکھاتا ہے...............

ڈائری میں اپنے محسوسات درج کرنے سمیرا کے دل کو بڑی تسکین ملتی اور جیسے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ بڑی جلدی اس کی کاپی ختم ہو گئی۔ وہ مارکیٹ گئی اور تین چار کاپیاں اکٹھی خرید لائی۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ چار برس گزر گئے ڈائری لکھنے سے بھی سمیرا کا جی بھر گیا تھا دو کاپیاں بھرنے کے بعد اس نے ڈائری لکھنا چھوڑ دیا اور زیادہ وقت تصویریں بنانے میں لگی رہتی۔

بہار کے موسم کی چاندنی رات تھی۔ سمیرا کے بیڈ روم کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ نیلی چاندنی کے ساتھ بھیگی ہوئی ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے بھی کمرے میں آرہے تھے۔ سمیرا بچھونے پر لیٹی تکیئے پر سر رکھے کتاب پڑھ رہی تھی۔ ہوا کے جھونکوں میں اچانک سمیرا کو یاقوت کی پراسرار خوشبو محسوس ہوئی۔ کتاب بند کر کے وہ اٹھ بیٹھی۔ خوشبو بڑی صاف تھی۔ اس نے یاقوت کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ وہ کمرے سے نکل کر اسٹور روم کی طرف آگئی۔ یہ خالی ویران اسٹور روم رات کی خاموشی اور چاندنی میں بڑا پر اسرار منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کا ایک کواڑ تھوڑا سا کھلا تھا۔ سمیرا بے دھڑک اندر چلی گئی۔

سمیرا جیسے عالم خواب میں کسی پہاڑی کی ڈھلان سے اتر رہی تھی اسے اپنے کندھے پر کسی کا نرم پرسکون ہاتھ محسوس ہو رہا تھا' ایک انوکھی خوشبو اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی' کوئی شکل اس کے سامنے نہیں تھی' کسی کی آواز اس کے کانوں میں نہیں آ رہی تھی' قرمزی رنگ کا دھندلکا جو آہستہ آہستہ چھٹتا جا رہا تھا' کسی خیال کا مفہوم تھا جو اس کے دل میں اپنے آپ اتر رہا تھا' ڈھلان ختم ہو گئی اور اونچے اونچے درختوں کے درمیان ایک پگ ڈنڈی بل کھاتی اوپر کو جاتی تھی' پہلے پھولوں کی قطار پگ ڈنڈی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی پھر یہ پھول پگ ڈنڈی کے درمیان آ گئے سمیرا ان پھولوں پر اپنے پاؤں نہیں رکھنا چاہتی تھی اس نے پاؤں اوپر اٹھانے چاہے تو اسے محسوس ہوا کہ وہ پھولوں سے ایک فٹ بلند ہو کر چل رہی ہے ان پھولوں کے درمیان سے روشنی کی سنہری کرنیں پھوٹ رہی تھیں جیسے کسی نے ان کے نیچے قمقمے روشن کر رکھے ہوں' چڑھائی ختم ہوئی تو اس نے دیکھا کہ سامنے حد نظر تک ایک وسیع و عریض باغ ہے جس میں سیاہ وار ہرے بھرے درختوں کے نیچے زمرد کے فوارے اچھل رہے ہیں اور ایسی نہریں بہہ رہی ہیں جن کے کنارے گویا ہیرے کی چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے ہیں۔ مرمریں ستونوں والی بارہ دریاں ہیں جن کی سنگ سبز کی جالیوں میں ایسی خوشبوئیں آ رہی ہیں کہ جو ارضی دنیا میں ناپید ہیں یہ خوشبو اس خوشبو سے بھی اور لطیف تھی جو سمیرا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی وہ ایک بارہ دری کے قریب سے گزری تو روشنی کی ایک لہر سی ستونوں کے پیچھے سے نکل کر اس کے

منے آ گئی وہ رک کر اس کی طرف دیکھنے لگی روشنی کی لہر میں ستاروں کی کہکشاں سی لک رہی تھی پھر یہ کہکشاں ایک خوبصورت شکل میں بدل گئی یہ کسی عورت کے رے سے ملتا جلتا چہرہ تھا جس کے سراپا میں جگنو کی طرح کی روشنیاں جھلک رہی یں نہ بولے گئے الفاظ کا مفہوم سمیرا کے دل میں اترنے لگا جیسے وہ عورت کہہ رہی ی۔ "میرے ساتھ ساتھ چلنا" سمیرا اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ آگے ایک سرسبز شاداب پھولوں بھری وادی آ گئی جس کے کئی تختے تھے ہر تختے میں زمرد کی بارہ دریاں ھیں اور ان میں ایسے لوگ بیٹھے تھے کہ جن کے جسم روشن روشن تھے سمیرا کو ذرا ا بھی تعجب نہیں ہو رہا تھا وہ جیسے اپنے آپ سمجھ رہی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے اور یہ کون لوگ ہیں اسکے دل و دماغ کو ایک ایسے سرمدی سکون کا احساس ہو رہا تھا جس کا تجربہ اسے دنیا میں کبھی نہیں ہوا تھا دنیا کا سکون کسی ذریعہ کا محتاج ہوتا ہے جبکہ یہاں و سکون چھایا ہوا تھا وہ خود اپنا ذریعہ تھا وہ بارہ دریوں کے قریب سے گزرتی گئی ہر بارہ دری میں اس نے لوگ دیکھے جو خوشی اور انبساط کے عالم میں بیٹھے ایک دوسرے سے مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے' کنجوں میں سبز' سنہری اور سرخ انگوروں کے گچھے ٹک رہے تھے اس رنگ کے اتنے پاکیزہ انگور سمیرا نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے پھر چھوٹے چھوٹے مکانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کی دیواروں پر ہیرے جواہرات جڑے گئے تھے ہر مکان کے اندر باغ تھا جس میں چاندی ایسے فوارے چل رہے تھے سمیرا کے دل میں خیال آیا۔

کیا یہ جنت ہے؟

روشن چہرے نے اس کی طرف دیکھا اور سمیرا کے دل میں ایک مفہوم اترنے لگا۔ یہ جنت کی سیڑھیاں ہیں جنت تو اس سے آگے ہے بہت آگے ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی روح کو دنیا کے گناہوں میں آلودہ نہیں کیا یہ جنت کے مسافر ہی ہیں ان کی منزل جنت ہی ہے سمیرا کے قدم اپنے آپ اٹھ رہے تھے اسے کسی قسم کی تھکن کا احساس نہیں ہو رہا تھا روشنی کا چہرہ کہکشاں کا ہیولا اس کے ساتھ ساتھ ہم سفر تھا وہ اس کی روشنی میں اپنا سفر طے کر رہی تھی باغ کے بعد دوسرا باغ ایک تختے کے بعد دوسرا تختہ شروع ہو جاتا ہر باغ کے ہر تختے کی اپنی الگ خوشبو تھی ایسی خوشبوئیں

دنیا میں کہیں نہیں تھیں ایسے پھول دنیا کے کسی باغ میں نہیں کھلتے تھے۔ سمیرا کو اس محبت کا خیال آ گا جو اس نے یاقوت سے کی تھی۔ سلمان سے کی تھی اس نے دونوں شکلوں کو ایک شکل میں ڈھلتے اور پھر باغ کے درختوں ان کے پتوں حوض کے فواروں اور بارہ دریوں کے زمردوں ہیرے موتیوں اور لعل و جواہر میں منتشر ہو کر چمکتے دیکھا کوئی اس کے پاس نہیں تھا۔ کوئی اس سے دور نہیں تھا یہ فہم دنیا میں رہتے ہوئے سمیرا کے دل میں کبھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ "اب تمہیں واپس جانا ہے۔" جیسے کسی نے اسے آگاہ کیا' سمیرا کا دل ایک پل کے لئے بھی دنیا میں واپس جانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر اسے واپس جانا تھا وہ واپس جانے پر مجبور تھی ابھی اس کا جسم دنیا میں موجود تھا ابھی اسے دنیا میں رہ کر بڑی آزمائشوں سے گزرنا تھا اور ہر آزمائش میں اپنی روح کو اپنے ایمان کو زندہ پائندہ رکھنا تھا پہلے اس کے ہمراہ سفر کرنے والا روشنی کا ہیولا غائب ہوا پھر مرمریں بارہ دریاں سنہری مچھلیوں والے حوض جواہرات کے فوارے اور پھولوں بھرے تخت ایک ایک کر کے اس کی نگاہوں سے اوجھل ہونے لگے دور سے ہنستے مسکراتے نورانی چہرے اسے خدا حافظ کہتے دکھائی دے رہے تھے پھر ایک دھند سی چھا گئی۔ جو گہری ہوتے ہوتے بادلوں میں تبدیل ہو گئی' سمیرا جیسے ان بادلوں میں پرواز کر رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اسے اپنے جسم کا بوجھ محسوس ہونے لگا اور وہ زمین کی طرف اترنے لگی بادل چھٹتے گئے اور اس نے نیچے دریا کنارے پھیلی ہوئی پہاڑی وادی دیکھی جس کی سرسبز ڈھلانوں پر سرخ چھتوں والے مکانوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا' یہ کون سا شہر ہے سمیرا نے سوچا یہ میرا شہر نہیں ہے۔ کیونکہ اسے اس چھوٹے سے شہر میں بجلی اور ٹیلیفون کے تاروں کے کھمبے نظر نہیں آ رہے تھے پرانی طرز کے مکانوں کی چھتیں ڈھلواں تھیں کہیں کہیں چوکور میناروں والی مسجدوں کے کنگورے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ سمیرا کو خوشی ہوئی کہ وہ مسلمانوں کا شہر ہے مگر شہر کے مکانوں کی طرز قدیم ہسپانوی موروں کے طرز تعمیر کی تھی کیا میں مسلمانوں کے اندلس میں آ گئی ہوں؟

اس کے دل میں خوف پیدا ہونے لگا اس کے پاؤں ایک جگہ زمین پر آ کر لگ گئے اس نے ماحول' کا جائزہ لیا ایک شفاف ندی چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ٹکراتی بہہ رہی تھی ندی کے کنارے سرو اور کھجوروں کے درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی

تھیں اس نے کھیتوں میں سے گزرتی کام کرتی ایسی عورتیں دیکھیں جنہوں نے سر پر سرخ رومال باندھ رکھے تھے اور جن کے لبادے ٹخنوں کو چھو رہے تھے پر نگاہیں ایک گرجا گھر کے مینار پر رک گئیں۔ سمیرا آگے بڑھی وہ ایک مسجد کے قریب سے گزری۔ مسجد کے دروازے پر تالا پڑا تھا۔ دیواروں پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اندر کوئی نمازی نہیں تھا۔

وہ ایک پہاڑی راستے پر چلنے لگی جس کی دونوں جانب عظیم الشان سرو کے درخت خاموش کھڑے تھے اوپر ایک قلعہ نما پھاٹک تھا وہ پھاٹک سے گزر کر اندر گئی تو ایک عالی شان محل دیکھا جس کی محرابوں میں جگہ جگہ عربی کی عبارت لکھی ہوئی تھی۔ سمیرا کا دل دھڑکنے لگا وہ اندلس کے تاریخی الحمراء میں آ گئی تھی ہسپانیہ کے مسلمان حکمرانوں کے قصر شاہی کے صحن میں کھڑی تھی اس پر شکوہ اور حسین ترین عمارت کی پیشانی سے اسلامی عہد کا جاہ و جلال ہویدا تھا اور اس کے محرابی ایوانوں اور بے شمار ستونوں کی عظمتیں مسلمانوں کی جرات و شجاعت رواداری علم و حکمت سے والہانہ محبت اور وسعت قلبی کی داستانیں سنا رہی تھیں۔ سمیرا حیرت زدگی کے عالم میں تھی کیا وہ مور مسلمانوں کے عظمت رفتہ کے زمانے میں آ گئی ہے۔ قصر الحمراء کے ایوان سنسان تھے فواروں کا رقص تھم چکا تھا ایک ایوان کی طرف سے ہوا کا نیم گرم جھونکا آیا تو اس میں مشک و عنبر کی خوشبوئیں تھیں ہر طرف سناٹا تھا۔ وہ ایوان میں آ گئی یہاں سنگ مرمر کا ایک خالی تخت پڑا تھا اس کے چاروں کناروں پر پتھر کے شیروں کے چہرے بنے ہوئے تھے ایک جانب پتھر کی کشادہ سیڑھیاں شاہی محل کو جاتی تھیں خوشبوؤں کے جھونکے اسی طرف سے آ رہے تھے۔ اچانک ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے آدمی سیڑھیاں اتر رہے ہوں۔ سمیرا جیسے عالم خواب میں ہی ڈر کر ستونوں کے پیچھے ہو گئی سیڑھیوں میں شمع دانوں کی روشنیاں جھلکنے لگیں اور پھر چار حبشی غلام ہاتھوں میں چاندی کے شمع دان تھامے نیچے اترتے دکھائی دیئے ان کے پیچھے پیچھے کھلے سیاہ بالوں والی کنیزیں سرخ پھول دار لباس پہنے گلے میں سرخ رومال ڈالے ہاتھوں میں چنگیریں تھامے سرخ گلاب کے پھول سیڑھیوں پر بکھیرتی چلی آ رہی تھی ان کے پیچھے ایک دراز قد حسین ملکہ پورے شاہی جاہ و جلال کے ساتھ سرخ و سیاہ مخملی

کے لباس میں ملبوس سر پر ہیرے جواہرات کا تاج پہنے شاہانہ قدم اٹھاتی سیڑھیاں اتر رہی تھی ملکہ کے پیچھے شہزادیاں تھیں اور ان کے پیچھے سات حبشی ہاتھوں میں شمع دان لئے بڑے احترام سے نظریں نیچی کئے چلے آتے تھے۔ سمیرا اس شاہی جلوس کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ آدھی رات کے سناٹے میں اس ویران محل میں یہ شاہی جلوس کدھر سے آگیا ہے اور کدھر جا رہا ہے ایوان خوشبوؤں سے مہک اٹھا تھا۔ یہ جلوس آہستہ آہستہ سامنے والی دیوار کی طرف آیا اور پھر اس میں یوں داخل ہو گیا جیسے دیوار میں کوئی دروازہ ہو جبکہ پتھر کی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ شاہی جلوس کے چلے جانے کے بعد ویران ایوان میں پھر وہی سناٹا طاری ہو گیا اس سناٹے میں کسی کی پرسوز آواز ابھری، کوئی گٹار پر درد بھری لے میں کسی عربی نوحے کے یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ سمیرا عربی نوحے کا سارا مفہوم سمجھ رہی تھی۔

قسمت نے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔

اے ابن سراج! تیرے آسمان کے ستارے ٹوٹ گئے۔

ہم نے خدا اور اس کے رسولؐ کے پیغام کو بھلا دیا اور غرناطہ کی مسجدیں بے اذان ہو گئیں میں بہادر مسلمان موروں کا نوحہ گر ہوں۔

تلواریں ٹوٹ گئیں۔

دروازے گر پڑے۔

چشم عبرت! چشم عبرت!

سمیرا آنکھیں کھولے ایوان میں چھائی نیم تاریکی میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ نوحہ گانے والا اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا اس کی پرسوز آواز کبھی زور سے سنائی دیتی اور کبھی قریب سے ہو کر گزر جاتی۔ پھر کسی نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ سمیرا نے اس ہاتھ کی گرفت کی نرمی کو پہچان لیا۔ اس نے اس شخص کا نام لے کر پوچھا۔

"کیا یہ تم ہو؟"

نظر نہ آنے والے اجنبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑی محبت سے اپنے ساتھ لے کر ایوان شاہی سے باہر آگیا۔ جب وہ الحمرا کے قصر شاہی میں داخل ہوئی تھی تو

ن نکلا ہوا تھا۔ جب وہ اپنے دوست کا ہاتھ تھامے باہر آئی تو آسمان پر چودھویں کا چاند نکلا ہوا تھا جس کی زرد نیلی پاکیزہ روشنی میں الحمرا کے باغات کے سرو چشم حیرانی سے آسمان کو تک رہے تھے، فضا خاموش تھی۔ ہوا ساکت تھی، کسی درخت سے کوئی سوکھا پتہ ٹوٹ کر گرتا تو یوں لگتا جیسے کسی نے آہ بھر کر سانس لیا ہو یا سانس لے کر آہ بھری ہو۔ سمیرا جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کون ہو سکتا ہے؟ وہ بار بار اس کا نام لے کر اسے بلا رہی تھی مگر نہ اس دوست کی شکل اسے نظر آ رہی تھی نہ وہ اس سے کوئی بات کرتا تھا۔ صرف اس کے ہاتھ کی گرفت سمیرا کو اس کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ پھر وہ الحمرا کے قلعے کے پھاٹک سے باہر نکل آئے اور سرو کے گول بڑے بڑے درختوں کے قریب آ کر رک گئے۔ سمیرا کے ساتھی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ادھر ایک چمک سی دکھائی دے رہی تھی۔ آہستہ آہستہ یہ چمک قریب آتی گئی اور شہہ سواروں کے نیزوں کی نوکیلی انی میں بدل گئی۔ مور مسلمانوں کا ایک لشکر جرار پہاڑی سے اتر کر سایہ دار روشوں پر سے ہوتا ہوا الحمرا کی طرف آ رہا تھا۔ لشکر کے سواروں میں کچھ کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ کچھ کے پاس تلواریں اور تیز پھل والی جنگی کلہاڑیاں تھیں۔ مسلمان شہہ سواروں کے جسم چمکیلے خودوں اور زرہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ چاند کی روشنی میں ان کے جسم شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ ان کے گھوڑے بڑی آن بان سے گردن اٹھائے ہنہناتے ہوئے چل رہے تھے۔ سمیرا ان مسلمان شہہ سواروں کے بارے میں کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ اس کے ساتھی نے اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چپ رہی۔

چاندنی میں وہ گل پوش روش پر سے گزر رہے تھے۔ یہ روش سیاہ گلابوں کی روش کے نام سے مشہور تھی۔ سیاہ گلاب اندلسی مسلمانوں کی ایجاد تھی۔ چاندنی رات میں سیاہ گلاب کالے مخمل کی طرح چمک رہے تھے۔ قلعے کی فصیل کے پیچھے دریا خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ ڈھلان پر زیتون اور سرو کے درختوں کے جھنڈ خاموش کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے کسی ہجر نصیب بلبل کی اداس آواز چاندنی رات کے سکوت کو توڑ کر فضاؤں میں گم ہو جاتی۔ سمیرا کی آنکھیں اپنے آپ بند ہونے لگیں۔ اسے اپنے جسم کا بوجھ ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔ اجنبی دوست نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ

آہستہ آہستہ بلند ہوتی دریا کے اوپر آ گئی۔ چاندنی میں اس کے نیچے دریا کا پرسکون بہاؤ چمک رہا تھا۔ سمیرا کو ایک لمحے کے لئے بھی کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں مگر یہ سارے منظر اس کی نگاہوں میں تھے۔ وہ ان کو صاف صاف دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ نظر تھی جو سمیرا کی آنکھوں کی محتاج نہیں تھی۔ یہ سمیرا کی آنکھوں کے وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود تھی اور جب اس کی آنکھیں خاک میں مل جائیں گی تب بھی باقی رہے گی اور سب کچھ دیکھ رہی ہو گی۔ سمیرا کو سب کچھ دکھا رہی ہو گی' یہ نگاہ ویسی کی ویسی تھی مگر منظر سمیرا کی نگاہوں میں دھندلانے لگے تھے۔ پھر وہی دھند چھا رہی تھی جس نے کالے سیاہ بادلوں کی شکل اختیار کر لی اور سمیرا کو اپنے ساتھ اڑاتے لے گئے۔

جب منظر بدلا تو سمیرا نے دیکھا کہ وہ اپنے بیڈ روم میں بستر پر ٹیک لگائے بیٹھی ہے اور کھلی کھڑکی میں سے پچھلی رات کی خنک ہوا اندر آ رہی ہے۔ ضرور میں نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ اس نے سوچا مگر میں تو بستر سے اٹھ کر خالی اسٹور روم میں گئی تھی۔ میں بستر پر لیٹی ہوئی نہیں تھی اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ویران اسٹور روم میں داخل ہوئی تھی اور ایک خاص خوشبو اس کی راہنمائی کر رہی تھی وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ یہ ماورائی تجربے اس کی زندگی کا حصہ بن چکے تھے۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی سب کچھ سمجھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں کچھ سوگوار یادیں تھیں' کچھ ملال تھا' کچھ پچھتاوے تھے جو آنسوؤں کی شکل میں اس کی بند آنکھوں کے کناروں سے گرنے لگے۔

وقت ایک ایسا ساتھی جو زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بھی اس کا ساتھ چھوڑتا چلا جاتا ہے۔ اس کا نظر نہ آنے والا ہاتھ ہمارے چہروں پر لکیریں ڈالتا اور ہمارے سیاہ بالوں میں سفیدی بھرتا ہے۔ وقت کا یہ عمل سمیرا کے ساتھ بھی جاری تھا۔ اس کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے اپنے بالوں کی سفیدی کو غضاب کی سیاہی میں چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کس کی خاطر بالوں کو سیاہ کرتی' کوئی دیکھنے والا ہوتا تو وہ ایسا کر بھی لیتی۔ اب تو کوئی بھی نہیں رہا تھا' وقت کا مصور زندگی کے کینوس پر لکیریں ڈالتا چلا گیا' سفید رنگ بکھیرتا چلا گیا' سمیرا کا شباب

ڈھل گیا۔ وہ بڑھاپے اور جوانی کے درمیان پہنچ گئی۔ یہ وہ خطرناک عمر ہوتی ہے جب انسان کو کبھی جوانی کی لہر اپنی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور کبھی بڑھاپے کی لہر اٹھا کر اپنی طرف لے جاتی ہے۔ جب انسان نہ بوڑھا ہوتا ہے نہ جوان------ وہ جوانوں میں بوڑھا اور بوڑھوں میں جوان لگتا ہے۔ جب اس کا ایک ہاتھ جوانی کے ہاتھ اور دوسرا ہاتھ بڑھاپے کی بغل میں ہوتا ہے۔ جب انسان کو بڑی شدت سے احساس ہونے لگتا ہے کہ اس کے شباب کے دن بیکار گزر گئے۔ خواہ اس نے کتنی ہی بھرپور جوانی ہی کیوں نہ گزاری ہو جب اسے بڑی حسرت ہوتی ہے کہ کاش کوئی اسے بیٹا یا بیٹی کہہ کر پکارے۔ جب اس سے کوئی اس کی عمر پوچھے تو وہ بھول جاتا ہے یا اپنی اصلی عمر سے پانچ سال کم بتاتا ہے۔ اس کے بعد وہ منزل آتی ہے جب انسان ادھیڑ عمری سے گزر کر بڑھاپے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتا ہے یہ وہ مقام ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس سے اس کی عمر پوچھے تو وہ اپنی اصل عمر سے پانچ برس زیادہ بتاتا ہے۔ صرف یہ سننے کے لئے کہ دوسرا کہے آپ اتنی عمر کے لگتے نہیں۔ ہائے زندگی کے فریب! عمر کی شعبدہ بازیاں! جو عمر کے پیچھے چھپا بیٹھا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہاں وقت نہیں گزرتا۔ وہاں عمر نہیں گزرتی وہاں چہرے پر ایک بھی لکیر نہیں پڑتی۔ ایک بال بھی سفید نہیں ہوتا جس کا ہاتھ وقت کے ہاتھ کے پیچھے کارفرما ہاتھ کو تھام لیتا ہے پھر وہ بڑھاپے میں بھی اپنے بچپن اور جوانی کو ساتھ لے کر چلتا ہے پھر بڑھاپا اسے ایک نئے طلوع ہوتے سورج کی شکل میں ملتا ہے۔

سمیرا نے یاقوت کی وجہ سے بڑھاپے کو سورج کی شکل میں پہچان لیا تھا۔ اس کے چہرے پر وقت کی ہر لکیر ایک نئے سکون سے بھی ہمکنار کر رہی تھی۔ اس کی ذہنی اذیتوں کو کم کر رہی تھی۔ مگر اس کی یادوں کے سنگ ریزے بڑھاپے کے سورج کی دھوپ میں پہلے سے زیادہ چمکنے لگے تھے۔ اس کی وجہ سمیرا کی نفسیاتی اور ذہنی توانائی تھی وہ فکر و وجدان کی عورت تھی اور ایسے لوگوں کا طرہ یہ یا المیہ یہی ہوتا ہے کہ ان کا ذہن آخری وقت تک بیدار رہتا ہے۔ سمیرا کے چاروں طرف وقت کا عمل جاری تھا۔ نوری کے باپ سلیمان کا انتقال ہو چکا تھا۔ نوری کے ہاں پانچ بچوں کی ولادت ہو

چکی تھی وہ سب اپنی عمروں کے لحاظ سے بڑے ہو گئے تھے۔ نوری بھی جوانی کی منزل سے گزر آئی تھی مگر وہ اب بھی دل و جان سے سمیرا کی خدمت کرتی تھی۔ سمیرا کی ایک ہی سہیلی تھی نتاشا------ وہ کار کے حادثے کے بعد بیس دن تک اسپتال میں بے ہوش پڑی رہی اور پھر وفات پا گئی تھی۔ اس بات کو بھی کئی سال گزر گئے تھے۔

اب سمیرا کو تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ وہ جوانی کے سرسبز و شاداب چمن سے نکل کر آئی تھی مگر اس کا آنچل کا کنارہ ابھی تک اس چمن کی آخری جھاڑیوں میں اٹکا ہوا تھا۔ شاید اسی لئے تنہائی کا احساس آہستہ آہستہ ذہنی بے چینی کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ اگر وہ پوری طرح بوڑھی ہو گئی ہوتی تو اس کے جذبات کا یہ ہیجان بھی ختم ہو گیا ہوتا۔ مگر دیا جب بجھنے کے قریب آتا ہے تو اس کی لو زیادہ تیزی سے بھڑکتی ہے۔ سمیرا کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ اپنے مکان میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ کمرے کی ہر شے' باغ کا ہر درخت اسے پرانی یادوں کے جنگل کی طرف کھینچ کر لے جاتا تھا۔ کتاب پڑھنے لگتی تو اسے وہ دن یاد آتے جب وہ کتاب پھینک کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر کسی کی راہ دیکھا کرتی تھی۔ کھڑکی وہی تھی' مکان کا گیٹ بھی وہی تھا مگر اب آنے والا کوئی نہیں تھا۔ ایسا کوئی شخص نہیں تھا جس کی وہ راہ دیکھے۔ پینٹنگ کرنے کے لئے ایزل کے سامنے آتی تو کینوس پر پرانی یادوں کی تصویریں ابھرنے لگتیں۔ آخر ایک دن اس نے کچھ وقت کے لئے باہر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے کہاں سکون مل سکتا تھا؟ کافی سوچ بچار کے بعد سمیرا نے اسپین جانیکا پروگرام بنا لیا۔ اسپین ایک ایسا ملک تھا جس کی تاریخ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی آئینہ دار تھی۔ اسپین وہ ملک تھا جہاں عرب اور مور مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی اور علم و حکمت کی ایسی ایسی شمعیں روشن کیں کہ جن کی روشنی نے مغربی فکر کی راہ نمائی کی اور اطالیہ میں نشاۃ الثانیہ کا آغاز ہوا۔ سمیرا نے اپنے پاسپورٹ پر اسپین کا ویزا لگوایا۔ جس ٹریول ایجنسی میں وہ کام کرتی رہی تھی اس کی وساطت سے سمیرا نے قرطبہ کے ایک ہوٹل میں بکنگ کرانی چاہی تو ایجنسی کے منیجر نے کہا۔ "آپ ہمارے دفتر کی سابقہ کارکن ہیں ہم آپ کو قرطبہ کے ہوٹل میں نہیں ٹھہرنے دیں گے۔ آپ ہمارے آفس کے فلیٹ میں وہاں جتنی دیر چاہے قیام کر سکتی ہیں۔ یہ فلیٹ ہمارے قرطبہ آفس کے اوپر ہی

ہے۔ وہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔"

سمیرا کو یہ انتظام پسند آیا۔ اس نے منیجر کا شکریہ ادا کیا۔ منیجر نے اسی وقت قرطبہ میں اپنی برانچ کے انچارج کو ٹیلیفون کر کے ساری بات بتا دی۔ سمیرا نے نوری کو ضروری ہدایات دے دیں اور ایک روز جہاز میں سوار ہو کر اسپین روانہ ہو گئی۔ یہ فلائٹ بذریعہ روم تھی۔ وہ قرطبہ پہنچی تو ایئرپورٹ پر قرطبہ برانچ کا منیجر ہدایت اللہ اپنی بیگم کے ساتھ سمیرا کو لینے آیا ہوا تھا۔ وہ رات سمیرا نے ہدایت کے گھر پر بسر کی۔ ان کی بیگم اور بچے سمیرا میں گھل مل گئے۔ بیگم نے تو سمیرا کو اپنے ہاں قیام کے لئے کہا مگر سمیرا تنہا رہ کر اپنے خوابوں کی سرزمین کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اگلے روز وہ قرطبہ برانچ کے اوپر والے فلیٹ میں منتقل ہو گئی جو مہمانوں کے لئے ہی مخصوص تھا۔ ہدایت صاحب نے ایک ملازمہ بھی سمیرا کو دے دی جو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول لیتی تھی۔ سمیرا اپنے ساتھ مختصر سا سامان لے کر گئی تھی۔ فلیٹ میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سمیرا قرطبہ شہر کی سیر و سیاحت کو نکل کھڑی ہوتی۔ یہ شہر جدید قدیم تہذیبوں کا سنگم تھا مگر ہر عمارت عربوں اور مسلمان موروں کی طرز تعمیر کی یاد لا رہی تھی۔ ہسپانوی ملازمہ اس کے ساتھ تھی اور راہ نمائی کر رہی تھی۔ وہ ایک چھوٹی چھوٹی گلیوں والے ایسے محلے میں آ گئی جہاں چھجے دار کھڑکیوں والے مکانات ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ہر مکان کے بڑے پھاٹک کے اندر کشادہ صحن میں فوارہ ور باغ لگا تھا۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دور حکومت میں یہاں عرب امراء رہا کرتے تھے۔ مسجد قرطبہ یہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ مسجد کے دامن میں دریائے دادالکبیر بہہ رہا تھا۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ سمیرا نے نوکرانی کو ساتھ لیا اور مسجد قرطبہ کی طرف چل پڑی۔ یہ تاریخی مسجد اور اسپین پر مسلمانوں کی سینکڑوں برس کی عدل و انصاف کی حکومت کا پر جلال نشان' شہر کی آبادی کے وسط میں ہے۔ سمیرا نے مسجد کے احاطے کا بیرونی دروازہ پار کیا تو اسے دونوں جانب کھجور اور مالٹوں کے درخت ہی درخت نظر آئے۔ یہاں دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے سیاح بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ مسجد کا اندرونی دروازہ کھلے تو وہ مسجد کے اندر جا کر دیکھیں۔ سمیرا نے دیکھا

کہ مسجد کے برآمدے خستگی کا شکار تھے۔

مسجد قرطبہ کے چودہ دروازے ہیں جن میں سے صرف ایک دروازہ سیاحوں کے لئے کھولا جاتا ہے۔ جب اس دروازے کے کھلنے کا وقت ہوا تو سمیرا بھی دوسرے سیاحوں کے ساتھ مسجد کے صحن میں داخل ہو گئی۔ ایک مصری مسلمان عورت نے سمیرا کو بتایا کہ مسجد کے چودہ سو ستون تھے جن میں سے صرف آٹھ سو باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد کا صحن مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں سنگ مرمر کا ہوتا تھا مگر اب سنگ مرمر کی جگہ اینٹوں کا فرش ہے۔ ہسپانوی گائیڈ نے بتایا کہ مسجد میں مسلمانوں کے نماز پڑھنے کو پسندیدگی سے نہیں دیکھا جاتا۔ سمیرا نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس تاریخی مسجد میں خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر دو رکعت نفل ضرور ادا کرے گی۔ اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار مصری عورت سے کیا تو وہ کہنے لگی۔

"میں بھی یہی ارادہ لے کر یہاں آئی ہوں۔" دوسرے سیاح اور مرد عورتیں ہسپانوی گائیڈ کے ساتھ مسجد کے دوسرے صحن کی طرف چلے گئے تھے۔ اس دوران سمیرا اور مصری خاتون کو موقع مل گیا۔ سمیرا گھر سے وضو کر کے چلی تھی۔ مصری خاتون بھی وضو کر کے آئی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مسجد میں وضو کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ دونوں خواتین بڑی محراب کے پاس آ کر قبلہ رو ہو گئیں اور دو نفل نماز ادا کی سمیرا نے جب مسجد قرطبہ کے صحن میں خدا کے حضور سجدہ کیا تو اس پر ایک ہیبت اور جلال کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کا جی سجدے سے اٹھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ جب وہ سجدے سے اٹھی تو اسے اپنے چہرے پر ایک چھوٹے سے سورج کا گمان ہو رہا تھا جس میں روشنی کی گرم شعاعیں نکل رہی ہوں۔

سمیرا مسجد قرطبہ سے نکل کر سیدھی اپنے فلیٹ پر آ گئی۔ اس پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ اس کے مسلمان ہونے کا پہلا دن ہے۔ اس نے ایک پیالی چائے پی اور کھڑکی کے پاس چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اسے اپنا آپ انتہائی لطیف محسوس ہونے لگا تھا۔ دریا کی جانب سے قرطبہ کے باغوں میں کھلے ہوئے پھولوں کی ہلکی ہلکی مہک آتی محسوس ہو رہی تھی۔ گلی میں سے ہسپانوی نوجوانوں کی ایک ٹولی گٹار پر کوئی گیت گاتی گزر گئی۔ سمیرا پر وہی محویت کا عالم طاری رہا۔ اس

، سوچ رکھا تھا کہ وہ آدھی رات کو اٹھ کر وادالکبیر دریا کنارے کے کنارے سرو ، درختوں کی ضرور سیر کرے گی۔ مگر وہ نہ گئی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ سو گئی ں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہی تھی اسے لگتا ا کہ دریائے وادالکبیر' دریا کنارے کے سرو کے درخت اور مسجد قرطبہ اس کے سینے ے اندر' اس کے دل میں اتر گئے ہیں اس کے احساسات میں سما گئے ہیں۔ وہ اپنے کمرے میں رات گئے تک جاگتی رہی۔

دوسرے روز اس نے بیدار ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ ٹریول ایجنسی کے برانچ منیجر کو مطلع کیا کہ وہ واپس پاکستان جانا چاہتی ہے۔ ہدایت صاحب بڑے حیران ہوئے۔ "مگر آپ نے ابھی اسپین کی پوری سیر ہی نہیں کی۔"

سمیرا نے کہا۔ "میں جس مقصد کے لئے یہاں آئی تھی میرا وہ مقصد پورا ہو گیا ہے۔ آپ براہ مہربانی کسی قریبی فلائٹ میں میری سیٹ کنفرم کروا دیں۔"

جب سمیرا پاکستان اپنے گھر پہنچی تو نوری اور اس کے خاوند کو بھی بڑی حیرانی ہوئی کہ بیگم صاحبہ نے تو کہا تھا کہ وہ ساری گرمیاں باہر رہیں گی۔ پھر اتنی جلدی کیسے واپس آ گئیں۔ نوری نے پوچھا تو سمیرا نے مختصر سا جواب دیا۔ "وہاں دل نہیں لگا۔"

حقیقت یہ تھی کہ مسجد قرطبہ میں ادا کئے گئے سجدے نے سمیرا کا دل بدل ڈالا تھا۔ وہ چیزوں کو اگر ان کے حقیقی رنگ میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی تو کم از کم اتنا ضرور ہوا تھا کہ اس پر چیزوں کی ملاوٹ ضرور کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ اب وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرتی تھی۔ اب اسے اپنے گھر کی چار دیواری میں تنہائی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ کوئی بہت عظیم طاقت' خیر کی طاقت' نیکی کی طاقت اس کے ساتھ ہے۔ اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ اس کے تمام خیالات کا رخ ایک ہی مرکز کی طرف تھا اور وہ مرکز خالق کائنات سے سمیرا کی والہانہ وابستگی تھی۔ وہ جسمانی دکھوں اور ذہنی اذیتوں کی ایک طویل کانٹوں بھری سرنگ سے گزر کر یہاں تک پہنچی تھی اور آخر اسے خدا کے جوار رحمت میں پناہ مل گئی تھی اس لئے کہ سمیرا نے اپنے خیالوں کو دنیاوی آلائشوں سے پاک کر لیا تھا۔ اس کی پرانی یادیں اور اس کے محسوسات حسرتوں اور بے ثمر خواہشات کے بادلوں سے نکل آئے

تھے۔ اب وہ ہر چیز کو صاف دیکھ رہی تھی۔ اگر کوئی حسرت باقی تھی تو صرف ممتا کی حسرت تھی۔ سمیرا کے دل میں وہ جذبہ بیدار نہ ہو سکا تھا جو ایک ماں کے دل میں اپنے بچوں کے لئے موجود ہوتا ہے بلکہ جس جذبے نے ماں کی پوری شخصیت کو اپنی آغوش میں لئے ہوا ہوتا ہے۔ جب وہ کسی ماں کو دیکھتی کہ وہ اپنے بچے کو پیار سے چوم رہی ہے تو سمیرا کی آنکھوں میں وفور محبت سے آنسو آ جاتے۔ وہ اس ماں کو سلام کرتی اور اس پر رشک بھی کرتی۔ واقعی ماں کی خدمت انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

وقت بھی کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ ہم زمین کی گہرائیوں میں اتر جائیں۔ اپنی گلیکسی کے کسی سیارے میں چلے جائیں۔ وقت ہمارے ساتھ ہو گا اور اپنے آگے بڑھتے ہوئے ہر قدم کے ساتھ ہمارے چہرے کو بدلتا جائے گا۔ سمیرا بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی جا رہی تھی۔ یہ تبدیلی بڑی خاموشی سے عمل میں آ رہی تھی۔ اس کی وفادار خادمہ نوری کے تین بچوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ وہ پوتے پوتیوں والی ہو گئی تھی۔ سمیرا کے سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ چہرے کے نقوش ڈھل گئے تھے۔ مگر اس کے بڑھاپے میں بھی ایک خوبصورتی تھی۔ ایک اپنا تقدس تھا۔ پاکیزگی تھا۔ وہ سفید بالوں والی گڑیا لگنے لگی تھی۔ ادبی کتابوں کے مطالعے اور پینٹنگ کو اس نے خیرباد کہہ رکھا تھا۔ وہ خود ان چیزوں کے درمیان پہنچ گئی تھی جن چیزوں پر کتابیں لکھی جاتی ہیں اور جن کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ اس کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں خالق کائنات کی عبادت میں گزرتا۔ کمرے سے باہر نکلتی تو لیموں اور لوکاٹ کے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر اکیلی چائے پیتی اور ان دنوں کو یاد کرتی جو کبھی اس نے وہاں یاقوت کے ساتھ باتیں کرتے چائے پیتے بسر کئے تھے۔ یہ دونوں درخت بھی اب کافی بڑے ہو گئے تھے۔ اسے سلمان یاد آتا۔ وہ جیسا بھی تھا مگر اس سے محبت کرتا تھا اور محبت بڑی چیز ہوتی ہے۔ ان دنوں کو یاد کر کے سمیرا اداس ہو جاتی۔ بڑھاپے کی اداسی بڑی پرسکون ہوتی ہے۔ درخت کی ٹہنی سے ٹوٹ کر نہر میں گرنے ہوئے اس پتے کی طرح جو پانی کی سطح پر بے حس و حرکت بہا جا رہا ہو۔

سمیرا بھی اپنے خوبصورت دنوں کی شاخ سے ٹوٹ کر گرا ہوا خشک پتا تھا جو

کی لہروں پر بہتا چلا جا رہا تھا۔ اسے گزرے ہوئے دنوں کی خوشبوئیں محسوس ں۔ ان کی محبت بھری سرگوشیاں سنائی دیتیں۔ ان سرگوشیوں سے اس کے کان تھے۔ یہ خوشبوئیں اس کی جانی پہچانی تھیں۔ مگر جس خوشبو کی اسے تلاش تھی وہ کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باغ میں اس کی یادوں کے جنگل میں' ہر ں کی' ہر شگوفے کی' ہر درخت کی خوشبو موجود تھی مگر یاقوت کی خوشبو اس سے کبھی نہیں آئی تھی۔

لیموں اور لوکاٹ کے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے کوئی پتا ٹ کر اس کے قریب گرتا تو سمیرا اپنی بوڑھی ادھ کھلی آنکھوں سے اسے دیر تک بھتی رہتی۔ جیسے وہ پتا' درخت کی شاخ سے ٹوٹ کر گرا ہوا وہ خشک پتا اس کو اپنے اتھ لے جانے کے لئے' جہاں مرجھائے ہوئے پھولوں اور خزاں نصیب زرد پتوں کو یک بار پھر نئی زندگی کی تر و تازگی عطا کی جاتی ہے۔ جہاں محبت کرنے والے صدیوں ی گہری نیند سے بیدار ہو کر ایک بار پھر ایک دوسرے سے محبت کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ جہاں خزاں میں سوکھے ہوئے درختوں پر ایک بار پھر شگوفے کھلتے ہیں اور ان کی خوشبو محبت کرنے والوں کی تلاش میں نکلتی ہے۔ وہ سوچتی' میں بھی اپنی شاخ سے ٹوٹ کر گرنے والی ہوں۔ وقت نے میری زندگی کے درخت کے پتوں کو بھی زرد کر دیا ہے۔ جس روز میں اپنی شاخ سے ٹوٹ کر گری کیا مجھے بھی کوئی ہوا اپنے ساتھ اڑا کر ان گلستانوں میں لے جائے گی۔ جہاں خزاں کو پھر سے بہار کے جذبے' بہار کے رنگ اور نئی زندگی کی روشنیاں ملتی ہیں؟

سمیرا دیر تک پتھر کے مجسمے کی طرح آرام کرسی پر بیٹھی سوکھے پتوں کو تکتی رہی۔ وقت کا ہاتھ اس کی زندگی کی آخری سطریں لکھ رہا تھا۔ یہ کتاب ختم ہونے والی تھی۔ آگے خالی سادہ ورق شروع ہو رہے تھے۔ بلبلیں شاخ صنوبر سے اڑ گئی تھیں۔ پھولوں کی پنکھڑیاں ایک ایک کر کے بکھر گئی تھیں۔ وہ پرانے راستے باغوں کے ویران ہو گئے تھے۔ جو کچھ آگے آنے والا تھا وہ قریب آ گیا تھا۔ جو کچھ پیچھے تھا وہ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ بیتے ہوئے دنوں کی دھند میں گم ہو گیا تھا۔ وہ خواب میں چاندنی ایسے سفید پتھروں کے محل کو دیکھتی جن کی دیواروں پر سفید موتی جڑے ہوتے۔ جن

کی مرمریں جالیوں میں سے چاند چمکتا دکھائی دیتا اور سرو و صنوبر کے باغوں میں نازک اندام ہرنیاں سرخ گلاب کی جھاڑیوں کے پاس ٹہل رہی ہوتیں۔ صندل کے منقش دروازوں کی سیڑھیوں پر مخمل بچھا ہوتا اور کشادہ دالان کے قالینوں پر جگہ جگہ نیم شگفتہ پھول بکھرے ہوئے ہوتے۔ ہر طرف خاموشی اور سکوت کے عالم میں نیلی چاندنی گیندے اور چنبیلی کی مہک لئے اندر آ رہی ہوتی۔ سمیرا کی پلکیں اپنے آپ بند ہو جاتیں۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگتے۔ جو بہت پیچھے رہ گیا تھا وہ بہت قریب آ رہا تھا۔ جو کچھ اس کے قریب تھا۔ اس کے آس پاس تھا وہ دور——— دور تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کون سی سرزمین تھی جس کی روشنی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی؟ وہ کوئی حیران کر دینے والی روشنی تھی۔ وہ آسمان پر اس روشنی کی تحریر کو پڑھ رہی تھی۔ اس کا دل رحم اور محبت سے لبریز ہو گیا تھا۔ پھر کبھی مجھے اس درخت کے نیچے آ کر نہیں بیٹھنا۔ پھر کبھی مجھے اس گھر میں داخل نہیں ہونا۔ اسے آرنلڈ کی نظم یاد آنے لگی۔

"جب گلاب کا پھول مرجھا جاتا ہے
اس کی خوشبو کہاں چلی جاتی ہے؟
جب چراغ کا تیل ختم ہو جاتا ہے
تو اس کا شعلہ کہاں غائب ہو جاتا ہے؟
اتنے ساون' اتنی بہاریں———
اور پت جھڑ کے زرد پتے———
شاید ایک اور بہار آئے
اگر خزاں ہے تو بہار بھی ضرور ہو گی
کہیں نہ کہیں نجات کا راستہ ضرور ہے
یہ محبت اور رحم کا راستہ ہے
کیسری رنگ۔ کے پھولوں کے کھیت
آموں کے جھنڈ' ٹھنڈے پانیوں والی نہریں'
جامن کے درختوں کے سائے میں

پرانی بارہ دریوں کے کھنڈر———"

سمیرا کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کو بالکل احساس نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں بند ں رات کو اس نے کچھ نہ کھایا۔ اسے اپنا آپ پھول سے زیادہ ہلکا محسوس ہو رہا ۔ بیڈروم کی اونچی محرابی کھڑکی کھلی تھی۔ چاند ابھی آسمان پر نمودار نہیں ہوا تھا۔ ر باغ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھڑکی میں سے کسی وقت ٹھنڈی ہوا کا جھونکا لسری کے پھولوں کی خوشبو لیکر اندر آ جاتا تھا۔ سمیرا نے آج رات کافی بھی نہیں تھی۔ اس نے نئے کپڑے پہنے تھے۔ سفید بالوں کو سنوارا تھا۔ خالق کائنات کے نور سجدہ ریز ہو کر وہ دیر تک اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہی تھی۔ اس نے کلام ب کی تلاوت کی۔ قرآن پاک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا تو اس کی آنکھوں سے نسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ پھر وہ خاموش قدموں سے چلتی بیڈروم والی آرام رسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ محراب دار کھڑکی کھلی تھی۔ چاند کب نکلے گا؟ سمیرا کو چاند کے لوع ہونے کا انتظار تھا۔ کیا وہ آج رات کی چاندنی دیکھ سکے گی؟ ابھی کھڑکی کے باہر ات کا اندھیرا تھا۔ باغ کے درخت اندھیرے میں ڈوبے چپ چاپ کھڑے تھے۔ ری دبے پاؤں اندر داخل ہوئی۔ معمول کے مطابق وہ سمیرا کے لئے دودھ کا گلاس ئی تھی۔ اس نے مالکن کو اپنے خیالات میں محو دیکھا تو خاموشی سے گلاس آرام کرسی کے پاس تپائی پر رکھا اور دبے پاؤں باہر نکل گئی۔ وقت جیسے تھم گیا تھا۔ رات جیسے م بخود تھی۔ ہر شے کسی آنے والی شے کا انتظار کر رہی تھی۔ کچھ ہونے والا تھا۔ پھر کھڑکی کے باہر اندھیرے میں آسمان کے مشرق کی جانب نور کی جھلکیاں سی نمود ہونے لگیں۔ سمیرا کے بوڑھے چہرے پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا۔ چاند طلوع ہو رہا تھا۔ چاندنی' چاندنی۔ روشنی' روشنی۔ سمیرا نے دایاں ہاتھ تپائی کی طرف بڑھا کر دودھ کا گلاس ہاتھ میں تھام لیا۔ دودھ کو اس نے ہمیشہ سیال چاندنی سمجھ کر پیا تھا۔ گلاس سمیرا کے ہاتھ میں تھا۔ دنیا کی چیزیں دیکھ دیکھ کر تھکی ہوئی آنکھیں کھلی کھڑکی میں سے آتے' دم بہ دم روشن ہوتے آسمان پر لگی تھیں۔ کہ اچانک گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ دودھ قالین میں جذب ہونے لگا۔ سمیرا کا سفید بالوں والا سر بائیں جانب ڈھلک گیا تھا۔ وہ اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی تھی۔

پھر ایسا ہوا کہ کھڑکی کے باہر آسمان پر روشنی پھیلنے لگی اور اسی روشنی نے کھڑکی میں سے اندر داخل ہو کر سمیرا کے جسد خاکی تک نور کا ایک روشن راستہ بنا دیا۔ سمیرا کے بے حس جسم کو اس روشنی نے ڈھانپ لیا اور پھر ایسا ہوا کہ روشنی کا ایک ہیولا' جس کی شکل نوجوان سمیرا کی خوبصورت اور زندگی کی بھرپور شکل کا عکس تھا۔ آہستہ آہستہ بلند ہوا۔ اس نورانی ہیولے کا رخ کھلی کھڑکی سے نظر آتے روشن آسمان کی طرف تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی پاکیزہ مسکراہٹ تھی۔ جیسے اسے اپنی منزل پر پہنچ جانے کی خوشی ہو۔ اس دوران کھڑکی کے باہر روشنی کے راستے پر یاقوت کا ہیولا نمودار ہوا۔ اس نے انتہائی خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ سمیرا کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے دونوں ہاتھ سمیرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا سمیرا کئی صدیوں سے انتظار کر رہا تھا۔ آخر وہ دن آگیا۔ یہ میری محبت کی فتح ہے۔ یہ تمہاری محبت کی فتح ہے۔ تم نے دنیا میں بڑے دکھ سہے مگر سچائی کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ خالق کائنات نے تمہیں تمہارے نیک اعمال کی جزا دی ہے۔ تمہارے مسرتوں کو غیر فانی بنا دیا گیا ہے۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو تاکہ ہم محبت کی نئی منزلوں کا سفر شروع کریں۔"

مگر جیسے سمیرا نے یاقوت کی آواز سنی نہیں۔ جیسے سمیرا نے یاقوت کو نہیں دیکھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ان جھلملاتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی یاقوت کے پس منظر میں دور آسمان کی بلندیوں میں جھلک رہی تھیں۔ یاقوت نے آگے بڑھ کر سمیرا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر سمیرا اس کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئی۔ یاقوت حیرت کے عالم میں کھڑا سمیرا کے ہیولے کو آگے ہی آگے بڑھتا دیکھتا رہا۔ سمیرا' یاقوت کے مقام سے بہت آگے نکل چکی تھی۔

